احیاء العلوم

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ

جلد اول

مکتبہ رحمانیہ

اردو بازار لاہور

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمدؒ غزالی رحمۃ اللہ

کے معرکہ آرا فکر انگیز مرقع ہدایت

احیاء علوم الدین

کا مستند اردو ترجمہ

مذاق العارفین

جلد اول

ترجمہ

مولانا محمد احسن نانوتوی

عنوانات

مولانا سعید الرحمن علوی

مکتبہ رحمانیہ ○ اردو بازار لاہور-۲

فون ۵۶۵۳۹

نام کتاب : احیاء العلوم

نام مصنّف : حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

نام مترجم : مولانا محمدؐ احسن نانوتویؒ

عنوانات : مولانا سعید الرحمٰن علوی

ناشر : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

پرنٹرز : زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت مکمل ۴ جلد : ۳۰۰/- روپے

فہرست مضامین

احیاء العلوم اُردو جلد اوّل

دیباچہ مترجم

از حضرت مولانا محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد صفوۃ الموجودات وعلی آلہ وصحبہ الکافلین لاحیاء علوم الدین المسمرین للطاعات۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے بندۂ ضعیف محمد احسن صدیقی نانوتوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ برادران دینی کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس نحیف نے بغرض خیر خواہی اہل اسلام کے کتاب احیاء العلوم امام محمد غزالی کا ترجمہ زبان اردو سلیس میں کیا اور امور مفصلہ ذیل کی رعایت اس میں رکھی **اوّل** یہ کہ ترجمہ محاورۂ اردو کے موافق ایسا کیا ہے کہ اول نظر میں یہ گمان نہیں ہوتا کہ دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اردو ہی میں یہ کتاب تالیف ہوئی ہے۔ اس لیے پابندی ترجمہ لفظی کی نہیں رہی۔ بہت سی تقدیم تاخیر الفاظ کی وقوع میں آئی، کیونکہ مقصود مطالب کی تفہیم ہے نہ عبارت عربی کی تعلیم **دوسرے** یہ کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب موصوف کی چار جلدیں کر کے ہر جلد کو دس دس کتابوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر کتاب پر دیباچہ جدا لگایا ہے اور بعض جگہ دیباچہ میں فہرست اس کتاب کی بھی لکھ دی ہے، مترجم نے رواج حال کی رو سے زبانِ اردو میں اس ڈھنگ کا باقی رکھنا مناسب نہ جانا، اس لیے شروع جلد کے دیباچہ کے سوا اور دیباچوں کو ترک کر دیا ہے اور ہر دیباچہ کی جگہ ایک رباعی مضمون لاحق کے مناسب لکھ دی ہے اور کتاب کو باب سے اور باب کو فصل سے بدل دیا ہے **تیسرے** یہ کہ مذہب مصنف مغفور کا شافعی تھا، مسائل عبادات ومعاملات اپنے مذہب کے طور پر لکھے ہیں، میں نے صرف ان کا ترجمہ کر دیا ہے، مذہب حنفی کی تصریح نہیں کی۔ ناظرین اگر حنفی مذہب کے موافق کسی مسئلہ کو دریافت کرنا چاہیں تو کتب متداولہ مذہب کی طرف رجوع فرمائیں **چوتھے** یہ کہ اس کتاب میں ہر مضمون اس بسط وتفصیل کے ساتھ ہے کہ گویا کتاب خود اس کی شرح ہے اس لیے میں نے اپنی طرف سے کسی مضمون میں کچھ زیادتی نہیں کی، الاچند جگہ جو کچھ لکھا ہے تو اسی جگہ اشارہ بھی کر دیا ہے خواہ **ف** لکھ دی ہے یا لفظ یعنی کر کے اپنی عبارت پر خطِ وحدانی بنا دیا ہے ہاں فارسی یا اردو کا شعر مضمون سابق کے مناسب لکھ دینا یا ربط کلام یا نتیجہ عبارت مقدم کے لیے کسی جملہ کا کم وبیش اکثر ہوا ہے **پانچویں** یہ کہ ترجمہ جلدین اخیرین کا اول کیا گیا، اس خیال سے کہ زیادہ کار آمد وہی مضامین ہیں، ایسا نہ ہو کہ اگر زندگی وفا نہ کرے تو امر مہم ہی . . ہاتھ سے رہ جائے، جب خداوند کریم کی عنایت سے آخر کی جلدیں ہو چکیں تو جلدین اولین

کا ترجمہ کیا گیا، یہاں تک کہ دوسری جلد سب سے آخر میں ترجمہ ہوئی، اس سب ترجمہ میں لحاظ قافیہ بندی اور عبارت آرائی کا نہیں کیا گیا کہ یہ طور کتب قصص وحکایات میں خوشنما ہے اور تہذیب اخلاق کے صحائف میں تکلف ظاہری نازیبا علاوہ بریں اتنی بڑی کتاب میں اس کا التزام دشوار، اور منظر غور و تامل مخل مطلب فہمی اور زائد از کار ہے چھٹے یہ کہ آیاتِ قرآنی کا ترجمہ شاہ عبد القادر مرحوم کے ترجمہ سے لکھا گیا ہے الا ماشاء اللہ، اور جن احادیث کی عبارت تیمن وتبرک کے لیے نقل کی ہے ان کا ترجمہ حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔
ساتویں یہ کہ بعض ارباب علم کی صلاح یہ ہوئی کہ جو احادیث احیاء العلوم میں ہیں، ان کا حوالہ بھی لکھ دیا جاتے کہ کس کتاب میں کیسی سند سے مذکور ہیں اور میں نے بھی خیال کیا کہ کچھ اہل علم اس کی احادیث قابلِ اعتبار نہیں جانتے، اس لیے میں نے تخریجات عراقی سے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھ دیا، اور جس طرح عراقی نے صرف نام کتاب اور راوی اعلیٰ کے ذکر پر اکتفا کیا تھا میں نے بھی اس کی تبعیت سے ویسا کیا، مثلاً اگر اس میں لکھا ہے، "مسلم" من حدیث ابی ہریرہ یا الترمذی فی الشمائل من حدیث علیؓ۔ تو میں نے حاشیہ پر یوں لکھا ہے مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رض، مگر افسوس کہ تخریجات عراقی ہر چند لکھی ہوئی سنہ ۹۲۱ ہجری کی تھی۔ مگر اس قدر غلط نکلی کہ بعض احادیث کی سند بالکل فروگذاشت کردی۔ اور باب النکاح کی دوسری فصل سے اگلے باب کی تیسری فصل تک کی تخریج یک قلم نہیں لکھی اور دوسرا نسخہ ملا نہیں کہ اس میں دیکھ لیا جاتا، ایسی حدیثوں میں سے جس قدر کا نشان مجھ کو رواروی میں مل گیا، میں نے لکھ دیا، اور جن کا نشان جلد نہیں ملا، ان کے لیے حاشیہ پر جگہ چھوڑ دی اور عراقی نے ہر سند کے بعد اس کی کیفیت لکھی ہے کہ صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ میں نے حاشیہ پر صحیح الاسناد کے بعد کچھ نہیں لکھا ہاں بعض جگہ کسی مصلحت خاص کے لیے سند صحیح یا جید لکھا ہے اور جہاں کہیں عراقی نے سند علت بیان کی ہے اس کو میں نے بعینہا نقل کر دیا ہے، تو جس تخریج کے بعد حاشیہ پر کوئی علت نہ ہو، اس کو ناظرین صحیح تصور فرمائیں اور جن احادیث کی سند میں عراقی نے کئی کئی طریق لکھے ہیں، بعضے صحیح اور بعضے معلل، تو ایسی صورت میں میں نے صحیح طریق لکھا ہے، معلل کو چھوڑا ہے اور بعض جا کلمات حدیث کے اختلاف کو نقل کیا ہے تو اس جگہ میں نے بالکل اختلاف لکھ دیا ہے، غرض کہ حوالہ لکھنے میں عراقی نے بہت تفصیل وتطویل کی ہے، میں نے اختصار کی راہ اختیار کی اور یہ بھی التزام کیا ہے کہ جس مخرج کے الفاظ ہوں، اس کا نام راوی اعلیٰ کے نام کے پاس لکھا جاتے اور ایک یہ کہ اگر حدیث اوپر کسی باب میں گذری ہے تو لفظ مشیر وغیرہ لکھا ہے اور اسی باب میں آچکی ہے تو اوپر گذری لکھا ہے۔ اور عراقی نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بات کا التزام نہیں کیا کہ حدیث کو مخرج نے بھی انہیں الفاظ سے نقل کیا ہو، جو احیاء العلوم میں ہیں بلکہ اگر روایت بالمعنی ہوئی ہے، تب بھی میں نے لکھ دیا ہے کہ فلاں مخرج نے اس کو نقل کیا ہے یعنی تخریج کی۔ آٹھویں یہ کہ اس ترجمہ میں اشعار کا ترجمہ اشعار میں کیا ہے اور یہ التزام نہیں کہ اشعار اردو ہی میں ہوں، بلکہ بعض فارسی بھی ہیں۔ جہاں بندش فارسی کے الفاظ کی اچھی بن پڑی ہے۔ اور یہ ترجمہ سب ایسی طرح لکھا ہے کہ نوبت مسودہ کی نہیں ہوئی، فکر اول ہی میں جو عبارت ذہن میں گذری قلم برداشتہ لکھ دی۔ اور یہیں وجہ جو اشعار کہ کتاب میں مکرر واقع ہوتے ہیں، ان کا ترجمہ ہر جگہ مختلف ہوا ہے اور بایں ہمہ میں اپنی کم استعدادی اور قلتِ بضاعت کا معترف ہو کر اقرار کرتا ہوں کہ نہ میں ناظم ہوں نہ ناثر نہ مقرر نہ فصیح گفتار، مگر اپنی جانفشانی اور دردسری کی داد منصفوں سے چاہتا ہوں اور سہو وخطا سے اغماض اور اغلاط کی اصلاح کے لیے التماس کرتا ہوں۔ شعر

بہوش گر بخطائے رسی و طعنہ مزن کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اور نام اس ترجمہ کا "مذاق العارفین" رکھا گیا، اب میں اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ اس کو قبول فرماوے اور مجھ کو اور دوسرے طالبانِ آخرت کو اس سے دارین میں نفع عنایت فرماوے جیسے اس کی اصل سے اس نے فائدہ مرحمت کیا اور جس جگہ میں نے مطلب نہ سمجھا ہو اور کسی کی لغزش عمداً یا خطاءً ہوئی ہو اس کو اپنے فضل عمیم سے فرماوے وھو حسبی ونعم الوکیل وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ بعض اقسام حدیث کے جو اس کتاب کے حاشیہ میں متفرق واقع ہیں ان کی تصریح کر دی جاتی ہے کہ ناظرین کو دقت نہ ہو۔

قسم حدیث	تعریف
صحیح "	وہ حدیث ہے جس کی سند راوی سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو اور اس کے سب راوی سچے اور یاد کے پکے اور روایت کا خلاف اور پوشیدہ اسباب طعن نہ رکھتے ہوں۔
حسن "	وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں کسی پر جھوٹ کی تہمت نہ ہو نہ روایت کا خلاف ہو[1] اور وہی حدیث دوسری سند سے مروی ہو، اس کا رتبہ صحیح کے رتبہ سے کم ہے۔
مرفوع "	وہ ہے جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول یا فعل ہو یا تقریر یعنی مقرر رکھنا ہو۔
متصل "	وہ ہے جس کی سند برابر ملی ہو، کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔
مسند "	وہ حدیث ہے جس کے راویوں کے نام مذکور ہوں۔
مشہور "	وہ حدیث ہے کہ خاص اہل حدیث کے نزدیک شائع ہو یعنی ہر زمانے میں بہت سے راویوں نے روایت کیا ہو۔
ضعیف "	وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں سے کوئی دروغ گو یا فاسق یا کسی اور طرح سے مطعون ہو۔
موقوف "	وہ قول و فعل ہے جو کسی صحابی سے روایت کیا جائے۔
مرسل "	وہ حدیث ہے جو تابعی آنحضرتؐ سے روایت کرے کہ آپؐ نے ایسا کہا، یعنی ذکر صحابی کا نہ کرے۔
منقطع "	وہ حدیث ہے جس کے اسناد برابر نہ ہوں، شروع میں سے خواہ بیچ میں سے خواہ اوپر سے کوئی راوی چھوٹ گیا ہو، مگر اکثر اس روایت پر بولتے ہیں جو تبع تابعی صحابی سے روایت کرے اور تابعی کا ذکر نہ کرے۔
معضل "	وہ حدیث ہے جس کی سند میں سے دو یا زیادہ راوی چھوٹ گئے ہوں۔
مضطرب "	وہ حدیث ہے جس میں روایت مختلف کوئی کسی طرح روایت کرے کوئی دوسری طرح۔
غریب "	وہ حدیث صحیح ہے جس کی روایت میں کسی جگہ ایک راوی اکیلا ہو، اور اگر ہر زمانے میں اکیلا ہو گا تو وہ فرد کہلاتی ہے اور اگر راوی ہر جگہ دو ہوں تو اس کو عزیز کہتے ہیں۔

[1] یعنی دوبارہ دیکھنے کے ۱۲ قولہ وہ روایت الخ یعنی کسی دوسرے راوی نے اس سے دوسری طرح جو خلاف اوّل ہے روایت نہ کیا ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ اس کے راوی یاد کے پختہ ہونے میں صحیح کے راویوں سے کم ہوں ۱۲

قسم حدیث	تعریف
متواتر 〃	وہ حدیث ہے کہ اس کے راوی کثرت سے ہر زمانے میں ہوں، کہ ان کا اتفاق جھوٹ پر عادۃً محال ہو۔
منکر 〃	اس حدیث کو کہتے ہیں جو کوئی ثقہ اور معتبر شخص لوگوں کی روایت کے خلاف بیان کرے، اسی کو شاذ بھی کہتے ہیں
معلق 〃	اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اسناد کے شروع میں سے ایک یا زیادہ راوی چھوڑ دیے جائیں، اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔
تدلیس 〃	حدیث میں اس فعل کو کہتے ہیں کہ راوی جس شخص سے روایت کرے، اس سے ملاقات کی ہو یا وہ اس کا ہمعصر ہو، مگر اس سے اس روایت کو سُنا نہ ہو اور ایسے لفظوں سے بیان کرے جس سے یہ وہم ہو کہ سُنا ہوا کہتا ہے۔
معلل 〃	وہ حدیث ہے کہ ظاہر میں تو عیب سے پاک معلوم ہوتی ہو، مگر اس میں پوشیدہ سبب طعن کے پائے جاتے ہوں۔
مدرج 〃	وہ ہے کہ حدیث میں کسی راوی کا کلام درج ہو جاوے اور یہ گمان ہو کہ یہ کلام بھی حدیث ہے۔ یا دو تین کہ دو اسنادوں سے مروی ہوں۔ ان کو ایک سند سے روایت کیا جاوے۔
موضوع 〃	وہ حدیث ہے کہ کسی نے خود بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا صحابہؓ کی طرف منسوب کر دی ہو۔

قطعہ

بادشاہا ترے دروازے پہ میں سائل ہوں — مدعا میرا تو کر فضل سے اپنے پورا
دے طبیعت کو مری زور قلم کو تیزی — تا لکھوں ترجمہ احیائے علوم دین کا

احیاء العلوم کے دیباچہ کا ترجمہ

اول میں خدائے تعالیٰ کی بہت سی تعریفیں پیاپے کرتا ہوں اگرچہ اس کے حق جلال کے آگے تعریف کرنے والوں کی تعریف ذلیل وحقیر ہے۔ دوئم درود اور سلام ایسی طرح بھیجتا ہوں کہ سب پیغامبروں کو شامل ہو ہمراہی جناب سیدالمرسلین کے جن کا نام بشیر اور نذیر ہے۔ سوم اللہ تعالیٰ سے اس امر میں بہتری چاہتا ہوں جس کے لیے میرا ارادہ علوم دینی کے زندہ کرنے میں ایک کتاب لکھنے کا ہوا۔ چہارم تیرے عجب دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے ملامت گروں میں ملامت کرنے والے اور غافل منکروں کے زمروں میں زیادہ سرزنش اور انکار کرنے والے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے سکوت کی گرہ اٹھادی اور گفتگو اور کلام کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا، مجھ کو وہ بات کہنی پڑی جس پر تو مواظبت کرتا ہے۔ یعنی حق صریح سے آنکھیں بند کرکے باطل کی نصرت اور جہل کی تعریف میں اصرار کرتا ہے اور اگر کوئی شخص خلق کی رسموں سے تھوڑا سا نکلنا چاہتا ہے یا رسم کی پابندی کو چھوڑ کر علم کے بموجب عمل کرنے پر راغب ہوتا ہے اس توقع سے کہ نفس کی صفائی اور قلب کی درستی جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت مقرر کیا ہے، حاصل ہو اور تمام عمر کے رائیگان جانے کی تلافی سے ناامید ہوکر اپنے بعضے گناہوں ہی کا تدارک کرے اور ان لوگوں کے گروہ سے منحرف ہو جن کے حق میں صاحب شریعت جناب فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، ح۔ا۔ اشد الناس عذابا یوم القیمۃ عالم لم ینفعہ اللہ سبحانہ بعلمہ تو تو اس شخص پر شور اور فتنہ اٹھاتا ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ انکار پر تیرے اصرار کا باعث بجز اس مرض کے نہیں، جو اکثر لوگوں میں پھیل گیا ہے، بلکہ عالمگیر ہو رہا ہے۔ یعنی امر آخرت کی بزرگی کے ملاحظے سے قاصر ہیں۔ اور اس بات کو نہیں جانتے کہ معاملہ خوفناک ہے اور مہم بڑی ہے، آخرت سامنے چلی آتی ہے اور دنیا پشت پھیرے جاتی ہے اور موت قریب ہے اور سفر بعید، توشہ تھوڑا ہے اور اندیشہ مزید راستہ بند اور مسدود ہے اور جو علم وعمل کہ خدا کی ذات کے سوا ہو وہ پرکھنے والے عاقل کے نزدیک مردود ہے اور راہ آخرت کا چلنا باوجود بہت سی مہلک چیزوں کے سدراہ ہونے کے بدوں راہ نما اور رفیق کے نہایت سخت اور دشوار ہے کیونکہ اس راستے کے راہ نما وہ عالم ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان سے دنیا خالی ہے۔ بجز رسمی لوگوں کے اور کوئی نہیں رہا اور اکثر ان میں سے شیطان غالب ہے اور سرکشی نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے اور ہر ایک ان میں سے اپنے سردست کے فائدہ میں مصروف ہے۔ اسی وجہ سے یہ حال ہوا ہے کہ اکثر اچھی باتوں کو بری اور بری کو اچھی جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ علم دین پرانا ہوگیا اور ہدایت کے نشان روئے زمین پر مٹ گئے اور ان لوگوں نے خلق کو یہ بات سوجھادی کہ

ا؎ قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ پاک نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ دیا ہو۔ یہ حدیث طبرانی اور بیہقی نے روایت کی ہے حضرت ابوہریرہ رضی سے اسناد ضعیف کے ساتھ ۱۲

علم یا تو حکومت کا فتویٰ ہے جس سے حاکم کمینوں کے جھگڑے فیصل کرنے میں مدد لیں یا بحث و مناظرہ کا علم ہے کہ فخر اور بڑائی کے چاہنے والے اس کو غالب ہونے اور طرف ثانی کے ساکت کرنے کا وسیلہ کریں یا علم وہ چکنی مقفّٰی باتیں ہیں جن کو واعظ عوام کے پھسلانے کا ذریعہ ٹھہرا دیں، اس لیے کہ انہوں نے سوا ان تینوں قسموں کے اور کوئی دام حرام کا اور رجال دنیا کے مال کا نہ پایا اور طریق آخرت اور راستہ جس پر اگلے نیک بخت چلتے تھے اس کا علم لوگوں میں سے تہ ہو گیا، اس کا نام تک نہ رہا حالانکہ اس علم کو خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں فقہ اور حکمت اور علم اور روشنی اور نور اور ہدایت اور راہ یابی سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور چونکہ یہ امر دین میں رخنہ عظیم اور مصیبت فخیم ہے، اس لیے اس کتاب کے لکھنے میں مصروف ہونا نہایت ہی ضروری جانا، تاکہ دین کے علوم زندہ ہوں اور اگلے پیشواؤں کے راستے کھل جائیں اور وہ علوم جو انبیاء علیہم السلام اور اکابر سلف رحمہم اللہ کے نزدیک مفید ہیں، معلوم ہو جاویں۔ اس کتاب کی بنا میں نے چار جلدوں میں رکھی ہے، اوّل جلد میں عبادات ہیں۔ دوم میں عادات یعنی معاملات اور آداب ہیں۔ سوم میں مہلکات یعنی وہ امور ہیں جو بندے کو تباہ کرنے والے ہیں۔ چہارم میں منجیات ہیں یعنی بندے کو نجات دینے والی چیزیں ہیں۔ اور ان سب سے پیشتر میں نے باب علم لکھا ہے، اس نظر سے کہ وہ نہایت ضروری ہے اور اس کے مقدم کرنے سے یہ غرض ہے کہ اوّل وہ علم واضح کر دوں جس کی طلب ہر ایک شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی عبادت مقرر کی۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ طلب[اح] العلم فریضۃ علی کل مسلم اس باب میں علم نافع کو مضر سے علیحدہ کر دوں گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح] نعوذ باللہ من علم لاینفع اور زمانے کے لوگوں کا راہ صواب سے پھرنا اور چمکیلے سراب کو دیکھ کر دھوکا کھانا اور علوم میں سے مغز کو چھوڑ کر پوست پر قانع ہونا بھی اس باب میں ثابت کر دوں گا۔ اب یہ جاننا چاہیے کہ ہر جلد اس کتاب کی دس دس بابوں پر مشتمل ہے یعنی عبادات کی جلد میں دس باب ہیں۔ باب علم۔ باب عقائد کے قواعد کا۔ باب طہارت کے اسرار کا۔ باب نماز کے اسرار کا۔ باب زکوٰۃ کے اسرار کا۔ باب روزہ کے اسرار کا۔ باب حج کے اسرار کا باب تلاوتِ قرآن کے آداب کا۔ باب ذکروں اور دعاؤں کا۔ باب وقتوں میں وظیفہ کی ترتیب کا اور عادات کی جلد میں دس باب ہیں۔ اوّل کھانے پینے کے آداب ہیں۔ دوم نکاح کے آداب ہیں۔ سوم کسب کے احکام میں۔ چہارم حلال اور حرام میں۔ پنجم صحبت کے آداب اور اقسام خلق کے ساتھ معاملہ کرنے میں۔ ششم گوشہ نشینی میں۔ ہفتم آداب سفر میں۔ ہشتم راگ کے سننے اور حال میں۔ نہم اچھی بات کے کہنے اور بری بات سے منع کرنے میں۔ دہم زندگی کے آداب اور نبوت کے اخلاق میں اور مہلکات کی جلد میں متضمن ہے، اور پر دس بابوں کے، پہلے میں بیان قلب کے عجائب کا ہے۔ دوسرے میں ریاضت نفس کا، تیسرے میں شہوت شکم اور شرمگاہ کی آفتوں کا، چوتھے میں زبان کی آفتوں کا، پانچویں میں غصے اور کینے اور حسد کی آفتوں کا، چھٹے میں دنیا کی برائی کا۔ ساتویں میں مال اور بخل کی مذمت کا۔ آٹھویں میں جاہ اور ریا کی برائی کا۔ نویں میں تکبر اور خود پسندی کی مذمت کا، دسویں میں مال اور بخل کی مذمت کا اور منجیات کی جلد میں بھی دس باب ہیں۔ اوّل توبہ کا، دوم صبر اور شکر کا، سوم خوف اور

اح علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے ۱۲ اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے ۱۲ ح ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اس علم سے کہ نفع نہ کرے ۱۲ ابن ماجہ نے جابرؓ سے روایت کیا ہے ۱۲

تو قنع کا، چوتھا فقر اور ترکِ دنیا کا، پانچواں توکّل اور خدائے تعالیٰ کو ایک جاننے کا، چھٹا محبت اور شوق اور اُنس اور رضا کا، ساتواں نیت اور صدق اور اخلاص کا، آٹھواں مراقبہ اور محاسبہ یعنی نفس کی نگرانی اور حساب لینے کا، نواں فکر کرنے کا، دسواں موت کے یاد کرنے کا۔ جلد عبادات میں ہم عبادات کے پوشیدہ آداب اور اُس کی سنتوں کی باریکیاں اور ان کے معانی کے اسرار وہ لکھیں گے جن کی طرف عمل کرنے والا عامل مضطر ہوتا ہے بلکہ جو شخص ان پر واقف نہ ہو، وہ آخرت کے علماء میں سے نہیں اور وہ یہ باتیں ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں اکثر متروک ہیں کسی نے ان کو نہیں لکھا۔ اور عادات کی جلد میں اُن معاملات کے اسرار لکھیں گے جو خلق میں جاری ہیں اور ان کے طریقوں کی باریکیاں اور حیلے جہاں وہ جاری ہیں ان جگہوں کے پوشیدہ درجے مذکور کریں گے، اس لیے کہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی حاجت ہر متدین کو ہوتی ہے اور مہلکات کی جلد میں ہم وہ بری بات لکھیں گے جس کا دور کرنا نفس کو اُن سے پاک کرنا اور دل کو صاف کرنا قرآن مجید میں وارد ہے اور ان عادتوں میں سے ہر ایک کی تعریف اور حقیقت بیان کریں گے، پھر وہ سبب لکھیں گے جس سے وہ عادت پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ آفتیں بیان کریں گے جو اس عادت پر مرتب ہوتی ہیں، پھر اس عادت کی علامتیں۔ پھر طریق علاج کا جس کے باعث اس عادت سے آدمی نجات پاوے، ذکر کریں گے، اور ہر ایک امر کی دلیل آیتوں اور حدیثوں اور آثار سے لکھتے جاویں گے، اور منجیات کی جلد میں ہر ایک عمدہ عادت اور ایسی خصلت جس میں رغبت ہو اور مقربوں اور محدثوں کے عادات میں سے ہو، اور جس سے بندہ پروردگارِ عالم کے نزدیک ہو، ذکر کریں گے، اور ہر ایک خصلت کی تعریف اور ماہیت اور سبب جس سے وہ حاصل ہو۔ اور ثمرہ جو اس سے پیدا ہو اور علامت جس سے وہ جانی پڑے اور فضیلت جس کے باعث اس کی طرف رغبت ہو، مع دلائل شرعی اور عقلی کے جو اس کے باب میں وارد ہیں ذکر کریں گے اور لوگوں نے ان باتوں میں سے بعض امور میں کتابیں لکھی ہیں، مگر یہ کتاب ان کی تصانیف سے پانچ باتوں میں علیحدہ ہے، اول جس چیز کو انہوں نے مجمل اور بے سمجھائے چھوڑا ہے اس کو ہم نے کھول کر مفصل لکھا ہے، دوم جن باتوں کو انہوں نے متفرق اور پریشان لکھا ہے اس کو ہم نے ترتیب وار منتظم بیان کیا ہے۔ سوم جن امور کو انہوں نے طویل تقریر میں لکھا ہے، اس کو ہم نے مختصر طور پر ضبط کیا ہے چوتھے انہوں نے جو امر مکرر لکھے ہیں، اُن کو ہم نے حذف کیا ہے، صرف مطلب ثابت رکھا ہے۔ پانچویں ہم نے باریک باتوں کی تحقیق کی ہے جن کا سمجھنا فہموں پر دشوار ہو اور ان کے ذکر کے درپے کتابوں میں کوئی نہیں ہوا۔ اس جہت سے کہ ہر چند سبھوں نے ایک ہی طرح لکھا ہے، مگر کچھ بعید نہیں کہ ہر ایک سالک ایسے امر خفی پر مطلع ہو جاوے جس سے اس کے ساتھ والے غافل رہیں، یا اس پر آگاہ کرنے سے غفلت تو نہ کرے، مگر کتابوں میں اس کو لکھنا بھول جاوے یا بھولے بھی نہیں، لیکن حقیقت واقعی لکھنے سے اس کو کوئی مانع ہو، غرض کہ اس کتاب کے خواص یہ ہیں اور معہذا یہ کتاب ان علوم پر مفصلاً حاوی ہے اور ہم نے جو اس کتاب کی چار جلدیں کیں تو اس کی دو وجہیں ہیں، اوّل جو باعث اصلی ہے، یہ ہے کہ یہ ترتیب تحقیق اور سمجھانے کے باب میں گویا کہ ضروری ہے اس لیے کہ جس علم سے آخرت کی توجہ کی جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم معاملہ۔ دوم علم مکاشفہ۔ اور علمِ مکاشفہ سے ہماری غرض وہ علم ہے کہ جس سے معلوم کے کھل جانے کی طلب کی جائے۔ اور علمِ معاملہ سے وہ غرض ہے کہ معلوم کے کشف ہونے کے ساتھ اس پر عمل کرنا مطلوب ہو اور اس

کتاب میں مقصود صرف علم معاملہ ہے، نہ مکاشفہ، جس کو کتابوں میں لکھنے کی اجازت نہیں، ہر چند غایت مقصود طالبوں کا اور صدیقوں کی تاک کا مقام علم مکاشفہ ہی ہے، اور علم معاملہ اس کا ذریعہ ہے مگر انبیاء علیہم السلام نے خلق کے ساتھ صرف علم معاملہ ہی میں گفتگو کی ہے اور اسی کی طرف راہ بتایا، علم مکاشفہ میں کچھ کلام نہیں کیا، مگر رمز و اشارہ کے ساتھ تمثیل و اجمال کے طور پر بایں وجہ کہ ان کو معلوم تھا کہ خلق کی صورت نہیں، پھر علم معاملہ کی دو قسمیں ہیں، ایک علم ظاہر یعنی اعضائے ظاہری کے اعمال کا علم، دوسرا علم باطن، یعنی دلوں کے اعمال کا علم، اور جو عمل کہ اعضاء پر جاری ہوتے ہیں، وہ یا عبادت ہوتے ہیں یا عادت، اور دل جو کہ اس سے پردہ ہونے کے حکم میں ہیں ان پر جو عالم ملکوت سے وارد ہوتے ہیں، وہ یا اچھے ہیں یا بڑے، غرض کہ اس علم کی تقسیم دو حصّوں میں ضروری ہوئی، ایک ظاہر دوسرا باطن، اور ظاہر جو متعلق اعضا سے ہے، وہ منقسم ہوا، عبادات اور عادات میں، اور باطن جو دل کے احوال سے اور نفس کی عادتوں سے متعلق ہے، وہ بھی منقسم ہوا دو قسموں اچھی اور بُری میں، تو سب چار قسمیں ہوئیں۔ علم معاملہ میں کوئی بات ان قسموں سے باہر نہیں ہوئی، دوسری وجہ یہ ہے کہ میں نے طالب علموں کی رغبت صادق اس فقہ میں دیکھی، جو ایسے لوگوں کے نزدیک کہ خدائے تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتے، ذریعہ فخر کا ہو سکتا ہے اور جاہ و منزلت کو رغبت کی چیزوں میں قوت مل سکتی ہے۔ اور وہ فقہ بھی چار حصّوں پر مرتب ہے، چونکہ محبوب چیز کے پیرایہ میں دوسری چیز بھی محبوبہ معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی اس باب میں کوتاہی نہ کی کہ اس کتاب کی صورت فقہ کی شکل پر رہے تاکہ دلوں کا میل اس طرف ہو اور یہیں وجہ بعض لوگوں نے جو رئیسوں کے دل کا میل طب کی طرف چاہا تو انہوں نے اپنی کتاب کو ستاروں کی تقویم کی صورت پر جدولوں اور رقموں میں لکھا اور اس کا نام صحت کی تقویم رکھا اس نظر سے کہ رؤسا کو اس جنس کی طرف انس ہوا کرتا ہے۔ تو بے شک ان کی طبیعت کو یہ طرز مطالعہ کتاب کی طرف کشش کرے گی اور ظاہر ہے کہ ایسا حیلہ کرنا جس سے دل اس علم کی طرف کھنچ آویں جس میں فائدہ زندگی جاوید کا ہے۔ اس حیلہ کی نسبت کرنا نہایت ضروری ہے، جس سے رغبت طب کی طرف ہو جو صرف جسم کی تندرستی کو مفید ہے کیونکہ ثمرہ علم آخرت کا دلوں اور روحوں کا علاج کرنا ہے ایسی طرح کہ اس سے زندگی ابدالآباد تک پہنچ جاویں تو ایسے علم کو علم طب کہاں پہنچ سکتا ہے، جس سے جسموں کا علاج ہوتا ہے۔ اور وہ بالضرور تھوڑے ہی دنوں میں جاتے آتے رہیں گے۔ اب ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق اور رہنمائی کا سوال کرتے ہیں کیونکہ وہ کریم اور جواد ہے اور بحسب مرقومہ بالا علم کا باب شروع کتاب میں لکھتے ہیں۔

پہلا باب علم کا بیان

رُباعی

گر زندگی ابد ہے تجھ کو منظور　　کر سعی تو علم دین میں حتی المقدور
احمد کو اسی سے قاب قوسین ملا　　موسیٰؑ پہ ہوا تھا اس سے ہی جلوۂ طور

فصلِ اول علم اور طالبِ علم کی فضیلت کا بیان

اس کے عقلی اور نقلی دلائل — اس میں چار ذیلی فصلیں ہیں

ذیلی فصل ۱ علم کے فضائل قرآن مجید سے اس کے فضائل یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملئکۃ واولو العلم قائما بالقسط[1] تو دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک سے کیسے شروع فرمایا اور دوسری مرتبہ میں فرشتوں کو ذکر فرمایا اور تیسری میں علم والوں کو اور شرف اور فضل اور بزرگی اور اصالت کو اتنا ہی کافی ہے اور فرمایا یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات[2] حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ علماء کے درجات ایمانداروں کے اوپر سات سو درجے ہوں گے کہ دو درجوں کا فاصلہ پانسو برس کی راہ ہوگی، اور فرمایا قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون[3] اور فرمایا انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء[4] اور قل کفیٰ باللہ شہیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب[5] اور فرمایا قال الذی عندہ علم من الکتب انا اتیک بہ[6] اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ وہ تخت کے لانے پر بزور علم قادر ہوا اور فرمایا وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن وعمل صالحا[7] اس میں بیان فرمایا کہ قدر آخرت کی بزرگی علم سے معلوم ہوتی ہے اور فرمایا وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون[8] اور فرمایا ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم[9] اپنے حکم کو معاملات میں علماء کے اجتہاد پر راجع فرمایا اور ان کے رتبہ کو حکمِ الٰہی کے معلوم کرنے میں انبیاء کے رتبہ کے

---

[1] اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے وہی حاکم انصاف کا ۱۲ [2] اللہ اونچے کرے گا ان کے درجے جو ایمان اور علم رکھتے ہیں ۱۲ [3] تو کہہ کہیں برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ۱۲ [4] اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے ۱۲ [5] تو کہہ اللہ بس ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ اور جس کو خبر ہے کتاب کی ۱۲ [6] بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا، میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ ۱۲ [7] اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کو جو یقین لائے اور کیا بھلا کام ۱۲ [8] اور یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں ہم آدمیوں کے لیے اور ان کو بوجھتے ہیں وہی لوگ جن کو سمجھ ہے [9] اور اگر اس کو پہنچاتے رسول تک اور اپنے اعتبار والوں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں ۱۲

ساتھ ملایا، اور اس آیت کی تفسیر میں یٰبَنِیٓ اٰدَمَ قد انزلنا الیکم لباسا یواری سواٰتکم وریشا۔ ولباس التقوٰی ذلک خیر[1] بعضوں نے کہا ہے کہ لباس سے مراد علم ہے اور ریش سے مراد یقین ہے اور لباس تقوٰی سے مراد حیا ہے۔ اور فرمایا اللہ جل شانہ نے ولقد جئنٰھم بکتٰب فصلنٰہ علی علم[2] اور فرمایا فلنقصنّ علیھم بعلم[3] اور فرمایا بل ھو اٰیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم[4] اور فرمایا خلق الانسان علمہ البیان[5] اس کو احسان جتلانے کی جگہ میں مذکور فرمایا ہے۔ اور اخبار میں یہ فضائل وارد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین ویلھمہ رشدہ[6] اور فرمایا کہ العلماء ورثۃ الانبیاء[7] یعنی عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی رتبہ نبوت سے بڑھ کر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس رتبہ کی وراثت سے بڑھ کر کوئی اور شرف بھی نہیں اور فرمایا[8] کہ عالم کے واسطے زمین اور آسمانوں میں جو چیز ہے مغفرت طلب کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سا منصب ہوگا جس منصب والے کے لیے آسمان و زمین کے فرشتے مغفرت چاہتے ہیں مشغول ہوں پس وہ تو اپنے نفس میں مشغول رہتا ہے اور فرشتے اس کے لیے مغفرت چاہنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ حکمت[9] شریف کی بزرگی زیادہ کرتی ہے اور مملوک کو اتنا اونچا کرتی ہے کہ اس کو بادشاہوں کی جگہ میں بٹھلا دیتی ہے اس حدیث میں آپ نے علم کا نتیجہ دنیا میں ارشاد فرمایا، اور یہ ظاہر ہے کہ آخرت دنیا کی نسبت بہتر اور پائیدار ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ خصلتان[10] لا یکونان فی منافق حسن سمت وفقہ فی الدین اس حدیث میں بعض فقہائے وقت کا نفاق دیکھ کر تم کو شک نہ کرنا چاہیئے اس لیے کہ مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ سے وہ علم نہیں کہ جس کو تم فقہ خیال کرتے ہو، بلکہ فقہ کے معنی آگے مذکور ہوں گے اور ادنیٰ درجہ فقیہہ کا یہ ہے کہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور یہ بات جب فقیہہ میں ٹھیک اور غالب ہو جاتی ہے تو اس کو نفاق اور نمود سے بری کر دیتی ہے، اور فرمایا کہ آدمیوں[11] میں سے بہتر اور ایماندار وہ عالم ہے کہ اگر لوگ اس کے پاس حاجت لے جاویں تو وہ ان کو فائدہ دے، اور اگر اس سے بے پروائی کریں تو وہ اپنے نفس کو بے پروا کرے اور فرمایا[12] کہ ایمان ننگا ہے اور اس کی پوشش تقوٰی ہے اور اس کی آرائش حیا اور اس کا ثمرہ علم ہے اور فرمایا کہ[13] لوگوں میں سے درجہ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں، اہل علم اس وجہ سے کہ انہوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں، جو رسول لائے تھے، اور اہل جہاد اس وجہ سے کہ انہوں نے پیغمبروں کی

ت ۱ اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب اور رونق اور کپڑے پرہیزگاری کے سو بہتر ہیں ۱۲ ت ۲ اور ہم نے ان کو پہنچا دی ہے کتاب جو کھول کر بیان کی ہے خبرداری سے ۱۲ ت ۳ پھر ہم احوال سنا دیں گے ان کو اپنے علم سے ۱۲ ت ۴ بلکہ یہ قرآن کی آیتیں ہیں، صاف سینے میں ان کے جن کو ملی ہے سمجھ ۱۲ ت ۵ بنایا آدمی پھر سکھائی اس کو بات ۱۲ ح ۶ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری چاہتا ہے اس کو دین میں سمجھ دیتا ہے۔ اور راہ اس کو الہام کر دیتا ہے، یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ اور اس میں ویلھمہ رشدہ نہیں ہے، اس جملہ کو طبرانی نے جامع کبیر میں روایت کیا ہے ۱۲ ح ۷ ابو داؤد اور ترمذی نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے ۱۲ ح ۸ یہ ٹکڑا پہلی حدیث ابو داؤد کا ہے ۱۲ ح ۹ ابونعیم اور عبدالغنی ازدی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے باسناد ضعیف ۱۲ ح ۱۰ دو خصلتیں ہیں کہ منافق میں نہیں ہوتیں، اوّل خوبی ہدایت دوم دین میں سمجھ ۱۲ ترمذی نے ابوہریرۃ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ۱۲ ح ۱۱ بیہقی نے موقوف روایت کی ہے ۱۲ ح ۱۲ حاکم نے ابو داؤد سے باسناد ضعیف ۱۲ ح ۱۳ ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند ضعیف ۱۲

لائی ہوئی شریعت پر اپنی تلواروں سے جہاد کیا اور فرمایا[ح۱] کہ ایک قبیلے کا مرجانا ایک عالم کے مرنے کی بہ نسبت آسان تر ہے۔ اور فرمایا[ح۲] ان الناس معادن کمعادن الذهب والفضة فخیارهم خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا کہ قیامت کے روز علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون سے تولی جائے گی اور فرمایا[ح۳] کہ جو شخص میری امت میں سے چالیس حدیثیں سنت کی یاد کرکے پہنچادے تو میں اس کا شفیع اور گواہ قیامت میں رہوں گا، اور فرمایا[ح۴] کہ جو شخص میری امت میں سے چالیس حدیثیں یاد کرلے وہ قیامت کو اللہ تعالیٰ سے فقیہہ اور عالم ہوکر ملے گا اور فرمایا[ح۵] جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ پیدا کرے اللہ تعالیٰ اس کو رنج سے بچاوے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچادے کہ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔ اور فرمایا[ح۶] خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ پر وحی بھیجی کہ اے ابراہیمؑ میں علیم ہوں اور ہر علم والے کو دوست رکھتا ہوں اور فرمایا[ح۷] کہ عالم زمین پر خدائے تعالیٰ کا امانتدار ہے اور فرمایا[ح۸] کہ میری امت میں سے دو قسمیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہوجاویں، اور اگر وہ بگڑ جاویں تو سب لوگ بگڑ جاویں، ایک امراء یعنی حکام ہیں، دوسرے فقہاء ہیں، اور فرمایا[ح۹] کہ جب میرے اوپر کوئی ایسا دن آوے جس میں مجھ کو وہ علم زیادہ نہ ہوا جو مجھ کو خدائے تعالیٰ کے قریب کردے تو اس روز کا آفتاب نکلنا مجھ کو نصیب نہ ہو، جیو اور عبادت اور شہادت پر علم کو فضیلت دینے میں یوں ارشاد فرمایا کہ فضل[ح۱۰] العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادنیٰ رجل من اصحابی تو اب دیکھو کہ علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیسا نبوت کے درجے کے ساتھ کیا ہے اور جو عمل کہ علم سے خالی ہو اس کے رتبہ کو کیسا کم فرمایا ہے حالانکہ عابد حسن عبادت کو ہمیشہ کرتا ہے اس کا علم تو رکھتا ہی ہے اگر اس کا علم نہ ہو تو عبادت نہ ہوگی، اور فرمایا[ح۱۱] فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکواکب اور فرمایا[ح۱۲] شفیع یوم القیامة ثلثة الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء اس حدیث سے نہایت بڑا رتبہ علم کا ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے بعد اور شہادت کے اوپر ہے، باوجودیکہ شہادت کی فضیلت میں بہت کچھ وارد ہے اور فرمایا[ح۱۳] کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت کسی چیز سے بہتر نہیں ہوتی، جیسے دین کی سمجھ سے ہوتی ہے، اور ایک دین کا سمجھنے والا شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر ہے اور ہر چیز کا ایک ستون ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور فرمایا[ح۱۴] تمہارے دین میں بہتر وہ ہے جو سب سے آسان زیادہ ہو، اور بہترین عبادت فقہ ہے اور فرمایا[ح۱۵] کہ ایماندار عالم ایماندار عابد سے ستر

ح[۱] طبرانی نے ابوداؤد سے ۱۲ ح[۲] آدمی کانیں ہیں مثل سونے اور چاندی کی کانوں کے ایسی جو کفر میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ دین میں سمجھ پیدا کریں ۱۲ ح[۳] ابن عبدالبر نے ابوداؤد سے ح[۴] ابن عبدالبر نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور ضعیف لکھا ہے ۱۲ ح[۵] مثل حدیث سابق ۱۲ ح[۶] خطیب نے تاریخ میں باسناد ضعیف ۱۲ ح[۷] ابن عبدالبر نے روایت تعلیقاً کی ہے ۱۲ ح[۸] ابن عبدالبر نے حضرت معاذ سے لبسند ضعیف ۱۲ ح[۹] ابن عبدالبر اور ابونعیم نے لبسند ضعیف ۱۲ ح[۱۰] طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے ۱۲ ح[۱۱] عالم کی زیادتی عابد پر ایسی ہے جیسے میری زیادتی میرے ساتھیوں میں سے سب سے کم تر شخص پر ۱۲ ترمذی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کیا ہے ۱۲ ح[۱۲] عالم کی زیادتی عابد پر ایسی ہے جیسے چودہویں رات کے چاند کی زیادتی سب ستاروں پر ۱۲ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ۱۲ ح[۱۳] قیامت میں تین آدمیوں کی شفاعت قبول ہوگی، انبیاء کی پھر علماء کی پھر شہداء کی ۱۲ ابن ماجہ نے حضرت عثمانؓ سے روایت کیا ہے ۱۲ ح[۱۴] طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے ۱۲ ح[۱۵] ابن عبدالبر نے انسؓ سے لبسند ضعیف ۱۲ ح[۱۶] ابن عدی نے ابوہریرہؓ سے لبسند ضعیف

درجہ بڑھ کر ہے اور فرمایا[۱] کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں فقیہہ بہت ہیں اور خطیب کم اور سائل قلیل ہیں اور دینے والے بہت اس زمانے میں عمل کرنا بہ نسبت علم کے بہتر ہے اور عنقریب لوگوں پر وہ وقت آوے گا جس میں فقیہہ کم ہوں گے اور خطیب زیادہ، دینے والے تھوڑے ہوں گے اور مانگنے والے بہت۔ اس میں علم بہ نسبت عمل کے بہتر ہوگا اور فرمایا[۲] عالم اور عابد کے بیچ میں سو درجوں کا فرق ہے، ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ ستر برس میں ایک گھوڑا تیز دوڑ کر قطع کرے اور صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اعمال میں سے کون سا افضل ہے آپؐ نے فرمایا[۳] کہ علم خدائے پاک کا، لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اعمال میں سے افضل پوچھتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ علم خدائے پاک کا، لوگوں نے عرض کیا، کہ ہم عمل کو پوچھتے ہیں اور آپؐ علم ارشاد فرماتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل کارآمد ہوتا ہے، اور جہالت کے ساتھ بہت سا عمل بے سود ہے اور فرمایا[۴] کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندوں کو اٹھاوے گا۔ پھر علماء کو اٹھا کر ان سے ارشاد فرماوے گا کہ اے گروہِ علماء میں نے جو تم میں اپنا علم رکھا تھا، تو تم کو کچھ جان کر ہی رکھا تھا، اور میں نے تم میں اپنا علم اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تم کو عذاب دوں، جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ سے ہم بھی یہی مراد چاہتے ہیں کہ ہمارا انجام بھی ایسا ہی کرے اور علم کے فضائل آثار یعنی صحابہ اور تابعین کے اقوال میں بھی بہت ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے کمیل کو ارشاد فرمایا کہ اے کمیل علم مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی، علم حاکم ہے اور مال محکوم علیہ، مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ عالم افضل ہے روزہ دار، شب بیدار جہاد کرنے والے سے، اور جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑتا ہے کہ اس کو بجز اُس کے نائب کے اور کوئی بند نہیں کرتا اور نیز آپ نے ایک قطعہ عربی میں فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے **قطعہ**

آدمی جتنے ہیں وہ صورت میں ہیں ایک سے	باپ تو سب کا ہے آدم اور حوّا سب کی ماں
ہو شرف پر اصل کے گر فخر ان کو تو نہیں	اصل ان کا کیا ہے پانی اور مٹی کے سوا
ہاں بدن پر عالموں کے ہے قبائے فخر چست	کیونکہ خود ہیں راہ یاب اور دوسروں کے رہنما
حسن جس شے سے ہو حاصل ہے وہی انساں کی قدر	جاہلوں کو پر عداوت عالموں سے ہے سدا
سیکھ ایسا علم جس سے ہو تو زندہ تا ابد	لوگ سب مردے ہیں پر عالم ہے زندہ دائما

اور ابو الاسودؒ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز علم سے بڑھ کر عزت والی نہیں کہ بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حاکم ہوتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کو اختیار دیا گیا کہ علم اور مال اور سلطنت میں سے جو چاہو پسند کرو، انہوں نے علم کو پسند فرمایا، تو مال اور حکومت علم کے ساتھ ان کو عطا ہوئی۔ اور حضرت ابن مبارک سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ علماء پھر پوچھا کہ بادشاہ کون ہیں فرمایا کہ زاہد، پوچھا کہ

---

[۱] طبرانی نے حرام سے بسند ضعیف ۱۲ [۲] اصفہانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بسند ضعیف روایت کیا ہے مگر ستر درجوں کا ذکر ہے ۱۲ [۳] ابن عبد البر نے انس رضی اللہ عنہ سے ۱۲ [۴] طبرانی نے ابو موسیٰ سے بسند ضعیف ۱۲

کمینے کون ہیں، فرمایا کہ جو لوگ اپنے دین کو بیچ کر کھاتے ہیں غرضکہ عالم کے سوا اوروں کو آدمی نہ کہا، اس لیے کہ جو خاصہ کہ اس سے انسان کو چوپاؤں سے تمیز ہوتی ہے، وہ علم ہے، اور انسان جبھی تک انسان کہلائے گا کہ جس بات سے اس کو شرف ہو وہ اس میں موجود ہو، اور انسان کی شرافت نہ تو جسم کے زور کے باعث ہے اس لیے کہ زور میں اس سے اونٹ مثلاً زیادہ ہے، نہ بڑے جثہ ہونے کی جہت سے کہ ہاتھی اس سے بڑا ہے نہ شجاعت کے سبب سے کہ درندے اس سے بھی زیادہ شجاع ہیں نہ کھانے کے لیے کہ بیل کا پیٹ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے نہ صحبت کے سبب سے کہ ادنیٰ چڑیا اس باب میں اس سے بہت بڑھ کر ہے بلکہ اس کو شرافت ہے تو صرف علم کی رو سے ہے اور اسی علم کے لیے وہ پیدا ہوا ہے اور حکما کا قول ہے کہ ہم کو کوئی یہ بتادے کہ جس کو علم نہ ملا اس کو اور کیا ملا، اور جس کو علم ملا اس سے اور کیا باقی رہا۔ اور فتح موصلی کا قول ہے کہ جب مریض کو تین دن کھانا پانی، دوا کچھ نہ دیا جائے تو وہ مرجائے گا، لوگوں نے کہا، بے شک مرجائے گا، فرمایا یہی حال دل کا ہے، جب اس سے تین دن علم اور حکمت کو روک دیا جاتا ہے تو مرجاتا ہے، اور یہ قول ان کا بجا ہے اس لیے کہ دل کی غذا علم اور حکمت ہے اور انہی دونوں سے اس کی زندگی ہے، جس طرح کہ بدن کی غذا کھانا ہے۔ اور جس شخص کو علم میسر نہیں تو اس کا دل بیمار ہے اور موت اس پر لازم، مگر اس شخص کو اپنے دل کی بیماری اور موت کی خبر نہیں ہوتی، اس لیے کہ دنیا کی محبت اور اس کے کاروبار میں لگے رہنے سے اس کی حس جاتی رہتی ہے جیسے خوف اور نشے کے غلبے میں زخم کا درد اس وقت معلوم نہیں ہوتا اگرچہ واقع میں درد ہوتا ہے لیکن جب موت دنیا کے بوجھ اور علاقے آدمی سے اتار دیتی ہے تب اپنے دل کی موت کو جانتا ہے اور افسوس کرتا ہے، اس وقت افسوس کچھ فائدہ نہیں کرتا، جس طرح کے خوف والے کا خوف یا متوالے کا نشہ دور ہوجاتا ہے تو اس کو جہاں جہاں نشہ یا خوف کی حالت میں زخم لگا ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے، ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اس روز سے کہ حقیقتِ حال کھلے، اب تو لوگ سوتے ہیں، جب مریں گے تب جاگیں گے اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ عالموں کی سیاہی اور شہیدوں کا خون تولا جائے گا، سیاہی زیادہ ٹھہرے گی۔ اور حضرت ابن مسعود رضی فرماتے ہیں کہ لوگو! علم کو سیکھو، پیشتر اس سے کہ علم اٹھا لیا جاوے، اور اس کا اٹھانا یہ ہے کہ اس کے روایت کرنے والے مرجاویں، پس قسم ہے مجھ کو اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے اور شہید ہوئے وہ عالموں کی بزرگیاں دیکھ کر یہ چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عالم اٹھاتا، اور عالم کوئی پیدا ہوتا ہی نہیں بلکہ سیکھنے سے علم آتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ علم کا تذکرہ تھوڑی سی رات میں کرنا میرے نزدیک تمام رات جاگنے سے اچھا ہے اور یہی مضمون حضرت ابوہریرہ رضی اور امام احمد ابن حنبل سے مروی ہے۔ اور حضرت حسن بصری اس آیت کی تفسیر میں ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة[1] فرماتے ہیں کہ دنیا کے حسنہ سے مراد علم اور عبادت ہے اور آخرت کے حسنہ سے مراد جنت، اور بعض حکماء سے کسی نے سوال کیا کہ کون سی چیز ذخیرہ کی جاوے، جواب دیا کہ وہ چیز ذخیرہ کرنی چاہیئے کہ جب تیری کشتی ڈوب جاوے تو وہ تیرے ساتھ تیرنے لگے، یعنی علم ذخیرہ کرنے کے قابل ہے کہ جب کشتی بدن

[1] اے رب ہمارے دے ہم دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی ۱۲

غرقاب موت ہو جاوے تو یہی ساتھ رہے اور بعض حکماء کا قول ہے کہ جو شخص حکمت کو اپنا لگام بناتا ہے، لوگ اس کو اپنا امام کرتے ہیں، اور جو شخص حکمت میں مصروف ہوتا ہے، اس کو لوگ عزت اور وقار سے دیکھتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ علم کی شرافت یہ ہے کہ اس کو جس شخص کی طرف منسوب کرو، گو کسی ادنٰے بات میں کہو، مثلاً کہ یہ شخص فلاں چیز کا علم رکھتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور جس شخص سے اس کو اُٹھالو، مثلاً کہو کہ فلاں چیز کا اس کو علم نہیں تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! علم کے پیچھے پڑو کہ اللہ کے پاس ایک چادر محبت ہے جو شخص کوئی باب علم کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ وہ چادر اس کو اڑھاتا ہے، پھر اگر وہ شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنی رضاجوئی اس سے کرالیتا ہے، پھر دوبارہ اگر خطا کا مرتکب ہوتا ہے، تب بھی اس سے رضاجوئی کا طالب ہوتا ہے۔ تیسری بار بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے، اور غرض اس ہر دفعہ کی رضاجوئی کرانے سے یہ ہوتی ہے کہ اس سے وہ چادر نہ چھینے، اگرچہ اس کا گناہ بڑھتے بڑھتے موت تک پہنچ جاوے اور احنفؒ کا قول ہے کہ علماء ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالک بن جاویں گے، اور جس عزت کی مضبوطی علم سے نہ ہو تو اس کا انجام ذلت ہوتا ہے اور سالم بن ابی جعد کہتے ہیں کہ میرے آقا نے مجھ کو تین سو درہم لے کر آزاد کر دیا تو میں نے سوچا کہ کون سا فن سیکھوں، آخر علم کو حرفہ بنایا، ایک برس بھی مجھ کو نہ گذرا تھا کہ حاکم شہر میری ملاقات کو آیا اور میں نے اس کو لوٹا دیا اور پاس نہ آنے دیا۔ اور زبیر ابن ابی بکر کہتے ہیں کہ مجھ کو میرے باپ نے عراق میں خط لکھا کہ تو علم کے پیچھے پڑ، اس لیے کہ اگر تو مفلس ہو جائے گا تو یہ تیرا مال ہوگا اور اگر تو غنی ہوگا، تو اس سے تیری زینت ہوگی۔ اور لقمان نے جو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اے لڑکے علماء کے پاس بیٹھ اور اپنا زانوان کے زانو سے بھڑا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے دلوں کو ایسا زندہ کرتا ہے جیسے زمین کو بھاری مینہ سے سرسبز کرتا ہے اور بعض حکماء فرماتے ہیں کہ عالم مرجاتا ہے تو اس پر مچھلیاں پانی میں اور پرندہوا میں روتے ہیں اور گو ظاہر میں اس کا چہرہ نظر نہیں پڑتا مگر اس کی یاد دلوں میں نہیں بھولتی اور زہری فرماتے ہیں کہ علم نر ہے اور اس کو مردوں میں سے وہی پسند کرتے ہیں جو مرد ہوں۔

ذیلی فصل ۲ طالب علم کے فضائل

آیتیں اس باب میں یہ ہیں فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين[1] اور فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون[2] اور حدیثیں یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من[3] سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا الى الجنة اور فرمایا[4] کہ فرشتے طالب علم کے کام سے خوش ہو کر اپنے بازو اس کے لیے بچھاتے ہیں اور فرمایا[5] کہ اگر تو جا کر کوئی علم کا باب سیکھے تو اس سے بہتر ہے کہ سو رکعتیں نفل پڑھے، اور فرمایا[6] کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض

---

[1] سو کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ان کے ایک حصّہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں ۱۲ [2] سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں ۱۲ [3] جو شخص ایک راستہ کو طلب کرے اس میں علم اللہ چلاوے اس کو جنت کی راہ۔ اس کو مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے ۱۲ [4] احمد اور حاکم نے صفوان ابن حبان سے روایت کیا ہے ۱۲ [5] ابن عبدالبر نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ میں اور الفاظ ہیں ۱۲ [6] ابن حبان نے روضہ میں روایت کیا ہے ۱۲

ہے اور فرمایا[1] کہ علم وہ خزانہ ہے جس کی کنجیاں سوال ہے پس علم کا سوال کرو کہ اس میں چار شخصوں کو ثواب ملتا ہے اول سوال کرنے والے، دوسرے عالم کو، تیسرے سننے والے کو، چوتھے اس کو جو ان سے محبت رکھتا ہو، اور فرمایا[2] کہ جاہل کو نہ چاہیئے کہ اپنے جہل پر خاموش ہو رہے اور نہ عالم کو چاہیئے کہ اپنے علم پر چپکا رہے، یعنی جاہل کو دفع جہالت کے لیے سوال کرنا چاہیے اور عالم کو اس کا ثواب دینا چاہیئے اور حضرت ابوذر رضؓ کی حدیث[3] میں ارشاد ہے کہ مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار بیماروں کی عیادت کرنے سے اور ہزار جنازوں کی شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ پس کسی نے عرض کیا کہ قرآن کی تلاوت سے بھی بہتر ہے، آپؐ نے فرمایا کہ قرآن بدوں علم کے کب مفید ہے۔ اور فرمایا[4] کہ جس شخص کو موت آوے اور وہ اسلام کے زندہ کرنے کے لیے علم سیکھتا ہو تو اس کا اور انبیاء کا درجہ جنت میں ایک ہوگا، اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا تو ذلیل تھا، اب جو میرے پاس لوگ سیکھنے لگے تو عزت والا ہو گیا، اور اسی طرح ابن ابی ملیکہؒ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے مثل کوئی نہیں دیکھا، اگر صورت کو دیکھو تو سب سے اچھی، اور اگر گفتگو کریں سب سے فصیح، اور فتوےٰ دیں تو سب سے زیادہ علم معلوم ہو، اور ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو تعجب آتا ہے اس شخص پر جو علم کی طلب نہ کرے کہ اس کا نفس اس کو کسی بزرگی کی طرف کیسے بلاتا ہے۔ اور بعض حکماء نے کہا ہے کہ مجھ کو جیسا دو شخصوں پر ترس آتا ہے اور کسی پر نہیں آتا، ایک تو اس پر کہ علم کا طالب ہے اور سمجھتا نہیں اور ایک اس پر کہ علم کو سمجھتا ہے اور اس کی طلب نہیں کرتا، اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں ایک مسئلہ سیکھوں، میرے نزدیک تمام رات کی شب بیداری سے اچھا ہے، اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ عالم اور طالب علم خیر میں شریک ہیں اور دوسرے تمام آدمی بھنگے ہیں اور ان میں کچھ بہتری نہیں، اور نیز ان کا ارشاد ہے کہ عالم ہو یا طالب علم یا سننے والا، ان تینوں کے سوا چوتھا مت ہو، ورنہ ہلاک ہو جاوے گا، اور عطارؒ کا قول ہے کہ ایک مجلس علم کی لہو کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہزار شب بیدار روزہ دار عابدوں کا مر جانا، ایسے عالم کی موت سے کم ہے، جو خدائے تعالیٰ کے حلال اور حرام کا ماہر ہو اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ علم کا طلب کرنا نفل سے افضل ہے اور ابن عبد الحکم نے کہا ہے کہ میں امام مالکؒ کے پاس سبق پڑھتا تھا کہ ظہر کا وقت آگیا، میں نے اپنی کتاب نماز پڑھنے کے لیے تہ کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے فلاں جس کے لیے تو اٹھا ہے وہ اس سے بہتر نہیں، جس میں تو تھا، بشرطیکہ نیت درست ہو۔ اور ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی یہ تجویز ہو کہ علم کا طلب کرنا جہاد نہیں تو وہ اپنی عقل و تجویز میں ناقص ہے۔

ذیلی فصل ۳: تعلیم کے فضائل

آیتیں اس باب کی یہ ہیں ولینذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون[5] اس آیت میں انذار سے مراد تعلیم و ارشاد ہے اور دوسری

---

[1] ابن عدی اور بیہقی نے روایت کیا ہے انس رضی اللہ عنہ سے ۱۲ [2] دیباچہ میں گذری ۱۲ [3] ابو نعیم نے علی سے بسند ضعیف ۱۲ [4] طبرانی اور ابو نعیم نے جابر سے بسند ضعیف ۱۲ [5] ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا ہے ۱۲ [6] دارمی اور ابن ماجہ نے احسن سے روایت کی ۱۲ اور تاکہ خبر پہنچادیں اپنی قوم کو جب پھر آویں ان کی طرف شاید وہ بچتے رہیں ۱۲

جگہ فرمایا واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ[1] اس میں تعلیم کا واجب ہونا مذکور ہے اور فرمایا وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون[2] اس میں علم کے چھپانے کی حرمت بیان فرمائی، جیسے گواہی کے چھپانے کے لیے ارشاد فرمایا ہے ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ[3] اور فرمایا ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا[4] اور فرمایا ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ[5] اور فرمایا ویعلمھم الکتب والحکمۃ[6]. اور حدیثیں تعلیم کی فضیلت کی بہت ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں[7] کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عالم کو جو علم دیا تو اس سے وہ عہد بھی لیا ہے، جو پیغمبروں سے لیا ہے کہ اس کو بیان کریں گے اور چھپا دیں گے نہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رض کو یمن کی طرف روانہ کیا تو ان کو یہ ارشاد فرمایا[8] لان یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من الدنیا وما فیھا اور فرمایا جو شخص علم کا ایک باب اس لیے سیکھے کہ اس کو لوگوں کو سکھاوے، تو اس کو ستر پیغمبروں صدیق کا ثواب دیا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، جو شخص عالم ہو اور علم کے بموجب عمل کرے اور لوگوں کو سکھاوے، وہ آسمان اور زمین کے ملکوت میں عظیم کہلاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ عبادت کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں سے ارشاد فرماتے گا کہ جنت میں جاؤ، عالم عرض کریں گے کہ الٰہی انہوں نے ہمارے علم کے طفیل سے عبادت اور جہاد کیا، یعنی شایانِ اکرام ہم ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے گا کہ تم میرے نزدیک میرے بعض فرشتوں کے مثل ہو، تم شفاعت کرو، تمہاری شفاعت منظور ہوگی، پس وہ سفارش کریں گے پھر جنت میں داخل ہوں گے، اور یہ رتبہ اسی علم کا ہے جو تعلیم سے دوسروں کو پہنچے، اس علم کا نہیں جو فقط اسی شخص کے ساتھ رہے، دوسرے کو نہ پہنچے، اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[9] ان اللہ عزوجل لا ینزع العلم انتزاعا من الناس بعد ان یوتیھم ایاہ ولکن یذھب بذھاب العلماء فکلما ذھب العالم ذھب بما معہ من العلم حتی اذا لم یبق الا رؤساء جھالا ان سئلوا افتوا بغیر علم فیضلون ویضلون اور فرمایا[10] من علم علما فکتمہ الجمہ اللہ یوم القیامۃ بلجام من نار اور فرمایا[11] خوب عطا اور عمدہ ہدیہ کلمہ حکمت ہے جس کو تو سُنے اور یاد رکھے، پھر اس کو اپنے

. . . . [1] اور جب اللہ نے اقرار کیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور نہ چھپاؤ گے ۱۲[2] اور ایک فرقہ ان میں چھپاتے ہیں حق کو جان کر ۱۲[3] اور کوئی وہ چھپاوے تو گنہگار ہے اس کا دل ۱۲[4] اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام ۱۲[5] بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت کرکے بھلی طرح ۱۲[6] اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی ۱۲[7] ابونعیم نے ابو مسعود رض سے[8] اگر تیرے سبب سے خدا تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت کردے تو یہ تیرے حق میں دنیا اور اس کے درمیان کی چیزوں سے بہتر ہے ۱۲ اس کو احمد نے معاذ سے روایت کیا ہے اور بخاری اور مسلم میں سہیل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ یہ قول آپ نے حضرت علی کو فرمایا تھا ۱۲[9] ابو منصور دیلمی نے ابن مسعود سے بسند ضعیف ۱۲ ابو عباس مرغی نے بسند ضعیف ابن عباس رض سے ۱۲[10] اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو دے کر چھین نہیں لیتا مگر علماء کے لے جانے سے علم کو بھی لے جاتا ہے پس جب کوئی عالم چلا جاتا ہے اس کے ساتھ اس کا علم بھی جاتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب بجز جاہل سرداروں کے اور کوئی نہیں رہتا تو ان سے اگر کوئی پوچھتا ہے تو بے جانے فتوے دیتے ہیں تو خود بھی بہکتے ہیں اور دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں ۱۲ صحیحین میں ابن عمر رض سے ۱۲ جو شخص کوئی علم سیکھے اور اس کو چھپاوے، اللہ تعالیٰ اس کو آگ کا لگام دے گا، ابو داؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ رض سے ۱۲

---

[11] طبرانی نے ابن عباس رض سے ۱۲

بھائی مسلمان کے پاس لے جاوے اور اس کو سکھلاوے تو ایک برس کی عبادت کے مساوی ہے اور فرمایا[ح۱] الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ سبحانہ وما والاہ و معلما او متعلما۔ اور فرمایا[ح۲] ان اللہ سبحانہ وملئکتہ واھل سموٰتہ وارضہ حتے النملۃ فی جحرھا وحتے الحوت فی البحر یصلون علی معلم الناس الخیر[ح۳] اور فرمایا مسلمان اپنے بھائی کو اس سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا کہ جو عمدہ بات اس نے سنی ہے، وہ دوسرے کو سناوے اور فرمایا، ایماندار اگر ایک کلمہ خیر سنے اور سیکھ کر اس[۱] کے بموجب عمل کرے، تو اس کے حق میں ایک برس کی عبادت سے بہتر ہے، اور ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، پھر آپؐ نے مجلسیں دیکھیں کہ ایک تو اللہ تعالےٰ سے دعا مانگتے تھے اور اس کی طرف راغب تھے اور دوسرے لوگوں کو کچھ سکھلاتے تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا[ح۴] کہ مجلس اوّل کے لوگ تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں، اگر وہ چاہے ان کو دے اور چاہے نہ دے، مگر دوسری مجلس والے لوگوں کو تعلیم کرتے ہیں اور مجھ کو بھی خدا نے تعلیم کرنے والا ہی بھیجا ہے، پھر آپؐ دوسری مجلس والوں کی طرف .. پھرے اور ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا[ح۵] مثل ما بعثنی اللہ عزوجل بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکانت منھا بقعۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر وکانت منھا بقعۃ امسکت الماء فنفع اللہ عزوجل بھا الناس فشربوا منھا وتنقوا و زرعوا وکانت منھا طائفۃ قیعان لا تمسک ولا تنبت کلاءً۔ اس حدیث میں مثال اوّل ان لوگوں کی ہے جن کو اپنے علم سے خود فائدہ ہوتا ہے اور دوسرے ان لوگوں کی جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور تیسری مثال ایسے شخصوں کی ہے جو دونوں باتوں سے محروم ہیں اور فرمایا[ح۶] اذا مات .. . ابن اٰدم انقطع عملہ الا من ثلث علم ینتفع بہ وصدقۃ جاریۃ وولد صالح یدعو الہ بہ الخیر اور فرمایا[ح۷] الدال علی الخیر اور فرمایا[ح۸] لاحسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ عزوجل حکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا الناس

۱؎ اس کو سیکھ کر الخ اصل میں یوں ہے کہ اسکو سکھاوے اور پھر اس پر عمل کرے ۱۲ ح۱ دنیا ملعون ہے اور جو چیز اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر ذکر خدا اور جو اس کے قریب ہو یا معلم یا طالبِ علم ہو ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح۲ البتہ اللہ سبحانہ اور اس کے فرشتے اور اس کے آسمان اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی سمندر میں سب رحمت بھیجتی ہیں اس پر جو لوگوں کو خیر سکھاوے ۱۲ ترمذی بروایت ابوامامہؓ ح۳ ابن عبدالبر نے بروایت محمد بن منکدر مرسل لکھی ہے ۱۲ ح۴ ابن مبارک بروایت ح۵ ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن عمر بسند ضعیف ۱۲ ح مثال اس چیز کی جو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دے کر بھیجا ہے یعنی ہدایت اور علم کی ایسی مثال ہے کہ بہت سا مینہ زمین پر برسے، اس میں ایک ٹکڑا ایسا ہو کہ پانی جذب کرے اور گھاس لکڑی بہت اگادے اور ایک ٹکڑا ایسا ہو کہ پانی روک رکھے اور لوگوں کو خدائے تعالیٰ اس پانی سے نفع دے کہ آپ پئیں اور زراعت میں دیں، اور ایک ٹکڑا ایسا ہو کہ پانی روکے، نہ گھاس وغیرہ اس میں پیدا ہو ۱۲ بخاری اور مسلم بروایت ابوموسیٰ ۱۲ ح جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین چیزوں سے، اوّل علم سے جس سے اوروں کو فائدہ ہو تو اس کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیونکر بیچ میں آیا ہے ۱۲ کذا فی الاصل ۱۲ دوسرے صدقہ جاری سے، تیسرے نیک بخت لڑکے سے جو اس کے لیے دعائے خیر کرے ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح خیر کا بتانے والا مثل خیر کے کرنے والے کے ہے۔ ترمذی و مسلم و ابوداؤد بروایت انسؓ ۱۲ ح غبطہ دو ہی شخصوں پر ہونا چاہیئے، ایک تو وہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکمت دی ہے اور وہ اس کے بموجب کام کرتا ہو اور اس کو لوگوں کو سکھاتا ہو، اور ایک وہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو مال دیا ہو اور اس کو خیرات میں اڑانے پر اس کو مسلط کر دیا ہو ۱۲ بخاری اور مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲

ورجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الخیر۔ اور فرمایا کہ میرے نائبوں پر خدائے تعالیٰ کی رحمت ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ کے نائب کون ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو میرے طریق کو پسند کرتے ہیں اور اس کو خدائے تعالیٰ کے بندوں کو تعلیم کرتے ہیں اور آثار تعلیم کی فضیلت کے یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی حدیث بیان کرے اور اس پر عمل کرے تو اس کو ثواب ان لوگوں کے برابر ملے گا جو وہی عمل کریں گے، اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو بہتر بات سکھاتا ہے، اس کے لیے تمام چیزیں سمندر کی مچھلیوں تک استغفار کرتی ہیں اور بعض علماء کا قول ہے کہ عالم خدائے تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں واسطہ[1] پڑتا ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ عسقلان میں تشریف لاتے اور کچھ دنوں رہے، ان سے کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو سواری کرایہ دو کہ اس شہر سے نکل جاؤں، یہ ایسا شہر ہے کہ اس میں علم مرجاتے گا اور اسی واسطے کہا کہ تعلیم کی بزرگی اور اس کی جہت سے علم کے باقی رہنے کی آپ کو حرص تھی۔ اور عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن مسیب کے پاس گیا، وہ روتے تھے، میں نے رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے فرمایا کہ یہ وجہ ہے کہ مجھ سے کوئی کچھ پوچھتا نہیں، اور بعضوں کا قول ہے کہ علماء زمانوں کے چراغ ہیں، ہر ایک اپنے وقت میں شمع ہوتا ہے کہ اس سے اس کے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اگر علماء نہ ہوتے تو آدمی مثل چوپاؤں کے ہوجاتے، یعنی علماء لوگوں کو تعلیم کی جہت سے حالت بہیمی سے نکال کر سرحد انسانیت پر پہنچا دیتے ہیں اور عکرمہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس علم کا کچھ مول ہے، کسی نے پوچھا وہ کیا ہے، فرمایا وہ یہ ہے کہ اس کو ایسے کو سکھاوے جو اچھی طرح یاد کرے اور ضائع نہ کرے اور یحییٰ بن معاذ رحمہ فرماتے ہیں کہ علمائے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ماں باپ سے زیادہ رحیم ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس طرح ہے، انہوں نے فرمایا کہ اس لیے کہ ماں باپ تو لوگوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور علماء آخرت کی آگ سے بچاتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ ابتدائے علم سکوت ہے، پھر سننا پھر یاد کرنا، پھر عمل کرنا، پھر اس کو لوگوں میں پھیلانا۔ اور بعض یوں فرماتے ہیں کہ اپنا علم ایسے کو سکھا جو اس سے جاہل ہو اور ایسے شخص سے سیکھو کہ جو چیز تم کو نہ آتی ہو، اس کو وہ جانتا ہو، جب ایسا کروگے تو جو کچھ آتا ہوگا اس کو جان جاؤگے اور جو جانتے ہوگے، وہ یاد رہے گا۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے اور میں نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی پایا کہ علم کو سیکھو اس لیے کہ اس کا سیکھنا خوفِ الٰہی ہے۔ اور اس کی جستجو عبادت، اور اس کا درس دینا تسبیح، اور اس کی بحث کرنی جہاد، اور جو شخص نہ جانتا ہو، اس کی تعلیم کرنی خیرات اور جو اس کا اہل ہو، اس پر اس کا خرچ کرنا قرب منزلت ہے۔ یہی علم تنہائی میں انیس اور سفر میں جلیس اور خلوت میں گفتگو کرنے والا، اور دین کا راہنما، اور حالتِ توانگری اور افلاس میں چراغ، اور دوستوں کے سامنے نائب، اور اجنبی شخصوں میں قریب[2] کرنے والا، اور دشمنوں کے حق میں ہتھیار، اور راہ جنت کا منارہ ہے اس علم کی بدولت اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بلند رتبہ عنایت فرماتا ہے اور ان کو امور خیر میں سردار پیشوا ہادی بناتا ہے، ان کی دیکھا دیکھی

---

[1] قولہ واسطہ پڑتا ہے ۱۲ [2] اصل میں ہے والقریب عند الغرباء یعنی اجنبیوں کے نزدیک رشتہ دار ہے ۱۲ یعنی مراد یہ کہ اہل علم کے نزدیک وزیر، اور غیروں کے نزدیک قرابتی ہے ۱۲ ع ابن عبد البر بروایت حسن ۱۲

اوروں کو خیر نصیب ہوتی ہے، ان کے قدموں پر لوگ چلتے ہیں اور ان کے افعال کو تاکتے ہیں، فرشتے ان کی دوستی کے خواہاں ہوتے ہیں اور اپنے بازوؤں سے ان کو پونچھتے ہیں، اور تمام خشک و تر ان کے لیے بخشش چاہتے ہیں، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور کیڑے اور خشکی کے درندے اور چوپائے اور آسمان اور ان کے ستارے، سب دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ علم دل کی زندگی ہے، اس کے باعث جہالت نہیں رہتی۔ اور نور ہے کہ جس کے سامنے تاریکی جاتی رہتی ہے، اس سے بدن کو قوت آتی ہے اور ضعف دور ہوتا ہے۔ اس کے باعث بندہ نیک لوگوں کے مراتب اور بلند درجے حاصل کرتا ہے، علم میں فکر کرنا، روزہ رکھنے کے برابر ہے، اور اس کے درس میں مشغول رہنا شب بیداری کے مساوی، اور اس کے باعث خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور توحید و عبادت اور تمجید ہوتی ہے، اسی سے ورع اور تقویٰ اور صلۂ ارحام اور معرفتِ حلال اور حرام حاصل ہے، علم امام ہے اور عمل اس کا تابع ہے، نیک بختوں ہی کے دل میں اس کی جگہ کی جاتی ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ سے حسنِ توفیق کے خواہاں ہیں۔

ذیلی فصل ۴: عقلی دلائل

اب دلائل عقلی اس باب میں سُننی چاہئیں کہ غرض اس جا علم کی فضیلت اور نفاست کے معلوم کرنے سے ہے اور جب تک کہ خود فضیلت کو نہ سمجھو اور جو اس سے غرض ہے اس کو نہ معلوم کرو تو علم وغیرہ اشیاء کی فضیلت کا جاننا ممکن ہے، جیسے کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ زید حکیم ہے یا نہیں، اور اس کو ہنوز حکمت کے معنی اور اس کی حقیقت معلوم نہ ہو تو بجز راہ بھٹکنے کے اور اس کو کیا حاصل ہوگا، پس واضح ہو کہ فضیلت فضل سے نکلی ہے جس کے معنی زیادتی کے ہیں، تو جب دو چیزیں کسی بات میں شریک ہوں اور ایک میں کوئی بات زیادہ ہو تو اس کو کہیں گے کہ یہ دوسرے سے زیادہ اور افضل ہے، لیکن زیادتی ایسی چیز میں ہونی چاہیے جو اس چیز کا کمال ہو، مثلاً گھوڑے کو جو گدھے سے افضل کہتے ہیں تو اسی لیے گھوڑا باربرداری ~~میں~~ گدھے کا شریک ہے مگر کر و فر اور تگ و دو میں اور خوبصورتی میں اس سے بڑھ کر ہے۔ اب اگر کسی گدھے کو بہت سا زیور پہنا دیں تو یہ نہ کہیں گے کہ یہ افضل ہے، کیونکہ یہ زیادتی صرف ظاہر کی ہے باطن کی نہیں، نہ کمال میں اس کو کچھ دخل ہے اور جانوروں سے غرض ان کے صفات اور امور باطنی ہیں، نہ ظاہر کا جسم، جب یہ معلوم کر چکے تو اب تم پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ اگر علم کو اور اوصاف کے لحاظ سے دیکھو تو اس میں ایک طرح کا فضل ہے، جیسے گھوڑے کو بہ نسبت اور حیوانات کے فضیلت ہے بلکہ تیزی تگ و دو جو گھوڑے میں ہے وہ مطلق فضیلت نہیں، اضافی ہے اور علم کو بالذات اور مطلق فضیلت ہے خواہ کسی کی نسبت کر ہو یا نہ ہو اس لیے کہ وہ خدائے تعالےٰ کی صفت کمال ہے اور اسی سے فرشتوں اور انبیاء کا شرف ہے، بلکہ گھوڑوں میں سے جس کو تمیز ہوتی ہے وہ احمق اور کم فہم سے اچھا ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم کو فضیلت مطلق ہے خواہ کسی کی نسبت کر ہو یا نہ ہو، اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نفیس چیز کی رغبت جو ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ کہ غیر کے لیے مطلوب ہو اور ایک وہ کہ بالذات اور غیر کے لیئے دونوں طرح مطلوب ہو، ان تینوں قسموں میں سے جو بالذات مطلوب ہوتی ہے وہ اول کی نسبت کر اشرف اور افضل ہے۔ اور اول قسم یعنی جو چیزیں غیر کے لیے مطلوب ہیں وہ روپیہ اشرفی ہیں کہ دونوں خود پتھر ہیں، ان سے خود کسی طرح کا فائدہ نہیں۔ اگر بالفرض

خداوند کریم آدمیوں کی حاجتیں پوری کرنی ان سے سہل فرماتا تو ان کا اور کنکروں کا ایک سا حال ہوتا، اور مطلوب بالذات آخرت کی سعادت اور لذت دیدارِ الٰہی ہے اور جو چیز کہ بالذات بھی اور غیر کے لیے بھی مطلوب ہوتی ہے، اس کی مثال بدن کی سلامتی ہے، مثلاً پاؤں کی سلامتی اس جہت سے بھی مطلوب ہے کہ بدن درد سے سلامت رہے اور اس لیے بھی مطلوب ہے کہ اس سے چل کر اپنے مطالب اور حاجات پوری کریں۔ اب اس اعتبار سے اگر علم کو دیکھو تو اس کو خود بھی لذیذ پاؤ گے اور وسیلۂ آخرت اور سعادت اُخروی اور قربِ الٰہی کا ذریعہ بھی پاؤ گے بدوں اس کے خدائے تعالیٰ کی طرف وصول نہیں ہوتا اور آدمی کے حق میں سب رتبوں میں بڑھ کر سعادتِ ابدی ہے اور سب چیزوں میں افضل وہ ہے جو سعادتِ ابدی کا وسیلہ، اور ظاہر ہے کہ اس کا ملنا بدوں علم و عمل کے ہرگز نہیں ہو سکتا، اور عمل بھی بدوں اس کے کہ کیفیت عمل کا علم ہو نہیں سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا اور آخرت میں سعادت کی اصل علم ہی ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ سب اعمال سے افضل علم ہے اور کیوں نہ ہو کہ فضیلت کسی چیز کی اس کے نتیجہ سے بھی معلوم ہوا کرتی ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ علم کا نتیجہ قربِ الٰہی اور وصول بزمرۂ ملائکہ اور نزدیکی ملاءِ اعلیٰ کی ہے۔ یہ امور تو آخرت میں ہوں گے اور دنیا میں عزت و وقار اور سلاطین پر حکم کرنا اور طبیعتوں میں عالم کی قدر و منزلت کا لازم ہونا ہے، یہاں تک کہ ترکوں میں غبی اور عرب کے کم رتبہ لوگ اپنی طبیعتوں کو اس بات پر مخلوق پاتے ہیں کہ اپنے بڑوں کی توقیر کیا کریں۔ اس لیے کہ ان کو تجربہ کرتے کرتے کچھ علم زیادہ ہو جاتا ہے بلکہ چوپایوں کو دیکھو تو وہ بھی اپنی طبیعت سے انسان کی توقیر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو اس بات کا شعور ہے کہ جو درجہ ہم کو ہے اس سے کمال میں انسان بڑھا ہوا ہے، یہ فضیلت علم کی مطلق ہے۔

پھر علوم مختلف ہیں، چنانچہ ان کا بیان عنقریب آوے گا اور جیسے علوم میں اختلاف ہے اسی طرح ان کے فضائل میں تفاوت ہے اور فضیلت تعلیم اور تعلم کی بھی وجہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اس لیے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ سب باتوں سے افضل علم ہے تو اس کا سیکھنا افضل بات کا حاصل کرنا ہوگا اور اس کا سکھانا افضل امر کی تعلیم ہوگی۔ اور اس کی تقریر اس طرح ہے کہ خلق کے مقاصد دین اور دنیا میں آجاتے ہیں اور دین کا انتظام بدوں دنیا کے انتظام کے نہیں ہو سکتا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جو شخص دنیا کو آلۂ آخرت اور فرودگاہ جانے اس کے حق میں دنیا ذریعۂ وصول الی اللہ کا ہے۔ بشرطیکہ اس کو اپنا وطن اور فرودگاہ نہ کرے اور دنیا کا انتظام آدمیوں کے اعمال سے ہے اور آدمیوں کے اعمال اور کاروبار تین قسموں میں منحصر ہیں۔ اول تو اصول ہیں کہ بدوں ان کے عالم کا قیام نہیں۔ اور اصول چار چیزیں ہیں۔ ایک زراعت جس پر کھانا موقوف ہے۔ دوم نوربافی لباس کے لیے۔ سوم تعمیر رہنے کے واسطے، چہارم سیاست آپس میں مانوس رہنے اور اجتماع کے لیے اور اسبابِ معیشت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے، دوسرے وہ اعمال ہیں جو ان چاروں امور کو مہیا کرتے ہیں۔ اور ان کے خادم کی طرح ہیں۔ مثلاً آہن گیری زراعت کی خادم خاص کر ہے اور دوسری صنعتوں کے آلات بھی اس سے بنتے ہیں اور وہ دھننا اور کاتنا دونوں نوربافی کے خادم ہیں کہ سوت وغیرہ کا ہونا ان پر موقوف ہے، تیسرے وہ اعمال ہیں کہ اصول کو پورا کرتے ہیں اور ان کو زینت دیتے ہیں مثلاً پیسنا اور پکانا زراعت کے لیے اور دھونا اور سینا نوربافی کے لیئے اور ان تین طرح کے اعمال کو عالم کے قیام میں ایسا ہی علاقہ ہے جیسے آدمی

کے اجزاء کو اس کے تمام وجود کے قیام میں ہے، یعنی آدمی کے اجزاء بھی تین طرح کے ہیں، ایک اصول میں جیسے دل اور جگر اور دماغ ہیں، دوسرے وہ اعضاء ہیں جو اصول کے خادم ہیں، یعنی معدہ اور رگیں اور شریانیں اور پٹھے اور نسیں ہیں تیسرے وہ اجزاء ہیں جو زینت کے لیے ہیں مثلاً ناخن اور انگلیاں اور بھویں اور بال وغیرہ ہیں۔ اور ان صفتوں میں سے اشرف اور افضل اصول ہیں، اور اصول میں سے افضل سیاست ہے، جس پر کہ مدار مانوس رہنے اور آپس میں بسر کرنے کا ہے اور اسی لیے اس خدمت کے بجالانے والے کو وہ کمال ہونا چاہیئے جو اور صفتوں میں درکار نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس خدمت والا اور صنعت والوں سے خدمت لیا کرتا ہے، اور سب کو اپنا تابع جانتا ہے اور خلق کی درستی کے لیے اور دنیا اور آخرت میں ان کو راہِ راست بتانے کے لیے سیاست کے چار مرتبے ہیں، اوّل سیاست جو سب میں برتر ہے۔ سیاست انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ اور ان کا حکم خاص اور عام سب پر ہے مگر صرف ظاہر پر ہے، باطن پر نہیں، تیسری سیاست ان علماء کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے عالم ہیں، اور یہی علماء انبیاء کے وارث ہیں، ان کا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر ہے، عوام کی سمجھ کا اتنا رتبہ نہیں جو ان سے مستفید ہو اور نہ ان کو یہ قوت کہ لوگوں کے ظاہر پر کسی بات کے لازم کرنے خواہ روک دینے کا تصرّف کریں، چوتھی سیاست واعظوں کی ہے، ان کا صرف عوام کے باطنوں پر اثر ہے۔ اب ان سب سیاستوں میں نبوّت کے بعد اشرف اور افضل علم کی تعلیم اور لوگوں کے نفس کو مہلک عادتوں اور بُری خصلتوں سے بچانا اور عمدہ اخلاق اور سعادت کی طرف راہ بتلانا ہے اور تعلیم سے مراد بھی یہی ہے، اور تعلیم کو جو ہم نے اور اعمال کی نسبت کر افضل بتایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ کا شرف تین باتوں سے جاتا ہے تو اس قوت کے لحاظ سے جو اس صنعت کے پہچاننے کا ذریعہ ہے، مثلاً عقلی علوم لغوی علوم سے افضل ہیں اس لیے کہ حکمت تو عقل سے معلوم ہوتی ہے اور لغت کان کے سُننے سے، اور عقل سُننے کی نسبت کر افضل ہے، تو جو چیز عقل سے معلوم ہو گی، وہ بھی افضل ہو گی۔ یہ شرف باعتبار فائدے کے عام ہونے کے ہوتا ہے، جیسے کھیتی بہ نسبت زرگری کے ہے کہ اوّل کا فائدہ انسانوں اور حیوانوں کو عام ہے بخلاف زرگری کے کہ اس کا فائدہ سب انسانوں کے لیے نہیں، یا شرف باعتبار محل کے ہوتا ہے جس میں اس پیشہ کا اثر ہو، جیسے زرگری چمڑا پکانے کی نسبت کر افضل ہے، اس لیے کہ زرگر تو سونے پر اپنا عمل کرتا ہے اور چمڑا پکانے والا مردار کی کھال پر کام کرتا ہے، اب تعلیم جو دیکھتے ہیں تو یہ تینوں وجہیں شرف کی اس میں موجود ہیں اس لیے کہ علوم دینی یعنی سمجھنا طریقِ آخرت کا ظاہر ہے کہ عقل کی خوبی اور ذکا کی تیزی اور صفائی ہی سے ہوتا ہے اور عقل تمام صفاتِ انسانی سے افضل ہے، جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آوے گا، اس لیے کہ عقل ہی کے باعث خدا تعالیٰ کی امانت مقبول ہوتی ہے، اور اسی جہت سے قربِ الٰہی تک پہنچ جاتا ہے اور فائدہ کا عام ہونا تعلیم میں خود ظاہر ہے کہ مقامِ شبہہ نہیں، کیونکہ اس کا فائدہ اور ثمرہ سعادتِ آخرت ہے اور تعلیم کے محل کی شرافت میں بھی کچھ شک نہیں، کیونکہ تعلیم کرنے والا آدمی کے دلوں اور نفسوں پر تصرّف کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ زمین پر موجود چیزوں میں سب سے اشرف انسان کی جنس ہے اور انسان کے اجزاء میں سب سے عمدہ اور اشرف انسان کا دل ہے اور تعلیم کرنے والا دل کی تکمیل اور جلا دینے اور پاک کرنے، اور اس کو قربِ الٰہی تک پہنچانے میں مشغول رہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علم کا تعلیم کرنا

ایک طور سے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور ایک طرح سے اس کی خلافت، اور یہ خلافت اللہ تعالیٰ کی نہایت بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے دل پر وہ صفت جو اس کی صفات میں سے خاص تر ہے، مفتوح فرمائی، تو گویا عالم کا دل خدائے تعالیٰ کے عمدہ خزینوں کا خزانچی ہوا، پھر اس کو اجازت ہے کہ جو اس چیز کا محتاج ملے، اس کو یہ چیز دے ڈالے پس اب غور کرو کہ اس سے زیادہ کون سا رتبہ ہوگا کہ آدمی اللہ تعالےٰ اور اس کی مخلوق میں واسطہ ہو کہ اُن کو خدائے تعالیٰ کی نزدیکی اور جنتِ فردوس کی طرف برابر کھینچتا رہے۔

دوسری فصل: وہ علم جو قابلِ تعریف ہے اس کا بیان اور اس علم کا بیان جو قابلِ مذمت ہے نیز ان کی اقسام اور احکامات کی تفصیل

ذیلی فصل ۱: وہ علم جس کا حصول فرضِ عین ہے

آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر اور یہ بھی فرمایا[۲] کہ علم کو طلب کرو، اگرچہ چین میں ہو، پس جو علم کہ ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے اس میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس باب میں بیس سے زیادہ فرقے ہوگئے ہیں ہم سب کی تفصیل نہیں لکھتے، مگر حاصلِ اختلاف یہ ہے کہ ہر فریق نے واجب ہونا اسی علم کا کہا ہے جس کے درپے وہ خود تھا۔ مثلاً کلام کرنے والے کہتے ہیں کہ اس علم سے غرض علمِ کلام ہے، اس لیے کہ توحید اسی سے معلوم ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم اسی سے آتا ہے، اور فقہاء کہتے ہیں کہ وہ علمِ فقہ ہے اس جہت سے کہ اس سے عبادات اور حلال اور حرام، اور معاملات میں سے جائز اور ناجائز معلوم ہوتے ہیں اور علمِ فقہ سے ان کی غرض وہ ہے جس کی طرف ہر ایک کو حاجت ہے نہ وہ معاملات جو کمتر واقع ہوتے ہیں اور مفسر و محدث فرماتے ہیں کہ وہ علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے کہ انہی دونوں سے اور تمام علم آتے ہیں اور اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ اس علم سے غرض ہمارا علم ہے پس ان میں سے بعض یوں کہتے ہیں کہ بندہ کو اپنے حال کا اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک اپنے کلام کا علم مراد ہے۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ وہ علم اخلاص کا اور نفس کی آفتوں کا اور شیطان کے خطروں اور فرشتے کے الہام میں تمیز کرنے کا ہے اور بعض کا ارشاد ہے کہ وہ علم باطن ہے اور چند خاص لوگوں پر واجب ہے جو اس کے اہل ہیں ان لوگوں نے لفظ کے عموم کو بدل ڈالا اور اس کو خاص کر لیا، اور ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علم ہے جس کو وہ حدیث متضمن ہے جس میں مبانی اسلام کا مذکور ہے، یعنی[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ[۴] بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ الحدیث اس لیے کہ واجب یہی پانچوں چیزیں ہیں اس لیے ان کی عمل کی کیفیت اور واجب ہونے کی کیفیت کا علم بھی واجب ہونا چاہیے۔ اور جس امر پر طالب کو یقین کرنا چاہیے اور شک نہ کرنا چاہیے وہ وہ ہے جس کو ہم ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جیسا ہم نے اس باب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے علم کی دو قسمیں ہیں اوّل علم معاملہ،

۱؎ ۲؎ ان کی سند پہلے گذر چکی ۱۲ ۳؎ اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے اوّل گواہی دینی اس بات کی کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدائے تعالیٰ کے آخر حدیث تک ۱۲ ۴؎ بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲

دوم علمِ مکاشفہ، اور جو علم کہ حدیث میں ہر مسلمان پر فرض مذکور ہوا ہے، اس سے مراد علمِ معاملہ ہے اور جو معاملات کہ عاقل اور بالغ شخص کو ان کا حکم ہوتا ہے، وہ تین ہیں، ایک اعتقاد اور ایک کرنا اور ایک نہ کرنا، اگر فرض کرو کہ کوئی عاقل آدمی احتلام سے یا عمر کی راہ سے دن کو چاشت کے وقت مثلاً بالغ ہو، تو اوّل واجب اس پر یہ ہوگا کہ شہادت کے دونوں کلمے سیکھے اور ان دونوں کے معنی سمجھے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سیکھنا اور ان کے معنی کا سمجھنا واجب ہے، یہ امر واجب نہیں کہ اس باب میں بحث و تکرار کرے اور دلیلوں کو لکھ کر یقین کرے مگر اسی قدر کفایت کرتا ہے کہ ان کلموں کی تصدیق اور اعتقاد اسی طرح کرے کہ اس میں شک کا خلجان اور نفس کا تردد نہ رہے، اور اتنی بات بعض اوقات صرف تقلید اور سننے سے بھی بدوں بحث اور دلیل کے حاصل ہو جایا کرتی ہے اور بحث اور دلیل کے واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اجلاف سے صرف تصدیق اور اقرار بدوں دلیل جاننے کے کفایت فرمائی، غرضکہ اگر آدمی اس قدر جان لے گا تو واجب وقت ادا کرلے گا، اور اس وقت جو علم اُس پر فرض عین تھا، وہ کلموں کا سیکھنا اور ان دونوں کو سمجھنا تھا اس وقت میں اس کے سوا اور کوئی چیز اس کو لازم نہ تھی، اس وجہ سے کہ مثلاً اگر بعد ان دونوں کلموں کی تصدیق کے مر جاوے تو بلاشبہ خدائے تعالیٰ کا مطیع مرے گا اور نافرمان نہ ہوگا، اور دوسری چیزیں بعد کلموں کے جو اس پر واجب ہوتی ہیں وہ عوارض کے باعث ہوتی ہیں وہ ہر شخص کے حق میں ضروری نہیں، ان سے بعض آدمی جدا بھی ہو سکتے ہیں اور یہ عوارض اور اسباب خواہ فعل ہوتے ہیں خواہ ترک میں خواہ اعتقاد میں، فعل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً شخص مذکور چاشت کے وقت سے ظہر تک زندہ رہے، تو ظہر کے وقت کے داخل ہونے سے ایک نیا واجب اس پر یہ ہوگا کہ طہارت اور نماز کے مسائل سیکھے، پس اگر شخص مذکور وقتِ بلوغ میں تندرست ہوا اور ایسا ہوا کہ اگر زوال کے وقت کچھ نہ سیکھے اور بعد زوال کے سیکھنا شروع کرے تو عین وقت میں سب سیکھ کے عمل نہ کر سکے گا، بلکہ اگر سیکھنے میں مشغول رہے گا تو وقت جاتا رہے گا، تو ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ظاہر حال یہی ہے کہ یہ شخص زندہ رہے گا، اس لیے وقت سے پہلے ہی اس کو سیکھنا واجب ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ علم کا واجب ہونا جو عمل کے لیے شرط ہے وہ عمل کے واجب ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ پس پہلے وقت سے اس پر سیکھنا واجب نہیں اور اسی طرح باقی نمازوں میں . . . . حال ہے، پھر اگر وہ رمضان تک زندہ رہے گا تو رمضان کے سبب سے اس پر روزہ کا سیکھنا ایک نیا واجب ہوگا، یعنی یہ جاننا کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر آفتاب کے ڈوبنے تک ہے اور روزہ میں واجب نیت ہے اور کھاتے اور پینے اور صحبت سے بند رہنا، اور یہ بات عید کے چاند دیکھنے، اور دو گواہوں کی گواہی گذرنے تک قائم رہتی ہے۔ اب اگر اس کے پاس مال ہو جاتے یا بالغ ہونے کے وقت ہی مال ہووے تو اس کو مقدار واجب زکوٰۃ کا معلوم کرنا لازم ہوگا، مگر اس وقت لازم نہ ہوگا، بلکہ وقت اسلام سے ایک برس پورا ہونے پر لازم ہوگا، اور اگر اس کے پاس اونٹوں کے سوا اور کچھ نہ ہو تو صرف انہیں کی زکوٰۃ کا سیکھنا لازم ہوگا، اسی طرح تمام اقسام مال میں تصور کرنا چاہیئے، جب اس پر حج کے مہینے آویں تو اس پر حج کا علم اسی وقت جاننا ضروری نہیں، اس لیے کہ اس کا ادا کرنا دیر میں ہوتا ہے تو سیکھنا بھی فوراً واجب نہ ہوگا، ہاں علمائے اسلام کو چاہیئے کہ

اگر اس کے پاس جمعیت بقدر زاد و راحلہ کے ہو تو اُس کو آگاہ کر دیں کہ حج اس شخص پر عمر میں فرض ہے جو مالک سامان سفر اور سواری کا ہو تا کہ شاید وہ اپنے نفس پر احتیاط ضروری جان کر جلد ہی ادا کرے، پس جس وقت وہ قصدِ حج کرے، اس وقت اس کو حج کی کیفیت کا سیکھنا لازم ہو گا، اور صرف اس پر ارکانِ حج اور اس کے واجبات کا سیکھنا واجب ہو گا، نوافل کا سیکھنا واجب نہ ہو گا، اس لیے کہ جس چیز کا کرنا نفل ہے، اس کا سیکھنا بھی نفل ہے تو نفل کا سیکھنا فرض عین نہ ہو گا، رہی یہ بات کہ اصل حج کے واجب ہونے پر اس کو اسی وقت آگاہ کر دینے سے سکوت کرنا حرام ہے امر متعلق فقہ سے ہے، غرض کہ سب افعال جو فرض عین ہیں، ان کا جاننا بتدریج اسی طرح ہے اور ترک فعل کا معلوم کرنا بھی جب جیسا حال پیش آتا جاوے گا، اسی طرح واجب ہو گا، یہ امر آدمی کے حال کے مناسب مختلف ہوا کرتا ہے، مثلاً گونگے کو واجب نہیں کہ جو کلام حرام ہے، اس کو معلوم کرے یا اندھے پر ضرور نہیں کہ نظر ناجائز کے مسئلے سیکھے یا جنگل کے رہنے والے پر واجب نہیں کہ جن مکانات میں بیٹھنا حرام ہے ان کو معلوم کرے حاصل یہ اگر معلوم ہو کہ ان اشیاء کی ضرورت اس شخص کو نہ پڑے گی، ان کا سیکھنا اس پر واجب نہیں، بلکہ جن امور میں وہ مبتلا ہو ان پر تنبیہ کر دینا واجب ہے، مثلاً اگر مسلمان ہونے کے وقت میں حریر پہنے ہو یا غصب کی زمین میں بیٹھا ہو یا غیر محرم کی طرف دیکھ رہا ہو تو اس کو اطلاع ان امور کے ترک کی کر دینی ضرور ہے، اور جن امور کا مرتکب نہ ہو، بلکہ عنقریب ان میں مبتلا ہوا چاہتا ہو، جیسے کھانے پینے کی چیزیں ہیں تو ان کا تعلیم کر دینا واجب ہے مثلاً اگر کسی شہر میں شراب کا پینا اور سُور کے گوشت کا کھانا رائج ہو تو اس کو ان کا ترک سکھلانا اور آگاہ کر دینا واجب ہے اور جن چیزوں کا سیکھنا واجب ہے ان کا سکھانا بھی واجب ہے اور اعتقادات اور دلوں کے اعمال کا علم بھی موافق خطروں کے واجب ہے، مثلاً اگر اس کے دل میں ان معنوں میں شک پیدا ہو جن پر کہ دونوں کلمے شہادت کے دلالت کرتے ہیں تو اس صورت میں اس کو ایسی چیز سیکھنی چاہیئے جس سے وہ شک دُور ہو جاوے، پس اگر اس کو یہ شک نہ ہو اور مر جاتے اور یہ بھی اس بات کا اعتقاد نہ کیا ہو کہ خدائے تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور وہ قابل رویت ہے اور اس میں تبدیل کو گنجائش نہیں، اور سوا اس کے اور باتیں جو اعتقادات میں مذکور ہیں کسی کا معتقد نہ ہو، تو ایسا شخص سب کے نزدیک اسلام ہی پر مرے گا، لیکن خطرے جو موجب اعتقادوں کے ہوتے ہیں بعضے تو خود آدمی کی طبیعت سے اُٹھتے ہیں اور بعضے اپنے شہر والوں کی گفتگو سننے سے دل میں آتے ہیں، پس اگر یہ شخص ایسے شہر میں ہو کہ اس میں گفتگو اور کلام بدعت کے شائع ہوں تو چاہیئے کہ اس کو ابتدائے بلوغ میں امر حق سکھلا کر بدعت سے محفوظ کر دیا جاتے تا کہ امر باطل پہلے نہ جم جاوے اس لیے کہ اگر امر باطل اس کے سننے میں آجاوے گا تو اس کا دُور کرنا اس کے دل سے واجب ہو گا، اور بعض اوقات اس کا دُور کرنا کہ دشوار پڑ جاتا ہے مثلاً اگر نو مسلم تاجر ہو اور اس شہر میں معاملہ سُود کا رائج ہو تو اس پر سُود سے بچنے کا مسئلہ سیکھنا واجب ہو گا۔ تو جو علم فرض عین ہے اس میں یہی امر حق ہے جو ہم نے لکھا، یعنی عمل واجب کی کیفیت کا جاننا فرضِ عین ہے، پس جو شخص کہ عمل واجب کو جان لے گا اور اس کے واجب ہونے کے وقت کو معلوم کر لے گا تو وہ علم جو اس پر فرض عین تھا، اس کو سیکھ لے گا۔ اور صوفیوں نے جو فرمایا ہے کہ اس علم سے غرض شیطان کے خطروں اور فرشتے کے الہام کے جاننے سے ہے تو وہ بھی حق ہے

لیکن اسی شخص کے حق میں جو اس کا درپے ہو، اور چونکہ غالباً انسان اسباب شر اور زنا اور حسد سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے اس کو لازم ہے کہ جلد سوم مہلکات میں سے وہ باتیں یاد کرے جن کی طرف اپنے نفس کو محتاج دیکھے اور یہ باتیں کیسے واجب نہ ہوں گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مہلک ہیں، بخل جو طاعت کیا ہوا اور خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کو اپنے نفس کو بڑا جاننا اور ان باتوں سے کوئی آدمی خالی نہیں اور دل کو برے حالات ہیں جن کا ہم آگے ذکر کریں گے مثل کبر اور عجب اور ان کے مثل کے، وہ ان تینوں مہلکات کے تابع ہیں اور ان کا دُور کرنا فرض عین ہے اور جب تک ان مہلکات کی تعریف اور اسباب اور علامات کو نہ جان لیا جائے اور ان کے علاج کو نہ معلوم کر لیا جائے تب تک ان کا دُور کرنا ممکن نہیں، اس لیے کہ جو شخص بدی کو نہیں جانتا وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور علاج اس طرح ہے کہ ہر ایک سبب کے مخالف سے اس کا مقابلہ کیا جائے اور یہ امر بدوں سبب اور سبب کے جاننے کے ممکن نہیں، اور جلد سوم مہلکات میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اکثر فرض عین ہیں کہ سب لوگوں نے بے فائدہ امور میں مشغول ہونے کی جہت سے ان کو چھوڑ رکھا ہے، اور اگر تو مسلم شخص کسی اور مذہب سے بدل کر نہ آیا ہو تو اس کو بہشت اور دوزخ اور مرنے کے بعد جینے اور قیامت پر ایمان جلدی سکھانا چاہیئے تاکہ ان چیزوں پر ایمان لاوے اور ان کی تصدیق کرے، یہ امر بھی دونوں شہادت کے کلموں کا تتمہ ہے اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا چکا تو اس کے بعد یہ چاہیئے کہ جو کچھ آپ نے پہنچایا ہو، اس کو سمجھے، اور وہ یہ ہے کہ جو اطاعت کرے اللہ اور رسولؐ کی، اس کو جنت، اور جو ان کی نافرمانی کرے اس کو دوزخ ہے، جب اس تدریج کو معلوم کر چکے تو اب جان لیا ہوگا کہ مذہب حق یہی ہے اور یہ بھی تحقیق ہو گیا ہوگا کہ ہر شخص پر اس کے رات دن کے خیالات میں کچھ واقعات عبادتوں اور معاملات کے نئے نئے لوازم آتے رہتے ہیں اسی لیے جو عجیب بات اس پر واقع ہو اس کا پوچھنا اس کو لازم ہے، اور جس چیز کے واقع ہونے کی عنقریب توقع غالب ہو اس کا سیکھنا جلد ضروری ہے، پس جب یہ بات ظاہر ہو چکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد فیض بنیاد میں طلب العلم[ح] فریضۃ علی کل مسلم اس علم معرفہ سے اس عمل کا علم مراد لیا ہے جس کا واجب ہونا مسلمانوں پر مشہور رہے اور کوئی علم مراد نہیں لیا تو اس سے صاف وجہ اس بات کی معلوم ہو گئی کہ عمل کے واجب ہونے کے وقت میں تدریج علم واجب ہوتا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

ذیلی فصل ۲ وہ علم جس کا حصول فرض کفایہ ہے

واضح ہو کہ جب تک علوم کے اقسام ذکر نہ کیے جاویں گے، تب تک فرض اور غیر فرض میں تمیز نہ ہوگی اور فرض کے ہم درپے بیان ہو رہے ہیں اس کے اعتبار سے علوم کی دو قسمیں ہیں، ایک شرعی اور دوسری غیر شرعی، اور شرعی علوم سے ہم وہ علوم مراد لیتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے حاصل ہوئے ہوں، عقل اور تجربہ اور سننا ان کی طرف ہدایت نہ کرتا ہو جیسے علم حساب مثلاً عقل سے معلوم ہوتا ہے، اور علم طب تجربہ سے اور علم لغت سننے سے، اور جو علم کہ شرعی نہیں، ان کی تین قسمیں ہیں، ایک اچھے اور ایک برے،

ح بزار اور طبرانی اور بیہقی بروایت انسؓ ۱۲

اور ایک مباح[1] اچھے ان میں سے وہ علم ہیں جن سے دنیا کے امور کی مصلحت وابستہ ہے جیسے طب اور حساب ہیں، اور ان اچھے علوم میں سے بعض فرض کفایہ ہیں اور بعض فقط بہتر ہیں مگر فرض نہیں، فرض کفایہ وہ علوم ہیں جن کی حاجت امور دنیا کے قائم رہنے میں پڑے جیسے طب ہے کہ بدنوں کے تندرست رہنے کے لیے ضروری ہے۔ اور جس طرح حساب کہ معاملات میں اور وصیتوں اور ترکوں کے تقسیم وغیرہ میں ضروری ہے اور یہ اس طرح کے علوم ہیں کہ اگر شہر میں کوئی نہ جانتا ہو تو شہر والے نہایت دقت اٹھاویں، اور جب ایک بھی ان کو جان جاوے تو کافی ہے اور دوسرے شخصوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اب اس بات میں تعجب مت کرنا کہ ہم نے طب اور حساب کو فرض کہہ دیا۔ اس اعتبار سے تو اصل صنعتیں بھی فرض کفایہ ہیں۔ مثلاً دربانی اور کاشتکاری اور سیاست بھی فرض کفایہ ہیں، بلکہ پچھنے لگانا اور سینا بھی ضروری ہے کہ مثلاً کسی شہر میں خون لینے والا نہ ہو تو جلد مر جاویں اور اپنی جانوں کو ہلاک پر پیش کرنے کی دقت اٹھاویں گے، اس لیے کہ جس نے بیماری بھیجی ہے اس نے دوا بھی آتاری ہے اور اس کے استعمال کا طریق ہدایت فرمایا اور اس کے اسباب مقرر فرمائے۔ پس ان اسباب و بے کار چھوڑ کر آپ سے مرجانا درست نہیں، اور جو علوم کہ فرض نہیں، صرف بہتر ہیں، وہ یہ ہیں کہ مثلاً حساب کے دقائق و طب کے حقائق میں مشغول ہونا، وغیرہ کہ جن کی حاجت نہیں پڑتی، مگر جس قدر کی ضرورت پڑتی ہیں اس میں قوت اور ملکہ زیادہ ہو جاتا ہے، اور غیر شرعی علوم میں سے بُرے ایسے ہیں جیسے سحر اور طلسمات اور شعبدے اور بہت کھنڈے ہیں، ان میں سے مباح یعنی جائز ایسے ہیں جیسے اشعار جن میں کچھ نقصان نہ ہو، اور علم تاریخ جو اس کے قائم مقام ہو، اور علوم شرعی جن کا بیان کرنا مقصود ہے، وہ سب اچھے ہی ہیں لیکن چونکہ کبھی دھوکا ہو جاتا ہے کہ ان کو علوم شرعی جانتے ہیں اور واقع میں بُرے ہوتے ہیں، اس لیے ان کی دو قسمیں ہوتیں ایک اچھے اور ایک بُرے، جو علوم اچھے ہیں وہ کچھ تو اصل ہیں اور کچھ فرع، اور کچھ مقدمات اور کچھ تتمہ و تکملہ کے طور پر یعنی چار طرح کے ہیں، اول وہ جو اصول ہیں اور وہ چار ہیں، ایک کتاب اللہ، دوم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سوم اجماع امت، چہارم آثار صحابہؓ، اور اجماع اس جہت سے افضل ہے کہ وہ سنت پر دلالت کرتا ہے، مگر اس کا درجہ سنت کے بعد ہے اور اسی طرح آثار صحابہؓ کا حال ہے کہ وہ بھی سنت پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ صحابہؓ نے وحی کا مشاہدہ فرمایا اور احوال کے قرینوں سے انہوں نے وہ باتیں معلوم کیں جن کا دیکھنا دوسروں سے غائب رہا، جو باتیں کہ قرینوں سے معلوم ہوتی ہیں اگر لکھی جاوے تو کیا تعجب ہے۔ اگر تحریر میں گنجائش ان کی نہ ہو، اور اسی وجہ سے علماء نے ان کی پیروی کرنی، اور ان کے آثار کو تمسک گردانا مصلحت جانا ہے، مگر یہ پیروی ایک شرط خاص سے بوجہ خاص ہے جس کا بیان کرنا اس جگہ مناسب نہیں۔ دوسری قسم علوم شرعی کے فروع ہیں اور وہ ایسے علوم ہیں کہ ان چاروں اصول سے مفہوم ہوتے ہیں یہ نہیں کہ مقتضائے الفاظ سے سمجھے جاتے ہوں، بلکہ معانی اور علتوں کی وجہ سے جن پر عقلوں کو آگاہی ہوگئی اور ان کی وجہ سے احکام کو وسعت ہوگئی تھی کہ نفظ ملفوظ سے اور باتیں بھی سمجھ لیں، جن کے لیے وہ ملفوظ نہ تھا، مثلاً آپ کا ارشاد جو یہ ہے لا یقضی[2] القاضی وھو غضبان اس سے یہ بھی سمجھا گیا کہ جس وقت قاضی کو پیشاب کا دباؤ

---

[1] دیباچہ میں گذری ۱۲ [2] حکم نہ کرے قاضی جس حالت میں کہ غضب ناک ہو ۱۲ بخاری مسلم بروایت ابوبکر رضی اللہ عنہ ۱۲

ہو یا بھوکا ہو یا کسی مرض سے درد ناک ہو اس وقت بھی حکم نہ دیوے اور یہ علم فروع دو طرح پر ہے، ایک وہ کہ دنیا کی بہتری سے متعلق ہے، اس علم کو فقہ شامل ہے اور اس کے کفیل فقہاء ہیں اور وہ دنیا کے عالم اور دوسرے وہ کہ جس سے آخرت کی بہتری علاقہ رکھتی ہے، اور وہ دل کے حالات اور اس کی اچھی یا بُری عادات کا معلوم کرنا اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے کون بات پسند ہے اور کون سی ناپسند، اور اس کتاب کا نصف اخیر اسی علم کے بیان میں ہے اور جو بات دل سے اعضاء پر عبادات اور عادات میں مترشح ہوتی ہے، اس کا جاننا بھی اسی علم میں داخل ہے اور وہ کتاب کے نصفِ اوّل میں مذکور ہے، تیسری قسم علوم شرعی کے مقدمات ہیں اور وہ یہ علوم ہیں کہ علوم شرعی کے لیے بمنزلہ آلات کے ہیں، مثلاً علم لغت اور علم نحو کہ دونوں کلام مجید اور حدیث شریف کے لیے آلہ ہیں، حالانکہ لغت اور نحو خود علم شرعی نہیں، مگر ان میں غور کرنا بوجہ شریعت کے لازم ہے اس لیے کہ شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام لغت عربی میں آئی ہے اور ہر ایک شریعت کا حال اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے، اس وجہ سے لغت عربی کا سیکھنا آلہ ٹھہرے گا۔ اور آلات میں علمِ کتاب بھی ہے مگر یہ علم ضروری نہیں، اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، اگر فرض کیا جاوے کہ جتنی باتیں سُنی جاویں ان کا یاد کر لینا ممکن ہے تو لکھنے کی کچھ حاجت نہ رہے مگر چونکہ غالباً لوگ اس طرح کے نہیں ہوتے اس لیے کتابت بھی ضروری ہے، چوتھی قسم علوم شرعی کے متممات ہیں اور وہ قرآن مجید میں ہیں اس لیے کہ متممات میں سے بعض تو متعلق الفاظ سے ہیں، جیسے قرأت اور حروف کے مخارج کا سیکھنا اور بعض متعلق معنے سے ہیں، علم تفسیر کہ اس کا مدار بھی نقل پر ہے، صرف لغت اس کو کافی نہیں ہے، اور بعض متعلق قرآن کے احکام سے ہیں جیسے ناسخ اور منسوخ اور عام اور خاص وغیرہ کا جاننا اور اس کا ایک دوسرے کے ساتھ میں استعمال معلوم کرنا ہے، اور یہ وہ علم ہے جس کو اصول فقہ کہتے ہیں، اور اس میں حدیث بھی شامل ہے اور حدیثوں اور آثار دل میں تتمے یہ ہیں کہ راویوں کے نام اور نسب اور صحابہؓ کے اسماء اور ان کے صفات جاننا اور راویوں کی راستی اور حالات کا معلوم کرنا ہے تاکہ حدیث ضعیف کو قوی سے جُدا کیا جاوے، اور راویوں کی عمر کا حال معلوم کرنا بھی تتمہ ہے کہ حدیث مرسل مسند سے علیحدہ ہو جائے، غرض اس طرح کے امور جو اس فن کے متعلق ہوں، وہ سب تتموں میں داخل ہیں، یہ چاروں قسمیں علوم شرعیہ کی ہیں، اور یہ سب اچھے ہیں بلکہ فرض کفایہ میں سے ہیں، اب اگر یہ کہو کہ تم نے فقہ کو علمِ دنیا میں اور فقہاء کو دنیا کے عالموں میں کیوں شمار کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے نکالا، اور ان کی اولاد کو چنی ہوئی مٹی اور اُچھلتے پانی سے پیدا کر کے باپ کی پشتوں میں سے ماں کی رحموں میں اور وہاں سے دنیا میں نکالا، اور دنیا سے قبر میں، اور وہاں سے حساب کتاب کی پیشی میں، پھر جنت یا دوزخ میں ڈالے گا۔ غرض آدمیوں کی ابتداء اور انتہا اور منزلیں یہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کے لیے توشہ بنایا ہے کہ اس میں جو چیز قابل توشہ کرنے کے ہو اس کو توشہ کر لیا جائے، پس اگر انسان انصاف سے دنیا کو لیویں تو سب جھگڑے مٹ جاویں اور فقہاء بیکار ہو جاویں، مگر وہ تو نفس کی خواہش سے اس کو لیتے ہیں، اسی لیے اس میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک سلطان کی حاجت ہوئی تاکہ وہ لوگوں کو ڈانٹے رکھے، اور سلطان کو ایک قانون کی ضرورت ہے جس سے کہ خلق کو ڈانٹے، پس فقیہہ یعنی فقہ کا عالم، قانونِ سیاست کا ماہر اور درصورتِ نزاع خلق کو برابر رکھنے کے طریق سے واقف ہوتا

ہے غرض کہ فقیہہ انسان کو وہ راہ بتاتا ہے جس سے سلطان خلق کو ڈانٹے اور ان کو پریشان نہ ہونے دے تاکہ ان کی راستی سے دنیا میں ان کے کام منتظم رہیں، ہاں اس میں بھی شبہ نہیں کہ فقہ دین سے بھی متعلق ہے، لیکن متعلق خود دین سے نہیں بلکہ بواسطہ دنیا کے ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اور دین بدوں دنیا کے کامل نہیں ہوتا، اور سلطنت اور دین دونوں جوڑواں یعنی ایک ساتھ ہیں تو دین اصل ہے اور سلطان اس کا نگہبان، اور جس چیز کی جڑ نہیں ہوتی، وہ منہدم ہو جاتی ہے، اور جس چیز کا نگہبان کوئی نہیں ہوتا وہ تلف ہو جاتی ہے، اور سلطنت اور انتظام بدون سلطان کے کامل نہیں ہوتا اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے میں انتظام فقہ سے ہوا کرتا ہے اور جس طرح سے کہ سلطنت سے خلق پر سیاست کرنی علم دین اوّل درجہ کا نہیں، بلکہ جن امور سے کہ دین پورا ہوتا ہے، اس کی تکمیل پر یہ سلطنت مددگار ہوتی ہے۔ اسی طرح اس سیاست کے طریق کو جاننا، یعنی علم فقہ بھی اوّل درجہ کا علم دین نہیں۔ مثلاً ظاہر ہے کہ حج بدوں ایسے آدمی ساتھ لیے جو راہ میں بدوؤں سے بچاوے پورا نہیں ہوتا، لیکن حج اور چیز ہے اور چلنا حج کی راہ میں دوسری چیز، اور حفاظت کرنا راہ کی جس سے حج پورا ہوتا ہے وہ تیسری چیز ہے اور جاننا طریق حفاظت اور اس کی تدبیروں اور قانون کا چوتھی چیز ہے اور علم فقہ کا حاصل طریق سیاست اور حفاظت کا معلوم کرنا ہے۔ اور اس امر پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو اسناد کے ساتھ مروی[ح] ہے کہ آدمیوں میں حکم نہ کرتے مگر تین شخص امیر یا مامور یا متکلف، اس حدیث میں امیر سے مراد امام ہے، کہ اوّل امام ہی مفتی ہوا کرتے تھے، اور مامور ان کا نائب ہے اور تکلف والا وہ ہے جو نہ امام ہو اور نہ اس کا نائب اور وہی شخص ہے جو اس عہدہ کو بدون حاجت اختیار کرے، اور صحابہؓ کا دستور تھا کہ حکم دینے یعنی فتویٰ دینے سے بہت بچتے تھے یہاں تک کہ ہر ایک ایک دوسرے پر ٹال دیا کرتا تھا، مگر جب کوئی علم قرآن اور طریق آخرت کا حال پوچھتا تھا تو احتراز نہ فرماتے اور بتا دیتے اور بعض اوقات روایت میں متکلف کی جگہ مرائی یعنی ریاکار آیا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص فتوے دینے کو اختیار کرتا ہے، حالانکہ اس کام کے لیے کچھ وہی معین نہیں تو اس کا ارادہ بجز طلب جاہ اور مال کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا، اب اگر یہ کہو کہ یہ تقریر تمہاری اگر درست بھی ہو تو زخموں اور حدود اور قصاص کے احکام اور تاوانات اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے میں بن سکتی ہے، مگر جن امور میں کہ جلد اوّل اور دوم اس کتاب کی شامل ہے یعنی عبادات مثل نماز اور روزہ کے، اور عادات مثل بیان حلال اور حرام معاملات کے اس کو تمہاری تقریر شامل نہیں اور فقیہہ ان امور میں بھی فتوے دیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں اعمال آخرت میں سے جن اعمال کا فقیہہ ذکر کیا کرتا ہے، وہ زیادہ تر تین ہو سکتے ہیں۔ ایک اسلام دوم نماز اور زکوٰۃ، سوم حلال اور حرام، لیکن ان کے باب میں بھی اگر فقیہہ کے منتہائے نظر کو سوچو تو جان لوگے کہ اس کی نظر دنیا کے حدود سے آخرت کی طرف تجاوز نہیں کرتی، اور جب انہیں تین چیزوں میں یہ حال ہو تو اور چیزوں میں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ دنیا ہی کے امور ہیں مثلاً اسلام میں اگر فقیہہ کچھ کہے گا تو یہ بیان کرے گا کہ اس کا اسلام درست ہوا اور یہ اسلام نادرست ہوا، اور شرطیں مسلمان ہونے کی یہ ہیں، مگر اس سب بیان میں اس کا التفات بجز زبان کے اور طرف نہ ہوگا، دل اس کی حکومت سے باہر ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبان سیف اور سلطنت کو دل کی حکومت سے معزول فرما دیا ہے، چنانچہ جس شخص نے اس آدمی کو مار ڈالا تھا، جو زبان

ح ابن ماجہ بروایت عمر بن شعیب ۱۲

سے کلمہ اسلام کہہ چکا تھا اور یہ عذر آپؐ کی خدمت میں کیا کہ مقتول نے تلوار کے خوف سے کلمہ کہا تھا، اس کو آپؐ نے ارشاد فرمایا ہلا شققت عن قلبہ[1] یعنی تو نے کیا اس کا دل چیر کر معلوم کر لیا تھا کہ دل سے نہیں کہتا، بلکہ فقیہہ اسلام کی صحت کا حکم تلواروں کے سایہ تلے کرتا ہے، باوجودیکہ جانتا ہے کہ تلوار سے اس کا شبہ دُور نہیں ہوا اور دل سے پردۂ جہالت نہیں اُٹھا تاہم وہ تلوار والے پر حکم کرتا ہے یعنی تلوار مقتول کی گردن پر کھنچی ہے اور ہاتھ اس کے مال پر دراز ہے مگر زبان سے اس کلمے کے کہنے سے بحکم فقیہہ وہ اپنی گردن اور مال کو بچائے گا، جب تک اس کی حیات اور مال ہے اس کلمہ کی بدولت دنیا میں کوئی اس کا معترض نہ ہوگا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوها فقد عصموا منی دماءهم و اموالهم[2] اس حدیث میں آپؐ نے اثر اس کلمہ زبانی کا صرف خون اور مال میں ارشاد کر دیا۔ لیکن آخرت میں زبانی اقوال کارآمد نہیں، بلکہ دلوں کے انوار اور اسرار اور اخلاق مفید ہیں اور یہ امور فنِ فقہ میں سے نہیں، اور اگر فقیہہ ان کا بیان کرے تو ایسا ہے جیسے علم کلام اور طب بیان کرنے لگے اور اس کا بیان خارج از علمِ فقہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نماز کوئی شخص ظاہر کی سب شرطوں سے ادا کرے اور تکبیر اولیٰ کے سوا ساری نماز میں شروع سے آخر تک غافل رہے اور بازار کے معاملات داد و ستد کو سوچتا رہے تو فقیہہ یہی حکم کرے گا کہ نماز درست ہوگئی، حالانکہ یہ نماز آخرت میں کچھ بہت کارآمد نہیں جیسے زبان سے صرف کلمہ کا ادا کر لینا اسلام کے باب میں روزِ جزا مفید نہ ہوگا، لیکن فقیہہ اسلام کی درستی کا فتوےٰ دے گا، اس معنی کو کہ جو کچھ اس شخص نے کیا ہے اس سے تعمیل صیغۂ امر کی ہوگئی اور قتل اور تعزیر اس پر سے دور ہوگئی، باقی رہا عاجزی اور دل کا حاضر کرنا جو آخرت کا کام ہے اور جس سے ظاہری عمل مفید ہوتا ہے، اس کے درپے فقیہہ نہیں ہوا کرتا، اور اگر بالفرض ہو تو علم فقہ سے علیحدہ ہوگا اور زکوٰۃ کے باب میں بھی فقیہہ کی نظر اسی صورت پر ہوتی ہے جس سے مطالبہ سلطان کا اس کے ذمہ نہ رہے، یعنی ایسی صورت کہ اگر مالدار زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرے اور بادشاہ اس کو زبردستی گرفتار کرے تو اس پر یہ حکم ہو کہ یہ شخص بری الذمہ ہے اس کے ذمہ زکوٰۃ نہیں اور روایت ہے کہ قاضی ابو یوسف آخر برس میں اپنا مال بی بی کو ہبہ کر دیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام اس سے ہبہ کرا لیتے تھے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے۔ یہ بات کسی نے حضرت ابو حنیفہؒ سے نقل کی، آپ نے فرمایا کہ یہ امر ان کی فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا اس لیے کہ یہ حیلہ صرف دنیا کی فقہ کا ہوگا، اور اس کا ضرر آخرت میں ہر گناہ سے بڑھ کر ہے اور اس جیسا علم ضرر کرنے والا کہلاتا ہے، اور حلال و حرام کا حال یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ حرام سے بچنا دین کی بات ہے، مگر ورع یعنی حرام سے بچنے کے چار مرتبے ہیں، اوّل وہ ہے جو گواہ کے عادل ہونے میں شرط ہے اور اگر وہ نہ ہو تو آدمی گواہی دینے اور قاضی ہونے اور حاکم ہونے کی لیاقت نہ رکھے، اس طرح کا ورع تو صرف یہ ہے کہ ظاہر کے حرام سے بچا رہے، دوسرا ورع نیک بختوں کا ہے، یعنی ان شبہات سے بچنا، جن میں احتمالوں کی مساوات ہو حلت اور حرمت

---

[1] مسلم بروایت اسامہ بن زید ۱۲ [2] مجھ کو حکم ہے کہ لوگوں سے لڑوں جب تک لا الٰہ الا اللہ کہیں، پس جب یہ کلمہ کہہ لیں گے تو مجھ سے اپنی جانیں اور مال بچالیں گے ۱۲ بخاری اور مسلم بروایت ابو ہریرۃؓ ۱۲

دونوں کے پاتے جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دع[1] ما یریبک الی ما لا یریبک اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ
اثم[2] جواز القلوب یعنی گناہ دلوں میں کھٹکنے والا ہوتا ہے، تیسرا درجہ ورع متقیوں کا ہے اور وہ خالص حلال کو اس وجہ
سے چھوڑ دینا ہے کہ اس شبہ سے خوف حرام تک پہنچنے کا ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا[3] یکون الرجل
من المتقین حتی یدع مالا باس بہ مخافۃ مما بہ باس اور اس ورع کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص
لوگوں کے حالات بیان کرنے سے بچے اس خوف سے بچے کہ کہیں غیبت نہ ہو جاتے یا خواہش کی چیزوں کے کھانے
سے پرہیز کرے اس وجہ سے کہ کہیں سرور زیادہ ہو کر سرکشی نہ ہو جاوے جس سے اور ممنوعات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔
چوتھا مرتبہ صدیقوں کے ورع کا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ماسوا سے منہ پھیرنا اس ڈر سے کہ کہیں کوئی ساعت
زندگی کی ایسی نہ کٹ جاوے کہ جس میں خداوند کریم کی نزدیکی زیادہ نہ ہو گو یہ یقیناً معلوم اور ثابت ہو کہ اس میں نوبت حرام
تک نہ آوے گی، پس سوائے درجہ اول کے سب فقیہہ کی نظر سے علیحدہ ہیں، اس کا التفات صرف گواہوں اور قاضیوں کے
ورع پر، اور ان امور پر ہے جو عادل ہونے کے مزاحم ہیں اور ایسے ورع پر قائم رہنا اس بات کا منافی نہیں کہ آخرت میں گناہ
نہ ہو۔ آنحضرت[4] صلی اللہ علیہ وسلم وابصہ کو ارشاد فرمایا کہ تو اپنے دل سے فتویٰ لے اگرچہ لوگ تجھ کو فتویٰ دیں اور پچھلے جملہ کو
تین بار ارشاد فرمایا، فقیہہ دل کے خلجانوں کا حال بیان نہیں کرتا، نہ ان کے عمل کو ہوتے ہوتے عمل کی کیفیت کو بتا دے بلکہ
صرف وہ چیزیں ذکر کرتا ہے جن سے عدالت جاتی رہتی ہے، حاصل اس سب کلام کا یہ ہوا کہ فقیہہ کی تمام نظر اس دنیا سے
وابستہ ہوتی ہے جس سے کہ طریق آخرت کی بہتری ہے، اور اگر دل کے صفات اور آخرت کے احکام کہتا ہے تو یہ ذکر اس
کے کلام میں بطفیل دوسرے ذکر کے آجاتا ہے۔ جس طرح کہ طب اور حساب اور نجوم اور علم کلام کا ذکر کبھی آجاتا ہے، اور
جس طرح کہ حکمت علم نحو اور شعر میں کبھی آجاتی ہے، اور اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوری جو علم ظاہر کے امام ہیں، فرمایا
کرتے تھے کہ اس علم کی طلب زادِ آخرت میں سے نہیں ہے اور یہ بات درست ہے، اس لیے کہ سب کا اتفاق ہے کہ علم
میں شرف اسی سے ہے کہ اس کے بموجب عمل کیا جاتے تو کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ علم ظہار اور لعان اور سلم اور اجارہ
اور صرف کا ہو، اور جو کوئی ان امور کو اس لیے سیکھے کہ ان کے لین دین سے اللہ تعالیٰ کی طرف نزدیکی ہو گی تو وہ مجنون ہے
طاعتوں میں عمل تو دل اور اعضاء دونوں سے ہوتا ہے اور اسی عمل کا شرف ہے، اب اگر یہ کہو کہ تم نے فقہ اور طب کو برابر
کیسے کر دیا کیونکہ طب بھی متعلق دنیا سے یعنی بدن کی صحت سے ہے اور اس پر بھی دین کی درستی کا مدار ہے اور یہ برابری اجماع
کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں برابری لازم نہیں، بلکہ دونوں میں فرق ہے اس لیے کہ فقہ تین وجہوں
کے باعث طب سے افضل ہے، اوّل یہ کہ فقہ علم شرعی ہے یعنی نبوت سے حاصل ہوا ہے، بخلاف طب کے کہ وہ علم شرعی

---

[1] چھوڑ دے اس کو جو تجھ کو شک میں ڈالے، یعنی شبہہ کی چیز کو چھوڑ کر بے کھٹکے کی چیز کو اختیار کر ۱۲ ترمذی بروایت حسن علیہ السلام ۱۲ [2] بیہقی بروایت
ابن مسعود رض ۱۲ [3] آدمی متقیوں میں سے نہیں ہوتا، جب تک کہ ایسی چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کچھ مضائقہ نہیں بخوف مضائقہ کی چیز کے ۱۲ ترمذی اور
ابن ماجہ بروایت عطیہ سعدی ۱۲ [4] احمد بروایت وابصہ بن سعید ۱۲

نہیں، دوسرے یہ کہ آخرت کے طریق پر چلنے والوں میں سے ایسا کوئی نہیں جس کو فقہ کی حاجت نہیں، بیمار اور تندرست دونوں اس کی حاجت رکھتے ہیں، بخلاف طب کے کہ اس کی حاجت بیماروں کو ہوتی ہے، اور وہ کمتر ہوتے ہیں تیسرے یہ کہ علم فقہ علم طریق آخرت کا ساتھی ہے اس لیے کہ اس کا حاصل اعضاء کے اعمال میں نظر کرنا اور اعضاء کے اعمال کا منشا دلوں کے صفات ہیں کہ اچھے اعمال اچھی عادتوں سے صادر ہوتے ہیں، اور برے اعمال برے صفات سے، اور اعضاء کا دل سے ملے رہنا صاف ظاہر ہے اور صحت اور بیماری کا منشا مزاج اور خلطوں کے صفات ہیں جو بدن کے اوصاف میں سے ہیں نہ دل کے صفات سے، تو جب فقہ کو طب کی طرف اس نسبت کر دیکھا جائے تو فقہ کا شرف ظاہر ہوگا اور جب اس کو علم طریق آخرت کی طرف نسبت کر کے دیکھا جائے تو طریق آخرت اس سے شریف معلوم ہوگا۔

تیسرا بیان علم طریق آخرت کی اجمالی تفصیل

جس سے اس کے سب عنوانوں پر اشارہ ہو جائے گو سب تفصیلوں کو ذکر کرنا ممکن نہیں، واضح ہو کہ علم آخرت کی دو قسمیں ہیں، ایک علم مکاشفہ، دوم علم معاملہ قسم اول کا نام علم باطن ہے، اور وہ سب علوم کی انتہا اور علت غائی ہے، بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس شخص کو اس علم سے بہرہ نہ ہو، مجھ کو اس کے خاتمہ کے برے ہونے کا خوف ہے اور ادنیٰ بہرہ اس علم کا یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے، اور جو لوگ اس کے اہل ہیں اس کے لیے اس علم کا ہونا ماننے اور ایک اور شخص نے کہا ہے کہ جس میں دو خصلتیں ہوں، اس کے لیے اس علم میں سے کوئی بات معلوم نہ ہوگی، وہ دونوں خصلتیں بدعت اور غرور ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہو، یا خواہش نفس پر اصرار کرتا ہو، اس کو یہ علم حاصل نہ ہوگا اور سب علموں کا محقق ہو جائے اور ادنیٰ عذاب اس علم کے منکر کا یہ ہے کہ اس علم میں سے اس کو کچھ نہیں ملتا، حالانکہ یہ علم مکاشفہ صدیقوں اور مقربوں کا علم ہے اور وہ ایک نور ہوتا ہے کہ جب دل اپنی بری صفتوں سے صاف اور پاک ہوتا ہے، اس میں ظاہر ہوتا ہے اور اس نور سے آدمی کو بہت سی باتیں منکشف ہوتی ہیں۔ جن کا پہلے نام سنا کرتا تھا اور ان کے لیے کچھ معنی مجمل وہم کر لیتا تھا، معنی واضح معلوم نہ ہوتے تھے اب اس نور کے باعث ان سب کے معنی واضح ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس وقت میں خدائے پاک کی ذات کی معرفت حقیقی حاصل ہوتی ہے اور اس کے صفات کاملہ دائمی کی اور اس کے افعال کی اور دنیا اور آخرت کے پیدا کرنے میں حکمت کی اور وجہ آخرت کو دنیا پر مرتب کرنے کی معرفت واقعی آجاتی ہے اور نبوت اور نبی کے معنی اور وحی اور ملائکہ اور شیاطین کے معنی اور انسانوں سے شیطانوں کی عداوت کی کیفیت اور نبیوں کو فرشتوں کے معلوم ہونے کی صورت اور ان کے پاس وحی پہنچنے کی حقیقت اور آسمانوں اور زمین کے ملکوت کی حالت اور دل کی معرفت، اور اس کے اندر فرشتوں اور شیطانوں کے لشکروں کے مقابلہ کی کیفیت اور فرشتے کے اشارے اور شیطان کے خطرہ میں فرق کی شناخت اور آخرت اور جنت اور دوزخ اور عذاب قبر اور پل صراط اور میزان اور حساب کی پہچان اور اس آیت کریمہ کے معنی اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا[1] اور اس آیت کے وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ[2] اور خدائے تعالیٰ کی بقا اور اس

---

[1] پڑھ لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج اپنا حساب لینے والا ۱۲ [2] اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے جینا اگر یہ سمجھ رکھتے ۱۲

کی ذات کریم کو دیکھنے کے معنی اور اس سے نزدیک ہونے اور اس کے ہمسایہ میں جا اترنے کی غرض اور ملاء الاعلیٰ کی رفاقت اور ملائکہ کی نزدیکی سے سعادت حاصل ہونے کی مراد اور بہشت والوں کے درجوں میں جو اتنا فرق ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو ایسے دیکھیں گے جیسے چمکتا ستارہ آسمان میں معلوم ہوتا ہے، اس فرق سے مقصود، اور سوا اس کے اور باتیں جن کی تفصیل طویل ہے اس نور کے سبب معلوم ہو جاتی ہیں، اور اس نور کے پہلے ان امور کے معنوں میں لوگ مختلف رہتے ہیں ان کے اصول کی تصدیق تو کرتے ہیں، مگر اپنی غرض کے باب میں کچھ کا کچھ کہتے ہیں۔ بعضوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں مثالیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کی ہیں، وہ ایسی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی آدمی کے دل میں گذری۔ اور یہ خلق کے لیے جنت میں تے بجز صفتوں اور ناموں کے اور کچھ نہیں۔ اور بعضوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ان میں سے بعض باتیں تو مثالیں ہیں اور بعض امور ایسے کہ جو حقیقت ان کے لفظوں سے سمجھ میں آتی ہے اسی کے موافق ہیں اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ انجام اور کمال خدائے تعالیٰ کی معرفت کا اس کی معرفت سے عاجز ہونے کا اقرار کرنا ہے اور بعض شخص خدائے تعالیٰ کی معرفت میں بڑی بڑی باتوں کا دعوےٰ کرتے ہیں اور بعض یوں کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت کی انتہا سب عوام کے اعتقاد کی حد ہے، یعنی خدائے تعالیٰ موجود جاننے والا، قدرت والا، سننے والا، دیکھنے والا، کلام کرنے والا ہے پس ہماری غرض علم مکاشفہ سے یہ ہے کہ ان امور پر سے پردہ شبہہ برطرف ہو جاتے اور صاف حق واضح ہو جائے، اس طرح کہ گویا آنکھ سے دیکھ لیوے اور شک کی گنجائش اس کے بعد نہ رہے اور یہ امر انسان کے جوہر میں ہو سکتا ہے بشرطیکہ آئینہ دل پر دنیا کی خباثتوں کی زنگ کی تہیں نہ جم گئی ہوں، اور علم طریق آخرت سے ہماری غرض یہ ہے کہ آئینہ دل کی جلا کی کیفیت کا علم ان خباثتوں سے جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے صفات اور افعال کی معرفت سے روکتی ہیں۔ اور اس کی صفائی اور جلا کی تدبیر بجز اس کے نہیں کہ شہوتوں سے باز رہے اور انبیاء علیہم السلام کا اقتدا ان کی سب حالتوں میں کرے، اس تدبیر سے جس قدر دل صاف ہوتا جاوے گا اور اس کے مقابل امر حق کا حصہ واقع ہوگا، اسی قدر اس میں اس کی حقیقتوں کی جھلک واقع ہوگی اور اس جلا کی سبیل بجز ریاضت کے، جس کی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہوگی، اور بدون سیکھنے کے اور کچھ نہیں، اور یہ وہ علوم ہیں کہ کتابوں میں نہیں لکھے جاتے اور جس شخص کو خدائے تعالیٰ یہ علم کچھ بھی عنایت کرتا ہے، وہ اس کا ذکر دوسروں سے نہیں کرتا، صرف جو اس کے اہل ہیں ان سے البتہ کہتا ہے۔ اور وہی اس کے شریک مذاکرہ اور اسرار کے طور پر ہوتے ہیں، اور یہ وہی علم پوشیدہ ہے جس کو آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مراد لیا ہے کہ بعض علم مثل ہیئت مکنون کے ہیں کہ ان کو سوائے خدا کے عارفوں کے اور کوئی نہیں جانتا، جب وہ اس کو بولتے ہیں تو بجز اللہ تعالےٰ پر مغالطہ کھانے والوں کے اور کوئی اس سے جاہل نہیں رہتا، پس جس عالم کو خدائے تعالیٰ نے اس میں سے علم دیا ہو، اس کو حقیر مت جانو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس کو حقیر نہیں کیا، اس لیے کہ اس کو علم مذکور عنایت فرمایا اور قسم دوم یعنی علم معاملہ وہ دل کے حالات کا معلوم کرنا

[۱] ابو عبدالرحمن اسلمی بروایت ابو ہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲

ہے خواہ اچھے حالات ہوں جیسے صبر اور شکر اور خوف و رضا اور زہد و تقویٰ اور قناعت و سخاوت اور سب حالات میں خدائے تعالیٰ کے احسان کو پہچاننا اور لوگوں سے بسلوک پیش آنا، اور خدائے تعالیٰ پر گمان اچھا رکھنا اور حسن خلق اور حسن معاشرت اور صدق اور اخلاق اور ان کے مثل ہیں، بس ان کی حقیقتوں اور تعریفوں اور ان اسباب کو جاننا جن سے یہ حاصل ہوتے ہیں اور ان کے ثمروں کو اور علامتوں کو پہچاننا، اور جو ان سے ضعیف ہو، اس کے قوی ہو جانے کا علاج اور جو حال جاتا رہا ہو، اس کے پیدا کرنے کا طریق معلوم کرنا آخرت میں سے ہے خواہ دل کے برے حالات ہوں جیسے مفلسی کا خوف اور تقدیر پر خفا ہونا اور کینہ رکھنا اور حسد کرنا اور برتری کی طلب اور خواہش ثنا اور دنیا میں مزے اڑانے کو، زیادہ جینے کی محبت اور کبر اور نمود اور غصہ اور شیخی اور عداوت اور بغض اور طمع اور بخل اور حرص و تکبر اور اترانا اور تونگروں کی تعظیم کرنی اور فقیروں کی اہانت کا خواہاں ہونا اور فخر اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑائی کسی امر میں کرنی اور حق بات سے تکبر کرنا اور بے فائدہ امر میں خوض کرنا اور زیادہ گفتگو کرنے کی محبت اور دوسرے کی کھٹکتی بات کہنی اور لوگوں کے لیے بن سنور کر نکلنا اور دین میں سستی کرنا، اور اپنے نفس کو بڑا جاننا، اور اس کی برائیوں سے غافل ہو کر لوگوں کی عیب چینی کرنا اور دل میں سے فکر کا دور ہونا اور خوف الٰہی کا اس میں سے جاتا رہنا، اور جب نفس کو ذلت پہنچے، تو اس کا بدلہ سختی سے لینا اور حق بات کے انتقام ضعف ہونا اور باطن کی عداوت کے لیے ظاہر کے یار بنانے اور عذابِ خدا سے بے خوف ہونا کہ جو کچھ اس نے دیا ہے کہیں چھین نہ لے، اور طاعت پر بھروسہ کرنا، اور مکر اور خیانت اور فریب اور توقع زیادہ جینے کی اور سخت دلی اور سخت کلامی، اور دنیا سے خوش ہونا، اور اس کی جدائی سے غم کرنا۔ اور مخلوق سے انس کرنا اور ان کی علیحدگی سے وحشت کرنی اور ظلم کرنا اور ہلکا پن اور جلدی کرنی، اور حیا اور رحم کا کم کرنا جو ایسی چیزیں ہوں - - - - - سب بری ہیں۔ یہ سب عادتیں دل کے صفات ہیں سے سب برائیوں کی اور اعمالِ بد کی جڑ ہیں۔ اور ان کے مقابل یعنی اچھی عادتیں وہ طاعتوں اور ثوابوں کی اصل ہیں، غرضکہ ان صفات کی تعریفوں اور حقیقتوں اور سببوں اور ثمروں اور علاجوں کو معلوم کرنا علمِ آخرت ہے اور علمائے آخرت کے حکم کی رو سے علم فرضِ عین ہے پس جو شخص ان سے منہ پھیرے گا وہ آخرت میں قہر بادشاہ حقیقی سے ہلاک ہوگا، جس طرح کہ اعمال ظاہری سے روگردانی کرنے والا بادشاہان دنیا کی تلوار سے فقہائے دنیا کے فتوے کے بموجب ہلاک ہوتا ہے، حاصل یہ کہ فقہا کی نظر فرض عین خیر دل میں دنیا کی بہتری کی نسبت کم ہوتی ہے۔ اور یہ علم جو ہم نے ذکر کیا، آخرت کی بہتری کی نسبت کرے ہے۔ اگر کسی فقیہہ سے ان باتوں میں سے ایک بھی بات مثلاً توکل یا اخلاص کو پوچھو، یا یہ سوال کرو کہ ریا سے بچنے کی کیا صورت ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں توقف کرے گا حالانکہ یہ بات خود اس پر فرض عین ہے کہ اس کے نہ معلوم کرنے میں آخرت میں اس کی بربادی ہے اور اگر اس سے لعان اور ظہار اور گھوڑ اور تیر اندازی کا مسئلہ دریافت کرو تو تمہارے سامنے اس کے فروعات دقیق کے دفتر کے دفتر بیان کر دے گا کہ قرنوں تک ان میں سے کسی کی حاجت نہ ہو، اور اگر حاجت بھی پڑے تو شہر اس کے بتانے والے سے خالی نہ ہوگا اور فقیہہ مذکور کی محنت کو بچا دے گا کہ رات دن اس فروعات میں اور ان کے یاد کرنے اور پڑھانے میں مشقت اٹھاتا ہے اور جو امر خاص اس کے لیے ضروری ہے اور دین میں اہم ہے، اس سے غافل ہے، اور اگر اس پر

کوئی اس باب میں اعتراض کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس علم میں اس لیے مشغول ہوا ہوں کہ یہ علم دین اور فرض کفایہ ہے۔ اس دھوکے میں آکر فقہ کو سیکھتا ہے اور دوسروں کو دھوکا دیتا ہے، عاقل شخص جانتا ہے کہ اگر غرض اس کی یہی ہوتی کہ فرض کفایہ میں حق الامر ادا کرے تو فرض کفایہ میں فرض عین کو مقدم کرتا بلکہ فرض کفایہ تو اور چیزیں بھی ہیں، ان کو فقہ پر مقدم کرتا، کیونکہ بعض شہر ایسے ہیں کہ ان میں طبیب بجز کفار ذمی کے نہیں اور جو احکام فقہی کہ متعلق طبیبوں سے ہیں ان میں کفار کی شہادت مقبول نہیں، مگر باوجود اس کے طب کو نہیں سیکھتا، اور علم فقہ خصوصاً مسائل خلافی اور لڑائی جھگڑے کے سیکھنے میں مبالغہ کرتے ہیں حالانکہ شہر میں فقہا اس قسم کے جو فتوے دیتے ہیں اور مقدمات میں جواب لکھتے ہیں بہت بھرے ہیں تو اب ہم کو کوئی یہ بتادے کہ جب کچھ لوگ اس فرض کفایہ کی بجاآوری پر مستعد ہیں تو فقہائے دین کس طرح اسے سیکھنے کی اجازت دیں گے، اور طب کے لیے جو کوئی نہیں جاننا چھوڑنے کا حکم کرنے کے اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ طب پڑھنے کی جہت سے اوقاف اور وصیتوں کا متولی ہونا اور یتیموں کے مال کا محافظ ہونا، اور عہدۂ قضا اور حکومت کا ملنا ، اور ہمسروں پر اس کی جہت سے مقدم ہونا اور دشمنوں پر غالب ہونا میسّر نہیں، افسوس صد افسوس کہ بُرے عالموں کے دھوکے سے دین مٹ گیا، ہم اللہ تعالےٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہم کو اس مغالطے سے بچا دے جس سے اس کی خفگی اور شیطان کی ہنسی ہو علمائے ظاہر میں سے جو اہل ورع تھے، وہ علمائے باطن اور صاحب دلوں کے مقر تھے مثلاً امام شافعیؒ شیبان چرواہے کے سامنے بیٹھتے جیسے لڑکا مکتب میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اور ان سے پوچھتا ہے کہ فلاں فلاں امر میں ہم کیا کریں، لوگ امام شافعیؒ سے کہتے کہ آپ جیسا شخص اس جنگلی آدمی سے پوچھتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ جو تم نے سیکھا ہے، اس کی اس شخص کو توفیق ملی ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ معروف کرخیؒ کے پاس آیا جایا کرتے حالانکہ علم ظاہر میں وہ ان دونوں کے پتے کے نہ تھے۔ اور دونوں ان سے پوچھا کرتے تھے کہ ہم کیسے کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جب پوچھا گیا کہ جب ہم کو ایسا امر پیش ہو کہ اس کو قرآن اور حدیث میں نہ پاویں تو کس طرح کریں، آپ نے فرمایا کہ نیک[۱۲] بختوں سے سوال کرو اور اس کو ان کے مشورے پر منحصر کرو، اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ علماء ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور علماء باطن آسمان اور ملکوت کی۔ اور جنیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک روز مرشد سریؒ نے فرمایا کہ جب تم میرے پاس سے اُٹھتے ہو کس کے پاس بیٹھتے ہو، میں نے کہا کہ محاسبیؒ کے پاس فرمایا کہ بہتر ان کا علم وادب اختیار کرنا، اور وہ جو کلام اور متکلموں کا خلاف اور رد کرتے ہیں، وہ مت سیکھنا، پھر جب میں آپ کے پاس سے اُٹھا تو سنا کہ یہ فرمایا کہ تجھ کو خدا علم اور حدیث والا صوفی کرے صوفی حدیث والا نہ کرے، اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص حدیث اور علم کو حاصل کر کے صوفی بنتا ہے، وہ فلاح پاتا ہے اور جو پہلے علم سے صوفی بنتا ہے، وہ اپنے نفس کو خطرے میں ڈالتا ہے، اب اگر یہ کہو کہ تم نے علوم کے اقسام میں کلام اور فلسفہ کو کیوں نہیں ذکر کیا اور ان کے اچھا یا برا ہونے کا بیان کیوں نہ کیا تو اس کے لیے جان لو کہ جس قدر دلیلیں مفید

---

[۱۲] طبرانی بروایت ابن عباسؓ ۱۲

علم کلام میں پائی جاتی ہیں، ان کا حاصل قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور جو امور ان دونوں سے خارج ہیں وہ یا تو بڑے جھگڑے ہیں جو بدعتوں میں سے ہیں۔ چنانچہ عنقریب اس کا ذکر ہوگا یا فرقوں کے خلافیات کے متعلق تقریریں لمبی چوڑی تقریروں کے نقل کرنے سے طول کلام ہے، تو یہ سب باطل اور بیہودہ امر ہیں، جن کو طبع سلیم معیوب جانتی ہے اور گوش حق نیوش ان کو اپنے اندر جگہ نہیں دیتا، اور بعض باتیں اس قسم کی ہیں کہ وہ دین سے متعلق نہیں اور نہ ان کا وجود قرن اول یعنی صحابہؓ کے وقت میں تھا، اس وقت ان میں خوض کرنا بدعت تھا، مگر اب اس کا حکم بدل گیا، اس لیے کہ بدعتیں اس طرح کی بہت ہو گئیں، جو قرآن وحدیث کے مقتضا سے منحرف کریں اور کچھ لوگ ایسے ظاہر ہو گئے، جنہوں نے بدعتوں کے شبہات کو حکنا دیا اور ان میں تقریریں بنائیں۔ اس لیے گو پہلے ان امور کے جواب میں خوض کرنا منع تھا، مگر ضرورت کے باعث سے اب جائز بلکہ فرض کفایہ ہو گیا، لیکن اسی قدر کہ اگر بدعتی اپنی بدعت کی طرف میل کرانے کا قصد کرے تو اس کا مقابلہ ہو سکے اور اس کے لیے ایک حد معین جس کو ہم فصل آئندہ یعنی تیسری فصل میں بیان کریں گے اور فلسفہ کا حال یہ ہے کہ وہ علیحدہ علم نہیں ہے بلکہ اس کے چار حصے ہیں اول اقلیدس اور حساب، اور یہ دونوں جائز ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور بجز ایسے شخص کے کہ جس پر یہ خوف ہو کہ ان کے پڑھنے سے برے علموں کی طرف میل کر جاوے گا اور شخص کو ان سے منع نہ کیا جاوے گا اور جس پر خوف ہو اس کو منع کیا جاوے اس لیے کہ ان کے ماہر جو اس میں کثرت سے مہارت کرتے ہیں، وہ بدعتوں کی طرف میل کر جاتے ہیں تو ضعیف الایمان کو ان دونوں سے بچانا چاہیے جیسے چھوٹے بچے کو نہر کے کنارے پر کھڑا نہیں ہونے دیتے کہ کہیں نہر میں نہ جا پڑے یا نو مسلم کو کفار کے میل جول رکھنے سے بچاتے ہیں کہ کہیں ان کی صحبت اس میں اثر نہ کر جاوے بخلاف قوی کے اس کو کچھ حرج نہیں، دوسرا حصہ فلسفہ کا متعلق ہے جس میں دلیل کی کیفیت اور شرطیں اور حد کی وجہ اور شرطیں مذکور ہوتی ہیں اور یہ دونوں باتیں علم کلام میں داخل ہیں، تیسرا حصہ الہیات ہے، یعنی ذات خدائے پاک اور اس کے صفات کو بیان کرنا، اور یہ بھی کلام میں داخل ہے، فلسفیوں نے اس باب میں کوئی علم نئے طور کا ایجاد نہیں کیا بلکہ ان کے مذہب جداگانہ ہیں کہ بعضے کفر ہیں اور بعضے بدعت، اور جس طرح کہ معتزلی ہو جانا ایک علم جدا نہیں، بلکہ کلام والوں ہی میں سے کچھ لوگوں نے بحث و دلیل کر کے مذہب باطل علیحدہ کر لیے ہیں۔ اسی طرح فلسفیوں کا جان جانو، چوتھا حصہ طبیعات کا ہے کہ بعض تو شریعت اور دین حق کے مخالف ہیں، وہ سرے سے علم نہیں کہ اقسام علوم میں بیان کیے جاویں، بلکہ جہل ہیں اور بعض میں اجسام کے صفات اور خواص اور ان کا تغیر و تبدل اور ایک دوسرے سے بدل جانا مذکور ہوتا ہے، اس کا حال طب کے مشابہ ہے فرق یہ ہے کہ طبیب کی نظر خاص بدنِ انسان میں باعتبار مرض اور صحت کے ہوتی ہے۔ اور طبیعات والوں کی نظر سب اجسام میں باعتبار تغیر اور حرکت کے ہوتی ہے مگر طب کو طبیعات پر فضیلت ہے یعنی طب کی طرف حاجت ہوتی ہے اور طبیعات کی طرف کچھ حاجت نہیں پڑتی۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ علم کلام ان چیزوں میں سے ہے کہ جن کا سیکھنا فرض کفایہ ہے تاکہ عوام کے دلوں کو بدعتیوں کے خیالات سے امن ملے۔ اور اس علم کا وجوب بدعتوں کے پیدا ہونے سے واقع ہوا، جیسے راہ حج میں عرب کے ظلم اور رہزنی کے باعث محافظ کے پناہ کی ضرورت ہو گئی ہے۔ اگر بالفرض عرب کے لوگ اپنی تعدی چھوڑ دیں تو پھر راہ حج کی شرطوں سے نگاہبانی محافظین کی نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر بدعتی اپنی بک سے باز آوے تو پھر

علم کلام کی بھی اس مقدار سے زیادہ حاجت نہ رہے جو زمانہ صحابہؓ میں تھی، پس کلام سیکھنے والے کو معلوم کرنا چاہیئے کہ علم کلام کی حدودین میں یہاں تک ہے اور متکلم کا درجہ دین میں ایسا ہے جیسے راہ حج میں محافظ کا، تو اگر محافظ محافظت کے سوا اور کچھ نہ کرے تو وہ ظاہر ہے کہ حاجیوں میں نہ ہوگا، بلکہ حج کے اعمال ادا کرنے سے حاجی ہوگا، اسی طرح اگر متکلم صرف مناظرہ اور بدعتیوں کی روک ہی میں مشغول رہے گا اور طریق آخرت طے نہ کرے گا اور اپنے دل کی خبر گیری اور درستی میں مصروف نہ ہوگا، اس کے پاس بجز عقیدے کے جس میں سب عوام شریک ہیں اور کیا ہے اور عقیدہ اعمال ظاہری دل اور زبان سے متعلق ہے ہاں عوام سے اس قدر تمیز اس کو ہوگی کہ یہ بدعتیوں سے لڑ سکتا ہے اور عوام کی حفاظت کرتا ہے لیکن معرفتِ خدائے تعالےٰ کی اور اس کے صفات اور افعال کی اور ان امور کی جن کا بیان ہم نے علمِ مکاشفہ میں کیا ہے، وہ علمِ کلام سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ کیا عجب ہے کہ یہ علم ان کا حجاب اور مانع ہو ان تک رسائی تو مجاہدہ سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا مقدمہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین[1] اب اگر یہ کہو کہ تم نے متکلم کی تعریف بھی کہہ دی کہ عوام کے عقیدہ کو بدعتیوں کے الجھاوے سے محفوظ رکھے، جیسے محافظین کا حال ہے کہ حاجیوں کے کپڑے عرب کی لوٹ سے بچاتا ہے اور فقیہہ کی تعریف یہ بیان کی کہ اس کو وہ قانون یاد ہو جس سے بادشاہ ایک دوسرے کی تعدی کو روک سکے اور علمِ دین کی بہ نسبت کر یہ دونوں مرتبے کم ہیں، حالانکہ علماء امت میں جو اہل فضل مشہور ہیں، وہ فقہاء اور اہل کلام ہیں۔ اور وہ لوگ خدائے تعالیٰ کے نزدیک افضل ہیں تو تم ان کے درجوں کو کس طرح علمِ دین کی نسبت کر ایسے پست درجے میں ڈالے دیتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص حق کو آدمیوں سے پہچانتا ہے، وہ گمراہی کے جنگلوں میں خاک چھانتا ہے، تم کو چاہیئے کہ اول حق کو جانو، تب اس کے اہل کو پہچانو، بشرطیکہ طریق حق کے سالک ہو، اور اگر تقلید پر قانع ہو اور جو درجے فضیلت کے لوگوں میں مشہور ہیں انہیں پر ناک رکھتے ہو تو صحابہؓ کے حالات اور مراتب بلند سے غفلت نہ کرو، جن لوگوں کا ذکر تم نے کیا، ان سب کا اتفاق ہے کہ صحابہؓ سب سے بڑھ کر ہیں اور دین میں کوئی ان کی چال نہیں چل سکتا نہ ان کی گرد کو پہنچے، حالانکہ ان کی فضیلت علمِ کلام اور علمِ فقہ سے نہ تھی، بلکہ علمِ آخرت اور اس کے طریق کے اختیار کرنے سے تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جو اوروں پر فضیلت تھی تو زیادہ روزے رکھنے اور کثرت سے نماز پڑھنے اور بہت سی روایات کرنے سے نہ تھی، نہ فتوے دینے اور علمِ کلام کی جہت سے، بلکہ اس چیز کی جہت سے تھی، جو ان کے سینے میں چھپی تھی، چنانچہ اس کی شہادت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے فرمائی، پس تم کو اس راز کی جستجو میں حرص کرنی چاہیئے کہ جوہر نفیس اور در مکنون وہی ہے اور جس کو اکثر لوگ متفق ہو کر چند اسباب کی جہت سے جن کی تفصیل طویل ہے بڑا جانتے ہو، اور تعظیم کرتے ہوں اس کو جانے دو اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہزاروں صحابہؓ چھوڑے جو عالم باللہ تھے، ان کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو فن کلام سے اچھا واقف ہو اور سوائے کچھ اوپر دس شخصوں کے اور کسی نے اپنے آپ کو فتوے دینے کے لیے مقرر نہ کیا۔ حضرت ابن عمرؓ

---

[1] اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سوجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے ۱۲

بھی صحابہؓ کبار میں سے تھے، جب ان سے کوئی فتوے پوچھتے تو کہتے کہ فلاں حاکم کے پاس جاؤ، جس نے ان لوگوں کے کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں اور اس سوال کو اس کی گردن پر رکھو، اس جواب میں یہ اشارہ تھا کہ مقدمات اور احکام میں فتوے دینا ولایت اور سلطنت کا تابع ہے اور جبکہ حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ علم کے نو دسویں حصے مر گئے، لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ یہ قول کیوں فرماتے ہیں، ہم میں تو بڑے بڑے صحابی موجود ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میری غرض علم فتوے اور حکم سے نہیں، میرا مقصود علم خدائے تعالیٰ کا ہے، بھلا بتاؤ تو کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فن کلام وغیرہ مراد لی تھی، اگر یہ مراد نہ تھی تو پھر تم کو کیا ہوا ہے کہ اس علم کی معرفت پر حرص نہیں کرتے کہ حضرت عمرؓ کے مرنے سے ان کے نو دسویں حصے مر گئے، حالانکہ حضرت عمرؓ وہ تھے جنہوں نے کلام اور جدل کا باب مسدود فرمایا، اور جب صبیع نے آپ کے سامنے قرآن کی دو آیتوں کے ایک دوسرے کے مخالف ہونے کے باب میں سوال کیا، تو آپ نے اس کو درہ سے مارا اور ملنا چھوڑ دیا، اور لوگوں کو فرما دیا کہ اس کو چھوڑ دیں اور یہ جو تم کہتے ہو کہ علماء میں سے مشہور فقہا اور اہل کلام ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے خدائے تعالیٰ کے نزدیک فضیلت ہوتی ہے وہ اور چیز ہے اور جس سے لوگوں میں شہرت ہوتی ہے، وہ دوسری چیز ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی شہرت تو خلافت کی جہت سے تھی، اور فضیلت اس راز کی جہت سے جو ان کے دل میں منقش تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہرت سیاست کے سبب تھی، اور فضیلت اس علم کی جہت سے جس کے نو دسویں حصے آپ کی موت پر جاتے رہے اور اپنی حکومت میں جو قصد خدائے تعالیٰ کی نزدیکی کا اور خلق پر عدل و شفقت کا کرتے تھے، اس کی جہت سے بزرگی تھی اور وہ ایک امر خفیہ آپ کے دل کے اندر تھا، آپ کے اور افعال ظاہری جو تھے وہ تو اور لوگوں سے بھی سرزد ہونے ممکن ہیں جو جاہ، اور شہرت اور نام کے طالب و راغب ہوں، غرضکہ شہرت ایسے امر میں ہوتی ہے جو مہلک ہو اور فضل ایسی بات میں ہوتا ہے جو خفیہ ہو کسی کو اس پر اطلاع نہ ہو، اب فقہاء اور اہل کلام مثل حکام اور قاضیوں کے ہیں اور کئی طرح کے ہیں، بعض تو ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے علم اور فتوے سے خدائے تعالیٰ کا قصد کیا ہے اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کو بچانا منظور رہے، نمود اور شہرت ان کو مطلوب نہیں، ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے، اور ان کی فضیلت خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے عمل اپنے علم کے بموجب کیا اور اپنے فتویٰ اور دلیل سے اسی کی ذات مراد لی اس لیے کہ ہر ایک علم عمل ہے کیونکہ علم بھی ایک فعل کسبی ہے اور ہر ایک عمل علم نہیں ہے۔ اور طبیب بھی اپنے علم سے خدائے تعالیٰ کے تقرب پر قادر ہے، تو اس کو بھی ثواب اسی اعتبار سے ہوگا، کہ وہ اپنے علم سے خدائے تعالیٰ کے لیے کام کرتا ہے۔ اسی طرح اگر سلطان خلق کا معاملہ خدا کے واسطے کرے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور قابل ثواب ہوگا نہ اس جہت سے کہ وہ علم دین کا ذمہ دار ہے، بلکہ اس سبب سے کہ اس نے اس کام کا ذمہ لیا ہے جس سے قصدِ خدائے تعالیٰ کی نزدیکی کا رکھتا ہے اور جن چیزوں سے کہ خدائے تعالیٰ کی نزدیکی ہو سکتی ہے، وہ تین قسم ہیں۔ ایک صرف علم، وہ تو علمِ مکاشفہ ہے۔ دوم صرف عمل، جیسے بادشاہ کا عدل کرنا اور لوگوں کو مجتمع انتظام سے رکھنا، سوم مرکب عمل اور علم سے اور وہ طریقِ آخرت کا علم ہے، جو اس علم کا جاننے والا ہے وہ عالم

اور عامل دونوں ہے، پس اب تم اپنے لیے تجویز کر لو کہ قیامت میں خدائے تعالیٰ کے عالموں میں سے ہو گے یا عمل کرنے والوں میں یا دونوں جماعتوں میں ہو کر ہر ایک کے ساتھ اپنا حصّہ لگاؤ گے، یہ بات تمہارے حق میں زیادہ ضروری اور اہم ہے بہ نسبت محض شہرت کے تقلید کے، جیساکہ کسی کا شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ؎

لو اسے جو کچھ کہ دیکھو جو سنو دو اس کو چھوڑ ہے زحل کی کیا ضرورت شمس گر ہو سامنے

علاوہ اس کے ہم یہاں اگلے فقہاء کا حال لکھتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہو کہ جو لوگ ان کے مذہب میں اپنے آپ کو بتاتے ہیں وہ ان پر ظلم کرتے ہیں اور قیامت کو ان کے بڑے دشمن وہی لوگ ہوں گے اس لیے کہ فقہائے سلف نے اپنے علم سے بجز رضائے پروردگار اور کچھ قصد نہیں کیا اور ان کے احوال سے علمائے آخرت کی علامتیں دیکھی گئی ہیں چنانچہ ان کا بیان علمائے آخرت کی علامتوں کے ذکر میں آوے گا، کیونکہ وہ لوگ صرف علمِ فقہ ہی کے لیے نہ تھے، بلکہ دلوں کے علم میں مشغول تھے اور ان کے نگران رہتے تھے، اور اس علم میں جو انہوں نے کچھ تصنیف نہیں کیا اور اس کی تدریس نہ کی تو اس کی وجہ یہ تھی جو صحابہؓ کو فقہ کے باب میں تدریس و تصنیف کی مانع تھی، حالانکہ سب صحابہؓ علمِ فتویٰ میں جداگانہ فقیہہ تھے اور وجہیں یقیناً مانع ہوتی ہیں، ان کے ذکر کی کچھ حاجت نہیں، ہم اب کچھ حالات اسلام کے فقہا کا ذکر کرتے ہیں جس سے تم جان لو گے کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے، وہ فقہائے سلف کے باب میں طعن نہیں، بلکہ وہ ان لوگوں پر طعن ہے جو ان کی پیروی ظاہر کرتے ہیں اور ان کے مذہبوں سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، حالانکہ وہ عمل میں ان کے مخالف ہیں، پس فقہائے سلف جو فقہ کے رئیس اور خلق کے پیشوا جن کے پیرو اکثر ہیں، وہ پانچ ہیں، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ، ان میں سے ہر ایک عابد اور زاہد اور علوم آخرت کا ماہر اور دنیا میں خلق کی بہتری کا سمجھنے والا، اور اپنی فقہ سے خدائے تعالیٰ کی رضا کا خواہاں تھا، تو یہ پانچ خصلتیں ہیں جن میں سے اس زمانے کے فقیہوں نے صرف ایک خصلت میں ان کا اتباع کیا ہے یعنی فروعات سابقہ میں استعداد اور مبالغہ اس لیے کہ چار خصلتیں باقی صرف آخرت ہی کے قابل ہیں اور یہ ایک خصلت دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہو سکتی ہے، اگر اس سے آخرت کا ارادہ کیا جاوے مگر دنیا کی بہتری کے لیے اس پر جھک پڑے ہیں، اور ایک خصلت کے سبب سے دعویٰ ان اماموں کی مشابہت کا کرتے ہیں، بھلا لوہار فرشتوں کے مشابہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ اب ہم ان اماموں کے حالات وہ بیان کریں گے جن سے وہ چاروں خصلتیں ان میں معلوم ہوں، اور پانچویں خصلت یعنی فقہ کی مہارت تو ظاہر ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے عابد ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ رات کے تین حصّے کیا کرتے تھے، ایک علم کے لیے، دوم نماز کے لیے، سوم سونے کے لیے کہ امام شافعیؒ رمضان میں ساٹھ قرآن ختم کیا کرتے تھے اور سب نماز ہی میں ختم کیا کرتے تھے اور بویطی جو ان کے شاگردوں میں سے ہے، رمضان میں ایک ختم روز کیا کرتا تھا اور حسن کرابیسی کہتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے ساتھ بہت دفعہ رات کو رہا ہوں، آپ کا دستور تھا کہ مقدار سوم حصّہ شب کی نماز پڑھا کرتے تھے، میں نے آپ کو دیکھا کہ پچاس آیتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، اور جب زیادہ کرتے تو سو آیتیں پڑھتے تھے، اور جب کسی آیت رحمت پر گزرتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا اپنے لیے اور سب مسلمانوں اور ایمانداروں کے لیے

مانگتے تھے، اور جب آیت عذاب پڑھتے تھے تو اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو اس سے نجات پانے کا سوال کرتے، گویا رجا اور خوف دونوں ان کے لیے ایک ساتھ تھے، اس روایت سے سمجھو کہ پچاس آیتوں پر آپ کا اکتفا کرنا اسرار قرآنی کو سمجھنے اور ان پر عبور ہونے پر کیسی دلالت کرتا ہے، اور خود ان کا ارشاد ہے کہ میں سولہ برس سے شکم سیر نہیں ہوا اس لیے کہ شکم سیری بدن کو گراں کرتی ہے۔ اور دل کو سخت، اور دانائی کو کھوتی ہے، اور نیند لاتی ہے اور آدمی کو عبادات کم کرنے دیتی ہے تو اس قول سے آپ کی حکمت کو دیکھنا چاہیئے کہ شکم سیری کی آفتوں کو ذکر کیا، پھر عبادت میں کوشش کو لحاظ کرنا چاہیئے کہ اس کے واسطے شکم سیری کو ترک کر دیا، اور ظاہر ہے کہ عبادت کی اصل کم کھانا ہے اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے اللہ کی قسم نہ سچی کھائی نہ جھوٹی، اس قول سے خیال کرو کہ آپ حرمت اور توقیر خدائے تعالیٰ کی کتنی کرتے تھے، اور جلالِ خداوندی کا کس قدر علم رکھتے تھے اور آپ سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ چپ ہو رہے، سائل نے کہا کہ آپ پر خدائے تعالیٰ کی رحمت ہو آپ جواب نہیں دیتے، فرمایا کہ جب تک مجھ کو یہ نہ معلوم ہو کہ سکوت میں میری بہتری ہے یا جواب دینے میں، تب تک میں کچھ جواب نہ دوں گا، اس روایت سے تامل کرو کہ آپ اپنی زبان کو نگہداشت کتنی کرتے تھے، حالانکہ فقہاء پر سب اعضاء سے زیادہ زبان مسلط ہے اور ان کے ضبط اور قابو سے باہر، اور اسی روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا بولنا اور چپ رہنا فضیلت اور ثواب کے حاصل کرنے کے لیے ہوا کرتا تھا اور احمد بن یحییٰ ابن وزیر روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آپ قندیلوں کے بازار سے نکلے اور ہم آپ کے پیچھے ہوئے، دیکھا تو ایک شخص کسی عالم سے الجھ رہا ہے اور اس کو بیہودہ کہتا ہے، آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ اپنے کانوں کو فحش کے سننے سے صاف کرو، جیسے زبان کو فحش بکنے سے صاف کرتے ہو، اس لیے کہ سننے والا کہنے والے کا شریک ہے اور کم عقل آدمی اپنے مغز میں جو سب سے بری بات دیکھتا ہے اس کو چاہتا ہے کہ تمہارے مغز میں لوٹا دے، اگر اس کا قول اسی پر لوٹا دیا جاوے یعنی اس کو کانوں میں جگہ نہ دی جائے تو اس کا نہ سننے والا نیک بخت ہوگا جیسے بولنے والا بدبخت ہوا اور آپ کا ارشاد ہے کہ ایک حکیم نے دوسرے کو خط لکھا کہ تجھ کو خدائے تعالیٰ نے علم دیا ہے، اپنے علم کو گناہوں کی تاریکی سے میلا مت کر ورنہ جس روز کہ اہل علم اپنے علم کے نور میں چلیں گے تو اندھیرے میں رہے گا، اور آپ کا زہد ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ کرے کہ میرے دل میں محبت دنیا کی اور محبت اس کے خالق کی ایک ساتھ ہے، وہ جھوٹا ہے، اور حمیدی کہتے ہیں کہ آپ ایک بار بعض حکام کے ساتھ یمن آگئے، اور وہاں سے دس ہزار درہم لے کر مکے کو پھرے، مکہ معظمہ کے باہر ایک گاؤں میں آپ کے لیے خیمہ کر دیا گیا، لوگ آپ سے ملنے آتے گئے آپ نے جب تک وہ سب مال تقسیم نہ کر دیا، وہاں سے نہ ہلے۔ اور ایک روز آپ حمام سے نکلے تو حمام والے کو بہت سامان دے ڈالا، اور ایک روز آپ کا کوڑا ہاتھ سے گر پڑا، ایک شخص نے اٹھا دیا، اس کو آپ نے اس کے عوض میں پچاس اشرفیاں دیں۔ اور سخاوت آپ کی مشہور ہے، بیان کرنے کی حاجت نہیں، اور زہد کی اصل سخاوت ہے، اس لیے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اس کو روک رکھتا ہے اور جدا نہیں کرتا، اس صورت میں مال وہی جدا کرے گا جس کی نظروں میں دنیا حقیر ہو، اور یہی معنی زہد کے ہیں، اور آپ کے زہد اور خدائے تعالیٰ سے زیادہ

خوف رکھنے پر اور اپنی ہمت کو آخرت میں مشغول رکھنے پر یہ روایتیں بھی دال ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے آپ کے سامنے ایک حدیث رقتِ قلب کے بیان میں روایت کی، آپ کو غش آگیا، لوگوں نے سفیان ثوریؒ سے کہاکہ آپ مر گئے، انھوں نے فرمایاکہ مر گئے تو اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل مر گئے۔ اور عبداللہ بن محمد بلوی کہتے ہیں کہ میں اور عمر بن نباتہ بیٹھے ہوئے عابدوں اور زاہدوں کا ذکر کرتے تھے، مجھ سے عمر نے کہاکہ میں نے پرہیز گار اور فصیح محمد بن ادریس شافعیؒ سے کسی کو زیادہ نہیں دیکھا، کہ میں اور آپ اور حارث بن لبید صفا کی طرف گئے اور حارث صالح مری کا شاگرد تھا، اس نے پڑھنا شروع کیا، اور یہ شخص خوش آواز تھا، جب یہ آیت پڑھی، ھٰذا یوم لاینطقون ولایؤذن لھم فیعتذرون[1] میں نے آپ کو دیکھاکہ آپ کا رنگ بدل گیا اور بدن پر بال اُٹھ کھڑے ہوئے، اور زور سے تڑپ کر بیہوش ہو گئے، جب آپ کو ہوش آیا تو یوں کہنا شروع کیا، الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جھوٹوں کے مقام اور غافلوں کے اعراض سے الٰہی تیرے ہی لیے عارفوں کے دل انکساری کرتے ہیں اور تیرے ہی مشتاقوں کی گردنیں جھکتی ہیں۔ الٰہی اپنی جود مجھ کو عنایت کر اور مجھ کو اپنے پردۂ کرم میں چھپا، اور اپنی ذات کے کرم کے طفیل میری تقصیر سے درگذر کر۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر وہاں سے اُٹھ کر ہم سب چلے آئے، جب میں بغداد میں پہنچا، آپ ان دنوں عراق میں تھے، میں نہر کے کنارے نماز کے لیے وضو کرتا تھا، ایک شخص میرے پاس سے گذرا اور کہاکہ بیٹا اپنا وضو اچھی طرح کر، خدائے تعالیٰ دنیا اور آخرت میں تیرے ساتھ اچھی طرح پیش آوے گا، میں نے جو پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ جن کے پیچھے بہت لوگ ہیں، جھٹ پٹ وضو کر کے ان کے پیچھے ہوا، میری طرف متوجہ ہو کر کہاکہ تجھے کچھ کام ہے، میں نے کہاکہ ہاں یہ مطلب ہے کہ جو علم خدائے تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی کچھ سکھا دیجیے، آپ نے کہاکہ جان رکھ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے، وہ چھٹی پاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کا خوف رکھتا ہے، وہ تباہی سے بچا رہتا ہے، اور جو شخص دنیا میں زہد کرتا ہے، قیامت کو اللہ تعالیٰ کے ثواب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اب اور کچھ زیادہ بتاؤں، میں نے کہا بہتر، آپ نے فرمایاکہ جس شخص میں تین خصلتیں ہیں، اس نے اپنا ایمان پورا کیا، ایک یہ کہ اچھی بات کا دوسرے کو حکم کرے اور پہلے آپ مانے، دوسرے یہ کہ بُرائی سے اوروں کو منع کرے اور پہلے آپ باز رہے، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو حدیں مقرر کی ہیں، ان کی نگہداشت کرے اور ان سے کسی طرف تجاوز نہ کرے، اب اور کچھ بتاؤں، میں نے کہا بہتر، فرمایاکہ دنیا میں زاہد رہ اور آخرت کا راغب ہو اور سب باتوں میں خدائے تعالیٰ کو سچا جان اس سے تو اور نجات پانے والوں کے ساتھ میں نجات پاوے گا۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے، میں نے لوگوں سے پوچھاکہ یہ کون ہیں، کہاکہ شافعیؒ ہیں، اس روایت سے آپ کے بیہوش ہو جانے کو سوچو، پھر نصیحت فرمانے کو خیال کرو کہ اس سے آپ کا زہد اور شدتِ خوف کتنا معلوم ہوتا ہے، اور یہ خوف اور زہد بدوں معرفت اللہ تعالیٰ کے حاصل نہیں ہوتا، کہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء[2] امام شافعیؒ نے یہ خوف اور زہد فقہ کے سلم اور اجارہ اور چیزوں

---

[1] یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو حکم کہ توبہ کریں ۱۲ [2] اللہ سے وہی ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں جو سمجھ والے ہیں ۱۲

سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ آخرت کے علوم جو قرآن اور حدیث سے نکلے ہیں، ان سے پیدا کیا تھا کیونکہ تمام اوّلین و آخرین کی حکمتیں قرآن و حدیث میں بھری ہیں اور دل کے اسرار اور آخرت سے آپ کا واقف ہونا، ان حکمتوں سے تم کو معلوم ہوگا جو آپ سے منقول ہیں، مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا کہ ریا کیا ہے، آپ نے بلا تامل فرمایا کہ ریا ایک فتنہ ہے جس کو خواہش نفس نے علماء کے دلوں کے سامنے لا کھڑا کیا، انہوں نے اس کی طرف اس وجہ سے کہ نفس بری بات اختیار کرتا ہے دیکھا اس لیے ان کے عمل برباد ہو گئے، اور یہ آپ کا قول ہے کہ جب تم کو اپنے عمل میں عجب کا خوف ہو تو سوچو کہ تم کس کی رضا چاہتے ہو، اور کس ثواب کے راغب اور کس عذاب سے ترساں اور کون سی عافیت کے شکر گذار اور کون سی مصیبت کو یاد کرتے ہو، جب تم ان باتوں میں سے ایک میں بھی فکر کرو گے تو تمہارا عمل تمہاری نظروں میں حقیر ہو جاوے گا، عجب سے مامون رہے گا، پس تامل کرو کہ آپ نے کس طرح ریا کی حقیقت اور عجب کا علاج ذکر کیا اور یہ دونوں دل کی بڑی آفتوں میں سے ہیں، اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو محفوظ نہ رکھا، اس کے علم نے اس کو فائدہ نہ دیا، اور فرمایا کہ جو شخص علم سے خدائے تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے راز کو سمجھتا ہے اور فرمایا کہ ہر ایک آدمی کے لیے دوست اور دشمن ضرور ہوتے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو تم انہیں لوگوں کے ساتھ رہو جو خدائے تعالیٰ کے اہلِ طاعت ہیں۔ اور روایت ہے کہ عبد القاہر بن عبد العزیز ایک مرد نیک بخت پرہیز گار تھے، وہ آپ سے پرہیز گاری کے باب میں مسائل پوچھا کرتے، اور آپ ان کے ورع کی جہت سے ان کے پاس[1] تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک روز انہوں نے شافعیؒ سے کہا کہ صبر اور امتحان اور تمکین میں سے کون چیز بہتر ہے، آپ نے فرمایا کہ تمکین انبیاء کا درجہ ہے اور وہ بعد آزمائش کے ہوتا ہے، پس جب امتحان ہوتا ہے اور صبر کے بعد تمکین دیکھو، خدائے تعالیٰ نے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، پھر ان کو وقار عنایت کیا اور حضرت موسیٰ اور حضرت ایوب علیہما السلام کا اول امتحان لیا پھر وقار عنایت فرمایا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اول امتحان لیا پھر ان کو تمکین اور ملک عطا کیے اور تمکین سب درجوں سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وکذٰلک مکنا[2] لیوسف فی الارض اور حضرت ایوب علیہ السلام کو بعد بڑی آزمائش کے تمکین دی اور فرمایا واٰتینٰہ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا وذکرٰی للعٰبدین[3]○ تو یہ جواب امام شافعیؒ کا دلالت کرتا ہے کہ آپ کو اسرارِ قرآنی پر خوب عبور تھا، اور جو لوگ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے سالک ہیں ان کے مقامات سے خوب واقف تھے، اور یہ سب باتیں آخرت کے علوم میں سے ہیں، اور آپ سے کسی نے سوال کیا کہ آدمی عالم کب ہوتا ہے، فرمایا کہ جس علم کو جانتا ہے اس میں جب محقق ہو کر دوسرے علموں کے درپے ہوتا ہے اور جو بات اس سے رہ گئی ہے اس میں تامل کرتا ہے تو اس وقت عالم ہوتا ہے، چنانچہ جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم ایک مرض کے لیے بہت سی دوائیں مرکب لکھتے ہو، اس نے جواب دیا کہ مقصود ایک ہی دوا ہے دوسری اس کے

---

[1] اصل میں بفعل علیہ ہے اور معنی یہ کہ ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے ۱۲ [2] اور اس طرح جگہ دی یوسف کو اس ملک میں ۱۲ [3] اور ہم نے دی اس کو اس کی گھر والی اور ان کے برابر ساتھ ان کے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت بندگی والوں کو ۱۲

ساتھ اس لیے ہیں کہ اس کی تیزی کم ہو جائے اس لیے کہ مفرد دوائیں قاتل ہیں پس اس طرح کی بہت سی باتیں علوم آخرت میں آپ کی معرفت الٰہی علوم مرتبت پر دلالت کرتی ہے۔ رہی یہ بات کہ آپ خاص فقہ سے اور اس میں مناظرہ کرنے سے خدائے تعالیٰ کی رضا کے خواہاں تھے۔ اس امر پر یہ روایتیں دال ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس علم سے لوگ مستفید ہوں اور اس میں سے میری طرف کوئی چیز منسوب نہ ہو تو دیکھو کہ آپ کو علم کی آفت اور طلب شہرت کی برائی کتنی معلوم تھی، اور اس باب میں خالص نیت خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کی کر کے شہرت کی طرف دل کی توجہ سے مبرا تھے۔ اور آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے کبھی کسی سے مناظرہ اس طور سے نہیں کیا کہ یہ چاہا ہو کہ وہ خطا کرے اور فرمایا کہ جب میں نے کسی سے گفتگو کی ہے تو یہ چاہا ہے کہ اس کو توفیق اور راستی اور اعانت ملے اور اس کے اوپر خدائے تعالیٰ کی حمایت اور حفاظت رہے، اور جب میں نے کسی سے کلام کیا ہے تو یہ پرواہ نہیں کی ہے کہ امر حق میری زبان خواہ اس کی زبان سے نکلے، اور فرمایا کہ جب میں نے امر حق اور حجت کو کسی شخص پر پیش کیا اور اس نے حق بات کو قبول کیا تو میں اس سے ہیبت رکھتا ہوں اور اس کی محبت کا معتقد ہوتا ہوں، اور جو کوئی امر حق پر مجھ سے زبردستی کر کے حجت توڑتا ہے تو وہ میری نظر دل سے گر جاتا ہے، اس سے ملنا چھوڑ دیتا ہوں تو یہی علامات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے، آپ کی غرض فقہ سے اور اس میں مناظرہ کرنے سے خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی تھی، اب[1] دیکھو کہ زمانہ حال کے لوگوں نے آپ کا اتباع ان پانچ باتوں میں صرف ایک بات میں کس طرح کیا ہے اور پھر اس میں بھی ان کے خلاف کرتے ہیں، اور اسی لیے ابو ثور رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ نہ میں نہ اور دیکھنے والوں نے کوئی شخص شافعیؒ کے مثل دیکھا ہے، اور احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ چالیس برس سے میں نے ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی جس کے بعد امام شافعیؒ کے لیے دعا نہ مانگی ہو، اس روایت سے دعا مانگنے والے کے انصاف کو اور جن کے لیے دعا کی ان کے درجے کو خیال کرو اور اس پر اس زمانے کے علماء کے حالات کو مطابق کرو کہ ان کے دلوں میں آپس میں کتنا بغض اور عناد ہے تاکہ تم کو معلوم ہو کہ یہ لوگ جو دعویٰ سلف کی پیروی کا کرتے ہیں اس دعویٰ میں قصور رکھتے ہیں۔ امام احمدؒ کے زیادہ دعا مانگنے کی جہت سے ان کے لڑکے نے ان سے کہا کہ شافعیؒ کون شخص تھے جن کے لیے تم اس قدر دعا مانگتے ہو، انھوں نے فرمایا کہ بیٹا شافعیؒ دنیا کے حق میں مثل آفتاب کے تھے اور لوگوں کے حق میں مثل تندرستی کے، تو اب بتاؤ کہ ان باتوں میں سے کوئی ان کی نیابت کرتا ہے اور امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی اپنے ہاتھ سے دوات چھوئے اس کی گردن پر شافعیؒ کا احسان ہے، اور یحییٰ بن سعید پنبہ فروش کہتے ہیں کہ میں نے چالیس برس سے جو نماز پڑھی، اس میں شافعیؒ کے لیے دعا مانگی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عنایت فرمایا اور اس میں طریقہ راستی ہدایت کیا، اب ہم آپ کے حالات کو اسی قدر مختصر پر کفایت کرتے ہیں اس لیے کہ سب حالات خارج از حد شمار ہیں۔ اور یہ مناقب جو ہم نے لکھے ہیں، اکثر اس کتاب سے نقل کیے ہیں جو نصیر بن ابراہیم مقدسی نے مناقب شافعیؒ میں لکھی ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ بھی ان پانچوں خصلتوں کے ساتھ موصوف تھے، چنانچہ ان سے کسی نے کہا کہ اے مالک

[1] اصل احیاء کا مطلب یہ دیکھو لوگوں نے کیونکر چار باتوں میں اتباع چھوڑ کر فقط ایک بات میں اتباع کیا۔

طلبِ علم میں آپ کیا فرماتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ بہتر اور اچھا ہے، بلکہ جو شخص صبح سے لے کر شام تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑے اس کا ساتھ تم بھی نہ چھوڑو۔ اور آپ علمِ دین کی تعظیم میں بہت مبالغہ فرماتے یہاں تک کہ جب حدیث بیان کرتے تو وضو کرتے اور اپنے فرش کے صدر مقام پر بیٹھتے، اور داڑھی میں کنگھی کرتے اور خوشبو لگاتے اور بیٹھنے میں وقار اور ہیبت کو ملحوظ رکھتے، پھر حدیث ارشاد کرتے لوگوں نے جو اس باب میں آپ سے کچھ کہا تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت کروں، اور آپ کا ارشاد ہے کہ علم ایک نور ہے، اس کو خدائے تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، وہاں کر دیتا ہے کثرتِ روایت سے نہیں ہوتا اور یہ حرمت اور توقیر اس بات پر دال ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے جلال کی معرفت نہایت قوی تھی اور علم سے آپ کی غرض خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی آپ کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے کہ فرمایا دین کے باب میں جدال کرنا کچھ بھی نہیں اور اس امر پر امام شافعیؒ کا قول بھی دلالت کرتا ہے کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا اس وقت آپ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے، ان میں سے بتیس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں تو جس کو اپنے علم سے خدائے تعالیٰ کے سوا اور کچھ غرض ہوتی ہے اس کا نفس کبھی نہیں مانتا کہ یوں اقرار کر دے کہ میں نہیں جانتا اور اسی لیے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جب عالموں کا ذکر ہو تو امام مالکؒ ان میں نجم ثاقب ہیں اور امام مالکؒ سے بڑھ کر میرے اوپر کسی کا احسان زیادہ نہیں ہوا۔ اور روایت ہے کہ ابوجعفر منصور نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ مکرہ کے طلاق کے باب میں حدیث مت بیان کرنا، پھر ایک شخص کو خفیہ کہہ دیا کہ ان سے اس طلاق کا مسئلہ پوچھے، جب اس شخص نے دریافت کیا تو آپ نے سب لوگوں کے سامنے کہہ دیا کہ جس شخص سے زبردستی طلاق کہلائی گئی ہو وہ طلاق نہیں ہے، ابوجعفر نے آپ کے کوڑے لگائے، مگر آپ نے حدیث بیان کرنا ترک نہ کیا، اور امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حدیث میں سچا ہوتا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا اس کی عقل سے اس کو نفع دیا جاتا ہے اور بڑھاپے میں آفت اور فساد عقل طاری نہیں ہوتا، اور دنیا میں آپ کا زہد اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین مہدی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی مکان ہے آپ نے فرمایا نہیں، لیکن اس باب میں میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں کہ میں نے ربیع بن عبد الرحمٰن سے سُنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ آدمی کا نسب ہی اس کا مکان ہے۔ اور ہارون رشید نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کا مکان ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بس رشید نے تین ہزار دینار آپ کو دیے اور کہا کہ اس سے ایک مکان خرید و، آپ نے ان کو لے کر رکھ چھوڑا، خرچ نہ کیا، جب رشید نے مدینہ منورہ سے چلنا چاہا تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہیے اس لیے کہ میں نے قصد کیا ہے کہ لوگوں کو موطا کی ترغیب دوں، جیسے حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو قرآن پر ترغیب دی تھی، آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو موطا کی ترغیب دینے کی کوئی سبیل نہیں، اس لیے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد حضرتؐ کے شہروں میں چلے گئے اور حدیثیں روایت کی ہیں اسی لیے ہر اہل شہر کے پاس علم حدیث موجود ہے اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ[ع] اختلاف امتی رحمۃ باقی رہا تمہارے ساتھ چلنا تو وہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت

[ف] ذی الاصل ولکن انظر الی الذی یبتیک من حین تصبح الی حین تمسی فالزمہ اور اس کا خلاصہ یہ کہ صبح سے شام تک اس کے دینی برتاؤ کو دیکھ لو تب اس کا ساتھ پکڑو۔

[ع] میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ "بیہقی تعلیقاً"

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون[ح] اور یہ بھی ارشاد ہے المدینۃ تنفی خبثھا کما ینفی الکیر خبث الحدید[ح] اور تمہارے دینار جوں کے توں رکھے ہیں، چاہو لے لو، چاہو چھوڑ جاؤ، یعنی تم جو مجھ سے مدینہ چھوڑانا چاہتے ہو تو اس لیے کہ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے، پس میں دینار کو حضرت کے مدینہ طیبہ پر ترجیح نہیں دیتا ہوں، غرضکہ دنیا میں آپ کے زہد کی یہ صورت تھی کہ جب آپ کے علم اور شاگردوں کے منتشر ہونے کی جہت سے سب طرف سے مال آپ کے پاس آنے لگا، آپ اس کو امورِ خیر میں خرچ کر دیا کرتے۔ آپ کی سخاوت سے آپ کا زہد اور دنیا کی محبت کی کمی معلوم ہوتی ہے اور زہد یوں نہیں ہوتا کہ آدمی کے پاس مال نہ ہو، بلکہ یہی صورت ہے کہ مال سے دل بے پرواہو، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی زہد میں کرتے تھے اور اس روایت سے حضرت مالکؒ کا دنیا کو حقیر جاننا اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ سے نقل ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے دروازے پر ایک گلہ خراسان کے گھوڑوں اور مصر کے خچروں کا ایسا دیکھا کہ اس سے عمدہ میں نے نہیں دیکھا تھا میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کیا عمدہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ جس زمین میں اس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہو اس زمین کو سواری کے سم سے پامال کروں۔ اس روایت سے خیال کرو کہ سخاوت آپ میں اس قدر تھی کہ سب گھوڑے خچر ایکبارگی دے ڈالے اور پھر خاک پاک مدینہ طیبہ کی توقیر کا لحاظ کرو، اور آپ کی غرض علم سے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور دنیا کو حقیر جاننا آپ کی اس حکایت سے ثابت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں ہارون الرشید کے پاس گیا، رشید نے مجھ سے کہا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لایا کیجیے تاکہ ہمارے لڑکے آپ سے مؤطا سنیں، میں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ امیر کی ترقی کرے، یہ علم تمہیں لوگوں سے نکلا ہے اگر تم اس کی عزت کروگے تو عزیز ہوگا اور اگر ذلت کروگے تو ذلیل ہوگا، علم کے پاس لوگ جایا کرتے ہیں، علم نہیں آیا کرتا، رشید نے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں، اور لڑکوں کو حکم دیا کہ مسجد میں جاؤ تاکہ اور لوگوں کے ساتھ موطا سنو، اور امام ابوحنیفہ کوفیؒ بھی عابد اور زاہد اور خدائے تعالیٰ کے عارف اور اس سے ڈرنے والے اور اپنے علم سے اس کی رضا کے خواہاں تھے، آپ کی عبادت اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جو ابن مبارک سے مروی ہے، آپ صاحب مروت تھے اور نماز بہت پڑھتے تھے، اور حماد بن ابی سلیمان روایت کرتے ہیں کہ آپ تمام شب عبادت کرتے تھے اور روایت یوں ہے کہ آپ نصف شب عبادت کیا کرتے تھے، ایک روز آپ چلے جاتے تھے ایک شخص نے آپ کی طرف اشارہ کیا، دوسرے نے کہا کہ یہ وہ ہیں جو تمام شب عبادت کرتے ہیں، اس روز کے بعد سے پھر امام صاحب نے تمام شب عبادت کرنی شروع کر دی، اور فرمایا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس کی عبادت جتنی میں نہ کرتا ہوں اس قدر لوگ مجھ میں بتاویں، اور آپ کا زہد ان روایتوں سے ثابت ہے کہ ربیع بن عاصم کہتے ہیں کہ مجھ کو یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے بھیجا، میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اس کے سامنے لے گیا، اس نے چاہا کہ آپ بیت المال کے حاکم ہوں، آپ نے انکار کیا، اس نے آپ

ح مدینہ ان کے لیے بہتر ہے جو وقوف رکھتے ہوں ۱۲ بخاری ومسلم بروایت سفیان ح مدینہ اپنے میل کو ایسا چھانٹتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا میل دور کرتی ہے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت عائشہؓ۔

کے بیس کوڑے مارے تو دیکھو کہ حکومت سے کیسے انکار کیا، اور مار کو برداشت فرمایا، اور حکم بن ہشام ثقفی نے کہا ہے کہ مجھ سے شام میں امام صاحب کے بارے میں ایک روایت کسی نے کی کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ امین تھے اور بادشاہ نے چاہا کہ ان کو اپنے خزانوں کی کنجیاں سپرد کردے ورنہ ان کو پٹوادے، آپ نے دنیا کا عذاب اختیار کیا اور خدائے تعالیٰ کے عذاب کی جرأت نہ کی، اور ابن مبارک کے سامنے جو آپ کا ذکر ہوا تو کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تم ایسے شخص کا ذکر کرتے ہو کہ جس پر تمام دنیا پیش کی گئی اور اس سے گریز کی۔ اور محمد بن شجاع آپ کے بعض شاگردوں سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کسی نے کہا کہ آپ کے لیے امیر المؤمنین ابو جعفر منصور نے دس ہزار درہم دینے کو کہا ہے، آپ راضی نہ ہوئے اور جب وہ دن ہوا جس میں توقع اس مال کے آنے کی تھی، آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور منہ لپیٹ لیا، اور کسی سے کچھ کلام نہ کیا پھر حسن بن قحطبہ کا قاصد وہ مال لے کر آپ کے پاس آیا، آپ اس سے کچھ نہ بولے، بعض حاضرین نے کہا کہ آپ ہم سے بھی ایک آدھ بات کبھی کرتے ہیں، یعنی آپ کی عادت ایسی ہی ہے کہ کلام نہیں کرتے، اس مال کو تم اس تھیلی میں مکان کے گوشے میں رکھ دو، پھر مدت کے بعد امام صاحب نے اپنے سب اثاث البیت کی وصیت کی اور اپنے لڑکے سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھ کو دفن کر چکو تو اس تھیلی کو حسن بن قحطبہ کے پاس لے جانا اور کہنا کہ یہ تمہاری وہ امانت ہے جو تم نے ابو حنیفہؒ کے سپرد کی تھی، آپ کے صاحبزادے نے وصیت کے بموجب تعمیل کی، حسن نے فرمایا کہ رحمت ہو خدا کی تیرے باپ پر اس لیے کہ وہ اپنے دین پر نہایت حریص تھے اور روایت ہے کہ ان سے عہدۂ قضا کے لیے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ میں اتنی لیاقت نہیں، لوگوں نے پوچھا کس وجہ سے، آپ نے فرمایا اگر میں سچا ہوں، تب تو واقع میں اس کے لائق نہیں، اور اگر اس قول میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا شخص عہدۂ قضا کی لیاقت نہیں رکھتا اور آپ کا طریق آخرت سے ماہر ہونا اور امور دینی کی راہ سے واقف ہونا اور خدائے تعالیٰ کا عارف ہونا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے اور دنیا میں زاہد تھے، چنانچہ ابن جریج نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ تمہارا کوفی نعمان بن ثابت خدائے تعالیٰ سے بہت ڈرتا ہے، اور شریک نخعی کہتے ہیں کہ امام اعظم سکوت بہت رکھتے تھے اور ہمیشہ فکر میں مستغرق رہتے، لوگوں سے کلام کم کرتے تو یہ امور صاف دلیل ہیں، باطن کے علم اور دینی مہمات میں مشغول رہنے پر اس لیے کہ جس کو سکوت اور زہد عنایت ہو اس کو علم کامل عطا ہوا، یہ ہے مختصر بیان تینوں اماموں کے احوال کا اور حضرت احمد بن حنبلؒ اور سفیان ثوریؒ کا حال یہ ہے کہ ان کے تابع بہ نسبت ان تینوں اماموں کے کم ہیں اور سفیان ثوری کے تابع امام احمد کی نسبت کر بھی کم ہیں، لیکن یہ دونوں ورع اور زہد میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ ساری کتاب ان دونوں کے افعال و اقوال سے بھری ہے، اس لیے اس وقت کچھ ضرورت تفصیل کی نہیں، پس اب تم ان تینوں اماموں کی سیرتوں میں غور کرو، اور سوچو کہ یہ حالات اور افعال اور اقوال دنیا سے اعراض کرنے کے اور خالص خدا کے لیے ہو رہنے کے بھلا علم فقہ کی فروعات یعنی سلم اور اجارہ اور ظہار اور ایلا اور لعان کے جاننے سے ہوتے ہیں، یا یہ دوسرے ہی علم سے پیدا ہوتے ہیں جو فقہ سے اعلیٰ اور اشرف ہے، اور تامل کر کے جو لوگ ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔

تیسری فصل:

ان علوم کا ذکر جنہیں لوگ تو اچھا کہتے ہیں لیکن وہ اچھے نہیں

ذیلی فصل ۱: بعض علوم کے بُرا ہونے کی وجوہات

شاید تم یہ اعتراض کرو کہ علم کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی چیز کو جیسی وہ ہے، اسی طرح پر جاننا اور علم خدائے تعالیٰ کے صفات میں سے بھی ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز علم ہو کر مذموم اور بُری ہووے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم کی برائی خود علم ہونے کی جہت سے نہیں ہوتی بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں میں سے کسی کے پائے جانے سے بُرا کہا جاتا ہے، اوّل یہ کہ وہ عالم کے حق میں یا دوسرے کے حق میں انجام کو مضر ہوتا ہو، جیسے علم سحر اور طلسمات کو بُرا کہتے ہیں حالانکہ علمِ سحر حق ہے اس لیے کہ قرآن اس کا شاہد ہے کہ سحر ایک سبب ہے جس کو خاوند بی بی میں جُدائی ڈالنے کا ذریعہ کرتے ہیں، اور صحیحین میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے جادو کر دیا تھا اور اس کے سبب سے آپ بیمار ہو گئے تھے، یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام نے اس کی خبر آپ کو دی، اور وہ جادو ایک کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے سے نکالا گیا، اور جادو ایک علم کی قسم ہے کہ جواہر کے خواص اور ستاروں کے مطلوعوں میں حسابی امور کے جاننے سے حاصل ہوتا ہے اس طرح کہ ان جواہر سے ایک پتلی اس شخص کی صورت پر بناتے ہیں جس پر جادو کرتے ہیں اور ایک خاص وقت کے منتظر رہتے ہیں جب وہ وقت ستارے کے نکلنے کا آتا ہے تو اس پتلی پر چند کلمات کفر اور فحش خلاف شرع بولتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے شیطانوں سے مدد چاہتے ہیں اور ان سب تدبیروں سے بحکم عادت جاریہ خدائے تعالیٰ کے مسحور شخص میں عجیب حالات پیدا ہوتے ہیں اور معرفت ان اسباب کی اس اعتبار سے کہ معرفت ہے بری نہیں، مگر چونکہ بجز خلق کے ضرر کرنے کے اور بدی کا وسیلہ ہونے سے اور کسی بات کی ان میں لیاقت نہیں، اس سبب سے ان کے جاننے کو علم مذموم کہتے ہیں بلکہ اگر کوئی ظالم کسی ولی کے قتل کا درپے ہو اور وہ اس سے ڈر کر کسی مضبوط جگہ میں جا چھپے تو ظالم اس کا حال پوچھے تو اس کی جگہ بتانی نہ چاہیئے اور جھوٹ اس موقع میں واجب ہے حالانکہ اس کی جگہ کا ذکر کرنا بتانا ہے اور حقیقی حال کا جتا دینا لیکن برا اسی وجہ سے ہے کہ انجام کو مضر ہے دوم یہ کہ وہ علم غالباً عالم کے حق میں مضر ہو، مثلاً علم نجوم کہ وہ خود اپنی ذات سے برا نہیں کیونکہ وہ یا تو حساب کے متعلق ہے، اور قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے کہ آفتاب اور چاند کی چال حساب سے ہے چنانچہ ارشاد فرمایا الشمس والقمر بحسبان[۱] اور فرمایا والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم[۲] یا احکام میں جن

---

[۱] سورج اور چاند کو ایک حساب ہے ۱۲ [۲] اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آرہی ہے جیسے ٹہنی پرانی ۱۲

کا ماحصل سببوں سے واقعات کا بتانا ہے یہ ایسا ہے جیسے طبیب نبض سے بتادیتا ہے کہ یہ مرض عنقریب پیدا ہوگا غرضکہ اس کا جاننا خلق میں خدائے تعالیٰ کی عادت کا معلوم کرنا ہے، مگر شرع نے اس کو برا کہا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب[1] تقدیر کا معاملہ ہو تو چپ ہو جاؤ اور جب نجوم کا ذکر ہو تو چپ رہو اور جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو سکوت کرد۔ اور فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین[2] باتوں سے ڈرتا ہوں۔ ایک اماموں کا ظلم کرنا۔ دوم نجوم کا معتقد ہونا سوم تقدیر کا معتقد نہ ماننا۔ اور حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نجوم کو اس قدر سیکھو کہ اس سے خشکی اور تری میں تم کو راہ ملے، پھر رُک رہو اور اس سے منع کرنے کی تین وجہیں ہیں۔ اول یہ کہ اکثر خلق کو یہ مضر ہوتا ہے یعنی جب یہ باتیں دل میں پڑتی ہیں کہ حالات ستاروں کی چال کے بعد اس طرح ہوتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی جمتا ہے کہ تاثیر کرنیوالے ستارے ہی ہیں اور یہی معبود ہیں جو انتظام کرتے ہیں اس لیے کہ یہ اجسام اور جواہر لطیف آسمان پر ہیں اور ان کی عزت دل میں بڑھ جاتی ہے اور توجہ دلی انہیں کیطرف رہتی ہے۔ خیر کی توقع اور شر سے بچاؤ انہیں کے جہت سے معلوم ہونے لگتی ہے، اللہ پاک کا ذکر دل سے مٹ جاتا ہے اس لیے کہ ضعیف آدمی کی نظر ذریعوں تک ہی رہتی ہے، اور پکا عالم البتہ واقف ہوتا ہے اور چاند اور سورج اور ستارے سب خدائے تعالیٰ کے امر کے مطیع ہیں۔ ضعیف آدمی کہ سورج کی جوت سورج نکلنے کے باعث دیکھتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے چیونٹی کہ بالفرض اس کو عقل ہو اور کاغذ پر موجود ہو اور دیکھ رہی ہو کہ قلم کی سیاہی سے کاغذ سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے تو وہ یہی اعتقاد کرے گی کہ لکھنا قلم ہی کا فعل ہے، اس کی نظر قلم سے انگلیوں پر اور ان سے ہاتھ پر، اور ہاتھ سے ارادے پر، اور ارادے سے کاتب پر جو ارادہ کر رہا ہے۔ اور کاتب اس کی قدرت اور ہاتھ کے بنانے والے پر ہرگز ترقی نہ کرے گی، غرض کہ خلق کی نظر اکثر قریب اور نیچے کے ذریعوں پر رہ کر مسبب الاسباب تک ترقی سے باز رہتی ہے، اس لیے نجوم کے سیکھنے کی ممانعت کی گئی، دوسری وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ نجوم کے احکام صرف اٹکلی ہیں۔ ہر فرد خاص کے باب میں نہ یقینی معلوم ہوتے ہیں نہ ظنی، تو اس کے ذریعہ سے حکم کرنا جہالت پر حکم کرنا ہے، اس صورت میں اس کی برائی اس اعتبار سے ہے کہ وہ جہل ہے، علم ہونے کی جہت سے نہیں کیونکہ یہ تو معجزہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے جیسا کہ مروی ہے۔ اور یہ علم جاتا رہا اور مٹ گیا، اور اگر منجم کی کوئی بات سچی بھی ہوتی ہے تو وہ اتفاقی ہے، اس لیے کہ منجم بعض اوقات کسی سبب پر واقف ہوتا ہے، اور مسبب اس کے بعد بدوں بہت سی شرطوں کے ہو جانے کے نہیں ہوتا، اور ان شرطوں پر واقف ہونا آدمی کے اختیار میں نہیں، پس اگر اتفاقاً خدائے تعالیٰ باقی شرطوں کو بھی مقدر فرما دیتا ہے تب تو منجم کا قول درست ہو جاتا ہے اور اگر باقی سبب نہیں ہوتے تو اس کا کہنا غلط ہوتا ہے اور اس کا حال ایسا ہے، جیسے کوئی شخص دیکھے کہ پہاڑوں پر سے بادل اُٹھ اُٹھ کر جمع ہوتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں تو وہ اٹکل سے کہہ دے کہ آج مینہ برسے گا، حالانکہ اکثر بعد ایسے ابر کے بھی آفتاب نکل آتا ہے اور ابر جاتا رہتا ہے اور کبھی مینہ بھی برستا ہے تو صرف ابر کا ہونا ہی مینہ کے آنے میں کافی

---

[1] طبرانی بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [2] ابن عبد البر بروایت ابی محجن بسند ضعیف ۱۲

نہیں جب تک اور اسباب کا علم نہ ہو، اسی طرح ملاح کا قیاس کرنا کہ کشتی سلامت رہے گی یعنی ہمیشہ سے ہواؤں کا عادی ہے، اسی پر اعتماد کر کے کہہ دیتا ہے حالانکہ ان ہواؤں کے اور سبب خفیہ بھی ہیں کہ ان پر اس کو اطلاع نہیں، اسی لیے تو کبھی اس کا کہنا ٹھیک ہوتا ہے اور کبھی اٹکل غلط ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قوی شخص کو بھی نجوم کی ممانعت ہوئی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس علم سے کچھ فائدہ نہیں، اس لیے کہ ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ امر فضول میں خوض کرنا ہے جس کی حاجت نہیں اور ایک امر بے فائدہ میں عمر سی چیز کو جو زیادہ نفیس سرمایہ انسان کا ہے، تلف کرنا ہے اور یہ بات نہایت درجے کے نقصان کی ہے، چنانچہ آنحضرت[خ] صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گذرے کہ لوگ اس کے گرد جمع تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بڑا عالم ہے، آپ نے فرمایا کہ کس چیز کا، عرض کیا کہ شعر کا اور عرب کے نسبوں کا آپ نے فرمایا کہ یہ علم ہے کہ مفید نہیں، اور جہل ہے کہ مضر نہیں اور فرمایا انما العلم[ح] اٰیۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ اس سے ثابت ہوا کہ نجوم میں اور اس جیسے علوم میں خوض کرنا خطرہ میں پڑنا اور جہالت میں بے فائدہ مصروف ہونا ہے، اس لیے کہ جو کچھ تقدیر میں ہے وہ ہوتا ہے، اس سے بچنا غیر ممکن ہے بخلاف طب کے کہ اس کی طرف ضرورت داعی ہے اور اس کی اکثر دلیلیں ایسی ہیں جن پر اطلاع ہو جایا کرتی ہے اور بخلاف تعبیر کے کہ ہر چند وہ قیاسی ہے، مگر نبوت کے حصوں میں سے چھیالیسواں حصہ ہے اور اس میں کچھ اندیشہ نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آدمی اگر ایسی بات میں خوض کیا کرتا ہے جس کا عمل اس کو نہیں ہوتا، گو وہ اس کے حق میں مضر ہوتی ہے، مثلاً باریک اور خفیہ علوم کا سیکھنا پیشتر ادنیٰ اور ظاہر علموں کے جس طرح اسرار الٰہی میں بحث کرنی، کہ حکما اور اہل کلام نے ان پر اطلاع چاہی، حالانکہ ان کے حوصلے سے یہ اسرار زائد تھے، ان کی تاب اور ان میں سے بعض کے طریقوں پر اطلاع بجز انبیاء اور اولیاء کے اور کسی کو نہیں ہو سکتی، اس لیے ان کی بحث سے لوگوں کو روکنا اور جس قدر شرع میں وارد ہے اس کا معتقد کرنا ضرور ہے کہ توفیق یافتہ شخص کے لیے اس قدر کافی ہے، اس لیے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی علوم میں خوض کرتا ہے اور ان سے ضرر پاتا ہے، اگر وہ ان میں خوض نہ کرتا تو اس کا حال دین میں اس سے اچھا ہوتا جو علوم میں خوض کرنے سے ہو گیا، اور علم کا مضر ہونا بعض لوگوں کے حق میں یقینی ہے، اس میں انکار نہیں ہو سکتا جیسے پرند کا گوشت اور لطیف حلوے شیر خوار بچے کو مضر ہیں، بلکہ بعض آدمیوں کو بعض باتوں سے جاہل ہی رہنا مفید پڑ جاتا ہے، چنانچہ مروی ہے کہ کسی شخص نے بی بی کے بانجھ ہونے کی شکایت طبیب سے کی، طبیب نے اس عورت کی نبض دیکھی اور کہا کہ تجھ کو بچہ پیدا ہونے کی دوا کرنی ضرور نہیں، کیونکہ تیری نبض سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ چالیس دن میں تو مر جاوے گی، عورت کو نہایت خوف معلوم ہوا اور زندگی تلخ ہو گئی اور اپنا مال سب تقسیم کر دیا، اور وصیت کی اور دانہ پانی سب چھوڑ دیا، یہاں تک کہ مدت گذر گئی اور نہ مری، اس کا شوہر طبیب کے پاس آیا اور کہا کہ

خ ابن عبدالبر بروایت ابوہریرۃ رضی ۱۲ ح علم تین ہیں، یا آیت حکم کا یا سنت جاری کا یا کام کا جو کتاب و سنت سے نکلتے ہیں ۱۲ ابوداؤد بروایت عبداللہ ابن عمر رضی ۱۲

وہ تو نہیں مری، طبیب نے کہا کہ مجھے بھی یہ بات معلوم ہوتی تھی، اب تو اس سے صحبت کر کہ تیرے اولاد اس سے ہو گی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیسے، کہا کہ میں نے اس کو موٹا دیکھا کہ چربی اس کے بچہ دان کے منہ پر جم رہی ہے، میں نے سمجھا کہ یہ بدوں موت کے خوف سے دبلی نہ ہو گی، اس لیے میں نے اس کو موت سے ڈرایا تھا، اب کہ وہ دبلی ہو گئی، تو بچہ جننے کی روک جو تھی، وہ جاتی رہی۔ اس حکایت سے تم کو معلوم ہو گا کہ بعض علوم کے واقف ہونے میں خطرہ ہوتا ہے۔ اور اسی سے تم کو معنی اس حدیث شریف کے معلوم ہو جاویں گے نعوذ باللّٰہ من علم لا ینفع[ح] تو اس حکایت کا اعتبار کرو اور جن علوم کی مذمت شریعت نے کی ہے اور ان سے منع فرمایا ہے، ان کا حال مت دریافت کرو، اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کو لازم کر لو اور اتباع سنت پر کفایت کرو کہ سلامتی اتباع میں ہے اور اشیاء کی بحث و تحقیق میں خطرہ ہے اور اپنی رائے اور عقل اور دلیل و برہان پر مت بھولو کہ ہم اشیاء کی بحث اس لیے کرتے ہیں کہ چیزیں جوں کی توں معلوم ہو جاویں، اور علم میں فکر کرنے سے ضرر کیا ہے، کیونکہ اس علم کا ضرر تم کو فائدہ سے زیادہ ہو گا، اور اکثر چیزیں جن پر تم واقف ہوتے ہو، ایسی ہیں کہ ان پر تمہارا واقف ہونا اتنا ضرر کرے گا کہ آخرت میں اگر خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تدارک نہ فرمایا تو تم کو تباہ کر ڈالے گا۔ اور واضح ہو کہ جس طرح علاج کے اسرار کو طبیب حاذق جانا کرتا ہے اور ناواقف اس علاج کو بعید سمجھتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام دلوں کے طبیب ہیں اور آخرت کی زندگی کے اسباب سے واقف پس ان کے طریق پر اپنی عقل کو فائق نہ کرنا چاہیے ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، دیکھو بعض دفعہ کسی شخص کی انگلی میں کوئی مرض ہوتا ہے تو اس کی عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ انگلی پر لیپ کرے، مگر طبیب حاذق اس کا علاج بعض اوقات یہ بتاتا ہے کہ دوسری طرف کے شانے پر لیپ کرو، وہ اس بات کو نہایت بعید جانتا ہے اس لیے کہ اس کو پٹھوں کے پھوٹنے اور اس کے اُگنے کی کیفیت معلوم نہیں، اور اسی طرح کا حال آخرت کی راہ کا، اور شرع کی سنتوں اور مستحبات کے دقائق کا ہے، اور شرع نے جو عقیدے لوگوں کے عبادات کے مقرر کیے ہیں ان میں وہ اسرار اور لطیف باتیں ہیں کہ عقل کا حوصلہ نہیں کہ ان کو معلوم کر سکے، جیسے کہ پتھروں کے خواص میں بعض عجیب باتیں ہیں کہ اہل فنون سے ان کا علم پوشیدہ ہے، مثلاً آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوا کہ مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے اور دواؤں اور پتھروں کی نسبت عجائب اور غرائب عقیدوں میں اور ان عملوں میں بہت زیادہ اور بڑھ کر ہیں جن سے دلوں کی صفائی اور طہارت اور اصلاح ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے قرب کی طرف ترقی اور اس کے فضل کے نفحات کی سیر نصیب ہوتی ہے اور جس طرح کہ دواؤں کے کل فائدوں کے معلوم کرنے سے عقلیں عاجز ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ان کا تجربہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح جو ممکن تھی، اگر بالفرض کچھ مرنے دنیا میں آکر کہہ جایا کرتے کہ جو عقل مقبول اور خدائے تعالیٰ کے قرب کے مفید ہیں وہ یہ ہیں، اور جو اس سے دور کرتے ہیں، وہ یہ ہیں، اسی طرح عقائد کا حال کہہ دیا کرتے، مگر اس طرح کے تجربہ کی طمع نہیں ہو سکتی، اس صورت میں عقل کا نفع اس قدر تم کو بس ہے کہ وہ تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا جاننے کی طرف ہدایت کرے، اور آپ کے اشاروں کے منشاء اور

[ح] پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ سے اس علم سے جو مفید نہ ہو۔ ۱۲ ابن عبد البر بروایت جابر ۱۲

مورد سمجھا دے، پس جب یہ صورت ہو جائے تو اس کے بعد عقل کو معزول کر دو کہ کچھ تصرف نہ کرے اور اتباع کو اپنے اوپر لازم کرو کیونکہ تمہاری سلامتی اتباع ہی سے ہو گی، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انّ[ا] من العلم جهلا وان من القول عيا اور ظاہر ہے کہ علم تو جہل نہیں ہوا کرتا۔ مگر اس کی تاثیر ضرر پہنچانے میں جہل کی طرح ہوتی ہے اور نیز ارشاد فرمایا کہ[ب] تھوڑی سی توفیق بہت سے علم سے بہتر ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ درخت بہت سے ہیں، مگر سب بار آور نہیں، اور پھل بہت سے ہیں مگر سب بہتر نہیں اور علوم بہت سے ہیں الا سب مفید نہیں۔

ذیلی فصل ۲: وہ علوم جن کے الفاظ بدل گئے

واضح ہو کہ برے علم جو شرعی علوم میں مل جل گئے اس کا سبب یہی ہے کہ لوگوں نے عمدہ ناموں کو اپنی فاسد غرضوں کی جہت سے اور معنوں میں بدل ڈالا ہے اور جو غرض ان الفاظ سے پہلے نیک بخت اور قرون اولی کے لوگ کیا کرتے تھے، اس سے ان الفاظ کو تحریف کر کے اور مقصود ٹھہرا لیا ہے اور وہ پانچ لفظ ہیں، فقہ اور علم اور توحید اور تذکیر اور حکمت یہ الفاظ عمدہ ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ موصوف تھے، وہ دین کے رکن ہوتے تھے مگر اب یہ الفاظ برے معنوں میں منقول ہو گئے ہیں، اسی لیے جو ان سے موصوف ہوتا ہے اس کی مذمت کرنے سے دلوں کو نفرت ہوتی ہے کیونکہ یہ تو اول عمدہ لوگوں پر بولے جاتے تھے مثلاً اول لفظ فقہ ہے اس میں لوگوں نے خصوصیت لگانے کا تصرف کیا ہے نقل و تبدیل نہیں کی یعنی فقہ کو اس معنی میں خاص کر دیا کہ فتوؤں کے عجیب فروعات اور ان کی علتوں کے دقائق کو جاننا، اور ان میں بہت سی گفتگو کرنی، اور جو اقوال ان سے متعلق ہوں ان کو یاد کرنا فقہ کہلاتا ہے، تو جو شخص ان باتوں میں خوب غور کرتا ہو اور زیادہ مشغول ہو، وہ بڑا فقیہ کہلاتا ہے، حالانکہ پہلے زمانے میں لفظ فقہ کے یہ معنی نہ تھے، بلکہ مطلق طریق آخرت اور نفسوں کی آفتوں کے دقائق اور مفسدات عملوں کے جاننے اور دنیا کی حقارت کو خوب طرح حاوی ہونے اور لذت آخرت سے اچھی طرح واقف ہونے اور دل پر خوف چھاتے رہنے کا نام فقہ تھا، اور اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے لیتفقهوا[ج] فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم کہ جس فقہ سے کہ ڈرانا اور خوف دلانا ہوتا ہے، وہ یہی فقہ ہے جو ہم نے بیان کی، نہ طلاق، اور عتاق کے مسئلے اور لعان اور سلم اور اجارہ کے فروعات کہ ان سے ڈرانا اور خوف دلانا کچھ بھی نہیں، بلکہ اگر ہمیشہ انہیں کا ہو رہے تو دل کو سخت کرتے ہیں اور خوف کو دل سے نکالتے ہیں، چنانچہ جو لوگ اب انہیں کے درپے ہو رہے ہیں، ان کا حال دیکھتے ہی ہو، اور اللہ جل شانہ بھی یہ ارشاد فرماتے ہیں لهم[د] قلوب لا یفقهون بها اس سے ایمان کی باتیں نہ سمجھنے سے مراد ہے فتووں کے نہ سمجھنے سے غرض نہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اور فہم ایک ہی معنی کے لیے دو لفظ ہیں اور استعمال کی رو سے پیشتر اور حال میں انہیں معنوں میں بولے جاتے ہیں جو ہم نے لکھے ہیں اللہ تعالیٰ

[ا] البتہ بعض علم جہل ہیں اور بعض قول کلام میں رک ہونا اور متحیر ہونا ہیں ۱۲ ابو داؤد بروایت بریدہ مگر اسناد میں ایک راوی گمنام ہے [ب] اس کی اصل نہیں ملی مگر صاحب فردوس نے ابو الدرداء سے روایت کی ہے جس میں علم کے بدلے میں عقل کا لفظ ہے ۱۲ [ج] تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب پھر آویں ان کی طرف ۱۲ [د] ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں ۱۲

نے ارشاد فرمایا ہے لانتم اشد رھبۃ فی صدورھم من اللہ ذلک بانھم قوم لا یفقھون ٥ اس میں خدائے تعالیٰ سے لوگوں کے کم ڈرنے اور خلق خدا کا دبدبہ جاننے کو فقہ کی کمی پر حوالہ فرمایا ہے۔ تو تامل کر وکہ یہ بات فروعات فتاوے کی نہ یاد رکھنے کا ثمرہ ہے یا جن باتوں کو ہم نے لکھا ہے ان کے نہ ہونے کا نتیجہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو، جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، فرمایا تھا، علماء، حکماء، فقہاء، یعنی یہ لوگ دانا اور حکیم اور فقیہہ ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ فتاوے کے فروعات کو نہ جانتے تھے۔ اور سعد بن ابراہیم زہری رحؒ سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے کون زیادہ فقیہہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتا ہے، گویا انہوں نے فقہ کے ثمرہ کو بتادیا، اور خوف خدا علم باطن کا ثمرہ ہے نہ فتووں اور مقدمات کا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کیا میں تم کو پورا فقیہہ نہ بتادوں، لوگوں نے عرض کیا کہ ارشاد ہو، آپؐ نے فرمایا کہ پورا فقیہہ وہ ہے کہ لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور اس کے فیض سے ان کو یاس نہ دلاوے، اور قرآن کے سوا دوسری چیز کی رغبت میں قرآن کو ترک نہ کر دے۔ اور جب انس رضؓ بن مالکؓ نے اس حدیث کو بیان فرمایا کہ[ت، ح] لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ تعالیٰ من غدوۃ الی طلوع الشمس احب الی من ان اعتق اربع رقاب تو یزید رقاشی اور زیاد نمیری کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ذکر کی مجلسیں پیشتر ایسی نہ تھیں، جیسی یہ تمہاری مجلسیں ہیں کہ تم میں سے ایک قصہ کہتا ہے اور وعظ کہتا ہے، اور خطبہ لوگوں کے سامنے پڑھتا ہے اور حدیث بہم بیان کر دیتا ہے ہم تو یوں کرتے تھے کہ بیٹھ کر ایمان کا ذکر کرتے اور قرآن کو سمجھتے اور دین میں فہم لگاتے، اور اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر شمار کرتے، اس روایت میں حضرت انس رضؓ نے قرآن کے سمجھنے اور نعمتوں کے شمار کرنے کو دین کی سمجھ یعنی تفقہ فرمایا اور ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ آدمی پورا فقیہہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی ذات پاک میں لوگوں کو اپنے اوپر ناخوش نہ کرلے اور قرآن کے لیے بہت سی وجہیں نہ اعتقاد کرے، یہ روایت ابو درداء رضؓ پر موقوف بھی مروی ہے اور اس میں اتنا جملہ اور ہے کہ پھر وہ اپنے نفس پر متوجہ ہوا اور سب سے زیادہ اس سے ناخوش رہے، اور فرقد سنجیؒ نے حسن بصریؒ سے کوئی بات پوچھی، آپ نے اس کا جواب دیا، انہوں نے کہا کہ فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں، حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اے فرقد تو نے فقیہہ اپنی آنکھ سے کہیں دیکھا ہے۔ فقیہہ تو وہ ہے جو دنیا میں زاہد اور آخرت کا راغب اور اپنے دین میں عقل رکھنے والا، اور اپنے رب کی عبادت پر مداومت رکھنے والا اور پرہیزگار اور اپنے نفس کو مسلمانوں کی اعراض سے بچانے والا اور ان کے مالوں کی طرف رُخ نہ کرنے والا، اور اہل اسلام کی جماعتوں کا خیرخواہ ہو۔ یہ ساری باتیں آپ نے فرمائیں، ان میں یہ نہ فرمایا کہ فروعات فتاوے کا حافظ ہو اور ہم یہ نہیں کہتے کہ لفظ فقہ کو علم آخرت پر ہی بولا کرتے تھے، اب جو اس کو خاص کر دیا ہے تو اس خصوصیت سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا اور صرف فتاوی کے

ت البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دل میں اللہ سے، یہ اس لیے کہ وہ لوگ بوجھ نہیں رکھتے ۱۲ ح ابو نعیم بروایت سوید بن الحارث بسند ضعیف ۱۲ ح ابن عبد البر بروایت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ ت مجھ کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جو صبح سے آفتاب کے نکلنے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اس بات سے اچھا ہے کہ چار بردے آزاد کر دوں ۱۲ ابو داؤد بروایت انس رضؓ ۱۲

احکام ہی کے ہو رہے اور علم آخرت سے اور دلوں کے احکام سے روگردانی کر لی، اور اپنی اس تجویز پر طبیعت کی طرف سے ایک سہارا پایا، کیونکہ علمِ باطن تو باریک ہے اور اس پر عمل کرنا مشکل اور اس کے باعث اور عہدوں اور جاہ و مال کا ملنا دشوار ہے، اس لیے شیطان نے اس فقہ ظاہری کے دلوں میں جمانے کا خوب ہی موقع پایا کہ وہ فقہ جو شرع میں عمدہ علم تھا اس کو خاص اس علم فتاویٰ کے لیے کر دیا دُوسرا لفظ علم ہے کہ بیشتر خدائے تعالیٰ کی معرفت اور اس کی آیات کے جاننے اور بندوں میں اور مخلوقات میں اس کے افعال کو پہچاننے کے لیے بولتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تھی، تو حضرت ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا تھا مات تسعۃ اعشار العلم[1] اس علم کے نویں دسویں حصے جاتے رہے، آپ نے علم کو معرفت بولا، پھر خود اس کی تفسیر کر دی کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس سے مراد ہے، اس لفظ میں بھی لوگوں نے خصوصیت کا تصرف کیا ہے، یعنی اکثر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ جو شخص طرف مقابل سے مسائل فقہیہ وغیرہ میں خوب مناظرہ کرے اور اسی میں مصروف رہے حقیقت میں عالم وہی ہے، فضیلت کی پگڑی اسی کے سر پر ہے، اور جو مناظرہ میں مہارت نہ رکھتا ہو اس میں پہلوتہی کرے اس کو ضعیف جانتے اور اہلِ علم میں شمار نہیں کرتے، حالانکہ علم کے یہ معنی پہلے نہ تھے، یہ انہی لوگوں کا تصرف ہے بلکہ جو کچھ علم اور علماء کی فضیلت میں وارد ہوا ہے، وہ انہیں علماء کی صفت ہے جو خدائے تعالیٰ اور اس کے احکام اور افعال اور صفات کو جانتے ہوں، اب عالم ان کو کہنے لگے کہ علم شرع سے تو کچھ بھی نہ جانتا ہو، صرف مسائل خلافی میں لڑنے جھگڑنے کا طریق یاد ہو اسی سے یکتا عالموں میں گنے جاتے ہیں، گو تفسیر اور حدیث اور مذہب وغیرہ کو خاک نہ جانتے ہوں، اور یہی امر بہت سے طالب علموں کے حق میں سبب ہلاک ہو گیا ہے تیسرا لفظ توحید ہے جس کے معنی اب یہ ٹھہرے ہیں کہ فنِ کلام اور طریقِ جدل سے واقف ہونا اور طرف ثانی کی مخالف باتوں پر حاوی ہونا اور ان باتوں کے باب میں بہت سے سوال بنا ڈالنے اور کثرت سے اعتراض نکالنے اور طرف ثانی کو الزام دینا یہاں تک کہ اکثر جدید فرقوں نے ایسے لوگوں میں سے اپنا لقب اہل عدل و توحید ٹھہرایا ہے اور کلام والوں کا نام توحید کے عالم رکھا ہے باوجودیکہ جو باتیں خاص اس فن کی ہیں، ان میں سے کوئی بھی اوّل میں نہ تھی بلکہ وہ لوگ اس شخص پر جو جدل اور خصومت کا باب کھولتا تھا سخت انکار سے پیش آتے تھے اور جن پر کہ قرآن مجید شامل ہے، یعنی دل میں صاف صاف کہ ذہن ان کے نہ ماننے کو مبادرت کرتے ہیں، اور سنتے ہی قبول کرتے ہیں اُن کو ان میں سے ہر ایک شخص جانتا تھا اور قرآن مجید کا علم پورا علم تھا، اور ان کے نزدیک توحید امر آخرت کو کہتے تھے جس کو اکثر کلام نہیں سمجھتے ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے اور وہ یہ ہے کہ سب کاموں کا خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعتقاد کرے اس طرح کہ پھر توجہ اسباب اور ذریعہ کی طرف نہ رہے، یعنی خیر اور شر کو بجز خداوند کریم کے اور کسی طرف سے اعتقاد نہ کرے، اور یہ توحید ایک بڑا مرتبہ ہے جس کا ایک ثمرہ توکل ہے جس کا بیان باب توکل میں آتے گا، اور اس کا ایک ثمرہ خلق کی شکایت نہ کرنی اور ان پر غصہ نہ کرنا اور خدا کے حکم پر راضی ہونا اور سب کام اسی کے حوالہ کر دینے میں ہے اور اسی توحید کا ایک ثمرہ یہ تھا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ بیمار ہوتے اور لوگوں نے کہا، ہم آپ کے لیے

---

[1] ابن عبدالبر بروایت شداد ابن اوس اور کہا کہ یہ حدیث مرفوع ثابت نہیں ہے ۱۲

طبیب کو بلادیں تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے، اور ایک روایت یوں ہے کہ جب آپ بیمار ہوئے اور لوگوں نے کہا کہ طبیب نے آپ کے مرض کے باب میں کیا کہا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ طبیب نے کہا ہے انی فعال لما یرید یعنی میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں، اور عنقریب باب توکل اور توحید میں انشاء اللہ اس کے دلائل مذکور ہوں گے اور توحید ایک جوہر نفیس ہے اور اس کے دو پوست ہیں، ایک مغز سے بہ نسبت دوسرے کے دور ہے، لوگوں نے لفظ توحید پوست کے لیے اور اس فن کے لیے جس سے پوست کی حفاظت ہو، خاص کر دیا اور مغز کو بالکل چھوڑ دیا، پس توحید کا اول پوست تو یہ ہے کہ اپنی زبان سے کہو، لا الٰہ الا اللہ، اور یہ توحید وہ ہے جو تثلیث کے خلاف ہے، جس کے قائل نصاریٰ ہیں، مگر یہ توحید کبھی منافق سے سرزد ہوتی ہے، جس کا باطن ظاہر کے خلاف ہے اور دوسرا پوست توحید کا یہ جو قول زبان سے کہا ہے، دل میں اس کے مضمون کا خلاف اور انکار نہ ہو، بلکہ ظاہر قلب میں اس مضمون کا اعتقاد اور تصدیق موجود ہو اور یہ توحید عوام کی ہے اور کلام والے ہی اسی توحید کو اہل بدعت سے بچاتے ہیں جیسا پہلے گذرا، اور مغز توحید یہ ہے کہ سب امور کو خدائے تعالیٰ کی طرف اس طرح اعتقاد کرے کہ بیچ کے واسطوں پر التفات نہ رہے اور اس کی عبادت ایسی طرح کرے کہ جس سے خاص اسی کو معبود ٹھہراوے، دوسرے کی عبادت نہ کرے، اس توحید سے جو خواہش نفس کے پیرو ہیں وہ خارج ہیں، اس لیے کہ جو شخص اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے، وہ اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے افرأیت[1] من اتخذ الٰهه هواه اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بدتر معبود جس کی پرستش زمین میں کی جاوے وہ خواہش نفس ہے اور واقع میں اگر کوئی تامل کرے تو جان کے بت پرست بت کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ اپنی خواہش نفس کی عبادت کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفس اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف مائل ہے اور وہ اسی میل کا اتباع کرتا ہے اور نفس کا میل کرنا خوگرفتہ چیزوں کی طرف انہیں باتوں میں سے ہے جس کو خواہش نفس کہتے ہیں، اس توحید سے خلق پر غصہ کرنا اور ان کی طرف التفات کرنا بھی خارج ہے اس لیے کہ جو شخص سب باتوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعتقاد کرے گا، وہ دوسرے پر کیسے غصہ کرے گا، غرض کہ پیشتر اس مقام کو توحید کہا کرتے تھے اور یہ مقام صدیقوں کا ہے تو دیکھو کہ لوگوں نے اس کو کس چیز کی طرف بدل ڈالا اور کون سے پوست پر اکتفا کر لیا، اور اس کو مدح اور فخر کے باب میں کیسے تمسک ٹھہرالیا، باوجودیکہ جو اصل تعریف کی بات تھی، اس سے بالکل خالی ہیں، اور اس کا حال ایسا ہی ہے جیسا کوئی صبح کو اٹھ کر قبلہ رخ ہو کر کہے انی وجهت[2] وجهی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا کہ اگر اس کے دل کی توجہ خاص خدائے تعالیٰ کی طرف نہ ہوگی تو ہر روز اول ہی اول خدائے تعالیٰ سے جھوٹ بولا کرے گا، اس لیے کہ منہ سے مراد اگر ظاہر کا رخ ہے تو اس کا رخ تو کعبے کی طرف[3] ہے اور اس کو صرف اور جہتوں سے پھیر کر کعبے کی طرف کیا ہے اور کعبہ آسمان و

---

[1] بھلا دیکھ تو جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاہ کو ۱۲ ح طبرانی بروایت ابوامامہ بسند ضعیف ۱۲ [2] میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر ۱۲ [3] یعنی کعبہ کچھ اللہ تعالیٰ کی جہت نہیں، تاکہ جو کعبہ کو متوجہ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ اس کے حد کوئی جہت نہیں ۱۲ امیر علی

زمین بنانے والے کی طرف نہیں جو کعبہ کی طرف متوجہ ہوجاوے وہ تو جہتوں کے احاطے سے نرالا ہے، اور اگر منہ سے مراد کی توجہ ہے تو مقصود عبادت ہے تو جس صورت میں کہ دل دنیاوی حاجات اور اغراض میں مبتلا ہے اور مال اور جاہ کے جمع کرنے کے حیلے بنا رہا ہے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہے، اس صورت میں یہ قول کیسے سچا ہوگا کہ میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے آسمان و زمین بنائے، یہ جملہ اصل حقیقت توحید سے خبر دیتا ہے، واقع میں توحید والا وہی ہے کہ سوائے واحد حقیقی کے اور کسی کو نہ دیکھے اور اپنے دل کے رُخ کو بجز اس کے اور طرف نہ پھیرے، اور یہ توحید اس ارشاد کا ماننا ہے کہ قُلِ اللّٰہ[ف] ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون ۝ اور اس سے مراد زبانی قول سے نہیں، اس لیے زبان تو دل کے حال سے خبر دیتی ہے کبھی سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی، اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی جگہ دل ہے جو توحید کا معدن اور منبع ہے چوتھا لفظ ذکر و تذکیر ہے جس کے باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وذکر[ت] فان الذکرى تنفع المؤمنين اور ذکر کی مجلسوں کی تعریف کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں مثلاً ارشاد فرمایا اذا مررتم[ح] بریاض الجنۃ فارتعوا قیل وما ریاض الجنۃ قال مجالس الذکر اور دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے ان[خ] للہ تعالیٰ ملائکۃ سیاحین فی الھواء سوے ملئکۃ الخلق اذا راؤا مجالس الذکر ینادی بعضھم بعضا الا للھوا الی بغیتکم فیاتونھم و یحفون بھم ویستمعون الا فاذکروا اللہ واذکروا بانفسکم اس ذکر و تذکیر کو لوگوں نے بدل کر ان باتوں کا نام رکھ دیا جن کو زمانہ حال کے واعظ مدام بیان کرتے ہیں، یعنی قصے اور اشعار اور شطح اور طامات حالانکہ قصے بدعت ہیں اور اکابر سلف نے قصہ گو کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ قصے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ تھے، نہ حضرت ابوبکرؓ اور نہ حضرت عمرؓ کے وقت میں تھے، یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہوا اور قصہ گو نکل کھڑے ہوتے، اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک روز وہ مسجد سے نکلے اور فرمایا کہ مجھ کو قصہ گو ہی نے مسجد سے نکالا، اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ نکلتا، اور ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا کہ ہم قصہ گو کی طرف اپنے منہ کریں، انہوں نے فرمایا کہ بدعتیوں کی طرف سے اپنی پیٹھ پھیر لیا کرو،[ع] اور ابن عون کہتے ہیں کہ میں ابن سیرین کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آج کچھ نہ ہوا کہ امیر نے قصہ گوؤں کو قصہ کہنے سے منع کر دیا، آپ نے فرمایا کہ امیر کو بہتر توفیق ملی۔ اور اعمشؒ بصرہ کی جامع کے اندر

ف کہہ تو اللہ پھر چھوڑ ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں ١٢ ت اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو ١٢ ح جب تم جنت کے باغوں میں گذرو تو چرو، کسی نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں، فرمایا کہ ذکر کی مجلسیں ١٢ ترمذی بروایت انسؓ ١٢ خ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ ہوا میں سیر کرتے ہیں خلق کے فرشتوں کے علاوہ جب وہ ذکر کی مجلسوں کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ چلو تمہارا مطلب یہاں ہی ہے پس ذکر والوں کے پاس آکر ان کو گھیر لیتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں آگاہ رہو خدا کا ذکر کیا کرو اور نفسوں کو سمجھایا کرو ١٢ بخاری اور مسلم بروایت ابی ہریرۃ۔ لفظ سیاحین فی الھوا اس میں نہیں ہے، مسلم میں لفظ سیارہ ہے۔ اور ترمذی میں سیاحین فی الارض ہے ١٢ ع فی الاصل والبدع ظھورکم یعنی بدعتوں کی طرف اپنی پیٹھ کرو یعنی ان سے منہ موڑ ١٢

تشریف لے گئے، دیکھا کہ ایک شخص بیان کر رہا اور کہتا ہے کہ ہم سے اعمش نے روایت کی کہ آپ حلقہ کے اندر گھس گئے اور اپنی بغل کے بال اکھاڑنے لگے، واعظ نے کہا کہ میاں تمہیں شرم نہیں آتی، اعمش نے فرمایا کہ میں کیوں شرم کروں، میں تو امر مسنون کر رہا ہوں اور تو جھوٹا ہے کہ کہتا ہے اعمش نے ہم سے کہا ہے، میں اعمش ہوں، میں نے تم سے نہیں کہا، اور احمد کا ارشاد ہے کہ سب لوگوں میں زیادہ جھوٹے قصہ گو اور بھیک مانگنے والے ہیں اور حضرت علیؓ نے بصرہ کی جامع مسجد میں سے قصہ گو کو نکلوا دیا اور جبکہ حضرت حسن بصریؒ کا کلام سُنا تو ان کو نہ نکالا، اس لیے کہ وہ علم آخرت اور موت کے یاد دلانے، اور نفس کے عیوب اور آفتوں کے عمل پر متنبہ کرنے اور شیطانوں کے وسوسے اور ان سے بچنے کی تدبیر کے باب میں گفتگو کرتے تھے، اور خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اس کی شکر گذاری سے بندہ کا قاصر ہونا ذکر کرتے تھے، اور دنیا کی حقارت اور عیب اور ناپائداری اور بے وفائی اور آخرت کا خطرہ اور اس کے احوال کا اندیشہ بتاتے تھے، حاصل کہ عمدہ تذکیر شرعی یہی ہے جس کے لیے اس حدیث میں ترغیب وارد ہے جو ابوذرؓ سے مروی ہے کہ مجلسِ ذکر میں حاضر ہونا ہزار رکعت کے پڑھنے سے بہتر ہے اور مجلسِ علم میں آنا ہزار بیماروں کی عیادت سے اور ہزار جنازہ کے ساتھ ہونے سے اچھا ہے، کسی نے پوچھا یا حضرت قرآن مجید کی تلاوت سے بھی افضل ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآن کا پڑھنا بھی علم ہی سے مستفید ہے، اور عطاءؒ کا قول ہے کہ مجلس ذکر کی ستر لہو کی مجلسوں کا کفارہ ہوجاتی ہے، ان چکنی باتیں بنانے والوں نے ان حدیثوں کو اپنے نفسوں کی صفائی کے لیے ٹھہرالیا ہے اور اپنی خرافات کا نام تذکیر رکھ لیا ہے حالانکہ عمدہ ذکر کی راہ بھول کر قصوں میں مصروف ہیں جن میں کمی اور بیشی اور اختلاف کو دخل ہے، اور جو قصے کہ قرآن میں وارد ہیں ان سے خارج اور زائد ہیں، اس لئے قصے بعضے ایسے ہیں جن کا سننا مفید ہوتا ہے اور بعضوں کا سننا مضر ہوتا ہے اگرچہ سچے ہوں اور جو شخص اس امر کو اپنے لیے اختیار کرتا ہے اس پر سچ اور جھوٹ مل جاتا ہے اور مفید اور مضر میں اختلاط ہو جاتا ہے اس وجہ سے اس سے منع کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ لوگوں کو سچے حالات بیان کرنے والے کی بڑی ضرورت ہے، پس اگر قصہ کسی نبی علیہ السلام سے ہو اور وہ لوگوں کے دین کے متعلق ہو اور کہنے والا بھی سچا ہو تو ایسے قصے کے سننے میں تو ہم کو کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، مگر بیان کرنے والے کو چاہیئے کہ جھوٹ سے احتراز کرے اور نیز ان احوال کی حکایتوں سے، جن میں لغزشوں اور سستیوں کا اشارہ پایا جاوے جن کے دریافت کرنے سے عوام کی فہم قاصر ہے اور ایسی لغزش نادر کو بھی ذکر نہ کرے جس کے پیچھے لغزش کرنے والے نے بہت سی نیکیاں کی ہوں جن سے وہ لغزش چھپ گئی ہو، اس لیے کہ عامی شخص اس سے اپنی لغزش اور خطا پر تمسک کیا کرتا ہے۔ اور اپنے واسطے عذر کی تمہید کر کے حجت یوں کیا کرتا ہے کہ فلاں مشائخ کے حال میں یوں بیان کرتے ہیں اور ہم سب گناہوں کے درپے رہتے ہیں۔ اگر میں نے خطا کی تو کیا عجب ہے کہ فلاں شخص جو ایسا بزرگ اور مجھ سے افضل تھا، اس نے بھی یہ خطا کی تھی، اور اس بات سے اس کو بدوں جانے خدائے تعالیٰ پر جرأت ہوجاتی ہے، پس ان دونوں امر سے اگر قصہ گو بچا رہے تو قصہ بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور ان قیدوں کے

ئ فصل اوّل میں گزر چکی ۱۲

ساتھ ہیں عمدہ قصے وہی رہیں گے جن کو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ شامل ہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ طاعتوں کے باب میں رغبت کی حکایتیں گڑھ لینی درست جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا قصد ان سے خلق کو حق کی طرف بلانے کا ہے اور یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے اس لیے کہ سچ میں بہت گنجائش ہے وہ کیا تھوڑا ہے کہ جھوٹ کی حاجت ہو، اور جو چیزیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمائی ہیں ان کے ہوتے ہوتے وعظ میں نئی بات اختراع کی ضرورت نہیں اور کیسے نہ ہو کہ قافیہ کا تکلف مکروہ ٹھہرا ہے اور بناوٹ میں شمار کیا گیا، چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر ان کے پاس کسی کام کے لیے آتے تھے آپ نے سنا کہ مقفیٰ عبارت سے حاجت بیان کرتے ہیں، آپ نے کہا کہ اسی سے میں تجھ کو برا جانتا ہوں، تیری حاجت کبھی روا نہ کروں گا، جب تک کہ توبہ نہ کرے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ سے تین کلمے مقفیٰ سن نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن[1] رواحہ اپنے آپ کو سجع سے دور رکھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سجع دو کلموں سے زیادہ ہو وہ داخل تکلف اور ممنوع تھا، اور اسی جہت سے جب ایک شخص نے جنین کے خونبہا میں یہ الفاظ کہے[2] کیف ندی من لا شرب ولا اکل ولا صاح ولا استھل ومثل ذلك يطل یعنی ہم ایسے کی دیت کیسے دیں جس نے نہ پیا نہ کھایا، نہ چیخا نہ چلایا، اس جیسا تو معاف ہی ہوتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اعراب کے سجع کے موافق سجع کر، اور اشعار کا حال یہ ہے کہ وعظوں میں ان کی کثرت بری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ[3] والشعراء يتبعهم الغاوون الم تر انهم فی كل واد يهيمون اور فرمایا[4] وما علمناه الشعر وما ينبغی له اور جن شعروں کی عادت واعظوں کو ہو رہی ہے، ان میں سے اکثر وہی ہوتے ہیں جن میں عشق کا وصف اور معشوق کی خوبصورتی اور وصال کی راحت اور جدائی کا درد مذکور ہوتا ہے اور مجلس وعظ میں عوام اور اجلاف ہی بھرے رہتے ہیں، اور ان کے باطن شہوات سے پر ہوتے ہیں اور ان کے دل بھی خوبصورتوں کی طرف التفات کرنے سے خالی نہیں ہوتے، پس اشعار ان کے دلوں میں سے اس چیز کو ابھارتے ہیں جو ان میں چھپی رہتی ہے، اس لیے شہوات کی آگ ان میں بھڑک اٹھتی ہے اور چیختے ہیں اور حال کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ شعروں میں سے اکثر یا سب کا انجام ایک طرح کی خرابی ہوتی ہے اس نظر سے بجز ان اشعار کے جن میں نصیحت اور حکمت ہو، اور وہ بھی دلیل اور انس دلانے کے طور پر مذکور رہوں اور کسی قسم کا شعر استعمال نہ کرنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[5] ان من الشعر لحكمة اور اگر مجلس میں دین کے خواص جمع ہوں، اور معلوم ہو کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی اور نہ ہو تو ایسے لوگوں کے حق میں وہ شعر ضرر نہیں کرتا جو ظاہر میں خلق کی طرف معلوم ہوتا ہو، اس لیے کہ سننے والا جو کچھ سنتا ہے اس کو اسی چیز پر ڈھال لیتا ہے جو اس

---

[1] یہ حدیث ان الفاظ خاص سے جو احیاء میں مذکور ہیں نہیں ملی، مگر حضرت عائشہ کا قول سائب کو اسناد صحیح سے ابن السنی اور ابو نعیم اور احمد نے روایت کیا ہے کہ ایاک والسجع ۱۲ [2] مسلم بروایت مغیرہ ۱۲ [3] اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں ۱۲ [4] اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں ۱۲ [5] بخاری بروایت ابی بن کعبؓ ۱۲

کے دل پر غالب ہوتی ہے، چنانچہ اس کی تحقیق باب السماع میں مذکور ہوگی، اور اسی وجہ سے حضرت جنید بغدادیؒ چھ اوپر دس آدمیوں میں وعظ کہا کرتے تھے اور اگر زیادہ ہوتے تو کچھ نہ کہتے، اور ان کی مجلس میں کبھی پورے بیس آدمی نہ ہوتے، اور ایک بار ابن سالم کے مکان کے دروازے پر کچھ لوگ جمع ہوئے، ان سے کسی نے کہا کہ آپ بیان فرمایئے آپ کے یار موجود ہیں، انہوں نے فرمایا کہ یہ میرے یار نہیں، یہ تو مجلس کے لوگ ہیں، میرے اصحاب خاص لوگ ہیں، اور شطح سے ہماری غرض کلام کی ان دو قسموں سے ہے جس کو بعض صوفیوں نے گڑھا ہے، ایک تو عشق الٰہی میں اور وصال ہونے میں بڑے لمبے چوڑے دعوے جس کے بعد اعمال ظاہری کی کچھ حاجت نہ رہی یہاں تک کہ بعض لوگ اتحاد کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حجاب اُٹھ گیا اور دیدار کا مشاہدہ ہوتا ہے اور خطاب حضوری حاصل ہے، اور کہتے ہیں کہ ہم کو یہ حکم ہوا، اور ہم نے یہ کہا، اور اس باب میں حسین بن منصور حلاج کی مشابہت کرتے ہیں جو اسی طرح کے چند کلمات کے بولنے سے سولی دیا گیا تھا، اور اس کے انا الحق کہنے کو، اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول کو سند لاتے ہیں، یعنی آپ سے بھی منقول ہے کہ آپ نے سبحانی سبحانی کہا تھا اور یہ فن کلام کا ایسا ہے کہ جس کا ضرر عوام میں بہت ہوا ہے یہاں تک کہ بعض کسانوں نے اپنا کام چھوڑ کر اسی طرح کے دعوے کرنے شروع کر دیے اس لیے کہ یہ کلام طبیعت کو اچھے معلوم ہوتے ہیں کہ اس میں کچھ ظاہری عمل نہیں کرنا پڑتا، نہ مقامات اور احوال کے لیے نفس کا تزکیہ کرنا پڑے تو پھر کم فہم اپنے لیے ایسا دعوے کیوں نہ کریں، اور کلمات خبط اور مہمل کیوں نہ بکیں، اور اگر کوئی ان پر اس باب میں انکار کرے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس انکار کا منشا علم اور مناظرہ ہے اور علم حجاب ہے اور مناظرہ نفس کا عمل ہے، اور یہ بات جو ہم کو حاصل ہے بذریعہ مکاشفہ نور حق کے صرف باطن سے معلوم ہوا کرتی ہے، غرضکہ اس طرح کے امور جہان میں پھیل گئے، اور ان کا ضرر عوام کو اتنا بڑھ گیا کہ اگر ان میں سے کوئی اس طرح کی کچھ بات کہے تو اس کا مار ڈالنا دس آدمیوں کے زندہ رکھنے کی نسبت کر اچھا ہوگا۔ اور حضرت بایزید سے جو قول منقول ہے، اول تو اس کی صحت میں کلام ہے، اور اگر بالفرض اُن سے وہ الفاظ کسی نے سنے تو غالباً بر سبیل حکایت خدائے تعالیٰ کے ارشاد کو اپنے جی میں مکرر کہتے ہوں گے جیسے مثلاً یہ آپ کہتے انّنی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی[ث] تو اس سے یہ سمجھنا نہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنا حال بیان کرتے ہیں، بلکہ بطور حکایت ہی جاننا چاہیے تھا، دوسری قسم شطح کی وہ کلمات ہیں کہ سمجھ میں نہ آویں ظاہر کے تو اچھے ہوں اور ان کے معانی ہولناک اور فائدہ کسی طرح کا ان سے متعلق نہ ہو، اور یہ کلمات یا تو خود کہنے والے کی بھی سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اپنی عقل کے خبط اور خیال کی پریشانی کے باعث کہتا ہے اور اس خبط کی وجہ یہ ہے کہ جو کلام اس کے کان میں پڑتا ہے اس کے معنی کم یاد کرتا ہے اور اکثر تو ایسا ہی یا خود تو سمجھتا ہے لیکن ان کو دوسروں کو نہیں سمجھا سکتا، اور ایسی عبارت نہیں بنا سکتا جس سے اس کا مافی الضمیر معلوم ہو اس جہت سے علم کی مہارت کم ہے اور طریق معانی کو الفاظ میں ادا کرنے کا نہیں سیکھا، اور اس طرح کے کلام سے کچھ فائدہ نہیں بجز اس کے کہ دلوں کو پریشان اور عقلوں اور ذہنوں کو حیران کرے یا اس سے وہ معنی سمجھ لیے جاویں جو اس سے

ث بیشک میں ہی اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے، سو میری بندگی کر یہ آیت سورۃ طٰہٰ کی ہے ۱۲

مقصود نہیں اور اس صورت میں ہر ایک شخص اس کو اپنی خواہش اور طبیعت کے بموجب سمجھے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو کوئی تم میں سے کسی قوم سے ایسی حدیث[1] بیان کرے گا جس کو وہ نہ سمجھیں تو وہ ان پر ایک بلا ہوگی۔ اور فرمایا لوگوں[2] سے وہ باتیں کرو جن کو وہ جانتے ہوں اور جن کو نہ جانتے ہوں، ان کا ذکر نہ کیا کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب ہو، اور یہ ایسے کلام کے باب میں ہے کہ کہنے والا اس کو سمجھتا ہو، مگر سننے والے کی عقل اس کو نہ پہنچتی ہو، ایسے کلام کا کہنا جائز نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کلام کو خود سننے والا بھی نہ سمجھے اس کو کہنا کیسے درست ہوگا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حکمت! ایسے لوگوں کو مت سناؤ جو اس کے لائق نہ ہوں، ورنہ حکمت پر تمہاری زیادتی ہوگی، اور جو اس کے اہل ہوں، ان سے حکمت کو مت روکو، ان پر ظلم ہوگا، اپنا حال نرم دل طبیب کی طرح کر لو کہ جہاں مرض دیکھے وہاں دوا لگا دے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص حکمت نااہلوں میں بیان کرے، وہ جاہل ہے، اور حکمت کے اہل سے اس کو روکے، وہ ظلم کرتا ہے، حکمت کا ایک حق ہے اور کچھ لوگ اس کے اہل ہیں پس ہر ایک اہلِ حق کو اس کا حق دینا چاہیئے اور طامات میں وہ امور بھی شامل ہیں جو ہم نے شطح میں ذکر کیے ہیں اور ایک امر ان کے علاوہ ہے کہ وہ خاص طامات میں ہے یعنی شریعت کے ظاہر الفاظ سے جو مراد مفہوم ہوتی ہے۔ اس کو نہ لینا اور ان سے امور باطنی ایسے نکالنے کہ ذہن میں ان کا فائدہ نہ آتا ہو، جیسے فرقہ باطنیہ قرآن مجید میں تاویلیں کرتے ہیں تو یہ بھی حرام ہے اور اس کا نقصان بہت زیادہ ہے، اس لیے کہ جب الفاظ کے ظاہری معنی بدوں دلیل نقلی شارع کے اور بدوں کسی حاجت و ضرورت عقلی کے چھوڑ دیے گئے تو اس سے الفاظ پر اعتماد جاتا رہے گا اور اس سے کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع ساقط ہوگا کیونکہ جو کچھ لفظوں سے سمجھا جاتا ہے اس پر تو اعتماد نہ رہا اور باطن سب کا ایک طرح کا نہیں ہوتا اس میں خطرے ایک دوسرے کے خلاف ہوا کرتے ہیں اور مختلف طور پر الفاظ کو ڈھال سکتے ہیں، یہ امر بھی عام بدعتوں میں سے ہے جن کا ضرر زیادہ ہوتا ہے اور طامات والوں کا مقصود ایک امر غریب نکالنا ہے، اس لیے کہ غریب کی طرف نفس مائل ہوتا ہے اور اس سے لذت پاتا ہے، اس تدبیر سے باطنیہ فرقہ نے ساری شریعت کو برباد کر دیا کہ ظاہر الفاظ کو تاویلیں کر کے اپنی رائے کے موافق بنا لیا چنانچہ ان کے مذہب ہم نے کتاب مستظہری میں جو اس فرقہ کی رد میں بنائی ہے لکھے ہیں اور طامات والوں کی تاویل کرنے کی یہ مثال ہے کہ بعض اس آیت کے معنی اذھب[3] الی فرعون انہ طغیٰ یوں کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ دل کی طرف ہے اور فرعون سے مراد وہی ہے اور سرکش بھی ہر ایک انسان پر وہی ہے اور وان الق عصاک کے یہ معنی ہیں کہ بجز خدائے تعالیٰ کے جس چیز پر بھروسہ اور اعتماد ہو اس کو ڈال دینا چاہیئے اور اس حدیث میں کہ تسحروا[4] فان فی السحور برکۃ کہتے ہیں کہ مراد سحر کے وقت استغفار سے ہے اور اسی طرح تاویلات کرتے ہیں، یہاں تک کہ قرآن کو اوّل سے آخر تک ظاہری معنی اور اس تفسیر سے جو حضرت ابن

---

[1] ابن السنی اور ابو نعیم بروایت ابن عباس رض ۱۲ [2] بخاری موقوف بر علی رض و ابو منصور دیلمی مرفوع ۱۲ [3] جا طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا ۱۲ [4] سحری کھاؤ کہ سحر کھانے میں برکت ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس رض ۱۲

عباسؓ اور دوسرے علماء سے منقول ہے بدل دیتے ہیں اور ان تاویلوں میں سے بعض کا باطل ہونا تو یقیناً معلوم ہو جاتا ہے مثلاً فرعون سے دل کو مراد لینا اس لیے کہ فرعون ایک شخص محسوس تھا کہ اس کا ہونا اور حضرت موسیٰؑ کا اس کو اسلام کی طرف بلانا متواتر ہم کو پہنچا ہے اور جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہما کافروں میں سے کہ موجود شخص تھے اور شیطانوں اور فرشتوں میں سے نہ تھے جو حس سے معلوم نہیں ہوتے تا کہ ان لفظوں کو ڈھال لیا جاوے، ایسا ہی حال سحر کے لفظ سے استغفار مراد لینے کا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا اس وقت نوش فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ح هلموا الی الغذاء المبارك یعنی اس برکت والے کھانے کی طرف آؤ تو اس طرح کی تاویلیں خبر متواتر اور حس سے باطل ٹھہرتی ہیں اور بعضی تاویلیں غلبہ ظن سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ ایسے امور ہیں کہ حواس یعنی دیکھنے وغیرہ سے متعلق نہ ہوں، بہر حال یہ سب تاویلیں حرام اور گمراہی اور لوگوں کے دین کا خراب کرنا ہیں اور ان میں سے کچھ بھی نہ صحابہؓ سے منقول ہوا نہ تابعین سے نہ حضرت حسن بصریؒ سے باوجودیکہ وہ خلق کو اسلام کی طرف بلانے اور ان کو نصیحت کرنے کے عاشق تھے اور یہ جو حدیث میں ارشاد ہے ح من فسر القرآن برأیه فلیتبوء مقعده من النار اس کی مراد بھی کچھ اسی طرح کی تاویل کرنے سے ہے یعنی آدمی کی غرض اور رائے ایک امر کے ثابت اور مقرر کرنے کی ہو اور اس غرض کے ثبوت کے لیے قرآن کو شاہد بنا لے اور اس کے لفظوں سے اپنی غرض نکالے بدوں اس کے کہ کوئی دلالت لفظی لغت کی راہ سے یا دلالت نقلی موجود ہو، اور اس حدیث سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن کی تفسیر استنباط اور فکر سے نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ بہت سی آیتیں ہیں جن کے صحابہؓ اور مفسرین سے پانچ اور چھ اور سات معنی منقول ہیں اور معلوم ہے کہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے نہیں، کیونکہ وہ معانی بعض اوقات ایک دوسرے کے ضد ہوتے ہیں کہ جمع نہیں ہو سکتے تو ضرور ہے کہ فہم کی خوبی اور طول فکر سے نکلے ہوں گے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا تھا ح اللھم فقهه فی الدین وعلمه التاویل اور جو شخص طامات والوں کا اس جیسے تاویلات کو درست کرتا ہے باوجودیکہ اسے معلوم ہے کہ یہ معنی اس سے مقصود نہیں، اور پھر کہتا ہے کہ میرا ارادہ ان لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف بلانے کا ہے تو اس کی مثال ایسی جیسے کوئی ایسے امر میں جو واقع میں حق ہو مگر شریعت میں اس کا ذکر نہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیث بنا دے یا ہر ایک مسئلہ میں کہ حق سمجھے ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے موضوع کرے تو یہ امر ظلم اور گمراہی اور اس حدیث شریف کے مضمون میں داخل ہوتا ہے ح من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعده من النار بلکہ الفاظ کی تاویل کرنی اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس سے تو الفاظ کا اعتبار ہی بے کار ہوتا ہے اور قرآن کے سمجھنے اور اس سے فائدہ لینے کے طریق کو بالکل برہم کرتا ہے، اب تم کو معلوم ہوا کہ شیطان نے لوگوں کے ارادے کو اچھے علموں کی طرف سے کس طرح برے

ح ابوداؤد و نسائی بروایت عرباض بن ساریہ ۱۲ ح جو شخص قرآن کی تفسیر کرے موافق اپنی رائے کے، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرے ۱۲ ترمذی بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ح الٰہی اس کو دین میں فقیہ کر اور معنی بیان کرنے سکھا دے ۱۲ بخاری بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ح جو شخص مجھ پر جان کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت علیؓ و انسؓ ۱۲

علموں کی طرف پھیر دیا، اور یہ ساری باتیں علمائے بد کے نام بدلنے کی بدولت ہیں، پس اگر تم ان کا اتباع صرف شہرت کے اعتبار پر کرو گے اور جو معانی کہ اوّل قرن میں معروف تھے، ان کی طرف توجہ نہ کرو گے تو تمہارا حال وہ حال ہوگا کہ حکمت کے سبب سے شرف کی طلب میں کسی نام کے حکیم کا اس زمانے میں اتباع کرو اور یہ خبر نہ ہو کہ حکمت کے پہلے کیا تھی اور اب کیا ہے۔
پانچواں لفظ حکمت ہے کہ حکیم کا لفظ اب طبیب اور شاعر اور منجم پر بولتے ہیں، بلکہ جو شخص سڑکوں پر عوام کے ہاتھوں میں قرعہ ڈالتا ہے اس کو بھی حکیم کہتے ہیں، حالانکہ حکمت وہ ہے جس کی خدائے تعالیٰ تعریف بیان کرتا ہے یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باب میں فرمایا کہ[۲] حکمت کا ایک کلمہ اگر آدمی سیکھے تو اس کے حق میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اب تامل کرو کہ پہلے حکمت کیا تھی اور بالفعل کس طرف منقول ہو گئی اور اسی پر باقی الفاظ کو قیاس کر لو، اور علمائے بد کے دھوکے اور فریب میں نہ آؤ، اس لیے کہ دین کا فریبی بہ نسبت شیطانوں کے بڑھ کر ہے کیونکہ شیطان انہیں کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں میں سے دین کو نکالتے ہیں اور اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ بدترین خلق کون ہیں تو آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ الٰہی مغفرت کر یہاں تک کہ مکرر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ علمائے بد ہیں پس اچھے اور بُرے علم کو تم جان چکے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے میں کس وجہ سے ملتبس ہو جاتے ہیں تو اب تمہیں اختیار ہے کہ اپنے نفس کی بھلائی چاہو تو سلف کا اقتداء کرو، اور اگر چاہِ فریب میں گرا چاہو تو پچھلوں کی مشابہت اختیار کرو، جتنے علوم کہ سلف کو پسند تھے وہ سب مٹ گئے اور جن پر کہ اب لوگ اوندھے منہ گرتے ہیں وہ اکثر بدعت اور نو پیدا ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا بجا ہے کہ[۳] بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا کما بدأ فطوبی للغرباء فقیل من الغرباء قال الذین یصلحون ما افسدہ الناس والذین یحیون ما اماتوہ من سنتی اور دوسری روایت میں ہے کہ[۴] وہ لوگ اس چیز پر تمسک رکھنے والے ہوں گے جن پر آج تم متمسک ہو، اور ایک اور حدیث[۵] میں ہے کہ غرباء کمتر نیک بخت لوگ ہیں بہت سے لوگوں میں اور خلق میں ان سے بغض رکھنے والے بہت ہوتے ہیں بہ نسبت دوستی رکھنے والوں کے، اور یہ علوم اس طرح کے غریب ہو گئے کہ جو کوئی ان کا ذکر کرتا ہے، اس کے لوگ دشمن ہو جاتے ہیں، اور اسی لیے سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی عالم کے دوست بہت دیکھو تو جان لو کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے والا ہے، اس واسطے کہ اگر حق ہی کہتا تو لوگ اس سے عداوت رکھتے۔ واضح ہو کہ علم اس اعتبار سے تین

---

[۱] دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی گویا کہ کثیر التعداد مال دیا گیا ۱۲ [۲] فصل اوّل میں گذری ۱۲ [۳] دارمی و بزار بسند ضعیف ۱۲ [۴] اسلام شروع بھی ہوا غریب یعنی تنہا اور عنقریب تنہا ہو جائے گا جیسا شروع ہوا ہے، پس خوش خبری ہے غرباء کے لیے کسی نے پوچھا کہ غرباء کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جو اصلاح کرتے ہیں میری سنت کی کہ اس کو لوگوں نے بگاڑ دیا ہو اور جس سنت کو لوگوں نے فنا کر دیا، اس کو قائم کرتے ہیں ۱۲ ترمذی بروایت عوف ۱۲ [۵] اس کی اصل نہیں ملی ۱۲ [۶] احمد بروایت عبداللہ بن عمر اور اس کے اسناد میں ایک راوی ابن لہیعہ ہے ۱۲

قسم پر ہے ایک تو وہ کہ اس میں سے تھوڑا اور بہت بُرا ہی ہو، دوم وہ کہ اس کا قلیل اور کثیر اچھا ہو، اور جس قدر بہت ہوئے اسی قدر بہتر اور عمدہ ہے، سوم وہ کہ اس میں سے بقدر کفایت تو اچھا ہو اور مقدار کافی سے زائد قابل تعریف نہ ہو اور یہ تینوں قسمیں مثل بدن کے ہیں کہ ان میں سے بعض حالت خواہ تھوڑی ہو یا بہت اچھی گنی جاتی ہے جیسے تندرستی اور خوبصورتی، اور بعض حالت بری گنی جاتی ہے کم ہو یا زیادہ جیسے بدصورتی اور بدخلقی اور بعض حالتیں ایسی ہیں کہ ان میں میانہ روی اچھی متصوّر ہوتی ہے جیسے مال کل دنیا کہ اسراف قابل تعریف نہیں، گو وہ بھی خرچ کرنا ہے جیسے شجاعت کو تہور کی تعریف نہیں اگرچہ وہ بھی شجاعت کی جنس ہے، اسی طرح علم کا حال ہے اس کی اول قسم جو تھوڑا ہو یا بہت برا ہی گنا جاوے، ایسا علم کہ جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا، یا اس کا نقصان بہ نسبت فائدے کے زیادہ ہو، جیسے علم سحر اور طلسمات اور نجوم میں کہ بعضوں میں تو کچھ فائدہ نہیں اور عمر سی نفیس چیز جو عمدہ سرمایۂ انسانی ہے اس میں صرف کرنی مفت برباد کرنی ہے، اور نفیس چیزوں کا برباد کرنا برا ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ بہ نسبت اس فائدے کے جو اس علم سے مقصود ہوتا ہے، یعنی دنیاوی حاجت بھی کوئی نکل جاتی ہے ان کا نقصان زائد ہوتا ہے بلکہ وہ فائدہ بہ نسبت نقصان کے ہیچ معلوم ہوتا ہے اور جو علم اس سرے سے اس سرے تک اچھا ہی ہے وہ علم خدائے تعالیٰ کی معرفت اور اس کے صفات اور افعال کا اور خلق میں اس کی عادت جاری کا اور دنیا پر آخرت کی ترجیح کی حکمت کا ہے، اس لیے کہ یہی علم مطلوب بالذات اور وسیلۂ سعادتِ اخروی ہے اور اس میں جس قدر کوشش کی جاوے وہ مقدار واجب سے کم ہی ہوگی کیونکہ یہ دریا وہ ہے کہ جس کی تھاہ نہیں معلوم ہوتی، تمام گھومنے والے اس کے کناروں پر ہی پھرتے ہیں جتنا جس سے ہو سکتا ہے اتنی گردش کرتا ہے، اس کے اندر بجز انبیاء اور اولیا اور مضبوط عالموں کے اور کوئی نہیں جاتا، وہ البتہ موافق اختلاف اپنے درجوں اور قوتوں کے جس قدر کہ تقدیر الٰہی نے ان کے حق میں لکھ دیا ہے اس میں خوض کرتے ہیں، یہ وہی علم پوشیدہ ہے کہ کتابوں میں لکھا نہیں جاتا، اس علم پر تنبیہ ہو جانے کے لیے علم سیکھنا اور علمائے آخرت کے حالات دیکھنے مفید ہوتے ہیں یہ تو ابتدا میں چاہیئے اور انجام کے لیے اس عمل پر مدد مجاہدہ اور ریاضت اور قلب کے صاف کرنے اور دنیا کے علاقوں سے اس کو خالی کرنے اور دنیا میں انبیاء اور اولیاء کی مشابہت پیدا کرنے سے ملتی ہے، جو کوئی اس علم کے لیے اس طرح سعی کرے گا تو اس کو نصیب میں ہے مل جاوے گا بقدر کوشش نہیں ملے گا، ہاں مجاہدہ کی حاجت اس میں ضرور ہے بدوں مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا کہ ہدایت کی کنجی سوا اس کے اور کوئی نہیں، اور تیسری طرح کے علوم جو ایک مقدار خاص تک اچھے ہیں، وہ وہ ہیں جن کو ہم فروض کفایہ میں لکھ آئے ہیں کہ ان میں ہر علم کے تین درجے ہیں، ایک بقدر کفایت وحاجت وہ تو ادنیٰ ہے اور ایک متوسط سے زائد کہ آخر عمر تک اس کی انتہا نہ ہو، تو آدمی کو چاہیئے کہ ان باتوں میں سے ایک کو اختیار کرے، یا تو اپنے نفس کی فکر کرے یا جب اپنے نفس سے فارغ ہو جاوے تو دوسرے کی فکر کرے مگر ایسا ہرگز نہ کرے کہ اپنے نفس کی اصلاح سے پیشتر دوسرے کی اصلاح میں مشغول ہو، اب اگر تم کو اپنے نفس کا دھندا کرنا ہو تب انہی علم میں مشغول ہو جو تم پر فرض عین بحسب اقتضائے حالات ہوتا جاوے اور جو اعمال ظاہر کے متعلق ہو، مثلاً نماز اور

روزہ اور طہارت، لیکن بڑا ضروری اور اہم جس کو سب لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے، وہ دل کی صفتوں کا علم ہے، اور یہ کہ ان میں سے کون سی اچھی ہے اور کون سی بری، اس واسطے کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو بری صفتوں سے مبرّا اور حرص اور حسد اور ریا اور کبر اور عجب وغیرہ اُس کے اندر نہ ہوں اور یہ صفات سب ہلاک کرنے والے ہیں اور ان کو ویسے ہی چھوڑ دینا اور صرف اعمال ظاہری میں مشغول رہنا ایسا ہے کہ آدمی خارش یا پھوڑوں کی تکلیف میں ظاہر بدن پر لیپ کر کے اور اندر کا مواد فصد اور سنیگی سے نکالنے میں سستی کرے اور نام کے علماء اور کٹھ ملا اعمال ظاہری ہی بتاتے ہیں جیسے سڑکوں پر طبیب ظاہر بدن پر لیپ کرنے کو کہتے ہیں اور آخرت کے علماء بجز باطن کی صفائی اور دور کرنے مواد شر کے اس طرح کہ ان کی جڑیں اکھاڑ ڈالی جاویں اور کچھ نہیں بتاتے اور ان کی جڑیں دل کے اندر ہیں اور اکثر لوگ جو اعمال ظاہری کے پابند ہیں اور دلوں کی صفائی نہیں کرتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر کے اعضاء کے اعمال آسان پڑتے ہیں اور دل کے اعمال مشکل جیسے کوئی شخص کڑوی اور بدمزہ دوا پینے کو سخت جان کر ظاہر بدن پر لیپ کر دیتا اور اسی دردسری میں مبتلا رہتا ہے اور مواد بڑھتا جاتا ہے اور اس کے سبب سے اور روگ دونے ہو جاتے ہیں، پس اگر تم کو قصدِ آخرت اور طلب نجات ہے اور ہلاک ابدی سے گریز منظور ہے تو باطن کے روگوں اور ان کے علاج کے علم میں مشغول ہو، جس طرح ہم نے جلد ثالث میں اس کی تفصیل کی ہے، اس کے جاننے سے تم ان عمدہ مقامات پر بالضرور پہنچ جاؤ گے جو جلد چہارم میں مذکور ہیں، کیونکہ دل جب بری بات سے خالی ہوتا ہے تو اچھی بات سے بھرتا ہے، اور زمین جب گھاس سے نولائی جاتی ہے، تب اس میں کھیتی اور چمن کی بہار ہوتی ہے، اور جب تک تم کو اس فرض عین سے فراغت نہ ہو، تب تک فرض کفایہ میں مصروف نہ ہو خصوص اس وقت میں کہ کوئی اس کو جانتا ہو اور تعمیل کرتا ہو، اس لیے کہ جو شخص اپنی جان کو ہلاک کرے کہ دوسرے کی اصلاح ہو جاوے تو وہ بے وقوف ہے مثلاً اگر سانپ اور بچھو کسی کے کپڑوں میں گھسے ہوتے ہوں اور اس کے قتل کے درپے ہوں اور وہ ایک پنکھا ڈھونڈھتا پھرتا ہو جس سے کہ دوسرے کی مکھیاں دور کرے، اور وہ دوسرا ایسا ہو کہ اگر سانپ اور بچھو دل کو درد اور رنج پہنچاویں تو وہ اس کے کام نہ آوے اور نہ اس کو مصیبت سے چھڑا دے تو بھلا اس سے بڑھ کر کون احمق ہو گا کہ اپنی جان کی فکر تو نہ کرے، دوسرے کے لیے بے فائدہ کاوش کرے اور اگر تم کو اپنے نفس کی صفائی سے فراغت ملے اور ظاہر اور باطن کے گناہ چھوڑنے پر قدرت ہو جاوے اور یہ امر ایک عادت دائمی کے طور پر تم میں حاصل ہو جاوے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں تو اس وقت البتہ فرض کفایہ میں مشغول ہونا چاہیے اور اس میں ترتیب اور درجہ کا لحاظ رکھنا چاہیے یعنی اول کلام مجید پھر حدیث شریف پھر علم تفسیر اور علوم قرآنی ناسخ اور منسوخ اور مفصول اور محکم اور متشابہ پہچاننے کے اور اسی طرح حدیث کے علوم سیکھنے چاہئیں، پھر ان کے فروغ میں مشغول ہونا، یعنی علم فقہ کے مذہب معتبرہ جاننا چاہیے نہ خلاف کو، پھر اصول فقہ کو، اور اسی طرح باقی اور علموں کو جہاں تک کہ عمر میں گنجائش ہو اور وقت یاری دے مگر اپنی عمر کو ایک فن خاص میں مستغرق مت کرو، اس لحاظ سے کہ اس میں کمال پیدا کرو اس لیے کہ علوم بہت ہیں اور عمر تھوڑی اور یہ علوم دوسرے مقصود کے لیے آلات اور مقدمات ہیں خود مطلوب بالذات نہیں، اور جو چیز کہ غیر کے لیے مطلوب

ہوتی ہے اس میں یہ نہیں چاہیئے کہ اصل مقصود بھلا دیا جائے اور ذریعہ کی کثرت کی جاوے، پس علم لغت مروج سے اسی قدر پر اکتفا کرو جس سے کہ تم عربی زبان سمجھ سکو اور جو لغت کم رائج ہوں ان میں سے اس قدر جان لو کہ قرآن اور حدیث کے سب الفاظ پر وقوف ہو جاوے اس سے زیادہ میں خوض کرنا کچھ ضرور نہیں، اسی طرح نحو سے اسی قدر پر اکتفا کرو جو قرآن اور حدیث کے متعلق ہو اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ علم کے تین مراتب ہیں۔ ایک بقدر کفایت، دوم متوسط سوم درجہ کمال۔ تو ہم حدیث اور تفسیر اور فقہ اور کلام میں ان تینوں مراتب کو بتائے دیتے ہیں تاکہ اور علوم کو تم انہیں پر قیاس کر لو، پس علم تفسیر میں مقدار کفایت یہ ہے کہ حجم قرآن کی دونی ہو جیسے علی واحدی نیشاپوری کی تفسیر ہے جس کا نام وجیز ہے اور متوسط درجہ یہ ہے کہ قرآن کے حجم سے تگنی ہو جیسے تفسیر نیشاپوری جس کو وسیط کہتے ہیں اور درجۂ کمال اس سے زائد ہے جس کی کچھ حاجت نہیں اور عمر بھر تک اس کا انجام بھی نہیں ہوتا، اور حدیث میں مقدار کفایت یہ ہے کہ مضمون بخاری اور مسلم کا کسی شخص فاضل اور متن حدیث کے واقف سے سمجھ لو، اور راویوں کے نام کا یاد کرنا ضرور نہیں، اس لیے کہ یہ کام تم سے پہلے لوگ کر چکے ہیں اور سب کچھ لکھ گئے ہیں، تم کو اتنا چاہیئے کہ ان کی کتابوں کو معتبر سمجھو اور یہ بھی تم پر لازم نہیں کہ بخاری اور مسلم کے الفاظ حدیث کو حفظ کرو بلکہ اس طرح تحصیل کرو کہ ضرورت کے وقت جس مسئلہ کی ضرورت تم کو پڑے، ان میں سے نکال سکو، اور متوسط درجہ یہ ہے کہ جتنی کتابیں حدیث کی صحیح ہیں، ان سب کو صحیحین کے ساتھ پڑھ لو اور درجۂ کمال یہ ہے کہ جو کچھ حدیثیں منقول ہوں، خواہ ضعیف ہوں یا قوی اور صحیح ہوں یا معلل سب کو پڑھو اور اسناد کے ساتھ بہت سے طریق اور راویوں کے حالات اور ان کے نام اور اوصاف معلوم کرو اور فقہ میں مقدار کفایت اس قدر ہے کہ جیسے مختصر مزنیؒ کی ہے جس کو ہم نے خلاصۃ المختصر میں لکھا ہے، اور متوسط وہ ہے جو مختصر کی تین گنی ہو، یعنی اتنی بڑی ہو جتنی بڑی ہماری کتاب فقہ کی وسیط ہے اور درجۂ غایت اس کو سمجھو جو ہم نے بسیط میں لکھا ہے مع اور بڑی بڑی کتابوں کے، اور علم کلام کا مقصود صرف اتنا ہے کہ جو عقیدے اہل سنت نے سلف صالحین سے نقل کیے ہیں، وہ محفوظ رہیں اور کچھ مطلب نہیں، اور اگر ہے تو امور کے حقائق کا کشف ہو جانا بدوں طریق کشف کے اس سے کچھ غرض متعلق نہیں ہاں مقصود حفظ سنت کے لیے مقدار کافی علم کلام کی ضرور ہونی چاہیئے، اور وہ ایک مختصر رسالہ عقائد سے ہو سکتی ہے جس کے مضمون کو باب قواعد العقائد اس جلد کا حاوی ہے اور متوسط درجہ کی مقدار یہ ہے کہ سو ورق کا رسالہ ہو، جیسا کہ ہم نے کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد لکھی ہے، اور حاجت علم کی اس وجہ سے ہے کہ اس سے بدعتی کا مناظرہ کیا جائے اور اس کی بدعت کو ابتر کر کے عامی کے دل میں سے نکال دیا جائے اور یہ بات صرف عوام ہی کے ساتھ میں کارآمد ہے بشرطیکہ ان کو تعصب نہ بڑھ گیا ہو اور رہا بدعتی اگر تھوڑا سا بھی مناظرہ جان جاتا ہے تو کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کو کلام مفید ہو، کیونکہ اس کو تقریر میں ساکت بھی کر دو، تب بھی اپنا مذہب نہ چھوڑے گا اور اپنے نفس کو ناقص سمجھ کر فرض کرے گا کہ اس بات کا جواب ضرور ہو گا، مگر مجھ کو نہیں آتا طرف ثانی مجھ کو مغالطہ دیتا ہے اور قوت مناظرہ سے حق کو شبہ کیے ڈالتا ہے، اور عامی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر ذرا سی تقریر میں حق سے منحرف ہو جاتا ہے تو اسی قدر تقریر میں پھر درست ہو سکتا ہے بشرطیکہ تعصب نہ بڑھ

گیا ہو اور اگر تعصب اور اپنی چاؤ کی سیج پر آجاوے گا تو پھر عامی سے بھی ناامیدی ہو جاتی ہے اس لیے کہ پیچ بے موقع کرنی نفسوں میں عقیدوں کو پختہ کردیتی ہے اور یہ آفت بڑے علماء میں ہے کہ حق کے لیے تعصب میں مبالغہ کرتے ہیں اور مخالفین کو بچشم حقارت دیکھتے ہیں اور اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی مکافات اور مقابلہ پر آمادہ ہوتے ہیں اور باطل کی مدد زیادہ کرتے ہیں اور جس کا ان پر الزام لگایا جاتا ہے اس کو خوب مضبوطی سے تمسک کرتے ہیں اگر حضرات علماء براہ مہر و رحمت اور خیر خواہی کے ان کو خلوت میں نصیحت کر دیتے اور تعصب اور حقارت کے موقع سے قطع نظر کرتے تو غالباً کامیاب ہوتے، لیکن چونکہ جاہ بدوں لوگوں کی پیروی کے راست نہیں ہوتا اور پیروی پر میل لوگوں کا بدوں تعصب اور طرف ثانی کے لعن و دشنام کے نہیں آتا، اس لیے علماء نے تعصب کو اپنی عادت اور حربہ ٹھہرالیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم دین کی حفاظت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے لڑتے ہیں اور واقع میں اس صورت سے خلق کی بربادی اور نفسوں میں بدعت کا جم جانا حاصل ہے اور امور خلافی جو ان پچھلے زمانوں میں ایجاد ہوئے ہیں اور ان میں وہ تحریریں اور تصنیفیں اور مناظرے نکلے ہیں کہ ویسے کبھی زمانہ سلف میں نہ تھے تو ان کے تم گرد بھی مت پھرنا اور ان سے ایسی طرح بچنا جیسے زہر قاتل سے، اس لیے کہ وہ مرض لاعلاج ہے وہی روگ ہے جس نے تمام فقیہوں کو آپس کی حرص اور مباحات میں مبتلا کر دیا ہے، چنانچہ عنقریب ان کے آفات اور عوامل ہم بیان کریں گے اور کبھی اس تقریر کو کوئی ویسا ہی عالم سنتا ہے تو کہتا ہے کہ جس شخص کو کوئی بات نہیں آتی، وہ اس کا دشمن ہوا کرتا ہے تو تم کو اس کہنے سے یہ گمان نہ ہو کہ ہم بھی اس علم سے ناواقف ہیں بلکہ ہم نے تو اس فن میں ایک عمر تلف کی اور تصنیف اور تحقیق اور جدال اور بیان میں اول لوگوں پر گوئے سبقت لے گئے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو راہ راست الہام کیا اور اس فن کے عیب پر مطلع فرمایا تب ہم اس کو ترک کر کے اپنے نفس کی فکر میں مشغول ہوئے، اس نظر سے کہ تم کو نصیحت ہماری قبول کرنی چاہیے کہ تجربہ کار کا کہنا ٹھیک ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ فتوائے شریعت کا رکن ہے اور اس کی علتیں بدوں علم خلاف کے معلوم نہیں ہوتیں اس لیے اس کا جاننا ضروری ہے تو اس قول سے تم مغالطہ میں نہ آنا کیونکہ مذہب کی علتیں خود مذہب میں مذکور ہیں ان سے جو باتیں زائد ہیں، وہ مفت کے جھگڑے ہیں کہ قرن اول کے لوگ اور صحابہؓ ان کو نہ جانتے تھے، حالانکہ اوروں کی نسبت کہ علم فتوائے کو زیادہ جانتے تھے بلکہ یہ علتیں قطع نظر اس سے کہ علم مذہب میں کچھ مفید نہیں، فقہ کے مزہ کو خراب کرتی ہیں اور ضرر پہنچاتی ہیں، اس لیے کہ جس شخص کے لیے مفتی کا فکر شاہد ہو جاتا ہے تو اگر مفتی کی طبیعت میں ذوق صحیح فقہ کا ہوتا ہے تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس سے جدل کی شرطوں کی بموجب حکم کا اجرا نہیں ہو سکتا، اور جس شخص کی طبیعت جدل کی رسموں کی عادی ہوتی ہے اس کا ذہن جدل کے مقتضیات کو مانتا ہے اور فقہ سے ذوق کے ماننے سے پہلوتہی کرتا ہے اور اس فن میں وہی لوگ مشغول ہوتے ہیں جن کو شہرت اور جاہ کی طلب ہوتی ہے اور بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہم مذہب معتبر کی علتیں تلاش کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات ساری عمر گذر جاتی ہے اور ان کی ہمت مذہب کے جاننے پر مصروف نہیں ہوتی علتوں ہی میں بسر ہو جاتی ہے اس لیے تم کو چاہیے کہ جن کے شیطانوں سے بھی بچو اور انسانوں کے شیطانوں سے بھی احتراز کرو کہ ان

لوگوں نے بہکانے اور گمراہ کرنے میں شیاطین جن کو راحت دے دی ہے، حاصل اس سب تقریر کا یہ ہے کہ تم جہاں میں اپنے نفس کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ اکیلا فرض کر لو کہ موت اور درپیشی اور حساب اور بہشت اور دوزخ سامنے ہیں، پھر تامل کرو کہ ان سامنے کی چیزوں میں کون سی بات تم کو بکار آمد ہے اس کو تو اختیار کرو اور اس کے سوا سب کو ترک کر دو والسلام بعض مشائخ نے کسی عالم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جن علوم سے تم جھگڑا کیا کرتے تھے اور ان کے باب میں مناظرے بروئے کار لاتے تھے، ان کا احوال کہو، عالم نے اپنی ہتھیلی پھیلا کر اس میں پھونک ماری اور کہا سب خاک کی طرح اڑ گئے، مجھ کو صرف دو رکعتیں کام آئیں جو رات کو میں نے ادا کیں، صرف وہی میری تھیں۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہے[لہ] ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل ثم قرء ما ضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون اور ایک حدیث میں اس آیت کے معنوں میں فاما الذین فی قلوبھم زیغ یہ ارشاد ہے:[لہ] ھم اھل الجدال الذین عنا ھم اللہ تعالیٰ بقولہ واحذر ھم ان یفتنوک اور بعض اکابر کا قول ہے کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ عمل کا دروازہ ان پر بند کر دیا جاوے گا اور جدل کا دروازہ ان کے لیے کھل جاوے گا اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ تم[لہ] ایسے زمانے میں ہو کہ اس میں عمل کا الہام ہوا ہے اور عنقریب ایک قوم ایسی ہو گی کہ ان کے دلوں میں جدل ڈالا جاوے گا۔ اور حدیث مشہور میں وارد ہے[لہ] ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ الالد الخصم ایک روایت میں یوں ہے کہ جس[لہ] قوم کو گفتگو ملی، وہ عمل سے روک دی گئی۔ اور علی بن بصیر حمصی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خلیل بن احمد کو بعد ان کی وفات کے خواب میں دیکھا اور کہا کہ ہم کو خلیل سے زیادہ کوئی عاقل نہیں ملتا کہ اس سے کچھ پوچھیں، خلیل نے فرمایا کہ جس بات میں ہم مصروف تھے اس کا حال بھی تم نے معلوم کیا، ہم کو تو سوائے ان کلموں کے اور کوئی چیز مفید نہ ہوئی۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

چوتھی فصل مناظرہ اور اس قسم کے علوم پر مخلوق کی توجہ کے اسباب۔ مناظرہ سے پیدا ہونے والے مفاسد اور اسکے جواز کی شرائط

ذیلی فصل ۱ - ان علوم کی طرف لوگوں کی توجہ کے اسباب

واضح ہو کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر خلافت متکفل خلفائے راشدین کے عہد میں ہوتے، یہ لوگ عالم باللہ تھے اور اس کے احکام سمجھنے والے اور مقدمات کے فتاوے کے ماہر اسی جہت سے ان لوگوں کو فقیہوں سے مدد لینے کی بہت ہی کم حاجت ہوتی تھی فقط ایسے معاملات میں کہ جن میں مشورہ سے گریز نہ تھا فقہاء کی ضرورت پڑتی تھی، اسی لیے علماء صرف علم آخرت ہی کے ہو رہے تھے اور کچھ شغل نہ رکھتے تھے اور فتاوے اور خلق کے احکام دنیاوی کو ایک دوسرے پر ٹالتے تھے اور بہمہ ہمت متوجہ الی اللہ تھے، چنانچہ ان کی سیرتوں سے ایسا

[لہ] اس کا پتا نہیں ملا ۱۲ [لہ] زیادہ دشمن خلق سے میں خدا تعالیٰ کے نزدیک بیحد جھگڑالو ہے ۱۲ بخاری مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [لہ] اس کی کچھ اصل نہیں ملی ۱۲؎ ترجمہ اح صد ۵۶ [لہ] ترجمہ صد ۵۶ [لہ] صد ۵۶

ہی معلوم ہوتا ہے، جب کہ نوبت خلافت ان لوگوں پر پہنچی تو بے استحقاق خلافت اور بدوں رسوخ علم فتاوے اور احکام کے حاکم ہوگئے تو ان کو چار ناچار فقہاء سے مدد لینی اور سب حالوں میں ان کو ساتھ رکھنے کی ضرورت پڑی تاکہ جو حکم جاری کریں، ان سے فتوے طلب کریں، اور اس وقت علمائے تابعین میں سے وہ لوگ باقی تھے جو طرز اول قرن کے عادی اور دینِ خالص کے ملازم تھے اور علمائے سلف کے قدم بقدم چلتے تھے اس لیے کہ ان کا یہ حال تھا کہ اگر حکام ان کو بلاتے تھے تو وہ بھاگتے تھے اور روگردانی کرتے تھے لہٰذا احکام کو ان کی طلب میں اصرار کرنا پڑا کہ عہدۂ قضا اور حکومات دلویں پس اس وقت کے لوگوں نے جو علماء کی عزت دیکھی کہ حاکم اور امام اور والی سب ان کی طرف متوجہ ہیں اور یہ ان کو منہ نہیں لگاتے تو علم کے حاصل کرنے پر متوجہ ہوئے تاکہ حاکموں کی طرف سے عزت اور جاہ ملے، اسی لیے علم فتاوے پر جھک پڑے اور اپنے آپ کو حاکموں کے سامنے پیش کیا، اور ان سے تعارف بہم پہنچا کر عہدے اور انعام لیے، اور بعض تو پھر بھی محروم رہے اور بعض مراد کو پہنچے، وہ بھی طلب کی ذلت اور بدوں بلائے جا کھڑے ہونے کی خواری سے نہ بچے، غرضکہ فقہاء جو مطلوب رہا کرتے تھے، اب طالب ہوگئے اور پیشتر جو سلاطین کو منہ نہ لگاتے تھے اور عزت سے تھے، اب ان کے پاس آنے سے ذلیل بنے مگر پھر بھی علمائے دینِ الٰہی میں سے جن کو توفیق عنایت ہوئی، وہ ہر وقت اس ذلت سے محفوظ رہے اور اس زمانے میں اکثر توجہ لوگوں کی فتاوے اور مقدموں کے علم پر تھی، اس لیے کہ عہدوں اور حکومتوں میں اس کی بڑی ضرورت تھی، پھر ان کے بعد بعض رؤسا اور امرا ایسے ہوتے کہ انہوں نے عقائد کے قواعد میں لوگوں کی گفتگوئیں سنیں اور اسباب میں دلائل سننے کا ان کو شوق ہوا جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان امرا کو رغبت علم کلام کے مناظرہ اور جھگڑنے کی ہے تو اسی کا چرچا شروع کر دیا اور اس میں بہت سی تصنیفات کیں اور طریق جھگڑنے کے نکالے، اور طرف ثانی کے اقوال پر اعتراضات کے ڈھنگ ایجاد کیے اور یہ خیال کیا کہ ہم کو دینِ الٰہی کی طرف سے بری باتوں کا دفع کرنا اور سنت کی طرف سے لڑنا، بدعت کا استیصال کرنا منظور ہے جیسے ان سے پیشتر کے فقہا کہتے تھے کہ ہماری غرض دین کے فتاوے کا اچھی طرح جاننا اور مسلمانوں کے احکام کا متکفل ہونا اور اس میں خلقِ خدا پر شفقت اور ان کی خیر خواہی مدِ نظر ہے، پھر کچھ مدت بعد بعض رؤسا ایسے ہوتے کہ ان کو علم کلام میں خوض کرنا اچھا نہ معلوم ہوا اس جہت سے کہ اس میں مناظرہ کا باب مفتوح ہونے سے بڑے بڑے تعصبات اور خصومات پیدا ہوتے جن سے نوبت کشت و خون اور شہروں کی بربادی کی پہنچی، مگر ان کو فقہ میں مناظرہ ہونے کا اور خاص امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے مذہبوں میں اولیٰ کے معلوم کرنے کا ذوق ہوا اس لیے لوگوں نے علمِ کلام اور دوسرے فنون کو ترک کر دیا اور خاص ان دونوں اماموں کے مسائلِ خلافی کی طرف میل کیا جو خلاف کہ امام مالکؒ اور احمد اور سفیان ثوریؒ وغیرہم کے ساتھ ہے اس میں سہولت ترقی اور اپنے خیال خام میں یہ سمجھا کہ ہماری غرض شریعت کی باریک باتوں کا نکالنا اور مذہب کی علتوں کا ثابت کرنا اور فتاوے کے اصول کی بنا ڈالنی ہے اور اس بات میں بہت سی تصانیف لکھیں، اور طرح طرح کے جھگڑے ان میں درج کیے اور اب تک اسی پر چلے جاتے ہیں، نہیں معلوم کہ ہمارے بعد کے زمانوں میں خدائے تعالیٰ نے کیا مقدر کر رکھا ہے، غرض کہ باعثِ خلافیات پر جھکنے کا اور مناظروں پر مائل ہونے کا یہی تھا اور کچھ نہ تھا

اگر بالفرض دنیا والوں کے نفس کسی امام کے ساتھ خلاف معلوم کرنے کے طرف راغب ہو جاویں یا کسی اور علم کی طرف شائق ہوں تو علماء بھی ان کے ساتھ ہی جھکیں گے اور اس بہانے سے باز نہ آویں گے کہ جس علم میں مشغول ہیں، یہ علم دین ہے اور ہم کو مطلب سوائے تقرب خدائے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں۔

ذیلی فصل ۲: اس غلطی کا ازالہ کہ یہ علوم صحابہ کے مشوروں اور اسلاف کی تقریروں کے مشابہ ہیں

جاننا چاہیے کہ علماء کبھی لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ ہماری غرض ان مناظروں سے حق بات پر بحث کرنا ہے تاکہ حق کھل جاوے اس لیے کہ امر حق مطلوب ہے اور فکر کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنی اور بہت سی رائیوں کا متفق ہو جانا مفید ہے، اور صحابہؓ کی عادت تھی اپنے مشوروں میں اسی طرح کی مثلاً دادا کے ساتھ میں بھائیوں کے محروم ہونے کی صورت اور شرابخواری کی سزا میں اور جب امام چوک جاوے تو اس پر تاوان کے واجب ہونے میں جیسا اس مسئلہ میں کہ کسی عورت نے بباعث خوف حضرت عمرؓ کے اپنا بچہ گرا دیا تھا اور اسی مسائل فرائض وغیرہ میں ان کے مشورے مشہور ہیں اور جو خلاف کہ شافعیؒ اور احمدؒ اور محمدؒ، مالکؒ اور ابو یوسف وغیرہم رحمہم اللہ سے منقول ہے وہ اسی بات کا ممد ہے اور ہم تم کو اس مغالطہ کی تہ بتائے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ طلب حق پر ایک دوسرے کی مدد چاہنی البتہ دین کی بات ہے، مگر اس کے لیے کئی شرطیں اور علامتیں ہیں۔

اوّل یہ کہ جب مناظرہ فرض کفایہ ہو تو جو شخص کہ فرض عین سے فراغت نہ کر چکے، اس میں مشغول ہونا نہ چاہیے۔ اور جس شخص پر فرض عین ہو اور وہ فرض کفایہ میں مصروف ہو جاوے اور کہے کہ میری غرض طلب حق ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی خود تو نماز ترک کر بیٹھے اور کپڑوں کے پیدا کرنے اور بننے میں کوشش کرتا پھرے اور کہے کہ میری غرض اس سے یہ ہے کہ جو شخص ننگے بدن نماز پڑھے اور کپڑا نہ میسر ہو اس کا ستر عورت کروں کیونکہ یہ بات کبھی ہو بھی جاتی ہے، اس کا واقع ہونا ممکن ہے جیسا کہ فقیہہ کہتا ہے کہ جو امور کہ ان سے خلاف میں بحث ہوتی ہے ان کا واقع ہونا ممکن ہے اگر کم ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ایسی باتوں کو چھوڑے ہوئے ہیں جو باتفاق فرض عین ہیں، اور اگر کوئی ودیعت کو فوراً ادا کرنا چاہے اور کھڑا ہو کر نماز کی نیت باندھ لے جو سب ثوابوں سے عمدہ ہے اور کسی شرط وغیرہ کا لحاظ نہ کرے، تو ظاہر ہے کہ نماز سے وہ نافرمان خدائے تعالیٰ کا ہو گا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کے مطیع ہونے میں بھی امر کافی نہیں کہ وہ کوئی فعل طاعت کی جنس کا کرتا ہو، جب تک کہ اس میں وقت اور ترتیب کا لحاظ نہ کرے۔

دوسرے یہ کہ مناظرہ کی نسبت اگر کوئی دوسرا فرض کفایہ اہم نہ دیکھے اگر اس کی نسبت اور فرض کفایہ اہم اس کو معلوم ہو اور پھر مناظرہ میں مشغول ہو گا اور اس کی مثال ایسی ہو گی کہ کوئی شخص ایک جماعت کو دیکھے کہ پیاس کے مارے مرے جاتے ہیں اور لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے خبر گیری نہیں کرتے اور اس کو ان کے جلانے کی یعنی پانی پلانے کی قدرت ہے تو اب یہ پانی نہ پلاوے پچھنے لگانے سیکھے اور کہے کہ اس لیے سیکھتا ہوں کہ یہ فرض کفایہ ہے، اگر شہر میں اس کا جاننے والا نہ رہے گا تو لوگ ہلاک ہو جاویں گے اور کوئی اس سے کہے کہ شہر میں تو سینگی لگانے والے بہت ہیں اسی قدر کافی ہیں تو جواب

دیتا ہے کہ اس بات سے اس فعل کا فرض کفایہ ہونا تو نہیں گیا، غرض کہ جو شخص ایسا کرے اور جو کام کہ نہایت ضرور ہے اس کو نہ کرے، یعنی پیاسے مسلمانوں کی خبر نہ لے اس کا حال اس شخص جیسا ہے کہ مناظرہ میں فرض کفایہ جان کر مصروف رہے اور شہر میں جن فروض کفایہ کو کوئی نہیں کرتا، ان میں تندہی نہ کرے مثلاً فتوے ہی ہے کہ اس کے لیے بہت لوگ ہیں اور فروض کفایہ ہر ایک شہر میں کچھ نہ کچھ چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کی طرف فقہاء توجہ بھی نہیں کرتے مثلاً سب سے نزدیک طب ہی ہے کہ اکثر شہروں میں مسلمان طبیب نہیں جس کی گواہی شرعاً امور طبیہ میں درست ہو اور فقہا میں سے طب کی رغبت نہیں کرتا، اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے، اگر مناظرہ کرنے والا مجلس مناظرہ میں دیکھتا ہے کہ حریر کا لباس ہے یا فرش بچھا ہے، اس کو چپکا دیکھتا ہے اور ایسے مسئلہ میں مناظرہ کرتا ہے کہ وہ کبھی واقع نہ ہو، اور اگر ہو بھی تو اس کے بتانے والے ہوں، پھر یہ کہتا ہے کہ میں فرض کفایہ میں مشغول ہونے سے خدائے تعالیٰ کا قرب چاہتا ہوں۔

اور حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کب ترک ہو جاویں گے آپ نے فرمایا کہ جب[ح] تم سے بہتر لوگوں میں مداہنت پیدا ہو گی اور بڑوں میں بے حیائی اور چھوٹوں میں سلطنت چلی آئے گی اور رذیلوں میں فقہ۔

تیسری یہ کہ مناظرہ کرنے والا مجتہد ہو کہ اپنی رائے سے فتوائے دے مذہب شافعیؒ اور امام اعظمؒ وغیرہ پر مقید ہو کر فتویٰ نہ دے یہاں تک کہ اگر اس کو حق امام ابو حنیفہؒ کے مذہب سے معلوم ہوا تو امام شافعیؒ کی تجویز کو ترک کر کے اور جو کچھ امر حق معلوم ہوا ہے اسی کے بموجب فتوائے دے جس طرح کہ صحابہؓ اور امام کیا کرتے تھے اور جس شخص کو کہ اجتہاد کا رتبہ نہیں جیسا کہ حال سب زمانہ بھر کا ہے اور جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو اپنے امام کا قول نقل کر کے حکم دیتا ہے اور اگر امام کے مذہب میں کچھ ضعف معلوم ہوتا ہے تو اس مذہب کا چھوڑنا اس کو جائز نہیں تو ایسے شخص کو مناظرہ سے کیا فائدہ ہے، مذہب تو اس کو معلوم ہی ہے، اس کے سوا اور مذہب پر فتویٰ دینے کا اس کو اختیار نہیں، اور جو بات اس کو مشکل پڑے تو اس کے جواب میں یہ کہنا لازم ہے کہ شاید ہمارے امام کے یہاں اس کا کچھ جواب ہو گا، ہم کو اجتہاد میں اتنا رسوخ نہیں کہ اصل شرع میں سے بات نکالیں، اور یہ اگر ایسے مسائل میں مباحثہ کرتا کہ جن میں اس کے امام سے دو صورتیں یا دو قول ہیں تو البتہ مناسب تھا کیونکہ وہ مثلاً اکثر ایک روایت کے بموجب حکم دیتا ہے تو بحث سے یہ فائدہ ہو گا کہ جونسی روایت قوی ہو گی، وہ معلوم ہو جاتے گی حالانکہ ایسے مسائل میں کبھی مناظرے نہیں ہوتے بلکہ جس مسئلہ میں امام سے دو وجہیں یا قول مروی ہوں اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور ایسا مسئلہ تلاش کیا جاتا ہے جس میں قطعاً دوسرے امام کا خلاف ہو۔

چوتھی یہ کہ مناظرہ ایسی صورتوں میں کرے جو ہو چکی ہوں یا عنقریب ہونے کو ہوں اس لیے کہ صحابہؓ نے انہیں واقعات

ح ابن ماجہ باسناد حسن ۱۲

میں مشورہ فرمایا ہے جو نئے ہوئے ہیں یا جو اکثر ہوا کرتے ہیں جیسے فرائض کے مسائل، مگر مناظرہ کرنے والوں کو نہ دیکھو گے کہ جن مسائل میں لوگ اکثر مبتلا ہوتے ہیں اور فتوے کی حاجت ہے، ان کی تحقیق کا اہتمام کبھی کرتے ہوں بلکہ ایسے ہی مسائل کو ڈھونڈھتے ہیں جن میں گنجائش جھگڑنے کی کسی صورت سے نکل آوے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو بات واقع ہوتی ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ حدیث کے متعلق ہے یا مختصر ہے کچھ طویل مسئلہ نہیں، پس تعجب کی بات ہے کہ مقصود تو امر حق دریافت کرنا ہو اور پھر مسئلہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیں کہ متعلق بہ حدیث ہے اس کے باب میں امر حق حدیثوں سے دریافت ہوتا ہے یا اس وجہ سے ترک کریں کہ مسئلہ طویل نہیں کہ اس میں کلام کو طول دیا جاوے حالانکہ امر حق میں مقصود یہی ہوتا ہے کہ کلام مختصر کر کے جلد مطلوب پر پہنچ جاویں یہ نہیں کہ تقریر کو طول دیا جاوے۔

پانچویں یہ کہ خلوت اور تنہائی میں مناظرہ کرنا اچھا معلوم ہوتا ہو بہ نسبت محفلوں اور امراء اور حکام کے سامنے ہونے کے اس لیے کہ خلوت میں ہمت مجتمع اور ذہن اور فکر صاف رہتے ہیں اور حق کو جلد سمجھتے ہیں اور لوگوں کے سامنے نمود کے لوازم ابھر کھڑے ہوتے ہیں اور ہر کسی کو فریقین میں سے یہی حرص ہوتی ہے کہ میں ہی برتر رہوں اس کی پروا نہیں کہ حق پر ہوں یا باطل پر، اور تم کو معلوم ہے کہ اب مناظرہ کرنے والے محفلوں اور مجمعوں میں بحث کرنے کے زیادہ حریص ہیں اور ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدتوں رہتا ہے مگر تنہائی میں کچھ تقریر نہیں کرتا، بلکہ اگر ایک کچھ پوچھتا ہے تو دوسرا جواب نہیں دیتا، اور اگر کوئی رئیس وہاں ہو یا مجمع ہو تو پھر کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتا تاکہ کلام میں مقرر ثابت ہو۔

چھٹی یہ کہ امر حق کی طلب میں ایسا حال ہو جیسے کوئی کھوئی چیز کو ڈھونڈھتا ہے کہ اس بات کی تمیز نہ کرے کہ وہ میرے ہاتھوں ملے یا دوسرے کے، اور بحث کرنے میں طرف ثانی کو اپنا مددگار جانے، مقابل اور خصم نہ سمجھے اگر وہ اس کی غلطی پر آگاہ کر دے یا حق بات بتا دے تو اس کا شکر گذار اور ممنون ہووے جس طرح کہ گم شدہ چیز کی تلاش میں اگر ایک رستہ چلتا ہو اور دوسرا شخص اس کو وہ چیز دوسری سڑک پر بتا دے تو یہ شخص دوسرے کا مشکور ہوتا ہے اس کی برائی نہیں کرتا اور اس سے خوش ہوتا ہے اس کو برا نہیں جانتا، اور صحابہؓ کے مشورے کا بھی حال ایسا ہی تھا یہاں تک کہ ایک عورت نے حضرت عمرؓ کو عین خطبہ میں مجمع کے سامنے ٹوکا اور حق پر آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ عورت نے ٹھیک کہا اور عمر نے غلطی کی۔ اور ایک شخص نے حضرت علیؓ سے کچھ پوچھا، آپ نے جواب دیا، اس نے کہا کہ یا امیر المومنین یہ مسئلہ اس طرح نہیں ایسے ہے آپ نے فرمایا کہ تو درست کہتا ہے، میں نے خطا کی، اور ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا اعلم والا ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہ بات بتا دی جو ان سے فوت ہو گئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک یہ عالم تم میں ہے تب تک مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو، اور وہ حال اس طرح ہے کہ کسی نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے یہ پوچھا کہ ایک شخص نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور مارا گیا، اس کا کیا حال ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہی ہے، اور اس وقت آپ کوفہ کے حاکم تھے، حضرت ابن مسعودؓ نے سائل سے فرمایا کہ امیر سے دوبارہ پھر پوچھو، شاید وہ تمہارا سوال سمجھے نہیں، اس نے دوبارہ بھی سوال کیا، آپ نے پھر وہی جواب دیا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ مارا گیا اور حق کو پہنچا تب جنتی ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ حق یہی ہے جو آپ نے فرمایا اور واقع میں جو طالب حق ہو تو اس کو یوں ہی انصاف کرنا چاہیے اگر اس

طرح کی بات آج کل کسی ادنیٰ فقیہہ کے سامنے کوئی ذکر کرتا تو وہ نہ مانتا اور کہتا کہ مسئلہ مذکور میں حق کو پہنچنے کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے غرضکہ اپنے اس زمانے کے مناظرین کو دیکھو کہ اگر امر حق طرف مقابل کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو اس کا چہرہ کیسا سیاہ پڑ جاتا ہے اور پھر جھنیپ کر جہاں تک ان سے بنتا ہے اس حق کے انکار میں کوشش کرتے ہیں اور جو شخص ان کو الزام دیتا ہے اس کی برائی عمر بھر کرتے رہتے ہیں اور پھر شرم نہیں کرتے کہ مناظرے میں اپنے آپ کو صحابہؓ کے مشابہ بتاتے ہیں۔

ساتویں یہ کہ مناظرہ کا شریک اگر ایک دلیل سے دوسری کی طرف آیا، ایک اعتراض سے دوسرے پر بدلنا چاہے تو اس کو روکنا نہ چاہیئے اس لیے کہ سلف کے مناظرے سب ایسے ہی ہوتے تھے، ان کے کلام سے سب جھگڑنے کے دقائق جواب نئے نکلے ہیں، خارج تھے، مثلاً اس کہنے سے کیا حاصل کہ اس بات کا ذکر مجھ پر لازم نہیں کہ یہ امر تمہاری پہلی تقریر کے خلاف ہے اس لیے نہیں مانا جاوے گا کیونکہ امر حق کی طرف رجوع کرنا تو ہمیشہ باطل کے خلاف ہوتا ہے مگر حق کا قبول کرنا واجب ہے اور باب مناظرہ کی مجلسوں کو دیکھتے ہو کہ سب ایک دوسرے کی بات کاٹتے اور لڑائی جھگڑے میں بسر ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص اپنے گمان میں کسی اصل کی ایک علت ٹھہرا کر استدلال کرتا ہے تو دوسرا اس سے کہتا ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اصل میں حکم اسی علت سے ہوا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اگر تم کو کوئی اور علت واضح تر اور بہتر معلوم ہوئی ہو تو اس کو ذکر کرو کہ میں بھی اس میں تامل کروں تو معترض اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علت تم نے ذکر کی اس کے سوا اور بات ہے اور اس کو جانتا ہوں مگر کہوں گا نہیں، اس لیے کہ مجھ کو اس کا کہنا ضروری نہیں اور استدلال کرنے والا کہے جاتا ہے کہ جس امر کو تم علت بتاتے ہو، اس کو ظاہر کرو اور معترض یہی اصرار کرتا ہے کہ مجھ پر تو کہنا لازم نہیں، اور اسی طرح کے سوالوں وغیرہ سے مناظروں کی مجلسوں میں شور و غوغا رہتا ہے اور معترض بیچارہ کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا یہ کہنا کہ میں جانتا ہوں اور علتِ حکم کو بیان نہیں کرتا، اس لیے کہ میرے ذمہ پر بیان کرنا ضروری نہیں، شریعت پر جھوٹ بولنا ہے اس لیے کہ اگر واقع میں حکم کی علت کو نہیں جانتا اور صرف اپنے مقابل شخص کے عاجز کرنے کو دعوٰے جاننے کا کرتا ہے تب تو وہ فاسق اور جھوٹا اور خدائے تعالیٰ کا نافرمان اور مستحق اس کی خفگی کا ہے کہ جو بات اس کو نہیں آتی، اس کے جاننے کا دعوٰے کرتا ہے اور اگر اپنے دعوے میں سچا ہے تب بھی فاسق ہے اس لیے کہ جو امر شرعی اس کو معلوم ہے، اس کو چھپاتا ہے حالانکہ اس کا بھائی مسلمان اس سے پوچھ رہا ہے تاکہ اس میں سمجھ کر تامل کرے، اگر وہ علت قوی ہو تو خود بھی اس کو اختیار کرے، اور اگر ضعیف ہو تو اس کا ضعف ثابت کر کے معترض کو جہل کی تاریکی سے علم کی روشنی میں پہنچاوے، اور یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ آدمی علوم دین میں سے جو کچھ جانتا ہو، اگر کوئی اس سے پوچھے تو سوال کے بعد اس کو بتانا اور ظاہر کرنا واجب اور لازم ہوا کرتا ہے، پھر معترض جو یہ کہتا ہے کہ مجھ کو اس کا بیان کرنا لازم نہیں، اس سے یہ غرض ہے کہ اس طریق جدل میں جو ہم نے بموجب خواہش اور رغبت حیلہ جوئی اور تقریر لڑانے کے ایجاد کیا ہے اس شریعت میں لازم نہیں، ورنہ شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس پر بیان کرنا لازم ہے، اس لیے کہ بیان نہ کرنے سے یا جھوٹا ٹھہرتا ہے یا فاسق۔ اب صحابہؓ کے مشوروں اور علمائے سلف کی تقریروں کو دیکھ کر ان میں کہیں اس

طرح کی بات سنی ہے اور کبھی ان میں سے کسی نے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف جانے سے منع کیا ہے اور قیاس سے قول صحابی کی طرف اور حدیث سے آیت کی طرف میل کرنے سے روکا ہے، بلکہ ان کے تو سب مناظرے اسی طرح کے ہوتے تھے کہ جو ان کے دل میں گذرا بجنسہٖ اسی طرح ذکر کر دیا اور پھر اس میں سب نے تامل کیا۔

آٹھویں یہ کہ مناظرہ ایسے شخص سے کرے جس سے کہ توقع فائدہ اٹھانے کی ہو اور جو کہ علم میں مشغول ہو اور اب غالباً یہ رواج ہے کہ مناظرہ کرنے والے بڑے بڑے علماء سے مناظرہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ امر حق ان کی زبان سے نہ نکل جاوے اور ہماری قلعی کھل جاوے اور جو لوگ اپنے آپ سے علم میں کم ہیں، ان کے ساتھ مناظرہ کرنے کے راغب ہیں کہ ان کے سامنے باطل کو رواج دیں۔ یہ شرطیں ہیں مناظرہ کی اور ان کے سوا اور شرطیں باریک بہت سی ہیں مگر تم کو ان آٹھ شرطوں ہی سے مناظرہ کرنے والے کا حال معلوم ہو جاوے گا کہ خدائے تعالیٰ کے واسطے مناظرہ کرتا ہے یا کسی اور سبب کے لیے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جو شخص شیطان سے تو مناظرہ نہ کرے کہ وہ اس کے دل پر حاوی اور سب میں بڑا دشمن اور ہمیشہ ہلاک کا خواہاں ہے اور دوسرے شخص سے ان مسائلِ اختلافی میں مناظرہ کرے کہ ان میں اجتہاد کرنے والا یا مصیب... ہے یا ثواب میں مصیب کا شریک ہے تو وہ شیطان کا کھلونا اور اخلاص والوں کے لیے عبرت ہے اور اسی سے شیطان نے اس سے راضی ہو کر اس کو ان آفات کے گرداب میں غوطہ دیا جن کی شمار اور تفصیل بعون اللہ و حسن توفیقہ ہم آگے لکھتے ہیں۔

ذیلی فصل ۳ مناظرہ کے سبب پیدا ہونے والی آفات اور مہلک حوادث

واضح ہو کہ جو مناظرہ اس غرض کے لیے ہو کہ اپنا غالب ہونا اور دوسرے کا ساکت کرنا اور اپنے فضل اور شرف کا اظہار اور لوگوں میں اپنی فصاحت اور خوش تقریری اور فخر کو دکھلانا، اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اس سے منظور ہو تو ایسا مناظرہ جتنی عادتیں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مذموم اور اس کے دشمن یعنی شیطان کے نزدیک اچھی ہیں سب کا منبع ہوتا ہے اور باطن کی برائیوں سے یعنی کبر اور حسد اور عجب اور حرص اور تزکیۂ نفس اور محبتِ جاہ وغیرہ کو اس مناظرے سے وہ نسبت ہے جو ظاہر کی خرابیوں مثل زنا اور گالی اور قتل اور چوری وغیرہ کو شراب پینے سے ہے اور جس طرح کہ کسی شخص کو شراب پینے اور ان ساری خرابیوں کے کرنے میں اختیار دیا جائے تو وہ شراب پینے کو ادنیٰ جان کر جرأت کر بیٹھے اور پھر نشے کی حالت میں اس سے باقی خرابیاں بھی سرزد ہوں، اسی طرح جس کے دل میں محبت دوسرے کی ساقط کرنی اور اپنے غلبہ مناظرہ کی اور جاہ و فخر کی طلب غالب ہوتی ہے تو یہ باتیں اس کو اس امر کی مقتضی ہوتی ہیں کہ سب طرح کی خباثتیں اس کے دل میں مخفی ہوں اور سب عاداتِ بد ہیجان میں آویں اور عاداتِ بد کی مذمت حدیثوں اور آیتوں سے جلد ثالث میں ہم بیان کریں گے، یہاں صرف ان عادات کو کلیتہً بیان کرتے ہیں جو مناظرے سے ابھرتی ہیں پس ایک ان میں سے حسد ہے جس کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الحسدؔ یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب اور مناظرہ

ؔ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو چاٹ جاتی ہے ۱۲ ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

کرنے والا حسد سے خالی نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے اور کبھی مغلوب، اور بعض اوقات اس کے کلام کی تعریف ہوتی ہے اور بعض اوقات غیر کے کلام اس سے بہتر اور قوی ہو تو بالضرور اس کی حسد کرے گا اور خدائے تعالےٰ کی نعمت کو اس سے دور ہونا چاہے گا اور یہ پسند کرے گا کہ لوگوں کے دل اس سے پھر کر میری طرف ہو جاویں اور حسد ایک جلتی آگ ہے، جو اس میں مبتلا ہوتا ہے، وہ دنیا میں عذاب الیم میں رہتا ہے اور آخرت کا عذاب سخت اور زیادہ تر ہے اور اس لیے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ علم کو جہاں سے پاؤ، حاصل کرو اور فقہاء کے اقوال جو ایک دوسرے پر ہوں، ان کو مت مانو کہ وہ لوگ ریوڑوں کے بکروں کی طرح لڑتے رہتے ہیں اور ایک لوگوں پر تکبر کرتا ہے اللہ اس کو پست کرتا ہے اور جو شخص فروتنی کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے اور حدیث قدسی میں یوں ارشاد ہے کہ العظمۃ ازاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی واحدا فیھما قصمتہٗ[ح] اور مناظرہ کرنے والے اپنے اقران اور ہمسروں پر تکبر کرنے اور بڑائی ڈھونڈھنے اور اپنی لیاقت سے بڑھ کر جگہ پانے سے خالی نہیں رہتے یہاں تک کہ جو مقام صدر کے مکان کے قریب یا دور ہوتا ہے یا بلندی خواہ پستی میں اس کی رغبت کی جاتی ہے اس میں بیٹھنے کے لیے لڑ مرتے ہیں اور راستے کی تنگی کی صورتیں پہلے جانے پر کشت و خون کرتے ہیں اور بعض اوقات ان میں سے جو ناواقف اور مکار فریبی ہوتا ہے، وہ یہ بہانہ کرتا ہے کہ ہم کو عزت علم کی حفاظت منظور ہے اور ایماندار کو اپنے نفس کو ذلیل بنانا بھی شرعًا ممنوع ہے، پس اس بہانے سے تواضع کو جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے اور اس کے تمام انبیاء نے فرمائی ہے، ذلت بتاتا ہے اور تکبر کو جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک بُرا ہے دین کی عزت سے تعبیر کرتا ہے تاکہ لفظوں کو بدل کر خلقِ خدا کو گمراہ کرے جیسے علم و حکمت کے الفاظ کو بدل کر اور معنی کر لیے، اور ایک کینہ ہے کہ مناظرہ کرنے والا اکثر اس سے خالی ہوتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ ایماندار کینہ ور نہیں ہوا کرتا اور کینہ کی برائی میں بہت کچھ مروی ہے، مگر کسی مناظرہ والے کو ایسا نہ پاؤ گے کہ جب وہ کسی شخص کو دیکھے کہ میرے کلام میں توقف کرتا ہے اور اچھی طرح نہیں سنتا، اور طرف ثانی کے کلام پر سر ہلاتا ہے تو نہ گھبرا دے اور اس شخص سے دل میں کینہ نہ رکھے غایت ضبط اگر کرے گا تو یہ کہ دل میں نفاق رکھے گا، مگر کبھی نہ کبھی ظاہر میں بھی غالبًا اس کا اثر آجاوے گا، اور چونکہ سب سننے والوں کا اتفاق ایک شخص خاص کے کلام کی ترجیح دینے پر ممکن نہیں کہ سب حالات میں اسی کے اعتراض اور جواب کو اچھا جانا کریں، اس لیے ضرور ہوا کہ مناظرہ والے کے کلام کو نہ ماننے والا بھی مجلس میں ضرور ہو، اور یہی وجہ اس کے نفاق و عداوت کی ہوتی ہے یعنی جہاں طرف ثانی کی طرف سے کوئی ادنیٰ سبب ہو جس کے باعث سے کسی نے مناظرہ والے کے کلام کی طرف کم توجہی کی تو اس کے دل میں اس کی طرف سے عمر بھر کو کینہ جم جاتا ہے۔ اور ایک غلیبت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے اور مناظرہ کرنے والا مردار ہی کھانے کا عادی رہتا ہے

ح عظمت میرا تہمد ہے اور کبر یا میری چادر، جو شخص کسی سے ان دونوں میں میرے ساتھ نزاع کرے گا میں اس کو توڑ دوں گا ۱۲ ابو داؤد بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲۔ ح اس کی اصل نہیں ملی ۱۲

کہ ہمیشہ اپنی طرف مقابل کے کلام نقل کرکے اس کی برائی کرتا ہے۔ اور نہایت احتیاط اس کی یہ ہے کہ جس بات کو اس کی نقل کرے صحیح بیان کر دے جھوٹ نہ کہے، اور اس میں بھی یہ ہوگا کہ اس کی ایسی باتیں بیان کرے گا جس سے اس کی گفتگو میں قصور اور اس کا ہار جانا اور فضیلت میں بٹا لگنا پایا جاوے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا ذکر داخل غیبت ہے اور اگر جھوٹ بولے گا تو بہتان اس کے ذمہ لگا دے گا جو غیبت سے بھی زائد ہے اسی طرح مناظرہ والے سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو شخص اس کے کلام سے روگردانی کرے اور اس کے طرف مقابل کے کلام سنے اور اس کی طرف متوجہ ہو تو یہ اس کی ہتک کے درپے نہ ہو اور اس کو جاہل اور احمق اور کم فہم نہ کہے اور ایک تزکیۂ نفس ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی اور کسی حکیم سے سوال کیا گیا کہ برا سچ کون سا ہے، اس نے کہا کہ اپنے نفس کی تعریف کرنی اور مناظرہ کرنے والا اپنے نفس کی تعریف قوت اور غلبہ میں اور ہمسروں پر فضل کی رو سے مقدم ہونے میں کیا ہی کرتا ہے بلکہ درمیان میں مناظرہ کے کہہ اٹھتا ہے کہ میں ایسا نہیں کہ اس جیسی باتیں مجھ پر مخفی رہیں اور یہ باتیں میرے ناخنوں میں بھری ہیں، اصول اور احادیث میں طاق ہوں اور سوا اس کے اسی طرح کی باتیں کبھی تو شیخی کے طور پر اور کبھی اپنے کلام کے رواج دینے کی ضرورت سے کہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ شیخی اور لاف زنی شرعاً اور عقلاً ممنوع ہیں اور ایک عیب جوئی اور بھید کا ٹٹولنا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تجسسوا یعنی بھید مت ٹٹولو، مناظرہ کرنے والا اپنے ہمسروں کی لغزشیں اور مقابل کے عیب ڈھونڈھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب کسی مناظرہ کرنے والے کو اپنے شہر میں آیا ہوا سنتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات بتاوے اور اس کی سب برائیاں پوچھ پوچھ کر کہلاتا ہے تاکہ ان کو اپنے لیے ذخیرہ کر رکھے اور وقت ضرورت ان کو فضیحت اور شرمندہ کرے حتیٰ کہ اس کے لڑکپن کے حالات اور بدن کے عیب بھی دریافت کرتا ہے کہ شاید کوئی لغزش یا عیب مثل گنج وغیرہ کے دریافت ہو جاوے، پھر مناظرہ کے وقت اگر اس کی طرف سے ذرا سا غلبہ بھی معلوم ہوتا ہے تو وہ اگر وضعدار ہوتا ہے تو اس عیب کو کنایۃً اس سے کہتا ہے اور اس امر کو اور لوگ بھی پسند کرتے ہیں اور خود مناظرہ والا اس بات کو ایک لطیف سبب جانتا ہے اور اگر خود جھگڑ باز ہوتا ہے تو کھلا کھلی اور علانیہ اس عیب کے جتانے سے نہیں رکتا، چنانچہ ایک قوم کا حال اسی طرح کا سنا گیا ہے جو بڑے معتبر مناظرہ کرنے والوں میں ہیں اور ایک لوگوں کی برائی سے خوش ہونا اور ان کی خوشی پر رنج کرنا ہے اور جو شخص کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہ بات نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا تو وہ ایمانداروں کے اخلاق سے بمراحل دور ہے تو جو شخص کہ افضل کے جتانے سے فخر کا طالب ہے اس کو بالضرور وہ بات اچھی معلوم ہوگی جو اس کے ہمسروں اور فضل کے شریکوں کو بری لگے اور ان میں عداوت ایسی ہی ہوگی جیسے سوتوں میں ہوا کرتی ہے تو جس طرح ایک سوت دور سے دوسری کو دیکھ کر کانپ اٹھتی ہے اور زرد پڑ جاتی ہے اسی طرح مناظرہ کرنے والا جب دوسرے کو دیکھتا ہے، اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور فکر میں پریشانی آ جاتی ہے، گویا

[۱] سو وہ مت بولو اپنی ستھرائیاں وہ بہتر جانے جو بچ چلا ۱۲

بھوت سامنے آگیا یا کوئی درندہ بلا کو مقابل ہوا، پس ان لوگوں میں وہ الفت و راحت کہاں ہے جو علمائے دین میں ملاقات کے وقت ہوا کرتی ہے اور جس طرح کا بھائی چارہ اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنی اور رنج و راحت میں شریک رہنا ان سے مروی ہے وہ ان میں کہاں ہے حتیٰ کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضل اور عقل والوں میں ایک قرابت قریبہ ہے، اب ہم کو نہیں معلوم کہ جن لوگوں میں کہ علم ایک عداوت قطعی ہو گیا ہے وہ لوگ امام شافعیؒ کے مذہب کی اقتدا کا کیسے دعویٰ کرتے ہیں، بھلا کہیں ہو سکتا ہے کہ باوجود مباحات اور غلبہ کے طلب کے ان میں انس ثابت ہو، یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا اور اس مناظرے کی برائی تم کو اتنی ہی کافی ہے کہ تم سے مومنوں کی عادتیں چھوڑ کر منافقوں کی عادتیں تمہارے ساتھ کرے، اور ایک نفاق ہے جس کی برائی کی دلیلیں لکھنے کی کچھ حاجت ہی نہیں، اور مناظرہ والوں کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے مثلاً جب طرف ثانی یا ان کے دوستوں اور پیروں سے ملتے ہیں تو ناچار زبان سے ان کی دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور شوق جتاتے ہیں اور ان کے رتبے کے قائل ہوتے ہیں، حالانکہ کہنے والا مخاطب اور جو کوئی غیر ان کی باتیں سنتا ہے سب جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور مکر اور نفاق اور بدکاری ہے کہ ظاہر میں زبان سے تو دوست ہیں اور دل سے دشمن، خدائے تعالیٰ ایسی عادت سے پناہ دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب[خ] آدمی علم سیکھیں اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں اور زبان سے دوست بنے رہیں اور دلوں سے ایک دوسرے کے دشمن ہوں اور قرابتوں کو قطع کریں تو اس وقت میں اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرتا ہے پس بہرا کر دیتا ہے ان کو، اور ان کی بینائی کھو دیتا ہے، روایت کیا اس کو حسن نے اور اس حال کے تجربہ ہو جانے سے معلوم ہوا کہ یہ مضمون درست ہے اور ایک حق بات سے برائی رکھنی اور اس سے نفرت کرنی اور اس میں لڑنے کی حرص کرنی ہے یہاں تک کہ مناظرہ کرنے والے کے نزدیک سب سے بری بات یہ ہے کہ طرف ثانی کی زبان سے امر حق ظاہر ہو، اور جب ایسا ہو تو اس کے انکار اور نہ ماننے کے لیے اپنی طاقت کے موافق مستعد ہوتا ہے اور جتنا کہ اس سے ہو سکتا ہے اس کے لیے مکر و فریب و حیلہ کرتا ہے، یہاں تک کہ امر حق میں جھگڑنا اس کی عادت جبلی ہو جاتی ہے کہ کوئی کلام جہاں کان میں پڑا، اسی وقت طبیعت میں اس پر اعتراض کرنے کی سوجھی، ہوتے ہوتے یہ امر قرآن مجید کی دلیلوں میں اور شریعت کے لفظوں میں بھی اس کے دل پر غالب ہو جاتا ہے، ایک کا مقابلہ دوسرے سے کرتا ہے اور جھگڑنا ایسا برا ہے کہ باطل کے مقابلے میں بھی اس سے نہی آئی ہے، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے باطل پر جھگڑا نہ کرنے کو ارشاد فرمایا، چنانچہ ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا[خ] من ترك المراء وهو مبطل بنى الله له بيتا فى الجنة ومن ترك المراء وهو محق بنى الله له بيتا فى اعلى الجنة اور اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پر جھوٹ کا اقرار کرنے اور امر حق کے جھٹلانے کو برابر فرمایا چنانچہ فرمایا ومن[ت] اظلم ممن افترى على الله كذبا او كذب بالحق لما جاءه

[خ] طبرانی بروایت سلمان بسند ضعیف ۱۲ [خ] جو شخص باطل پر ہو کر جھگڑا ترک کرے خدائے تعالیٰ اس کے لیے جنت کے ایک کنارے میں گھر بناتا ہے اور جو شخص حق پر ہو کر جھگڑا ترک کرے، خدائے تعالیٰ اس کے لیے سب سے اوپر کی جنت میں گھر بناتا ہے ۱۲ ترمذی بروایت انسؓ ۱۲ [ت] اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلا دے سچی بات کو جب اس تک پہنچے ۱۲

اور فرمایا ف[ث] فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ اور ایک ریا اور خلق کو دکھلانا اور ان کے دلوں کے پھیرنے میں کوشش کرنی ہے اور یہ زیادہ مرض لاعلاج ہے جس سے سب میں بڑا کبیرہ گناہ سرزد ہوتا ہے چنانچہ اس کا بیان باب الریا میں آوے گا اور منافق کا مقصود صرف خلق میں نمود ہوتی ہے اپنی تعریف میں اس کی زبان کا گویا ہونا ہے تو یہ سب باطن کی برائیاں دس ہوتیں جو سب خرابیوں کی جڑ ہیں اور جو خرابیاں کہ غیر وضعداروں میں ہو جایا کرتی ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں مثلاً اس طرح جھگڑنا کہ نوبت ہشت مشت اور دھول دھپے اور لات گھونسے، اور کپڑے پھاڑنے اور داڑھی پکڑنے، اور ماں باپ اور استادوں کو برا کہنے اور صریح گالی دینے کی پہنچے، اس طرح کے لوگ زمرۂ انسانیت سے خارج ہیں، جو لوگ کہ عاقل اور بزرگ ہیں ان میں یہ دسوں خصلتیں ضرور ہوتی ہیں، ہاں بعض اوقات کوئی مناظرے والا ان عادتوں میں سے بعض سے بچ بھی رہتا ہے بشرطیکہ اس کا مقابل بظاہر اس سے کم رتبہ ہو یا بہت بڑھ کر ہو، یا اس کے شہر سے اور اسباب معیشت سے دور رہتا ہو، اور جو مناظرہ والے کہ ہمسر اور پاس پاس رہنے والے اور درجے میں مساوی ہوں وہ ان دسوں سے نہیں خالی ہوتے، پھر ان دس خصلتوں سے دس اور پاجی حرکات متفرع ہوتی ہیں جن کی تفصیل ایک ایک ہم طول سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں، مثلاً ناک چڑھانی اور غصہ کرنا اور دشمنی اور طمع اور جاہ و مال کی طلب کی محبت جو غلبہ اور مباہات والے کو ہوتی ہے اور خوش ہونا اور اترانا اور تو انگروں اور حکام کی تعظیم اور ان کے پاس آنا جانا اور ان کے مال حرام میں سے لینا اور گھوڑوں اور سواریوں اور ممنوع لباس سے زینت کرنا اور فخر و تکبر سے لوگوں کو حقیر جاننا اور بے فائدہ امر میں خوش کرنا، اور کلام بہت کرنا اور دل میں سے خوف و رجا کا جاتا رہنا اور اس پر غفلت کا چھا جانا، اس درجہ تک کہ ان میں سے نماز پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ کتنی پڑھی اور کیا پڑھتا ہے اور کس سے مناجات کرتا ہے اور اپنے دل سے خشوع کی خبر تک نہ ہو، باوجودیکہ عمر بھر ان علوم میں ڈوبا رہے جو مناظرہ پر ہوں، یہاں تک کہ عبارت کا اچھا بولنا اور لفظ مقفی کہنا اور نادر باتوں کا یاد کرنا وغیرہ امور بے شمار میں مصروف رہتا ہے، حالانکہ آخرت میں یہ کچھ کام نہ آویں گے اور مناظرہ کرنے والے مناظرہ میں موافق اپنے درجوں کے مختلف ہوتے ہیں اور ان کے درجات بہت سے ہیں، اور جو شخص کہ ان میں سے بڑا دیندار اور زیادہ عاقل ہوتا ہے اس میں بھی ان اخلاق کے مواد مجتمع رہتے ہیں اور غایت اس کی یہ ہے کہ نفس پر مجاہدہ کر کے اس کو پوشیدہ رکھتا ہے اور یہ رذیل عادتیں اس شخص کے ساتھ بھی رہتی ہیں جو وعظ و نصیحت میں مشغول رہتا ہے بشرطیکہ اس کا ارادہ وعظ سے لوگوں میں مقبول ہونا اور جاہ و ثروت و عزت کا حاصل کرنا ہو۔ اگر کوئی شخص علم مذہب اور فتاوے میں لگا رہے اور اس کی غرض یہ ہو کہ عہدہ قضا اور وقفوں کی تولیت ملے، اور ہمسروں پر فوقیت ہو تو اس کو بھی یہ عادتیں لازم ہوں گی، حاصل یہ کہ یہ عادتیں ایسے شخص کے ساتھ ہوں گی، جو علم سے سوائے آخرت کے ثواب الٰہی کے غیر چیز کا طالب ہو اور ایسے[۵] علم کے ساتھ بھی ہوں گی جو عالم کو ویساہی نہ رکھے بلکہ

ث پھر اس سے ظالم کون جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس ۱۲ ۵ فی الاصل فالعلم لا یہمل العالم بل یہلکہ ہلاک الابد او یحییہ حیاۃ الابد یعنی علم کی شان یہ ہے کہ یا تو وہ عالم کو دائمی ہلاکت دیتا ہے یا دائمی زندگی عطا کرتا ہے ۱۲ امیر علی عفی عنہ

ہمیشہ کو ہلاک کردے یا زندہ جاوید بنا دے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ[ع] قیامت کو سخت تر عذاب آدمیوں میں اس عالم کو ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے علم سے نفع نہ دے تو دیکھو کہ علم نے گو نفع نہ دیا مگر نقصان کیا اور کاش اس سے اور دن کے برابر ہی عذاب ہو کر نجات مل جاوے مگر یہ کہاں ہوسکتا ہے کہ علم کا خطر بہت بڑا ہے اور اس کا طالب ملک دائم اور دولت قدیم کا طالب ہے تو ضرور ہے کہ یا سلطنت ہی ملے یا ہلاک ہی ہووے کہ طالب علم کا حال مثل اس شخص کے ہے جو دنیا میں سلطنت کا خواہاں ہو کہ اگر اتفاق سے سلطنت نہ ملے تو یہ توقع نہیں کہ ادنیٰ شخصوں کی طرح بچا رہے بلکہ بڑی بڑی رسوائیاں ہونی ضرور ہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ مناظرہ کی اجازت دینے میں یہ فائدہ ہے کہ لوگوں کو طلب علم کی رغبت ہوتی ہے اس لیے کہ اگر ریاست کی محبت نہ ہو تو علم ہی مٹ جاوے، اس شوق میں پڑھتے تو ہیں تو واقع میں یہ تمہارا کہنا ایک طرح سے درست تو ہے مگر مفید نہیں اس لیے کہ اگر لڑکوں کو گنبد بلے اور چڑیوں سے کھیل کا وعدہ نہ کیا جاوے تو ان کو مکتب کی رغبت نہیں ہوتی، اس سے یہ نہیں نکلتا کہ ان میں رغبت کرنی اچھی ہے، اسی طرح اگر محبت ریاست نہ ہو تو علم مٹ جاوے، یہ جملہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو شخص ریاست کا طالب ہو، وہ نجات کا پانے والا ہے، بلکہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں[ح] ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین باقوام لاخلاق لھم اور دوسری جا ارشاد ہے[ح] ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر اس سے معلوم ہوا کہ طالب ریاست خود تو ہلاک ہونے والوں میں ہے مگر کبھی اس کے باعث سے دوسرے کی بہتری ہو جاتی ہے جس صورت میں کہ وہ دوسروں کو ترک دنیا کی طرف بلاتا ہو، اور یہ ایسے رئیسوں میں ہوتا ہے جن کا ظاہر حال بظاہر امر مثل علمائے سلف کے ظاہر حال کے ہوتا ہے مگر باطن میں جاہ کا قصد پوشیدہ رکھتے ہیں، ان کی مثال شمع کی سی ہے کہ خود وہ جلتی ہے اور دوسرے اس سے روشنی پاتے ہیں، یعنی دوسروں کی بہتری ان کے ہلاک ہونے سے ہوا کرتی ہے، لیکن اگر کوئی رئیس دنیا کی طلب کی رغبت دلاوے تو اس کو آتش سوزاں کی طرح جانو، جو آپ جلتی ہے اور دوسروں کو پھونکتی ہے، غرض کہ علما تین طرح کے ہیں یا تو وہ کہ آپ بھی ہلاک ہوں اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں، وہ تو ایسے ہیں جو علانیہ طلب دنیا کی تصریح کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہیں، یا وہ کہ خود بھی سعید ہیں اور دوسروں کو سعید کرتے ہیں وہ ایسے علماء ہیں کہ خلق کو ظاہر اور باطن دونوں میں خدائے تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، یا وہ کہ خود ہلاک ہونے والے ہیں اور دوسروں کو سعید کرتے ہیں، وہ ایسے عالم ہیں کہ آخرت کی طرف بلاتے ہیں اور ظاہر میں دنیا کے تارک ہیں مگر دل میں یہی مقصود ہے کہ لوگوں میں مقبول ہوں اور جاہ قائم ہو، اب تم اپنے حال میں غور کرلو کہ تم کون سی قسم سے ہو اور[ھ] وہ کون سا شخص ہے جس کے لیے تم تیاری میں لگے ہو اور یہ ہرگز مت گمان کرنا کہ خدائے تعالیٰ علم و عمل میں سے ایسے کو قبول کرے گا جو اس کی ذات پاک کے لیے خالص نہ ہو، اور ان شاء اللہ ہم باب الریا بلکہ تمام جلد ثالث میں وہ بیان کریں گے جس سے تم کو شک اس بات میں کچھ نہ رہے۔

ع دیباچہ میں گذری ۱۲ ح اللہ تعالیٰ اس دین کو ایسے لوگوں سے تائید کرتا ہے جن کو دین میں بہرہ نہ ہو ۱۲ نسائی بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲ ح اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرتا ہے بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ھ انظار من الاصل وہ کیا شے ہے جس کے سامان مہیا کرنے میں مصروف ہو یعنی دنیا یا آخرت ۱۲ امیر علی۔

پانچویں فصل، متعلّم اور معلّم کے آداب

ذیلی فصل ۱: متعلّم کے آداب

ہر چند طالب علم کے آداب بہت ہیں مگر وہ سب دس آداب میں آجاتے ہیں۔

ادب اول یہ ہے کہ اپنے نفس کو رذیل عادات اور بری صفات سے پاک کرے اس لیے کہ علم دل کی عبادت اور باطن کی درستی اور اس کا نزدیک ہونا خدائے تعالیٰ سے ہے، اور جس طرح کہ نماز وظیفہ اعضائے ظاہری ہے، بدون طہارت ظاہر کے حدث اور نجاست سے درست نہیں ہوتی، اسی طرح عبادت باطن یعنی علم کے باعث دل کی عبادت بھی بدون برے اخلاق اور نجس صفات سے پاک ہونے کے درست نہیں ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ع] بنی الدین علی النظافۃ یعنی دین ستھرائی پر مبنی ہوا ہے تو ستھرائی ظاہر و باطن دونوں کی چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما المشرکون نجس یعنی مشرک ناپاک ہیں، اس میں عقلوں کو اس بات کی آگاہی دی گئی ہے کہ طہارت اور نجاست ظاہر ہی پر موقوف نہیں جو آنکھ سے سوجھے، بلکہ مشرک بعض اوقات کپڑے بھی صاف پہنے ہوتا ہے اور نہایا ہوا ہوتا ہے مگر باطن اس کا پلیدیوں میں آلودہ رہتا ہے اور نجاست اس کو کہتے ہیں جس سے احتراز کیا جاوے اور علیحدگی مطلوب ہو، صفاتِ باطن کی نجاستیں احتراز کیے جانے کے لیے زیادہ اہم ہیں اس لیے کہ وہ سر دست تو پلید ہی ہیں اور انجام کو مہلک ہیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ع] لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب اور قلب انسان کا وہ گھر ہے جس میں فرشتوں کا گذر اور اثر اور مقام ہوتا ہے اور بری صفتیں مثل غضب اور رشوت اور کینہ اور حسد اور کبر اور عجب وغیرہ کے بھونکتے کتے ہیں، تو جب دل میں یہ کتے بھرے ہوں گے تو پھر فرشتوں کا گذر اس میں کہاں ہوگا اور نورِ علم جو خدائے تعالیٰ دل میں پہنچاتا ہے وہ صرف فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچاتا ہے، چنانچہ خود فرماتا ہے[ت۳] وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء اور اسی طرح علوم کی رحمت جو دلوں پر بھیجتا ہے، اس کے کفیل بھی وہ فرشتے ہوتے ہیں جو ان علوم پر مقرر ہیں اور فرشتے پاک اور صاف اور صفاتِ مذمومہ سے مبرا ہیں تو وہ پاک ہی جگہ دیکھتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں ان کو پاک ہی دل میں بھرتے ہیں اور ہم یہ نہیں کہتے کہ حدیث مذکورہ میں بیت سے مراد دل ہے اور کلب غضب

ع یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی، مگر ابن حبان کی ضعیف حدیثوں میں بروایت عائشہ یہ وارد ہے تنظفوا فان الاسلام نظیف یعنی صفائی اختیار کرو کہ اسلام صاف ہے ۱۲ ع فرشتے نہیں آتے اس گھر میں کہ کتا ہو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو طلحہ انصاری ۱۲ ت اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا، پھر پہنچا دے اس کے حکم سے جو چاہے ۱۲۔

اور صفاتِ مذمومہ ہیں تاکہ فرقہ باطنیہ ہم پر اعتراض کریں کہ جس امر سے ہم کو مانع ہو دہی خود کرتے ہو بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے تنبیہ اس مطلب پر پائی جاتی ہے اور ظاہر لفظوں کو بدل کر باطن کے معنی لینے اور بات ہے اور ظاہری معنی قائم رکھ کر باطنی معنوں کی طرف اس سے تنبیہ پائی جانی اور بات ہے، یہ دوسری شق عبرت حاصل کرنے کی ہے، اور علماء اور نیک بندوں کا طریق یہی ہے اس لیے کہ عبرت اسی کو کہتے ہیں کہ جو چیز دوسرے کو کہی جاوے اس سے اسی پر کفایت نہ کرے بلکہ خود نصیحت حاصل کرے، مثلاً اگر کوئی عاقل غیر پر مصیبت دیکھے تو وہ اپنے لیے اس کو عبرت کر لیتا ہے کہ ہم بھی ہدف مصیبت ہیں اور دنیا میں انقلاب ہوتا ہی رہتا ہے تو دوسرے کا حال دیکھ کر اپنے نفس کی طرف خیال کرنا اور نفس سے اصل دنیا کو سوچنا ایک عمدہ عبرت ہے، اسی طرح اس بیت سے جو خلق کا بنایا ہوتا ہے، تم بھی دل کی طرف خیال کرو، جو خدائے تعالیٰ کے گھروں میں سے ایک مکان ہے اور کلب سے جس کی مذمت صفت کے سبب سے یعنی درندگی اور نجاست سے ہوئی ہے نہ صورت کی جہت سے روح سگی کا دھیان کرو جو درندگی ہے۔ اور جان لو کہ جس دل میں غضب اور دنیا کی حرص اور اس پر لڑنا جھگڑنا اور مال پر حریص ہونا اور لوگوں کی ہتک کرنا بھرا ہے، وہ دل باطن میں کلب ہے اور ظاہر میں قلب اور نورِ عقل باطن کو دیکھا کرتا ہے ظاہر کا لحاظ نہیں کرتا اور اس جہان میں معانی پر صورتیں غالب ہیں اور معانی ان کے اندر ہیں اور آخرت[ع] میں صورتوں کے معانی کار آمد ہوں گے اور معانی غالب رہیں گے، اسی لیے ہر شخص کا حشر اس کی معنوی صورت پر ہوگا، مثلاً جو شخص لوگوں کی ہتک عزت کرتا ہو گا وہ اس کتے کی شکل اٹھے گا جو شکار پر چھوٹا ہوا اور جو شخص کہ لوگوں کے مال کا حریص ہوگا، وہ ظالم بھیڑیے کی صورت پر، اور تکبر کرنے والا چیتے کی صورت پر اور ریاست کا طالب شیر کی صورت پر اُٹھے گا اور اس امر پر اخبار[ح] وارد ہیں، اور صاحبانِ بصیرت وبصارت کے نزدیک عبرت اس پر شاہد۔ پس اگر کوئی کہے بہت سے طالب علم اخلاقِ بد رکھتے ہیں اور انہوں نے علوم حاصل کیے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جو شخص اخلاقِ بد رکھتا ہے اس کو علم حقیقی جو آخرت میں کار آمد موجب سعادتِ ابدی ہو جو کبھی نہ آوے گا وہ اس سے بمراحل دور ہے اس لیے کہ اس علم کے آغاز ہی میں یہ ہے کہ طالب کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ گناہ زہر قاتل اور ہلاک کرنے والے ہیں اور تم نے کبھی کسی کو دیکھا ہے کہ زہر کھالے وہ باوجود یکہ جانتا ہو کہ یہ زہر قاتل ہے جس علم کو تم نے سنا ہے وہ رسمی لوگوں کی ایک بات ہے، کہ کبھی اپنی زبان پر اس کو چکنا دیتے ہیں اور کبھی اپنے دلوں میں اس کو بار بار کہتے ہیں، اس کو علم میں کچھ دخل نہیں، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک نور ہے کہ دل میں ڈالا جاتا ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ علم صرف خوفِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۲] انما

ح ثعلبی نے بروایت براء سند ضعیف سے مضمون بالا روایت کیا ہے ۱۲ ۔[۲] اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے ۱۲ ع اور وفیہ مقام تغیر وانقلاب ہے کذا فی الاصل ۱۲ امیر علی عنہ ۵ اصل میں یہ ہے اور آخرت میں صورتیں معانی کے تابع ہوں گی ۱۲ امیر علی

یخشی من عبادہ العلماء گویا اللہ صاحب نے علم کے ثمرات ہیں جو خاص تر تھا اس کی طرف اشارہ کر دیا اور اسی جہت سے بعض محققوں نے اس جملہ کے معنی یہ کہ تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی العلم ان یکون الا للہ یعنی ہم نے غیر خدا کے واسطے علم سیکھا مگر علم نے انکار کیا بجز اس کے کہ خدا کے لیے ہو، اس طرح کہتے ہیں کہ علم ہم کو نہ آیا اور اس کی حقیقت ہم پر نہ کھلی، صرف ظاہری الفاظ و عبارت حاصل ہوتی۔ اب اگر کہو کہ ہم تو بہت سے علمائے محققین اور فقہاء کو دیکھتے ہیں کہ فروع و اصول میں فائق اور بڑے ماہروں میں شمار کیے جاتے ہیں مگر ان کے اخلاق برے ہیں ان سے وہ پاک وصاف نہیں ہوتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم علوم کے مراتب اور علم آخرت کو جان لوگے تو تم کو ظاہر ہو گا کہ جس علم میں یہ علما مشغول ہیں، وہ علم ہونے کی جہت سے کم مفید ہے، اس کا فائدہ صرف اس جہت سے ہوتا ہے کہ اس کی طلب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور مقصود اس سے خدائے تعالیٰ کا قرب ہو چنانچہ اسباب کی طرف ہم اشارہ کر چکے اور عنقریب اس باب میں زیادہ بیان اور توضیح کی جاوے گی، انشاء اللہ تعالیٰ

دوسرا ادب یہ ہے طالب علم دنیا کے تشغل کے علاقے کم کر دے اور اپنے اقارب اور وطن سے دوری اختیار کرے اس لیے کہ علاقے سب حارج اور مانع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے اندر دو دل نہیں بنائے، تو جب فکر بٹ رہے گا، حقیقتوں کے دریافت سے قصور کرے گا، اور اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ علم تجھ کو اپنا تھوڑا حصہ نہ دے گا جب تک تو اس کو اپنا سب دل و جان حوالہ نہ کرے، اور جب تو ایسا کرے گا تو تھوڑا حصہ جو تجھ کو علم دے گا، اس سے تجھ کو خطرہ ہے معلوم نہیں کہ نافع ہو یا نہ ہو، اور جو فکر کہ بہت کاموں میں بٹا رہتا ہے، اس کا حال نالے کا سا ہے جس کا پانی پھیل گیا ہو، کہ کچھ تو زمین پی جاتی ہے اور کچھ ہوا سکھا دیتی ہے تو اس میں اتنا نہیں رہتا کہ اکٹھا ہو کر کھیتی میں پہنچے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ علم پر تکبر نہ کرے اور نہ استاد پر حکومت، بلکہ اپنے معاملے کو ہر حال میں بالکل اس کے اختیار پر چھوڑ دے اور اس کی نصیحت کو ایسا مانے جیسا جاہل بیمار طبیب مشفق و حاذق کی مانتا ہے اور چاہیئے کہ استاد سے انکسار کے ساتھ پیش آوے، اور اس کی خدمت سے ثواب و شرف کا طالب ہو، شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک جنازے کی نماز پڑھی، پھر ان کا خچر قریب کر دیا گیا کہ اس پر سوار ہوں، حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور اس کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت نے فرمایا کہ اے چچا زاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ رکاب چھوڑ دیں آپ نے فرمایا کہ ہم کو یوں ہی حکم ہے کہ علماء اور بڑے لوگوں سے اسی طرح پیش آویں، انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور کہا کہ ہم کو بھی یہی حکم ہے کہ اپنے پیغمبر کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایماندار کی عادت میں نہیں کہ خوشامد کرے مگر علم کی طلب میں، پس طالب علم کو نہ چاہیئے کہ علم پر تکبر کرے، مثلاً تکبر علم پر اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اسی سے پڑھیں گے جو معروف و مشہور عالم ہو، دوسرے سے پڑھنے میں کتراتے، یہ امر عین حماقت

خ ابن عدی بروایت معاذ بسند ضعیف ۱۲ ؎ اصل میں ہے جان چکے تو تم پر ظاہر ہو گیا کہ جس علم الخ ۱۲ امیر علی ؎ یہ قصہ طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے ۱۲

ہے، اس لیے کہ علم نجات اور سعادت کا سبب ہے، تو جو شخص کسی درندہ ضرر پہنچانے والے سے مفر اور گریز کا طالب ہو وہ اس بات میں فرق نہ کرے گا کہ گریز کی تدبیر کوئی مشہور آدمی بتادے یا گمنام، اور ظاہر ہے کہ درندہائے آتش کا نقصان خدائے تعالیٰ کا نہ جاننے والوں پر بہ نسبت ہر ایک درندہ کے ضرر کے نہایت سخت ہوگا اور حکمت ایماندار کی گم ہوتی چیز ہے جہاں مل جاوے، اس کو غنیمت جانے، اور جو کوئی اسے اس تک پہنچاوے، اس کا احسان مانے خواہ کوئی ہو، اور اسی لیے کسی نے شعر کہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ؎

علم کو اہل تکبر سے تنفر ہے مدام،
جیسے رکھتی ہے مکانوں سے عداوت سیلاب

غرض کہ علم بدوں انکسار اور کان لگانے کے نہیں آتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [۱] ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب والقی السمع وھو شھید اور دل والا ہونے سے یہ غرض ہے کہ علم کی قابلیت اور سمجھنے کی استعداد رکھتا ہو، پھر سمجھنے پر قادر ہونا ہی کافی نہیں، جب تک کہ کان حضور دل سے نہ لگاوے تاکہ جو کچھ کان میں ڈالا جاوے اس کو اچھی طرح سن کر انکسار اور شکر اور خوشی اور منت کے ساتھ قبول کرے، استاد کے سامنے شاگرد کو ایسا رہنا چاہیئے جیسے نرم زمین جس پر بہت سا مینہ برسے اور وہ سب پی جاوے کہ جب استاد کوئی سا طریق تعلیم کا اس کو بتاوے، اس کی پیروی کرے، اپنی رائے کو دخل نہ دے، اس لیے کہ مرشد اگر خطا پر بھی ہوگا تو وہ خطا خود شاگرد کے صواب سے اس کے حق میں زیادہ مفید ہے کیونکہ تجربہ سے ایسی باتیں باریک معلوم ہوتی ہیں جن کے سننے سے تعجب آتا ہے مگر ان کا فائدہ بہت ہوتا ہے مثلاً بہت سے بیمار گرم مزاج ہوتے ہیں کہ طبیب ان کا علاج بعض اوقات میں گرم دواؤں سے کرتا ہے تاکہ حرارت اتنی قوی ہو جاوے کہ علاج کا صدمہ اٹھا سکے، تو جس شخص کو فن علاج میں وقوف نہیں، اس کو اس علاج سے تعجب ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر اور موسیٰ ؑ کے قصہ سے تنبیہ فرمادی کہ حضرت خضر نے یہ فرمایا [۲] انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرا پھر شرط کرلی کہ چپ رہنا اور جب تک میں نہ کہوں کچھ مت پوچھنا، چنانچہ فرمایا [۳] فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شئی حتی احدث لک منہ ذکرا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر نہ کی اور بار بار ان کو ٹوکتے رہے یہاں تک کہ یہی دونوں میں جدائی کا باعث ہوا، حاصل یہ کہ جو شاگرد اپنے استاد کی رائے کے سامنے اپنے آپ رائے اور اختیار باقی رکھے گا تو وہ اپنی حاجت سے محروم رہے گا۔ اب اگر یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [۴] فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اس سے پوچھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں پوچھنا درست ہے لیکن جن چیزوں کے پوچھنے کی اجازت استاد دے

---

[۱] اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگادے کان دل لگاکر ۱۲ [۲] تو نہ کرسکے گا میرے ساتھ صبر اور کس طرح صبر کرے گا دیکھ کر ایک چیز جس کی سمجھ تیرے قابو میں نہیں ۱۲ [۳] پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا مذکور ۱۲ [۴] پوچھو سمجھ والوں سے تم اگر نہیں جانتے ۱۲

وہی پوچھے، اس لیے کہ ایسی بات پوچھی جس کی سمجھ کا رتبہ تم کو حاصل نہیں ہوئی ہے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوچھنے سے منع فرمایا تھا، غرضکہ وقت سے پیشتر سوال نہ کرنا چاہیئے اس لیے کہ استاد کو خوب معلوم ہے کہ تم کو کس چیز کی حاجت ہے اور وہ کس وقت بتانی چاہیئے اور ہر مقام میں درجات کے مراتب سے جب تک کہ بتانے کا وقت نہیں آتا اور حضرت علی رضؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے سوال بہت مت کرو اور جواب میں اس کو طعنہ مت دو، اور جب وہ تھک جاوے تو اصرار نہ کرو اور جب اٹھے تو اس کا کپڑا مت پکڑو، اور اس کے بھید کو ظاہر نہ کرو اور نہ اس کے پاس کسی کی غیبت کرو اور نہ اسکی لغزش پکڑو اگر لغزش کرے تو اس کا عذر قبول کرو اور اس کی عزت و توقیر کو خدا کے واسطے اپنے اوپر لازم سمجھو، جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حکم کی حفاظت کرے اور اس کے آگے مت بیٹھو، اور اگر اس کو کوئی حاجت ہو تو سب لوگوں سے پیشتر اس کے لیے اٹھو، چوتھا ادب یہ ہے کہ طالب علم ابتدائے امر میں لوگوں کے اختلاف کے سننے سے احتراز کرے خواہ علم دنیا کا طالب ہو خواہ علم آخرت کا، اس لیے کہ اختلافوں کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر اور ذہن پریشان اور رائے سست ہو جاتی ہے اور ادراک اور اطلاع سے یاس[۱] ہو جاتا ہے، بلکہ یوں چاہیئے کہ اوّل ایک عمدہ طریقہ جو استاد کے نزدیک پسندیدہ ہو، اس کا تو یقین کرے، پھر اس کے بعد اور مذہبوں اور ان شبہوں کو سنے، اور اگر اس کا استاد ایک رائے کے اختیار کرنے میں پختہ نہ ہو اور اس کی عادت یہی ہو کہ مذہب سے دوسرے میں بدلتا رہتا ہو اور ان کے اقوال کو نقل کرتا ہو تو ایسے استاد سے بچنا چاہیئے، اس لیے کہ ایسا شخص ہدایت کم کرتا ہے اور گمراہ زیادہ، تو بھلا اندھوں کو اندھا راہ بتانے کے لائق کب ہے اور اس طرح کا شخص ہنوز وادی حیرت اور تیہ نابینائی میں ہے ؎

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اور مبتدی کو شبہات سے منع کرنا ایسا ہے جیسے نو مسلم کو کفار کے ملنے سے اور منتہی کو اختلافوں میں نظر کرنے کی ترغیب ایسی ہے جیسے قوی الایمان کو کفار کے ملنے کی، اس لیے کہ ہر کارے و ہر مردے اسی وجہ سے نامرد کو نہیں کہا کرتے کہ کفار پر حملہ کر، بلکہ شجاع آدمی کو اس کام کے لیے بلاتے ہیں۔ اور بعض ضعیفوں نے اس دقیقہ سے غافل ہو کر یہ گمان کر لیا کہ جو مساہلات قوی لوگوں سے منقول ہیں، ان میں اقتدا کرنا درست ہے، یہ نہ جانا کہ زبردستوں کے معاملات کمزوروں کے معاملوں سے علیحدہ ہیں اور اسباب میں بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ابتدا میں دیکھا وہ تو صدیق ہو گیا اور جس نے انتہا میں دیکھا وہ زندیق (کافر) ہوا، اس لیے کہ انتہا میں اعمال باطن پر جا ٹھہرتے ہیں اور ظاہر کے اعضا بجز فرائض کے اور حرکات سے ساکن ہو جاتے ہیں تو دیکھنے والوں کو یہی سوجھتا ہے کہ یہ امر سستی اور کسل اور بے کار رہنا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ یہ تو دل کی نگرانی عین حضوری کے اندر اور مدام ذکر کا لازم رہنا ہے جو سب اعمال سے بہتر ہے۔ اور ضعیف آدمی جو قوی کے ظاہر حال کو دیکھ کر جانتا ہے کہ یہ لغزش ہے اور خود ویسا کرتا ہے

[۱] ناامیدی ۱۲

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک پانی کے کوزے میں تھوڑی سی نجاست ڈال دے اور اس کا عذر یہ کرے کہ سمندر میں تو اس کی ہزار گنی نجاست ڈال دیتے ہیں اور وہ کوزہ سے کہیں بڑا ہے۔ تو جو بات سمندر کو درست ہے وہ کوزہ کو بطریق اولیٰ ہونی چاہیئے اور اس بیچارہ کو یہ معلوم نہیں کہ سمندر اپنی قوت کے باعث نجاست کو پانی بنا لیتا ہے اور سمندر کے غلبہ سے نجاست بھی اسی طرح کی ہو جاتی ہے اور تھوڑی نجاست کوزے پر غالب ہوتی ہے، وہ کوزہ کو اپنی طرح کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح کی دلیل کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ بات درست کی گئی جو غیر دل کے لیے نہ ہوئی، مثلاً آپ کے لیے نو بیبیاں مباح ہوئیں اس لیے کہ آپ میں اتنی قوت تھی کہ اس کے باعث عورتوں میں عدل فرماتے تھے گو کتنی ہی بہت ہوں اور دوسرا شخص تھوڑی پر بھی عدل نہیں کر سکتا، بلکہ ان کے درمیان کا نقصان خود اس تک بڑھ آوے گا کہ ان کی رضامندی کی طلب میں نوبت خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی پہنچے، بھلا جو شخص فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس کرے کہیں اس کو فلاح ہوگی۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ طالب علم عمدہ علوم میں سے کوئی فن اور کوئی قسم بدون دیکھے کہ اس کے مقصود اور علت غائی سے مطلع ہو جاوے، پھر اگر زندگی وفا کرے تو اس میں کمال پیدا کرنے کا طالب ہو ورنہ جو اہم ہو اس میں مشغول ہو کر اس کو تو کامل کرے اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے کیونکہ علوم ایک دوسرے کے مددگار اور آپس میں وابستہ ہیں اور سردست جو اس کو نہیں سیکھتے تو عداوت کی جہت سے ہے کہ جو چیز آدمی کو نہیں آتی، اس کا دشمن ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[1] واذ لم یهتدوا به فسیقولون هٰذا افك قدیم اور کسی کا شعر ہے ؎

مزا جس کا ہو مرض سے کڑوا
شیریں پانی کو وہ جانے کڑوا

غرض کہ عمدہ علوم اپنے مدارج کے موافق یا تو بندہ کو خدائے تعالیٰ کی راہ کا سالک کرتے ہیں یا سلوک میں کسی قسم کی اعانت کرتے ہیں، اور مقصود سے دوری اور نزدیکی میں ہر ایک علم کا ایک مقام خاص ٹھہرا ہوا ہے جو لوگ ان علوم سے آگاہ ہیں، وہ ایسے ہیں جیسے جہادیں گھاٹیوں اور گھاتوں کے محافظ ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لیے ان میں سے ایک مرتبہ ہے اور اپنے درجے کے موافق آخرت میں ہر ایک کو ثواب ہے بشرطیکہ اس علم سے خدائے تعالیٰ کی رضا مقصد کی ہو۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ علم کے فنون سے کسی فن کو دفعتہً اختیار نہ کرے بلکہ ترتیب کا لحاظ رکھے اور جو اہم ہو اس سے شروع کرے، اس وجہ سے کہ عمر تو اکثر سب علوم کے لیے کافی نہیں ہوا کرتی، اس نظر سے احتیاط کی بات یہ ہے کہ ہر چیز میں سے عمدہ حاصل کرے اور اس میں سے تھوڑی سی پر قانع ہو، اور تھوڑے سے علم کے باعث جتنی قوت ہوتی ہو وہ

---

[1] اور جب راہ پر نہیں آتے اس کے بتانے سے تو یہ اب کہیں گے کہ یہ جھوٹ ہے مدت کا ۱۲ ع ٥ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ سے وارد ہے کہ آپؐ کے پاس نو بیبیاں تھیں۔

سب اس علم کے پورا کرنے میں صرف کرے جو اشرف علم ہے ...... یعنی علم آخرت کی دونوں قسموں معاملہ مکاشفہ میں کہ علت غائی علم معاملہ کی مکاشفہ کا انجام خدائے تعالیٰ کی معرفت ہے اور ہماری غرض علم مکاشفہ سے وہ اعتقاد نہیں جس کو عوام باپ دادوں سے سنتے آئے ہوں یا زبانی یاد کر لیا ہو اور نہ طریق کلام مراد ہے کہ طرف ثانی کے مقابلہ میں بات بنی رہے وہ قدح نہ کر سکے چنانچہ غایت کلام جاننے والے کی اتنی ہی ہے بلکہ علم مکاشفہ سے ہماری غرض ایک قسم کا یقین ہے جو اس نور کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو خدائے تعالیٰ بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے جبکہ وہ اپنے باطن کو مجاہدہ کر کے خباثتوں سے پاک کر لیتا ہے، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے حضرت ابوبکرؓ کے ایمان کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے جس کی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ اگر ابوبکرؓ کا ایمان تمام عالم کے ایمان سے تولا جاوے تو وہی جھکتا رہے گا۔ ہمارے نزدیک یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جس بات کا معتقد عامی ہے اور جس کو متکلم بناتا ہے کہ وہ بھی عامی سے صرف کلام کی صنعت میں بڑھ کر ہے، اور اسی وجہ سے اس کے فن کا نام کلام ہوا ہے یہ بات نہ تھی کہ یہ صنعت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو نہ آتی، اور حضرت ابوبکرؓ اس میں ان سے فائق ہوتے بلکہ ان کی فضیلت کی بابت عامی اور متکلم کے عقائد کے سوا تھی، یعنی اس بھید کے سبب ان کو فضل تھا جو ان کے سینے میں ڈالا گیا تھا، اور تعجب اس شخص سے ہے کہ اس جیسے اقوال صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے پھر اس کے موافق جو کچھ سنے اس کی حقارت کرے اور کہے کہ یہ صوفیوں کی بے ہودہ باتیں ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتیں، اس بات میں آدمی کو تامل کرنا چاہیئے کہ اسی جگہ رأس المال جاتا رہتا ہے، حاصل یہ کہ تم کو بھید کی معرفت کا حریص ہونا چاہیئے، جو فقہا اور متکلمین کے حوصلہ اور سرمایہ سے خارج ہے اور تم کو اس کا راستہ بجز اس کے نہ ملے گا کہ اس کے طلب کے حریص ہو۔ خلاصہ یہ کہ سب علوم میں اشرف اور سب کی علت غائی خدائے تعالیٰ کی معرفت ہے، اور وہ ایک دریا ہے جس کی تھاہ معلوم نہیں ہوتی، اس باب میں سب آدمیوں سے بڑھ کر انبیاء کا درجہ ہے پھر اولیاء کا، پھر جو ان کے متصل ہوں اور ایک روایت ہے کہ پہلے حکیموں میں سے دو حکیموں کی تصویر کسی مسجد میں نظر پڑی، ایک کے ہاتھوں میں ایک پرچہ ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ اگر تم ہر ایک چیز کو درست کر لو تو یہ جانو کہ ایک چیز کو بھی درست کیا ہے جب تک کہ خدائے تعالیٰ کو نہ پہچانو اور یہ نہ جانو کہ مسبب الاسباب اور چیزوں کا ایجاد کرنے والا وہی ہے اور دوسرے کے ہاتھ کے پرچے میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت سے پہلے میں پانی پیتا تھا اور پیاسا رہتا تھا، یہاں تک کہ جب اس کو پہچانا تو بدوں پیے ہی پیاس بجھ گئی۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ کسی فن میں قدم نہ رکھے جب تک کہ اس سے پیشتر کے فن کو پورا نہ کر لے، اس لیے کہ علوم ایک ترتیب ضروری سے مرتب ہیں اور ایک علم دوسرے کا راستہ ہے تو توفیق یافتہ وہی ہے جو اس ترتیب اور درجات کا لحاظ رکھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین[۱] اتیناھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ یعنی ایک فن سے آگے نہیں بڑھتے جب

---

[۱] ابن عدی بروایت ابن عمر بسند ضعیف اور بیہقی نے ابن عمر پر موقوف بسند صحیح ۱۲ [۲] جن کو ہم نے دی کتاب، وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسا حق ہے پڑھنے کا ۱۲

تک کہ علم وعمل کی رُو سے اس کو پختہ نہ کریں، اور چاہیئے کہ جس علم کا قصد کرے اس میں نیت اس سے اوپر کے علم پر ترقی کرنے کی ہو، اور اگر کسی علم میں لوگوں کا اختلاف واقع ہو یا کبھی ایک شخص اس میں خطا کریں، یا اپنے علم کے بموجب عمل نہ کریں، تو چاہیئے کہ ان وجہوں سے اس علم کو نکما نہ کہہ دے جیسے بعض لوگ معقولات اور فقہیات نہیں دیکھتے اور کہتے ہیں کہ اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو جو لوگ ان کے ماہر ہیں، ان کو ملتی، اور کتاب معیار العلم میں ہم اس شبہہ کا جواب لکھ چکے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں اور بعض لوگ طبیب کی خطا دیکھ کر طب کو نکما سمجھتے ہیں اور ایک نجومی کی باتیں اتفاقاً صحیح نکلنے سے کچھ لوگ اس کی درستی کے معتقد ہوتے ہیں اور کچھ لوگ دوسرے نجومی کی خطا معلوم کرکے اس کو بے کار بتاتے ہیں، حالانکہ سب غلطی پر ہیں بلکہ یوں چاہیے کہ چیز کو فی نفسہ جان لیں کہ کیسی ہے، ہر شخص کسی علم میں اتنا تجربہ نہیں رکھتا کہ اس کی سب جزئیات سے واقف ہو، اور اسی لیے حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق کو مردوں سے مت پہچانو، بلکہ حق کو معلوم کرلو پھر حق.. والوں کو خود جان جاؤ گے۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ اس سبب کو معلوم کرے جس سے علوم کا شرف حاصل ہوتا ہے، اور شرف دو چیزوں کے باعث سے ہوتا ہے، اوّل ثمرہ کے شرف سے، دوم دلیل کی پختگی اور قوت سے مثلاً علم دین اور طب کو جو دیکھتے ہیں تو اوّل کا ثمرہ زندگی ابدی ہے، اور دوسرے کا ثمرہ زندگانی فانی، اسی جہت سے علم دین اشرف ہوگا کہ اس کا ثمرہ اشرف ہے اور علم حساب اور علم نجوم کو اگر دیکھو تو حساب کی دلیلیں پختہ اور قوی ہیں اس کو نجوم پر شرف ہے اور اگر حساب کو علم طب کے لحاظ سے دیکھیں تو اس صورت میں طب کو ثمرہ کے اعتبار سے شرف ہے اور حساب کو دلیل کی رو سے اور ثمرہ کا لحاظ کرنا بہ نسبت دلیلوں کے بہتر ہے، اس لیے طب حساب سے اشرف ہے اگرچہ علم طب اکثر تخمین اور قیاس سے ہے اور اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ سب علوم سے اشرف علم خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کا اور وہ علم ہے جو ان علوم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو، تو اب تم کو بجز اس علم کے اور علم کی طرف رغبت اور حرص نہ کرنی چاہیئے۔

نواں ادب یہ ہے کہ طالب علم کا قصد علم سے سر دست تو یہ ہو کہ اپنے باطن کو آراستہ اور فضیلت سے مزین کرے اور انجام کو یہ ہو کہ خدائے تعالیٰ کا قرب اور فرشتوں اور مقربان ملاءِ اعلیٰ کی ہمسائیگی حاصل ہو اور علم سے غرض ریاست اور مال وجاہ اور بے وقوفوں سے جھگڑنے اور ہمسروں پر فخر کرنے کی نہ ہو، اور جس شخص کی نیت علم سے قربِ الٰہی ہو تو بالضرور وہ ایسے علم کو طلب کرے جو اس کے مقصود سے بہت قریب ہو یعنی علم آخرت کا طالب ہو اور باوجود اس کے اس کو نہ چاہیئے کہ علم فتاوے اور علم نحو اور علم لغت جو متعلق کتاب اور سنت کے ہیں اور سوا ان کے اور علوم کو جن کا ذکر ہم نے مقدمات اور متممات میں کیا ہے اور وہ فرض کفایہ علموں کے اقسام میں ہیں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ اور ہم نے جو علمِ آخرت کی تعریف میں بہت سا مبالغہ کیا ہے، اور اس سے تم یہ مت سمجھنا کہ یہ علوم برے ہیں اس لیے کہ جو لوگ ان علموں کے عالم ہیں ان کا حال مثل ان لوگوں کے ہے جو گھاٹیوں کی محافظت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں یعنی ان میں سے بعض لوگ تو لڑتے ہیں اور بعض لوگ مدد کرتے ہیں اور کچھ ان کو پانی پلاتے ہیں، اور کچھ سواریوں کی حفاظت اور خدمت کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی

شخص ثواب سے خالی نہیں، بشرطیکہ اس کی نیت خدائے تعالیٰ کے بول کو بالا کرنے سے ہو۔ یہ نہ ہو کہ لوٹ ملے گی، اسی طرح علماء کا حال ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات اور فرمایا[2] ھم درجٰت عند اللہ یعنی وہ کئی درجہ ہیں اللہ کے نزدیک غرض کہ اہل علوم کی فضیلت اعتباری اور اضافی ہے کہ کسی کی نسبت سے اعلیٰ ہیں اور کسی کے لحاظ سے ادنیٰ یہ نہیں کہ بذاتِ خود حقیر ہوں، مثلاً اگر صرافوں کو بادشاہوں کی نسبت کم رتبہ کہا جاوے تو اس سے یہ نہ معلوم ہوگا کہ اگر جاروب کشوں کی نسبت کر ان کو قیاس کریں تب بھی حقیر ہوں گے پس یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ علم اعلیٰ رتبہ سے کم ہو وہ بے قدر ہے بلکہ یوں جاننا چاہیئے کہ سب سے اعلیٰ رتبہ انبیاء کا ہے پھر اولیاء کا، پھر ان علماء کا جو علم میں مضبوط ہیں، پھر نیک بندوں کا موافق ان کے درجات کے حاصل یہ کہ جو ذرہ برابر خیر کرے گا اس کا ثواب اس کو ملے گا اور جو شخص علم سے خدائے تعالیٰ کی رضا قصد کرے گا خواہ کوئی سا علم ہو تو وہ علم اس کو مفید ہوگا اور بالضرور اس کا رتبہ بلند کرے گا۔

دسواں ادب یہ ہے کہ علم کی نسبت اصلی مقصود کی طرف معلوم کرے تاکہ جو مقصود سے قریب ہو اس کو بعید پر ترجیح دے اور جو علم مہم ہو اس کو اختیار کرے اور معنی مہم کے یہ ہیں کہ جو تم کو فکر میں ڈالے، اور ظاہر ہے کہ دنیا اور آخرت میں تم کو بجز تمہارے حال کے اور کوئی چیز فکر میں نہیں ڈالتی اور چونکہ تم سے نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مزوں اور آخرت کی راحتوں کو اکٹھا کرسکو، چنانچہ قرآن مجید میں اس امر کا ذکر آچکا ہے اور نور بصیرت بھی اس کا شاہد ہے، جو بمنزلہ آنکھ سے دیکھنے کے ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ اہم وہی ہے جو ابدالآباد تک رہے اور اس صورت میں دنیا ایک منزل ہو جاوے گی، اور بدن سواری اور اعمال مقصود کی طرف کو چلنا۔ اور مقصود بجز دیدار الٰہی کے اور کچھ نہیں کہ تمام لذات و راحت اس میں ہے گو اس جہان میں اس کی قدر کم لوگ جانتے ہیں اور علوم کو اگر خدائے تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی ذات پاک کی دیدار کی نسبت کر دیکھو تو تین قسم کے ہیں اور دیدار سے وہ غرض ہے جس کے طالب انبیاء تھے اور وہی اس کو سمجھتے تھے، وہ دیدار مراد نہیں جو عوام اور کلام والوں کے ذہن میں آتا ہے۔ ان قسموں کو تم ایک مثال سے سمجھ لوگے، وہ یہ ہے کہ اگر کسی غلام سے کہا جاوے کہ اگر تو حج کرے گا اور اعمال کو کامل طور پر بجالاوے گا تو تو آزاد بھی ہو جاوے گا اور سلطنت بھی ملے گی، اور اگر تو حج کا راستہ شروع کرے گا اور اس کی تیاری کرے گا اور راہ میں کوئی مانع پیش آوے گا تو تو بھی آزاد ہو جاوے گا۔ اور بندہ غلامی سے رہائی پاوے گا مگر سلطنت کی سعادت سے مشرف نہ ہوگا تو غلام مذکور کو تین طرح کے کام پیش آویں گے، اوّل سفر کرنا یعنی اونٹ خریدنا اور مشک سینی اور غلہ وغیرہ مول لینا، دوم وطن سے جدا ہو کر کعبہ کو منزل بمنزل چل دینا، سوم اعمال حج میں مشغول ہونا اور ایک ایک رکن بترتیب ادا کرنا، ان تینوں حالتوں سے اور احرام اور طواف رخصت سے فارغ ہو کر غلام مذکور مستحق آزادی اور سلطنت کا ہوگا، اور ہر حال میں بھی غلام مذکور کے بہت سے مراتب ہیں یعنی شروع سامان سے اس کے آخر تک اور آغاز سفر سے اس کے تمام

[1] اللہ اونچے کرے ان کو جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور جن کو علم دیا گیا ۱۲ [2] ان کے بڑے درجے ہیں ۱۲

ہونے تک اور ابتدائے ارکان حج سے اس کے انجام تک بہت سے درجات ہیں، اب ظاہر ہے کہ جو شخص ابھی زاد اور سواری کی تیاری میں ہو یا چلنا شروع کر دیا ہو، وہ سعادت سے اتنا قریب نہ ہوگا، جتنا وہ شخص ہوگا جس نے ارکانِ حج شروع کر دیے کیونکہ وہ دو حالات طے کر چکا ہے اور نہایت قریب پہنچ گیا ہے۔ جب یہ مثال معلوم ہو چکی تو اب علوم کی بھی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ علوم ہیں کہ بمنزلہ سامانِ سفر کے خریدنے کے ہیں اور وہ علم طب اور فقہ ہیں اور جو علوم کہ دنیا میں بدن کی مصلحتوں سے متعلق ہیں اور ایک قسم بمنزلہ جنگل کے چلنے اور گھاٹیوں کے طے کرنے کے ہیں اور وہ صفات کی کدورتوں سے باطن پاک کرنا، اور ان اونچی گھاٹیوں پر چڑھنا ہے جن سے سوائے توفیق یافتہ لوگوں کے اگلے پچھلے سب عاجز ہیں تو یہ امور راہ کے چلنے میں داخل ہیں اور ان کا علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے راہ کی طرفوں اور منزلوں کا جان لینا بدون ان کے طے کرنے کے کافی نہیں، اسی طرح تہذیب اخلاق کا جان لینا کفایت نہیں کرتا جب تک کہ تہذیب نہ کرے، گو عادتوں کی تہذیب بدون علم کے نہیں ہو سکتی، اور تیسری قسم وہ ہے جو بمنزلہ نفسِ حج اور اس کے ارکان کے ہے اور وہ خدائے تعالیٰ اور اس کے صفات اور فرشتوں اور افعال کا علم اور ان باتوں کا علم ہے جو علم مکاشفہ کے معانی میں ہم لکھ آئے ہیں، اس قسم کے بعد رہائی اور سعادت ملا کرتی ہے مگر رہائی یعنی سلامتی تو ہر سالک طریق کو نصیب ہوتی ہے بشرطیکہ اس کی غرض مقصدِ حق ہو اور سعادت کو پہنچنا بجز خدائے تعالیٰ کے عارفوں کے اور کسی کو نہیں ملتا اور یہی لوگ مقرب ہوتے ہیں اور انہیں پر خدائے تعالیٰ کے ہمسایہ میں رحمت اور راحت و ریحان و جنت نعیم کا انعام ہوتا ہے اور جو لوگ کمال کے مرتبے سے ادھر رہ گئے ہیں، ان کو نجات اور سلامتی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے[1] فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحب الیمین اور جو لوگ کہ متوجہ مقصد نہ ہوتے اور اس کی طرف حرکت نہ کی یا حرکت تو کی مگر بغرض فرمانبرداری اور بندگی کے نہ کی، بلکہ کسی دنیاوی غرض کے لیے کی تو وہ لوگ اصحاب شمال اور گمراہوں میں ہیں، ان کے لیے یہ ارشاد ہے[2] فنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم اور جان لینا چاہیے کہ مضبوط علماء کے نزدیک یہ امر حق الیقین ہے یعنی انہوں نے ان کو اپنے باطن کے مشاہدہ سے دریافت کر لیا ہے جو آنکھوں کے مشاہد کی نسبت کر قوی تر اور ظاہر تر ہے، صرف سننے کی حد سے ترقی کر گئے ہیں اور ان کا حال ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کوئی خبر سنے اور اس کو سچ جانے، پھر آنکھ سے دیکھ لے اور یقین کرے اور دوسرے دل کا حال ایسا ہے کہ خبر کی تصدیق اعتقاد و ایمان کی خوبی کی جہت سے کر لے مگر آنکھوں سے دیکھنا نصیب نہ ہوا ہو، غرض کہ سعادت علم مکاشفہ کے بعد ہے اور علم مکاشفہ علم معاملہ کے بعد ہے یعنی طریق آخرت کے چلنے اور صفات کی گھاٹیوں کے طے کرنے کے بعد ہوتا ہے اور صفاتِ مذمومہ کو مٹانے کی راہ چلنی صفات کے جاننے اور طریق علاج اور چلنے کی کیفیت معلوم کرنے کے بعد ہے اور یہ امر بدن کی سلامتی اور اسباب تندرستی کی موافقت کے

---

[1] سو اگر وہ پاس والوں میں سے ہے تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا اور اگر وہ ہوا داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے ۱۲ [2] مہمانی ہے جلتا پانی اور ٹھکانا آگ کا ۱۲

جاننے پر منحصر ہے اور بدن کی سلامتی اجتماع اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے جس سے کہ پوشاک اور غذا اور سکونت ملا کرتی ہے، وہ سلطان کے متعلق ہے اور اس کا قاعدہ لوگوں کو عدل و سیاست کے طور پر منتظم رکھنے کا فقیہہ کے مغز میں رہتا ہے اور صحت کے اسباب طبیب کے مغز میں۔ اور جس شخص نے کہا ہے کہ علم دو ہیں، علم بدن اور علم دین، اور اس سے اشارہ فقہ کا کیا ہے تو اس نے علوم مروجہ ظاہری کو مراد لیا ہے، علوم باطنی کا ارادہ نہیں کیا۔ اب ہم اس بات کی وجہ لکھتے ہیں کہ ہم نے علم طب اور فقہ کو بمنزلہ تیاری زاد و راحلہ کے کیوں کہا ہے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کو اس کی طرف چلنے والا دل ہے بدن نہیں اور ہماری غرض دل سے وہ گوشت نہیں جو آنکھ سے سوجھا کرتا ہے بلکہ وہ ایک لطیفہ اور بھید ہے، خدائے تعالیٰ کے لطیفوں اور بھیدوں میں جو حواس سے نہیں معلوم ہوتا، اور کبھی اس کو روح کہا کرتے ہیں، اور بعض اوقات نفس مطمئنہ بولتے ہیں اور شرع اس کو دل سے تعبیر فرماتی ہے، اس لیے کہ دل اس بھید کی اول سواری ہے اسی کے ذریعہ سے تمام بدن اس کی سواری اور آلہ بن رہا ہے اور اس بھید کا دل بخوبی علم مکاشفہ سے معلوم ہوتا ہے اور وہ راز قابل افشا نہیں، بلکہ اس کے ذکر کرنے کی اجازت نہیں اور غایت اجازت اس میں یہ ہے کہ اس قدر کہیں کہ وہ ایک جوہر نفیس اور گوہر عزیز ہے کہ ان اجسام محسوس کی نسبت کہ اچھا ہے اور ایک امر الٰہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی[1] اور کل مخلوقات خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں، مگر اس کی نسبت تمام اعضائے بدن کی نسبت سے اشرف ہے، کیونکہ خلق اور امر دونوں اللہ ہی کے ہیں اور امر خلق کی نسبت کہ اشرف ہے اور یہ جوہر نفیس جو خدائے تعالیٰ کی امانت کا اٹھانے والا ہے، اور اس رتبہ میں آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں سے مقدم ہے کہ وہ اس بار کے اٹھانے سے ڈر کر انکار کر گئے، علم امر سے ہے اور اس بیان سے تم اس کے قدیم ہونے کا اشارہ مت سمجھنا، اس لیے کہ جو شخص روح کے قدیم ہونے کا قائل ہے وہ جاہل اور مغالطہ کھانے والا ہے، اس کو وقوف نہیں کہ کیا کہتا ہے۔ اب ہم عنان بیان کو اس فن سے روکتے ہیں کہ جس بات کے ہم درپے ہیں اس سے یہ فن خارج ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ لطیفہ اپنے رب کی طرف سعی کرنے والا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ امر رب تو خدائے تعالیٰ ہی مقصد ہے اور اسی کی طرف اس کا رجوع اور بدن اس لطیفے کی سواری جس پر سوار ہو کر اسی کے ذریعہ سے چلتا ہے تو بدن خدائے تعالیٰ کی راہ میں دل کے لیے ایسا ہے جیسے بدن کے لیے راہ حج میں اونٹنی ہوتی ہے یا مشک جس میں پانی بھرا رہتا ہے اور بدن کو اس کی حاجت ہوتی ہے غرض کہ جو عمل کہ اس کا مقصود بدن کی مصلحت ہے وہ سواری کی مصلحتوں میں داخل ہے، اب ظاہر ہے کہ طب سے بھی بدن کی بہتری مقصود ہے، اس لیے کہ بدن کی صحت کی نگہداشت کے لیے کہیں اس کی ضرورت پڑتی ہے، اور اگر انسان بالفرض اکیلا ہوتا ہے تو طب کی حاجت اس کو ہوتی اور فقہ اور طب میں یہی فرق ہے کہ اگر انسان بالفرض اکیلا ہوتا تو کیا تعجب تھا کہ فقہ کی ضرورت نہ پڑتی، لیکن اس کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ تنہا نہیں زندہ رہ سکتا کیونکہ سب کام اکیلے سے نہ ہو سکیں گے کہ کھانے کے لیے جوتنا، بونا، پیسنا، پکانا اور لباس

---

[1] اور تم سے پوچھتے ہیں روح کو، تو کہہ روح ہے تیرے رب کے حکم سے ۱۲

اور سکونت کا حاصل کرنا، اور ان سب چیزوں کے آلات تیار کرنے ایک شخص کس طرح کرے تو اس نظر سے دوسروں میں ملنا اور ان سے مدد چاہنی ضرور ہوئی اور جب آدمی ملے اور ان کی خواہشیں ابھریں تو شہوت کے اسباب کو انہوں نے کھینچا تانی کی اور آپس میں نزاع اور قتال کرنے لگے، اور ان لڑائی جھگڑوں سے برباد ہونے لگے اور سبب ہلاک کا یہی نزاع اور مخالفت ظاہری ہوئی، جیسے اندر کی خلطوں کے بگاڑ سے بربادی ہوا کرتی ہے اور طب سے جو نزاع اور فساد خلطوں میں ہو جاتا ہے، اس کا بچاؤ کیا جاتا ہے اور سیاست اور عدل سے ظاہر کے فساد کو دُور کر کے اعتدال خواہشوں میں کر دیا جاتا ہے اور خلطوں کے معتدل رکھنے کا طریق معلوم کرنا طب ہے اور اپنے نفس پر مجاہدہ نہ کرے، وہ ایسا کہ صرف اونٹنی لے کر اس کو گھاس نہ دیوے اور مشک لے کر اس کو تیار کرے اور راہِ حج میں قدم نہ رکھے، اور جو شخص کہ عمر بھر ان کلمات کے دقیقوں میں پڑا رہے جو فقہ کی بحثوں مناظروں میں آتے ہیں، وہ ایسا ہے کہ عمر بھر ایسے وسیلوں میں ڈوبا رہے جن سے حج کے لیے مشک مضبوط کی جاتی رہتی ہے اور ایسے فقیہوں کو اصلاحِ قلب یعنی ذریعہ علمِ مکاشفہ کے طریق پر چلنے والوں سے وہ نسبت ہے جو مشک کی درستی میں رہنے والوں کو راہِ حج چلنے والوں سے یا اس کے ارکان کے بجالانے والوں سے ہے، پس اس بات کو اوّل تامل کرو اور اس شخص کی نصیحت قبول کرو جو تم سے اس کی مزدوری نہیں چاہتا اور اکثر اسی امر میں رہا ہے اور تم کو یہ بات بدوں بہت سی سخت محنت کے حاصل نہ ہوگی، عوام اور خواص سے علیحدہ ہونے کے لیے جرأت کامل کرنی پڑے گی، اور صرف اپنی خواہش کے بموجب ان کی پیروی کرنے سے باز آنا ہوگا، طالب علم کے لیے اتنے ہی ادب کافی معلوم ہوتے ہیں۔

ذیلی فصل ۲: معلّم کے آداب

جاننا چاہیے کہ علم کے باب میں آدمی کے چار حال ہیں جیسے مال کے حاصل کرنے میں ہوتے ہیں، مثلاً مال والا اوّل تو مال پیدا کرتا ہے اس وقت کمانے والے کہلاتا ہے، دوم اپنی کمائی کو جمع کرتا ہے تو توانگر ہو جاتا ہے کہ حاجت دوسرے سے مانگنے کی نہیں رکھتا۔ سوم اس مال کو خود اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اس سے منتفع اور متمتع ہوتا ہے، چہارم اس کو دوسروں کو دیتا ہے اس صورت میں سخی اور اہلِ فضل گنا جاتا ہے اور یہ پچھلی حالت اور حالتوں سے اشرف ہے، اسی طرح علم کا حال ہے، وہ بھی مال کی طرح تحصیل کیا جاتا ہے، اور چار حالتیں اس کی بھی ہیں، ایک طلب کا زمانہ اور ایک حاصل کیے ہوئے پر ایسا عبور ہونا کہ حاجت سوال کی نہ رہے، اور ایک جس بات کو حاصل کر لیا ہے، اس میں فکر کر کے اس سے مستفید ہونا اور ایک یہ کہ دوسرے کو اس سے فائدہ پہنچانا، اور یہ حال سب میں اشرف ہے، اس لیے کہ جو شخص علم تحصیل کرے اور عمل کرے اور لوگوں کو علم سکھاوے، تو ایسے ہی شخص کو آسمان و زمین کے ملکوت میں عظیم کہا کرتے ہیں کہ اس کا حال آفتاب کی طرح ہے کہ دوسروں کو روشنی دیتا ہے اور آپ بھی روشن ہے یا مشک جیسا ہے کہ دوسروں کو معطر کرتا ہے اور خود بھی خوشبو ہے، اور جو شخص دوسروں کو بتاتا ہے آپ علم کے بموجب عمل نہیں کرتا، اس کا حال دفتر کا سا ہے کہ دوسروں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ خود علم سے خالی ہے، یا سان کا سا ہے کہ لوہے کو تیز کر دیتی ہے اور خود نہیں کاٹتی، یا سوئی کا سا ہے کہ غیروں کے لیے لباس تیار کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے یا چراغ کی بتی ہے کہ اوروں کو روشنی دیتی ہے اور اپنے آپ جلتی ہے چنانچہ

کسی کا شعر ہے ؎

بے عمل علم ہے فتیلۂ شمع
خود جلے پر ہو اس سے روشن جمع

اور جب آدمی تعلیم میں مشغول ہوا تو ایک بڑا کام اور نہایت درجہ کا خطرا اپنے ذمے لیا اس لیے اس کے آداب وقواعد کو یاد کرنا چاہیے۔

ادب اول یہ ہے کہ شاگردوں پر شفقت کرے، اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] انما انا لکم مثل الوالد بولدہ یعنی آخرت کی آگ سے شاگردوں کو بچانے کا قصد کرے اور یہ بات ماں باپ کی اپنے بچے کو دنیا کی آگ سے بچانے کی نسبت کہ اہم ہے، اور اسی لیے استاد کا حق ماں باپ سے بڑھ کر اس لیے کہ باپ کا حق زندگانی اور وجود فانی کا سبب ہے اور استاد زندگانی باقی کا باعث ہے اور اگر استاد نہ ہوتا تو جو چیز باپ سے حاصل ہوتی تھی وہ ہلاک دائمی کی طرف پہنچ جاتی، استاد کی ہی بدولت زندگانی اخروی ہمیشہ کو ہوتی ہے مگر استاد سے ہماری مراد علوم آخرت کا سکھانے والا یا دنیا کے علوم آخرت کی نیت سے بتانے والا ہے نہ دنیا کے ارادے سے اس لیے کہ تعلیم کرنا دنیا کے ارادے سے تو خود بھی تباہ ہونا ہے اور دوسرے کو بھی تباہ کرنا ہے، ایسی تعلیم سے خدا پناہ دے۔ اور جس طرح کہ ایک شخص کے بیٹوں کا دستور ہے کہ آپس میں پیار و محبت سے رہتے ہیں اور مقاصد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اسی طرح ایک استاد کے شاگردوں میں دوستی اور یاری ہونی چاہیے، اور اگر ان کا مقصود آخرت ہوتی ہے تب تو ایسے ہی ہوتے ہیں اور اگر دنیا مراد ہوتی ہے تو آپس میں حسد اور بغض ہوتا ہے، اس لیے کہ علماء اور آخرت کے لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف سفر کرنے والے اور دنیا سے اس کی طرف گذر جانے والے ہیں، اور دنیا کے برس اور مہینے اس راہ کی منزلیں ہیں، اور جو مسافر شہروں کو جاتے ہیں، راہ میں ان کو رفیق کا ملنا دوستی اور یاری کا سبب ہو جاتا ہے اور جب جنت اعلیٰ کا سفر ہو تو اس کے راستے میں رفیق کے ساتھ محبت کیسے نہ ہو گی، اور سعادتِ اخروی میں تنگی نہیں ہے کہ ایک کو مل جاوے گی تو دوسرا نہ پاوے گا، تو اسی جہت سے آخرت کے لوگوں میں نزاع اور حسد نہیں ہوتا، بخلاف دنیا کی سعادت کے کہ ان میں گنجائش نہیں اسی لیے ہمیشہ ان کے باب میں لڑائی جھگڑے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ کہ علوم سے طلب ریاست کی طرف مائل ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے خارج ہیں کہ[ت۲] انما المؤمنون اخوۃ اور اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں[ت۳] الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ تعلیم کے باب میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کرے، یعنی علم سکھانے پر نہ مزدوری طلب کرے نہ اور کسی طرح کے بدلے کی نیت ہو، نہ شکر کا خواہاں ہو، بلکہ صرف خدائے تعالیٰ کے واسطے اور اس کے قرب کے

[ح۱] میں تمہارے حق میں ایسا ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کے حق میں ۱۲ ابوداؤد و نسائی بروایت ابوہریرۃ رض ۱۲ [ت۲] مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں ۱۲
[ت۳] جتنے دوست ہیں وہ اس دن دشمن ہوں گے مگر جو ہیں ڈر والے ۱۲

طلب کے لیے سکھاوے اور یہ نہ جانے کہ شاگردوں پر میرا احسان ہوتا ہے، بلکہ[۲] اس کا احسان مند بھی ہونا اور یہ تصور کرنا لازم ہے کہ فضل مجھ کو انھیں کے سبب سے ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں کی تہذیب کی اور میرے حوالہ کیے کہ میں ان میں علوم کو بوکر خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کروں، جیسے کوئی شخص تم کو اپنی زمین رعایت دے دے تاکہ تم اپنے واسطے اس میں کھیتی کرو، تو ظاہر ہے کہ زمین والے کے فائدے کی نسبت کر اس سے تم کو فائدہ زیادہ ہوگا پس جب استاد کو تعلیم میں شاگرد کی نسبت کر ثواب خدائے تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہوتا ہو تو پھر شاگرد پر احسان رکھنے کے کیا معنی، اگر شاگرد نہ ہوتا تو استاد کو یہ ثواب کہاں سے ملتا، اسی لیے بجز خدائے تعالیٰ کے ثواب اور بدلہ اور کسی سے نہ مانگنا چاہیے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا اسئلکم علیه اجرا[۱] اس لیے کہ مال اور دنیا کی چیزیں بدن کی خادم ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے اور مخدوم علم ہے کہ اسی کی جہت سے نفس کا شرف ہے تو جو شخص علم کے بدلے میں مال طلب کرے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کی جوتی میں نجاست لگ گئی ہو اور وہ اس کو صاف کرنے کے لیے اپنے منہ سے رگڑ لے، تو ظاہر ہے کہ اس میں مخدوم کو خادم کر دے گا اور خادم مخدوم اور یہ کمال درجہ کا انقلاب ہے، اور اسی طرح کا شخص قیامت میں مجرموں کے ساتھ اپنا سر اوندھاتے خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ فضل اور منت استاد کو ہے۔ اب دیکھو کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا قصد خدائے تعالیٰ کی طرف نزدیک ہونے کا ہے، ان کی نوبت علمِ فقہ اور کلام میں اور ان کی تدریس میں کہاں تک پہنچی ہے کہ مال اور جاہ خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کی ذلتیں سلاطین کی خدمت میں جاگیریں لینے کے لیے اٹھاتے ہیں اور اگر اس بات کو وہ ترک کر دیں، ان کو کوئی نہ پوچھے اور نہ ان کے پاس کوئی جاوے، پھر اس پر یہ ہے کہ استاد شاگرد سے بھی توقع رکھتا ہے کہ میری ہراڑے میں کام آوے اور میرے خیر خواہ کی مدد کرے اور بدخواہ سے عداوت رکھے اور ضروریاتِ دنیاوی میں گدھے کی طرح لدا کرے اور سب حاجات میں فرمانبردار بنا رہے، اور اگر اس امر میں ذرا بھی قصور کرے تو پھر استاد جی اس کے دلی دشمن ہیں، پس اس طرح کا عالم نہایت دنی اور خسیس ہے جو اپنے لیے یہ مرتبہ پسند کرے اور اس پر خوش ہو اور اس قول سے شرم نہ کرے کہ میری غرض پڑھانے سے علم کا پھیلانا ہے تاکہ اس کی نزدیکی اور اس کے دین کی مدد ہو، غرض کہ نشانیوں اور علامات کو دیکھو تاکہ تم کو مغالطہ میں پڑنے کے اقسام معلوم ہو جاویں۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ شاگرد کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے، مثلاً بایں طور کہ اگر وہ قابلیت سے پہلے کسی رتبہ کا درپے ہو یا علم ظاہر تحصیل کرنے سے پیشتر علم باطن اور مخفی میں مشغول ہونا چاہے تو اس کو منع کرے، پھر اس کو تنبیہ کر دے کہ علوم کی طلب قرب الٰہی کے لیے کرے نہ ریاست کی طلب اور فخر کرنے کے لیے، اور اس امر کی برائی اس کے دل میں جس قدر ممکن ہو اول ہی جما دے، اس لیے کہ عالمِ فاجر کی اصلاح کم ہوتی ہے اور خرابی زیادہ، پس اگر استاد اپنے شاگرد کے باطن سے یہ معلوم کرے کہ یہ شخص دنیا ہی کے لیے علم کا طالب ہے تو جس علم کی طلب ہو، اس کو دریافت کرے، اگر وہ علمِ فقہ

---

[۱] تو کہ میں نہیں چاہتا تم سے اس پر مزدوری ۱۲ [۲] بلکہ الخ اصل میں یوں ہے، اگرچہ اس کا احسان تو شاگردوں پر لازم ہے ان سے چھوٹنے والا نہیں ہے، بلکہ یہ تصور کرے کہ فضل تجھ کو انہیں کی وجہ سے ہے ۱۲ امیر علی

میں جھگڑا کرنے کا، اور کلام میں اور مقدمات کے فتاوے اور احکام میں مناظرہ کرنے کا ہو تو شاگرد کو ان سے باز رکھے اور منع کر دے کہ یہ علوم آخرت کے علم نہیں اور نہ ان علوم میں سے ہیں جن کے باب میں کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہم نے علم کو غیر خدا کے لیے سیکھا، علم نے انکار کیا کہ بجز خدائے تعالیٰ کے اور کسی کے لیے ہو، اور اس طرح کے علوم علم تفسیر اور حدیث اور علم آخرت جس میں سلف کے لوگ مشغول رہتے تھے اور اخلاقِ نفس کو پہچاننا اور ان کی تہذیب و کیفیت معلوم کرنی ہیں پس اگر طالب علم ان علوم کو دنیا کی غرض سے سیکھے تو استاد مزاحم نہ ہو اس لیے کہ طالب علم وعظ کی طمع اور لوگوں کو پروں میں لانے کی لالچ سے ان پر مستعد ہوتا ہے اور بعض اوقات اثنائے تحصیل میں انجام سے آگاہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان میں وہ علوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف دلادیں اور دنیا کو نظروں میں حقیر اور آخرت کو بڑی کر دیں اور اس سے توقع پڑتی ہے کہ انجام کو طالب مذکور راہِ راست پر آجاوے اور جن امور کی نصیحت دوسروں کو کرے ان سے خود بھی نصیحت مانے اور لوگوں میں مقبول ہونے اور جاہ پیدا کرنے کی محبت علم کی تحصیل میں ایسی ہے جیسے پرندوں کے شکار کے جال کے گرد دانہ ڈال دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ امر اپنے بندوں کے ساتھ ملحوظ فرمایا ہے کہ شہوت کو پیدا کیا تاکہ خلق کی نسل اس کے ذریعہ سے باقی رہے اور محبت جاہ کو بھی اسی لیے پیدا کیا ہے کہ سبب علوم کے قائم رہنے کا ہو، اور یہ بات انہیں علوم مذکورہ میں ہو سکتی ہے، مگر محض خلافی مسائل اور کلام کے جھگڑے اور ان کے فروعاتِ عجیبہ کو معلوم کرنا، یہ ایسے ہیں کہ اگر آدمی ان کا ہو رہے اور دوسرے علوم سے اعراض کرے تو دل کی سختی اور خدائے تعالیٰ سے غافل رہنا اور گمراہی میں پڑا رہنا اور جاہ کا طالب ہونا ان سے بڑھتا ہے اور کچھ فائدہ نہیں مگر جس کو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بچالے یا ان باتوں کے ساتھ اور کوئی علم دینی ملالے تو البتہ فائدہ ہو سکتا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ کی طرح اس پر کوئی دلیل نہیں، پس دیکھ کر عبرت کرو اور چشم بصیرت کھولو تاکہ اس کی تحقیق بندوں اور شہروں میں تم کو معلوم ہو اور اللہ سے مدد درکار ہے۔ ایک بار حضرت سفیان ثوریؒ کو کسی نے ملول دیکھا اور باعث ملال کا پوچھا، فرمایا کہ ہم دنیاداروں کے لیے تجارت گاہ بن گئے کہ علم کے لیے ان میں سے کوئی ہمارے پیچھے پڑتا ہے، یہاں تک کہ جب سیکھ لیتا ہے تو قاضی یا عامل خانساماں کر دیا جاتا ہے۔

چوتھا ادب جو تعلیم کے باب میں عمدہ اور باریک ہے وہ یہ ہے کہ شاگرد کو اخلاقِ بد سے جب تک ہو سکے کنایہ اور پیار کی راہ سے منع کرے تصریح اور توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے، اس لیے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کرتی ہے، اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار پر حریص ہونے کا موجب ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کل استادوں کے استاد ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آدمیوں کو مینگنیاں توڑنے سے منع کر دیا جائے تو ان کو ضرور بچور رہیں اور کہیں کہ ہم کو جو اس سے منع کیا ہے تو ضرور ان میں کوئی بات ہے، اور اس امر پر قصہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا جن

ع۱ اس حدیث کو صرف ابن شاہین نے بروایت حسن مرسل روایت کیا ہے ۱۲ منہ ۔ و ارد و غیرہ ۱۲ ۔ ۱؎ یہ حدیث ابوبکر بن سنجر کی حدیث کا ٹکڑا ہے ۔ ابوداؤد نے بروایت عائشہ رضہ اور لفظوں سے بیان کیا ہے ۱۲

کو درخت کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ ایک خوب شاہد ہے، ہم نے جو اس قصّہ کو تم کو یاد دلایا تو اس لیے نہیں کہ تم کہانی سے جان لو، بلکہ اس لیے کہ اس سے عبرت کے طور پر خبردار ہو جاؤ۔ اور ایک وجہ تصریح کرنے کی یہ بھی ہے کہ جو نفوس اچھے اور ذہن تیز ہوتے ہیں وہ کنایۃً کہنے میں بھی اس کے معانی نکال لیتے ہیں اور مقصود کو سمجھ جانے کی خوشی اس کے بموجب عمل کرنے کی رغبت دلاتی ہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو کہ یہ بات اس کی دانائی سے مخفی نہ رہی۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ استاد جس علم کو سکھاتا ہو، اس کو چاہیئے کہ شاگرد کے دل میں اس علم کے اوپر کے علم کی برائی نہ ڈالے، جیسے لغت پڑھانے والے کی عادت ہوتی ہے کہ علم فقہ کو برا کہا کرتا ہے اور فقہ سکھانے والے کی عادت ہے کہ علم حدیث اور تفسیر کی برائی بیان کرتا ہے کہ یہ علوم صرف نقلی اور سننے کے متعلق اور بڑھیوں کے لیے زیبا نہیں۔ عقل کو ان میں دخل نہیں اور کلام والا فقہ سے نفرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فقہ ایک فرع ہے جس میں عورتوں کے حیض کا بیان ہے وہ کلام کو کہاں پہنچ سکتا ہے جس میں ذکر صفت رحمان ہے تو استادوں میں یہ عادتیں بُری ہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہیئے، بلکہ جو استاد ایک علم کی تعلیم کا کفیل ہو اس کو چاہیئے کہ شاگرد پر دوسرے علم کے سیکھنے کی راہ بھی نکال دے اور اگر کئی علم کا کفیل ہو تو ان میں ترتیب کا لحاظ رکھے کہ شاگرد ایک رتبہ سے دوسرے پر ترقی کرتا جاوے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ شاگرد کے سامنے بیان کرنے میں صرف اس کی سمجھ پر کفایت کرے، ایسی بات اس سے نہ کہے جس تک اس کی عقل نہ پہنچے تاکہ وہ اس سے نفرت نہ کرنے لگے یا اس کی عقل خبط نہ ہو اور اس ادب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء کے گروہ ہیں ہم کو یہ حکم ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبوں میں رکھیں اور ان کی عقلوں کے بموجب ان سے گفتگو کریں۔ تو استاد کو بھی چاہیئے کہ شاگرد کے سامنے حقیقت امر کو ظاہر کرے کہ اس کو معلوم ہو جاوے، کہ شاگرد اس کو اچھی طرح سمجھ جاوے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہتا ہے کہ جس کو ان کی سمجھ نہیں پہنچتی تو ان میں سے کچھ لوگوں پر فتنہ ہو جاتا ہے۔ اور حضرت علی رضؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کے سمجھنے والے ہوں یعنی ہیں ان کو اس لیے اظہار نہیں کرتا کہ ان علوم کا کوئی متحمل نہیں اور آپ نے سچ فرمایا کہ نیک بندوں کے دل بھیدوں کی قبریں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عالم کو نہ چاہیئے کہ جو کچھ جانتا ہو اس کو ہر کسی سے کہہ دے، اور یہ اس صورت میں ہے کہ طالب علم اس کو سمجھتا ہو مگر اس سے فائدہ لینے کا اہل نہ ہو، اور جس صورت میں کہ سمجھتا ہی نہ ہو تب تو بطریق اولیٰ ذکر اس کے آگے نہ چاہیئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جواہر کو سوروں کی گردن میں مت ڈالو اور حکمت جوہروں سے بہتر ہے اور جو شخص اس کو برا جانتا ہے وہ سوروں سے بدتر۔ اور اسی جہت سے کسی بزرگ نے کہا ہے کہ ہر شخص کو اس کی عقل کے پیمانے کے بموجب ناپو اور اس کی سمجھ کی ترازو کے بموجب اس کے لیے سخن سنج ہو تاکہ اس سے بچے رہو اور وہ تم سے نفع پاوے ورنہ وہ تنگی حوصلہ کے سبب نہ مانے گا۔ اور کسی شخص نے ایک عالم سے کوئی بات پوچھی، اس نے جواب نہ دیا، سائل نے کہا کہ تم نے سُنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علم مفید کو چھپائے گا روز قیامت

خ ابونعیم بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲ خ ابن ماجہ بروایت ابوسعید بسند ضعیف ۱۲

میں اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جاوے گی، عالم نے جواب دیا کہ لگام رہنے دو اور چل دو، اگر کوئی سمجھنے والا آوے گا اور اس سے میں چھپاؤں گا تو وہ مجھ کو لگام دے دے گا، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ولا تؤتوا السفهاء اموالكم[1] اس میں بھی یہی تنبیہ ہے کہ علم جس شخص کو خراب کر دے اور ضرر پہنچا دے، اس کو اس سے باز رکھنا بہتر ہے اور غیر مستحق کو چیز کے دینے میں بہ نسبت مستحق کے نہ دینے کے کچھ ظلم کم نہیں، بلکہ دونوں میں ظلم برابر ہے، چنانچہ کسی نے قطعہ کہا ہے جس کا ترجمہ ہے ؎

سلک گہر کو کر کے میں حیوانوں پہ نثار	غمگین ہوں اگر مجھے راعی کہیں ہزار
چرواہوں کو ہو جہل سے کب جوہر دل کی قدر	دانستہ ان کو کیسے بناؤں گدھوں کا ہار
گر فضل سے خدائے کریم و لطیف کے	علم و ہنر کا اہل کوئی ہووے آشکار
تب قفل اس خزانے کا کھولوں براہ مہر	ورنہ چھپاؤں اس کو میں جون دُر شاہوار
تعلیم جو کرے ناکس کو ہے برباد	اگر اہل کو سمجھاوے نہ کچھ ہے ستم شعار

ساتواں ادب یہ ہے کہ جب شاگرد کا حال معلوم ہو جاوے کہ کم سمجھ ہے تو استاد کو چاہیئے کہ اس کو موٹی بات جو اس کے لائق ہو بتاوے اور اس سے یہ نہ کہے اس میں کوئی دقیق بات بھی ہے جو ہم نے تجھ کو نہیں بتائی کیونکہ اس کہنے سے شاگرد کی رغبت اس موٹی بات میں پھیکی پڑ جاوے گی، اور اس کے دل کو پراگندگی ہوگی اور یہ وہم کرے گا کہ مجھ کو بتانے سے دریغ کرتے ہیں کیونکہ اپنے گمان میں ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ میں ہر ایک علم دقیق کے قابل ہوں، اور ہر شخص خدائے تعالیٰ سے اس بات پر راضی ہے کہ میری عقل کامل بنائی، اور بڑا اور کم عقل وہ ہے جو اپنی عقل کے کامل ہونے سے زیادہ خوش ہو، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں سے اگر کوئی شخص شرع کا پابند ہو اور جو عقیدے کہ سلف سے منقول ہیں بلا تشبیہ اور بدوں کسی تاویل کے اس کے دل میں جمے ہوں، اور باوجود اس کے اس کا باطن بھی اچھا ہو، اور اس کی عقل کو اس سے زیادہ کا تحمل نہ ہو، ایسے شخص کے اعتقاد کو پریشان نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اس کو اس کے کام میں مشغول ہونے دینا چاہیئے، اس لیئے کہ اگر اس کے سامنے ظاہر کے تاویلات ذکر کیے جاویں تو عوام کی بندش سے نکل جاوے گا، اور خواص میں داخل ہونا اس کو میسر نہ ہوگا تو جو آڑ اس میں گناہوں میں تھی، وہ دُور ہووے گی، پھر پورا شیطان سرکش بن کر اپنے آپ کو اور غیروں کو ہلاک کرے گا۔ پس عوام کے سامنے باریک علموں کی حقیقتیں بیان ہی نہ کرنی چاہیئیں، بلکہ ان کو نو صرف عبادات اور جن کاموں میں وہ ہوں، ان میں ایمانداری کی تعلیم کرنی مناسب ہے اور قرآن کے مضمون کے بموجب جنت کی رغبت اور دوزخ کے خوف سے ان کے دلوں کو پُر کرنا چاہیئے، اور کسی شبہہ کی تحریک ان کے سامنے نہ کی جاوے کہ اگر شبہ ان کے دل میں اٹک رہتا ہے اور ان کا نکلنا دشوار ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے ہلاک اور تباہ ہو جاتے ہیں، حاصل یہ کہ عوام کے لیے باب بحث مفتوح نہ کرنا چاہیئے ورنہ ان کو ان کے کام سے کھو دینا ہے جس پر کہ مدار خلق کے قائم رہنے اور خواص کی زندگی جاوید کا ہے۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ استاد اپنے علم کے بموجب عمل کرتا ہو، ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ، اس لیے کہ علم تو دل کی

---

[1] اور مت حوالہ کرو بے عقلوں کو اپنے مال ۱۲

آنکھ سے معلوم ہوتا ہے، اور عمل ظاہر کی آنکھ سے اور ظاہر میں لوگ بہت سے ہیں، تو اگر عمل علم کے خلاف کرے گا تو ہدایت نہ ہوگی، اور جو شخص خود ایک کام کو کرے اور دوسروں کو کہے کہ اس کو نہ کرو کہ زہر قاتل ہے، تو لوگ اس سے تمسخر کریں گے اور تہمت لگادیں گے، اور اس کام کے کرنے کے زیادہ حریص ہوں گے اور کہیں گے کہ یہ کام اچھا اور مزہ دار نہ ہوتا، تو استاد جی کیوں اختیار کرتے، اور استاد کو اگر شاگرد کے لحاظ سے دیکھو تو ایسا ہے جیسا نقش کا حال ہوگارے کی نسبت سے اور لکڑی سایہ کے لحاظ سے تو جس چیز میں خود نقش نہ ہو گا وہ گارے میں کیسے نقش کردے گی، اور لکڑی اگر خود سیدھی نہ ہوگی تو اس کا سایہ کیسے سیدھا ہوگا اسی لیے کسی نے اس مضمون میں شعر کہا ہے

منع مت کر اس خطا سے جس میں تو مشغول ہے یہ بڑا عجیب اور امر نا معقول ہے

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ف] اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم اور یہیں وجہ گناہوں کا وبال عالم پر بہ نسبت جاہل کے زیادہ ہوتا ہے اس جہت سے کہ عالم کے مبتلا ہونے سے ایک عالم تباہ ہو جاتا ہے اور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں، اور جو شخص کہ کوئی طریق بد نکالتا ہے تو اس پر اس کا گناہ، اور جو کوئی اس طریق پر چلے اس کا گناہ بھی ہوتا ہے، اور اسی جہت سے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ دو شخصوں نے میری کمر توڑ دی، ایک تو اس عالم نے کہ اپنی عزت کھو دی ہو اور علانیہ مرتکب گناہ ہو، دوسرے اس جاہل نے کہ زاہد بن رہا ہو اس لیے کہ جاہل اپنے زاہد بننے لوگوں کو دھو دیتا ہے اور عالم ارتکاب خطا سے مغالطہ دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

چھٹی فصل: علم کے سبب پیدا ہونے والی آفات اور علمائے حق نیز علمائے سوء کی علامات

علم اور علماء کے فضائل میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کو تو ہم بیان کر چکے ہیں اور علمائے بد کے باب میں بہت سخت وعید آئی ہے، جیسے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں زیادہ عذاب زیادہ تر سخت اور لوگوں کی نسبت کے انہیں پر ہوگا۔ اس لیے جاننا ان علامتوں کا جو علمائے آخرت اور علمائے دنیا کو علیحدہ کردیں، بہت ضرور ہوا اور ہماری غرض علمائے دنیا سے علماء بد ہیں جن کی غرض علم سے دنیا میں چین اڑانا، اور اہل دنیا کے نزدیک جاہ و منزلت کا ذریعہ ہو جانا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[ع] قیامت کو سب لوگوں کی نسبت کہ سخت تر عذاب اس عالم پر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے علم سے نفع نہ دیا ہو اور فرمایا[ع] آدمی عالم نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے علم پر عامل نہ ہو اور فرمایا العلم علمان علم علی اللسان فذالک حجۃ اللہ تعالیٰ علی ابن آدم وعلم فی القلب وذلک العلم النافع ...

[ف] کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو آپ کو ۱۲ [ع] دیباچہ میں گذری ۱۲ [ع] ابن حبان بروایت ابو درداء موقوفاً ۱۲ [ع] علم دو ہیں، ایک علم زبان پر سو یہ تو اللہ کی حجت ہے اولاد آدم پر، اور ایک علم دل کے اندر ہے، یہی مفید ہے ۱۲ حکیم ترمذی نے مرسل اور خطیب نے بروایت بسند صحیح ۱۲

اور فرمایا[۱] کہ آخر زمانے میں عابد جاہل ہوں گے اور علماء فاسق، اور فرمایا[۲] علم کو اس غرض سے مت سیکھو کہ اس سے علماء کے ساتھ فخر کرو اور بے وقوفوں سے بحث کرو، اور لوگوں کے منہ اپنی طرف پھیرو، اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ دوزخ میں جاوے گا اور فرمایا[۳] جو شخص اپنے پاس کے علم کو چھپاوے اس کو خدائے تعالیٰ آگ کی لگام دے گا، اور فرمایا[۴] البتہ میں دجال کی نسبت کر غیر دجال سے تم پر زیادہ فکر کرتا ہوں، کسی نے عرض کیا، وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ گمراہ کرنے والے اماموں سے ڈرتا ہوں۔ اور فرمایا[۵] جو شخص علم میں زیادہ ہو اور ہدایت میں زیادہ نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں زیادہ ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کب تک آخر شب میں چلنے والوں کے لیے تم راستہ صاف کرو گے اور خود حیرت والوں کے ساتھ کھڑے رہو گے۔ غرض کہ یہ اخبار اور ان کے سوا اور بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ علم کا خطر بڑا ہے، اس لیے کہ عالم یا تو ہلاکِ ابد کا متعرض ہوتا ہے یا سعادتِ جاوید کا اور علم میں خوض کرنے سے اگر سعادت پناہ دے گا تو سلامت رہنے سے بھی محروم رہے گا اور آثار بھی اس باب میں بہت ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس امت پر زیادہ تر خوف منافق علم والے کا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ منافق کس طرح علیم ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ زبان کا علیم ہو اور دل اور عمل کے لحاظ سے جاہل، اور حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ تو ان لوگوں میں نہ ہو کہ علم اور ظرافت کو مثل علماء اور حکماء کے رکھتے ہوں اور عمل میں بے وقوفوں کے برابر ہوں۔ اور ایک آدمی نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ میں علم سیکھنا چاہتا ہوں مگر یہ ڈر ہے، کہ کہیں اس کو ضائع نہ کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ضائع کرنے کے لیے تمہارا چھوڑ بیٹھنا کافی ہے۔ اور ابراہیم بن عقبہ سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں زیادہ ندامت کس کو ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ دنیا میں تو اس کو ہوتی ہے جو ایسے شخص پر احسان کرے کہ اس کا مشکور نہ ہو، اور موت کے وقت اس عالم کو ہوگی جس نے علم میں کوتاہی کی ہو۔ اور خلیل بن احمد نے کہا ہے، کہ آدمی چار ہیں، ایک وہ کہ واقع میں جانتا ہے اور جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں، تو وہ شخص عالم ہے اس کا اتباع کرو اور ایک وہ کہ جانتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ سونے والا ہے اور اس کو ہشیار کرو، اور ایک وہ کہ نہیں جانتا اور جانتا ہے کہ نہیں جانتا، ایسا شخص ہدایت کے قابل ہے، اس کو ہدایت کرو، اور ایک وہ کہ نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ نہیں جانتا تو وہ جاہل ہے اس کو ترک کرو۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل نے ہاں کہا تو خیر ورنہ علم رخصت ہوتا ہے۔ اور ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب تک طلب علم میں رہتا ہے تب تک عالم ہوتا ہے اور جب یہ گمان کرتا ہے کہ میں جان چکا، تب جاہل ہو جاتا ہے۔ اور فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو تین شخصوں پر ترس آتا ہے، ایک وہ کہ اپنی قوم میں عزت رکھتا ہے اور ذلیل ہو گیا، اور ایک وہ کہ قوم میں تونگر تھا اور مفلس ہو گیا، اور ایک وہ عالم جس سے دنیا کھیل کرتی ہو، اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دل کا مر جانا ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کی طلب ہو، اور پھر ایک قطعہ پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے ؎

---

[۱] حاکم بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ [۲] ابن ماجہ بروایت جابرؓ ۱۲ [۳] پہلے گذری ۱۲ [۴] احمد بروایت ابوذرؓ ۱۲ [۵] ابو منصور دیلمی بروایت علی بسند ضعیف اور اس میں ہدایت کی جگہ زہد ہے ۱۲

عجب ہے اس سے جو دے کر ہدایت لیوے گمراہی ‏ ‏ ‏ جو دین کو دے کے دنیا لے تو ہے زائد عجب اس سے
وے ان دونوں سے زائد تعجب اس سے ہے مجھ کو ‏ ‏ ‏ کہ بدلے غیر کی دنیا کے اپنے دین کو بیچے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۱] ان العالم لیعذب عذابا یطوف بہ اھل النار استعظاما لشدة عذابہ اس میں مراد عالم بدکار سے ہے۔ اور اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ یوں فرماتے ہیں۔ [۲] یؤتی بالعالم یوم القیمة فیلقی فی النار فتندلق اقتابہ فیدور بہا کما یدور الحمار بالرحی فیطوف بہ اھل النار فیقولون مالک فیقول کنت آمر بالخیر ولا آتیہ وانھی عن الشر وآتیہ اور معصیت کے سبب سے عالم کے عذاب کے مضاعف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دانستہ نافرمانی کی۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں رہیں گے اس لیے کہ انہوں نے علم کے بعد انکار کیا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو نصاریٰ سے بدتر فرمایا، باوجودیکہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کو ثالث ثلثة تیسرا تین میں کا نہیں کہا، مگر چونکہ انہوں نے علم کے بعد انکار کیا، چنانچہ خود فرماتا ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم اس کو جانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا[۳] فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنة اللہ علی الکفرین اس لیے بڑے ٹھہرے اور بلعام بن باعور کے قصے میں ارشاد ہے[۴] واتل علیہم نبا الذی آتینٰہ آیاتنا فانسلخ منہا فاتبعہ الشیطن فکان من الغوین ولو شئنا لرفعنٰہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث یہی حال عالم بدکار کا ہے، بلعام کو بھی کتاب اللہ ملی تھی مگر وہ شہوات میں جم گیا، اس لیے کتے کے ساتھ تشبیہ دیا گیا کہ برابر ہے اس کو حکمت ملی یا نہ ملی، وہ شہوات کی طرف ہانپتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ علمائے بد کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پتھر نہر کے منہ پر رکھ دیا جاوے کہ نہ وہ خود پانی پیوے نہ پانی کو بہنے دے کہ کھیتی میں جاوے اور علمائے بد کی مثال ایسی ہے جیسے باغوں[۵] میں کے پختہ نالے کہ باہر گچ ہے اور اندر بدبو، یا قبریں جیسے ہیں کہ اوپر سے آباد ہیں اور اندر مردوں کی ہڈیاں

---

[۱] عالم کو ایسا عذاب دیا جاوے گا کہ اس کے عذاب کی سختی کی وجہ سے دوزخی اس کے گرد ہوں گے ۱۲ یہ حدیث ان لفظوں سے نہیں ملی، بلکہ اس کا مضمون حدیث آئندہ میں ہے ۱۲ [۲] قیامت کے روز عالم لایا جاوے گا، پس آگ میں ڈال دیا جائے گا اور اس کی آنتیں نکل پڑیں گی، پس ان کو لیے ایسا گھومے گا، جیسے گدھا چکی کو لیے گھومتا ہے اور دوزخی اس کے گرد ہوں گے اور پوچھیں گے کہ تیرا کیا حال ہے۔ وہ کہے گا کہ میں غیر کو کہتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور خود مرتکب ہوتا تھا، بخاری و مسلم مگر العالم کی جگہ الرجل ہے ۱۲ [۳] پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھا تھا، اس سے منکر ہوئے، سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر ۱۲ [۴] اور سنا اس کو احوال اس شخص کا کہ ہم نے اس کو دی تھیں اپنی آیتیں، پھر ان کو چھوڑ نکلا، پھر پیچھے لگا اس کے شیطان، تو وہ ہوا گمراہوں میں، اور ہم چاہتے تو اس کو اٹھا لیتے ان آیتوں سے، لیکن وہ ہو گیا زمین پر، اور چلا اپنی چاہ پر، تو اس کا حال جیسے کتا، اس پر تو لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے ۱۲

[۵] یہ اس لیے کہا کہ وہاں کے لوگوں کا دستور ہے کہ پاخانہ باغوں میں پھرتے ہیں ۱۲

ہیں، پس ان اخبار اور آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو عالم دنیاداروں میں سے ہے، وہ جاہل کی نسبت کہیں رذیل حال اور سخت عذاب میں ہوگا اور جو لوگ فلاح کو پہنچنے والے اور مقرب ہیں، وہ آخرت کے عالم ہیں اور ان کی بہت سی علامتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے علم کی جہت سے دنیا کی طلب نہ کرے، اس لیے کہ کمتر درجہ عالم کا یہ ہے کہ دنیا کی حقارت اور خست اور کدورت اور ناپائیداری اور آخرت کی بزرگی اور پائیداری اور اس کی نعمتوں کی صفائی اور اس کی سلطنت کی بڑائی معلوم کرے، اور جان لے کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد اور مثل دو سوتوں کے ہیں کہ جب ایک کو راضی کرو تو دوسری ناخوش ہو، اور ترازو کے دو پلوں کی طرح ہیں کہ جتنا ایک جھکے اتنا ہی دوسرا اٹھے، یا مشرق و مغرب جیسے ہیں کہ جتنا ایک کے پاس ہو، اتنا ہی دوسرے سے دور ہو، یا دو پیالوں کی طرح ہیں جن میں سے ایک بھرا ہے اور ایک خالی تو جس قدر بھرے ہوتے میں سے خالی میں اس کے بھرنے کو ڈالو گے اتنا ہی بھرا ہوا خالی ہوا ہوگا، اور جو شخص کہ دنیا کی حقارت اور اس کی کدورت اور اس کے نوش کا مزہ نیش کے ساتھ نہیں جانتا اور نہ یہ جانے کہ جو لذت دنیاوی صاف بے خلش ہوتی ہے، وہ بھی کچھ مدت بعد گذرہی جاتی ہے تو ایسا شخص عقل میں فساد رکھتا ہے اس لیے کہ دیکھنے اور تجربہ سے امر مذکور ثابت ہے تو جس شخص کو عقل ہی نہ ہو، وہ علماء میں سے کس طرح ہوگا، اور جو شخص کہ امر آخرت کی بزرگی اور پائیداری کو نہیں جانتا، وہ کافر مسلوب الایمان ہے تو جس کا ایمان ہی نہیں وہ عالم کیسے ہوگا، اور جو شخص دنیا اور آخرت کا ضد ہونا نہیں جانتا اور یہ کہ ان دونوں کو جمع کرنا ایک طمع بے سود ہے، سو وہ سب انبیاء کی شریعتوں سے ناواقف ہے وہ قرآن مجید کا اول سے آخر تک منکر ہے تو ایسا شخص بھی علماء میں شمار نہیں ہو سکتا، اور جو شخص ان سب باتوں کو جان کر آخرت کو دنیا پر اختیار نہ کرے تو وہ شیطان کا قیدی ہے کہ اس کی شہوت نے اس کو تباہ کر دیا اور بدبختی اس پر غالب آگئی، تو جن لوگوں کے یہ درجے ہوں گے، وہ علماء کے زمرہ میں کیسے متصور ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی روایت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مروی ہے کہ عالم جس وقت اپنی شہوت کو اختیار کرتا ہے تو ادنیٰ بات اس کے ساتھ میں یہ کرتا ہوں کہ اس کو اپنی مناجات کے مزہ سے محروم کر دیتا ہوں، اے داؤد میری کیفیت ایسے عالم سے مت پوچھنا، جس کو دنیا نے متوالا کر دیا ہو، ورنہ تجھ کو میری محبت کی راہ سے روک دے گا۔ اس قسم کے لوگ میرے بندوں کے حق میں راہزن ہیں، اے داؤد جب تو کوئی میرا طالب دیکھے تو اس کا خادم بن، اے داؤد جو شخص کسی بندے سے بھاگے ہوتے کو میری طرف ہٹا لاتا ہے، میں اس کو بڑا ہوشیار خبردار لکھتا ہوں، اور جس کو ایسا لکھ دیتا ہوں، اس کو کبھی عذاب نہیں کرتا، اور اسی جہت سے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ علماء کی سزا دل کا مر جانا ہے اور دل کی موت عمل آخرت کے عوض میں دنیا کا طلب کرنا ہے اور یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ جب علم اور حکمت سے دنیا طلب کی جاتی ہے تو ان کی جوت جاتی رہتی ہے، اور مسعود بن مسیب نے فرمایا ہے کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ وہ بات کا افشا کرتا ہے تو وہ چور ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ جب تم عالم دنیا کا خواہاں دیکھو تو تم دین میں متہم جانو، اس لیے کہ خواہش مند کسی چیز کا اپنی خواہش کی چیز ہی میں گھسا رہتا ہے اور مالک بن دینار کا قول ہے کہ میں نے بعض پہلی کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ عالم جب دنیا کی محبت کرتا ہے تو سب سے ادنیٰ امر میں اس کے ساتھ یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی حلاوت اس کے

دل میں سے نکال لیتا ہوں، اور ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا کہ تجھ کو علم عنایت ہوا ہے، اپنے علم کے نور کو گناہوں کے اندھیرے سے مت بجھانا، ورنہ جس روز اہل علم اپنے علم کے اجالے میں چلیں گے تو تاریکی میں رہے گا، اور یحییٰ ابن معاذ رازیؒ علمائے دنیا کو یوں کہا کرتے تھے کہ علم والو تمہارے محل قیصر کے سے ہوں گے اور مکانات کسریٰ کے سے اور کپڑے بہت ٹیپ ٹاپ کے اور موزے جالوت کی طرح کے اور سواریاں قارون کی سی اور برتن فرعون کے سے، اور گناہ جاہل کی طرح کے اور مذہب شیطان کے ہیں تو شریعت محمدی کہاں ہے، کسی کا شعر ہے ؎

گرند گرگ سے راعی بچاتے ہیں گلہ وے جو خود ہی وہ بن جائیں گرگ تب کیا ہو

اور کسی دوسرے نے کہا ہے ؎

نمکین کلام بولے اگر کچھ ہو اس کو یاد مصلح نمک کا کیا ہے پڑے اس میں جب فساد

اور کسی شخص نے ایک عارف سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک جس شخص کو گناہوں سے راحت ہوتی ہے، کیا وہ خدائے تعالیٰ کو نہیں پہچانتا، انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس بات میں شک نہیں کرتا کہ جس کے نزدیک دنیا بہ نسبت آخرت کے ترجیح رکھتی ہے وہ بھی خدائے تعالیٰ کو نہیں پہچانتا، حالانکہ یہ شخص بہ نسبت پہلے شخص کے بہت کم ہے اور یہ مت گمان کرنا کہ مال کا ترک کرنا علمائے آخرت میں ملنے کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ جاہ کا ضرر مال سے زیادہ ہے اور اسی وجہ سے بشرؒ نے کہا کہ لفظ "حدثنا" جو روایت کے لیے کہا جاتا ہے، دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جب تم کسی کو حدثنا کہتے ہوئے سنو تو وہ یہ کہتا ہے کہ مجھ کو جگہ دو اور انہیں بزرگ نے کچھ اوپر دس بستے کتابوں کے دفن کر دیے تھے اور کہتے ہیں کہ مجھ کو خواہش ہے کہ حدیث بیان کروں، اگر یہ خواہش جاتی رہے تو حدیث بیان کروں، اور انہیں کا یا کسی اور بزرگ کا قول ہے کہ جب تم کو خواہش ہو کہ حدیث کہو، تب خاموش رہو اور جب خواہش نہ ہو تب بیان کرو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم اور ارشاد کا منصب ملنے سے جاہ کی لذت تمام دنیاوی لذتوں سے بڑھ کر ہے، تو جو اپنی خواہش کو اس باب میں مانے گا، وہ دنیا داروں میں سے ہوگا، اور اسی لیے سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث کا فتنہ مال اور اہل اور اولاد کے فتنہ سے بڑھ کر ہے اور کیونکر اس کا فتنہ قابل خوف نہ ہو کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد خداوندی ہوا۔ ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا[عہ] اور سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ سب دنیا ہے۔ اس میں سے آخرت صرف اس پر عمل بالکل گرد ہے سوائے اخلاص کے اور بھی انہیں کا ارشاد ہے کہ آدمی عالموں کے سوا سب مردے ہیں اور عالم عاملوں کے سوا سب متوالے ہیں، اور عامل اخلاص والوں کے سوا سب مغالطہ میں پڑے ہیں اور اخلاص والوں کو یہ ڈر ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ اور ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ جب آدمی حدیث کو طلب کرے یا نکاح کرے یا طلب معاش کے لیے سفر کرے تو وہ دنیا کا مائل ہو چکا، اس میں ان کی غرض طلب حدیث سے اونچی سندیں طلب کرنی یا ایسی حدیث کی

عہ اصل میں یہ ہے کہ اے علماء تم شہر میں ایسے ہو جیسے طعام میں نمک ہوتا ہے ۱۲ امیر علی

عہ اور اگر ہم تجھ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو ایسا ہو چلا تھا کہ تو ان کی طرف کچھ ذرا سا جھک جاتا ۱۲

طلب کہ جس کی آخرت میں حاجت نہ ہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی رفتار اپنی آخرت کی طرف ہو وہ دنیا کی راہ کی طرف متوجہ ہو تو وہ اہلِ علم کیونکر ہوگا، اور جو شخص کلام کا طالب اس لیے ہو کہ اس سے امتحان کرے نہ اس غرض سے کہ اس پر عمل کرے تو وہ اہلِ علم کیسے ہوگا۔ اور صالح بن حسان نفریؒ کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے اکابر اساتذہ سے ملاقات کی وہ سب اللہ سے پناہ مانگتے تھے بدکار عالم حدیث سے اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَن طلب علمًا مما یبتغی بہ وجہ اللہ تعالیٰ یصیب عرضًا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ[1] اور اللہ تعالیٰ نے علمائے بدکا وصف یہ فرمایا کہ علم کے باعث دنیا کھاتے ہیں، اور علمائے آخرت کی صفت فروتنی اور زہد سے فرمائی چنانچہ دنیا کے عالموں کے باب میں ارشاد فرمایا واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا اور علمائے آخرت کی شان میں یہ فرمایا وان من اھل الکتاب لمن یؤمن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیھم خاشعین للہ لا یشترون بایٰت اللہ ثمنا قلیلا، اولئک لھم اجرھم عند ربھم۔ اور بعض اکابر سلف نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے جتھے میں اٹھیں گے اور قاضیوں کا حشر سلاطین کے زمرہ میں ہوگا، اور جس فقیہہ کا قصد اپنے علم سے دنیا کی طلب ہو، وہ بھی قاضیوں کے حکم میں ہے، اور ابو درداء رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں[2] کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو وحی بھیجی کہ تو ان لوگوں سے جو دین کے سوا اور چیز کے لیے فقیہہ بنتے ہیں اور عمل نہ کرنے کے لیے علم سیکھتے ہیں اور آخرت کے عمل سے دنیا کو طلب کرتے ہیں، لوگوں کی نظروں میں بکروں کی کھال پہنتے ہیں اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہیں، زبان ان کی شہد سے میٹھی اور دل ایلوا سے زیادہ کڑوا ہے، مجھی کو فریب دیتے ہیں اور مجھی سے ٹھٹھے کرتے ہیں، یہ بات کہہ دے کہ میں ان کے لیے ایسا فتنہ برپا کروں گا، جس سے حلیم بھی حیران رہ جاوے۔ اور ضحاک حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] کہ اس امت کے عالم دو شخص ہیں، ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا اور اس نے اس کو لوگوں میں خرچ کیا، اور اس پر کچھ مال کی حرص نہ کی اور اس نے تھوڑا سا مول لیا تو ایسے شخص پر اوپر کے پرند اور سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے چوپائے اور کراماً کاتبین رحمت بھیجتے ہیں۔ اور وہ قیامت میں خدائے تعالیٰ کے پاس سید اور شریف ہو کر آوے گا، یہاں تک کہ رسولوں

---

[1] جو شخص طلب کرے ایک علم ان علوم میں سے کہ ان کے باعث خدا تعالیٰ کی مرضی طلب کی جاتی ہے اور طلب سے اس کی غرض یہ ہو کہ دنیا کا کچھ مال مل جاوے تو وہ قیامت کے روز جنت کی بو نہ پاوے گا ۱۲ ابوداؤد اور ابن ماجہ ۱۲ [2] ابن عبد البر بسند ضعیف ۱۲

ع اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب عطا فرمائی تھی کہ تم اس کو لوگوں سے صاف صاف بیان کرو گے اور نہیں چھپاؤ گے۔ تو انہوں نے ان کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالا، اور اس کے عوض حقیر دنیا خریدی ۱۲ عہ اور اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ پر ایمان لاتے اور ایسی چیز کا یقین کرتے جو تمہاری جانب اتاری گئی، اور جو ان کی جانب اتاری گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے وہ اللہ کی آیتوں کو حقیر دنیا کے عوض بیچتے نہیں ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ہے ۱۲

کے ہمراہ ہوگا اور ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس پر بخل کیا اور مال کی طمع کی اور اس کے عوض میں تھوڑا سا مول لیا تو ایسا شخص قیامت کو آگ کی لگام دیا ہوا آوے گا، اور ایک پکارنے والا خلق کے سامنے پکارے گا کہ یہ فلاں شخص ہے فلاں کا بیٹا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم دیا مگر اس نے علم پر بخل کیا اور اس کے بندوں کو نہ سکھایا اور طمع کا دامن پھیلایا اور علم کے عوض تھوڑا سا مول اس کو عذاب بنا رہے گا۔ یہاں تک کہ سب آدمیوں کے حساب سے فراغت ہو جاوے اور اس سے بھی سخت یہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا، لوگوں میں اس نے کہنا شروع کیا کہ مجھ سے موسیٰ صفی اللہ نے ایسا کہا اور موسیٰ نجی اللہ نے یوں کہا، اور موسیٰ کلیم اللہ نے یوں ارشاد فرمایا، یہاں تک کہ اس کے پاس بہت سا علم ہو گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نہ دیکھا تو اس کا حال پوچھنا شروع کیا مگر کہیں اس کا سراغ نہ ملا، یہاں تک کہ ایک روز آپ کی خدمت میں ایک سور کے گلے میں سیاہ رسی ڈالے ہوئے لایا گیا اور عرض کیا کہ آپ فلاں شخص کو جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہاں، اس نے کہا کہ یہ سور وہی شخص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی اس کو اصلی صورت پر کر دے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ کس بات سے اس نوبت کو پہنچا، اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی بھیجی کہ اگر تم ان صفات سے مجھ کو یاد کرو گے جو آدم سے لے کر آج تک کے انبیاء اور اولیاء نے مجھ کو ان صفات سے پکارا ہے تب بھی میں اس بات کو نہ مانوں گا، لیکن جس سبب سے میں نے اس کی صورت مسخ کی ہے وہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص دین کے بدلے میں دنیا طلب کیا کرتا تھا، اور اس سے بھی سخت تر روایت وہ ہے جو معاذ بن جبل سے مروی ہے موقوفاً اور ایک روایت میں مرفوعاً کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[1] عالم کی مصیبت یہ ہے کہ بولنا اس کے نزدیک سننے سے اچھا ہو، حالانکہ تقریر میں زینت اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور صاحب تقریر خطا سے مامون نہیں اور خاموشی میں سلامتی اور علم ہے اور علماء میں سے ایک وہ ہے کہ اپنے علم کو جمع کر رکھتا ہے یہ نہیں چاہتا کہ وہ دوسرے کے پاس بھی موجود ہو تو وہ شخص دوزخ کے اول طبقے میں ہوگا، اور ایک وہ ہے کہ اپنے علم میں بادشاہ کی طرح ہو کہ اگر اس پر کچھ اعتراض کیا جاوے یا اس کے حق میں کچھ سستی کی جاوے تو آگ بگولا ہو جاوے، یہ شخص دوزخ کے طبقے میں رہے گا۔ اور ایک وہ ہے کہ اپنے علم اور عمدہ حدیثوں کو خاص شرف اور دولت والوں کے لیے کر دیتا ہے۔ اور جن کو ان کی حاجت ہوتی ہے، ان کو اہل نہیں جانتا، یہ شخص دوزخ کے تیسرے طبقے میں رہے گا، اور ایک وہ ہے کہ اپنے آپ کو فتویٰ کے لیے ٹھہر الیتا ہے اور سخت[2] حکم کر دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تکلف والوں سے بغض رکھتا ہے، یہ شخص دوزخ کے چوتھے طبقے میں ہوگا۔ اور ایک وہ عالم ہے کہ اپنے علم کو لوگوں میں بلندی اور یادگار اور مروت ٹھہراتا ہے، وہ چھٹے طبقے میں رہے گا، اور ایک وہ ہے کہ کبر اور عجب کو خفیف جانتا ہے، اگر وعظ کہتا ہے تو درشتی کرتا ہے، اور اگر اس کو کوئی نصیحت کرتا ہے تو ناک چڑھاتا ہے، ایسا شخص دوزخ کے ساتویں طبقہ میں ہو گا۔ اور تجھ کو چاہیے کہ علم میں خاموشی اختیار کرے تاکہ شیطان پر غالب ہو، اور بدول کسی عجیب بات کے خندہ ہرگز نہ کر، اور

---

[1] ابونعیم نے روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے موضوع لکھا ہے ۱۲، [2] سخت ۱۲، اصل میں یوں ہے فَیُفْتِی بالخطاء یعنی وہ اپنے آپ کو مفتی بناتا ہے پھر خطا و غلط فتویٰ دیتا ہے ۱۲ امیر علی

نہ بدل حاجت کے اپنی جگہ سے ہل اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان العبد لینشر له من الثناء ما[ح۱] ... ما بین المشرق والمغرب وما یزن عند الله جناح بعوضة ... ط اور روایت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ مجلس وعظ سے اٹھے، ایک خراسان کے شخص نے ایک گٹھڑی جس میں پانچ ہزار درہم اور دس تھان باریک کپڑے کے تھے، آپ کی نذر کیے اور عرض کیا کہ درہم تو خرچ کے لیے ہیں اور کپڑا پہننے کو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم کو عافیت سے رکھے، یہ خرچ اور تھان اٹھا لو، اپنے ہی پاس رہنے دو، ہم کو اس کی حاجت نہیں، جو شخص میرے جیسے کی مجلس میں بیٹھے گا اور اس جیسی نذر قبول کرے وہ جس روز اللہ تعالیٰ کے سامنے جاوے گا تو دین سے بے بہرہ جاوے گا۔ اور جابرؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۲] کہ ہر ایک عالم کے پاس مت بیٹھو، بلکہ اس عالم کے پاس بیٹھو کہ پانچ امور سے دوسرے پانچ چیزوں کی طرف بلاوے۔ اوّل شک سے یقین کی جانب۔ دوم ریا سے اخلاص کی طرف[۳] چہارم کبر سے تواضع کی جانب، پنجم عداوت سے خیر خواہی کی طرف، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ث۱] فخرج علی قومه فی زینته قال الذین یریدون الحیوٰة الدنیا یٰلیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظ عظیم ۵ وقال[ت۲] الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب الله خیر لمن اٰمن وعمل صالحًا ولا یلقّٰها الا الصّٰبرون۔ اس آیت میں اہل علم کی صفت دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے اور اختیار کرنے کی فرمائی اور ایک آخرت کے علماء کی یہ ہے کہ اس کا فعل قول کے خلاف نہ ہو، بلکہ کوئی چیز کرنے کو جبھی کہے کہ جب اوّل اس کا خود عامل ہووے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اتامرون[ت۳] الناس بالبر وتنسون انفسکم اور فرمایا کبر[ت۴] مقتا عند الله ان تقولوا ما لا[ت] تفعلون اور حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد فرمایا وما[ت۵] ارید ان اخالفکم الی ما انهٰکم عنه اور فرمایا واتقوا الله ویعلمکم الله دوسری جا واتقوا[ت۶] الله واعلموا اور بعض[ت۷] جا واتقوا الله واسمعوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ اے مریمؑ کے بیٹے تو اپنے نفس کو نصیحت کر، اگر وہ نصیحت پذیر ہو جاوے تب لوگوں کو

[۳] سوم دنیا سے آخرت کی طرف

ح[۱] آدمی کے لیے تعریف اس قدر منتشر ہوتی ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان کو بھر دے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتا ۱۲ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ نہیں ملی، مگر بخاری اور مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ یوں ہے، یعنی آدمی قیامت میں بڑا موٹا آوے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے بازو کے برابر بھی نہ ہو گا ۱۲ ث[۱] پھر نکلا اپنی قوم میں اپنی تیاری سے، کہنے لگے جو طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کسی طرح ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو، بے شک اس کی بڑی قسمت ہے ۱۲ ث[۲] اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کو جو یقین لائے اور کیا بھلا کام، اور یہ بات انہیں کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں ۱۲ ث[۳] کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو آپ کو ۱۲ ث[۴] بڑی بیزاری اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو ۱۲ ث[۵] اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے آپ کروں جو کام تم سے چھڑاؤں ۱۲ ث[۶] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے ۱۲ ث[۷] اور ڈرو اللہ سے اور جانو ۱۲ ث[۸] اور ڈرو اللہ سے اور سنو ۱۲

نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کر، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماررت لیلۃ اسری بی باقوام کانت تقرض شفاھھم بمقاریض من نار فقلت من انتم فقالوا کنا نامر بالخیر ولا ناتیہ وننھی عن الشر و ناتیہ اور فرمایا کہ میری امت کی بربادی عالم بدکار اور عابد جاہل ہے اور سب بروں میں کے برے علمائے بد ہیں اور سب اچھوں سے اچھے علمائے بہتر ہیں، اور اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے مقبروں نے جناب الٰہی میں شکایت کی کہ کفار کے مردوں کی بدبو ہم کو بہت ستاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم بھیجا کہ علمائے بد کے پیٹ میں زیادہ بدبو ہے اس بدبو سے جو تمہارے اندر ہے اور فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا سنا ہے کہ قیامت میں بت پرستوں سے پیشتر علمائے بد کا حساب ہوگا۔ اور ابو درداءؓ نے فرمایا کہ جو شخص نہیں جانتا اس کو تو ایک دفعہ ہلاکی ہے اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا، اس کے لیے سات بار خرابی ہے۔ اور شعبیؒ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ جنت کے دوزخ کے بعض لوگوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ دوزخ میں کس لیے گئے ہم کو تو خدا تعالیٰ نے تمہاری تعلیم اور تادیب کے طفیل سے جنت میں داخل کیا، وہ کہیں گے کہ ہم اوروں کو خیر کا حکم کرتے تھے، خود نیک کام نہ کرتے تھے، اور حاتم اصمؒ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اس عالم سے زیادہ حسرت اور کسی کو نہ ہوگی جس نے لوگوں کو سکھایا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا اور خود اس نے عمل نہ کیا تو لوگ اس کے سبب سے اپنے مقصد کو پہنچ گئے اور وہ خود تباہ ہوگیا، اور مالک بن دینارؒ نے فرمایا ہے کہ عالم جب اپنے علم کے بموجب عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحت دلوں پر ایسی رپٹ جاتی ہے جیسے قطرہ چکنے پتھر پر سے ڈھل جاتا ہے اور پھر آپ نے ایک قطعہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے ؎

کرتے ہو ناصحو لوگوں کو نصیحت تو مگر — عیب ان میں جو بتاتے ہو، وہ خود کرتے ہو
کیا ہوا جہد اگر ان کے لیے پند میں کی — معصیت کرنے سے جس وقت نہیں ڈرتے ہو
دنیا اور مائل دنیا کو برا کہتے ہو لیک — اس پہ سب لوگوں سے زائد تو نہیں مرتے ہو

اور کسی دوسرے کا شعر ہے

منع کرتے ہو جس قصور سے تم — ننگ ہے تم کو گر کرو اس کو

اور ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں میرا گذر ایک پتھر پر ہوا، جس پر یہ لکھا تھا کہ مجھ کو الٹ کر عبرت حاصل کر، میں نے اس کو پلٹا تو اس پر یہ لکھا تھا کہ تو جو کچھ جانتا ہے، اس پر تو عمل کرتا ہی نہیں، پس ایسی چیز کا علم کیسے طلب کرتا ہے جو تجھ کو معلوم نہیں، اور ابن سماکؒ نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ خدا کی یاد دلاتے ہیں اور خود اس کو بھولے ہیں اور بہت ایسے ہیں کہ اللہ سے ڈراتے ہیں اور خود اس پر دلیر ہیں اور بہت اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرنے والے ہیں کہ خود

ف جس رات مجھ کو معراج ہوئی، میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے ہونٹ آگ کی مقراضوں سے کاٹے جاتے ہیں، میں نے پوچھا کہ تم کون ہو، انہوں نے کہا کہ ہم خیر کے لیے دوسروں کو کہتے تھے اور خود نہ کرتے تھے۔ اور بدی سے اوروں کو منع کرتے تھے۔

ح ابو داؤد بروایت انسؓ دارمی نے بروایت احوص بن حکیم آخر ٹکڑا روایت ہے اول کا جملہ نہیں ملا ۱۲

اس سے دور ہیں اور بہت اس طرف اوروں کو بلاتے ہیں اور خود اس سے بھاگتے ہیں اور بہت ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور اس کے آیات سے علیحدہ ہیں۔ اور ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے کلام کو فصیح کیا تو اس میں غلطی نہ کی، مگر اعمال میں غلطی کی تو اس کو درست نہ کیا۔ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ جب خوش تقریری کو دخل ہوتا ہے تو خشوع جاتا رہتا ہے، اور مکحول عبدالرحمن بن غنم سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے دس اصحابیوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہم علم کا چرچا مسجدِ قبا میں کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا[ح] کہ جس قدر چاہو کچھ سیکھ لو، اللہ تعالیٰ تم کو ثواب ہرگز نہ دے گا، جب تک کہ عمل نہ کرو گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص علم سیکھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عورت خفیہ زنا کرے اور اس کو حمل رہ جاوے اور جب حمل ظاہر ہو تو رسوا ہو، اسی طرح جو شخص علم کے بموجب عمل نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن مجمع میں فضیحت کرے گا۔ اور حضرت معاذؓ کا قول ہے کہ عالم کی لغزش سے ڈرو، اس لیے کہ لوگوں میں اس کی قدر بڑی ہے، لغزش میں لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ عالم لغزش کرتا ہے تو اس کی لغزش سے ایک عالم کو لغزش ہو جاتی ہے، اور یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ تین باتیں ہیں جن سے دنیا کے لوگ برباد ہو جاتے ہیں، ایک ان میں سے عالم کی لغزش ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آوے گا کہ دل کی شیرینی کھاری ہو جاوے گی اور عالم کو اس وقت میں علم سے فائدہ نہ ہوگا اور نہ طالب علم کو اس وقت میں کچھ نفع ہوگا، ان کے علماء کے دل مثل زمین شور کے ہوں گے کہ اس پر پانی کے قطرے گرتے ہیں اور ذرا شیرینی ان میں نہیں معلوم ہوتی، اور یہ حال اس وقت ہوگا کہ علماء کے دل دنیا کی محبت کی طرف اور آخرت پر اس کو ترجیح دینے کی طرف مائل ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ دلوں میں سے حکمت کے چشمے نکال لے گا اور ہدایت کی شمعوں کو گل کر دے گا، جب ان کے عالموں سے تم ملو گے تو زبان سے کہیں گے کہ ہم خدائے تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، مگر بدکاری ان کے عمل میں ظاہر ہوگی، زبان کی بڑی ارزانی ہوگی اور دل کی نہایت گرانی قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ یہ امر اس لیے ہوگا کہ استادوں نے غیر اللہ کے لیے سکھایا، اور شاگردوں نے غیر اللہ کے واسطے سیکھا، اور توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ جس چیز کو تم نہیں جانتے، اس کا علم طلب مت کرو، جب تک کہ جس قدر تم کو معلوم ہے اس پر عمل نہ کر لو، اور حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر کوئی شخص اپنے علم کے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا تو نجات پاوے گا، اور یہ بات جھوٹوں کی کثرت کے باعث ہوگی، اور جان لو کہ عالم کی مثال قاضی کی طرح ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح] القضاۃ ثلثۃ قاض قضی بالحق وھو یعلم فذلک فی الجنۃ وقاض قضی بالجور وھو یعلم اولا یعلم فھما فی النار۔ اور کعبؒ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں ایسے عالم ہوں گے کہ

[ح] ابن عبدالبر و ابونعیم و خطیب بسند ضعیف اور دارمی نے موقوف معاذ بن جبلؓ پر بسند صحیح ۱۲، عسہ اصل میں مطلب یہ کہ جب قرآن کے حروف کو مخارج سے بے تکلف نکال کر پڑھے ۱۲، [ح] قاضی تین ہیں، ایک وہ کہ حکم دے حق کا اور وہ جانتا ہو تو یہ جنت میں ہے اور ایک وہ کہ حکم دے جور کے ساتھ خواہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، وہ دونوں دوزخ میں ہیں ۱۲ اہل سنن بروایت بریدہ رضہ ۱۲

لوگوں کو دنیا میں زہد کرنے کو کہیں گے اور آپ زہد نہ کریں گے اور لوگوں کو ڈراویں گے اور آپ نہ ڈریں گے اور حکام کے پاس آنے سے اوروں کو منع کریں گے اور خود ان کے پاس جاویں گے اور دنیا کو آخرت پر اختیار کریں گے اور اپنی زبان کی بدولت کھاویں گے، توانگروں کو اپنے پاس بٹھاویں گے نہ فقیروں کو، علم پر ایسا لڑیں گے جیسے عورتیں مردوں پر لڑتی ہیں۔ جب کوئی ان کا ہم نشین دوسرے کے پاس جا بیٹھے گا تو وہ اس پر غصّہ ہوں گے۔ یہ لوگ متکبر اور اللہ تعالےٰ کے دشمن ہوں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[ح] شیطان تم پر کبھی علم ہی کے ذریعہ غالب ہو جاوے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوگا، آپ نے فرمایا کہ یوں کہے گا کہ علم سیکھ اور جب تک سیکھ نہ چکے تب تک عمل مت کر، پس آدمی علم میں مصروف رہتا ہے اور عمل میں لیت و لعل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے اور کچھ عمل نہیں کرتا۔ اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جو طالب علم ظاہر کا حریص تھا۔ اس نے عبادت کے لیے عزلت اختیار کی، میں نے اس سے وجہ عزلت کی پوچھی، اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی یوں کہتا ہے کہ خدا تجھے کھوئے، علم کو کب تک کھوئے گا، میں نے جواب دیا کہ میں تو اس کو یاد کرتا ہوں، اس نے کہا کہ اس کا یاد کرنا یہ ہے کہ اس کے بموجب عمل کرے، اس لیے میں نے تحصیل علم کو ترک کر کے عمل کی طرف توجہ کی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ علم خوفِ خدا ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ جتنا چاہو علم سیکھ لو، خدائے تعالیٰ ثواب ہرگز نہ دے گا، جب تک کہ عمل نہ کرو گے، اس لیے کہ بے وقوفوں کا مقصود علم سے روایت کرنا ہے اور علماء کی غرض رعایت اور پاسداری ہے۔ اور مالک کا ارشاد ہے کہ علم کا تحصیل کرنا اور اس کا پھیلانا دونوں اچھے ہیں بشرطیکہ نیت درست ہو مگر دیکھو کہ جو چیز صبح سے لے کر شام تک تمہارے ساتھ رہے اس پر دوسری چیز کو مت اختیار کرو۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کرو، تم نے اس کے پڑھنے پڑھانے کو عمل ٹھہرا لیا اور عنقریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ اس کو نیزہ کی طرح سیدھا کریں گے، وہ کچھ بہتر نہ ہوں گے، اور عالم جو عمل نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بیمار دوا کی صفت بیان کرے یا بھوکا شخص جو لذیذ کھانوں کے نام لے اور مزے بیان کرے اور اس کو وہ کھانے نہ ملیں اور اس جیسے شخص کے باب میں یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے ولکم الویل مما تصفون[ٹ]۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جن چیزوں سے میں اپنی امت پر ڈرتا ہوں، ان میں سے عالم کی لغزش ہے اور قرآن میں منافق کا جھگڑنا اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اس کی توجہ ایسے علم کی طرف ہو جو آخرت میں کام آوے اور طاعت میں رغبت دلاوے، اور ان علوم سے اجتناب کرے جن کا فائدہ کم ہو اور گفتگو اور لڑائی اور جھگڑا ان میں بہت ہو، اس لیے کہ جو شخص اعمال کے علم سے روگرداں ہو کر لڑائی جھگڑے کے فن میں مشغول ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی بیمار کو بہت سے روگ ہوں اور وہ کسی طبیب حاذق سے ملے اور وقت بھی تنگ ہو کہ وہ شاید جلد چلا جاوے، اور ایسے وقت میں وہ طبیب مذکور سے دواؤں کی خاصیت اور طب کی عجیب باتیں سکھانے کو کہے آپ نے فرمایا کہ تو نے اصل علم میں کیا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اصل علم

ح خطیب بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ ٹ اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو ۱۲

کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، اس نے کہا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کے حق میں کیا کیا اس نے عرض کیا کہ کچھ نہیں، آپ نے فرمایا کہ تو نے موت کو پہچانا، عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ اس کی تیاری کیا کی، کہا کہ کچھ نہیں، آپ نے فرمایا کہ تو اب جا اور پہلے ان امور میں پختہ ہو تب تجھ کو علم کے غرائب بھی بتادیں گے بلکہ سیکھنا اس جنس کا ہونا چاہیے، جیسے شیخ بلخی کے شاگرد حاتم اصم تھے کہ مروی ہے کہ ایک روز شفیق نے حاتم سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو انہوں نے کہا کہ تینتیس[1] برس سے شفیق نے فرمایا کہ اس عرصے میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا، حاتم نے کہا، کہ آٹھ مسئلے، انہوں نے فرمایا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون میری اوقات تمہارے اوپر ضائع ہوگئی کہ تم نے صرف آٹھ مسئلے سیکھے، حاتم نے کہا کہ یا استاد زیادہ میں نے نہیں سیکھے اور جھوٹ بولنے کو میں ناپسند کرتا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کون سے آٹھ مسئلے ہیں کہ میں بھی سنوں، حاتم نے کہا کہ اول یہ ہے کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر ایک شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے اور قبر تک وہ اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے۔ جب قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنا محبوب نیکیوں کو ٹھہرا لیا کہ جب قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے، شفیق نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا سیکھا، اب باقی سات کہو، انہوں نے کہا کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تامل کیا[2] واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی اور سمجھا کہ خدائے تعالیٰ کا فرمانا درست ہے، اس لیے اپنے نفس کے تقاضے دور کرنے کی محنت ڈالی، یہاں تک کہ وہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔ تیسرا یہ ہے کہ اس بنا کو جو دیکھا تو یہ پایا کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز مقررہ قیمت کی ہے اس کو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے قول کو دیکھا تو فرمایا ہے[4] ماعندکم ینفد وماعند اللہ باق تو جو کچھ قدر و قیمت کی چیز میرے ہاتھ لگی اس کو میں نے خدا تعالیٰ کی طرف کو پھیر دی تاکہ اس کے پاس موجود ہے، چوتھا یہ کہ لوگوں کو جو دیکھا تو ہر ایک کا میل مال اور حسب اور نسب اور شرافت کی طرف پایا، اور ان امور میں جو غور کیا تو ہیچ معلوم ہوتے، پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو سوچا کہ فرماتا ہے[5] ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اس لیے میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک کریم اور بزرگ ہو جاؤں۔ پانچواں یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں، اور اس کی وجہ حسد ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف میل کیا تو یہ پایا[6] نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا اس لیے میں نے حسد کو چھوڑ کر خلق سے کنارہ کیا اور جان لیا کہ قسمت اللہ پاک کے یہاں سے ہے، اس لیے خلق کی عداوت چھوڑ دی، چھٹا یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کشت و خون کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو فرمایا ہے[7] ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ

---

[1] طبرانی بروایت ابودرداؓ ۱۲ [2] ابن السنی ابونعیم در کتاب الریاضۃ ۱۲ [3] اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے اور روکا جی کو چاؤ سے، سو بہشت ہی ٹھکانا ہے ۱۲ [4] جو تمہارے پاس ہے نبڑ جاوے گا اور جو اللہ کے پاس ہے سو بڑھتا ہے ۱۲ [5] مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی ہے جس کو ادب بڑا ۱۲ [6] یہ ہم نے بانٹی ہے ان میں روزی ان کے دنیا کے جینے میں ۱۲ [7] تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن

عداوۃً اس بنا پر میں نے صرف اس اکیلے کو اپنا دشمن ٹھہرا لیا، اور اسی بات پر کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عداوت کی گواہی فرمائی ہے۔ اس جہت سے اس کے سوا میں نے اور مخلوق کی عداوت چھوڑ دی، ساتواں یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک پارۂ نان کے خواہاں اور اس کے باب میں اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسے امور میں قدم دھرتے ہیں کہ ان کو جائز نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر غور کیا تو فرمایا ہے[ف] وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا میں بھی سمجھا کہ میں خدا تعالیٰ کے ان حیوانوں سے ہوں جن کا رزق اس کے اوپر ہے اس لیے میں ان باتوں میں مشغول ہوا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق مجھ پر ہیں۔ اور میرا رزق جو خدائے تعالیٰ کے ذمے ہے اس کی طلب ترک کر دی۔ آٹھواں یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو سب کو کسی چیز پر بھروسہ کرتے پایا، کوئی اپنی زمین پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی تجارت پر کوئی حرفے پر اور کوئی اپنے بدن کی تندرستی پر، غرض کہ ہر ایک مخلوق کو اپنے طرح کی مخلوق پر بھروسہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف جو رجوع کیا تو یہ ارشاد فرمایا[ف] وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اس لیے میں نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا کہ وہی مجھے کافی ہے، شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ اے حاتم خدا تعالیٰ تم کو توفیق دے، میں نے جو تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن کے علوم پر نظر کی تو ان سب کی اصل انہیں آٹھ مسئلوں کو پایا، وہ سب ان میں آجاتے ہیں جو ان آٹھوں پر عمل کرے وہ گویا چاروں آسمانی کتابوں کا عامل ہو، حاصل یہ کہ اس طرح کے علم کے ادراک اور سمجھنے کا قصد علمائے آخرت ہی کرتے ہیں اور علمائے دنیا تو ان امور میں مشغول ہوتے ہیں جن سے مال اور جاہ کی پیدائش ہو، اور ان علوم کو چھوڑ دیتے ہیں، جن کے لیے خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بھیجا ہے۔ اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ میں نے اکابر کو ایسا پایا کہ ایک دوسرے سے بجز ورع کے اور کچھ نہ سیکھتے تھے اور آج بجز کلام کے اور کچھ نہیں سیکھتے۔ اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ کھانے اور پینے میں آسائش کی طرف اور لباس میں مزہ اٹھانے اور مکان اور اسباب میں زینت کی طرف مائل نہ ہو، بلکہ ان سب امور میں میانہ روی اختیار کرے اور اس باب میں سلف کے اکابر کی مشابہت پیدا کرے اور سب امور مذکورہ میں مقدار قلیل پر گذر کرے جس قدر کہ ان چیزوں کی طرف خواہش کی قلت ہوگی، اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب ہوگا اور علمائے آخرت کے مرتبے کی طرف ترقی کرے گا اور یہ روایت اس کی شاہد ہے جو ابی عبداللہ خواص کہ حاتم اصمؒ کے شاگرد ہیں، روایت کرتے ہیں کہ میں حاتمؒ کے ساتھ رے میں گیا، ہمارا قافلہ تین سو بیس آدمیوں کا تھا۔ حج کے ارادے سے نکلے، سب کملی پوش تھے، کسی کے پاس توشہ دان اور کھانا نہ تھا، ہم ایک شخص سوداگر کے یہاں اترے جو بہت مقدور نہ رکھتا تھا، مگر فقیر دوست تھا۔ اس نے اس شب ہماری ضیافت کی، جب صبح ہوئی تو اس نے حاتمؒ سے کہا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہو تو فرما دیجیے کہ میں ایک فقیہ کی عیادت کو جانا چاہتا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ مریض کی بیمار پرسی میں ثواب ہے اور فقیہ کو دیکھنا ثواب ہے، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور وہ فقیہ جو بیمار تھا، محمد بن مقاتل رے کا قاضی تھا، جب ہم دروازے پر پہنچے تو دروازہ کرسی دار بہت اچھا تھا، حاتم ششدر رہ گئے کہ عالم کا دروازہ ایسا ہے، پھر جب اجازت کے بعد اندر گئے تو دیکھا کہ مکان وسیع خوبصورت فرش اور پردے کا

[ف] کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی ۱۲ [ف] اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو بس ہے ۱۲

ہے، حاتمؒ اور بھی متحیر ہوتے پھر اس مقام پر گئے، جہاں قاضی تھا، وہاں فرش نرم بچھا ہوا اور اس پر قاضی لیٹا ہوا تھا، اور سر کے پاس ایک غلام پنکھا لیے کھڑا تھا۔ پس تاجر قاضی کے سرہانے کی طرف بیٹھا اور حال پوچھا اور حاتمؒ کھڑے رہے قاضی نے ان کو بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا، فرمایا کہ میں بیٹھنے کا نہیں پوچھا کہ تم کو کچھ حاجت ہے، کہا کہ ہاں، پوچھا کہ کیا ہے، فرمایا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے، کہا کہ دریافت کرو، فرمایا کہ تم اٹھ کر بیٹھ جاؤ تو پوچھوں، قاضی اُٹھ بیٹھا، حاتمؒ نے کہا تم نے علم کس سے سیکھا ہے، کہا معتبر علماء سے جنہوں نے میرے سامنے حدیث بیان کی، کہا انہوں نے کس سے۔ کہا کہ اصحاب رضی اللہ عنہم سے، فرمایا کہ اصحاب نے کس سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ نے کس سے کہا کہ جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا اور آپ نے صحابہؓ کو، اور انہوں نے علمائے معتبر کو اور علماء نے تم کو، اس میں تم نے کہیں یہ بھی سُنا ہے کہ جس شخص کے گھر میں کرسی اور وسعت زیادہ ہو، اس کا مرتبہ خدا کے نزدیک بڑا ہوتا ہے قاضی نے کہا کہ نہیں، حاتمؒ نے پوچھا کہ پھر کیسے سُنا ہے۔ کہا کہ یوں سُنا ہے کہ جو شخص دنیا میں زہد کرے اور آخرت کی خواہش کرے اور مساکین سے محبت رکھے، اور آخرت کے لیے سامان مقرر کرے تو اس کا مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہوگا۔ حاتمؒ نے فرمایا کہ پھر تم نے کس کا اقتدا کیا۔ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ اور صلحاء رحمہم اللہ کا اقتدا کیا ہے یا فرعون اور نمرود کی پیروی کی ہے، جنہوں نے اول گچ اور اینٹ سے عمارت بنائی تھی، اے علمائے بد تمہیں جیسوں کو جاہل آدمی جو دنیا پر لڑتے ہیں اور ان کے حریص ہیں، دیکھ کر کہتے ہیں کہ عالم اس حال پر ہیں تو ہم ان سے کیا بدتر حال بھی نہ ہوں، یہ کہہ کر حاتم اس کے پاس سے چلے آتے۔ ابن مقاتل کی بیماری اور زیادہ ہوگئی اور رے کے لوگوں کو معلوم ہُوا کہ حاتم میں اور قاضی میں یہ گفتگو ہوئی، اس لیے ان سے کہا قزوین میں طنافسی اس قاضی کی بہ نسبت بھی بہت زیادہ ہے حاتمؒ اس کے پاس قصداً آگئے اور اندر جا کر کہا کہ میں ایک عجمی شخص ہوں، میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ کو میرے دین کا آغاز اور مفتاح نماز یعنی وضو سکھلا دو، طنافسی نے کہا کہ بہت بہتر، غلام سے کہا کہ جا کر ایک برتن میں پانی لے آؤ، وہ پانی لے آیا، طنافسی نے بیٹھ کر وضو کیا، اور تین تین بار اعضاء دھوتے اور پھر کہا کہ اس طرح وضو کرتے ہیں، حاتم نے کہا آپ کھڑے رہیں تاکہ تمہارے سامنے وضو کر دوں، اور جو بات مجھے منظور ہے وہ پختہ ہو جاوے، طنافسی کھڑے رہے اور حاتم وضو کرنے کو بیٹھے، اور وضو میں اپنے ہاتھ چار چار مرتبہ دھوتے، طنافسی نے کہا کہ میاں! تم نے اسراف کیا، حاتم نے کہا کہ کس بات میں، کہا کہ تم نے اپنے ہاتھ چار چار بار دھوتے۔ حاتم نے فرمایا کہ سبحان اللہ میں نے ایک چلو پانی میں اسراف کیا، تم نے ان ناز و نعم کے جمع میں اسراف نہیں کیا۔ طنافسی نے جان لیا کہ ان کو وضو سیکھنے کی غرض نہ تھی، بلکہ یہی امر جتانا منظور تھا، سُن کر گھر میں چلے گئے اور چالیس روز تک لوگوں کے سامنے نہ ہوتے۔ پھر جب حاتم بغداد میں گئے تو بغداد والے ان کے پاس آتے اور کہا کہ اے ابو عبد الرحمٰن تم ایک عجمی شخص ہو اور رُک رک بات کہتے ہو، مگر جو کوئی تم سے تقریر کرتا ہے اور اس کو تم زک دیتے ہو، فرمایا کہ میرے پاس خصلتیں ہیں، جن سے میں اپنے طرف ثانی پر غالب رہتا ہو، اوّل یہ کہ جب طرف ثانی امر راست کہتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں۔ اور جب وہ خطا کرتا ہے تو رنج کرتا ہوں اور اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہوں کہ طرف ثانی پر جہالت نہ کرے، یہ خبر حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو پہنچی، انہوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ

وہ بڑے عاقل شخص ہیں، چلو ہم کو بھی ان کے پاس لے چلو، جب مجمع حاتمؒ کے پاس آیا، امام احمدؒ نے ان سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن سلامتی کس چیز میں ہے۔ حاتم نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ جب تک تم میں چار خصلتیں نہ ہوں گی، تب تک دنیا سے سلامت نہ رہو گے، اوّل یہ کہ لوگ اگر جہالت کریں تو تم درگذر کرو، دوسرے اپنی جہل کو ان سے روکو، تیسرے اپنی چیز ان کو دو، چوتھے ان کی چیز سے مایوس ہو، جب ایسے ہو جاؤ گے تو سلامت رہو گے، پھر حاتم مدینہ منورہ کو گئے، وہاں کے لوگ آپ کے استقبال کو آئے، آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا مدینہ ہے، لوگوں نے کہا کہ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محل کہاں ہے؟ کہ میں بھی اس میں نماز پڑھوں، لوگوں نے کہا کہ آپ کا تو کوئی محل نہ تھا، آپ کا گھر تو پست تھا۔ حاتم نے کہا کہ آپؐ کے اصحاب کے محل ہی بتا دو، انہوں نے کہا کہ ان کے محل نہ تھے، ان کے تو گھر زمین سے لگے ہوتے تھے، حاتم نے کہا کہ لوگو! یہ شہر فرعون کا ہے، لوگوں نے ان کو گرفتار کیا، اور سلطان کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ عجمی کہتا ہے کہ یہ مدینہ فرعون کا ہے۔ حاکم نے کہا کہ کس لیے ایسا کہتا ہے، حاتم نے کہا کہ جلدی نہ کرو، میں ایک آدمی عجمی مسافر ہوں، جب شہر میں آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا مدینہ ہے، انہوں نے جواب دیا کہ مدینہ رسول اللہ کا . . . . . میں نے کہا کہ آپ کا محل کہاں ہے، اور سب ماجرا حرف بحرف کہہ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[ت] اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے کس کا اتباع کیا ہے۔ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا فرعون کا جس نے اوّل اینٹ اور گچ سے عمارت بنائی۔ حاکم نے لاجواب ہو کر ان کو رہا کر دیا۔ تو حاتم اصم کی یہ حکایت تھی، اور اکابر سلف کی عادت زہد اور زینت کے ترک کرنے میں اپنے مقام میں اور بھی مذکور رہو گی جو اس مدعا پر شاہد ہے اور تحقیق یہ ہے کہ امر مباح سے زینت کرنا حرام تو نہیں لیکن اس میں گھسا رہنا موجب اس سے انس کا ہو جاتا ہے، یہاں تک اس کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور ہمیشہ زینت میں پڑا رہنا بدوں ایسے سامان کے ممکن نہیں ہوتا کہ اکثر اس کی رعایت کرنے سے مداہنت اور خلق کی طرفداری اور ان کی نمائش وغیرہ امور ممنوعہ کا ارتکاب لازم آتا ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جاوے اس لیے کہ جو دنیا میں گھستا ہے یقیناً اس سے سلامت نہیں نکلتا۔ اور اگر باوجود دنیا میں مصروف رہنے کے سلامتی ہو جایا کرتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترکِ دنیا میں کبھی مبالغہ نہ فرماتے، یہاں تک کہ مروی ہے نزع القميص المعلم[ح] اور نزع خاتم الذهب في اثناء الخطبة[خ] اور ان کے سوا اور امور جن کا بیان عنقریب آوے گا، ترکِ دنیا میں آپ سے مروی ہیں اور کہتے ہیں، کہ یحییٰ بن یزید نوفلی نے حضرت مالک بن انسؓ کو ایک خط لکھا، اس طرح، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وصلی اللہ علی رسولہ محمد فی الاولین والآخرین یحییٰ بن یزید نوفلی کی طرف سے مالک بن انس کو بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تم باریک کپڑے پہنتے ہو اور پتلی چپاتیاں کھاتے ہو اور نرم بچھونے پر بیٹھتے ہو۔ اور اپنے دروازہ پر دربان مقرر کرتے ہو، حالانکہ تم

ت تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال ۱۲ ح آپ نے کرتہ دھاری دار اتار ڈالا ۱۲ بخاری اور مسلم بروایت عائشہؓ مگر قمیص کی جگہ لفظ عبید سے ۱۲ خ خطبے کے درمیان میں سونے کی انگوٹھی نکال ڈالی ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲

مجلس علم میں بیٹھتے ہو، تمہارے پاس راہ دور دراز سے لوگ سوار ہو کر آتے ہیں اور تم کو اپنا پیشوا کر رکھا ہے اور تمہارے کہنے سے راضی ہیں تو تم کو خوفِ خدا چاہیے اور تواضع اور انکسار کو اپنے اوپر لازم سمجھنا چاہیے، تم کو میں نے یہ خط نصیحت کے طور پر لکھا ہے اور اس کی خبر بجز خدائے تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں والسلام۔ حضرت مالک بن انس نے اس خط کا جواب یہ لکھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم مالک بن انس کی طرف سے یحییٰ بن یزید کو ہے کہ خدا تعالیٰ کا سلام تم پر ہو، آپ کا خط پہنچا اور شفقت اور اب میں نصیحت کے موقعہ پر لگا خدا تعالیٰ تم کو تقویٰ سے متمتع کرے اور اس نصیحت کے عوض میں جزائے خیر دلوے، اور میں بھی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں کہ گناہوں سے بچنے اور اس کی اطاعت بجالانے کی طاقت بدوں اس کی مدد کے نہیں ہے۔ باقی یہ جو آپ نے لکھا کہ میں باریک کپڑے پہنتا ہوں اور پتلی چپاتی کھاتا ہوں اور نرم فرش پر بیٹھتا ہوں اور دربان رکھتا ہوں رسو واقع میں ایسا ہے اور خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبات من الرزق اور میں جانتا ہوں کہ اس کا ترک کرنا بہ نسبت کرنے کے بہتر ہے اور تم اپنی خط و کتابت سے مجھ کو فراموش مت کرنا، ہم بھی خط و کتابت آپ سے نہ چھوڑیں گے، والسلام، اب امام مالکؒ صاحب کے اقرار کو دیکھو کہ کہہ دیا کہ اس امر کا نہ کرنا ارتکاب کی نسبت اچھا ہے۔ اور یہ بھی حکم کیا کہ یہ امر مباح ہے اور واقع میں دونوں باتوں میں سچ ارشاد فرمایا، اور امام مالکؒ جیسا مرتبے والا اس جیسی نصیحت میں اگر انصاف اور اعتراف اپنے نفس پر گوارا کرے تو اس کا نفس مباح کی حدود کو معلوم کرنے پر بھی قادر ہوگا تاکہ امور مباح کو کرنے سے مداہنت اور ریا اور مکروہات میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے، مگر دوسرے شخص کو یہ حوصلہ نہیں کہ مباح کی حدوں پر قانع رہے، اس لیے مباح سے لذت حاصل کرنے میں بہت خوف ہے اور خوفِ الٰہی سے یہ امر بہت دُور ہے اور علمائے آخرت کی خاصیت خوفِ الٰہی ہے اور خوفِ خدا مقتضی اس کا ہے کہ خطرے کی جگہ سے دُوری اختیار کرے، اور ایک علامت یہ ہے کہ حکام سے دُور رہے، اور جب تک ان سے علیحدگی کی صورت ممکن ہو، کبھی ان کے پاس نہ جاوے، بلکہ ان کے ملنے سے احتراز کرے گو وہ خود اس کے پاس آویں، اس لیے کہ دنیا شیریں اور سبز ہے اور اس کی باگ حکام کے قبضہ میں ہے اور جو شخص حکام سے ہے اس کو کچھ نہ کچھ تکلیف ان کی رضا جوئی اور دلداری میں کرنا پڑتی ہے باوجودیکہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور ہر دیندار کو ان سے رکنا اور ان کے ظلم کو اظہار کر کے ان کو دل تنگ کرنا اور ان کے حرکات کی برائی بیان کرنی واجب ہے اور جو ان کے پاس جاوے گا وہ یا تو ان کی زینت کی طرف توجہ کرے گا اور اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر جانے گا یا ان پر انکار کرنے سے خاموش رہے تو مداہنت میں مبتلا ہوگا یا اپنے کلام کو بتکلیف ان کی مرضیوں کے موافق ان کے افعال کو درست کرنے کے لیے ادا کرے گا، اور یہ صریح جھوٹ ہوگا یا اس بات کی طمع ہوگی کہ ان کی دنیا میں سے کچھ ملے اور یہ حرام ہے اور باب حلال و حرام میں مذکور ہوگا کہ حکام کے مالوں میں کس کا لینا جائز ہے اور کس کا ناجائز، خواہ راتب ہو یا انعام و جاگیر وغیرہ، حاصل یہ کہ ان

---

[۱] کس نے منع کی رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی ۱۲

سے ملنا تمام خرابیوں کی کلید ہے، اور علمائے آخرت کا طریق احتیاط کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] من بدا جفا ومن اتبع الصید غفل ومن اتی اور فرمایا[ح۲] سیکون علیکم امراء تعرفون منھم وتنکرون فمن انکر فقد برئ ومن کرہ فقد سلم ولکن من رضی وتابع ابعدہ اللہ تعالیٰ قیل افلا نقاتلھم قال صلی اللہ علیہ وسلم لا ما صلوا۔ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہی عالم رہیں گے جو بادشاہوں کی زیارت اور ملاقات کو جاتے ہیں، اور حذیفہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو فتنہ کی جگہ سے بچاؤ، لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون سی جگہیں ہیں، فرمایا امیروں کے دروازے، کہ جب تم میں سے امیر کے پاس جاتا ہے تو جھوٹ پر اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس کی شان میں وہ بات کہتا ہے جو اس کے اندر واقع میں نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۳] کہ علماء خدا تعالیٰ کے بندوں پر رسولوں کے امین ہیں، جب تک کہ سلاطین سے میل جول نہ کریں، اور جب ایسا کریں تو انہوں نے رسولوں کی خیانت کی، ان سے ڈرو اور الگ ہو جاؤ، روایت کیا اس کو انسؓ نے اور اعمشؒ نے، کسی نے کہا کہ تم نے علم کو زندہ کر دیا، اور اس جہت سے کہ آپ سے بہت لوگ سیکھتے ہیں، فرمایا کہ ذرا صبر کرو جتنے سیکھتے ہیں، ان میں سے ایک تہائی تو پختہ ہونے سے پیشتر ہی مر جاتے ہیں اور ایک تہائی سلاطین کے دروازوں پر جا چمٹتے ہیں، وہ لوگ سب خلق سے برے ہیں، تہائی ان میں سے کمترین لوگوں کو فلاح ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ امرا کو گھیرتا ہے تو اس سے احتراز کرو کہ وہ چور ہے۔ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اس عالم سے زیادہ بری نہیں جو حاکم کے پاس جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۴] کہ بدترین علماء وہ لوگ ہیں جو امیروں کے پاس جاتے ہیں۔ اور بہترین حکام وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے ہیں۔ اور مکحول دمشقی کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن سیکھے اور دین میں تفقہ پیدا کرے، پھر وہ خوشامد اور طمع کی جہت سے سلطان کی صحبت اختیار کرے تو وہ بقدر اپنے قدموں سے دوزخ کی آگ میں گھستا ہے۔ اور سمنون کہتے ہیں کہ عالم کے حق میں کیا ہی برا ہے کہ کوئی مجلس میں آوے اور عالم کو نہ پاوے، اور جب اس کا حال پوچھے تو یہ کہیں کہ وہ حاکم کے یہاں ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں سنتا تھا کہ قول بزرگوں کا ہے کہ جب عالم کو دیکھو کہ دنیا سے محبت رکھتا ہے تو اس کو تم اپنے دین میں متہم جانو، یہاں تک کہ اس مضمون کا میں نے تجربہ کر لیا، یعنی جب حاکم کے یہاں گیا اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنے نفس کا محاسبہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس کو بہت دوری ہو گئی، حالانکہ جس

ح[۱] جو شخص جنگل میں رہتا ہے جفا کرتا ہے اور جو شکار کے پیچھے پڑتا ہے وہ غفلت کرتا ہے اور جو بادشاہوں کے پاس آتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے ۱۲ ابو داؤد و ترمذی بروایت ابن عباسؓ ح[۲] قریب ہے کہ تم پر حاکم ہوں گے جن کو تم جانتے بھی ہو گے اور نہیں بھی جانتے ہو گے پس جس شخص نے ان سے شناسائی نہ کی وہ بری ہے اور جس شخص نے ان کو برا دیکھا وہ بچ گیا مگر جو شخص ان سے راضی ہوا اور ان کی پیروی کی اس کو اللہ تعالیٰ رحمت سے دور کرے گا، کسی نے عرض کیا کہ ہم ان سے جہاد نہ کریں، آپ نے فرمایا کہ جب تک کہ وہ نماز پڑھیں، ان پر جہاد نہ کرو ۱۲ مسلم بروایت ام سلمہ ۱۲ ح[۳] عقیلی بسند ضعیف روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا ہے ع۔ اصل میں یہ معنی ہیں کہ قریب ہے کہ تم پر ایسے حاکم ہوں گے کہ ان سے کچھ باتیں نیک دیکھو گے اور کچھ بد ۱۲ ح[۴] ابن ماجہ نے اس مضمون کے اول جملہ کو بروایت ابی ہریرہ بسند ضعیف روایت کیا ہے ۱۲ ع۔ اصل کی عبارت یہ ہے، (اگلے صفحہ پر)

ڈھنگ سے میں حاکم سے ملتا ہوں اس کو تم دیکھتے اور جانتے ہو کہ سخت اور درشت کہتا ہوں اور اکثر اس کی خواہش کی مخالفت کرتا ہوں اور یہی چاہتا ہوں کہ اس تک جانے کی نوبت ہی نہ پہنچے، اور باوجود اس کے میں اس سے کچھ لیتا نہیں نہ اس کے گھر کا پانی پیوں، پھر فرمایا کہ اب ہمارے زمانے کے علماء بنی اسرائیل کے علماء سے بھی بدتر ہیں کہ بادشاہوں کو جائز امور بتاتے ہیں اور جو ان کی مرضی کے موافق ہوں ایسی باتیں سُناتے ہوں، اور اگر ان کو وہ امور سکھادیں جو ان پر واجب ہیں اور جن میں ان کی نجات ہے تو حاکم ان سے نفرت کریں اور اپنے پاس ان کا آنا بُرا سمجھیں، اور یہ امر اللہ کے نزدیک ان کی نجات کا باعث ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں میں جو تم سے پہلے تھے ایک بزرگ تھے جو اسلام میں بڑھے ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم یافتہ تھے۔ عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ ان بزرگوں سے سعد بن ابی وقاص مراد ہیں، حسنؒ فرماتے ہیں کہ وہ سلاطین کے پاس نہ جاتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے، ان کے بیٹوں نے اُن سے کہا کہ جو لوگ کہ اسلام کی زیادتی اور صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے برابر نہیں، وہ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں۔ اگر آپ بھی جاویں بہتر ہو انہوں نے کہا کہ بیٹو دنیا مردار ہے اور کچھ لوگوں نے اس کو گھیر رکھا ہے، بخدا میں حتی الوسع ان کا شریک نہ ہوں گا، انہوں نے کہا کہ تم تو لاغری میں مر جاؤ گے، فرمایا کہ میں ایمان کے ساتھ لاغری میں مرجانا اس سے اچھا جانتا ہوں کہ نفاق کے ساتھ موٹا ہو کر مروں، حسنؒ فرماتے ہیں کہ بخدا آپ نے ان کو ہرا دیا اور خوب حجت نکالی، اس لیے کہ جان لیا کہ مٹی گوشت اور فربہی کو کھا جائے گی، اور ایمان کو نہ کھاوے گی، اور اس میں اشارہ ہے کہ بادشاہ کے پاس جانے سے آدمی نفاق سے یقیناً نہیں بچتا جو ایمان کی ضد ہے، اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے مسلمہؓ سے فرمایا کہ اے مسلمہ بادشاہوں کے دروازوں پر مت جاؤ، اس لیے کہ تم کو ان کی دنیا میں سے جبھی کچھ ملے گا کہ جب تمہارے دین میں سے وہ اس سے بہتر لے لیں گے۔ اور علماء کے لیے یہ امر ایک بڑا فتنہ ہے، اور شیطان کا ایک سخت ذریعہ علماء پر ہے، خصوصًا ایسے عالم پر جس کی آواز اچھی اور کلام شیریں ہو اس لیے کہ شیطان ہمیشہ اس کو یہی سُوجھاتا ہے کہ سلطانوں کے پاس جانے اور ان کو نصیحت کرنے سے وہ لوگ ظلم سے باز رہیں گے اور شریعت کے احکام ان میں جاری اور قائم ہو جائیں گے اور ہوتے ہوتے یہ خیال دل میں ڈال دیتا ہے کہ تمہارا ان کے پاس جانا دین میں داخل ہے، پھر جب ان کے پاس جاتا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کلام میں نرمی اور مداہنت نہ کرے اور انکی تعریف اور خوشامد نہ کرے۔ اور ان باتوں میں دین کی خرابی ہے، اور اکابر سلف یوں کہا کرتے تھے کہ علماء جب جان لیتے تھے تو عمل کرتے تھے اور عامل ہونے پر مشغول رہتے تھے اور شاغل ہونے کے بعد گمنام ہوتے تھے اور گمنام ہونے کے پیچھے ان کی طلب ہوتی تھی اور طلب پر بھاگا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ کو خط لکھا کہ بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ التماس ہے کہ آپ مجھ کو ایسے لوگ بتادیں جن سے میں خدا تعالیٰ کے امر میں مدد لیا کروں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اہل دین تو تمہارے پاس آنے کے نہیں اور دنیا والوں سے تم کو غرض نہیں

(بقیہ صہ) مطلب یہ ہے کہ مجھے تمنا ہے کہ کاش اس کے پاس جانے سے برابر برابر چھوٹ جاؤں، یعنی اس کو نصیحت کرنے کا ثواب نہ ملے اور اس کے پاس جانے کا عذاب نہ ہو ۱۲ امیر علی عفی عنہ

تاہم تم اشراف اپنے ساتھ رکھو کہ وہ لوگ اپنے شرف کو آلودگی خیانت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ حال عمر بن عبد العزیز کو لکھا جو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ زاہد تھے، تو جب اہل دین کو ایسے حاکم کے پاس سے بھی گریز کرنا شرط ہو تو دوسرے حاکم کی طلب اور اس سے میل جول رکھنا کیسے ٹھیک ہوگا، اور سلف کے علماء مثل حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ اور ابن مبارکؒ اور فضیلؒ بن عیاض اور ابراہیم بن ادہمؒ اور یوسفؒ بن اسباط دنیا کے علماء یعنی مکہ اور شام وغیرہ کے عالموں میں وہ عیب بتایا کرتے تھے یا دنیا کا مائل ہونا یا سلاطین سے ملنا، اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ جب تک اس سے بچے رہنے کی سبیل معلوم ہو، تب تک توقف اور احتراز ہی کرے پس اگر ایسا مسئلہ کوئی پوچھے جس کو قرآن یا قطعی حدیث یا اجماع یا قیاس ظاہر سے یقیناً جانتا ہو، تب تو حکم بتادے، اور اگر ایسا مسئلہ پوچھے جس میں شک ہو تو کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں، اور اگر ایسا مسئلہ پوچھے جس کا حکم غالباً اپنے اجتہاد اور تخمین سے اس کو صحیح معلوم ہو تو اس میں احتیاط کرے اور دوسرے پر حوالہ کردے کہ اس سے پوچھ لو، اگر دوسرا بتا سکتا ہو، احتیاط کا مرتبہ یہی ہے اس لیے کہ اجتہاد کا سفر اپنی گردن پر رکھنا بہت بڑا ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے العلم[1] ثلثۃ کتاب ناطق وسنۃ قائمۃ ولا ادری شعبیؒ کہتے ہیں کہ لا ادری نصف علم ہے اور جو شخص ایسے موقع میں کہ نہ جانتا ہو خدا تعالیٰ کے واسطے چپ رہ جاوے تو اس کو اس شخص سے ثواب کم نہ ہوگا جو راست راست جواب بتادے، اس لیے کہ نہ جاننے کا اقرار کرنا نفس پر نہایت سخت ہے، غرضکہ عادت اصحابؓ اور اکابر کی اس طرح تھی، حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی فتوے پوچھتا تو فرماتے کہ اس حاکم کے پاس جاؤ جو لوگوں کے امر کا کفیل بن رہا ہے اور اس مسئلہ کو اس کی گردن پر رکھ دو۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو ہر ایک مسئلہ میں فتویٰ دے وہ بے شک مجنون ہے اور فرمایا کہ علم کی سپر لا ادری ہے، اگر آدمی اس سے چوک جاوے تو پھر اس کی خیر نہیں، اور ابراہیم ادہم فرماتے ہیں کہ شیطان پر اس عالم سے زیادہ کوئی سخت نہیں جو علم ہی سے بولے اور علم ہی کے ساتھ سکوت کرے، شیطان کہتا ہے کہ اس شخص کو دیکھو کہ اس کے بولنے سے اس کا چپ رہنا مجھ پر بہت بھاری ہے اور بعض اکابر نے ابدال کی صفت کی ہے کہ ان کی غذا فاقہ ہے اور کلام ضرورت یعنی جب تک ان سے کوئی کچھ نہ پوچھے تب تک نہ بولتے اور جب کوئی کچھ پوچھتا ہے اور ایسا شخص دیکھتے ہیں کہ وہ بتادے گا تو چپ رہتے ہیں اور اگر مجبور ہی ہوتے ہیں تو خوب جواب دیتے ہیں، اور یہ لوگ سوال سے پہلے بولنے کو تقریر کی خفیہ خواہش میں شمار کیا کرتے تھے، اور حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک شخص پر گذرے کہ وہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ یوں کہتا ہے کہ مجھے جان لو، اور بعض اکابر کا قول ہے کہ عالم وہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کو اس سے دریافت کیا جاوے تو اسے یہ معلوم ہو کہ گویا میری داڑھ نکالی جاتی ہے، اور حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہم کو پل بناؤ، اور اس پر سے دوزخ کی طرف عبور کرو، اور ابو حفص نیشاپوری فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے کہ سوال کے

---

[1] علم تین ہیں ایک کتاب ناطق، ایک سنت جاری، ایک لا ادری یعنی جواب میں حکم کلام مجید ہو یا حدیث کا یا یہ کہ میں نہیں جانتا۔ ابو داؤد بروایت ابن عمرؓ باندک اختلاف ۱۲

وقت اس بات سے ڈرے کہ قیامت کو کہیں یہ پوچھ نہ ہو کہ کہاں سے جواب دیا تھا اور ابراہیم تیمی سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو روتے اور فرماتے کہ تم کو کوئی دوسرا نہ ملا کہ مجھ پر چڑھائی کی اور ابو العالیہ ریاحی اور ابراہیم نخعی اور ابراہیم ادہم اور سفیان ثوری رحمہم اللہ دو یا تین شخصوں کے سامنے کچھ بیان کیا کرتے، اور جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو رک جاتے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ [1]میں ما ادری اعزیر نبی ام لا وادری تبع ملعون ام لا ما ادری ذو القرنین نبی ام لا اور جب[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب جگہوں میں بہتر کون سی جگہ ہے اور بدتر کون سی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں، یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں، حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو جتایا کہ سب جگہوں میں بہتر مسجدیں ہیں اور سب میں بدتر بازار ہیں۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے اگر کوئی دس مسئلہ پوچھتا تھا تو آپ ایک کا جواب دیتے تھے اور نو کے جواب میں کچھ نہ کہتے، اور حضرت ابن عباسؓ نو کا جواب دیتے تھے اور ایک کے جواب میں خاموش رہتے، اور فقہائے سلف میں ایسے لوگ بہت تھے جو یہ کہے دیتے تھے، میں نہیں جانتا میں نہیں جانتا، اور "جانتا ہوں" کہنے والے کم تھے، سفیان ثوریؒ اور مالک بن انس اور احمد بن حنبل اور فضیل بن عیاض اور بشر بن حارث سب ایسے ہی تھے کہ لا ادری اکثر کہتے تھے، اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس صحابہؓ دیکھے، وہ سب ایسے ہی پائے کہ جب کسی سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا یا حدیث پوچھی جاتی تو یہی چاہتا کہ کوئی دوسرا بھائی اس سوال سے ہمیں بچاوے، اور ایک روایت ان سے یوں ہے کہ جب کوئی سوال ان میں سے کسی پر پیش ہوتا تو وہ اس کو دوسرے کے پاس بھیجتے اور وہ تیسرے کے پاس، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے، پھر اوّل کے پاس آجاتا، اور مروی ہے کہ اصحاب صفہ میں کسی کے پاس ایک سری بھنی ہوئی بطور ہدیہ آئی، اور وہ سب اس وقت بہت عسرت سے بسر کرتے تھے۔ انہوں نے دوسرے کو ہدیہ کر دی اور دوسرے نے تیسرے کو، اسی طرح رفتہ رفتہ پھر اوّل صحابہؓ کے پاس آگئی۔ تو اب تامل کرو کہ فی زمانہ علماء کا معاملہ کیسا الٹا ہو گیا کہ جس چیز سے لوگ پہلے بھاگتے تھے، وہ اب مطلوب ہو گئی اور جو مطلوب تھی، اس سے نفرت کرنے لگے، اور فتویٰ دینے کی کفالت سے بچنے کی خوبی اس حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے جو بعض اکابر نے مرفوع[3] بیان کی ہے کہ لوگوں کو فتویٰ نہ دیں مگر تین آدمی مامور یا امیر یا متکلف اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صحابہؓ چار چیزوں کو ایک دوسرے پر ٹالا کرتے تھے، اوّل امامت دوم وصیت اور سوم امانت چہارم فتویٰ اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ جس کو علم کم ہوتا ہے تو وہ جلد فتویٰ دینے کو تیار ہو جاتا تھا، اور جو زیادہ پرہیزگار ہوتا تھا، وہ فتویٰ کو سب سے زیادہ دوسرے پر ٹالتا تھا، اور صحابہ اور تابعین کا شغل پانچ چیزوں میں تھا، قرآن کی تلاوت، مسجدوں کی آبادی اللہ تعالیٰ کا ذکر، اچھی بات کا امر کرنا، بری بات سے منع کرنا اور اس کی وجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا

---

[1] میں نہیں جانتا کہ عزیر نبی ہیں یا کہ نہیں، اور مجھے نہیں معلوم کہ ملعون ہے یا نہیں، اور میں نہیں جانتا کہ ذو القرنین نبی ہیں یا نہیں ۱۲ ابو داؤد حاکم بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲ [2] حاکم بروایت ابن عمرؓ ۱۲

[3] فصل دوسری میں گذری ۱۲

کہ آپ نے فرمایا یا کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا ثلاثۃ امر بمعروف او نھی عن المنکر او ذکر اللہ، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس الآیۃ اور بعض علماء نے کسی کو اجتہاد کرنے والوں اور فتویٰ دینے والوں میں سے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم جو فتوے دیا کرتے تھے اور قیاس کیا کرتے تھے، اس کا کیا حال پایا، اس نے ناک چڑھائی اور منہ پھیر لیا، اور کہا کہ ہم نے اس کو کچھ نہ پایا اور اس کا انجام ہم کو اچھا نہ معلوم ہوا، اور ابن حصین کہتے ہیں کہ عالم ایسے سوال کا جواب کہہ دیتے ہیں کہ اگر وہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو اس کے لیے تمام اہل بدر کو جمع کرتے، غرض کہ سکوت کرنا ہمیشہ سے اہل علم کا قاعدہ رہا ہے، بدون ضرورت ہرگز نہ کہتے، اور حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ خاموشی اور زہد اس کو عنایت ہو رہے ہے تو اس سے قریب ہو کہ اس کو حکمت تعلیم کی جاتی ہے، اور بعض اکابر کہتے ہیں کہ عالم دو ہیں ایک عوام کا عالم وہ مفتی ہے یہ لوگ بادشاہوں کے مصاحب ہوتے ہیں، اور ایک خواص کا عالم، وہ توحید اور دل کے اعمال کا عالم ہے، ایسے لوگ متفرق اور تنہا رہتے ہیں - اور اول مشہور تھا کہ امام احمد بن حنبل مثل دجلے کے ہیں کہ ہر شخص اس میں سے چلو بھر لیتا ہے اور بشر بن حارث مثل میٹھے کنوئیں اوپر سے ڈھکے ہوئے کے ہیں کہ اس پر ایک ایک ہی شخص قصد کرتا ہے۔ اور پہلے یوں کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص عالم ہے اور فلاں متکلم، اور فلاں کو کلام میں زیادہ دست گاہ ہے اور فلاں علم میں زیادہ ہے۔ اور ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ کلام کی بہ نسبت معرفت سکوت سے زیادہ قریب ہے اور بعض نے فرمایا کہ جب علم بہت ہوتا ہے - اور کلام زیادہ ہوتا ہے تو علم کم ہو جاتا ہے۔ اور حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو ایک خط لکھا اور ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کر دیا تھا، چنانچہ بخاری میں ابو جحیفہ سے یہ مضمون مروی ہے۔ خط کا مطلب یہ تھا کہ بھائی میں نے سُنا ہے کہ تم کو لوگوں نے مسندِ طبابت پر بٹھایا ہے اور مریضوں کا علاج کرتے ہو مگر سوچ لو اگر واقع میں تم طبیب ہو تب تو بولنا تمہاری گفتگو شفا ہے۔ اور اگر بتکلف طبیب ہو گئے ہو تو بھائی خدا سے ڈرو، مسلمان کو جان سے مت مارو۔ بعد اس خط کے حضرت ابو درداءؓ سے کوئی دوا پوچھتا تو توقف کیا کرتے اور حضرت انسؓ سے جب کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ ہمارے آقا امام حسن علیہ السلام سے پوچھو اور حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ جابر ابن زیدؓ سے پوچھو اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے کہ سعید بن المسیب سے دریافت کرو۔ اور نقل ہے کہ ایک صحابی نے حضرت حسن بصریؒ کے سامنے بیس حدیثیں بیان کیں، کسی نے ان کی تفسیر پوچھی، انہوں نے فرمایا کہ میں بجز روایت کے اور کچھ نہیں جانتا، پس حضرت حسن بصریؒ نے ایک ایک حدیث کی تفسیر جدا جدا فرمائی۔ لوگوں کو ان کی تفسیر اور یادداشت کی خوبی سے تعجب ہوا، صحابی نے ایک مٹھی کنکروں کی اٹھا کر ان لوگوں کے

خ آدمی کے سب کلام اس کو مضر نہیں مفید ہیں مگر تین باتیں، اچھی بات کا امر کرنا بری بات سے منع کرنا اور خدائے تعالیٰ کا ذکر کرنا ۱۲ ترمذی اور ابن ماجہ بروایت ام حبیبہؓ ۱۲ ان کی اکثر سرگوشیوں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو کوئی کہے خیرات یا نیک بات کو یا صلح کروانے کو لوگوں میں ۱۲ منہ

خ ابن ماجہ بروایت ابی خلاد بسند ضعیف ۱۲

مارے اور کہا کہ تم مجھ سے علمی بات پوچھتے ہو، حالانکہ یہ عالم تمہارے ہاں موجود ہے۔ اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ علم باطن کے سیکھنے کا اور دل کی نگرانی اور طریق آخرت کے پہچاننے اور اس کے چلنے کا زیادہ اہتمام رکھے اور مجاہدہ اور مراقبہ سے ان امور کی حقیقت معلوم کرنے کی امید صحیح اور سچی کرے، اس لیے کہ مجاہدہ سے مشاہدہ اور دل کے علوم کی باریکیاں پیدا ہوتی ہیں، اور پھر ان سے دل میں حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اور کتابیں اور تعلیم اسباب میں کافی نہیں، بلکہ اگر آدمی مجاہدہ کرے اور دل کا نگران رہے اور اعمال ظاہری اور باطنی بجالاوے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خلوت میں حضور دل اور فکر صاف سے بیٹھے اور اس کے ماسوائے اسی کی طرف منقطع ہو جاوے، تب حکمت بے حد و حساب اس کے دل پر مفتوح ہو کر کلید الہام اور منبع کشف یہی امور ہیں۔ اس لیے کہ بہت سے طالب علم ایسے ہیں کہ بہت دنوں تک سیکھتے رہے مگر جس قدر رہنا تھا اس سے ایک لفظ بھی آگے نہ بڑھے، اور بہت ایسے ہیں کہ ضروری علم پر کفایت کر کے عمل پر اور دل کی نگرانی پر جو جھکے تو اللہ تعالیٰ نے لطیف حکمتیں ان کے لیے ایسی کھول دیں جن میں عاقلوں کی عقل متحیر ہو جاوے، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عمل کرے بموجب اس کے جو اس نے سیکھا دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ علم اس چیز کا کہ اس نے نہیں سیکھی[ح۱]، اور بعض پہلی کتابوں میں وارد ہے کہ اے بنی اسرائیل یہ مت کہو کہ علم آسمان میں ہے اس کو زمین پر کون اتارے گا یا علم زمین کی تہوں میں ہے اس کو اوپر کون چڑھاوے یا علم سمندر پار ہے اس کو پار کر کے کون لاوے، علم تو تمہارے دلوں میں ہے، تم میرے سامنے روحانیوں کے سے آداب برتو، اور صدیقوں کے اخلاق اختیار کرو، میں تمہارے دلوں میں وہ علم ظاہر کروں گا کہ تم کو ڈھانپ لے اور سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ علماء اور عابد اور زاہد سب دنیا سے گئے اور ان کے دل مقفل رہے بجز صدیقوں اور شہیدوں کے دلوں کے اور کسی کے دل نہ کھلے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو آخر اور اگر اہل دل کے دل کا اور اک نور باطن سے علم ظاہر پر حاکم اور غالب نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد نہ فرماتے[ح۲] کہ اپنے دل سے فتویٰ لے لو اور لوگ حکم دیں اور فتویٰ لگا دیں، اور ایک حدیث قدسی میں یوں ارشاد فرمایا[ح۳] لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ آخر حدیث تک، اس لیے کہ بہت سے باریک معنی قرآن مجید کے اسرار کے ایسے شخص کے دل میں آجاتے ہیں جو صرف ذکر اور فکر میں لگا رہتا ہے۔ اور وہ معنی تفسیروں میں کہیں نہیں ہوتے اور نہ بڑے بڑے مفسروں کو معلوم ہوں، اسی شخص کو معلوم ہوتے ہیں جو بارادہ معرفت اپنے دل کا نگران رہے، اور اگر یہ معنی مفسرین کے سامنے پیش کیے جائیں تو وہ بھی ان کو اچھا بتادیں اور جان لیں کہ یہ پر تو صاف دلوں اور خدا تعالیٰ کے الطاف کا ہے کہ اس کی طرف ہمتوں کے متوجہ کرنے سے حاصل ہوا، اور یہی حال مکاشفہ کے علموں اور معاملہ کے علوم کے اسرار اور دلوں کے خطروں کی باریکیوں کا ہے، کیونکہ

[ح۱] ابو نعیم بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [ح۲] احمد بروایت دوسری فصل میں گزری ۱۲ [ح۳] بندہ میری طرف ہمیشہ نوافل سے تقرب کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں، اور جب اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، بخاری بروایت ابی ہریرۃ رضؓ ۱۲

ان میں سے ہر ایک علم ایسا دریا ہے جس کی تھاہ نہیں معلوم ہوتی ہر ایک طالب اپنی قسمت کے موافق اور جس قدر حسن عمل کی توفیق اس کو ملتی ہے، اسی قدر اس میں غوطہ لگاتا ہے، اور انہیں علماء کی صفت میں حضرت علیؓ نے ایک بڑی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہا آدمیوں کے دل ظروف ہیں، ان سب میں بہتر وہ ہیں جن کے اندر خیر زیادہ ہو، اور آدمی تین قسم کے ہیں ایک عالم ربانی، دوم بطور نجات کے سیکھنے والے، سوم بے وقوف سفلے کہ ہر باطل پر بلانے والے کے تابع ہو جاویں جدھر کا جھوکا چلے ادھر ہی کو پھر جاویں، ان لوگوں نے نہ علم کے نور سے روشنی حاصل کی، نہ کسی مضبوط چیز کا سہارا لیا۔ علم مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی حفاظت کرتا ہے، علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال اس سے کم ہوتا ہے۔ اور علم کی محبت ایک دین قابل اختیار ہے جس سے زندگی میں اطاعت کمائی جاتی ہے اور مرنے کے بعد ذکر خیر، علم حاکم ہے اور مال محکوم، اور مال کا فائدہ اس کے جانے سے دور ہو جاتا ہے۔ جو لوگ مالدار تھے اور ان کے جتھے کے جتھے تھے، سب مر گئے اور علماء زندہ رہیں گے جب تک کہ زمانہ باقی ہے، پھر آپ نے ایک لمبا سانس لیا، اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں علم بہت ہی ہے، بشرطیکہ اس کے یاد کرنے والے مجھ کو ملیں بلکہ میں تو طالب کو مامون نہیں پاتا، یا تو ایسا پاتا ہوں کہ دین کے آلہ کو دنیا کی طلب میں استعمال کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اس کے اولیاءؑ پر تکیہ کرتا ہے اور اس کی حجت سے اس کی مخلوق پر بڑائی دیتا ہے۔ یا ایسا پاتا ہوں کہ اہل حق کا مطیع و منقاد تو ہے مگر اول ہی شبہہ سے اس کے دل میں شک جم جاتا ہے۔ آگاہ ہو کہ باطن کے بوجھ نہ یہ رکھتا ہے نہ وہ بلکہ لذات کے حریص اور طلب شہوات کے بندے اور خدمتگار ہیں۔ یا مال کے جمع کرنے اور رکھ چھوڑنے کے فریفتہ، اور اپنی خواہش کے فرمانبردار اور نہایت حریص قریب مشابہت ان دونوں کی چرنے والے چوپایوں سے ہے، الٰہی جب علم کے یاد کرنے والے مر جاویں گے تو کیا علم یوںؑ جاتا رہے گا نہیں بلکہ زمین ایسے لوگوں سے خالی نہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی حجت اسی کے واسطے قائم کریں یا تو ظاہر اور علانیہ ہوں گے یا چھپے ہوئے مغلوب تاکہ اللہ کی حجتیں اور دلیلیں بیکار نہ رہیں اور یہ لوگ کتنے ہیں اور کہاں ہیں یہ لوگ شمار میں کم اور قدر میں اعظم ہیں، ان کے وجود ظاہر میں مفقود، اور ان کی تصویریں دلوں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سبب سے اپنی حجتوں کی حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ ان حجتوں کو اپنے جیسے لوگوں کے حوالہ کریں۔ اور ان کے دلوں میں ان کو بو دیں۔ علم نے ان کو حقیقت امر پر پہنچا دیا تو یقین کی روح سے جا ملے۔ اور جس بات کو دولت مند مشکل جانتے ہیں اس کو انہوں نے سہل پایا، اور جس امر سے غافلوں کو وحشت تھی، اس سے انہوں نے دل بہلایا۔ دنیا میں ایسے بدنوں سے جن کی روحیں محل اعلیٰ سے وابستہ ہیں رہے، یہ لوگ خدا تعالیٰ کی مخلوقوں میں سے اس کے اولیاء اور امین ہیں، اور اس کے دین کی طرف بلانے والے اور اس کی زمین کے سلاطین، پھر آپ روئے اور فرمایا کہ مجھ کو ان کے دیدار کا بہت اشتیاق ہے، پس یہ

ؑ اصل میں یہ ہے تستطیل نعم اللہ علی اولیاء الخ یعنی اللہ کی نعمتوں کے ذریعہ سے اس کے اولیاء پر زبان درازی کرتا ہے اور اللہ کی نعمت سے کر اس کی مخلوق کو دباتا ہے ۱۲ امیر علی الخ ؑ قولہ کیا علم الخ اصل میں اس طرح ہے کہ پہلے یہی فرمایا کہ الٰہی جب علم والے ہو جائیں گے تو علم جاتا رہے گا۔ پھر خود ہی اس کلام سے احتراز کر کے کہا کہ نہیں بلکہ الخ ۱۲ امیر علی ؐ

مضمون جو آپ نے آخر کو ذکر فرمایا، علمائے آخرت کا وصف ہے اور یہ وہی علم ہے جو اکثر عمل سے اور کثرتِ مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ یقین کے قوی کرنے میں اس کی توجہ بہت ہو، اس لیے کہ یقین دین کا راس المال ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[1] الیقین الایمان کلہ یعنی یقین ایمان کامل ہے تو علم یقین کا سیکھنا ضروری ہوا یعنی اس کی ابتداء سیکھے، پھر دل کو اس کا طریق خود ظاہر ہو جاوے گا۔ اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[2] یقین کو سیکھو، اس کے معنی یہ ہیں کہ یقین والوں کے پاس بیٹھو اور ان سے علم یقین کو سنو اور ان کی پیروی پر مداومت کرو تاکہ تمہارا یقین قوی ہو جاوے جیسا ان کا قوی ہو گیا۔ اس لیے کہ تھوڑا سا یقین بہت سے عمل سے بہتر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بیان کیا گیا کہ ایک آدمی کا یقین اچھا ہے اور گناہ بہت کرتا ہے، اور ایک شخص عبادت میں محنت کرتا ہے، اور یقین کم ہے، تو آپ نے فرمایا[3] کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو گناہ نہ رکھتا ہو، لیکن جس کی سرشت عقل ہے اور عادت یقین، اس کو گناہ ضرر نہیں کرتے اس لیے کہ جب گناہ کرتا ہے تو توبہ اور استغفار کرتا ہے اور پشیمان ہوتا ہے، اس لیے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور کچھ زیادتی بچ جاتی ہے جس سے وہ جنت میں جاتا ہے، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[4] جو چیز تم کو دی گئی، وہ یقین اور عزیمت صبر ہے اور جس کو ان دونوں میں سے بہرہ ملا اس کو پروا نہیں اگر شب بیداری اور دن کے روزے اس کو نہ ملیں۔ اور لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ بیٹا عمل کی استطاعت بدوں یقین کے نہیں ہوتی ہے اور آدمی اتنا ہی کرتا ہے جتنا اس کو یقین ہوتا ہے اور عامل کا یقین جب تک کم نہیں ہوتا ہے، تب تک وہ عمل میں کوتاہی کرتا نہیں، اور یحییٰ بن معاذؓ فرماتے ہیں کہ توحید ایک نور ہے اور شرک آگ ہے۔ تو شرک کی آگ سے جتنی نیکیاں مشرکوں کی جلتی ہیں۔ اس سے زیادہ توحید کے نور سے موحدوں کی برائیاں جل جاتی ہیں اور نور سے مراد ان کی یقین ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چند جا موقنین کے ذکر سے اشارہ فرمایا ہے کہ یقین خیرات اور سعادت کا ذریعہ ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ یقین کے معنی کیا ہیں اور اس کے قوی اور ضعیف ہونے سے کیا مراد ہے تاکہ اول اس کو سمجھ لیں، پھر اس کی طلب میں مشغول ہوں، کیونکہ جب تک اس کی صورت سمجھ میں نہ آوے گی، اس کی طلب ممکن نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقین ایک لفظ مشترک ہے دو فریق اس کو دو معنی مختلف میں بولتے ہیں۔ اول اصطلاح مناظرے والے اور اہل علم کی ہے کہ شک کے نہ ہونے کو یقین کہتے ہیں۔ اس لیے کہ نفس جو کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے، اس کے چار مقامات ہیں، ایک یہ کہ تصدیق اور تکذیب برابر ہوں، اس کو تو شک کہتے ہیں۔ مثلاً اگر تم سے کسی خاص شخص کی نسبت دریافت کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ اس کو عذاب کرے گا یا نہیں، اور اس کا حال تم کو معلوم نہیں تو تمہارا نفس اثبات اور نفی میں سے کسی طرف میل نہ کرے گا اور کچھ حکم نہ لگاؤ گے، بلکہ دونوں باتوں میں ایک طرف کو مائل ہو، اور یہ بھی جانتے ہو کہ دوسری بھی ہو سکتی

---

[1] بیہقی و خطیب نے بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [2] ابو نعیم بروایت ثور بن یزید مرسلاً ۱۲ [3] حکیم ترمذی در نوادر بروایت انس بسند تاریک ۱۲
[4] اس حدیث کی اصل نہیں ملی، مگر ابن عبدالبر نے بروایت معاذ اس طرح روایت کیا ہے، یعنی خدا تعالیٰ نے کوئی چیز یقین سے کم نہیں اتاری اور نہ کوئی چیز لوگوں میں حکمت سے کمتر تقسیم کی ۱۲ ش

ہے مگر اس کا ہو سکنا ایسا ہے کہ وہ اول کی ترجیح کا مانع مثلاً جس شخص کو تم نیک بخت اور متقی جانتے ہو، اگر اس کا حال تم سے پوچھا جاوے کہ یہ اگر اسی حالت پر مر جاوے تو عذاب ہوگا یا نہیں تو تمہارا دل اس کے عذاب نہ ہونے پر زیادہ مائل ہو گا بہ نسبت عذاب ہونے کے اس لیے کہ نیک بختی کی علامتیں ظاہر ہیں۔ اور باوجود اس کے تم اس کے باطن میں کوئی امر عذاب کے ہونے کا موجب تجویز کر سکتے ہو، تو یہ تجویز اول میل کے ساتھ ہے مگر اس کی ترجیح مانع نہیں، اس حالت کا نام ظن ہے۔

تیسری یہ کہ نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف اس طرح مائل ہو کہ وہ تصدیق نفس پر چھا جاوے اور اس کا خلاف دل میں نہ گذرے اور اگر گذرے تو نفس اس کے قبول کرنے سے انکار کرے مگر یہ تصدیق معرفت واقعی کے ساتھ نہ ہو، یعنی اگر اس حال والا اس امر میں خوب تامل کرے اور شک ڈالے اور تجویز کو سنے تو اس کے نفس میں گنجائش اس شبہہ کے ممکن ہونے کی ہو جاوے اس حال کو اعتقاد قریب یقین کے کہتے ہیں، جیسے عوام کا اعتقاد تمام امور شرعیہ میں ہے کہ صرف سننے کی جہت سے ان کے دلوں میں جم گیا ہے، یہاں تک کہ ہر فرقہ اپنے مذہب کے صحیح ہونے کا اعتقاد کرتا ہے اور اپنے امام اور پیشوا کو جانتا ہے کہ وہی ٹھیک کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان کے سامنے بیان کرے کہ تمہارے امام سے خطا بھی ہو سکتی ہے تو اس بات کو قبول نہ کریں گے، چوتھی تصدیق اور معرفتِ حقیقی ہے جو دلیل سے حاصل ہوتی ہے کہ جس میں نہ خود شک ہو، نہ دوسرے کا شک بیس ڈالنا مقصود ہو، تو جب اس میں شک کا ہونا اور ہو سکنا دونوں نہ ہو دیں، وہ اہلِ مناظرہ اور کلام کے نزدیک یقین کہلاتا ہے، اور اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی عاقل سے کہا جاوے کہ عالم میں کوئی چیز موجود ایسی بھی ہے جو قدیم ہو تو وہ بالبداہت یعنی فوراً اس کی تصدیق نہیں کر سکتا، اس لیے[ع] کہ قدیم محسوس چیز نہیں نہ آفتاب اور چاند جیسے ہے کہ ان کے وجود کی تصدیق آنکھ کی حس سے ہوتی ہے اور کسی چیز قدیم ازلی کا جاننا بدیہی اولی نہیں کہ بلا تامل کہہ دیا جاوے جیسے یوں جاننا کہ دو زیادہ ہیں ایک سے، بلکہ ایسا بھی نہیں جیسا اس جملہ کو جاننا کہ کسی حادث کا وجود بدوں سبب کے محال ہے کہ اس جملہ کا علم بھی بدیہی ہے کچھ تامل کا محتاج نہیں، اس لیے معلوم ہوا کہ عقل کی طبیعت کا اقتضا یہ ہے کہ قدیم کے وجود کی تصدیق بداہت کے طور پر کرنے میں توقف کرے، پھر اس میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ اس بات کو سُن کر ایسی تصدیق کر لیتے ہیں اور اسی پر چلے جاتے ہیں، تو اس قسم کی تصدیق تو اعتقاد ہے، اور یہ سب عوام کا حال ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ قدیم کے وجود کو دلیل سے تصدیق کرتے ہیں۔ مثلاً یوں کہا جاوے کہ اگر کوئی قدیم موجود نہ ہو تو سب موجودات حادث رہیں گے، اور جب سب حادث ہوں گے تو بالکل بلا سبب حادث ہوں گے، یا ایک بلا سبب حادث ہوگا اور یہ محال ہے، تو جس بات سے محال لازم آوے وہ خود محال ہے۔ اس دلیل سے عقل میں کسی قدیم کے موجود ہونے کی تصدیق یقیناً لازم آوے گی، اس لیے کہ موجودات تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یا کل قدیم ہوں یا کل حادث یا بعض قدیم ہوں اور بعض حادث، اگر سب قدیم ہوں تو مطلب حاصل ہے، اس لیے کہ قدیم کا وجود ثابت ہو گیا۔ اور اگر کل حادث ہوں تو محال ہو، کیونکہ اس سے بدوں سبب کے حادث کا وجود آتا ہے تو تیسری قسم خواہ اول قسم ثابت ہوگی اور وہی مطلوب ہے اور جو علم کہ اس طرح پر حاصل ہوتا

ع قولہ اس لیے کہ قدیم الخ یعنی قدیم مثل آفتاب و چاند کے کوئی محسوس چیز نہیں ۱۲

ہے، وہ ان لوگوں کے نزدیک یقین کہلاتا ہے، خواہ دلیل سے ہو، جیسا ہم نے ذکر کیا خواہ حس سے یا عقل کی سرشت سے ہو جیسے حادث کے بعد سبب محال ہونے کا علم ہے یا متواتر سننے سے، جیسے کہ مکہ مکرمہ کے موجود ہونے کا علم ہے، یا امتحان کرنے سے جیسے اس بات کا جاننا کہ محمودہ جوش دادہ دست آور ہے۔ غرضیکہ اہل مناظرہ کے نزدیک یقین کے بولنے کی شرط شک کا نہ ہونا ہے، تو جس علم میں شک نہ ہوگا، وہ ان کے نزدیک یقین کہلائے گا۔ اور اس اصطلاح کے بموجب یقین کو قوی اور ضعیف نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ شک کے نہ ہونے میں کچھ فرق قوت وضعف کا نہیں کہ اس کے بموجب یقین میں بھی قوت وضعف ہو۔ دوسری اصطلاح فقیہوں اور اہل تصوف اور اکثر علماء کی ہے۔ اس اصطلاح کے بموجب یقین وہ ہے کہ اس میں لحاظ وہم اور شک کا نہ کیا جاوے بلکہ اس کے دل پر استیلا اور غلبہ دیکھا جاوے تاکہ یوں کہہ سکیں کہ فلاں شخص کا یقین موت پر ضعیف ہے۔ باوجودیکہ موت میں وہ شک نہیں جانتا، یا یہ کہ فلاں شخص کا یقین روزی پہنچنے پر قوی ہے۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات اس کو روزی نہ ملے، حاصل یہ کہ جب نفس کسی چیز کی تصدیق پر مائل ہو اور یہ تصدیق دل پر اس طرح غالب اور مستولی ہو جاوے کہ نفس میں تصور اور حکم اسی کا ہو اور اسی کی جہت سے رغبت اچھی چیز کی اور امتناع بری چیز سے ہو تو اس حالت کو یقین کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ موت کے باب میں سب لوگوں کو پہلی اصطلاح کے بموجب یقین سب کو نہیں ہے، اس لیے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ موت کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں کرتے اور نہ اس کی تیاری کریں، گویا ان کو اس کا یقین نہیں اور بعضوں کے دل پر یہ یقین ایسا چھایا ہے کہ اپنی تمام ہمت کو اسی کی تیاری میں مستغرق کر رکھا ہے۔ اور دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہیں رکھی، تو اس جیسی حالت کو یقین کا قوی ہونا بولتے ہیں، اور اسی جہت سے بعضوں نے کہا ہے کہ جس یقین میں شک نہ ہو اور وہ مشابہ ہو جاوے ایسے شک کے جس میں یقین نہ ہو، موت کے سوا اور دوسرا مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس اصطلاح کے بموجب یقین کی صفت قوت اور ضعف کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ اور ہم نے جو علامت علمائے آخرت کی یہ لکھی کہ ان کی توجہ یقین کے پختہ اور قوی کرنے کی طرف ہو تو ہماری غرض اس یقین سے ہے جو دونوں اصطلاحوں کے موافق ہو، یعنی اول تو شک کا دور ہونا پھر نفس پر یقین کا مسلط ہونا، اس طرح کہ غلبہ اور حکم نفس اور تصرف اس کے اندر یقین ہی کا ہو جاوے اور جب تم یہ معلوم کر سکے تو اب تم کو اس قول کی غرض معلوم ہو جاوے گی کہ یقین تین قسموں پر منقسم ہوتا ہے، اول اس کا قوی اور ضعیف ہونا، دوم زیادہ اور کم ہونا، سوم پوشیدہ اور ظاہر ہونا، یعنی قوی اور ضعیف ہونا بموجب دوسری اصطلاح کے ہے کہ دل پر استیلاء اور غلبہ اس کا کیسا ہے اور قوت اور ضعف میں یقین کے معانی کے درجے بے انتہا ہیں۔ اور موت کی تیاری میں خلق بھی انہیں یقین کے معنوں کے فرق کے بموجب مختلف ہے اور یقین کی پوشیدگی اور ظہور میں بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے تو اصطلاح دوم کے بموجب اور نہ اوّل اصطلاح کے موافق مثلاً تم کو جو تصدیق مکہ اور فدک کے موجود ہونے کی ہے۔ اور حضرت موسیٰ اور یوشع علیہما السلام کے وجود کا یقین ہے باوجودیکہ تم کو ان دونوں تصدیقوں میں شک نہیں اسی لیے کہ منشا دونوں کا خبر متواتر ہے، مگر اول تصدیق کو تم اپنے دل میں روشن اور ظاہر پاتے ہو بہ نسبت دوسری کے اسی لیے کہ سبب اوّل میں قوی تر ہے، یعنی مخبروں کا بہت ہونا، اسی طرح مناظرہ کرنے والا پوشیدگی اور

ظہور کا فرق اپنی نظریات میں دیکھتا ہے جو دلیلوں سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ جو بات ایک دلیل سے واضح ہوگی، وہ اتنی ظاہر نہ ہوگی جو بہت سی دلیلوں سے واضح ہوگی باوجودیکہ شک کے نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں اور اس فرق کو کبھی اہل کلام انکار کرتے ہیں جو علم کی کتابوں اور سنت سے حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کے ادراک پر غور نہیں کرتے کہ ہر حال میں تفاوت رہتا ہے اور یقین کی کمی زیادتی متعلقات کی کمی بیشی سے ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس سے علم میں زیادہ ہے یعنی اس کی معلومات زیادہ ہیں اور اسی وجہ سے کبھی عالم تمام شروع کی باتوں پر یقین قوی رکھتا ہے اور کبھی بعض باتوں پر قوی الیقین ہوا کرتا ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ ہم نے یقین کی قوت اور ضعف اور قلت اور کثرت اور پوشیدگی اور ظہور کے معنی بموجب اصطلاح اول یعنی نفی شک کے اور بموجب اصطلاح ثانی یعنی دل پر استیلار ہونے کے تو سمجھ لیے مگر متعلقات یقین کے معنی کیا ہیں اور یقین کے محل کون سے ہیں اور کن چیزوں میں یقین مطلوب ہوتا ہے کہ ہم کو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یقین کون سی چیزوں میں مطلوب ہوتا ہے تو ہم ان کی طلب کیسے کر سکیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقین کی محل وہ چیزیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام اوّل سے آخر تک لاتے ہیں اس لیے یقین ایک معرفت مخصوص کا نام ہے اور اس کے متعلق وہ معلومات ہیں جن کو شرعیں لائی ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شمار کرنے کی ہوس نہیں ہو سکتی، مگر ہم ان میں سے بعض بتائے دیتے ہیں جو یقین کے محلوں کی اصل ہیں، مثلاً ان میں سے ایک توحید ہے یعنی تمام اشیار کو مسبب الاسباب سے سمجھنا اور درمیانی وسیلوں پر التفات نہ کرنا، بلکہ وسیلوں کو اس کا فرما نبردار سمجھنا اور ان کا اثر کچھ نہ جاننا، تو جو شخص ان امور کی تصدیق کرے گا وہ موحد ہوگا، پھر اگر تصدیق کے ساتھ دل میں سے امکان شک بھی دور ہو جائے گا تب تو پہلی اصطلاح کے بموجب موقن ہوگا، اگر ایمان کے ساتھ تصدیق اس طرح غالب ہو جاوے گی، اور درمیانی چیزوں پر غصہ ہونا اور ان سے راضی ہونا اور ان کا مشکور ہونا دل سے دور ہو جاوے اور ان کو اپنے دل میں ایسا سمجھے جیسے قلم اور ہاتھ انعام کے فرمان لکھنے والے کی نسبت کر ہیں اور وہ قلم اور ہاتھ کا نہ مشکور ہو، اور نہ ان پر غصہ کرے بلکہ ان کو آلہ اور مسخر منعم کا جانا کرتا ہے، تو اس صورت میں دوسری اصطلاح کے موافق اہل یقین ہوگا، اور یہ یقین اشرف ہے، اور پہلے یقین کا ثمرہ اور فائدہ اور روح ہے۔ اور جب آدمی کے نزدیک ثابت ہو جاوے کہ آفتاب اور چاند اور ستارے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات اور تمام مخلوق خدا تعالیٰ کے امر کی اس طرح مسخر ہیں جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں، اور قدرت ازلی ہی سب کی مصدر ہے تو اس کے دل پر توکل اور رضا اور تسلیم کا غلبہ مستولی ہو جاوے گا اور غضب اور کینہ اور حسد اور بد خلقی سے بری اور پاک ہو جاوے گا۔ ایک محل یقین کا تو یہ ہوا، دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق کی کفالت فرمائی ہے اس آیت میں وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[1] اس پر اعتماد اور یقین کرے کہ یہ رزق ضرور ضرور پہنچے گا، اور جو کچھ میری قسمت میں ہے وہ میرے پاس بھیج دیا جاوے گا، اور جب یہ بات دل پر غالب ہو جاوے گی، تو طلب رزق شرعی طور پر کرے گا۔ اور جو چیز اس سے فوت ہو جاوے گی، اس پر افسوس نہ کرے گا، نہ حرص و طمع کا دامن

---

[1] کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر، مگر اللہ پر ہے اس کی روزی ۱۲

دراز کرے گا اور اس یقین سے بھی کچھ طاعات اور عمدہ اخلاق ظاہر ہوں گے، تیسرا یہ کہ دل پر مضمون اس آیت کا غالب ہو۔ فمن[1] یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ٭ یعنی ثواب اور عذاب کا یقین ہو، یہاں تک کہ یہ سمجھے کہ طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے جیسے روٹی کو پیٹ بھرنے سے اور گناہوں کو عذاب سے وہ علاقہ ہے جیسے زہروں اور سانپوں کو ہے، ہلاک کرنے سے تو جیسے شکم سیری کے لیے روٹی حاصل کرنے کا حریص ہوتا ہے اور تھوڑی بہت کتنی ہی ہو، اس کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ اسی طرح طاعتوں کا حریص ہو اور تھوڑی بہت سب کو بجالانے کا مشتاق ہو، اور جس طرح زہر قلیل اور کثیر سے اجتناب کرتا ہے، اسی طرح گناہوں ادنیٰ اور اعلیٰ اور تھوڑے اور بہت سے اجتناب کرے، اس امر میں یقین بموجب اصطلاح اول کے تو اکثر ایمانداروں کو ہوتا ہے، مگر اصطلاح ثانی کے موافق خاص مقرب شخصوں کو ہوا کرتا ہے اور اس یقین کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے حرکات اور سکنات اور خطروں کو دیکھتا رہتا ہے اور تقویٰ میں اور ہر قسم کی برائی سے بچنے میں مبالغہ کرتا ہے، اور جس قدر یہ یقین غالب ہوگا، اسی قدر گناہوں سے احتراز اور طاعات کے لیے تیاری زیادہ ہوگی، چوتھے یہ کہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال میں مجھ پر مطلع ہے، اور میرے دل کے وسوسوں اور خفیہ خطروں اور فکروں کو دیکھتا ہے اس بات کا یقین بموجب اصطلاح اول کے تو ہر ایماندار کو ہوتا ہے، یعنی کسی کو اس امر میں شک نہیں مگر دوسری اصطلاح کے بموجب اس کا یقین کمیاب ہے اور وہی مقصود ہے۔ البتہ صدیقوں کو اس مرتبہ کا یقین ہوا کرتا ہے اور اس یقین کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان تنہائی میں بھی اپنے سب کاموں میں ادب سے رہتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی بڑے بادشاہ کی نظروں کے سامنے بیٹھا ہو جو اس کو دیکھتا رہتا ہے تو وہ ہر وقت گردن جھکائے اپنے سب اعمال میں ادب کا لحاظ رکھتا ہے اور ایسی حرکت سے، جو مخالف ادب کے ہو احتراز کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب یہ معلوم کرلے کہ اللہ تعالیٰ میرے باطن پر ایسا مطلع ہے جیسے خلق کے لوگ ظاہر پر مطلع ہوتے ہیں، تو ظاہر کے اعمال اور باطن کی فکر میں یکساں رہنا چاہیے بلکہ باطن کی آبادی اور صفائی اور زینت اور پاکی میں جو خدا تعالیٰ کی نظر میں ہر دم ہے۔ زیادہ مبالغہ کرنا چاہیے بہ نسبت ظاہر کے بناؤ کے جو لوگوں کے لیے کرتے ہیں اور یہ مقام یقین کا حیا اور خوف اور انکسار اور ذلت اور مسکنت اور خضوع اور اخلاق عمدہ کا مورث ہوا کرتا ہے اور یہ اخلاق بڑی بڑی طاعتوں کے موجب ہوتے ہیں، حاصل یہ کہ ان امور میں سے کسی امر میں یقین کا حال مثل درخت کے ہے اور یہ اخلاق دل میں مثل شاخوں کے ہیں جو اس درخت سے نکلے ہوں اور اعمال اور طاعات جو اخلاق سے صادر ہوتے ہیں، وہ بمنزلہ پھلوں اور کلیوں کے ہیں کہ شاخوں سے نکلتی ہیں، غرضکہ یقین اصل اور اساس ہے اور اس کے محل اور مقام نسبت مقامات مذکورہ بالا کے بہت زیادہ ہیں چنانچہ عنقریب جلد چہارم منجیات میں انشاء اللہ ان کا بیان ہوگا۔ یہاں لفظ کے معنی سمجھانے کے لیے اس قدر کافی ہے۔ اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ غمگین انکسار کے ساتھ سر جھکائے خاموش رہے، صورت اور لباس اور سیرت اور حرکت اور سکون اور گفتگو اور خاموشی سب میں خوف کا اثر ظاہر ہو، جب اس کی صورت کوئی دیکھے تو خدا یاد

٭ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

[1] سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا، اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا ۱۲ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

آوے اور ظاہر حال بھی اس کے عمل کی دلیل ہو جاوے اور مضمون صورت ہیں حالش میرس کا مصداق ہو، علمائے آخرت کی فروتنی اور ذلت اور مسکنت ان کے بشرے ہی سے معلوم ہو جاتی ہے، اور بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو کوئی لباس اس سے بہتر نہیں پہنایا کہ وقار کے ساتھ فروتنی ہو، یہ لباس انبیاء علیہم السلام کا ہے اور نیک بخت صدیقوں اور علماء کی علامت ہے اور گفتگو زیادہ کرنی اور خوش تقریری میں پڑا رہنا اور ہنسی میں ڈوبا رہنا اور حرکت اور کلام میں تیزی کرنی، یہ سب علامتیں شیخی اور خدائے تعالیٰ کے عذاب عظیم اور شدت غضب سے بے خوف اور غافل رہنے کی ہیں۔ اور ان دنیاداروں کا طریق ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھولے ہیں۔ علمائے باللہ کا یہ طور نہیں ہے اس لیے کہ عالم بموجب قول سہل تستریؒ کے تین ہیں ایک وہ کہ خدا تعالیٰ کے امر سے واقف ہیں، مگر اس کے ایام سے ناواقف، یہ وہ لوگ ہیں کہ حلال اور حرام کے باب میں حکم کرتے ہیں، اس طرح کا علم خوف خدا کا مورث نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ کہ خدا کو جانتے ہیں اور اس کے امر اور ایام کو نہیں جانتے، یہ لوگ عوام ایماندار ہیں، اور ایک وہ کہ خدا تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور اس کے امر اور ایام سے بھی واقف ہیں، یہ لوگ صدیق ہیں اور خوف اور فروتنی صرف انہیں پر غالب ہوتی ہے۔ ایام سے ان کی مراد اقسام عقوبات پوشیدہ اور باطنی نعمتیں جن کو اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے فرقوں پر مرحمت فرماتا ہے، پس جس شخص کا علم ان چیزوں پر محیط ہوگا، اس کو خوف بھی بڑا ہوگا اور فروتنی بھی ظاہر ہو گی، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ علم کو سیکھو اور علم کے لیے وقار اور حلم کو سیکھو، اور جس شخص سے سیکھتے ہو، اس کے لیے تواضع کرو، اور جو شخص تم سے سیکھے اس کو چاہیئے کہ تم سے فروتنی کرے، اور علمائے جابر مت بنو کہ تمہارا علم جہل کے برابر بھی نہ ہو، اور کسی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو علم دیتا ہے تو اس کو علم کے ساتھ حلم اور فروتنی اور خوش خلقی اور نرمی بھی دیتا ہے۔ علم مفید اسی کا نام ہے، اور کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ علم اور زہد اور تواضع اور خلق حسن عنایت فرماوے تو متقیوں کا امام ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ[ل] بعض لوگ میری امت میں سے بہتر ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو خدا تعالیٰ کی رحمت کے وسیع ہونے سے ہنستے ہیں اور خفیہ اس کے عذاب کے خوف سے روتے ہیں، ان کے بدن زمین میں ہیں اور دل آسمان میں، ان کی جانیں دنیا میں ہیں اور عقلیں عقبیٰ میں، وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور وسیلے سے تقرب اللہ تعالیٰ کا کرتے ہیں، یعنی جس امر کو باعث تقرب جانتے ہیں اس کو بجا لاتے ہیں۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ حلم علم کا وزیر ہے اور نرمی اس کا باپ ہے اور تواضع اس کا لباس۔ اور بشر بن حارث کہتے ہیں کہ جو شخص علم سے ریاست کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ کا تقرب اس سے عداوت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ وہ آسمان اور زمین میں مبغوض ہے۔ اور بنی اسرائیل کی حکایات میں مروی ہے کہ ایک حکیم نے تین سو ساٹھ کتابیں حکمت میں لکھیں، یہاں تک کہ حکیم نامی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں شخص سے کہہ دو کہ تو نے اپنی بک بک سے زمین بھر دی اور اس میں سے کسی چیز سے تو نے میری نیت نہیں کی، اور میں تیری بک بک سے کچھ نہیں قبول کرتا، جب اس حکیم کو خبر ہوئی تو نادم ہوا اور وہ بات ترک کی اور عوام میں مل گیا اور بازاروں میں پھرا، اور بنی اسرائیل کے ساتھ کھانا پینا اختیار کیا اور اپنے جی میں فروتنی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس سے کہہ دو کہ اب تجھ کو توفیق میری رضامندی کی ملی۔ اور اوزاعیؒ بلال بن

[ل] حاکم بیہقی بروایت عیاض بن سلیمان ۱۲ بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے ۱۲

سعد کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی اگر شحنہ کے سپاہی کو دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ سے اس سے پناہ مانگتا ہے، اور اگر علمائے دنیا کو دیکھتا ہے تو اپنی عادتیں بنائے رکھتے ہیں اور ریاست کے شائق ہیں ان نادان کو برا نہیں سمجھتا حالانکہ سپاہی کی نسبت کر زیادہ مستحق نفرت اور دشمنی کے یہ لوگ ہیں۔ اور مروی ہے^خ کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ محرمات سے بچنا اور ہمیشہ خدا کی یاد میں رطب اللسان رہنا، پھر کسی نے سوال کیا کہ یاروں میں کونسا اچھا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ عمدہ ہے کہ جب تم ذکر خدا کرو تو تمہاری مدد کرے، اور اگر تم اللہ کو بھول جاؤ تو تمہیں یاد دلادے، پھر پوچھا کہ ساتھیوں میں برا کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب میں برا وہ ساتھی ہے کہ جب تم خدا کو بھولو تو وہ یاد نہ دلاوے، اور جب اس کا ذکر کرو تو مدد نہ کرے، پھر پوچھا کہ لوگوں میں سے زیادہ عالم کونسا ہے، آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگ جو خدا تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتا ہو، پوچھا کہ آپ ہم کو ہم میں سے بہتر لوگ ارشاد فرمائیں کہ ہم ان کے پاس بیٹھا کریں آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگ وہ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے، خدا یاد آوے، پوچھا کہ سب لوگوں میں برے کونسے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ الہٰی میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں (یہ کلمہ ان کے شر سے پناہ میں رہنے کے لیے ارشاد فرمایا) لوگوں نے مکرر عرض کیا کہ آپ ہم کو بتلادیں، آپ نے فرمایا کہ وہ علماء ہیں جب بگڑ جائیں۔ اور ایک حدیث میں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا^خ ہے کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ امن اس کو ہوگا جو دنیا میں فکر زیادہ کرتا تھا، اور سب میں زیادہ آخرت میں وہ ہنسے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ رویا ہوگا۔ اور سب سے زیادہ خوش وہ ہوگا جو دنیا میں بہت دنوں رنج میں رہا ہوگا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ میرا ذمہ ہے اور میں اس بات کا ضامن ہوں گا کہ کسی قوم کی زراعت عمل کو تقویٰ کے ہوتے ہوئے زردی اور تباہی کا نقصان نہیں اور نہ کسی کام کی جڑ کو ہدایت کے ہوتے خشکی کا زیاں، اور لوگوں میں سے جاہل نزد وہ ہے جو خوف خدا کی قدر نہ جانے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے جو علم کو ہر جگہ سے جمع کر کے فتنہ کی تاریکیوں میں چھپا پھرا مارے ایسے ویسے اور رذیل لوگوں نے اس کا نام عالم رکھ دیا اور وہ علم میں ایک دن بھی سلامت نہ جیا، صبح کو اٹھتے ہی وہ چیز بہت سی لی جس میں سے تھوڑی بہ نسبت بہت کے اچھی ہے، یہاں تک کہ جب سڑے پانی سے سیراب ہو جاتا ہے اور بے فائدہ امور کی کثرت کرتا ہے تو لوگوں کے واسطے مفتی بن بیٹھتا ہے کہ جو امر غیر پر مشتبہ ہے اس کو اس سے خلاص کرے، اور جب کوئی مبہم بات اس کے سامنے پیش ہوتی ہے تو اس کے لیے اپنی تجویز سے ایک لغو قیاس بنالیتا ہے تو وہ شخص شبہوں کی تاریکی سے مکڑی کے سے جالے میں ہے، یہ نہیں جانتا کہ میں چوک گیا یا ٹھیک کہا بہت سی جہالتوں کا مرتکب اور بے سمجھے عقلی تکے مارتا ہے جس چیز کو نہیں جانتا، اس کا عذر نہیں کرتا کہ بچ جاوے، اور نہ علم کو دانتوں سے مضبوط پکڑے کہ غنیمت پاوے، خون ناحق اس کے ہاتھوں ہوتے ہیں اور اس کے حکم سے زنا حلال ہوتے ہیں۔ بخدا کہ جو سوال اس پر پیش ہوا نہ اس کے جواب کی قدرت اس کو حاصل ہے اور نہ جو امر کہ اس کو تفویض ہو اس کے وہ قابل ہے۔ یہی لوگ ہیں کہ عذاب اور عقاب کے مستحق

خ یہ حدیث ان خاص لفظوں سے جو احیاء میں ہیں، نہیں ملی، مگر طبرانی اور ابن السنی اور دارمی نے اس کے مضامین اور الفاظ میں بیان کیے ہیں ۱۲ خ اس کی اصل نہیں ملی ۱۲

ہوتے اور زندگی بھر نوحہ اور گریہ کے لائق۔ اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ تم علم کو سنو تو خاموش رہو اور اس کو ہزلیات میں مت ملاؤ، ورنہ دل میں اس کی تاثیر نہ ہوگی اور بعض سلف کا قول ہے کہ عالم جب ایک دفعہ ہنستا ہے تو ایک لقمہ علم کا منہ سے نکال ڈالتا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ استاد میں اگر تین باتیں ہوں تو ان کے سبب سے شاگرد پر پوری نعمت ہوگی، اول صبر کرنا، دوسرے ادب، تیسرے اچھی سمجھ، حاصل یہ کہ جو اخلاق کلام اللہ میں مذکور ہیں، علمائے آخرت ان سے خالی نہیں ہوتے، اور لوگ قرآن مجید کو عمل کے واسطے نہیں سیکھتے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں[1] کہ ہماری عمر گذری کہ یہی دیکھا گیے کہ اصحاب کو قرآن مجید سے پیشتر ایمان عطا ہوا تھا۔ اور جب سورۃ نازل ہوتی تھی تو ہم اس کے حرام اور حلال اور امر اور نہی کو جان لیتے تھے۔ اور سورۃ میں جس جگہ توقف کرنا چاہیئے، وہ مقام معلوم کر لیتے تھے۔ اور اب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ان کو ایمان سے پیشتر قرآن ملتا ہے اور وہ الحمد سے لے کر آخر قرآن تک پڑھ جاتے تھے، یہ نہیں جانتے کہ اس میں حکم کیا ہے، اور منع کس امر سے ہے اور کس جگہ توقف کرنا چاہیئے، اس کو سڑے چھوہاروں کی طرح بکھیرتے چلے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں اسی کے قریب وارد ہے[2] کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سے پیشتر ایمان عنایت ہوا تھا اور عنقریب تمہارے بعد کچھ لوگ آویں گے کہ ان کو ایمان سے پہلے قرآن ملے گا کہ وہ اس کے الفاظ و حروف کو تو درست کریں گے۔ اور اس کے حدود یعنی امر و نہی کو ضائع کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے ہم سے زیادہ پڑھنے والا کون ہے؟ اور ہم نے جانا ہم سے زیادہ جاننے والا کون ہے۔ ان کا حصہ قرآن سے اسی قدر ہے اور بعض روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ لوگ اس امت کے برے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ پانچ اخلاق ہیں جو علمائے آخرت کی علامت ہیں، اور وہ قرآن مجید کی پانچ آیتوں سے سمجھے جاتے ہیں، اول خوف، دوم خشوع، سوم فروتنی، چہارم حسن خلق، پنجم آخرت کو دنیا پر اختیار کرنا جو سب کی اصل ہے، خوف تو اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء[3] اور خشوع اس آیت سے[4] خاشعین للّٰہ لایشترون بآیات اللّٰہ ثمنا قلیلا[5] اور فروتنی اس سے[6] واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین اور حسن خلق اس سے واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین اور زہد اس سے وقال[7] الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب خیر لمن اٰمن وعمل صالحا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام تو کسی نے عرض کیا کہ اس شرح سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ نور جس وقت دل میں ڈالا جاتا ہے، اس کے لیے سینہ کھل جاتا ہے، عرض کیا کہ اس کی پہچان بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں دنیا سے علیحدہ رہنا اور دار پائیدار کی طرف رجوع کرنا، اور موت کے آنے سے پیشتر اس کی تیاری کرنی، اور ایک علامت علمائے

---

[1] حاکم و بیہقی بسند صحیح ۱۲ [2] ابن ماجہ از حدیث جندب مختصر ۱۲ [3] اللہ سے وہی ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں جو سمجھنے والے ہیں ۱۲ [4] ڈرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خرید کرتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا ۱۲ [5] اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں، ایمان والے ۱۲ [6] سو کچھ اللہ کی مہر ہے جو تو نرم دل ملا ان کو ۱۲ [7] اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ لے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کو جو یقین لاتے اور کیا بھلا کام ۱۲ [8] حاکم و بیہقی بروایت ابن مسعودؓ ۱۲

آخرت کی یہ ہے کہ اکثر گفتگو علم اعمال کی کرے، اور جو چیزیں کہ عمل کو فاسد کرتی ہیں اور دلوں کو پریشان کرتی ہیں اور وسواس کو اُبھارتی ہیں اور شر کو اٹھا کھڑا کرتی ہیں، ان کے حال سے بحث کرے کیونکہ دین کی اصل شر سے بچنا ہے اور اسی لیے کسی نے کہا ہے:۔

قطعہ

بدی کے علم سے ہم کو بدی نہیں منظور — ولے بچے رہیں اس سے یہی ہے اپنی مراد
کہ شر کے حال سے جو آدمی نہیں آگاہ — بعید کیا ہے وہ شر میں پڑ کے ہو برباد!

اور ایک وجہ یہ ہے کہ اعمال جو فعلی ہیں وہ آسان ہیں، ان سب میں اعلیٰ یہ ہے کہ زبان و دل سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مداومت کرے، لیکن اس کی خوبی جب ہے کہ جو چیز اعمال کی مفسد اور دل کی پریشان کرنے والی ہو، اس کو پہچانے اور اس کی شاخیں اور فروعات بہت سی ہیں، اور طریقِ آخرت کے چلنے میں اکثر ان کی طرف ضرورت ہوتی ہے اور سب اُن میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے ان کا پہچاننا ضروری ہے، باقی رہے علمائے دنیا، تو وہ حکومات اور مقدمات کے نادر تفریعات سیکھا کرتے ہیں اور انہیں کے درپے رہتے ہیں اور ایسی صورتوں کے گھڑنے میں محنت اٹھاتے ہیں کہ قرنوں تک کبھی واقع نہ ہوں، اگر ہوں تو ان کے لیے نہ ہوں، بلکہ غیروں کے لیے ہوں اور ان کے واقع ہونے کی صورت میں بھی ان کے بتانے والے بہت سے ہوں، اور جو چیزیں کہ ان علماء کے ساتھ ہر دم ہیں۔ اور رات اور دن میں ان کے خطروں اور وسوسوں اور اعمال میں مکرر ہوتی ہیں، ان کو چھوڑے بیٹھے ہیں، اور جو شخص کہ اپنی ضرورت لازم ہر وقت ہونے والی کو تو ترک کرے اور دوسرے کی ایسی مہم اختیار کرے کہ جو کمتر ہوتی ہو اور غرض اس سے خلق کے تقرب اور مقبول ہونے کو خدا تعالیٰ کے تقرب اور قبول پر اختیار کرتا ہو، اور یہ لالچ ہو کہ مجھے دنیادار ہم کو فاضل محقق اور عالم مدقق کہیں تو اس کے برابر سعادت سے دور اور کوئی نہ ہوگا، اور اس کا بدلہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ہے کہ نہ تو دنیا میں خلق کے نزدیک مقبول ہو کر منتفع ہوں، نہ آخرت میں خدائے تعالیٰ کے یہاں، بلکہ زمانے کے مصائب سے زندگی تلخ گذرے، پھر قیامت میں مفلس تہی دست بن جاویں اور علمائے آخرت کے نفع اور مقربوں کی فلاح کو دیکھ کر پچتاویں، یہ بڑا بھاری ٹوٹا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ لوگوں کی نسبت کر کلام کرنے میں زیادہ تر مشابہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تھے، اور سیرت اور طریق میں اصحاب رضی اللہ عنہم کے زیادہ تر قریب اور دل سے تھے، ان کے ان دونوں امروں میں سب کا اتفاق ہے اور ان کا وعظ اکثر دلوں کے خطروں اور اعمال کی خرابیوں اور نفسوں کے وسوسوں اور نفس کی خواہشوں میں سے خفیہ اور دقیق کے باب میں ہوا کرتا تھا، کسی نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ آپ ایسی تقریر کرتے ہیں کہ جو ہم اوروں سے نہیں سنتے، آپ نے تقریر کس سے سیکھی، فرمایا کہ حذیفہ بن الیمان سے، کسی نے پوچھا، کہ آپ وہ گفتگو کرتے ہیں کہ آپ کے سوا صحابہؓ میں اور کسی سے ہم نہیں سنتے، آپ نے یہ کہاں سے سیکھی، فرمایا کہ آنحضرت صلی[2] اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس تقریر سے خاص فرمایا ہے۔ لوگ تو آپ سے خیر کا حال پوچھا کرتے تھے اور میں آپ سے بدی

---

[1] سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو۔ [2] بخاری و مسلم میں یہ روایت مختصر طور پر آئی ہے۔

کا حال پوچھتا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اور یہ میں نے جان لیا تھا کہ خیر میرے پاس تو آوے گی، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے جان لیا کہ جو شر کو نہیں پہچانتا وہ خیر کو بھی نہیں جانتا، اور ایک میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے کہ جو شخص ایسا ایسا کام کرے، اس کو کیا ثواب ہے، یعنی اعمال اور ان کے فضائل کا حال پوچھتے ہیں اور میں پوچھا کرتا تاکہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں اعمال کو کون سی چیز فاسد کر دیتی ہے، جب آپ نے مجھ کو دیکھا کہ عمل کی آفتوں ہی کا حال پوچھتا ہوں تو مجھ کو خاص یہی علم تعلیم فرمایا، اور حضرت حذیفہ رضہ منافقوں کے جاننے میں بھی مخصوص تھے، علم نفاق اور اس کے اسباب اور فتنہ کی باریکیوں کے جاننے میں یکتا تھے۔ حضرت عمر رضہ اور عثمان رضہ اور بڑے صحابی رضہ ان سے احوال عام اور خاص فتنوں کا پوچھا کرتے تھے اور لوگ ان سے منافقوں کا حال پوچھتے تو جتنے باقی ہوتے ان کے شمار تبلا دیتے، نام نہ بتاتے، اور حضرت عمر رضہ ان سے اپنا حال پوچھا کرتے کہ مجھ میں تو کوئی نفاق کی بات نہیں پاتے وہ آپ کو بری اور صاف فرما دیتے اور جب حضرت عمر رضہ کسی جنازے کی نماز پڑھنے کو بلائے جاتے تو آپ دیکھتے، اگر حذیفہ رضہ کو جنازے کے ساتھ شریک اور موجود پاتے، تب تو نماز پڑھتے اور اگر وہ وہاں نہ ہوتے تو نماز نہ پڑھتے، اور حضرت حذیفہ رضہ کا نام صاحب السر یعنی راز دار تھا، غرض کہ دل کے مقامات اور احوال پر توجہ رکھنی علمائے آخرت کا فائدہ ہے، اس لیے کہ قرب الٰہی کی طرف سعی کرنے والا دل ہی ہے، اور اب یہ فن کمیاب اور پرانا ہو گیا اور اگر کوئی عالم اس فن میں کسی چیز کے درپے ہوتا ہے تو لوگوں کو عجب معلوم ہوتا ہے اور بعید جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صرف واعظوں کا دھوکا ہے، تحقیق کہاں ہے۔ تحقیق صرف جھگڑے کی باتوں میں سمجھتے ہیں واقع میں کسی نے سچ کہا ہے

قطعہ

طریقے ہیں بہت سے پر رہِ حق ہے جداگانہ
جو سالک ان طریقے کے ہیں، وہ بھی ہوتے ہیں یکتا

نہ ان کو کوئی جانے اور نہ ان کے کوئی مطلب کو
مزے میں وہ غرض چلتے ہیں اس مقصود کا رستا

کہتے ہیں جو تسے مطلب کو اس سے لوگ ہیں غافل
کہ اکثر خلق راہِ حق سے غفلت میں ہے سرتاپا

بالجملہ اکثر لوگ ایسی ہی چیز کی طرف راغب ہیں جو سہل تر اور ان کی طبیعت کے موافق ہو، اس لیے کہ حق تلخ ہے اور اس پر آگاہ ہونا مشکل ہے اور اس کا دریافت کرنا نہایت سخت ہے اور اس کا طریق دقیق ہے، خصوصاً دل کے صفات کو معلوم کرنا اور اس کو بُرے اخلاق سے پاک کرنا کہ یہ تو ہمیشہ کی جان کندنی ہے۔ اور جو شخص اس کے درپے ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسے دوا پینے والا کہ دوا کی تلخی پر بامید شفائے آئندہ صبر کرتا ہے، ایسا ہے کہ گویا عمر بھر روزے رکھتا ہے کہ وہ بھی سختیوں کی برداشت اس لیے کرتا ہے کہ مرنے پر اس کی عید ہو جاوے، پس ایسے طریق کی رغبت کس طرح بہت ہو سکتی ہے اور اسی وجہ سے مشہور ہے کہ بصرے میں ایک سو بیس واعظ تھے جو نصیحت و پند کیا کرتے تھے مگر علم یقین اور دلوں کے حالات اور باطن کے صفات پر کوئی سوائے تین شخصوں کے گفتگو نہ کرتا تھا۔ وہ سہل تستریؒ اور صبیحی اور عبدالرحیم تھے۔ اور دل کے وعظ میں اتنے لوگ ہوتے تھے کہ شمار سے زائد ہوں اور ان تین کے وعظ میں بہت کم ہوتے تھے، ایسا ہوتا ہو گا کہ دس سے زیادہ ہوتے ہوں اس لیے کہ نفیس اور عمدہ چیز کے اہل خاص ہی لوگ ہوتے ہیں، اور جو چیز عوام کو دی

جاتی ہے وہ سہل ہوتی ہے اس کے خواستگار بہت ہو جاتے ہیں، اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اپنے علوم میں اعتماد اپنی بصیرت اور دل کی صفائی کے ادراک پر کرے، کتابوں اور صحیفوں پر نہ کرے اور نہ اس چیز پر جو دوسرے سے سنے تقلید کے لیے صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس بات کا آپ نے امر فرمایا ۔ ۔ ۔ ۔ اس میں آپ ہی کی تقلید کرے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقلید بھی اس جہت سے کرے کہ ان کا کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پھر جب پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے اقوال اور افعال کے قبول کرنے میں بجا لاوے تو چاہیئے کہ ان کے اسرار کے سمجھنے کا حریص ہو اس لیے کہ پیروی فعل اسی لیے کرتا ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے اور آپ کا کرنا ضروری ہے کہ کسی راز کے باعث ہوگا، اسی لیے چاہیئے کہ اعمال اور اقوال کے اسرار کے باب میں خوب تلاش کرے، کیونکہ اگر جو کچھ سنے گا اس کو یاد کرے گا تو علم کا ظرف ہو جاوے گا عالم نہ ہوگا، اور اسی لیے پہلے زمانہ میں اس قسم کے آدمی کو کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص علم کے ظروف میں سے ہے اور عالم نہ کہتے تھے پس جس حال میں کہ علم والا یاد کرے اور فعل کی حکمت اور اسرار سے ناواقف ہو تو اس کو عالم نہ کہیں گے اور جس کے دل سے پردہ اُٹھ گیا ہو اور نور ہدایت سے منور ہو گیا ہو، وہ بذات خود متبوع اور پیشوا ہو جاتا ہے اس کو نہ چاہیئے کہ دوسرے کی تقلید کرے، اور اسی لیے حضرت عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ سوائے[ح] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ اس کی ساری باتیں مان لی جاویں، بعض مان لی جاتی ہیں اور بعض نہیں مانی جاتی، اور حضرت ابن عباس رضؓ نے فقہ حضرت زید بن ثابت رضؓ سے سیکھی تھی اور قرأت حضرت ابی بن کعب کو سنائی تھی، پھر ان دونوں علموں میں دونوں استادوں سے اختلاف کیا اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جو کچھ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس کو تو ہم بسر و چشم مانتے ہیں اور جو صحابہ رضؓ سے پہنچا ہے اس میں سے بعض کو اختیار ہے اور بعض پر عمل نہیں کرتے۔ اور جو تابعین سے پہنچا ہے تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی، اور صحابہ رضؓ کو فضیلت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے قرائن کو دیکھا ہے اور جو باتیں کہ قرائن سے معلوم ہوئیں ان پر ان کا دل متعلق ہوا اور اسی تعلق سے ٹھیک صواب پر رہے، اور مشاہدہ قرینوں کا ایسا ہے کہ روایت اور الفاظ میں داخل نہیں ہوتا بلکہ آپ پر نور نبوت کا فیض اتنا تھا کہ اکثر خطا سے محفوظ رہیں اور جب کہ غیر سے سنی ہوئی بات پر اعتماد کرنا ناپسند تقلید ہے تو کتابوں اور تصنیفوں پر اعتماد کرنا تو زیادہ بعید ہے، بلکہ کتابیں اور تصنیفیں نئی چیز ہیں کہ زمانہ صحابہ رضؓ اور کسی قدر تابعین کے شروع زمانہ میں کوئی کتاب یا تصنیف نہ تھی، ہجرت کے ایک برس پیچھے تمام صحابہ رضؓ اور کچھ تابعین کی وفات کے بعد مثل وفات سعید بن مسیب رضؓ اور حسن بصری رحؒ اور دوسرے عمدہ تابعین کے تالیف ہوئیں، بلکہ اول کے لوگ حدیث کی کتابوں کا لکھنا اور تصنیف کرنا برا جانتے تھے، اس غرض سے کہ لوگ ان کتابوں کے باعث یاد کرنا اور قرآن کا پڑھنا اور سمجھنا کہیں چھوڑ نہ بیٹھیں اور کہتے تھے کہ جیسے ہم یاد کیا کرتے تھے ویسے تم بھی یاد کیا کرو، اور اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور کچھ اور صحابہ رضؓ نے قرآن مجید کے مصحف میں جمع کرنا مناسب نہ

[ح] طبرانی میں یہ روایت مرفوعاً بھی آتی ہے ۱۲ منہ

سمجھا اور فرمایا کہ ہم کس طرح ایسی بات کریں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور اس بات سے ڈرے کہ لوگ کہیں لکھے ہوئے قرآن پر بھروسہ کر کے اس کی تلاوت نہ چھوڑ دیں، اور یہ کہا کہ قرآن کو ایسا ہی رہنے دو کہ ایک دوسرے سے سیکھ کر پڑھ لیا کرے تاکہ ان کا شغل اور مقصود بنا رہے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور باقی اصحابؓ نے قرآن کے لکھنے کو کہا اس خوف سے کہ لوگ سستی اور کسل نہ کر جاویں، یا یہ کہ اگر پڑھنے میں کسی کلمہ یا متشابہات کے خلاف ہو تو کوئی اصل ایسی نہ ملے جس سے اس خلاف کو دور کریں، پس حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دل بھی اس بات کے لیے کھل گیا، اور قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کیا اور امام احمد بن حنبل امام مالکؒ پر مؤطا بنانے میں انکار کرتے تھے کہ جو بات صحابہؓ نے نہیں کی، اس کو پیدا مت کرو، اور کہتے ہیں کہ سب سے اول کتاب جو اسلام میں بنی وہ ابن جریج کی کتاب ہے جس میں آثار اور تفسیریں جو مجاہد اور عطاء اور شاگردان حضرت عباسؓ سے مروی ہیں، مندرج ہیں، یہ کتاب کہ مکہ معظمہ میں تصنیف ہوئی، اس کے بعد معمر بن راشد صنعانی کی کتاب متضمن سنن ماثورہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یمن میں تیار ہوئی، پھر امام مالکؒ کی مؤطا مدینہ میں، پھر سفیان ثوریؒ کی جامع تالیف ہوئی، پھر چوتھے قرآن میں کلام کی تصنیفات ایجاد ہوئیں اور جنگ وجدل اور مقالات بیہودہ میں خوض کثرت سے ہونے لگا اور لوگوں کو اس کی طرف رغبت ہوئی اور قصوں اور وعظ گوئی کا شوق ہوا، تو اس وقت سے علم یقین کم ہونے لگا۔ اور بعد کو تو یہ حال ہوا کہ دلوں کا عمل اور نفس کے صفات کا حال دریافت کرنا اور شیطان کے فریبوں کا معلوم کرنا ایک عجیب بات ہوگئی، اور سب لوگوں نے اس طرف سے منہ پھیر لیا، صرف چند لوگ رہ گئے جن کو ان علوم کا شوق ہوا، اب عالم وہی کہلاتا ہے جو مناظرہ کرنے والا اور کلام کرنے والا ہو یا وعظ میں خوب چکنے الفاظ سے اور مقفی عبارتوں سے بیان کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سننے والے عوام ہوتے ہیں ان کو یہ تمیز نہیں کہ علم واقع میں کونسا ہے اور غیر واقع کونسا اور صحابہؓ کی سنت اور علوم ان کو معلوم نہیں، تاکہ اس کی نسبت سے دیکھ لیتے کہ اب کے عالم ان کے بالکل مخالف ہیں اسی جہت سے جس کو کچھ کہتے سنا، عالم کہہ دیا، اور اسی طرح پچھلے بھی اگلوں کی پیروی کرتے آئے اور علم آخرت نہ ہوگیا اور بجز چند خواص کے اور لوگوں میں سے علم اور کلام کا فرق بھی اٹھ گیا، البتہ خواص سے اگر کوئی پوچھتا کہ فلاں زیادہ علم رکھتا ہے تو وہ کہہ دیتے تھے کہ فلاں علم میں زیادہ ہے اور دوسرا کلام میں، غرض کہ علم میں اور کلام پر قدرت ہونے پر ان کو تمیز تھی، جب اگلے زمانہ میں دین ایسا سست ہوگیا تو اب اس زمانہ کا کیا حال پوچھتے ہو کہ نوبت اس حد تک پہنچی ہے کہ اگر کوئی کلام وغیرہ سے انکار کرے تو دیوانہ کہلاتا ہے اسی لیے بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی فکر میں لگے اور چپ ہو رہے اور علامت علماء آخرت ...... کی یہ ہے کہ بدعتوں سے اور نو ایجاد چیزوں سے بہت بچے گو اس پر تمام عوام نے اتفاق کر لیا ہو، جو چیز صحابہؓ کے بعد نئی ہوئی ہو اس پر لوگوں کے اتفاق کر لینے سے مغالطہ نہ کھاوے، بلکہ صحابہؓ کے حالات اور سیرت اور اعمال کی جستجو کا حریص ہو اور یہ دریافت کرے کہ ان کی ہمت اکثر کن باتوں میں مصروف تھی، آیا درس دینے اور تصنیف کرنے اور مناظرہ کرنے اور قاضی اور حاکم ہونے اور وقفوں کے متولی اور یتیموں اور وصیتوں کے مال کے امین بننے اور سلاطین سے ملنے اور ان سے اچھی طرح صحبت رکھتے ہیں وہ لوگ مصروف تھے یا خوف اور اندوہ اور فکر اور مجاہدہ، اور ظاہر و باطن کے مراقبہ اور چھوٹے بڑے گناہوں کے بچنے اور نفس کی خفیہ خواہشوں کے معلوم کرنے اور شیطان کے حیلوں

کو دریافت کرنے وغیرہ علوم باطن میں مشغول تھے، اور یہ بات قطعاً جان لو کہ زمانے کے لوگوں میں سے زیادہ عالم اور حق سے قریب تر وہ ہے جو صحابہؓ کے زیادہ مشابہ ہو اور اکابر سلف کے طریق سے واقف تر، اس لیے کہ دین انھیں لوگوں سے لیا گیا ہے اور اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ہم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو دین کا زیادہ تابع ہو، اور یہ آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا کہ کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ نے فلاں شخص کا خلاف کیا، غرضکہ اگر تم زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو تو اس بات کی پروا نہ کرو کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی مخالفت ہو، کیونکہ لوگوں نے اپنی طبیعتوں کی خواہش کی جہت سے ایک قیاس ٹھہرا لیا اور ان کا نفس اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ اقرار کریں کہ ہماری رائے جنت سے محروم ہونے کی موجب ہے، تو ایسی بات کے مدعی ہوئے کہ جنت کی سبیل بجز اس رائے کے اور کوئی نہیں، اور اسی جہت سے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں دو نئے شخص پیدا ہو گئے، ایک تو وہ جس کی رائے خراب ہے وہ کہنے لگا کہ جنت اسی کے لیے ہے جس کی رائے میری رائے جیسی ہو، دوسرے وہ دولت مند کہ دنیا پرست ہے، اسی کے لیے ناخوش ہوتا ہے اور اس کے واسطے راضی، اور اسی کی طلب کرتا ہے پس تم ان دونوں کو ترک کر دو اور جہنم میں جانے دو۔ اور کوئی شخص اس دنیا میں ایسا ہو کہ ادھر تو تو انگر اس کو اپنی دنیا کی طرف بلاتا ہے اور ادھر بدعتی اپنی رائے فاسد کی طرف، اور اس شخص کو خدائے تعالیٰ نے دونوں سے محفوظ رکھا ہو، اور وہ سلف صالح کا مشتاق ہو کہ ان کے افعال کو پوچھتا ہو اور ان کے آثار کے اقتدا کر کے اجرِ عظیم کا خواہاں ہو تو تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ۔ اور حضرت ابن مسعودؓ سے یہ روایت موقوف اور مرفوع دونوں طرح آئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ[ح۱] دو ہی باتیں ہیں، ایک کلام، دوسری سیرت، تو کلام میں سے عمدہ تو خدائے تعالیٰ کا کلام ہے، اور سیرت میں سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ آگاہ رہو کہ اپنے آپ کو نئے امور سے دور رکھو کہ سب امور بدتر سے نئے امور ہیں اور جو نئی بات ہے، وہ بدعت ہے اور جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے، خبردار رہو کہ اپنی عمر کو زیادہ مت سمجھو، ورنہ تمہارے دل سخت ہو جاویں گے، یہ جان رکھو کہ جو چیز آنے والی ہے، وہ نزدیک ہے۔ دور وہی ہے جو آتی نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ[ح۲] خوشحالی ہے اس کو جس نے اپنے عیب دیکھ کر دوسرے لوگوں کے عیب سے پہلوتہی کی اور جو مال کہ بدوں معصیت کمایا، اس میں سے خرچ کیا، اور فقہ اور حکمت والوں سے میل کیا، اور لغزش اور معصیت کیے لوگوں سے احتراز کیا، خوش حالی ہے اس کو جس نے اپنے علم کے بموجب عمل کیا، اور جو کچھ مال اس کے پاس بچا وہ دے ڈالا، اور جو بات کہ زائد از حاجت ہوئی اُس کو زبان سے نہ نکالا، طریق سنت اس پر محیط ہے اور اس نے اس سے بدعت کی طرف تجاوز نہ کیا، اور حضرت ابن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ آخر زمانے میں سیرت کا بہتر ہونا بہت سے عمل کی بہ نسبت اچھا ہوگا اور فرمایا کہ تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے بہتر اب وہ ہے جو امورِ خیر میں جلدی کرتا ہے، اور عنقریب تمہارے بعد ایسا وقت آوے گا کہ اس میں بہتر وہ ہو گا جو ثابت قدم رہے اور کام کی بجا آوری میں توقف کرے اس لیے کہ شبہات بہت سے ہوں گے، اور یہ بات آپ نے سچ فرمائی اس لیے کہ اس وقت میں اگر کوئی شخص توقف نہ کرے اور جن امور میں سب مبتلا

ح۱ ابن ماجہ بسند بعید ۱۲ ح۲ بروایت امام حسین ابو نعیم بسند ضعیف ۱۲

ہیں ان میں ان کی موافقت کرے اور انہیں کی سی باتوں میں خوض کرے تو جیسے وہ تباہ ہوتے ویسا وہ بھی تباہ ہو جاوے اور حضرت حذیفہؓ نے اس سے بھی عجیب تر بات فرمائی ہے کہ تم لوگوں کی نیکی اس وقت میں پہلے زمانے کی بُرائی ہے اور جس کو تم اب برائی جانتے ہو وہ پہلے وقت میں بھلائی تھی، اور تم جب تک ہی خیر سے رہو گے جب تک کہ حق کو پہچانو گے اور تمہارے عالم امر حق کو نہ چھپاویں گے اور واقع میں درست فرمایا کہ اس زمانے کی اکثر بھلائیاں ایسی ہیں کہ صحابہؓ کے وقت میں ان پر انکار ہوتا تھا مثلاً آج کل بھلائی کے دھوکے میں مسجدوں کی زینت اور آراستگی کرتے ہیں اور اس کی عمارت کے باریک کاموں میں بڑے مال لگاتے ہیں، اور عمدہ چیزوں کے فرش بچھاتے ہیں، حالانکہ پہلے مسجد میں بوریوں کا بچھانا بھی بدعت گنا جاتا تھا، اور کہتے ہیں کہ یہ فرش وغیرہ حجاج بن یوسف کا ایجاد ہے، اکابر سلف تو مسجد کی مٹی پر بہت کم فرش بچھاتے تھے، یہی حال مناظرہ اور جدل کی دقیق باتوں میں مشغول ہونے کا ہے کہ اس کو بھی اس زمانے کے لوگ بہت بڑا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بڑے ثواب کی بات ہے، حالانکہ سلف میں یہ امر برا تصور ہوتا تھا اور اس میں داخل ہے قرآن اور اذان میں راگ کی سی آواز کرنی اور صفائی میں مبالغہ کرنا اور طہارت میں وسوسہ کرنا اور کپڑوں کی نجاست دور سے سبب سے فرض کر لینی مگر کھانوں کے حلال اور حرام میں تساہل برتتے ہیں جو سب سے اوّل بات ہے اور اس کے سوا بہت سی باتیں ہیں۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے سچ فرمایا ہے کہ آج تم ایسے زمانے میں ہو جس میں خواہش نفس علم کے تابع ہے، اور تم پر ایسا زمانہ آوے گا کہ اس میں علم خواہش نفس کے تابع ہوگا، اور امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے کہ لوگوں نے سنت کو چھوڑ کر غرائب باتوں پر توجہ کی، ان میں علم نہایت کم ہے، خدا مدد کرے، اور مالک بن انسؓ فرماتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں لوگ وہ امور نہیں پوچھتے تھے جو آج پوچھتے ہیں اور نہ علماء حرام و حلال کو بیان کرتے تھے۔ میں نے ان کو دیکھا کہ یہ کہا کرتے تھے کہ مستحب ہے اور مکروہ ہے، اس سے یہ غرض ہے کہ ان لوگوں کی نظر کراہت اور استحباب کے دقائق میں ہوا کرتی تھی۔ حرام سے تو ظاہر ہے کہ بچا ہی کرتے تھے، ہشام بن عروہ کہا کرتے تھے کہ علماء سے آج وہ باتیں نہ پوچھو جو انہوں نے اپنے جی سے تراشی ہیں، اس لیے کہ ان کا جواب انہوں نے بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے سنت کا طریق پوچھو کہ اس کو جانتے ہی نہیں، اور ابو سلیمان دارانیؒ کہا کرتے تھے کہ جس شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جاوے تو اس کو چاہیے کہ اس پر عمل نہ کرے جب تک کہ اس کا ہونا آثار سے نہ سُن لے، اگر آثار میں اس امر کا وجود پایا جاتا ہو تو خدائے تعالیٰ کا شکر کرے کہ جو بات اس کے دل میں پڑی، وہ آثار کے مطابق ہوئی، اور یہ بات آپ نے اس لیے فرمائی کہ اب جو رائیں نئی نئی بہت سی ہوگئی ہیں، ان کو سُن کر آدمی کبھی دل میں جما لیتا ہے، اور اس سے بعض اوقات دل کی صفائی میں فرق آجاتا ہے اور اس کے باعث سے امر باطل کو حق خیال کرنے لگتا ہے، اس لیے احتیاط ضرور ہوا کہ جو امر دل میں پڑے اس کی پشتی آثار کی تائید سے کر لے، اور اسی وجہ سے جب نماز عید میں مروان نے عیدگاہ کے قریب منبر بنوایا تو حضرت ابوسعید خدریؓ نے کھڑے ہو کر . . . . . فرمایا کہ اے مروان یہ کیا بدعت ہے، مروان نے کہا کہ یہ بدعت نہیں، بلکہ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم جانتے ہو آدمی بہت ہو گئے ہیں اس لیے میں نے چاہا کہ آواز سب کو پہنچے، آپ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں اس سے بہتر تم کبھی نہ کرو گے اور بخدا کہ میں آج تیرے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا۔ اور حضرت ابوسعیدؓ نے منبر کو اس لیے بُرا جانا اور مروان پر اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے خطبے اور منیہ کی دعائیں[1] کمان پر یا لاٹھی پر سہارا دے کر دیا کرتے تھے، منبر پر نہ چڑھتے

[1] طبرانی میں بروایت براء بن عازب آتی ہے، اس میں ذکر استسقاء کا نہیں ۱۲

تھے، اور ایک حدیث مشہور میں آیا ہے کہ[۱] من احدث فی دیننا مالیس منه فھو رد اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے[۲] کہ جو شخص دھوکہ دے میری امت کو اس پر لعنت ہے خدائے تعالیٰ اور فرشتوں اور کل آدمیوں کی، کسی نے عرض کیا کہ آپ کی امت کا دھوکہ دینا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ہے کہ ایک بدعت پیدا کرے اور لوگوں کو اس پر ترغیب دے، اور ایک[۳] حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ خدائے تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ ہر روز یوں پکارتا ہے کہ جو کوئی خلاف کرے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اس کو شفاعت آپ کی نصیب نہ ہوگی۔ اور جو شخص بدعت خلاف سنت ایجاد کرکے دین میں خطاوار ہوتا ہے اس کی نسبت گناہگار سے ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی سلطنت اکھاڑنے والے کو ہے اس آدمی کی طرف جو صرف کسی خدمتِ خاص میں بادشاہ کے کہنے کا خلاف کرے اور یہ تقصیر بادشاہ کبھی معاف کردیتا ہے مگر سلطنت کے درہم برہم کرنے کا قصور معاف نہیں کرتا۔ اور بعض اکابر سلف نے ارشاد فرمایا کہ جس بات میں سلف نے گفتگو کی ہے اس سے سکوت کرنا ظلم ہے، اور جس بات میں انہوں نے سکوت کیا ہے اس میں گفتگو کرنی تکلف ہے، اور کسی دوسرے نے کہا ہے کہ امر حق گراں ہے، جو شخص اس سے بڑھتا ہے وہ ظالم ہے، اور جو اس میں کمی کرتا ہے وہ عاجز ہے، اور جو اس پر توقف کرتا ہے وہ کفایت کرتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ[۴] لازم پکڑو طریق اوسط کو، جس کی طرف آگے جانے والا لوٹ آوے اور پیچھے چلنے والا بڑھ جاوے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گمراہی والوں کے دلوں میں اس کی بھی حلاوت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وذر[۵] الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا اور فرمایا افمن[۶] زین له سوء عمله فراٰه حسنا ط تو جو چیز کہ بعد صحابہؓ کے پیدا ہوئی اور مقدارِ ضرورت اور حاجت سے زائد ہے، وہ لہو ولعب میں داخل ہے، ابلیس علیہ اللعنۃ کی حکایت کرتے ہیں کہ زمانۂ صحابہؓ میں اس نے اپنا لشکر ان لوگوں میں متفرق کردیا، اور وہ سب اس کے پاس بہت تھکے ماندے پھر آتے، اس نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ کہا کہ ہم نے صحابہؓ جیسے لوگ نہیں دیکھے، کسی بات میں ہمارا داؤ ان پر نہیں چلتا، ہم کو تھکا مارا ابلیس نے کہا کہ واقع میں تم ان پر قدرت نہ پاؤگے اس لیے کہ وہ اپنے نبیؐ کی صحبت میں رہے اور کلام اللہ کے اترنے کو دیکھا ہے، مگر عنقریب ان کے بعد کچھ لوگ ہوں گے کہ ان سے تمہاری غرض نکلے گی، جب تابعین کا زمانہ ہوا تو پھر شیطان کو پھیلا دیا اور وہ بدستور شکستہ حال واپس آئے اور کہا کہ ہم نے ان سے عجیب تر لوگ دیکھے ہی نہیں، اگر کہیں ہمارا داؤ چل گیا اور کچھ گناہ کرا پائے تو جب شام ہونے لگتی ہے اور وہ اپنے رب سے مغفرت چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے، ابلیس نے کہا کہ تم کو ان سے کچھ نہ ملے گا اس لیے کہ ان کی توحید درست ہے اور اپنے نبیؐ کی سنت کے اتباع میں چست ہیں مگر بعد کو ایک قوم ہوگی کہ ان سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور تم ان سے خوب کھیلو گے اور خواہش نفس کی باگوں سے

---

[۱] جو شخص ہمارے دین میں ایسی بات کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ بات رد ہے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت عائشہؓ ۱۲ [۲] دار قطنی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [۳] اس کی اصل نہیں ملی ۱۲ [۴] ابوعبیدہ دقوقا بر علی ابن ابی طالب ۱۲ [۵] اور چھوڑ دے جنہوں نے ٹھیرا اپنا دین کھیل اور تماشا ۱۲ [۶] بھلا ایک شخص کو جو بھلی لگی اس کی برائی پھر دیکھا اس نے اس کو بھلا ۱۲

ان کو جدھر چاہو گے کھینچ لو گے، اگر وہ استغفار پڑھیں گے اور طلب مغفرت کریں گے تو ان کو معاف نہ کیا جائے گا، اور توبہ کریں گے نہیں کہ خدائے تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے، راوی کہتا ہے کہ جب اول قرنوں کے بعد لوگ ہوئے تو ابلیس نے ان میں بدعتیں پھیلادی اور ان کو ان کی نظروں میں اچھا کر دیا اسی لیئے انہوں نے بدعتوں کو حلال جانا اور ان کو دین ٹھہرالیا کہ نہ ان سے استغفار کرتے ہیں نہ توبہ، ان پر دشمن غالب ہو گئے ہیں، جدھر چاہتے ہیں ادھر کھینچتے ہیں، اب اگر یہ کہو کہ ابلیس تو سوجھتا نہیں نہ کسی سے باتیں کرتا ہے۔ تو اس حکایت بیان کرنے والے نے کیسا جانا کہ ابلیس نے یوں کہا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل دل کو جو ملکوت کے حال اور اسرار معلوم ہوتے ہیں تو کبھی تو الہام کے طور پر معلوم ہوتے ہیں کہ دل میں بطور خطرہ کے پڑ جاتے ہیں، ایسی طرح کہ ان کو خبر نہیں اور کبھی بطور سچے خواب کے، اور کبھی جاگتے میں مثالوں کے دیکھنے سے معانی ظاہر ہو جاتے ہیں، جیسے خواب میں ہوا کرتا ہے اور جاگتے میں معلوم ہو جانا اسرار کا نبوت کے عالی درجوں میں سے ہے جیسے سچے خواب چھیالیسواں ۴۶ حصہ نبوت کا ہوتے ہیں، اور خبردار تم یہ علم پڑھ کر ایسا نہ کرنا کہ جو چیز تمہاری عقل ناقص کی حد سے باہر ہو اس کو انکار کرنے لگو کہ اس میں بڑے بڑے ماہر تباہ ہو گئے جن کو دعویٰ تھا کہ ہم علوم معقول سب جانتے ہیں جو علم عقلی کہ اولیاء اللہ کی ان جیسی باتوں کے انکار کی طرف بلاوے، اس سے جہالت ہی بہتر ہے اور جو شخص ان باتوں کا انکار اولیاء اللہ کے لیے کرتا ہے اس کو انبیاء علیہم السلام کا بھی انکار کرنا پڑتا ہے اور دین سے بالکل باہر ہو جاتا ہے بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ابدال جو اطراف زمین میں چلے گئے اور عوام کی نظروں سے چھپ گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس زمانہ کے علماء کو دیکھنے کی تاب نہیں، اس لیے کہ علماء ان کے نزدیک خدائے تعالیٰ کو نہیں جانتے حالانکہ اپنے گمان میں اور جاہلوں کے عندیہ میں عالم ہیں۔ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ بڑی مصیبت ہے جہالت سے جاہل رہنا اور عوام کی طرف نظر کرنی اور اہل غفلت کے کلام سننے، اور جو عالم کہ دنیا میں گھسا ہوا ہے، اس کا قول سننا نہ چاہیئے، بلکہ جو کچھ کہے، اس میں اس کو متہم جاننا چاہیئے، اس لیے کہ ہر آدمی کا دستور ہے کہ اپنی محبوب چیز میں گھسا رہتا ہے اور جو چیز محبوب کے موافق نہیں ہوتی اس کو دفع کیا کرتا ہے، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا[لہ] اور عوام گنہگار ان لوگوں کی نسبت کہ اچھے ہیں جو دین کے طریق سے ناواقف ہیں اور اپنے آپ کو علماء سے جانتے ہیں اس لیے کہ عامی گنہگار اپنی تقصیر اور خطا کا اقرار کر کے استغفار اور توبہ کرتا ہے اور یہ جاہل جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتا ہے وہ انہیں علوم میں مشغول رہتا ہے جو دنیا کے وسیلے ہوں اور طریق دین کے چلنے سے غافل رہ کر نہ توبہ کرتا ہے اور نہ استغفار، بلکہ مرتے دم تک اسی اپنی دھن میں لگا رہتا ہے اور چونکہ بجز ان لوگوں کے جن کو خدا بچا دے، اکثر لوگوں پر یہی حال غالب ہے اور ان کی درستی کی طمع نہیں رہی تھی تو اہل دنیا محتاط آدمی کے لیے اسلم طریق یہی ہے کہ ان سے علیحدہ ہو کر گوشہ میں بیٹھا رہے۔ چنانچہ اس کا ذکر باب عزلت میں انشاء اللہ آوے گا اور اسی وجہ سے یوسف بن اسباط نے حذیفہ مرعشی کو لکھا تھا کہ تم میرے باب میں کیا خیال کرتے ہو تو ویسا رہ گیا کہ کوئی میرے ساتھ خدائے تعالیٰ کی یاد کرنے والا نہیں، جو ملتا ہے تو اس کے ساتھ

[لہ] اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے لگا ہے اپنی چاؤ کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔

ذکر کرنا اور معصیت ہی ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر کا اہل کوئی نہیں ملتا اور یہ انہوں نے درست فرمایا اس لیے لوگوں سے ملنا غیبت کرنے اور سننے سے خالی نہیں یا بری بات کو دیکھ کر چپ رہنا پڑتا ہے اور بہتر حال آدمی کا یہ ہے کہ علم سکھائے یا سیکھے، اور اگر تامل کرے تو جان لے کہ سیکھنے والے کی غرض یہی ہے کہ علم کو ذریعہ طلب اور وسیلہ شر بنا دے تو ظاہر ہے کہ استاد اس باب میں اس کا معین اور مددگار اور اسباب شر کا تیار کرنے والا ہو گا جیسے وہ شخص کہ تلوار رہزنوں کے ہاتھ بیچے، اور علم بھی مثل تلوار کے ہے اس میں خیر کی لیاقت ایسی ہے جیسے تلوار میں جہاد کے لئے، اسی وجہ سے تلوار کو ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا کہ اس کے حال کے قرینوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رہزنی کے لیے چاہتا ہے جائز نہیں، غرضکہ یہاں تک علمائے آخرت کی علامتیں بارہ[۱۲] ہوئیں، ان میں سے ہر ایک کچھ کچھ اخلاق علمائے سلف کے موجود ہیں تو تم کو دو شخصوں میں سے ایک ہونا چاہیئے، یا تو ان صفات کے ساتھ متصف ہو جاؤ یا اپنی تقصیر کے مقر ہو کر ان صفات کے قائل رہو مگر خبردار ان دو کے سوا تیسرے مت ہونا ورنہ تمہارے دل میں شبہ پڑ جائے گا کہ دنیا کے ذریعہ کو دین کہنے لگ گئے اور جھوٹوں کی سیرت کو علمائے راسخین کی علامت قرار دو گے اور اپنے جہل اور انکار کے باعث ہلاک ہونے والوں کی جماعت میں مل جاؤ گے جن کے بچنے کی امید نہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے شیطان کے فریبوں سے پناہ مانگتے ہیں کہ انہیں میں سب ہلاک ہوئے اور اس سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جن کو دنیا کی زندگی اور ابلیس مکار دھوکہ اور مغالطہ نہ دے سکے۔

ساتویں فصل، عقل اس کی فضیلت، حقیقت اور اقسام کا بیان

ذیلی فصل[۱]: عقل کی فضیلت

واضح ہو کہ عقل کا شرف ان اشیاء میں سے ہے جن کے بیان کرنے کے لیے حاجت تکلف کی نہیں، خصوص ایسے حال میں کہ اوّل علم کا شرف معلوم ہو گیا اور یہ جانتے ہیں کہ عقل علم کا منبع اور مطلع اور اصل ہے علم عقل کی بہ نسبت ایسا ہے جیسے پھل کی نسبت درخت سے یا نور کی نسبت آفتاب سے یا جیسے آنکھ کی نسبت کرنگاہ تو جو چیز دنیا اور آخرت کا سعادت کا وسیلہ ہو وہ اشرف کیسے نہ ہو گی، اور اس میں کیسے شک ہو گا کہ چوپایہ باوجود اپنی تمیز کے کم ہونے کے عقل سے دبتا ہے، یہاں تک کہ چوپایوں میں جو بدن میں سب سے بڑا ہو، اور ضرر میں اور رعب میں زیادہ، وہ بھی جب انسان کی صورت دیکھتا ہے تو اس سے دبتا ہے اور خوف کھاتا ہے، اس لیے اس کو اتنا شعور ہے کہ انسان مجھ پر غالب ہو جاوے گا کیونکہ تدابیر اور حیلوں کے معلوم کرنے میں مخصوص ہے اور اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح] کہ بوڑھا اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں، اور یہ بات اس کے مال کی کثرت اور جثہ کے بڑے ہونے، اور طاقت کے زیادہ ہونے سے نہیں ہوتی، بلکہ تجربہ کے زیادہ ہونے سے ہے جو عقل کا ثمرہ ہے اور اسی وجہ سے ترکوں اور

ح ابن حبان بروایت ابن عمرؓ ابو منصور دیلمی بروایت ابی رافع بسند ضعیف ۔

کردون اور عرب کے اجلاف اور تمام خلق کے جہال کو دیکھتے ہو کہ باوجودیکہ چوپایوں کے مرتبہ سے قریب ہی ہوتے ہیں، مگر اپنی شریعت سے بوڑھوں کی توقیر کرتے ہیں اور اسی جہت سے جب بعضے معاندوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہا جب ان کی نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی اور وہ روشنی سرمۂ چشم بصیرت ہوئی تو تھرا گئے اور نورِ نبوت آپ کے عارض تاباں کا ان کی نظروں میں جھلکنے لگا گویہ نورِ عقل کی طرح آپ کی ذات مجمع کمالات میں پوشیدہ تھا غرضیکہ عقل کا شرف تو بداہۃً معلوم ہوتا ہے مگر ہمارا قصد یہ ہے کہ جو آیات اور حدیثیں اس کے شرف کے باب میں آئی ہوں، ان کو ذکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کا نام نور فرمایا ہے اس آیت میں اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۱] اور جو علم کہ عقل سے حاصل ہوتا ہے اس کو روح اور وحی اور حیات سے تعبیر فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا[۲] اور فرمایا:- اَفَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ[۳] اور جہاں کہیں نور اور تاریکی کا ذکر فرمایا ہے، وہاں مراد علم اور جہل سے ہے، جیسا اس آیت میں یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ[۴] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵] کہ اے لوگو اپنے خدا کو سمجھو اور آپس میں ایک دوسرے سے نصیحت عقل کی کرو اس جہت سے جس بات کا تم کو حکم ہوا ہے اور جس سے منع کیے گئے ہو، جان لوگے اور جان لو کہ عقل تم کو تمہارے رب کے پاس بزرگی دے گی اور جان لو کہ عاقل وہ ہے جو اطاعت اللہ تعالیٰ کی کرے، اگرچہ صورت میں بُرا اور قدر میں حقیر اور مرتبہ میں کم اور شکستہ حال ہو۔ اور جاہل وہ ہے جو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرے گو صورت کا اچھا اور قدر کا بڑا مرتبہ کا شریف اور خوش ہیبت اور فصیح و گویا ہو، جو شخص خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس کی نسبت کہ سور اور بندر زیادہ عاقل ہیں، اور دنیادار اگر تمہاری تعظیم کریں تو اس سے مغالطہ میں مت آؤ ورنہ خسارہ والوں میں سے ہو جاؤ گے اور فرمایا[۶] کہ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور اس کو فرمایا کہ سامنے ہو، وہ سامنے ہوئی پھر فرمایا کہ پشت پھیر اس نے پشت پھیری پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے اپنی ذات اور بزرگی کی کہ میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ اپنے نزدیک اکرم نہیں پیدا کی میں تجھی سے لوں گا اور تجھی سے دوں گا، اور تیرے ہی سبب سے ثواب دوں گا اور تیرے ہی سبب سے عذاب کروں گا۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ عقل اگر عرض ہے تو اجسام سے پہلے کیسے پیدا ہوئی، اور اگر جوہر ہے تو جوہر کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنی ذات سے قائم ہو اور کسی مکان میں نہ ہو تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عقل کی پیدائش علم مکاشفہ میں سے ہے اس کا ذکر کرنا علم معاملہ میں مناسب نہیں، اور ہماری غرض علوم معاملہ کے ذکر سے ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف بیان کی گئی، یہاں تک کہ لوگوں نے مبالغہ کیا، آپ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی عقل کیسی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہم عبادت اور اقسام خیرات میں اس شخص کی محنت

---

[۱] اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی ۱۲ [۲] اور اسی طرح بھیجی تیرے پاس روح اپنے حکم سے ۱۲ [۳] بھلا ایک شخص مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور دی اس کو روشنی کہ لیے پھرتا ہے لوگوں میں ۱۲ [۴] نکالتا ہے اس کو اندھیروں سے روشنی میں ۱۲ [۵] داؤد بن المحبر بروایت ابوالحارث ۱۲ [۶] طبرانی نے مختصراً روایت کیا ہے ۱۲

آپ کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں اور آپ اس کی عقل کا حال دریافت فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ احمق آدمی اپنی جہالت کے باعث بدکار کی بدکاری سے زیادہ کر لیتا ہے اور فردائے قیامت میں خدائے تعالیٰ سے قریب ہونے کے درجات موافق عقلوں ہی کے بلند دیے جاویں گے، اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی کمائی میں عقل کی زیادتی کے برابر کوئی چیز نہیں، یہ عقل کی زیادتی اس کو ہدایت کی طرف رہنما ہوتی ہے اور بلا کی سے باز رکھتی ہے اور آدمی کا نہ ایمان پورا ہو نہ دین راست و درست ہو جب تک اس کی عقل پوری نہ ہو، اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے[۲] ان الرجل یدرک بحسن خلقہ درجۃ الصائم القائم ولا یتم لرجل حسن خلقہ حتی یتم لہ عقلہ فقد ذلک تم ایمانہ واطاع ربہ وعصی عدوہ ابلیس[۱] اور حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز[۳] کا ایک تکیہ ہے اور ایماندار کا سہارا عقل ہے تو اس کی عبادت اس کی عقل ہی کے بموجب ہوگی، کیا تم نے سُنا نہیں کہ بدکار دوزخ میں یوں کہیں گے[۴] لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحب السعیر۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمیم داری سے پوچھا کہ تم میں سرداری کیا چیز ہے، کہا کہ عقل، آپ نے فرمایا کہ تم نے درست کہا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی سوال کیا تھا جیسا تم سے کیا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا جو تم نے دیا، اور پھر ارشاد فرمایا[۵] کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ سرداری کیا چیز ہے، جبرائیلؑ نے کہا عقل ہے اور براء بن عازبؓ سے مروی ہے[۶] کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کثرت سے سوال کیے تو آپ نے فرمایا اے لوگو: ہر چیز کی ایک سواری ہے اور مرد کی سواری عقل ہے اور تم میں دلیل و حجت میں بہتر وہ ہے جو عقل میں بڑھ کر ہو۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے[۷] کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد سے مراجعت فرمائی، لوگوں کو کہتے سُنا کہ فلاں شخص فلاں سے زیادہ بہادر ہے اور فلاں شخص سفر آزمودہ تر ہے جب تک کہ فلاں سفر آزمودہ اور تجربہ کار ہو، اور دوسری اسی طرح کی باتیں کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۸] کہ ان باتوں کا علم تم کو نہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے قتال اس قدر کیا، جس قدر اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل عنایت کی تھی اور ان کی حمیت اور نیت بھی ان کی عقلوں کے بموجب ہوئی، پس ان میں سے جو کوئی پہنچا وہ مقامات مختلف پر پہنچا، جب قیامت کا دن ہوگا تو اپنی نیتوں اور عقلوں کے بموجب مراتب پاویں گے، اور براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۹] فرشتوں نے خدائے پاک کی طاعت میں کوشش اور اجتہاد عقل سے کیا اور ایمانداروں نے

---

[۱] ابن المحبر و حکیم ترمذی ۱۲ [۲] ابو الحارث عن داؤد بن المحبر ۱۲ [۳] آدمی اپنی خوش خلقی سے درجہ روزہ دار شب بیدار کا پاتا ہے اور کبھی شخص کا خوش خلق پورا نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کی عقل کامل نہ ہو، پس اس وقت اس کا ایمان کامل ہوتا ہے اور اپنے رب کا فرمانبردار اور اس کے دشمن شیطان کا نافرمان ہوتا ہے ۱۲ ترمذی مختصراً بروایت عائشہؓ ۱۲

[۴] ابن المحبر ۱۲ [۵] اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے نہ ہوتے دوزخ والوں میں ۱۲ [۶] حارث عن ابن المحبر ۱۲ [۷] ابن المحبر ۱۲

[۸] ابن المحبر ۱۲ [۹] حکیم ترمذی در نوادر ۱۲

آدمیوں میں سے کوشش اپنی عقلوں کے موافق کی تو جو شخص خدائے تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، وہی عقل میں زیادہ ہوتا ہے، اور حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں[ع] کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں کو فضیلت دنیا میں کون سی چیز سے ہے، آپ نے فرمایا کہ عقل سے، میں نے عرض کیا کہ آخرت میں کس چیز سے ہے آپ نے فرمایا کہ عقل سے، میں نے عرض کیا اپنے اعمال کے عوض ان کو جزا نہ ہوگی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ رضہ انہوں نے عمل بھی اتنا کیا ہوگا جتنی اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل دی ہوگی، تو جتنی عقل ملی اتنے ہی عمل ہوں گے اور جس قدر عمل کیا ہوگا، اس کی جزا ہوگی، اور حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[ح] ہر فرشتے کا ایک لازمہ اور سامان ہے اور ایماندار کا سامان اور آلہ عقل ہے، اور ہر ایک چیز کی ایک سواری ہے اور مرد کی سواری عقل ہے اور ہر چیز کا رکن ہے اور دین کا رکن عقل ہے اور ایک قوم کی ایک غایت ہے اور بندوں کی غایت عقل ہے اور ہر ایک قوم کا ایک نگہبان ہے اور عابدین کا نگہبان عقل ہے اور ہر سوداگر کی ایک بضاعت ہوتی ہے اور اجتہاد کرنے والوں کی بضاعت عقل ہے اور ہر اہل بیت کے لیے ایک منتظم ہے اور صدیقین کے گھر کا منتظم عقل ہے، اور ہر اجاڑ کی ایک آبادی ہے اور آخرت کی آبادی عقل ہے اور ہر آدمی کے لیے ایک پیچھے رہنے والا ہوتا ہے، جس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس کے باعث ذکر کیا جاتا ہے اور صدیقوں کا پیچھے رہنے والا جس کی طرف کہ وہ منسوب ہوں اور جس کے باعث ذکر کیے جاویں عقل ہے اور ہر سفر کے لیے ایک بڑا خیمہ ہوتا ہے اور ایمانداروں کا خیمہ عقل ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[ع] کہ ایمان والوں میں سب سے زیادہ محبوب خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں قائم ہو اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کرنے اور اس کی عقل پوری ہو اور اپنے نفس کو نصیحت کرے اور بینا ہو کر بموجب عقل کے زندگی بھر عمل کرے اور فلاح و نجات کو پہنچے، اور فرمایا کہ تم میں سے کامل تر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتا ہو اور جس چیز کا اس کو حکم ہو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہو اس میں اس کی نظر سب سے اچھی ہو اگرچہ تطوع میں تم سے کم تر ہو۔

ذیلی فصل ۲: عقل کی حقیقت اور اس کی اقسام

جاننا چاہیئے کہ عقل کی تعریف میں اور اس کی حقیقت کے باب میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور اکثروں نے اس بات کا دھیان نہیں رکھا کہ یہ لفظ مختلف معنوں پر بولا جاتا ہے، اور یہی بات ان کے مختلف ہونے کی وجہ ہوئی اور اس بات میں حق ظاہر یہ ہے کہ لفظ عقل مشترک ہے اور چار معنوں پر بولا جاتا ہے، جیسا لفظ عین چند معنوں پر بولا جاتا ہے یا جو اور ایسا ہی لفظ ہے تو یوں نہ چاہیے کہ سب اقسام کی ایک تعریف تلاش کی جاوے، بلکہ ہر ایک قسم کا حال جداگانہ کھولنا چاہیئے، اول عقل سے مراد وہ صفت ہے جس کے باعث انسان سب چوپایوں سے ممتاز ہے یعنی جس کے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور خفیہ

ع قولہ فلاں شخص الخ اصل کا مضمون یہ ہے کہ فلاں شخص سے فلاں زیادہ شجاع نہ نکلا اور فلاں سے فلاں دیگر جنگ کی آزمائش میں بڑھا ہوا ۱۲ امیر علی ع الاصل فاطیب منہم من الیبب علی مناول شتی یعنی ان میں سے جو لوگ شہید ہوئے، ان کے مقامات درجات مختلف ہیں ۱۲ امیر علی

ح حارث عن ابن المحبر ۱۲ ح ابن المحبر بروایت ابن عمر رضہ دیلمی در مسند فردوس بسند ضعیف ۱۲

صناعاتِ فکری کے سوچنے کی اس کو استعداد ہوتی ہے اور یہ وہی معنی ہیں جو حارث بن اسعد محاسبی نے مراد لیے ہیں چنانچہ عقل کی تعریف میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ ایک قوت ہے کہ جس سے آدمی علوم نظری کے ادراک کے لیے مستعد ہوتا ہے اور گویا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے جس کے باعث آدمی ادراک کے قابل ہو جاتا ہے اور جس شخص نے کہ اس تعریف کا انکار کیا اور عقل کو صرف بدیہی علم کے جاننے پر منحصر رکھا، اس نے انصاف نہیں کیا، اس لیے کہ جو شخص علوم سے غافل ہو یا سوتا ہو ان دونوں کو عاقل کہتے ہیں باوجودیکہ علوم اس کو اس وقت نہیں ہوتے، مگر صرف اس قوت کے موجود ہونے سے عاقل کہتے ہیں، اور جس طرح کہ زندگی ایک قوت ہے کہ جس سے جسم حرکاتِ اختیاری اور ارادی پر مستعد ہو جاتا ہے، اور جیسی چیزیں ادراک کرتا ہے اسی طرح قوتِ عقل بھی ایسی ہے کہ جس سے بعض حیوانات علوم نظری کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اور بالفرض انسان اور گدھے کا قوتِ طبیعی اور محسوس چیزوں کے ادراک کرنے میں برابر کرنا جائز ہے اور یوں کہا جاوے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عادتِ جاری کے بموجب انسان میں علوم پیدا کر دیتا ہے اور گدھے اور چارپایوں میں ان کو پیدا نہیں کرتا تو یہ بھی جائز ہو سکتا کہ گدھے میں اور جمادات میں زندگی کے باب میں برابری کر دی جائے کہ ان میں کچھ فرق نہیں بجز اس کے کہ خدائے تعالیٰ گدھے میں حرکتیں بموجب اپنی عادت جاری کے پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اگر کوئی گدھا مردہ پتھر فرض کر لیا جائے تو واجب ہوگا کہ جو حرکت اس سے معلوم ہوتی ہے اس کو یوں کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ اس حرکت کو اس میں جس ترتیب سے کہ سوجھتی ہے کے پیدا کرنے پر قادر ہے، اور جس طرح کہ یہ کہنا واجب ہے کہ گدھے اور جماد کی حرکات میں یہی فرق ہے کہ گدھے میں ایک قوت خاص ہے اسی طرح انسان کو چوپایہ سے ممتاز ہونے میں کہنا چاہیے کہ انسان علوم نظری کے ادراک کرنے میں ایک قوت رکھتا ہے جس کو عقل کہتے ہیں اور عقل مثل آئینہ کے ہے جو دوسری چیزوں سے اسبات میں ممتاز ہے کہ صورتوں اور رنگوں کی نقل کر دیتا ہے اور ان صورتوں وغیرہ کا اس میں منعکس ہونا ایک صفتِ خاص کی جہت سے ہے جو جلا کہلاتی ہے اسی طرح آنکھ بھی پیشانی سے ان صفات اور حالات میں علیحدہ ہے جن سے اس کو لیاقت دیکھنے کی ہوئی ہے اور قوت کے علوم کی طرف وہ نسبت ہے جیسے آنکھ کو ہے نگاہ کی طرف اور قرآن و شریعت کو اس قوت کی طرف علوم کے واضح ہونے میں وہ علاقہ ہے جیسے آفتاب کی روشنی کو نورِ نگاہ سے ہے پس اس قوت کو اسی طرح سمجھنا چاہیے، دوم عقل سے مراد وہ علوم ہیں جو تمیز دار لڑکے کی ذات میں ہوا کرتے ہیں، یعنی جائز چیزوں کے جائز ہونے اور محال چیزوں کے محال ہونے کا علم مثلاً اس بات کا علم کہ دو زیادہ ہیں ایک سے، اور ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہ رہنا ممکن نہیں، اور یہ وہ معنی ہیں کہ بعض اہل کلام نے عقل کی تعریف میں مراد لیے ہیں، چنانچہ کہا ہے کہ عقل بعض بدیہی علوم ہیں جیسے جائز چیزوں کے ہو سکنے کا علم اور محال باتوں کے محال ہونے کا علم ہے اور یہ معنی بھی فی نفسہ درست ہیں اس لیے یہ علوم موجود ہیں اور ان کو عقل کہنا بھی ظاہر ہے مگر خرابی اس میں ہے کہ اس وقت مذکورہ بالا کا انکار کیا جاوے اور کہا جاوے کہ بجز ان علوم بدیہی کے عقل اور کچھ نہیں، سوم عقل ان علوم کو کہتے ہیں جو حالات روزمرہ کے دیکھنے سے اور ان کے تجربوں سے حاصل ہو دیں، کیونکہ جو شخص تجربوں میں مشتاق اور طریقوں سے واقف ہو جاتا ہے اس کو رسم کے بموجب عقل کہا کرتے ہیں، غرض کہ علوم تجربہ کی بھی ایک

جداگانہ قسم علوم کی ہے جس کو عقل کہا کرتے ہیں، چہارم عقل اس کو کہتے ہیں کہ اس قوت طبعی کی طاقت اتنی ہو جاوے کہ امور کے انجاموں کو جاننے لگے اور جو خواہش کہ سردست کی لذت کی خواہاں ہو، اس کو اکھاڑ دے اور دبائے رکھے، جب یہ قوت آدمی میں آجاتی ہے تو اس قوت والے کو عاقل کہتے ہیں، اس اعتبار سے کہ وہ امور پر اقدام اور جرأت اس طرح کرتا ہے جس طرح کہ انجاموں کا فکر مقتضی ہے یہ نہیں کہ بموجب سردست کی خواہش کے مرتکب ہو جاوے، اور یہ قسم ہے انسان کے خواص میں سے انسان اور حیوانوں سے علیحدہ ہے یہ کہ اوّل معنی عقل کے تو سب کی جڑ اور بنیاد اور منبع ہے اور دوسری اوّل کے فرع اور اس سے قریب ہے اور تیسری اوّل اور دوم کی فرع ہیں اس لیے کہ قوت طبیعی اور علوم بدیہی سے تجربوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور چوتھی معنی ثمرہ آخری اور علت غائی ہے پس اول کی دونوں عقلیں تو سرشتی ہیں اور اخیر کی دونوں کسب سے حاصل ہوتی ہیں، اور اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے :-

قطعہ

دو ہیں عقلیں میرے نزدیک اے پسر — ایک طبعی ایک سمعی یاد کر
فائدہ سمعی سے کچھ ہوتا نہیں — جب نہ ہو طبعی کا دل میں کوئی اثر
جیسے سورج سے نہیں کچھ منفعت — گر نہ ہوئے آنکھ میں نورِ نظر

اور اوّل مراد ہے اس قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اپنے نزدیک بزرگ تر عقل سے نہیں پیدا کی[ح۱] اور چوتھی قسم مراد ہے اس حدیث شریف میں[ح۲] کہ جب آدمی اقسام نیکی اور اعمال صالحہ سے تقرب حاصل کریں تو تو اپنی عقل سے تقرب حاصل کر اور یہی مراد ہے اس ارشاد میں[ح۳] جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداءؓ کو فرمایا کہ تو عقل میں زیادہ ہے تاکہ اپنے رب سے قرب میں زیادہ ہو جاوے، انہوں نے عرض کیا کہ فدا ہوں آپ پر میرے ماں اور باپ مجھ سے یہ کیسے بن آوے گا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے محارم سے اجتناب کر اور اس کے فرائض ادا کر، تو عاقل ہو جاوے گا، اور اعمال میں سے نیک کو کیا کر، تو اس دنیا میں تیری بڑائی اور کرامت بڑھے گی، اور ان کی جہت سے اپنے رب کریم کا قرب اور عزت تجھ کو حاصل ہو گی، اور سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے[ح۴] کہ حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ اور ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں سے زیادہ عالم کون ہے آپ نے فرمایا کہ عاقل، عرض کیا کہ سب میں زیادہ عابد کون ہے آپ نے فرمایا کہ عاقل پھر عرض کیا کہ سب میں افضل کون ہے، آپ نے فرمایا کہ عاقل، انہوں نے عرض کیا کہ عاقل وہی نہیں جو مروت کامل رکھتا ہو اور ظاہر میں فصیح ہو اور ہاتھ کا سخی ہو اور منزلت میں بڑا، آپ نے فرمایا کہ سب باتیں تو دنیا کی چیزیں ہیں اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک متقیوں کے لیے آخرت بہتر ہے، عاقل وہ ہے جو متقی ہو، اگرچہ دنیا میں خسیس اور ذلیل ہو - اور

[ح۱] حکیم ترمذی بروایت حسن از چند صحابہ بسند ضعیف ۱۲ [ح۲] ابو نعیم بسند ضعیف ۱۲ [ح۳] ابن المحبر و حکیم ترمذی و حکیم ترمذی ۱۲ [ح۴] ابن المحبر ۱۲

اور ایک حدیث[۱] میں ارشاد ہے کہ عاقل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاوے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرے اور اس کی اطاعت بجا لاوے اور ٹھیک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عقل اصل لغت میں اور استعمال میں اسی وقت جبلی کے لیے موضوع تھا اور علوم پر جو استعمال ہوا تو صرف اسی جہت سے کہ علوم اس قوت کے اثرات ہیں۔ جیسے چیز کی تعریف اس کے ثمرہ سے کر دیا کرتے ہیں، مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ علم خوفِ خدا ہے اور عالم وہی ہے جو خدائے تعالیٰ سے ڈرے اس لیے کہ خوفِ خدا علم کا ثمرہ ہے اسی طرح لفظ عقل کو اگر اس کے کسی ثمرہ پر بول دیں تو یہ بھی مجاز کی طرح پر ہوگا۔ مگر ہم کو مقصود لغت کی بحث سے نہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ عقل کی یہ چاروں قسمیں موجود ہیں، اور لفظ عقل ان سب پر بولا جاتا ہے، اور ان چاروں میں سے بجز اول قسم کے اور کسی کے وجود میں اختلاف نہیں اور صحیح یہ ہے کہ وہ بھی موجود ہے بلکہ سب کی اصل ہے اور یہ علوم سب کے سب اس قوتِ سرشتی میں آئے ہوئے ہیں لیکن ظاہر جب ہوتے ہیں، کہ سبب ایسا ہو جو ان کو موجود کرے یہاں تک کہ یہ علوم ایسے تو نہیں ہیں جو اس قوت پر باہر سے آتے ہوں تو ضرور رہے کہ اس میں چھپے ہوئے ہوں اور پھر کسی وجہ سے ظاہر ہو جاویں، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کہ کنواں کھودنے سے نکل آتا ہے اور جمع ہو کر محسوس ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ باہر سے اس میں کوئی چیز اس کے لیے ڈالی جاتی ہے اسی طرح بادام میں تیل اور گلاب کے پھول میں گلاب رہتی ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[۲] واذ اخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى اس آیت میں مراد اقرار وحدانیت سے نفسوں کا اقرار ہے نہ زبانوں کا، کیونکہ اقرار کے اعتبار سے تو کوئی مقر ہے اور کوئی منکر اور ایسا ہی حال ہے اس ارشاد خداوندی میں[۳] ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله یعنی اگر ان کے احوال کا اعتبار کیا جاوے تو ان کے نفس اور باطن اس کے شاہد ہوں گے اور فرمایا[۴] فطرة الله التي فطر الناس عليها یعنی ہر آدمی کی سرشت اسی بات پر ہوتی ہے کہ خدائے عزوجل پر ایمان لاوے بلکہ چیزوں کو ان کی ماہیت کے بموجب پہچانے، یعنی سرشتِ انسانی گویا اس معرفت کی متضمن ہے اس لیے کہ اس میں لیاقت اس کے اور ادراک کے بہت قریب ہے، پھر چونکہ سرشت کے اعتبار سے ایمان نفسوں میں گڑا ہوا ہے، اسی لیے لوگوں کی دو قسمیں ہوتیں، ایک وہ جس نے روگردانی کی اور اپنی سرشت کی چیز کو بھول گیا تو وہ کافر ہیں، اور ایک وہ جس نے اپنے خیال کو دوڑایا اور اس کو یاد آگیا جیسے کوئی گواہ بنایا جاتا ہے، اور کسی غفلت کی وجہ سے اس امر کو بھول جاتا ہے، پھر یاد آجاتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یاددہانی کے لفظ بہت جا ارشاد فرماتے جیسے[۵] لعلهم يتذكرون اور[۶] وليذكر اولوا الالباب۔ اور[۷] واذكروا نعمة الله عليكم

---

[۱] ابن المحبر بروایت سعید ابن المسیب مرسلاً ۱۲ [۲] اور جس وقت نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں کی پیٹھ میں سے ان کی اولاد اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر، کیا میں نہیں ہوں رب تمہارا بولے البتہ ہاں ۱۲ [۳] اور اگر پوچھے تو ان سے کس نے پیدا کیا ہے تو بے شک یہی کہیں گے کہ اللہ نے ۱۲ [۴] وہی تراش ہے اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو ۱۲ [۵] شاید وہ دھیان کریں ۱۲ [۶] اور تا سوچے کریں عقل والے ۱۲ [۷] اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور اہل اس کا جو تم نے ٹھہرایا ۱۲

ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اور[۱] ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر[۲] اور اس قسم کا نام تذکر رکھنا بعید نہیں کہ تذکر دو قسم ہے ایک یہ کہ صورت دل میں حاضر ہو اور وجود کے بعد جاتی رہی ہو اس کو یاد کرے اور دوسری یہ کہ وہ صورت سرشت سے آدمی میں آئی ہو اس کو یاد کرے اور یہ حقیقتیں اس شخص کے سامنے جو نور عقل سے دیکھتا ہے ظاہر ہیں اور جس کا تکیہ اور سننے پر ہے نہ کشف اور نہ دیکھنے پر، اس پر البتہ یہ باتیں ثقیل ہیں، اور اسی واسطے اس کو دیکھتے ہو کہ ان جیسی آیتوں میں خبط میں پڑتا ہے اور تذکر کے معنوں اور نفوس کے اقرار کی تاویل میں طرح طرح کے تکلف کرتا ہے اور احادیث اور آیات میں اس کے خیال میں بہت سے اختلافات معلوم ہونے لگتے ہیں اور کبھی یہ امر اتنا اس پر غالب آتا ہے کہ ان کو بچشم حقارت دیکھتا اور ان میں بے معنی اور لغو ہونے کا معتقد ہو جاتا ہے، ایسے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اندھا کسی گھر میں جاوے اور برتن جو اس میں بہ ترتیب رکھے ہوں ان پر پھسل پڑے اور کہے کہ یہ برتن راہ میں سے کیوں نہیں علیحدہ کیے جاتے اور اپنے موقع پر کیوں نہیں رکھے جاتے تو اس سے یہ کہا جاوے کہ برتن تو سب اپنے ٹھکانے ہیں مگر نظر کا خلل ہے، یہی حال نظر باطنی کا ہے کہ اس کے نقصان کے باعث آیات اور احادیث میں اختلافات اور ابتری سوجھتی ہے حالانکہ ان میں اختلافات کچھ نہیں اپنی عقل کا قصور ہے بلکہ نظر باطن کا نقصان بہ نسبت آنکھ کے نقصان سے زیادہ اور بڑا ہے اس لیے نفس مثل سوار کے ہے اور بدن مثل گھوڑے کے ہے اور ظاہر ہے کہ سوار کا اندھا ہونا بہ نسبت گھوڑے کے اندھے ہونے کے زیادہ مضر ہے اور باطن کی بصیرت کو ظاہر کی بصارت سے مشابہت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے[۳] ما کذب الفؤاد ما رای اور فرمایا[۴] وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض اور اس کی ضد کو نابینائی فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا[۵] فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور اور فرمایا[۶] ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا اور یہ امور جو انبیاء علیہم السلام کو ظاہر ہوتے تھے وہ بعض تو چشم ظاہر کے سبب سے اور بعضے چشم باطن سے معلوم ہوتے تھے، مگر سب کا نام دیکھنا ہے، فرمایا حاصل یہ ہے کہ چشم بصیرت پکی نہ ہو گی اس کو دین سے بجز پوست اور مثالوں کے اور کچھ نہ آوے گا، اس کے مغز اور حقیقت کو نہ پہنچے گا، یہ بیان واقعی ان الفاظ کا ہوا جن پر لفظ عقل بولا جاتا ہے۔

ذیلی فصل ۳: لوگوں کا عقل کم یا زیادہ ہونا

عقل کے کم یا زیادہ ہونے کے باب میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے، مگر جن لوگوں کو علم کم ہے ان کی تقریر کے نقل کرنے سے کیا فائدہ اہم اور مناسب یہ ہے کہ جو امر حق صریح ہو اس کے بیان کرنے کی طرف متوجہ ہوں تو اس باب میں حق صریح یہ ہے کہ کمی زیادتی عقل کی سب قسموں میں سوائے قسم دوم کے ہو سکتی ہے یعنی علم بدیہی جائز چیزوں کے ہو سکنے اور

---

[۱] اور ہم آسان کیا قرآن سوچنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا ۱۲ [۲] جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا ۱۲ [۳] اور اسی طرح ہم دکھلانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان و زمین کی ۱۲ [۴] سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہوتے دل وہ سینوں میں ہیں ۱۲ [۵] اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو پچھلے جہان میں اندھا ہے اور زیادہ پڑا راہ سے ۱۲

محالات کے ممتنع ہونے کا ایسا ہے کہ اس میں کمی بیشی نہیں، مثلاً جو یہ جانے گا کہ دو ایک سے زیادہ ہیں وہ یہ بھی جانے گا کہ ایک جسم کا دو جگہ میں ہونا محال ہے اور ایک ہی چیز کا قدیم اور حادث ہونا نہیں ہو سکتا، اسی طرح اور مثالیں ہیں جن کو محقق طور پر بدوں شک کے معلوم کرے مگر تین قسموں باقی میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسے چوتھی قسم یعنی قوت کا اس درجہ پر زیادہ ہونا کہ شہوات کو اکھاڑ دے، اس میں ظاہر ہے کہ لوگ متفاوت ہوتے ہیں بلکہ اس باب میں صرف ایک شخص کے حالات میں بھی کمی بیشی ہوا کرتی ہے اور یہ تفاوت کبھی تو شہوت کے تفاوت کی جہت سے ہوا کرتا ہے کیونکہ عاقل کبھی بعض شہوات کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور بعض پر نہیں ہوتا مگر ان کا ترک کرنا کچھ امر محال نہیں مثلاً جو آدمی زنا کے ترک سے عاجز ہوتا ہے اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی عقل پوری ہو جاتی ہے تب اس کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور شہوت نمود اور ریاست کی بوڑھے ہونے سے قوت میں بڑھتی جاتی ہے نہ ضعف میں اور کمی بیشی اس قسم کی کبھی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ شہوت کا ضرر جس علم سے معلوم ہوتا ہے اس میں تفاوت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بعض مضر کھانوں سے طبیب تو پرہیز کرنے پر قادر ہوتا ہے دوسرا شخص جو عقل میں طبیب کے برابر ہوتا ہے اس سے نہیں ہو سکتا کہ پرہیز کرے گو اس کو فی الجملہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اس کھانے میں ضرر ہے مگر چونکہ طبیب کا علم کامل ہے، اس وجہ سے اس کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے تو اس صورت میں خوف شہوت کے اکھاڑنے میں عقل کا سپاہی اور سامان ہو جاتا ہے، اسی طرح جاہل کی نسبت کر عالم گناہوں کے چھوڑنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے کیونکہ معاصی کے ضرر کو خوب جانتا ہے اور ہماری غرض عالم سے عالم حقیقی ہے چند باز اور بکبکوں سے مقصود نہیں پس اگر تفاوت شہوت کی جہت سے ہے، تب تو عقل کے تفاوت کی طرف رجوع نہ کرے گا، اور اگر علم کی جہت سے ہو گا تو اس قسم کے علم کو بھی عقل کہہ چکے ہیں، اس جہت سے کہ یہ علم قوت طبیعی کی طاقت کو بڑھاتا ہے تو گویا اس علم کا تفاوت ہوا اور کبھی یہ تفاوت صرف عقل کی قوت میں تفاوت ہونے کی جہت سے ہوتا ہے مثلاً جب وہ قوت قوی ہو گی تو ظاہر ہے کہ شہوت کا قلع قمع بھی بہت کرے گی، تیسری قسم جو علم تجربوں کا ہے اس میں بھی لوگ کم و بیش ہوتے ہیں بعضے جلد بات کو پا جاتے ہیں اور ان کی رائے اکثر ٹھیک ہی ہوتی ہے اور بعضے ایسے نہیں ہوتے پس اس قسم میں تفاوت کا انکار نہیں ہو سکتا، کہ ظاہری تفاوت یا تو اختلافات طبیعت کے باعث ہو گا یا مواظبت کے تفاوت کی وجہ سے، اور قسم اول میں جو اصل ہے یعنی قوت طبعی تو اس کے متفاوت ہونے میں انکار کو راہ نہیں، کیونکہ اس کا حال مثل نور کے ہے جو نفس پر چمکتا ہے اور اس کا مطلع اور ابتدائے چمک سن تمیز کے وقت ہوتا ہے پھر ہمیشہ بڑھتا اور زیادہ ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ قریب چالیس برس کی عمر کے کامل ہو جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے صبح کی روشنی ابتدا میں ایسی خفیہ ہوتی ہے کہ اس کا معلوم کرنا مشکل پڑتا ہے پھر بتدریج بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ آفتاب کے نکلنے پر پوری ہو جاتی ہے اور فرق کمی بیشی کا نور بصیرت میں مثل آنکھ کے نور کے ہے کہ چندھے اور تیز بینائی والے میں فرق معلوم ہوتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کی عادت اپنی مخلوق میں اسی طرح جاری ہے کہ ایجاد بتدریج ہوتا ہے یہاں تک کہ قوت شہوت لڑکے میں بالغ ہونے کے وقت یکبارگی نہیں ظاہر ہوتی بلکہ تھوڑی تھوڑی ظاہر ہوتی ہے اسی طرح سب قوتوں اور صفتوں کا حال جاننا چاہیے پس جو شخص اس قوت طبعی میں کمی بیشی کا منکر ہو وہ گویا دائرۂ عقل سے خارج ہے اور جو شخص یہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ہی تھی، جیسے

کسی قصباتی یا گنوار کی ہوتی ہے تو وہ شخص خود گنوار سے کمتر ہے اس قوت میں کمی بیشی کا انکار کیسے ہو سکتا ہے، اگر اس میں تفاوت نہ ہوتا تو علوم کے سمجھنے میں لوگ متفاوت کیوں ہوتے . . . . . کہ کوئی تو کم ذہن ہو کہ بہت سا سمجھانے اور استاد کے مغز مارنے سے سمجھے اور کوئی ذہن ہو کہ ادنیٰ رمز و اشارہ میں سمجھ جاوے اور کوئی ایسا کامل ہو کہ خود اس کے نفس سے امور کے حقائق جوش مارتے ہوں سیکھنے کی نوبت نہ پہنچے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور ط اور یہ لوگ کاملین انبیاء ہیں کہ ان کو وہ باریک باتیں خود ان کے دلوں میں بدوں سیکھنے اور کسی سے سننے کے کھل جاتی ہیں اس کو الہام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اس جیسی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں بیان فرمایا[ع] کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈال دیا ہے کہ جس کو تم چاہو دوست بنالو اس سے تم کو جدا ہونا ہوگا اور جتنا چاہو جی لو تم مرنے والے ہو اور جتنا عمل چاہو کر لو، اس کی جزا تم کو ہوگی اور فرشتوں کا نبیوں کو اس طرح خبر دینا وحی سے علیحدہ ہے اس لیے کہ وحی میں کان سے آواز کا سُننا اور آنکھ سے فرشتے کو دیکھنا ہوتا ہے اور الہام میں یہ بات نہیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ دل میں ڈال دیا اور لفظوں سے ارشاد نہیں فرمایا اور وحی کے درجات بہت سے ہیں اور ان میں خوض کرنا علم معاملہ کے مناسب نہیں بلکہ علم مکاشفہ سے متعلق ہے اور تم یہ گمان مت کرنا کہ وحی کے درجات کا معلوم کر لینا وحی کے رتبہ کا مقتضی ہوتا ہے اس لیے کہ کسی چیز کا جاننا اور چیز ہے اور اس کا پاجانا اور چیز مثلاً کچھ بعید نہیں کہ کوئی طبیب بیمار صحت کے درجات سے واقف ہو اور عالم بدکار عدل ہونے کے درجات جانتا ہو، حالانکہ طبیب میں صحت اور عالم مذکور میں عدالت کا وجود نہیں، اسی طرح جو کہ نبوت اور ولایت کو جان لے، وہ ضرور نہیں کہ نبی اور ولی ہو جاوے یا جو تقویٰ اور ورع کو پہچانے تو وہ متقی ہو وے اور آدمیوں میں سے بعض کا ایسا ہونا کہ خود اپنے نفس سے متنبہ ہو کر سمجھ لے اور بعض بدوں تنبیہ اور تعلیم کے نہ سمجھے اور بعض کو تنبیہ اور تعلیم بھی کار گر نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین ہوتی ہے کہ اس کی بھی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس میں پانی جمع ہوتا ہے اور زور پکڑتا ہے اور خود چشمہ اس میں سے بہنے لگتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس میں حاجت کنواں کھودنے کی ہوتی ہے اور پانی بدوں کھودنے کے نہیں نکلتا، اور تیسری وہ قسم ہے کہ اس میں کھودنے سے بھی پانی نہیں نکلتا خشک ہی رہتی ہے اور اس منقسم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے جوہر اپنی صفتوں میں مختلف ہوتے ہیں اسی حال نفوس کا قوت عقل کے مختلف ہوتے ہیں ہے اور عقل کی بیشی پر دلیل نقلی وہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ایک حدیث طویل فرمائی اور اس کے آخر میں عرش کی عظمت کو مذکور فرمایا اور یہ کہ فرشتوں نے خدائے تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی تو نے کوئی چیز عرش سے بھی بڑی پیدا کی ہے، ارشاد فرمایا کہ ہاں کہ عقل عرش سے بڑی ہے عرض کیا کہ اس کی مقدار کتنی ہے حکم ہوا کہ اس پر تمہارا علم محیط نہ ہوگا، تم کو

لے لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اُٹھے گو ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ روشنی پر روشنی ہے ۱۲ ع طبرانی بروایت علیؓ بسند ضعیف و شیرازی در القاب بروایت سہل بن سعد ۱۲ ع ابن المحبر بروایت انسؓ تمام و حکیم ترمذی مختصر ۱۲ ؎ اصل میں یہ ہے کہ صوفیوں سے ممکن نہ ہوا کہ ان لوگوں سے یہ اقرار کرتے کہ تم نے غلطی سے اس کا نام عقل رکھا ہے

بالوں کے شمار کا علم ہے، عرض کیا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے عقل کو موافق شمار ریگ کے مختلف پیدا کیا ہے کہ بعضے لوگوں کو ایک رتی ملی ہے اور بعضوں کو دو اور کسی کو تین اور کسی کو چار رتی، پھر اور کوئی ایسا ہے جس کو ایک فرق کی مقدار یعنی قریب آٹھ سیر کے عنایت ہوئی اور بعض کو ایک وسق یعنی اونٹ کے لادنے کے برابر اور کسی کو اس سے بھی زائد مرحمت ہوتی، اب اگر یہ کہو کہ جب عقل کا یہ حال ہے تو صوفی عقل کو اور معقول کو کیوں برا کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے لفظ عقل اور معقول کو اصلی معنی چھوڑ کر مجادلہ اور مناظرہ کے نقل کیا ہے جس کو فن کلام کہتے ہیں کہ اب معقول یہ رہ گیا ہے کہ جھگڑنا اور طرف ثانی کا الزام دینا ہو سکے تو صوفیوں سے یہ تو ہو نہ سکا کہ لوگوں سے یہ اقرار کراتے کہ تم نے اس علم کو غلطی سے معقول ٹھہرالیا ہے اس لیے کہ یہ بات تو لوگوں کے دل میں جم گئی ہے اور زبان پر رائج تو صوفیوں کے غلط بتانے سے ان کے دلوں سے کب مٹ سکتی تھی، اس لیے انہوں نے عقل اور معقول کی مذمت کی جس کو کہ لوگ عقل اور معقول کہتے ہیں ورنہ نور بصیرت باطنی جس سے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانا جاتا ہے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی جاتی ہے اس کی مذمت کیسے متصور ہو سکتی ہے اس کی تعریف تو خدائے تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ اگر اس کی مذمت کی جاوے گی تو تعریف کون سی چیز کی ہو گی، کیونکہ اگر شرع قابل تعریف ہے تو اس کی درستی کا علم کون سی چیز سے ہے اگر درستی بڑی عقل سے ہے جس پر کہ اعتبار نہیں تو شریعت بھی بڑی ٹھہرتی ہے اور اگر کوئی کہے کہ شریعت کی صحت چشم یقین اور نور ایمان سے معلوم ہے، تو اس قول پر لحاظ نہ کرنا چاہیئے اس لیئے کہ ہماری غرض جو کچھ عقل سے ہے وہی عین الیقین اور نور ایمان سے ہے یعنی وہ صفت باطنی جس سے کہ آدمی چوپایوں سے ممتاز ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے باعث امور کی حقیقتیں معلوم کرتا ہے اور اکثر اس طرح کے خبط ان لوگوں کی جہالت سے اٹھتے ہیں جو حقیقتوں کو الفاظ سے طلب کرتے ہیں اور چونکہ الفاظ میں لوگوں کی اصطلاحیں خبط ہو رہی ہیں، اس لیے وہ بھی خبط کرتے ہیں۔ عقل کے بیان میں اسی قدر کلام کافی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم باب العلم خدائے تعالیٰ کی عنایت سے پورا ہوا، اس کے بعد دوسرا باب قواعد عقائد کا مذکور ہوتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ و الحمد للہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ کل عبد مصطفےٰ من اہل الارض والسماء۔

دوسرا باب عقائد کا بیان۔ اس میں ۴ فصلیں ہیں

رُباعی

اسلام زبانی سے برآمد نہیں کار ۔۔۔ صحت پر عقائد کے ہے ایمان کا مدار
تاثیر دوا کی ہوتی ہے پینے سے ۔۔۔ کب نام لیے سے ہووے اچھا بیمار

پہلی فصل: اہلسنت وجماعت کے عقائد

در باب دو جملوں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جن کی گواہی بنائے اسلام کے پانچوں رکنوں میں سے ایک رکن ہے، جاننا چاہیئے کہ اول جملہ اس کلمہ طیبہ کا توحید پر متضمن ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اس لیے دونوں کی تفصیل

جدا جدا لکھتے ہیں پہلا جملہ توحید پر مشتمل ہے اس میں یہ باتیں چاہئیں، اوّل وحدانیت یعنی یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں یکتا ہے کوئی اس جیسا نہیں، صمد ہے کوئی اس کا مقابل نہیں، نرالا ہے کوئی اس کے جوڑ کا نہیں، قدیم اور ازلی ہے جس کا اوّل اور ابتدا نہیں، ہمیشہ کو قائم ابدی ہے جس کا آخر اور انتہا نہیں، قیوم ہے کہ اس کو انقطاع نہیں اور دائم ہے جس کو کبھی فنا نہیں، بزرگی کی صفتوں سے موصوف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا زمانوں اور مدتوں کے گزرنے اور طے ہو جانے سے اس کو نہیں کہہ سکتے کہ ہو چکا بلکہ وہی سب سے اوّل اور وہی سب سے پیچھے، اور وہی ظاہر اور وہی باطن ہے، دوم تنزیہ یعنی عقیدہ رکھنا کہ نہ جسم صورت دار ہے نہ جوہر محدود اور ذی مقدار اور نہ منقسم ہو سکتا ہے اجسام کا مشابہ نہیں نہ خود جوہر ہے نہ اس میں کوئی جوہر حلول کئے ہوئے ہیں اور نہ وہ عرض ہے اور نہ اس میں کوئی عرض حلول کیے ہوتے بلکہ نہ وہ کسی موجود کے مشابہ ہے نہ اس کے کوئی موجود مانند نہ اس کے جوڑ کا کوئی نہ وہ کسی کے جوڑ کا نہ کوئی مقدار اس کو محدود کر سکے اور نہ اطراف وجہات اس کو محیط ہوں۔ اور نہ آسمان و زمین اس کو گھیر سکیں اور یہ کہ وہ عرش پر اس طرح ہے جس طرح کہ اس نے خود فرمایا اور جس اعتبار سے کہ اس نے قصد کیا ہے یعنی عرش کو چھونے اور اس پر جمنے اور جگہ پکڑنے اور اس میں حلول کرنے اور دوسری جگہ ٹلنے سے پاک ہے، عرش اس کو نہیں اٹھاتا بلکہ عرش اور حاملین عرش سب کو اس کی لطف قدرت اٹھائے ہوتے ہے اور سب اس کے قبضۂ قدرت میں دبے ہوتے ہیں اور وہ عرش اور آسمان اور حدود زمین تک کی سب چیزوں کے اوپر ہے اور اس کی فوقیت اس طرح کی ہے کہ اس سے اس کو نہ عرش سے قرب ہو نہ زمین سے دوری، بلکہ عرش اور آسمان کے نزدیک ہونے اور زمین اور خاک سے دور ہونے سے اس کے مراتب بلند ہیں اور باوجود اس کے وہ ہر موجود چیز سے قریب ہے اور بندے کی رگِ گردن سے بھی قریب تر ہے اور سب چیزوں کے پاس موجود، کیونکہ اس کی نزدیکی اجسام کے نزدیک ہونے کے مشابہ نہیں، جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذات سے مشابہ نہیں، اور یہ کہ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ اس میں کوئی چیز حلول ہے، اس بات سے برتر ہے کہ اس کا محیط کوئی مکان ہو جیسے اس بات سے پاک ہے کہ کوئی وقت اس کو گھیر سکے، بلکہ وہ مکان اور زمان کے بننے سے پیشتر موجود تھا، اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا، اور یہ کہ وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات میں جدا ہے، نہ اس کی ذات میں اس کے سوا دوسرا، اور نہ کسی دوسرے میں اس کی ذات اور یہ کہ وہ بدلنے اور انتقال سے مقدس ہے نہ حوادث اس میں حلول کریں نہ عوارض اس پر نزول، بلکہ وہ اپنی بزرگی صفات میں فنا اور زوال سے ہمیشہ منزہ رہتا ہے اور اپنی صفاتِ کمال میں کسی زیادتی کی اس کو حاجت نہیں جس سے اس کا کمال پورا ہو، اور یہ کہ عقلوں کے سبب سے اس کا وجود بذاتِ خود معلوم ہے اور اس کا نام اور احسان اچھے لوگوں پر جنت میں یہ کہ اپنی دولت دیدار اور لذت روایت کو پورا کرنے کے لیے اپنی ذات کو آنکھوں سے دکھا دے گا۔ سوم زندگی اور قدرت یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ زندہ اور قادر ہے اور جبار اور قاہر، نہ اس کو ماندگی عارض ہو نہ قصور اور نہ غفلت ہو نہ خراب نہ فنا اس پر آوے نہ موت، وہی ہے ملک اور ملکوت والا اور عزت و جبروت کا مالک سلطنت اور قہر اور خلق اور امر سب اسی کا ہے، آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوتے ہیں اور مخلوقات سب اس کی مٹھی میں دبے ہیں، پیدا

کرنے اور اختراع میں وہی نرالا ہے اور ایجاد اور ابداع میں وہی یکتا خلق کو اور ان کے اعمال کو پیدا کیا اور ان کے رزق اور موت کا اندازہ مقرر فرمایا، کوئی قدرت کی چیز اس کے قبضے سے جدا نہیں اور نہ اس کی قدرت سے کاموں کے تغیرات علیحدہ نہ اس کی قدرت کی چیزوں کا احصا ہو سکتا ہے نہ اس کے معلومات کی انتہا۔ چہارم علم یعنی یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ سب معلومات کو جانتا ہے، زمین کی تہوں سے لے کر آسمان کے اوپر تک جو کچھ ہوتا ہے سب پر محیط ہے اس کے علم سے ایک ذرہ بھی آسمان اور زمین میں چھپتا نہیں، بلکہ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے کو اور ہوا کے بیچ میں ذرہ کے چلنے کو جانتا ہے، چھپی ہوئی اور کھلی بات کو معلوم کر لیتا ہے اور دلوں کے وسوسوں اور خطروں کے حرکات اور باطن کے پوشیدہ راز پر مطلع ہوتا ہے اس کا علم قدیم ازلی ہے جس سے وہ ازل میں موصوف رہا ہے، ایسا علم نہیں کہ اس کی ذات میں حلول اور انتقال سے نیا پیدا ہوا ہو۔ پنجم، ارادہ یعنی اعتقاد کرنا کہ خدائے تعالیٰ نے کائنات کو ارادہ سے بنایا اور نو پیدا چیزوں کا انتظام وہی کرتا ہے کہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ تھوڑا یا بہت، چھوٹا یا بڑا، خیر یا شر، نفع یا ضرر، ایمان یا کفر، معرفت یا جہالت، کامیابی یا محرومی، زیادتی یا کمی، طاعت یا معصیت ہوتی ہے وہ سب اس کے حکم اور تقدیر اور حکمت اور خواہش سے ہوتی ہے کہ جس چیز کو چاہا وہ ہوئی اور جس کو نہ چاہا وہ نہ ہوئی، کوئی پلک کا جھپکنا یا خطرہ کا ناگہاں آنا اس کی خواہش سے باہر نہیں، بلکہ وہی مبدی ہے اور معید ہے، جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کا رد کرنے والا نہیں، اور نہ کوئی اس کی قضا کا پیچھے ہٹانے والا، اور نہ بجز اس کی توفیق و رحمت کے بندہ کو اس کی نافرمانی سے کوئی مفر کی صورت اور نہ سوا اس کی خواہش اور ارادہ کے اس کو اس کی اطاعت کی طاقت، اگر سب انسان اور جن اور فرشتے اور شیطان متفق ہو کر عالم میں کسی ذرہ کو بدوں اس کے ارادے اور خواہش کے حرکت یا سکون دینا چاہیں تو یہ ان سے کبھی نہ ہو سکے گا، اس کا ارادہ تمام اور صفتوں کے ساتھ اس کی ذات سے قائم ہے اور وہ ہمیشہ سے ان اوصاف کے ساتھ متصف رہا، چیزوں کے ہونے کو جن وقتوں میں کہ مقرر فرمایا ارادہ ازل میں کیا تو جیسا ارادہ کیا، اسی طرح اپنے اپنے وقت میں بدوں کسی طرح کے تقدم اور تاخر کے موجود ہوئیں، بلکہ اس کے علم کے موافق اور ارادے کے مطابق بدوں کسی طرح کے تبدل اور تغیر کے واقع ہوئیں، اور امور کا انتظام اسطرح فرمایا کہ اس میں نہ فکروں کی ترتیب کی نوبت ہوئی، نہ کچھ دیر کا انتظار، اور اسی وجہ سے کوئی شان اور حال اس کو دوسری شان سے غافل نہیں کرتا۔ ششم، سننا اور دیکھنا، یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے، سنتا دیکھتا ہے، کوئی سننے کی چیز کیسی ہی ہو، اور دیکھنے کی چیز کیسی ہی باریک ہو، اس کے سننے اور دیکھنے سے بچ نہیں رہتی، نہ دوری اس کے سننے کی مانع ہو نہ تاریکی اس کے دیکھنے کی مزاحم دیکھتا ہے مگر حدقہ چشم اور پلک سے منزہ ہے اور سنتا ہے مگر کانوں اور ان کے سوراخوں سے مبرا ہے جیسا علم میں دل سے اور پکڑنے میں عضو سے اور پیدا کرنے میں آلہ سے پاک ہے اس لیے کہ جیسے اس کی ذات پاک مخلوق کی ذات کی طرح نہیں، اسی طرح اس کی صفتیں بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں۔ ہفتم کلام یعنی یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا ہے اور اپنے کلام ازلی قدیم سے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے امر اور نہی اور وعدہ وعید فرمایا ہے، اس کا کلام خلق کے کلام کے مشابہ

نہیں کہ ہوا کے اندر سے یا اجرام کے صدمے سے آواز ہوتی ہے یا زبان کی حرکت اور ہونٹوں کی مطابق سے حرف پیدا ہوں بلکہ ان سب سے جدا گانہ ہے اور قرآن اور توریت اور انجیل اور زبور اس کی کتابیں ہیں کہ اس کے انبیاء علیہم السلام پر اتریں، اور قرآن مجید کی تلاوت زبانوں سے ہوتی اور اوراق پر لکھا جاتا ہے اور دلوں میں حفظ کیا جاتا ہے اور باوجود اس کے وہ قدیم ہے اور خدائے تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ قائم اس سے جدا نہیں ہو سکتا کہ علیحدہ ہو کر اوراق میں منتقل ہو جاوے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کے کلام بدون آواز اور حروف کے سنے جس طرح کہ ابرار آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو بدون جوہر اور عرض کے دیکھیں گے اور جب کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات ہیں تو وہ زندہ اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور متکلم صرف اپنی ذات سے نہیں بلکہ حیات اور قدرت اور سمع اور بصر اور کلام سے ہے، ہشتم افعال، یعنی اعتقاد کرنا کہ جو چیز سوائے اس کے موجود ہے وہ اسی کے فعل سے حادث وہ اسی کے عدل سے فیض یاب ہے اور سب سے اچھی طرح اور اکمل اور اتم اور اعدل طور پر اس کا ظہور ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں حکیم اور اپنے احکام میں عادل ہے، اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کر سکتے اس لیے کہ بندے سے ظلم متصور ہو سکتا ہے بایں طور کہ غیر کے ملک میں تصرف کرے اور خدائے تعالیٰ سے ظلم متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو غیر کی ملک ملتی ہی نہیں کہ اس میں اس کا تصرف ظلم کہلاوے غرض کہ جو کچھ اس کے سوا ہے انسان اور جن اور فرشتہ اور شیطان اور آسمان و زمین اور حیوان اور سبزہ اور جماد اور جوہر اور عرض اور مدرک اور محسوس وہ سب حادث ہیں، اس نے اپنی قدرت سے اس کو عدم سے اختراع کیا اور پردۂ نیستی سے نکال کر ہست فرمایا کیونکہ ازل میں وہ اکیلا موجود تھا، دوسرا کوئی اس کے ساتھ نہ تھا، بعد اس کے اپنی قدرت کے ظاہر کرنے اور ارادۂ سابق کے متحقق کرنے کے لیے خلق کو پیدا کیا، یہ نہیں کہ اس کو خلق کی طرف کچھ حاجت اور ضرورت ہو پیدا کرنے اور اختراع کرنے اور تکلیف میں صرف فضل کرتا ہے نہ یہ کہ اس پر یہ امور واجب ہوں اور انعام اور اصلاح میں صرف جود فرماتا ہے نہ مسطور سے کہ اس کے ذمہ لازم ہو، پس فضل اور احسان اور نعمت اور منت سب اسی کے لیے سزاوار ہے اس لیے کہ وہ اس بات پر قادر تھا کہ اپنے بندوں پر طرح طرح کے عذاب ڈال دیتا، اور ان کو اقسام مصائب اور آلام میں مبتلا کر دیتا اور یہ امور اس سے عدل کے طور پر ہی ہوتے نہ برے ہوتے نہ ظلم، اور اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو طاعتوں پر اپنے کرم اور وعدہ کے بموجب ثواب عنایت فرماتا ہے، بندے کے استحقاق کی جہت سے اور اپنے اوپر لازم ہونے کے سبب سے نہیں دیتا اس لیے کہ اس پر کسی کے لیے کوئی فعل واجب نہیں اور نہ اس سے ظلم متصور ہو سکے، اور نہ کسی کا اس پر کوئی حق واجب اور اس کا حق طاعتوں میں خلق پر واجب ہے اسی نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے واجب کیا ہے، صرف عقل کی رو سے واجب نہیں کیا بلکہ رسولوں کو بھیجا اور ان کا سچ ظاہر معجزوں سے ثابت کیا تو انہوں نے اس کے حکم اور نہی اور وعدہ اور وعید کو خلق میں پہنچایا اس لیے خلق پر رسولوں کو سچا جاننا اور جو احکام وہ لائے ہیں ان کا ماننا واجب ہے، اب دوسرے جملہ کے معنی یعنی رسولوں کی گواہی دینے کو سنو کہ یہ اعتقاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی امی قریشی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب اور عجم اور جن اور انسانوں کی طرف رسول کر کے بھیجا اور ان کی

شریعت سے تمام شریعتوں سے منسوخ کیا بجز ان کے جن کو ان میں سے برقرار رکھا اور آپؐ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اور آپؐ کو آدمیوں کا سردار بنایا اور لا الٰہ الا اللہ کی توحید پر گواہی دینے کو ایمان کامل نہیں مانا جب تک کہ اس میں رسولؐ کی شہادت یعنی محمد رسول اللہ نہ ملایا جاوے اور جس بات کی خبر آپؐ نے دنیا و آخرت کے امور میں سے دی ہے خلق پر لازم کر دیا کہ آپ کو اس میں سچا جانیں اور کسی بندے کا ایمان قبول نہیں فرمایا جب تک کہ وہ مرنے کے بعد کے حالات پر جن کی خبر آپؐ نے دی ہے، ایمان نہ لاوے، ان حالات میں سے اول منکر اور نکیر کا سوال ہے، یہ دونوں وہ شخص ہولناک مہیب صورت ہیں کہ بندے کو قبر میں روح اور جسم کے ساتھ سیدھا بٹھا لیتے ہیں، اور اس سے توحید اور رسالت کا حال دریافت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے اور وہ دونوں قبر کے امتحان لینے والے ہیں اور کرنے کے بعد اول آزمائش ان کا سوال ہوتا ہے، اور قبر کے عذاب[۲] پر ایمان لاوے کہ وہ بے شک ہے اور حکمت اور عدل کے ساتھ روح اور جسم دونوں پر جس طرح خدائے تعالیٰ کی مرضی ہوگی ہوگا اور میزان[۳] پر ایمان لانا چاہیئے کہ اس کے دو پلے اور ایک زبانہ بیچ میں پکڑ کر اٹھانے کا ہوگا، اور اس کے پلے اتنے بڑے ہوں گے جتنے آسمان و زمین کے طبقات ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اعمال تولے جائیں گے اور باٹ اس روز ذرہ اور رائی بھر کے ہوں گے تاکہ عدل خوب کامل ہو اور نیکیوں[۴] کے صحیفے اچھی صورت میں نور کے پلے میں ڈالے جاویں گے اور جس قدر ان نیکیوں کے درجے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہوں گے اسی قدر ان سے ترازو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بھاری ہوگی اور بدیوں کے صحیفے بری صورت میں اندھیرے پلے میں ڈالے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کے باعث ترازو ان سے ہلکی ہو جاوے گی اور پل صراط پر ایمان لانا چاہیئے کہ دوزخ کی پشت پر ایک پل تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک بنا ہوا ہے جس پر سب کا گذر ہوگا، خدائے تعالیٰ کے حکم سے کافروں کے پاؤں اس پر پھسل جائیں گے اور دوزخ میں گر جاویں گے، اور ایمان والوں کے پاؤں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس پر جمیں گے اور وہ دار القرار کو پہنچا دیے جاویں گے، اور حوض[۵] پر ایمان لانا چاہیئے جس پر ایمانداروں کا گزر ہوگا، یہ حوض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، مومن اس کا پانی جنت میں داخل ہونے سے پیشتر اور پل صراط سے گذرنے کے بعد پیویں گے، جو کوئی اس میں سے ایک گھونٹ پانی پیوے گا وہ بعد کو کبھی پیاسا نہ ہوگا، اس کا عرض ایک مہینہ کی راہ ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اس کے گرد آبخورے بموجب شمار آسمان کے تاروں کے ہیں، اور اس میں دو پرنالے جنت کے چشمہ کوثر سے گرتے ہیں اور حساب[۶] پر ایمان لانا چاہیئے کہ لوگ حساب کے باب میں مختلف ہوں گے، بعضوں سے تو حساب میں باریکی کی جاوے گی، بعضوں سے چشم پوشی، اور کچھ ایسے ہوں گے کہ وہ بے حساب

---

[۱] ترمذی و ابن حبان بروایت ابی ہریرہ رضؓ ۱۲ [۲] احمد و ابن حبان بروایت ابن عمر رضؓ ۱۲ [۳] اس کی سند نہیں ملی ۱۲ [۴] بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضؓ ۱۲
[۵] بیہقی بروایت عمر رضؓ ۱۲ [۶] بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رضؓ ۱۲ [۷] مسلم بروایت انس رضؓ ۱۲

جنت میں داخل ہوں گے اور وہ لوگ مقرب اللہ تعالیٰ کے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ[ع۲] نبیوں میں جس سے چاہے گا سوال کرے گا کہ تم نے مضمون رسالت کا پہنچا دیا، اور کافروں میں سے جس سے چاہے گا رسولوں کو جھٹلانے کی باز پرس کرے گا۔ اور[ع۲] بدعتیوں سے سنت کا حال اور مسلمانوں سے اعمال کا سوال کرے گا، اور یہ[ع۳] ایمان لانا چاہیئے کہ اہل توحید سزا کے بعد دوزخ سے نکلیں گے، یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے جہنم میں کوئی موحد نہ رہے گا، اس سے معلوم کہ موحد ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا، اور[ع۴] شفاعت پر ایمان لانا چاہیئے کہ اول انبیاء کریں گے، پھر علماء، پھر شہداء پھر اور سب مسلمان اور ہر ایک کی جتنی عزت اور منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوگی، اسی قدر اس کی سفارش منظور ہوگی، اور جو ایماندار ایسے رہیں گے کہ ان کی سفارش کسی نے نہ کی ہوگی ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دوزخ سے نکالے گا، پس دوزخ میں کوئی ایماندار ہمیشہ نہ رہے گا بلکہ جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا وہ بھی اس میں سے باہر ہوگا اور یہ اعتقاد کرے کہ صحابہؓ افضل ہیں اور ان کی ترتیب افضلیت[ع۵] میں اس طرح ہے کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب لوگوں میں افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کے بعد حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ ہیں، اور صحابہؓ سے اچھا گمان رکھے اور ان کی تعریف فرمائی ہے اور یہ سب امور ایسے ہیں کہ احادیث[ع۶] میں مذکور ہیں اور آثار ان پر شاہد پس جو شخص ان امور پر یقین سے معتقد ہوگا وہ اہل حق اور سنت جماعت والوں میں ہوگا، اور گمراہی اور بدعت والوں کی جماعت سے علیحدہ رہے گا، ہم اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے واسطے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ کمال یقین عنایت فرمادے اور دین پر اپنی رحمت کا سے ثابت رکھے کہ وہ ارحم الراحمین ہے وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

دوسری فصل، دعوت وارشاد میں تدریجی مراحل اور اعتقادات میں درجہ بندی کی وجہ

جاننا چاہیئے کہ جو کچھ ہم نے فصل اول میں لکھا ہے وہ لڑکوں کو ابتدائے سن تمیز میں سکھانا چاہیئے تاکہ اس کو یاد کرلیں، پھر بڑا ہونے پر ان کو اس کے معنی تھوڑے تھوڑے کھلتے جاویں، غرض کہ لڑکوں کی ابتدا تو یاد کرلینا ہے، پھر سمجھنا پھر اعتقاد اور یقین اور اس کا تصدیق کرنا، اور یہ بات لڑکوں میں بدوں دلیل کے آجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل انسان کے دل پر ہے کہ ابتدا و بڑھنے میں اس کو ایمان کی طرف بلا حجت اور برہان کے کھول دیا ہے اور اس کا انکار نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ سب عوام کے عقیدوں کا آغاز صرف تلقین اور تعلیم محض ہے۔ ہاں جو اعتقاد کہ صرف تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہ ابتدا میں کسی قدر ضعف سے خالی نہیں ہوتا یعنی اگر اس کے دل میں اعتقاد مذکور کا خلاف ڈال دیا جاوے تو اعتقاد سابق دور ہوسکتا ہے، اس لیے اس اعتقاد کو لڑکوں کے اور عامی کے دل میں خوب تقویت کردینی چاہیئے تاکہ پختہ ہوجاوے اور جنبش نہ کرے اور اعتقاد کی تقویت کا طریق یہ نہیں کہ فن جدل[ع۱] اور کلام کو جان لے بلکہ

ع[۱] بخاری و مسلم بروایت عبد اللہ بن عمرؓ ۱۲ ع[۲] مسلم بروایت ثوبانؓ ۱۲ ع[۳] بیہقی بروایت عمرؓ ۱۲ ع[۴] بخاری بروایت ابوسعیدؓ ۱۲ ع[۵] ابن ماجہ بروایت عائشہؓ ۱۲ ع[۶] بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲ ع[۷] ابن ماجہ بروایت عثمانؓ بن عفانؓ ۱۲ ع[۸] بخاری بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ع[۹] ترمذی بروایت عبد اللہ بن مغفل ۱۲

اس کی راہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی تفسیر اور حدیث پڑھنے اور اس کے معانی سمجھنے میں مشغول ہو اور عبادت روزمرہ کی بجا آوری میں لگے، تو اس تدبیر سے جو کچھ قرآن مجید کی دلیلیں اور حجتیں اس کے کان میں پہنچیں گی اور حدیث[۵] میں ان کے شاہد دیکھے گا اور عبادات کے انوار سے منور ہو گا، اور نیک بختوں کے مشاہدے اور ان کی ہم نشینی سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی فروتنی اور مسکنت اور اس کے ڈرنے کو دیکھے گا تو یہ سب امور اس بات کے باعث ہوں گے کہ اس کا اعتقاد روز بروز مضبوط ہوتا جاوے، پس اول لڑکپن میں ان عقیدوں کا سکھلا دینا بمنزلہ سینے میں بیج ڈالنے کے ہے اور یہ لوازم اس کے لیے مثل پانی دینے اور تولانے کے ہیں تاکہ پیڑ بڑھ کر زور پکڑ جاوے اور ایک شجرہ طیبہ ہو، جس کی جڑ جمی رہے اور شاخ آسمان میں پہنچے، اور چاہیئے کہ لڑکوں کے کان جدل اور کلام سے نہایت درجہ کو بچائے جاویں اس لیے کہ جھگڑے سے اتنی بات دل میں بیٹھتی نہیں جتنی اکھڑ جاتی ہے اس سے بناؤ کم ہے اور بگاڑ زیادہ بلکہ لڑکوں کے عقیدوں کو جدل سے تقویت کرنے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی ہتھوڑا لے کر درخت کی جڑ میں مارا کرے کہ میری غرض یہ ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہو اور موٹائی پکڑ لے، حالانکہ ہتھوڑا بعید نہیں کہ اجزاء کو متفرق کر کے درخت کو بگاڑ دے اور اکثر یونہی ہوتا ہے، اس کے سوا مشاہدے کے سامنے کچھ بیان کی ضرورت نہیں مصرع: شنیدہ کے بود مانند دیدہ،
جو لوگ کہ عوام میں سے نیک بخت اور پرہیزگار ہیں، ان کے عقیدوں کو کلام والوں اور جدل کے ماہروں کے عقائد سے مقابلہ کر دیکھو، معلوم ہوگا کہ عوام کے عقیدے تو اونچے پہاڑ کی طرح جمے ہوئے ہیں کہ کسی آفت اور بجلی سے نہیں ہل سکتے، اور کلام والے جو اپنے عقیدوں کی حفاظت فن جدل سے کرتے رہتے ہیں، ان کے عقیدے ایسے ہوں گے جیسے کوئی روڑا ہوا میں لٹکا دیا جاوے کہ ہوا سے کبھی تو وہ ادھر جھک جاتا ہے کبھی ادھر جھک جاتا ہے، کیونکہ جو کوئی ان میں سے اعتقاد کی دلیل سنتا ہے، اس کو تقلید کی راہ سے مانتا ہے جیسے خود اعتقاد کو تقلید کے طور پر حاصل کرتا ہے یعنی دلیل کے سیکھنے اور مدلول کے سیکھنے میں کچھ فرق نہیں، دونوں میں تقلید ہوتی ہے تو دلیل کا سیکھنا اور بات ہے اور نظر کا مستقل ہونا اور چیز ہے جو اس سے بہت دور ہے پھر لڑکے کے ابھار اگر اس عقیدے پر ہو تو اگر وہ دنیا کمانے میں مشغول ہو جاوے گا، تب اس کو سوائے اس عقیدے کے اور کچھ واضح نہ ہو گا، مگر اہل حق کا سا اعتقاد رکھنے کی جہت سے آخرت میں سلامت رہے گا، اس لیے کہ شرع نے عرب کے اجلاف کو اتنا ہی حکم دیا ہے کہ ظاہر عقیدے کے بموجب اپنی تصدیق پکی کر لیں اور بحث تفتیش اور دلیلوں کو تکلف بنانے کا حکم ہرگز نہیں کیا اور اگر شخص مذکور طریق آخرت کے چلنے والوں میں سے ہونا چاہے گا، اور توفیق اس کی رفیق ہو گی، یہاں تک کہ عمل میں مشغول ہو کر تقویٰ کے پیچھے پڑے گا اور نفس کو خواہش سے باز رکھ کر ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گا تو اس کے لیئے ہدایت کے دروازے کھل جاویں گے اور ایک نور الٰہی سے جو مجاہدہ کے سبب اس کے دل میں پڑے گا، ان

---

۵ فی الاصل اور حدیثوں میں سے جو حدیثوں کے شواہد و فوائد اس پر وارد ہوں گے ۱۲

عقیدوں کی حقیقتیں واضح ہو جاویں گی، کیونکہ مجاہدہ سے اس نور کے دل میں ڈالنے کا خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے والذین فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین اور یہ نور ایک جوہر نفیس ہے کہ صدیقوں اور مقربوں کے ایمان کی غایت وہی ہے جو راز کہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے دل میں ڈالا گیا اور اس کی جہت سے آپ تمام خلق سے افضل ہوتے، وہ بھی اسی نور کی طرف اشارہ ہے اور اس راز کے کھلنے بلکہ سب اسرار کے معلوم ہونے کے بہت سے درجات ہیں، جتنا کوئی مجاہدہ کرے گا اور اپنے باطن کو جس قدر صاف اور غیر اللہ سے پاک رکھے گا اور نورِ یقین سے روشنی حاصل کرے گا، اسی قدر اسرار بھی کھلیں گے اور اس کو سمجھنا چاہیئے جیسے طب اور فقہ اور دوسرے علوم کے اسرار کو لوگ موافق اپنی محنت کے اور بقدر اپنی ذکا اور دانائی سرشتی کے مختلف ہوا کرتے ہیں، تو جس طرح پر یہ درجات علم کے بے انتہا ہیں، اسی طرح درجاتِ اسرار بھی غیر منحصر ہیں۔ مسئلہ جدل اور کلام سیکھنا نجوم کی طرح بُرا ہے یا مباح خواہ مستحب ہے، جواب اس مسئلے میں دونوں طرفوں کو بہت سا مبالغہ اور اسراف ہے یعنی بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا سیکھنا بدعت اور حرام ہے، اور بندہ شرک کے سوا کوئی سا گناہ کر کے مرے، اس سے بہتر ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے علم کلام کے ساتھ جاوے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا سیکھنا واجب اور فرض کفایہ یا فرض عین ہے، اور یہ سب اعمال سے بہتر اور ثواب کی چیزوں میں عمدہ ہے، اس لیے کہ اس کا سیکھنا، علم توحید کا تحقیق کرنا اور خدائے تعالیٰ کے دین کی طرف سے لڑنا ہے۔ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور احمدؒ اور سفیان ثوری اور سب اہل حدیث سلف کے اس کی حرمت کے قائل ہیں، ابو عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ جس روز امام شافعیؒ نے حفص فرد سے مناظرہ کیا تھا جو کہ معتزلہ میں سے علم کلام کا ماہر تھا، میں نے سُنا کہ امام صاحب فرماتے تھے کہ اگر بندہ شرک کے سوا ہر ایک گناہ کے ساتھ خدائے تعالیٰ سے ملے، اس سے بہتر ہے کہ کچھ بھی علم کلام کے ساتھ اس کے سامنے جاوے، اور میں نے حفص کی بھی ایک روایت سُنی جس کو میں نقل نہیں کر سکتا، اور یہ بھی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اہل کلام کی ایک ایسی بات پر مطلع ہوا ہوں کہ مجھ کو کبھی اس کا گمان نہ تھا، اور اگر بندہ خدا تعالیٰ کے تمام منہیات میں سوائے شرک کے مبتلا ہو اس کے حق میں اس سے بہتر ہے کہ علم کلام میں نظر کرے۔ اور کرابیسی روایت کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے کسی نے کوئی مسئلہ علم کلام کا پوچھا تو آپ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ اس کا حال حفص فرد اور اس کے ساتھیوں سے پوچھنا چاہیئے، خدائے تعالیٰ ان کو رسوا کرے، اور جب امام شافعیؒ بیمار ہوئے تو حفص فرد ان کے پاس گیا، آپ نے پوچھا کہ کون ہے، اس نے کہا، میں ہوں، حفص فرد، آپ نے فرمایا کہ خدا تیری حفاظت اور نگہبانی نہ کرے، یہاں تک کہ جس امر میں تو مبتلا ہے اس سے توبہ نہ کرلے۔ اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمیوں کو معلوم ہو جاوے کہ علم کلام میں کتنی بدعتیں ہیں تو اس سے ایسا بھاگیں جیسے شیر سے بھاگتے ہیں، اور فرمایا کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سُنو کہ اسم خواہ مسمی ہے یا مسمی غیر کا ہے تو جان لو کہ وہ کلام والوں میں سے ہے اور اس کا کوئی دین نہیں، زعفرانی کہتے ہیں کہ

ؔ اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے، ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور بے شک اللہ ساتھ نیکی کرنے والوں کے ۱۲

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اہلِ کلام کے باب میں میری تجویز یہ ہے کہ ان کے بیتیں لگوا کر تمام قبیلوں میں پھرایا جاوے اور منادی کی جاوے کہ یہ سزا ہے اس کی جو کتاب اللہ اور حدیث کو چھوڑ کر علمِ کلام میں مشغول ہو، اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ کلام کو فلاح کبھی نہ ہوگی، اور جو شخص کلام کو دیکھے اس کو ایسا کم پاؤ گے کہ اس کے دل میں نقصان نہ ہو، اور کلام کی برائی میں آپ نے یہاں تک مبالغہ کیا کہ حارث محاسبی سے باوجود ان کے زہد اور پرہیز گاری کے ملنا چھوڑ دیا، اس جہت سے کہ انہوں نے ایک کتاب بدعتیوں کی رد میں لکھی تھی، اور فرمایا کہ کم بخت پہلے تو توان کی بدعت نقل کرتا ہے تب اس کا جواب لکھتا ہے، تو گویا لوگوں کو اپنی تصنیف سے رغبت دلاتا ہے کہ بدعت کو دیکھیں اور ان شبہوں کا مطالعہ کریں، پھر یہی امران کو رائے اور بحث کا موجب ہو جاوے، اور یہ بھی امام احمدؒ کا قول ہے کہ علمائے کلام بد دین ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بھلا اگر کلام والے کے مقابل ایسا شخص آدے جو اس سے زیادہ لڑاک ہو تو ہر روز ایک نیا دین اپنے لیے ایجاد کیا کرے گا، اس سے یہ غرض ہے کہ لڑنے والوں کے کلام ایک دوسرے کی ضد ہوا کرتے ہیں، تو جو غالب ہوگا، دوسرے کو اسی کی رائے اختیار کرنی پڑے گی، اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ بدعت اور ہوا والوں کی گواہی درست نہیں، اور بعض آپ کے شاگرد کہتے ہیں کہ اہل ہوا سے آپ کی غرض اہل کلام ہیں خواہ کسی مذہب پر ہوں، اور امام یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص علم کی طلب کلام سے کرتا ہے، وہ بد دین ہو جاتا ہے، اور حسنؒ کا ارشاد ہے کہ اہل ہوا سے نہ جدل کرو اور نہ ان کے پاس بیٹھو اور نہ ان کا قول سنو اور سلف کے سب اہلِ حدیث کا کلام کی برائی پر اتفاق ہے، اور جتنی تاکیدیں شدید انہوں نے اسباب میں فرمائی ہیں وہ خارج از حد شمار ہیں اور کہا ہے کہ صحابہؓ نے جو باوجود حقائق کے زیادہ واقف ہونے اور دوسروں کی نسبت کر الفاظ کی ترتیب میں فصیح تر ہونے کے کلام سے سکوت کیا، اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ جو کچھ خرابی اس سے پیدا ہوتی ہے، اس سے واقف تھے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا[1] ھلک المتنطعون ؕ یعنی ہلاک ہوئے وہ لوگ کہ بحث اور کلام میں زیادہ خوض کرتے ہیں اور اہل حدیث یہ حجت بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر علم کلام دین سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا امر ضروری فرما دیتے اور اس کا طریق سکھلا دیتے اور اس کے عالموں کی تعریف کر دیتے کیونکہ صحابہؓ کو استنجا تک تو تعلیم[2] فرمایا اور فرائض کے یاد کرنے کا ارشاد کیا اور ان کی تعریف کی اور تقدیر میں کلام کرنے کو منع فرمایا اور یہ ارشاد[3] کیا کہ تقدیر کے باب میں خاموش رہو، اور اسی پر صحابہؓ بھی جمے رہے، پس استاد پر زیادتی کرنی سرکشی اور ظلم ہے اور صحابہؓ ظاہر ہے کہ پیشوا اور استاد ہیں اور ہم پیرو اور شاگرد ہیں[4] اور دوسرا فرقہ جو علم کلام کو اچھا جانتے ہیں، وہ یوں دلیل کرتے ہیں کہ اگر علم کلام میں یہ خرابی ہے کہ اس میں جوہر اور عرض اور دوسری اصطلاحیں نادر جو صحابہؓ کے عہد میں نہ تھیں، موجود ہیں تب تو کچھ سہل بات ہے اس لیے کہ ہر ایک علم میں اس کے سمجھانے کے لیے اصطلاحیں نئی نئی ہیں مثلاً حدیث اور تفسیر اور فقہ میں بہت اصطلاحیں اس قسم کی ہیں کہ اگر ان کو صحابہؓ پر پیش کرتے

---

[1] مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [2] مسلم بروایت سلمان فارسیؓ ۱۲ [3] ابن ماجہ بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲ [4] باب العلم میں گذر چکی ہے ۱۲

تو وہ ان کو نہ سمجھتے جیسے قیاس کی اصطلاحیں نقض اور کسر اور تعدید اور فساد وضع ہیں، غرض کہ الفاظ کا بنانا مقصود صحیح پر دلالت کرنے کے لیے ایسا ہے جیسا ایک نئی صورت کا برتن بنا کر مباح چیز میں استعمال کریں، اس میں کچھ خرابی نہیں، اور اگر علم کلام میں خرابی لفظ کے اعتبار سے نہیں اور معنوں کے اعتبار سے ہے تو ہماری غرض اس سے صرف یہ ہے کہ عالم کے حادث ہونے کی اور خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات کی دلیل پہچانیں جس طرح پر کہ وہ شرع میں ثابت ہوں، پس خدائے تعالیٰ کو دلیل کے ساتھ پہچاننا حرام کہاں سے ہوا، اور اگر علم کلام میں یہ خرابی ہے کہ اس کا انجام شور وشغب اور تعصب اور عداوت اور کینہ ہے تو یہ بے شک حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے، جیسے کہ علم حدیث اور تفسیر اور فقہ کے جاننے سے بعض لوگوں کو کبر اور عجب اور نمود اور طلب ریاست ہو جاتی ہے کہ ان کی بھی حرمت میں کچھ شک نہیں اور ان سے احتراز کرنا واجب مگر علم سے منع نہ کرنا چاہیئے اس خیال سے کہ انجام کو یہ خرابی اس سے ہو گی، اور دلیل کا ذکر کرنا اور اس کا طلب کرنا اور اس کے حال سے بحث کرنی ممنوع کیسے ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ اور فرمایا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا [۱] اور فرمایا ان عندکم من سلطان الم تر الی الذی حاج ابرٰھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک اور فرمایا قل فللہ الحجۃ البالغۃ یعنی اس کی کچھ حجت اور برہان بھی ہے اور فرمایا ولو جئتک بشئ مبین اور فرمایا قل فللہ الحجۃ البالغۃ یہاں تک کہ فرمایا فبھت الذی کفر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا حجت کرنا اور جدل کرنا اور دشمن کو ساکت کر دینا تعریف کے طور پر ارشاد فرمایا اور فرمایا وتلک حجتنا اٰتینٰھا ابرٰھیم علی قومہ اور فرمایا۔ قالوا ینوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا فرعون کے قصہ میں ارشاد فرمایا وما رب العلمین غرض یہ کہ قرآن مجید اول سے آخر تک کفار کے ساتھ حجتیں ہیں، چنانچہ عمدہ دلیل متکلموں کی توحید میں یہ آیت ہے لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ

---

[۱] کہ لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو ۱۲ [۲] تا مرے جو مرتا ہے دلیل سے اور جیوے جو جیتا ہے دلیل سے ۱۲ [۳] تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ ہمارے آگے نکالو ۱۲ [۴] کچھ سند نہیں تمہارے پاس اس کی ۱۲ [۵] تو کہہ بس اللہ کا الزام پورا ہے ۱۲ [۶] تو نے دیکھا وہ شخص جو جھگڑا ابراہیمؑ سے اس کے رب پر واسطہ یہ کہ اس کو دی تھی اللہ نے سلطنت جب کہا ابراہیمؑ نے میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے بولا میں مارتا اور جلاتا ہوں کہا ابراہیمؑ نے اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو لے آ اس کو مغرب سے پس حیران رہ گیا وہ منکر ۱۲ [۷] اور ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی حجت اس کو اس کی قوم کے مقابل ۱۲ [۸] بولے اے نوح تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑ چکا ۱۲ [۹] یعنی فرعون نے کہا کہ کیا ہے جہان کا مالک موسیٰؑ نے کہا زمین و آسمان کا اور جو ان کے بیچ میں ہے اگر تم یقین کرو، فرعون نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے کہا کہ تم نہیں سنتے ہو، موسیٰؑ نے کہا کہ مالک تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا، بولا کہ تمہارا پیغام والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے باؤلا ہے، موسیٰؑ نے کہا کہ مالک مشرق اور مغرب کا اور جو ان کے بیچ میں ہے اگر تم بوجھ رکھتے ہو، بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو قید میں، کہا اور جو لایا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھولنے والی ۱۲ [۱۰] اگر ہوتے آسمان و زمین میں چند حاکم سوائے خدا کے تو دونوں خراب ہو جاتے ۱۲

لفسد تا اور نبوت کے باب میں یہ آیت ہے ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ اور محشر میں اٹھنے کے باب میں یہ آیت ہے قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ اور سوا اس کے اور آیتیں اور دلیلیں ہیں اور ہمیشہ سب رسول صلوات اللہ علیہم منکروں سے لڑتے اور جھگڑتے اور جدال و حجت کرتے آتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجادلھم بالتی ھی احسن ۵ اور صحابہؓ بھی منکروں سے حجت اور جدال کیا کرتے تھے مگر حاجت کے وقت کرتے تھے اور ان کے وقت میں حاجت کم تھی اور سب سے اول بدعتیوں سے حضرت علی رضؓ نے مجادلہ کا ڈھنگ ڈالا کہ حضرت ابن عباسؓ کو خارجیوں سے بحث کرنے کو بھیجا اور انہوں نے اس سے یہ تقریر کی کہ تم اپنے امام کی عقوبت کے خراہاں کیوں ہو، انہوں نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ اس نے قتال کیا اور قیدی اور غنیمت ہم کو نہیں دی، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ امر کفار کی لڑائی میں ہوتا ہے، بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر حضرت عائشہ رضؓ جمل کے روز کی لڑائی میں قید ہو جاتیں اور وہ تم سے کسی کے حصے میں پڑتیں تو کیا تم ان سے وہی معاملہ برتتے جو اپنی لونڈیوں سے کرتے ہو، حالانکہ وہ نص قرآنی کی رو سے تمہاری ماں ہیں خارجیوں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کبھی نہ ہوتا، غرض کہ اس مجادلے سے دو ہزار آدمی آپ کی اطاعت میں آ گئے۔ اور مروی ہے کہ حضرت حسنؓ نے ایک شخص تقدیر کے منکر سے مناظرہ کیا اور وہ اپنے مذہب سے تائب ہوا، اور حضرت علیؓ نے ایک قدریہ سے مناظرہ کیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یزید بن عمیرہ سے ایمان کے بارے میں مناظرہ کیا اور اس میں یہ فرمایا کہ اگر تم یہ کہو کہ میں ایماندار ہوں تو یہ ضرور ہے کہ کہو میں جنت میں جاؤں گا، یزید بن عمیرہ نے کہا کہ اے صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کی خطا ہے، ایمان تو اسی کا نام ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے اور وزن اعمال پر ایمان لاویں، اور نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کو بجا لاویں کچھ گناہ ہیں، اگر ہم کو یقین ہے کہ وہ بخش دیے جائیں گے تب البتہ کہیں گے کہ ہم اہل جنت میں سے ہیں اور انہی گناہوں کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ایماندار ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ اہل جنت میں سے ہیں، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ واقع میں تم نے درست کہا، بخدا مجھ سے خطا ہوئی۔ اب رہا یہ کہ صحابہؓ اس میں خوض کم کرتے تھے، بہت مصروف نہ ہوتے تھے اور تھوڑی تقریر کرتے تھے، زیادہ نہ ہوتی تھی، اور وہ بھی حاجت کے وقت، نہ تصنیف و تدریس کرتے تھے اس کو کوئی فن نہیں مقرر کیا تھا تو اس کے لیے ہم کہیں گے کہ صحابہؓ کا اس میں کمتر مصروف ہونا تو اس وجہ سے تھا کہ حاجت کم تھی کیونکہ اس زمانہ میں بدعت کم ظاہر ہوتی تھی اور تقریر کے مختصر ہونے کی یہ وجہ تھی کہ تقریر طرف ثانی کے ساکت کرنے اور اس کے قائل ہونے اور شبہہ کے دور ہونے اور امر حق کے واضح ہونے کے لیے ہوا کرتی ہے، پس اگر طرف ثانی کا اعتراض یا اس کا امر زیادہ ہوگا تو ضرور ہے کہ اس کا الزام بھی لمبا چوڑا ہوگا۔ صحابہؓ بعد تقریر کے شروع فرمانے کے کسی ترازو یا پیمانہ سے اس کی مقدار کم نہیں کرتے تھے کہ اس سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور تدریس اور تصنیف کے جو درپے نہ ہوئے تو اپنی عادت

ٹ اور اگر تم ہو شک میں اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر، تو لے آؤ ایک سورت اس قسم کی ۱۲ ٹ تو کہہ ان کو جلائے گا جس نے بنایا اس کو پہلی بار ۱۲ ٹ اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو ۱۲

کی جہت سے نہ ہوئے، چنانچہ فقہ اور تفسیر اور حدیث میں بھی تدریس اور تصنیف نہیں فرمائی، تو اگر فقہ میں تصنیف کرنا اور نادر صورتوں کا بنانا جو کمتر واقع ہوں، درست ہے بایں لحاظ کہ اگر اس طرح کی صورت ہو جاوے تو مسئلہ کام آوے یا صرف جودت طبع اور تیزی ذہن طالبوں کو منظور ہو تو ہم بھی مجادلہ کے طریقوں کو بہمیں لحاظ ترتیب دیتے ہیں کہ شاید شبہہ کے ابھرنے اور بدعتی کے جوش وخروش کرنے کے وقت کار آمد ہوں یا ذہن طالب علموں کا تیز ہو جاوے کہ وقت پر فوراً ایسے تامل جواب دے سکیں رُک نہ رہیں، جیسے لڑائی کے لیے ہتھیار بنایا کرتے ہیں کہ موقعہ سے پہلے بیکار ہوتے ہیں مگر وقت پر کام آتے ہیں، یہ دونوں طرف کی تقریریں ہیں اور ہمارے نزدیک اگر مختار اور تحقیق پوچھو تو یہ ہے کہ ہر حال میں مطلق کلام کو بُرا کہنا یا ہر حال میں اس کی تعریف کرنی دونوں بے جا ہیں، بلکہ اسباب میں تفصیل ہونی چاہیے، اس کے لیے اول یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حرمت دو قسم ہے، ایک وہ کہ کوئی چیز اپنی ذات سے حرام ہو جیسے شراب اور مردار ہے اور اپنی ذات سے حرام ہونے سے ہماری یہ غرض ہے کہ اس کے حرام ہونے کی علت خود اس کے اندر کوئی وصف ہو، جیسے شراب میں نشہ کرنا، اور مردار میں موت ہے، پس اس طرح کی چیز کو جب ہم سے کوئی پوچھے گا تو ہم یہی کہیں گے کہ مطلقاً حرام ہے، اس کا دھیان نہ کریں گے کہ اضطرار کے وقت مردار مباح ہے یا گلے میں ٹکڑا اٹک جاوے اور اس کے اترنے کے لیے سوائے شراب کے اور کوئی چیز بہنے والی نہ ہو تو شراب اس غرض کے لیے مباح ہے اور ایک وہ ہے کہ غیر کی جہت سے حرام ہو جیسے کوئی مسلمان بیع کر چکا اس پر خیار کے وقت میں بیع کرنی یا اذان جمعہ کے وقت بیع کرنی یا مٹی کا کھانا کہ ان کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ ان میں ضرر ہے اور جو چیز ایسی ہو، اس کی دو نوع ہیں، ایک تو وہ کہ اس کی تھوڑی اور بہت دونوں مضر ہوں تو اس کو بھی مطلق ہی کہا جاوے گا کہ حرام ہے جیسے مثلاً زہر ہے کہ تھوڑا اور بہت اس میں سے قاتل ہے اور ایک نوع وہ ہے کہ کثرت کے وقت مضر ہوتی ہے جیسے شہد ہے کہ اگر گرم مزاج والا کثرت سے کھاوے تو مضر ہے یا جیسے مٹی کا کھانا کہ اس کی کثرت مضر ہے تو ایسی چیز پر مباح ہونے کا اطلاق کیا جاوے گا، غرض کہ شراب پر حرمت کا اطلاق اور شہد پر حلت کا بولنا باعتبار غالب احوال کے ہے پس اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ جس میں حالات ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو اس کے حکم میں بہتر اور التباس سے دور تر یہ ہے کہ تفصیل وار بیان کیا جاوے، اب ہم علم کلام کو جو دیکھتے میں تو اس میں نفع بھی پاتے ہیں اور ضرر بھی اس لیے کہتے ہیں کہ علم کلام اپنے نفع کے اعتبار سے نفع کے توقع میں حلال ہے یا مستحب یا واجب جس طرح کا حال مقتضی ہو، اور اپنے ضرر کے رو سے ضرر کے محل میں حرام ہے، ضرر علم کلام کا یہ ہے کہ شبہوں کو ابھارتا ہے اور عقیدوں کو ہلا کر یقین اور پختگی سے ان کو دور کر دیتا ہے، یہ بات علم کلام کے شروع میں ہو جاتی ہے اور دلیل سے پھر پختگی پھر آنے میں شک ہے اس باب میں لوگ مختلف ہوتے ہیں، کوئی دلیل کے بعد درست ہو جاتے ہیں بعضے درست نہیں ہوتے یہ ضرر تو اس کا امر حق کے اعتقاد میں ہے اور ایک ضرر اس میں اور ہے کہ بدعتیوں کا اعتقاد بدعت پر جم جاتا ہے اور دلوں میں ایسی طرح ٹھہرتا ہے کہ اس کے لوازم ظہور میں آتے ہیں اور اسی پر اصرار کے زیادہ حریص ہو جاتے ہیں مگر یہ ضرر اسی تعصب کی وجہ سے ہوتا ہے جو جدل کے باعث ہیجان میں آتا ہے اور اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ عامی بدعتی کا اعتقاد نرمی سے بہت جلد زائل ہو سکتا ہے جس صورت میں کہ اس کا نشو ونما ایسے شہر میں ہو،

جس میں جدل و تعصب ہو تب تو اگر اگلے پچھلے سب اس پر متفق ہو کر آویں تب بھی اس کے سینے سے بدعت نہ نکال سکیں گے، بلکہ خواہش نفس اور تعصب اور بعض جدل کرنے والوں اور فرقہ مخالف کی خصومت اس کے دل پر ایسی غالب ہوتی ہے کہ حق بات کے ادراک سے اس کو باز رکھتی، یہاں تک کہ اگر اس سے کہا جاوے کہ تم کو یہ منظور ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے سے پردہ دور کر دے تو تم آنکھوں سے دیکھ لو کہ امر حق طرفِ ثانی کی طرف ہے تو وہ اس امر کو اس نظر سے برا جانے گا کہ اس سے طرفِ ثانی کو خوشی ہوگی اور یہ بڑا روگ اور مرض ہے جو شہروں اور بندوں میں پھیل گیا ہے اور یہ ایک قسم کا فساد ہے جس کو جدل کرنے والوں نے تعصب کی جہت سے برپا کیا ہے پس یہ تو علم کلام کا ضرر ہے اور فائدہ اس علم کا یہی گمان میں آتا ہے کہ حقیقتوں کا منکشف ہونا اور ان کی ماہیت اصلی کا پہچاننا ہے لیکن واقعی یہ ہے کہ کلام میں یہ مطلب شرک نہیں، غالباً کشف حقیقت اور معرفت ماہیت کی نسبت کر خبط میں ڈالنا اور گمراہی زیادہ ہوتی ہے اور اس بات کو اگر تمہارے سامنے کوئی محدث یا کٹھ ملا کہے گا تب تم اپنے دل میں یہ کہو گے کہ چونکہ یہ علم سے ناواقف ہیں اور آدمی جس چیز کو نہیں جانتا اس کا دشمن ہوا کرتا ہے اس لیے برا کہتے ہیں لیکن اس کو ہم سے سنو کہ ہم نے اس علم کا خوب امتحان کیا اور اس کے قصے غایت تک پہنچے اور جو علم اس سے مناسبت رکھتے تھے ان میں بھی خوب مہارت پیدا کی، مگر بعد کو یہی پایا کہ اس علم کے ذریعہ سے معرفت حقائق کی راہ مسدود ہے اور اسی وجہ سے اس علم سے ہم کو نفرت ہوگئی، ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض امور کے انکشاف اور وضوح سے علمِ کلام خالی نہیں، مگر یہ بات بہت کم ہے اور ایسے امور ظاہر میں ترقی ہوتی ہے کہ فنِ کلام میں غور نہ کرنے سے بھی غالباً وہ سمجھ میں آجاویں تو اس نفع کا تو کچھ اعتبار نہیں بلکہ علم کلام کا نفع صرف بات ہے یعنی جس عقیدہ کو ہم نے بیان کیا ہے، اس علم کے ذریعہ سے اس کی حفاظت عوام پر متصور ہے اور بدعتیوں کے شک و شبہہ اور جدل کرنے سے بچاؤ ان کا ہو سکتا ہے، اس لیے کہ عامی آدمی ضعیف ہوتا ہے بدعتی کا جدل اس کو گھیر لیتا ہے، پس وہ بیچارہ کلام کی جہت سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے تو یہ مقابلہ فاسد بات کا فاسد بات سے ہے مگر پھر بھی اس کے اعتراض کو ہٹا رہتا ہے اور آدمیوں کے واسطے وہی عقیدہ عبادت شمار کیا جاتا ہے جس کو ہم لکھ چکے ہیں اس لیے کہ وہ شریعت میں وارد ہے بدین لحاظ کہ اس میں خوبی ان کے دین و دنیا کی ہے اور سلف صالح نے اس پر اجماع کیا ہے اور علماء کے لیے اس کی حفاظت عوام کے حق میں بدعتوں کے دھوکوں سے کرنی داخل عبادت ہے جیسے سلاطین کے واسطے ان کے مالوں کو ظالموں اور عاصیوں کی لوٹ کھسوٹ سے بچانا امر ثواب ہے اور جب اس علم کا فائدہ اور ضرر معلوم ہو چکا تو علما کو چاہیے کہ جیسے طبیب حاذق دوائے پرخطر کو استعمال کرتے ہیں اور بدوں اس کے محل اور حاجت کے استعمال نہیں کرتے، اسی طرح علم کلام کو بھی بوقتِ حاجت اور بقدرِ حاجت استعمال کریں، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ عوام جو اپنے پیشوں اور حرفوں میں مشغول ہیں، ان کو واجب ہے کہ جو عقیدے انہوں نے سیکھے ہیں انہیں پر چھوڑ دیے جاویں بشرطیکہ حق طور پر ہوں جیسے ہم نے لکھے ہیں، اس لیے کہ ایسے لوگوں کو کلام کا سکھانا ان کے حق میں ضرر محض ہے کیونکہ اکثر ان کو شک ابھر کھڑا ہوتا ہے اور اعتقاد جنبش کرتا جاتا ہے اور بعد کو اس کا برپا رہنا اصلاح سے ممکن نہیں ہوتا اور جو عامی کہ معتقد بدعت کا ہو، اس کو امر حق کی طرف نرمی کے طور پر کلام لطیف سے بلانا چاہیے اور ایسی گفتگو اس

کے آگے کرنی چاہیے جس سے نفس کو قناعت اور دل میں تاثیر ہو، اور دلائل قرآن مجید اور حدیث کے ڈھنگ کے قریب ہو اور کسی قدر اس میں نصیحت اور تخویف بھی ملی ہوئی ہو، تعصب کی راہ سے سمجھانا نہ چاہیے کیونکہ اس کے حق میں جدل کی نسبت کر نرمی اور نصیحت ہی زیادہ کارآمد ہے اس لیے کہ عامی جب متکلموں کی شرط کے بموجب جدل سنے گا تو اس کو یہ اعتقاد ہوگا کہ یہ ایک فن مناظرہ کا ہے جس کو طرفِ ثانی نے سیکھا ہے تاکہ بتدریج لوگوں کو اپنے اعتقاد کی طرف گھسیٹے اور اگر جواب سے عاجز ہوگا تو فرض کرے گا کہ میرے مذہب والے بھی اس کا دفعیہ کر سکتے ہوں گے پس ایسے آدمی کے ساتھ اور اول کے ساتھ جدل حرام ہے اور اسی طرح اس شخص کے ساتھ کہ شک میں پڑ گیا ہو، اس لیے کہ شک کا دور کرنا نرمی اور وعظ اور ان دلیلوں سے چاہیے جو فہم سے قریب اور مقبول اور کلام کے مشکلات بعید ہوں اور جدل کو غایت درجہ تک پہنچا دینا صرف ایک جگہ میں مفید ہے اور وہ یہ صورت ہے کہ کسی عامی نے ایک قسم کا جدل سن کر مثلاً بدعت کا اعتقاد کر لیا ہو تو اس جدل کا مقابلہ اسی جیسے جدل سے کیا جاوے تاکہ عامی مذکور اعتقاد حق کی طرف پھر آوے اور یہ ایسے شخص کے حق میں ہوگا جس کا حال یہ معلوم ہو کہ وعظ اور تمام تخویفات پر قانع نہ ہو کر مجادلے سے انس رکھتا ہے، اس لیے کہ اس کی نوبت ایسی حالت پر آگئی ہے کہ بدوں جدل کے علاج کے اور تدبیر اس کو مفید نہ ہوگی تو ایسے کو جدل بتانا مضائقہ نہیں اور یہ امر ان شہروں میں کہ بدعت کم ہو اور مذہب ان میں مختلف نہ ہوں تو ایسے شہروں میں اول انہیں اعتقادات کے بیان پر اکتفا کرنی چاہیے جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور دلیلوں کے درپے ہونا نہ چاہیے اور شبہہ پڑنے کا منتظر رہنا چاہیے، جب کوئی شبہہ واقع ہو تو بقدر حاجت اس کا ذکر کر دینا چاہیے اور اگر بدعت پھیلی ہوئی ہو اور خوف ہو کہ کہیں لڑکے فریب میں نہ آجاویں، تو ایسے وقت میں اس قدر دلائل جو ہم نے اپنے رسالہ قدسیہ میں بیان کیے ہیں۔ لڑکوں کو سکھا دینے کا مضائقہ نہیں کہ اس کے سبب سے بدعتوں کے مجادلوں کی تاثیر سے بچے رہیں اور یہ مقدار دلائل کی مختصر ہے اور چونکہ وہ رسالہ بھی مختصر ہے اس لیے ہم نے ان کو اس میں درج کیا ہے، پس اگر مبتدی صاحب ذکا ہو اور اپنی طبیعت کی تیزی سے سوال کی جگہ پر واقف ہو جاوے یا اس کے دل میں شبہہ اٹھ کھڑا ہو تو ایک پرخطر روگ پیدا ہوا اب جائز ہوا کہ اس مقدار تک ترقی کی جاوے جس کو ہم نے اقتصاد فی الاعتقاد میں مذکور کیا ہے اور بقدر چھ سات جزوں کے ہوگی اس میں قواعد عقائد کے اور مباحثہ متکلمین وغیرہ کے سوا اور طرف نظر نہیں، پس اگر یہ کتاب اس کو کافی ہو تب تو استاد اور کچھ اس فن میں اس کو نہ سکھاوے، اور اگر اس پر وہ قانع نہ ہو تو روگ پرانا ہو گیا اور مرض بڑھ گیا، اب استاد کو حتی الوسع اس کے ساتھ نرمی برتنی چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے کوئی تنبیہہ کر کے اس پر امر حق کو واضح کر دیتا ہے وہ شک پر اور شبہہ پر اصرار کر کے کر دنی خویش آمدنی پیش کا مصداق بنا چاہتا ہے کیونکہ جس قدر مضمون کو کتاب اقتصاد خواہ اور اس جیسی تصنیف شامل ہے اس قدر سے توقع ہے کہ مفید ہے باقی مضامین جو علم کلام میں ہیں اور احاطہ نفع سے خارج وہ دو قسم ہیں کہ ایک تو وہ کہ قواعد کے عقائد کے سوا اور امور ہوں جیسے اعتقادات یعنی اسباب و علل اور ادراکات یعنی علوم و قویٰ اور اکوان یعنی موجوات کے حال سے بحث کرنی اور اس بات میں خوض کرنا کہ آیا رؤیت کے مخالف کا نام منع ہے یا نابینائی سب غیر مرئی چیزوں کے لیے ایک ہی منع ہے یا جتنی چیزیں کہ ان

کی رؤیت ممکن ہے ان کے لیے موافق ان کے شمار کے منع ثابت ہے جیسے عنصریات کی بحث ہوتی ہے اور سوا ان کے اور اسی طرح کی واہیات گمراہ کرنے والی ہیں، اور دوسری قسم یہ ہے کہ عین انہیں قواعد عقائد کی دلیلوں میں بہت سی تقریر اور زیادہ سوال جواب کئے جاویں، اس طرح پر تقریر کو غایت درجہ پر پہنچانا ایسے شخص کے حق میں جو اس قدر پر قانع نہ ہو، گمراہی اور جہالت کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں کرتا، اس لیے کہ بہت سے کلام اس طرح کے ہیں کہ طول دینے اور بڑھانے سے اس میں قوت ہو جاتی ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ادراکات اور اعتقادات کی حکمتوں کے حالات بیان کرنے سے دلوں کے تیز ہو جانے کا فائدہ ہے اور دل دین کا آلہ ہے جیسے تلوار جہاد کا آلہ ہے تو دل کے تیز کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، تو یہ قول اس کا ایسا ہوگا جیسے یوں کہے کہ شطرنج کا کھیلنا دل کی تیزی کے لیے ہے تو وہ کھیل بھی دین میں سے ہے غرضکہ اس طرح کا حیلہ ایک خیالِ خام ہے، شریعت کے جتنے علوم ہیں ان سب سے دل کو تیزی ہوتی ہے اور ان میں سے کسی میں کسی طرح کے ضرر کا خوف نہیں۔ اس تقریر سے تم کو علمِ کلام میں سے جس قدر عمدہ ہے اور جس قدر بری ہے معلوم ہو گئی اور وہ حال بھی دریافت ہو گیا جس میں کہ مذمت اور تعریف کلام کی ہوتی ہے اور جس کو وہ مفید ہے اور جس کو مضر ہے ان کی تفصیل بھی واضح ہو گئی، اب اگر یہ کہو کہ اس کا تو تم اقرار کر چکے کہ بدعتیوں کے دفع کرنے کے لیے علم کلام کی طرف حاجت ہے، اور اس زمانے میں بدعتیں بہت ہو گئیں اور یہ مصیبت عام ہو گئی اور اس کی حاجت نہایت قوی ہے تو ضرور ہے کہ اس علم کا جاننا فرض کفایہ ہو جیسے اموال کی حفاظت اور عہدۂ قضا اور تولیت وغیرہ کا بجا لانا ہے اور جب تک کہ علماء اس علم کے پھیلانے اور تدریس اور بحث میں مشغول نہ ہوں گے تو وہ باقی کیسے رہے گا، اور اگر بالفرض اس کو ترک کر دیا جاوے تو ظاہر ہے کہ نابود ہو جاوے گا اور صرف طبیعتوں میں اتنا مادہ نہیں کہ بدعتیوں کے شبہہ کا حل کر دیا جب تک کہ اس فن کو نہ سیکھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن کی تدریس اور بحث اس زمانہ میں فرض کفایہ ہے بخلاف زمانہ صحابہؓ کے کہ اس وقت میں اس علم کی طرف حاجت نہ تھی، پس اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ واقع میں ہر ایک شہر میں اس علم کا جاننے والا جداگانہ چاہیئے کہ جو بدعتی اس شہر کے شبہہ کریں، وہ ان کو جواب دیا کرے اور یہ بات بدون تعلیم کے ہمیشہ قائم نہ رہے گی لیکن ہماری غرض یہ ہے کہ اس علم کا علی العموم سب کو سکھانا اچھا نہیں جیسے فقہ اور تفسیر کی تفصیل ہوتی ہے کیونکہ فقہ اور تفسیر تو بمنزلہ غذا کے ہیں اور کلام مثل دوا کے ہے، غذا کے ضرر کا خوف نہیں کیا جاتا اور دوا کا ضرر خوف کے قابل ہے، چنانچہ ہم اس کے ضرر کی اقسام کو بیان کر چکے ہیں پس جو شخص اس علم کا عالم ہوا اس کو چاہیئے کہ جس شخص میں تین خصلتیں پاوے خاص اس کو یہ علم سکھاوے، اول یہ کہ سیکھنے والا علم ہی کی تحصیل کے لیے ہو اور اسی کا حریص ہو اس لیے کہ اگر طالب پیشہ ور ہو گا اور اپنے کلام میں لگ جاوے گا تو یہ شغل اس کو علم کی تکمیل اور شبہات کے دور کرنے کا مانع ہو گا جب کبھی اس کو شکوک پیش آویں، دوسرے یہ کہ صاحب ذکا اور فطنت اور فصاحت ہو اس لیے کہ غبی آدمی کو اس کے سمجھنے سے فائدہ نہ ہوگا اور بے کینڈے تقریر کرنے والے کی حجت کچھ مفید نہیں ہوتی، اس لیے اس کے حق میں کلام کے ضرر کا خوف ہے اور فائدے کی توقع نہیں، تیسرے یہ کہ اس کی طبیعت میں صلاحیت اور دیانت اور تقویٰ ہو اور اس شہر میں اس پر غالب نہ ہوں اس لیے کہ بدکار آدمی ادنیٰ شبہہ سے دین سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو اگر کہ اس میں اور اس کی لذتوں میں

ہوتی ہے وہ اس شبہہ سے رفع ہوجاتی ہے تو اس کو یہ خواہش نہیں ہوتی کہ شبہہ کو دور کیجئے، بلکہ شبہہ کو غنیمت جانتا ہے کہ دین کی تکلیفات کو برداشت سے رہائی ملی تو ایسے آدمی سے جس قدر خرابی ظہور میں آتی ہے وہ اصلاح کی نسبت کر زیادہ ہوتی ہے، اور جب تم ان قسموں کو معلوم کر چکے تو تم کو واضح ہوا ہوگا کہ علم کلام میں حجت عمدہ رہی ہے جو قرآن کی حجتوں کی جنس سے ہو، یعنی کلمات نرم اور دلوں میں تاثیر کرنے والے اور نفسوں کو قانع کرنے والے اس میں بولے جاویں، ایسی تقسیمات اور دقیق باتوں کی اس میں دخل نہ دیا جاوے جس کو اکثر آدمی نہ سمجھیں تو یہ اعتقاد کریں کہ یہ اس مقرر کا ایک شعبدہ اور ہنر ہے جس کو لوگوں کے دھوکہ دینے کے لیے سیکھا ہے اور اگر کوئی اسی جیسا ہنر والا اس کے مقابلہ میں ہو تو اس کو زیادتی کچھ بھی نہ ہو، اور یہ بھی تم نے معلوم کر لیا ہوگا کہ امام شافعیؒ اور دوسرے اکابر سلف نے جو اس علم میں خوض کرنے اور اسی کے ہو رہنے سے منع فرمایا ہے تو اس کی وجہ وہی تھی کہ اس میں وہ نقصان پائے جاتے ہیں جن پر ہم اشارہ کر آئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے جو خارجیوں کے ساتھ اور حضرت علیؓ سے تقدیر وغیرہ کے باب میں مناظرے منقول ہیں، وہ کلام صاف اور ظاہر اور حاجت کے وقت میں تھے اور اس طرح کا مناظرہ ہر حال میں بہتر ہے ہاں ہر ایک زمانہ میں حاجت کی کمی بیشی میں اختلاف ہوا کرتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے حکم بھی ہر زمانے میں مختلف ہو، پھر جو عقیدہ خلق کے لیے عبادت مقرر ہوا ہے اس کا حکم اس کی طرف سے چھیڑنے اور اس کے بچانے کا طور یہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا مگر شبہہ کا دور کرنا اور حقیقتوں کا واضح ہونا اور اشیاء کو جوں کی توں معلوم کرنا اور اس عقیدہ کے حق کے الفاظ سے جو امور سمجھے جاتے ہیں اور ان کے اسرار کو معلوم کرنا بجز اس کے میسر نہیں ہو سکتا کہ مجاہدہ کرے اور شہوات کو جڑ سے اکھاڑے اور بالکل خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور جدل کے شائبہ سے اپنی فکر کو صاف کر کے اس پر مداومت کرے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، جو شخص اس کے در پے ہو اس کے جتنا نصیب میں ہوتا ہے موافق در پے ہونے کے اور موافق استعداد محل کے اور بموجب دل کی پاکی کے عنایت ہوتا ہے اور یہ وہ سمندر ہے جس کی نہ تہ معلوم ہو سکے نہ کنارہ پر پہنچا جاوے۔ مسئلہ اگر کہو کہ تمہاری اس تقریر سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ ان علوم کے معانی ظاہر ہیں اور اسرار ہیں، اور بعض ان میں صاف ہیں کہ اول ہی معلوم ہو جاتے ہیں - اور بعض پوشیدہ ہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت اور طلب کامل اور فکر صاف اور باطن کو مطلوب کے سوا ہر ایک دنیاوی شغل سے خالی رکھنے سے واضح ہو جاتے ہیں اور یہ بات عجیب نہیں کہ شریعت کے مخالف ہو، اس لیے کہ شریعت کا ظاہر اور باطن دو نہیں اس کا ظاہر اور باطن ایک ہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان علوم کا دو قسم ہونا یعنی پوشیدہ اور ظاہر ہونا ایسا ہے کہ کوئی عاقل اس کا انکار نہ کرے گا، اس کا انکار وہی لوگ کم ہمت کرتے ہیں جنہوں نے لڑکپن میں کوئی چیز سیکھی اور اس پر جم گئے اور بلندی کی غایت اور علماء اور اولیاء کے درجات پر ترقی نہ کی، ورنہ علوم کا منقسم دو قسموں مذکور پر شرح کی دلیلوں سے ظاہر ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ لِلقرآن ظاهرا و باطنا وحدا ومطلعا[ح]

ح فرمان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ایک نہایت اور مقام ترقی ہے ۱۲ ابن حبان بروایت ابن مسعودؓ ۱۲

اور حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں علوم بہت سے ہیں بشرطیکہ ان کے یاد کرنے والے مجھے ملیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کریں، اور فرمایا کہ جس نے کسی قوم سے ایسی حدیث بیان کی کہ جس کو ان کی عقل نہ پہنچی تو وہ ان کے لیے فتنہ ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وتلك الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض علم مثل در مکنون کے ہے کہ اس کو بجز خدائے تعالیٰ کے جاننے والوں کے اور کوئی نہیں جانتا آخر حدیث تک چنانچہ باب العلم میں ہم اس کو لکھ آئے ہیں، اور فرمایا لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا اب ہم کو کوئی یہ بتاوے کہ اگر یہ امر راز نہ تھا تو لوگوں کے ادراک کے قصور کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ اس کے بتانے سے کیوں رک رہے اور صحابہؓ پر اس کا افشا کیوں نہ فرمایا اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ اگر آپ ان سے ذکر فرماتے تو وہ اس کی تصدیق ضرور کرتے، اور حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے باب میں ارشاد فرمایا اللہ الذی خلق سبع سموٰت ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن کہ اگر میں اس کی تفسیر کر دوں تو تم مجھ کو سنگسار کر دو، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم مجھ کو کافر بتاؤ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم کے ظرف یعنی محل یاد کیے ہیں ایک تو میں نے لوگوں میں منتشر کر دیا اور اگر دوسرے کو منتشر کروں تو میرے یہ گلے کی مری کٹ جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ تم پر روزوں اور نماز کی زیادتی سے افضل نہیں ہوا بلکہ ایک راز کی وجہ سے جو اس کے سینے میں ڈالا گیا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ راز دین کے قواعد کے متعلق تھا ان سے خارج نہ تھا اور جو بات کہ قواعد دین میں سے ہوتی ہے وہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے دوسری چیز کی نسبت کر پوشیدہ نہیں ہوتی ہے اور سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ عالم کے لیے تین علم ہوتے ہیں، ایک علم ظاہر جس کو وہ ظاہر والوں کو دیتا ہے اور ایک علم باطن کہ اس کا مقدور نہیں کہ سوائے اس کے اہل کے اور کسی کے سامنے اس کو ظاہر کرے، اور ایک وہ علم جو اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان ہے اس کو کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، اور بعض عارفوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ ربوبیت کا راز کھولنا کفر ہے اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ ربوبیت کا ایک راز ہے اگر وہ ظاہر ہو جاوے تو نبوت بیکار ہو جاوے، اور نبوت کا ایک راز ہے کہ اگر عیاں ہو تو علم نکما ہو جاوے اور خدائے تعالیٰ کے جاننے والوں کا ایک راز ہے کہ اگر وہ اس کو افشا کریں تو احکام بیکار ہو جاویں اس شخص نے اگر اپنے قول سے نبوت کا بیکار ہونا ضعیفوں کے حق میں بوجہ ان کے قصور فہم کے مراد نہیں لیا تو جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس میں کچھ تناقض نہیں، اور کامل وہی ہے جس کا نور معرفت نور ورع کو گل نہ کرے اور ورع کا مدرک نبوت ہے مسئلہ اگر پوچھو کہ ان آیات اور اخبار میں تاویلیں ہوا کرتی ہیں، تو ظاہر اور باطن کے اختلاف

ا؎ باب العلم میں اس کی سند گذر چکی ۱۲ ۲؎ اور یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں لوگوں کے واسطے اور ان کو بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے ۱۲ ۳؎ بخاری اور مسلم بروایت عائشہؓ و انسؓ ۱۲ ۴؎ اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمینیں بھی اتنی اترتا ہے حکم ان کے بیچ ۱۲

کی کیفیت کو بتانا چاہیئے اس لیے کہ اگر باطن ظاہر کے خلاف ہے تب تو شریعت بیکار ہوئی جاتی ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حقیقت خلاف شریعت کے ہے، حالانکہ یہ قول کفر ہے اس لیے کہ شریعت ظاہر سے مراد ہے اور حقیقت باطن سے، پھر اگر باطن مخالف ظاہر کے نہیں تو باطن اور ظاہر دونوں ایک ہی ہیں، اس سے تقسیم بند رہے گی اور شریعت کا کوئی راز الیسانہ ٹھہرے گا جس کا افشا کیا جاوے، پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ایک بڑے امر کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے اور علوم مکاشفہ میں لاڈالتا ہے اور علم معاملہ جو ہمارا مقصود ہے اور ان باتوں میں ہم کو وہی بیان کرنا منظور کرنا ہے اس سے باہر کیئے دیتا ہے کیونکہ جو عقائد ہم نے ذکر کیے ہیں، وہ دلوں کے اعمال سے متعلق ہیں اور ہم کو یہی حکم ہے کہ ان کو قبول کر کے دل کو ان کی تصدیق پر پکا کر دیں، اس بات کا امر نہیں کہ کسی ذریعہ سے ان کی حقیقتوں کے کھلنے کے خواہاں ہوں، اس بات کا حکم عام خلق کو نہیں ہوا، اور اگر عقائد اعمال میں سے نہ ہوتے تو ہم ان کو اس کتاب میں درج نہ کرتے، اور اگر ظاہر دل کے متعلق نہ ہوتے، اس کے باطن سے متعلق ہوتے تو اس کتاب کے نصف اول میں نہ لکھتے، کیونکہ حقیقت کا کھلنا دل کے باطن اور سر کی صفت ہے مگر چونکہ ظاہر اور باطن کے خلاف ہونے کے باب میں تقریر کی نوبت آگئی، اس لیے اس شکل کے حل کرنے کے لیے کچھ مختصر تقریر کی ضرورت ہوئی، پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے یا باطن ظاہر کی نقیض ہے تو وہ ایمان کی نسبت کفر سے قریب ہے، اصل یہ ہے کہ جو اسرار کہ صرف مقربوں کو معلوم ہوتے ہیں اور ان کے علم میں اکثر لوگ مقربوں کے شریک نہیں اور مقربوں کو ان کے افشا سے منع کر دیا ہے وہ پانچ قسمیں ہیں، قسم اول یہ ہے کہ وہ چیز بذاتِ خود دقیق ہو جس کے سمجھنے سے اکثر فہم عاجز ہوتے ہوں تو اس کے ادراک کے لیے خواص لوگ مختص ہوتے ہیں، اور ان پر لازم ہے کہ اس کا افشا ایسے لوگوں پر نہ کریں جو اس کے اہل نہ ہوں ورنہ اس کا افشا ہونا ان کے حق میں فتنہ ہوگا۔ اس نظر سے ان کے فہم اس کے معلوم کرنے سے قاصر ہیں، اور اسی قسم سے ہے راز روح کا مخفی رکھنا، اور اس کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باز رہنا اس لیے کہ روح کی حقیقت ان اشیاء میں ہے کہ فہم اس کے ادراک سے عاجز ہیں اور اس کے تصور ماہیت سے قاصر، اور یہ مت گمان کرنا کہ یہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واضح نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کو نہ جانے گا، وہ گویا اپنے نفس سے واقف نہ ہوگا اور اپنے نفس کو نہ جانے گا وہ اپنے رب کو کس طرح پہچانے گا اور یہ بھی بعید نہیں کہ روح کی حقیقت بعض اولیاء اور علماء کو معلوم ہو جاوے گو وہ انبیاء نہ ہوں، مگر چونکہ شریعت کے آداب کے پابند ہوتے ہیں اس لیے جس سے شرع نے سکوت کیا ہے اس سے وہ بھی سکوت کرتے ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی صفات میں بعض عقائد اس طرح کے ہیں کہ عوام کی سمجھ ان کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے صرف ظاہر کو ذکر کر دیا مثلاً علم و قدرت وغیرہ کو ایسی طرح بیان فرمایا کہ خلق نے علم و قدرت کے ساتھ ان کی مشابہت وہم کر کے سمجھ لیا کیونکہ ان میں جو اوصاف مسمّی العلم و قدرت تھے انہوں نے ایک قسم کے قیاس سے اس کے علم و قدرت کو وہم کر لیا، اور اگر خدائے تعالیٰ

لہ باب العلم میں گذر چکی ہے ۱۲

کے صفات میں سے ذکر کیے جاویں جن کے مناسب در مشابہ خلق میں نہ پاوے جاویں تو اس کو نہ سمجھیں گے بلکہ جماع کی لذت کو اگر لڑکے اور نامرد کے سامنے ذکر کیا جاوے تو وہ دونوں اس کو کھانے کی چیز کی مناسبت سے سمجھیں گے اور اس طرح کی سمجھ اصلی طور پر نہ ہوگی، اور جتنا فرق کہ کھانے اور جماع کی لذت میں ہے اس سے کہیں زیادہ تفاوت خلق کے علم و قدرت اور خدائے تعالےٰ کے علم و قدرت میں ہے، حاصل یہ کہ انسان بجز اپنے نفس اور اپنے ایسے صفات جو اس کو اس وقت حاصل ہیں اور چیز کا ادراک نہیں کرتا یا کوئی صفت اس کو پہلے حاصل تھی، اس کے قیاس سے دوسری چیز کو سمجھتا ہے پھر کبھی اس بات کو مانتا ہے کہ میری صفت اور دوسری صفت میں شرف اور کمال کی مدد سے فرق ہے مثلاً آدمی کی طاقت میں صرف اتنی ہی بات ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لیے وہ باتیں ثابت کرے جو کہ اس میں خود میں موجود ہیں یعنی فعل اور علم اور قدرت اور ارادہ وغیرہ اور اس بات کی تصدیق کرے کہ اس کے یہ صفات کامل تر اور اشرف ہیں۔ کہ انسان کی بڑی دوڑ یہی ہے کہ اپنے صفات کے گرد پھرا کرے اور جس بزرگی اور جلال کے ساتھ خدائے تعالیٰ خاص ہے اس تک رسائی نہ ہو، اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی[1] ثناء علیك انت كما اثنيت علی نفسك ؛ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ میں نے معلوم کیا ہے اس کے بیان کرنے سے عاجز ہوں بلکہ یہ مراد ہے کہ کنہ جلال کے ادراک سے قصور کا مقر ہوں، اور اسی لیے کسی عارف نے کہا ہے کہ حقیقت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کو بجز اس کی ذات پاک کے اور کسی نے نہیں پہچانا، اور حضرت صدیق اکبر رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے خلق کے واسطے اپنی معرفت کی سبیل سوائے معرفت سے عاجز رہنے کے اور کچھ نہیں مقرر کی اب ہم شبدیز قلم کی باگ اس طرف سے روک کر غرض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ پوشیدہ امور میں سے ایک قسم وہ ہے جس کے ادراک سے فہم عاجز ہوں اور اس قسم میں روح اور بعض اللہ تعالےٰ کی صفتیں داخل ہیں، اور غالباً اسی جیسے بات کی طرف اشارہ ہے، اس حدیث شریف میں ان[2] ﷲ سبحانہ سبعین حجاباً من نور لو كشفها لاحرقت سبحات وجهه كل من ادركه بصره دوسری قسم پوشیدہ امور میں سے جس کے ذکر سے انبیاء اور صدیقین باز رہتے ہیں وہ باتیں ہیں کہ بذات خود سمجھ میں آتی ہیں اور فہم ان کے ادراک سے قاصر نہیں، مگر اس کا ذکر اکثر سننے والوں کو ضرر کرتا ہے اور انبیاء اور صدیقین کو مضر نہیں راز تقدیر جس کے افشا سے نہی کی گئی ہے وہ اسی قسم میں داخل ہے اور یہ کچھ بعید نہیں کہ بعض حقیقتوں کا ذکر کرنا بعض خلق کو مضر ہے جیسے آفتاب کی روشنی شپروں کے حق میں مضر ہوتی ہے یا گلاب کی بو گبریلے کو ضرر کرتی ہے، دیکھو اگر ہم کہیں کہ کفر اور زنا اور گناہ اور بدی سب خدائے تعالیٰ کے حکم اور ارادہ اور خواہش سے ہے تو یہ بات فی نفسہ درست ہے مگر اس کا سننا بعض لوگوں کو مضر ہوا یعنی ان کو اس بات سے یہ وہم ہوا کہ یہ امر کم عقلی پر دلالت کرتا ہے اور حکمت سے خلاف اور بری بات پر راضی ہونا اور ظلم اس

---

[1] نہیں احاطہ کر سکتا تجھ پر تعریف کا تو ایسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے ۱۲ مسلم بروایت عائشہ رضؓ

[2] اللہ پاک کے ستر پردے نور کے ہیں، اگر ان کو کھول دے تو آسمان کی ذات کی روشنیاں جلا دیں تمام چیزوں کو جو اس کی نظر کے سامنے ہوں یعنی تمام مخلوق کو ہلاک کر دیں ابن حبان بروایت ابی ہریرہ رضؓ ۱۲

سے نکلتا ہے اور ابن راوند اور دوسرے مردود اسی جیسے وہم سے ملحد ہو گئے اور راز تقدیر اگر افشا کیا جاوے تو اکثر لوگوں کو خدائے تعالیٰ کے عاجز ہونے کا وہم ہو جاوے کیونکہ جس بات سے کہ یہ وہم ان کا دور ہو اس کے سمجھنے سے ان کے فہم قاصر ہیں۔ اور اگر کوئی مثلاً یوں کہے کہ قیامت کی مدت اتنی ہے اور وہ بعد ہزار برس کے یا زیادہ خواہ کم کے ہو گی تو یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے مگر اس کا ذکر بندوں کی مصلحت اور ضرر کے خوف سے نہیں کیا گیا کہ شاید اگر مدت بہت ہوئی اور نفسوں نے عذاب میں دیر سمجھی تو کچھ پروانہ کریں گے اور اگر خدائے تعالیٰ کے علم میں قریب ہوتی اور ذکر کر دی جاتی تو خوف زیادہ ہوتا، اور آدمی اعمال سے روگرداں ہو جاتے اور دنیا خراب ہوتی تو یہ تقریر اگر وجہ پکڑ جاوے اور درست ہو تو دوسری قسم کی ایک مثال ہو سکتی ہے، تیسری قسم وہ ہے کہ اگر اس کو صریح ذکر کیا جاوے تو سمجھ میں آوے اور اس میں کوئی ضرر بھی نہ ہو، مگر اس کا ذکر بطور استعارہ اور اشارہ کے کیا جاتا ہے تاکہ اس کا اثر سننے والے کے دل میں زیادہ ہو اور مصلحت اس میں یہی ہو کہ اس بات کا اثر زیادہ ہو، مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا کہ خوکوں کی گردن میں موتیوں کا ہار ڈالتا ہے، تو اس نے اس قول میں اشارہ کیا کہ علم اور حکمت نااہلوں کو سکھاتا ہے بس سننے والا کبھی اس کے ظاہری معنی سمجھے گا اور محقق جب دیکھے گا اور جانے گا کہ اس شخص کے پاس نہ موتی تھے اور نہ اس کے مسکن میں خوک ہے تو وہ رازِ باطن کو سمجھ جاوے گا، اور اس باب میں آدمی مختلف ہوتے ہیں، اور اسی طرح کا مضمون اس قطعہ میں کسی شاعر نے کہا ہے۔ قطعہ

خیاط اور اس کے مقابل سفید بات	دونوں یہ کام کرتے ہیں بالائے آسماں
بنتا ہے ایک فرقہ مدبر کو دائما	سینا دوم ہے جامۂ مقبل کو جاوداں

اس قطعہ میں شاعر نے سبب آسمان کو اقبال اور ادبار کے باب میں دو شخصوں کاریگر سے تعبیر کیا ہے غرضکہ اس قسم کا مال یہ ہے کہ معنی کو اس صورت میں بیان کریں کہ خود ہی معنی اس میں پائے جاویں یا اس طرح کے ہوں، اور اسی قسم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد رینٹ سے ایسی سکڑتی ہے[ح] جیسے کھال آگ پر سکڑتی ہے اور تم کو معلوم ہو کہ مسجد کا صحن ظاہر میں رینٹ سے نہیں سکڑتا بلکہ یہ معنی ہیں کہ مسجد کی روح بزرگ اور قابل تعظیم ہے، اور اس میں رینٹ کا ڈالنا اس کی حقارت کرنی ہے اور مسجدیت کے خلاف ہے جیسے آگ کھال کے اجزا کے خلاف ہے اور اسی طرح یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اما یخشی الذی یرفع راسه قبل الامام یحول اللہ راسه راس حمار[ح]۔۔۔۔ الخ اور یہ امر ظاہر میں تو یہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہو گا مگر معنوں کی راہ سے ہوا کرتا ہے یعنی گدھے کا سا سر، رنگ اور شکل میں نہیں ہوتا بلکہ خاصیت میں یعنی بے وقوفی اور کم ذہنی میں ہو جاتا ہے کہ جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاوے تو بے وقوفی اور احمق پن سے اس کا سر گدھے کا سر ہو گیا اور یہی مقصود ہے صورت مقصود نہیں، وہ تو معنوں کا سانچا ہوتی

ح یہ روایت مرفوعاً نہیں ملی، ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرۃ رضہ کا ارشاد اس کو لکھا ہے ۱۲ ح کیا نہیں ڈرتا ہے وہ شخص کہ اٹھاتا ہے سر امام سے پہلے اس بات سے کہ بدل دیوے اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرۃ رضہ ۱۲

ہے اور اس کی بے وقوفی کی وجہ یہ ہے کہ امام کا اقتدا بھی کرتا ہے اور اس سے آگے بھی بڑھتا ہے تو نہایت احمق ہے کہ دو باتیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں ان کو جمع کرتا ہے اور اس راز کا خلاف ظاہر ہونا یا تو دلیل عقلی سے معلوم ہوتا ہے یا دلیل شرعی سے عقلی تو اس طرح ہے کہ حقیقی معنی پر اس کا عمل ناممکن نہ ہو، جیسے حدیث شریف میں ہے قلب المومن[1] بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کیونکہ اگر بالفرض ہم مومنوں کے دلوں کو تلاش کریں تو ان میں انگلیاں نہ ہوں گی اس سے جانا گیا کہ انگلیوں سے اشارہ قدرت سے ہے جو انگلیوں کا سر اور روح مخفی ہے اور قدرت سے انگلیوں کے ساتھ اس وجہ سے کنایہ فرمایا کہ اقتدار کے سمجھانے میں اس کو بڑا اثر ہے جیسے کہتے ہیں کہ یہ چیز یا آدمی یا کام ہماری چٹکی میں ہے اور اسی قبیل سے ہے قدرت سے کنایہ کرنا اس آیت میں انما قولنا لشئی اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون[1] کہ اس میں ظاہر معنی نہیں ہو سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کن چیزوں کے خطاب کیلئے ہے اگر اس کے وجود سے ہے تو محال ہے اس لیے کہ معدوم چیز خطاب نہیں سمجھتی، اور اگر بعد وجود کے ہے تو اس کو پیدا کرنے کی حاجت نہیں، مگر چونکہ اس طرح کا کنایہ نہایت درجہ کے سمجھانے میں بہت اثر رکھتا ہے اس لیے اس کتاب کی طرف رجوع فرمایا اور دلیل شرعی اس طرح ہے کہ ظاہری معنوں پر اس کا محمول کرنا ممکن ہے مگر شریعت میں مروی ہے کہ اس کے ظاہر کے سوا اور معنے مراد لیے گئے ہیں جیسے اس آیت کی تفسیر میں انزل[2] من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیل زبدا رابیا، الآیۃ - کو یہاں پانی سے مراد قرآن ہے اور جنگلوں سے دل ہیں کہ بعضوں نے بہت سی قرآن کی برداشت کی اور بعضوں نے کم کی اور بعضوں نے بالکل نہ کی، اور جھاگ سے کفر اور نفاق کی فرمائی کہ اگرچہ وہ ظاہر اور پانی کے اوپر ہوتا ہے مگر اس کو قیام نہیں اور ہدایت جو لوگوں کے کارآمد اور مفید ہے وہ ٹھہرتی ہے اور اس قسم میں بعضوں نے اتنا غوطہ لگایا کہ جو امور آخرت میں وارد ہوئے ہیں یعنی میزان اور پل صراط وغیرہ کو بھی تاویل کر لیا، حالانکہ ان کے معنی بدلنے بدعت ہیں کیونکہ شریعت سے بطریق روایت وہ معنی نہیں پہنچے، اور ظاہر کے بموجب انکار ہونا محال نہیں تو ظاہر پر ان کا محمول کرنا واجب ہے، چوتھی قسم یہ ہے کہ آدمی اول ایک چیز کو مجمل معلوم کرے، پھر اس کو مفصلاً تحقیق اور ذوق کے ساتھ ادراک کرے اس طرح کہ وہ شے اس کا حال اور کیفیت لازم ہو جاتے تو ان دونوں علموں میں فرق ہوگا اور اول تو مثل پوست کے ہوگا اور دوسرا مثل مغز کے، اور اول مثل ظاہر کے ہوگا اور دوسرا مثل باطن کے مثلاً کسی انسان کو اندھیرے میں یا فاصلہ سے ایک وجود دکھائی دیوے تو اس کو اس وقت کسی قدر علم ہوگا، مگر جب اس کو نزدیک سے یا اندھیرے کے دور ہونے کے بعد دیکھے گا تو پہلے علم اور اس علم میں فرق پاوے گا لیکن یہ دوسرا علم اول کی ضد نہ ہوگا بلکہ اس کا کامل کرنے والا ہوگا، اسی طرح علم اور ایمان اور تصدیق کے حال کو سمجھنا چاہیئے مثلاً آدمی کبھی عشق اور مرض موت کے وجود کی تصدیق کرتا ہے مگر جب ان میں مبتلا ہوتا ہے تب ان کا علم پہلے کی نسبت کر زیادہ متحقق ہوتا ہے بلکہ انسان

---

[1] مومن کا دل درمیان دو انگلیوں کے ہے خدائے تعالیٰ کی انگلیوں میں سے ۱۲ مسلم بروایت ابن عمرؓ [1] ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم نے چاہا یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جا تو وہ ہو جاوے ۱۲ [2] اتارا آسمان سے پانی پھر بہے نالے اپنے موافق پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا ۱۲

کے حالات اور شہوت اور عشق اور دوسری چیزوں میں تین طرح کے جدا جدا ہیں اور ہر ایک کا ادراک مشکل ہے، اوّل تو اس حال کو واقع ہونے سے پیشتر معلوم کرنا دوم واقع ہونے کے وقت اس کی تصدیق کرنی، سوم بعد اس کے گذر جانے کے ادراک کرنا، مثلاً بھوک کا ادراک بعد جاتے رہنے کے کرو تو وہ اس ادراک کے علیحدہ ہوگا جو زوال گرسنگی سے پیشتر تھا پس یہی حال علوم دین کا ہے کہ بعض علوم ذوق ہو کر کامل ہو جاتے ہیں اور پہلے کی نسبت کرمثل باطن کے ہوتے ہیں، مثلاً اگر بیمار آدمی کو تندرستی کا علم ہو اور تندرست کو بھی ہو تو دونوں کے علم میں بہت فرق ہے غرضکہ ان چاروں قسم کی اشیاء میں خلق کم و بیش ہوتی ہے اور ان میں سے کسی میں باطن ظاہر کے خلاف نہیں بلکہ اس کا متمم اور مکمل ہے جیسے مغز پوست کا متمم ہوتا ہے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ زبانِ حال کو زبانِ قال سے تعبیر کیا جاوے پس کم فہم آدمی ظاہر پر واقف ہو کر اس کو یوں اعتقاد کر لیتا ہے اور جو شخص حقیقتوں کا بینا ہوتا ہے، وہ اس کے راز کو معلوم کر لیتا ہے۔

مثلاً اگر یوں کہیں کہ دیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھ کو کیوں چیرے ڈالتی ہے، میخ نے جواب دیا کہ اس سے پوچھ جو مجھ کو ٹھوکتا ہے، جو پتھر میرے سر پر لگتا ہے وہ مجھ کو میری رائے پر نہیں چھوڑتا، تو یہ مثال ہے زبانِ قال سے زبانِ حال کو تعبیر کرنے کی، اور اسی قبیل سے ہے مضمون اس آیت کا[1] ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین ۔ پس کم فہم آدمی اس کے سمجھنے میں آسمان و زمین کے لیے زندگی اور عقل اور خطاب کا سمجھنا اور خطاب کو آواز اور حرفوں سے ہونا کہ جس کو وہ دونوں سنیں اور پھر آواز و حروف سے کہیں کہ ہم آئے اپنی خوشی سے فرض کر لیتا ہے اور دانا آدمی جانتا ہے کہ یہ زبانِ حال ہے اور اسے یہ جتلانا منظور ہے کہ وہ دونوں مسخر اور حکم کے تابع ہیں اور اسی کی طرف ان کو بے اختیار آنا پڑتا ہے اور اسی طرح ہے مضمون اس آیت کا[2] وان من شئ الا یسبح بحمدہ کہ غبی آدمی کو اس میں ضرورت پڑتی ہے کہ جمادات کے لیے زندگی اور عقل اور آواز اور حروف سے بولنا فرض کرے تاکہ وہ سبحان اللہ اپنی بولی میں کہیں اور ان کی تسبیح ثابت ہو، اور اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ اس سے مراد زبان کی گفتگو نہیں بلکہ اپنے وجود سے زبانِ حال سے گویا اور اس کی تسبیح اور تقدیس اور وحدانیت کی مشاہدہ ہے، جیسے کسی کا شعر ہے :- شعر

ہر گیاہے کہ از زمین روید　　　وحدہ لاشریک لہ گوید

یا جیسے یوں کہتے ہیں کہ یہ کلی صنعت اپنے صانع کے حسنِ تدبیر اور کمال علم پر شاہد ہے اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ زبان سے کہتی ہے کہ میں گواہ ہوں بلکہ اپنی ذات اور حال سے اس کی شہادت مراد ہوتی ہے اسی طرح جتنی چیزیں ہیں وہ اپنی ذات سے ایجاد کرنے والے کی محتاج ہیں جو ان کو پیدا کر کے باقی رکھے اور ان کے اوصاف کو قائم رکھے اور ہر حال میں ان کو بدلتا رہے تو وہ اپنی حاجت کی جہت سے اپنے خالق کی پاکی پر شاہد ہیں اور ان کی شہادت

---

[1] پھر چڑھا آسمان اور وہ دھواں ہو رہا تھا، پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے، وہ بولے آئے ہم خوشی سے ۱۲
[2] اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی ۱۲

اہل بصیرت کو معلوم ہوتی ہے نہ ان لوگوں کو جو ظاہر پر جمے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولکن لا تفقھون تسبیحھم [1] اور جن کے فہم میں قصور ہے وہ تو بالکل ہی نہیں سمجھتے مگر مقرب اور علمائے راسخ اپنی اپنی عقل اور بصیرت کے موافق سمجھتے ہیں اس کی ماہیت اور کمال کو وہ بھی نہیں سمجھتے، اس لیے کہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح پر بہت سی شہادتیں ہیں۔ شعر

ہزار نقطہ باریک تر زمو این جاست نہ ہر کہ موئے تراشد قلندری داند

تعداد ان شہادتوں کی علم معاملہ میں بیان کرنی زیبا نہیں، حاصل یہ کہ یہ فن بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کے علم میں اصحاب ظواہر اور ارباب بصائر مختلف ہیں اور جن سے باطن کا جدا ہونا ظاہر سے پایا جاتا ہے اور اس مقام میں صاحبان مقامات کو زیادتی اور میانہ روی ہے تو بعضے زیادتی کی طرف یہاں تک ڈھلے کہ سب الفاظ ظاہر یا اکثر کو بدل ڈالا حتیٰ کہ آخرت میں جو امور ہوں گے ان کو بھی کہتے ہیں کہ زبان حال سے ہوں گے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے [2] وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون اور یہ ارشاد [3] وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء اور اسی طرح سب خطاب جو منکر نکیر سے ہوں گے اور میزان اور پل صراط اور حساب میں اور دوزخیوں کے اور جنتیوں کے مناظرے اور دوزخیوں کا ان سے استدعا کرنا کہ پانی یا جو کچھ تم کو خدائے تعالیٰ نے دیا ہے ہم کو دو، ان سب کو زبان حال ہی سے کہتے ہیں اور دوسروں نے یہ مبالغہ کیا کہ تاویل کو بالکل اڑا دیا، انہیں میں سے امام احمد بن حنبل ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کن فیکون میں بھی تاویل کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خطاب حرف اور آواز سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر لحظہ موافق شمار ہونے والی چیزوں کے ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں نے ان کے بعض... شاگردوں سے سنا ہے کہ آپ نے بجز تین جگہ کے اور جگہ سے تاویل اڑا دی ہے اور وہ تین جگہ ہیں، اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد الحجر الاسود یمین اللہ فی ارضہ [4] دوسری حدیث قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن [5] تیسری یہ حدیث انی لاجد نفس الرحمٰن من جانب الیمین [6] ان کے سوا اوروں میں تاویل نہیں کرتے اور تاویل کے دور کرنے کی طرف اصحاب ظواہر نے بھی میل کیا ہے اور امام احمدؒ پر گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ قطعاً جانتے ہوں گے کہ استوا سے مراد اس پر ٹھہرنا نہیں اور نہ نزول سے غرض نقل مکانی ہے مگر تاویل کے دور کرنے کے لیے انہوں نے تاویل سے منع فرمایا ہے کہ خلق کی بہتری کی رعایت اسی میں ہے کیونکہ اگر باب تاویل مفتوح ہو تو کام ہاتھ سے نکل جائے اور ابتری کا

---

[1] اور لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا ۱۲ [2] اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتا دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے ۱۲ [3] اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو کیوں بتایا ہم کو وہ بولے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہر چیز کو ۱۲ [4] حجر اسود خدائے تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے زمین میں ۱۲ مسلم بروایت عبد اللہ بن عمرؓ ۱۲ [5] مومن کا دل دو انگلیوں کے درمیان ہے خدائے تعالیٰ کی انگلیوں سے ۱۲ مسلم بروایت ابن عمرؓ [6] میں پاتا ہوں خوشبو رحمان کی یمین کی طرف سے ۱۲ احمد نے اس کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے اجد نفس ربکم من قبل الیمین بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲

سنبھالنا مشکل پڑے اور میانہ روی کی حد سے تجاوز کرے اس لیے کہ میانہ روی کی حد کا کوئی ضابطہ مقرر نہیں کہ اس تک بس جاوے پس ایسی صورت میں تاویل سے منع کرنے کا مضائقہ نہیں اور سلف کی سیرت بھی اسی کی شاہد ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ان امور کو جس طرح آئے ہیں اسی طرح رہنے دو، یہاں تک کہ جب حضرت امام مالکؒ سے کسی نے استوا کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ استواء کے معنی تو معلوم ... ہیں اور کیفیت مجہول ہے اور ایمان اس پر واجب ہے اور اس کا حال پوچھنا بدعت ہے اور بعض لوگوں نے میانہ روی کی طرف میل کیا ہے اور جو امور کہ صفاتِ الٰہی سے متعلق ہیں ان میں تاویل کو دخل دیا ہے، اور جو باتیں آخرت سے متعلق ہیں ان کو ظاہر لفظوں کے بموجب چھوڑ کر تاویل سے منع کیا ہے، یہ لوگ تابعین ابوالحسن اشعری کے ہیں اور معتزلوں نے یہ زیادتی کی کہ خدائے تعالیٰ کے صفات میں سے رویت کی تاویل کی اور اس کے سمیع اور بصیر ہونے میں تاویل کی اور معراج میں تاویل کر کے کہا کہ جسم سے نہیں ہوئی، اور عذابِ قبر اور میزان اور پل صراط اور تمام احکامِ آخرت میں تاویل کر ڈالی، لیکن جسموں کے اٹھنے اور حشر ہونے کے اور جنت اور دوزخ کے مقر ہیں کہ جنت میں کھانے کی اور پینے کی اور سونگھنے کی چیزیں اور نکاح اور جمیع محسوس لذتیں موجود ہیں اور دوزخ کا جسم محسوس ہے اور کھالوں کا جلانا ہے اور چربیوں کا پگھلانا ہے، اور ان لوگوں نے جو ترقی اس درجہ تک کی تو فلسفہ والے ان سے بھی بڑھ گئے، انہوں نے جتنی باتیں آخرت میں ہوں گی، سب کے معنی بدل دیے اور اس بات کے قائل ہوئے کہ رنج اور لذتیں صرف عقلی اور روحانی ہوں گی، جسموں کا حشر نہ ہوگا صرف نفس ہی باقی رہیں گے اور ان پر عذاب یا راحت اس قسم کے ہوں گے کہ حواس سے ان کا ادراک نہ ہو اور یہ سب فرقے اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں، امرِ حق اور میانہ روی کی حد تو یہ ہے کہ بالکل تاویل میں نہ اتنا کھل جاوے جیسے یہ فرقے مذکور ہوتے اور نہ اتنا بند ہو جیسے حنبلی فرقہ ہے، مگر یہ حد بہت باریک ہے اور اس پر بجز توفیق یافتہ لوگوں کے جو امور کو نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں صرف سننے سے ... ادراک نہیں کرتے اور کوئی واقف نہیں، اور ان لوگوں کو جب امور کے اسرار بموجب اصل حقیقت کے واضح ہو جاتے ہیں تب یہ الفاظ و ارادہ کو دیکھتے ہیں اور اس وقت اگر الفاظ کے مطابق اس امر کے پایا جو نورِ یقین سے انہوں نے مشاہدہ کیا ہے تب تو ان کو ویسا ہی ثابت رکھتے ہیں اور اگر خلاف پایا تو اس کی تاویل کرتے ہیں، لیکن جو شخص کہ ان امور کی معرفت صرف سننے سے حاصل کرتا ہے اس کا قدم اس میں نہیں جمتا اور نہ اس کے ٹھہرنے کی کوئی جگہ معین ہے۔ پس ایسے شخص کے لیے مناسب تر امام احمدؒ کا مقام ہے۔ اب چونکہ ان امور میں میانہ روی کی حد کو خوب واضح کرنا علم مکاشفہ میں داخل ہے اور اس کا بیان بہت طویل، لہٰذا ہم اس میں خوض نہیں کرتے اور غرض اس کی یہ تھی کہ ظاہر کی باطن سے موافقت اور مخالفت کا بیان کیا جاوے، سو ان پانچوں قسموں سے بہت سی باتیں واضح ہو گئیں اور جو عقیدے کہ ہم اول میں لکھ آئے ہیں، وہ ہماری دانست میں جمہور عوام کے لیے کافی معلوم ہوتے ہیں کہ اول درجہ میں ان کو بجز ان باتوں کے معتقد ہونے کے اور کسی چیز کا حکم نہیں ہوتا، مگر جس صورت میں کہ بدعت کے شائع ہونے سے اتنی عقیدہ کی ابتری کا خوف ہو اس وقت دوسرے درجہ میں ایسے عقیدے کی طرف ترقی کرنی پڑتی ہے جس میں مختصر اور روشن دلیلیں بدون تعمق کے

موجود ہوں، نظر بر ایں ہم اس باب میں وہ روشن دلیلیں لکھتے ہیں اور اس بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو ہم نے قدس والوں کو لکھا ہے اور اس کا نام رسالۂ قدسیہ در قواعد عقائد لکھا ہے اس رسالہ کو اس باب کی فصل تیسری میں بیان کرتے ہیں۔

تیسری فصل۔ عقائد سے متعلق دلائل باہرہ المعروف رسالہ قدسیہ لے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سزاوار حمد وہ ذات ہے جس نے جماعت اہل سنت کو انوار الیقین سے ممتاز کیا اور اہل حق کو دین کے رکنوں کی راہ بتانے کے لیے سرفراز فرمایا اور کجوں کی کجی اور ملحدوں کی گمراہی سے ان کو بچا کر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کی توفیق دی، اور سلف صالحین کے اعمال و اقوال کا اتباع ان پر ایسا آسان کر دیا کہ انہوں کی عقلوں کی مقتضیات میں سے حبل متین پر تمسک کیا اور پہلے لوگوں کی سیرت و عقائد میں صاف راستہ بے کھٹکے اختیار کیا، عقلوں کے نتیجوں اور شرع منقول کے مقدمات کو قبول کرنے میں ایک ساتھ کر کے جان لیا، کہ جس کلمۂ طیبہ کا کہنا ہمارے لیے عبادت ٹھہرا ہے، یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صرف زبان سے اس کی شہادت دینے میں کچھ فائدہ اور ثمرہ مترتب نہیں جب تک کہ ان کے وہ اصول جن پر مدار اس کلمہ کے جملوں کا ہے نہ لیے جاویں، اور پہچان لے کہ یہ دونوں جملے باوجود اپنے اختصار کے چار باتوں کو متضمن ہیں، اول خدائے تعالیٰ کی ذات کا اثبات، دوم اس کی صفات کا، سوم اس کے افعال کا، چہارم اس کے رسولوں کی تصدیق کا، اور اسی سے معلوم کر لیا کہ ایمان کی بنا چار رکنوں پر ہے، اور ہر ایک رکن کا مدار دس اصولوں پر، رکن اول خدائے تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کی معرفت میں، اور اس کا مدار دس اصولوں پر ہے یعنی یہ جاننا کہ وہ موجود ہے ازلی ہے، ابدی ہے، جوہر نہیں، جسم نہیں، عرض نہیں، کسی جہت سے خصوصیت نہیں رکھتا، کسی مکان پر ٹھہرا ہوا نہیں، بلکہ اپنے عرش پر چڑھا ہوا ہے، آخرت میں اس کا دیدار ہوگا، اکیلا ہے بدوں شریک اور مثل کے پہلی اصل خدائے تعالیٰ کے موجود ہونے کی پہچان میں۔ اس باب میں عمدہ طریقہ وہی ہے جس کی ہدایت قرآن مجید فرماتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان سے بڑھ کر اور کوئی بیان نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم نجعل الارض مھادا والجبال اوتادا و خلقنکم ازواجا وجعلنا نومکم سباتا وجعلنا اللیل لباسا وجعلنا النھار معاشا وبنینا فوقکم سبعا شدادا وجعلنا سراجا وھاجا وانزلنا من المعصرت ماء ثجاجا لنخرج بہ حبا ونباتا وجنت الفافا ؎

لے یہ مستقل رسالہ ہے اس لیے اس کا ترجمہ مع دیباچہ کے کیا گیا تاکہ علیحدہ بھی ہو سکے ۱۲

؎ کیا ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں، اور تم کو بنایا جوڑے جوڑے اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی، اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو اور چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا، اور اتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹ رہے ۱۲

اور دوسری جا ارشاد ہے اِنَّ فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنهار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السمآء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من كل دابة وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السمآء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون ۵ اور دوسری جا ارشاد ہے تمنون أ انتم تخلقونه ام نحن الخالقون ۵ اور ارشاد فرمایا الم تروا کیف خلق الله سبع سمٰوٰت طباقا و جعل القمر فیهن نورا وجعل الشمس سراجا یہاں تک کہ فرمایا نحن جعلناها تذکرة ومتاعا للمقوین پس ظاہر ہے کہ جس کو ادنیٰ شعور بھی ہو، وہ اگر ان آیتوں کے مضمون میں ادنیٰ تامل کرے اور آسمان و زمین کے عجائب مخلوقاتِ الٰہی میں اپنی نظر کو گردش دے اور حیوانات اور نباتات کی پیدائشِ نادر کو دیکھے تو جان لے گا کہ اس امرِ عجیب اور ترتیب محکم کا کوئی بنانے والا ضرور ہے جو اس کو منتظم اور محکم رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً ان کو مقدر کرتا ہے بلکہ غالباً نفوس کی اصل پیدائش اس بات کی شاہد ہے کہ وہ بالکل اس کی تسخیر کے نیچے دبے ہوتے اور اس کی تدبیر کے موافق بدلتے رہتے ہیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے افی الله شك فاطر السمٰوٰت والارض اور اسی جہت سے سب انبیاء علیہم السلام کو بھیجا کہ خلق کو توحید کی طرف بلاویں تاکہ مخلوق یہ کلمہ کہیں لا الٰہ الا اللہ، اور ان کو یہ کہنے کا حکم نہ ہو کہ ہمارا ایک معبود ہے کیونکہ یہ بات تو شروع پیدائش سے ان کی عقلوں کی سرشت میں موجود تھی، اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولئن سالتهم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن الله اور فرمایا فاقم وجهك للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذٰلك الدین القیم غرضیکہ خدائے تعالیٰ کے موجود ہونے کے بیان میں انسان کی سرشت اور قرآن مجید کی دلیلیں اتنی ہیں کہ حاجت دلیل کے ذکر کرنے کی نہیں، مگر ہم تاکید کے طور پر علمائے مناظرین کی تقلید کر کے اس کی دلیل بھی عقلی لکھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بدیہی بات ہے کہ حادث چیز اپنے پیدا ہونے میں کسی سبب کی محتاج ضرور ہوتی ہے جو اس کو حادث کر دے اور عالم بھی حادث ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ بھی اپنے حدوث میں کسی سبب کا محتاج ہو، اب ہمارا یہ قول کہ حادث اپنے حدوث میں کسی سبب کا محتاج ہوتا ہے یہ صاف بات ہے کیونکہ جو حادث ہے وہ کیسی بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ عقل میں اس وقت سے اس کا پہلے اور

ت آسمان اور زمین کا بنانا اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی جو لے کر چلتی ہے دریا میں جو چیزیں کام آویں لوگوں کو، اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر جلایا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بکھیرے اس میں سب قسم کے جانور اور پھیرنا ہواؤں کا اور ابر جو حکم کا تابع ہے درمیان آسمان و زمین کے ان میں نمونے ہیں عقلمند لوگوں کو ۱۲ ت کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہ بر تہ، رکھا چاند میں اجالا اور رکھا سورج چراغ جلتا، اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جا کر پھر دوہرا کو ڈالے گا تم کو اس میں، اور نکالے گا تم کو باہر ۱۲ ت بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو، اب تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہم نے ٹھہرایا تم میں مرنا اور ہم ہارے نہیں رہے اس سے کہ بدل لا دیں تمہاری طرح کے اور اٹھا کھڑا کریں تم کو جہاں تم نہیں جانتے اور جان چکے ہو پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے، بھلا دیکھو تو جو بوتے ہو کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے، اگر ہم چاہیں کر ڈالیں اس کو روندن پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے ہم قرض دار رہ گئے بلکہ ہم بے نصیب ہوئے، بھلا دیکھو تو پانی جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم چاہیں اس کو کر دیں کھارا کیوں نہیں حق مانتے بھلا دیکھو تو آگ (باقی صفحہ آئندہ)

ے سراجا والله انبتكم من الارض نباتا ثم یعیدكم فیها ویخرجكم اخراجا۔

پیچھے ہونا بھی جائز ہے پس اس وقت خاص کے ساتھ اس کا مخصوص ہونا اور اس سے پہلے اور پچھلے وقت سے مخصوص نہ ہونا ظاہر ہے کسی سبب سے ہوگا، اور ہمارا یہ کہنا کہ عالم حادث ہے، اس کی برہان یہ ہے کہ اجسام حرکت اور سکون سے خالی نہیں، اور حرکت اور سکون دونوں حادث چیزیں ہیں۔ اور جو چیز کہ حادث چیزوں سے خالی نہ ہو، وہ بھی حادث ہے، پس عالم حادث ہے، اس برہان میں تین دعوے ہیں، اول یہ کہ اجسام حرکت اور سکون سے خالی نہیں، اور یہ بات بدیہی ہے اور اس میں فکر و تامل کی حاجت نہیں، اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی جسم کو یہ سمجھے کہ نہ متحرک ہے نہ ساکن، تو وہ پابند جہالت اور خارج از عقل و فراست ہے دوم یہ کہ حرکت و سکون دونوں حادث ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، اور ایک کا وجود دوسرے کے بعد ہوتا ہے، اور یہ بات سب جسموں میں مشاہدہ ہوتی ہے اس لیے کہ جو ساکن ہے اس پر عقل حکم کرتی ہے کہ حرکت کر سکتا ہے، اور جو متحرک ہے، اس کا ساکن ہونا عقل میں ممکن ہے، تو جو حالت اس وقت ان دونوں میں سے جسم پر طاری ہوگی، وہ تو طاری ہونے کی جہت سے حادث ہوگی، اور اس سے پہلے حالت بسبب عدم کے حادث ٹھہرے گی، اس لیے کہ اگر وہ حادث نہ ہو قدیم ہو تو اس کا عدم محال ہوگا، چنانچہ اس کا بیان خدائے تعالیٰ کے بقاء کے اثبات میں عنقریب آوے گا، سوم یہ کہ جو چیز حوادث سے خالی نہ ہوگی وہ حادث ہوگی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہر حادث کے پیشتر بہت سے حوادث ہوں گے جن کا شروع نہ ہوگا، اور اگر یہ حوادث سب مل کر منقطع نہ ہوں گے تو جو حادث اب موجود ہے اس کے وجود کی نوبت نہ پہنچی ہوگی، اور جس چیز کی نہایت نہ ہو اس کا منقطع ہونا محال ہے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض آسمان کے دورے ایسے ہوں کہ ان کی انتہا نہ ہو تو ضرور ہے کہ ان کی شمار یا جفت ہوگی یا طاق یا جفت اور طاق دونوں یا نہ جفت نہ طاق اور صورتیں آخر کی محال ہیں اس لیے کہ اجتماع نفی اور اثبات کا ہوا جاتا ہے کیونکہ جفت کے ثابت کرنے میں طاق کی نفی ہوتی ہے اور اس کے نفی کرنے میں طاق کا اثبات ہے اور نہ صرف جفت بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ جفت ایک کے زیادہ ہونے سے طاق ہو جاتی ہے تو بے نہایت چیز ایک کی زیادتی سے کیسے بدل سکتی ہے اور طاق بھی نہیں رہ سکتی، کیونکہ طاق ایک کی زیادتی سے جفت ہو جاتا ہے تو جس کے اعداد کی انتہا نہیں، وہ ایک کی زیادتی سے کس طرح بدل جاوے گا۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ نہ طاق ہو نہ جفت، کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عالم جو حوادث سے خالی نہیں، وہ بھی حادث ہے۔ اور جب اس کا حادث ہونا ثابت ہوا تو اس کا اپنے حادث کرنے والے کی طرف محتاج ہونا بداہتہً معلوم ہوتا ہے۔

دُوسری اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ قدیم ازلی ہے جس کے وجود کی ابتدا نہیں، بلکہ ہر ایک چیز سے پہلے اور ہر زندہ اور مردہ سے پیشتر وہی ہے اور اس کی برہان یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قدیم نہ ہو حادث ہو، تو بھی کسی حادث کرنیوالے

(بقیہ صفحہ) جو تم سلگاتے ہو، کیا ہم نے اٹھایا اس کا درخت، یا ہم ہیں اٹھانے والے، ہم نے وہ بنائے یاد دلانے کو اور برتنے کو جنگل والوں کے" اٹ کیا اللہ میں شبہہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین" اٹ اور اگر وہ ان سے پوچھے کہ ان کو کس نے بنایا، کہیں گے اللہ نے" لے سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کہ وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو، بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو"

کا محتاج ہوگا۔ اور وہ دوسرا تیسرے کا، یہاں تک کہ یہ تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور جو شے متسلسل ہوتی ہے، وہ حاصل نہیں ہوتی، یا یہ کہ ایک ایسے محدث پر نوبت پہنچے کہ وہ قدیم یا سب سے اوّل ہو اور اسی سے ہماری غرض ہے اس کا نام ہم نے عالم کا بنانے والا اور حادث کرنے والا اور ظاہر کرنے والا اور خالق اور موجد رکھا ہے۔ تیسری اصل یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ باوجود ازلی ہونے کے ابدی بھی ہے کہ اس کے وجود کا انجام نہیں بلکہ وہی اوّل ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن، اس لیے کہ جس کا قدیم ہونا ثابت ہوگیا اس کا معدوم ہونا محال ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اگر معدوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں، یا خود بخود معدوم ہو یا کسی معدوم کرنے والے کے مقابل کے باعث سے معدوم ہو۔ پہلی صورت باطل ہے، کیونکہ اگر شے کا دوام متصور ہے اس کا معدوم ہونا اپنے آپ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہوگا کہ کوئی چیز خود بخود موجود بھی ہو جایا کرے، اس لیے کہ جیسے وجود کا حادث ہونا سبب کا محتاج ہے، اسی طرح عدم کا طاری ہونا بھی سبب کا محتاج ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کسی معدوم کرنے والے مقابل کی جہت سے اس کا وجود معدوم ہو اس لیے کہ یہ مقابل اگر قدیم ہے تو اس کے ہوتے ہوئے وجود کیسے ہو اور پہلی دونوں اصلوں سے وجود کا ہونا اور اس کا قدیم ہونا ثابت ہو چکا، تو جس صورت میں کہ مقابل ساتھ تھا، وجود کیسے ہوسکتا ہے، اور اگر مقابل حادث ہے تب بھی باطل ہے اس لیے وجود اس حادث کا اسی قدیم کے باعث سے ہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ حادث تو قدیم کے مقابلے میں پڑکر اس کے وجود کو قطع کردے اور قدیم اس کی ضد میں اس کے وجود کو دفع بھی نہ کرے، حالانکہ دفع کرنا بہ نسبت قطع کے آسان ہے اور قدیم بہ نسبت حادث کے قوی تر اور اولیٰ ہے۔

چوتھی اصل یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ جوہر کسی جگہ میں گھرا ہوا نہیں، بلکہ وہ مکان وحیز کی مناسبت سے پاک و برتر ہے، اور اس کی برہان یہ ہے کہ ہر ایک جوہر ایک جگہ میں گھرا ہوا وہ اس جگہ سے خصوصیت رکھتا ہے اور ضرور کہ اس میں یا ٹھہرا ہوا ہوگا یا اس میں سے حرکت کرتا ہوگا، غرض کہ حرکت خواہ سکون سے خالی نہ ہوگا، اور یہ دونوں چیزیں حادث ہیں، اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہوتی ہے اور اگر کوئی جوہر مکان میں گھرا ہوا ہو قدیم متصور ہو سکے تو عالم کے جوہروں کا قدیم ہونا بھی متصور ہو سکے گا، اور اگر خدائے تعالیٰ کو کوئی شخص جوہر کہے اور مکان میں گھرا ہوا نہ کہے تو لفظ کے اعتبار سے خطاوار ہوگا، معنوں کی راہ سے نہ ہوگا۔

پانچویں اصل یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ جسم مرکب جوہروں سے نہیں، اس لیے کہ جسم اسی کو کہتے ہیں جو جوہروں سے مرکب ہو۔ اور جب کہ اس کا جوہر ہونا اور مکان خاص میں متحیز ہونا باطل ٹھہرا تو اس کا جسم ہونا بھی باطل ہوا، کیونکہ ہر ایک جسم ایک چیز کے ساتھ مخصوص ہے اور جدا جدا جواہر سے مرکب ہے اور اس کا خالی ہونا علیحدہ ہونے اور جمع ہونے اور حرکت اور سکون اور صورت اور مقدار سے محال ہے اور یہ سب علامتیں حادث ہونے کی ہیں اور اگر یہ درست ہو جاوے کہ عالم کا بنانے والا جسم ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آفتاب یا ماہتاب یا اقسام جسم میں سے کسی اور چیز کے خدا ہونے کا اعتقاد کر لیا جائے، پھر اگر کوئی گستاخ خدائے تعالیٰ کو جسم بنا دے اور جوہر سے مرکب ہونے کا ارادہ نہ کرے تو اس کی یہ اصطلاح لفظوں میں غلط ہوگی، جسمیت کی نفی اس سے بھی پائی جاوے گی۔

چھٹی اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں کہ کسی کے جسم سے قائم ہو یا کسی محل میں حلول کیے ہو، اس لیے کہ جسم تو سب یقیناً حادث ہیں اور ان کا حادث کرنے والا اُن سے پیشتر موجود ہوگا پس خدائے تعالیٰ کسی جسم میں کیسے حلول کر سکتا ہے وہ تو ازل ہی سب سے پہلے تنہا موجود تھا، اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا۔ پھر اجسام اور اعراض تو اپنے بعد پیدا فرمایا اور ایک وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ علم اور قدرت اور ارادہ اور پیدا کرنے کے ساتھ موصوف ہے، چنانچہ اس کا بیان آگے آتا ہے اور یہ اوصاف اعراض پر محال ہیں، بلکہ اوصاف اسی موجود کے لیے سمجھ میں آتے ہیں جو خود بخود قائم اور اپنی ذات سے مستقل ہیں، اور چھیوں اصول سے یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالےٰ موجود اور اپنے آپ قائم ہے نہ جوہر ہے نہ جسم اور نہ عرض اور عالم سب کا سب جوہر اور عرض اور جسم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ کسی کے مشابہ نہیں، اور نہ کوئی اس کے مشابہ، بلکہ وہ زندہ اور قیوم ہے کہ اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور کہیں خالق مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہے یا قادر مقدور کے یا مصور تصویر کے مانند ہو سکتا ہے اور اجسام اور اعراض سب اس کی پیدائش اور صنعت میں سے ہیں۔ تو ان کو یہ کہنا کہ اس کے مثل اور مشابہ ہیں، محال ہے۔

ساتویں اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہت کی خصوصیت سے پاک ہے اس لیے کہ طرفیں چھ ہیں یا اوپر یا نیچے یا داہنے یا بائیں یا آگے یا پیچھے، اور یہ سب طرفیں خدائے تعالیٰ ہی نے بذریعہ انسان کے پیدا کرنے کے پیدا فرمائی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو طرفیں ایسی بنائیں کہ ایک زمین پر ٹکے اس کو پاؤں کہتے ہیں اور دوسری اس کے مقابل جس کا نام سر ہے۔ پس لفظ اوپر اس جہت کے لیے بنا جو سر کی طرف ہے اور نیچے اس کا نام ہوا جو پاؤں کی طرف ہیں، یہاں تک کہ چیونٹی اگر چھت میں اُلٹی ہو کر چلے تو اس کے حق میں کڑیوں کی جانب نیچے ہو جاوے گی۔ گو ہماری نسبت وہ اوپر کہلاتی ہے۔ اور انسان کے لیے دو ہاتھ خدائے تعالیٰ نے بنائے کہ اکثر ان میں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے قوی تر ہوتا ہے تو جو قوی تر تھا، اس کے لیے داہنا نام ہوا، اور اس کے مقابل کا نام بایاں رکھا گیا اور جو جہت کہ اوّل کی طرف پڑی، اس کا نام داہنی اور بائیں طرف والی کا نام بائیں ہوا، اور نیز اس کے لیے دو جانب بنائے کہ ایک طرف سے دیکھتا ہے اور اس طرف کو چلتا ہے۔ تو جس طرف کو چلتا ہے اس کا نام ہوا آگے، اس کے مقابل کا نام پیچھے ٹھہرا۔ پس یہ چھیوں جہتیں انسان کے پیدا ہونے سے پیدا ہوئیں۔ اگر انسان بالفرض اس وضع پر نہ پیدا ہوتا، بلکہ گول مثل گنبد کے ہوتا تو ان جہتوں کا وجود بھی نہ ہوتا، پس خدائے تعالیٰ ازل میں کسی جہت سے خاص کس طرح ہو سکتا ہے کہ جہتیں تو حادث ہیں اور نہ اب کسی طرح کسی جہت سے خاص ہو کہ انسان کی پیدائش کے وقت تو خاص کسی سمت سے نہ تھا اور وہ منزہ ہے اس بات سے کہ اس کے لیے اوپر ہو کیونکہ وہ اس بات سے برتر ہے کہ اس کا سر ہو اور اوپر اسی جہت کو کہتے ہیں جو سر کی جانب ہو، اسی طرح اس کے لیے نیچے بھی نہیں کیونکہ نیچے اس سمت کا نام ہے جو پاؤں کی جانب ہو، اور خدائے تعالیٰ پاؤں سے مبرا ہے، اور یہ سب باتیں عقل کے نزدیک محال ہیں، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی جہت سے مختص ہو، یوں عقل میں آتا ہے کہ یا جوہر کی طرح اپنے حیّز سے خصوصیت رکھے یا اعراض کی طرح جوہر سے مخصوص ہو، اور چونکہ اس کا جوہر اور عرض ہونا دونوں محال ہو چکے کہ اس کا مختص ہونا جہت

سے بھی محال ہے اور اگر جہت کے معنی سوا ان دونوں معنوں کے کچھ اور لیے جاویں تو وہ لفظ کے اعتبار سے غلط ہوں گے گو معنی درست رہتے ہوں۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ عالم کے اوپر ہو تو اس کے محاذی ہوگا۔ اور کسی جسم کا محاذی یا اس کے برابر ہوتا ہے یا اس سے چھوٹا یا بڑا، اور یہ تینوں امر ایسے ہیں کہ ان کے مقدار کی ضرورت خدائے تعالیٰ کے لیے پڑے گی، حالانکہ اس کی ذات اس سے بری ہے۔ اب رہا یہ کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا قبلہ وہی سمت ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس سے دعا کی طلب ہے اس میں صفت جلال اور کبریائی ہے اس لیے کہ بلندی کی جہت مجد اور برتری پر دال ہے، اللہ تعالیٰ قہر اور بزرگی اور غلبے کی جہت سے ہر ایک موجود کے اوپر ہے۔

آٹھویں اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ پر عرش پر مستوی ہے ان معنوں سے جو اس نے استوا سے مراد لیے ہیں یعنی وہ معنی کہ اس کے کبریا کے مخالف نہیں اور نہ اس میں حدوث اور فنا کی علامتوں کو دخل ہے اور وہی معنی آسمان پر مستوی ہونے سے مقصود ہیں اس آیت میں ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ[ث]۔ اور معنی صرف قہر اور غلبہ کی جہت کے ہو سکتے ہیں جیسے اس شعر میں کسی شاعر کے شعر اب بشر مستوی ہوا ملک عراق پر تلوار کی نہ خون کی ہوئی احتیاج اُسے اور اہل حق کو مجبوری اس تاویل کی طرف رجوع کرنا پڑتا جس طرح اہل باطل کو اس آیت کی تاویل کرنی پڑی وھو معکم اینما کنتم یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم رہو کہ سب نے اس کے معنی یہی کیے ہیں کہ ساتھ ہونے سے غرض احاطہ اور علم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن[ح] قدرت اور قہر پر محمول کیا اور الحجر الاسود یمین اللہ فی ارضہ[ح] کو بندگی اور تعظیم پر محمول اس لیے کیا کہ اگر ان کو ظاہر الفاظ کے موجب رہنے دیا جاوے تو محال لازم آتا ہے اس طرح اگر استوا کو ٹھہرنے اور جگہ پکڑنے کے معنوں میں رکھا جاوے تو لازم آوے گا کہ جو جگہ پکڑے وہ جسم ہو اور عرش سے لگا ہوا ہو یا تو اس کے برابر ہو، خواہ اس سے چھوٹا یا بڑا ہو، اور یہ محال ہے تو جس بات سے محال لازم آوے وہ خود محال ہے۔

نویں اصل یہ کہ خدائے تعالیٰ باوجود صورت اور مقدار سے منزہ ہونے اور جہات و اطراف سے مقدس ہونے کے دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ[ت] اور دنیا میں نہیں دکھائی دیتا، اس ارشاد خداوندی کے صحیح ہونے کی جہت سے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ[ث] اور اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں خود ارشاد فرمایا لن ترانی تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ اب ہم کو کوئی یہ بتا دے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ ہوئی اس کو معتزلی پہچان گئے اور حضرت موسیٰ علیہ

ث پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا ۱۲ ح مومن کا دل دو انگلیوں میں سے خدائے تعالیٰ کی انگلیوں میں سے ۱۲ ح حجر اسود خدائے تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے زمین پر ۱۲ دونوں حدیثیں مسلم نے بروایت ابن عمرو روایت کی ہیں ۱۲ ت کتنے منہ تازہ ہیں اس دن اپنے رب کی طرف دیکھتے ث اسے نہیں پا سکتیں آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو ۱۲

السلام نے باوجود دیدار کے محال ہونے کے کس طرح دیدار کا سوال کیا، غالباً تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بات سے انبیاء صلوات علیہم جاہل رہے، اس سے اہل بدعت کندہ ناتراش بطریق اولیٰ جاہل ہیں اور آیت رویت کو جو آخرت میں ظاہر پر محمول کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے محال لازم نہیں آتا اس لیے کہ دیکھنا ایک قسم کا علم اور کشف ہے، فرق یہ ہے کہ علم کی نسبت کامل اور واضح تر ہے، پس جب کہ یہ درست ہوا کہ خدائے تعالیٰ سے علم متعلق ہو اور وہ کسی طرف میں نہ ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روایت اس کے متعلق ہو جس صورت میں کہ وہ کسی جہت میں نہ ہو، اور جیسے یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہے اور ان کے مقابل نہیں تو یہ بھی درست ہوگا کہ خلق اس کو دیکھے اور مقابل نہ ہو، اور جس طرح اس کا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہے اس طرح اس کا دیکھنا بھی بے کیف وصورت کے ممکن ہے۔

دسویں اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک اور یکتا بدون مثل اور سہیم کے ہے، پیدا کرنے اور ابداع میں تنہا ہے اور ایجاد و اختراع میں اکیلا، نہ اس کا کوئی مثل کہ مشابہ یا مساوی ہو اور نہ اس کا کوئی مقابل کہ اس سے نزاع کرے یا اس کے منافی ہو، اور اس بات کی برہان یہ ارشاد خداوندی ہے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا[۱]۔ اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو خدا ہوں اور ان میں سے ایک کوئی کام کرنا چاہے تو دوسرا اگر اس کی موافقت پر مجبور ہے، تو ظاہر ہے کہ دوسرا عاجز اور دبا ہوا ہوگا، خدائے قادر ہے تو دوسرا اقوی اور غالب ہوا اور اول ضعیف اور قاصر ٹھہرے گا خدائے قادر نہ رہے گا دوسرا رکن اللہ تعالیٰ کے صفات کی معرفت میں اور اس کا مدار دس اصلوں پر ہے۔

پہلی اصل یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ قادر ہے اور اپنے اس ارشاد میں سچا ہے وھو علی کل شئی قدیر[۲] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم اپنی صنعت میں محکم اور اپنی پیدائش میں مرتب اور منتظم ہے پس اگر کوئی شخص ایک کپڑا حریر کا عمدہ بنا ہوا اور نقش و نگار سے بخوبی آراستہ دیکھے، پھر یہ وہم کرے کہ اس کو کسی مردہ نے بنا ہوگا جو کچھ نہ کر سکے یا کسی آدمی نے تیار کیا ہو گا جس کو قدرت نہ ہو تو وہ شخص دائرۂ عقل سے خارج اور زمرۂ حمقا اور جاہلوں میں داخل ہوگا۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کے بنائے ہوئے عالم کو دیکھ کر اس کی قدرت کا انکار نہیں ہو سکتا۔

دوسری اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا عالم اور سب مخلوقات پر حاوی ہے کوئی ذرہ آسمان و زمین میں اس کے علم سے غائب نہیں، اپنے ارشاد میں سچا ہے وھو علی کل شئی قدیر[۳] اور اس کے جاننے کی طرف اس ارشاد سے یہ ہدایت فرماتا ہے الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر[۴] اس میں یہ ہدایت فرمائی کہ پیدا کرنے سے علم پر استدلال کرو اس طرح کہ خلقت کی لطافت اور صنعت کی ترتیب اور نزاکت ادنیٰ چیز میں بھی اس بات پر بلا شبہہ دال ہے کہ اس کا صانع ترتیب اور نظام کی کیفیت کو خوب جانتا ہے، پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مذکور فرمایا ہے وہی ہدایت اور تعریف کے باب میں انتہا ہے۔

---

[۱] اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے ۱۲ [۲] اور وہ ہر چیز پر قادر ۱۲ [۳] اور وہ ہر چیز سے واقف ہے ۱۲ [۴] بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننا خبردار ۱۲

تیسری اصل یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ زندہ ہے اس لیے کہ جس کا علم اور قدرت ثابت ہو اس کی حیات ضرور ہی ثابت ہوگی، اور اگر قدرت والا عالم تدبیر کرنے والا ایسا تصور ہو سکے جو زندہ نہ ہو، تب تو حیوانات کی زندگی میں بھی ان کی حرکات و سکنات کے وقت شک ہو سکتا ہے بلکہ اہل حرفہ اور صنعت والے اور شہروں اور جنگلوں میں پھرنے والے اور تاجر اطراف زمین کے مسافر جتنے ہیں، سب کی زندگی میں شک ہو سکتا ہے اور یہ امر ورطہ جہالت گمراہی میں پڑنا ہے۔

چوتھی اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا ارادہ کرنے والا ہے، یعنی جو موجود ہے وہ اسی کی مرضی پر تکیہ رکھتا ہے اور اسی کے ارادے سے صادر ہے اور اسی نے اول پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ کے صاحب ارادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو فعل اس سے صادر ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کی ضد بھی اس سے صادر ہو، اور جو فعل کہ ضد نہیں رکھتا، ممکن ہے کہ تقدیم و تاخیر سے صادر ہو اور قدرت دونوں ضدوں اور وقتوں سے ایک ہی سی مناسبت رکھتی ہے تو ضرور ہے کہ ایک ارادہ ہو جو قدرت کو دونوں امروں میں سے ایک کی طرف پھیر لاوے اور کوئی کہے کہ علم کے ہوتے ہوئے ضرورت ارادے کی نہیں اور چیز موجود جو اپنے وقت میں پائی گئی، اس کی وجہ یہ ہے اس وقت میں اس کے موجود ہونے کا علم پہلے سے ہے تو ہم کہیں گے کہ اس طرح تو قدرت کی حاجت بھی علم کے سامنے نہیں کہہ سکتے ہیں کہ چیز بدوں قدرت موجود ہو گئی کیونکہ پہلے سے اس کے موجود ہونے کا علم اس وقت میں تھا۔

پانچویں اصل یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے اس سے دلوں کے وسوسے اور فکر و وہم کے خفیہ امور غائب نہ ہوں اور نہ اس کے سننے سے چیونٹی کی سیاہ چال سخت پتھر پر شب تاریک میں بچی رہے، اور اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر کیسے نہ ہوگا کہ سننا اور دیکھنا وصف کمال ہے کچھ نقصان کی بات نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کی نسبت کر کامل تر ہو، اور مصنوع چیز صانع سے بڑھ کر اور حصہ کا اعتدال کہاں رہے گا جبکہ نقصان خالق کے حصے میں رہے اور کمال مخلوق کی بانٹ میں ہو۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت اپنے باپ سے کیسے درست ہوگی، یعنی ان کا باپ جہل کی راہ سے بتوں کو پوجتا تھا، آپ نے اس سے کہا لِمَ تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاً[1] تو اگر یہی باپ کے معبود میں ہو جاوے تو آپ کی حجت باطل اور دلیل ساقط ہو جاوے اور ارشاد خداوندی سچا نہ ٹھہرے وتلک حجتنا[2] آتیناھا ابراہیم علی قومہ اور جس طرح کہ خداوند کریم کا فاعل ہونا بدوں اعضا کے اور عالم ہونا بدون دل اور دماغ کے سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح اس کا بینا ہونا بدوں آنکھ کے ڈیلے کے اور شنوا ہونا بدوں کانوں کے سمجھنا چاہیئے کہ دونوں امروں میں کچھ فرق نہیں۔

چھٹی اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور اس کا کلام ایک صفت اس کی ذات سے قائم ہے، نہ وہ آواز ہے، اور نہ حرف، بلکہ اس کے کلام کسی اور کے کلام کے مشابہ نہیں جیسے کہ اس کا وجود دوسرے کے وجود کے مثل نہیں اور

---

[1] کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے نہ دیکھے نہ کام آوے تیرے کچھ ۱۲ [2] اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل ۱۲

حقیقت میں کلام وہی ہے جو نفس کا کلام ہو، حروف اور آواز تو صرف بتانے والے کے لیے ہیں جیسے حرکات اور اشارہ سے بعض اوقات سمجھا دیا کرتے ہیں اور نہ معلوم کہ یہ امر بعض غبی شخصوں پر کیسے مشتبہ ہو گیا حالانکہ جاہل کی عقل و دانش اس کو اس بات کے کہنے سے نہ روکے کہ میری زبان تو حادث ہے مگر جو اس میں میری قدرت حادثہ کے سبب سے کلام پیدا ہوتا ہے، وہ قدیم ہے تو اس کی عقل سے تو اپنی طمع کو توڑ دے اور اس کے ساتھ خطاب کرنے سے اپنی زبان بند کر۔ اور جو شخص یہ نہ سمجھے کہ قدیم اس کو کہتے ہیں جس کے پہلے دوسری چیز نہ ہو، اور بسم اللہ میں جو سین ہے اس سے پہلے ب ہے اس لیے سین ہرگز قدیم نہ ہوگا، تو ایسے شخص کی طرف دھیان کرنے سے اپنے دل کو پاک کر، کیونکہ بعض بندوں کو ان مطالب سے دور رکھنے میں خدائے تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے، جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اس بات کو بعید جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں ایسا کلام سنا ہو جس میں آواز و حروف نہ ہو تو اس کو اس امر کا بھی انکار کرنا چاہیے کہ آخرت میں ایک ذات کو دیکھے جو نہ جسم ہے نہ رنگ ہے اور اگر یہ بات سمجھتا ہے کہ جو چیز رنگ اور جسم اور مقدار اور کیفیت سے مبرا ہے اس کو دیکھے گا، حالانکہ اب تک ویسی چیز کوئی دیکھی نہیں تو سننے کے حاسہ میں بھی وہی سمجھنا چاہیے جو دیکھنے کے باب میں سمجھا ہے، اور اگر یہ سمجھ لیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کو ایک علم ہے کہ وہی سب موجودات کا علم ہے تو اس کی ذات کے لیے ایک صفت کلام کی بھی سمجھنی چاہیے کہ جتنی باتیں عبارتوں سے سمجھنے میں آتی ہیں، وہ اس کا کلام ہے اور اگر یہ عقل میں آگیا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اور بہشت اور دوزخ ایک چھوٹے سے پرچے پر لکھے جاتے ہیں اور دل میں ذرہ بھر جگہ میں یاد رہتے ہیں، اور یہ سب اشیاء آنکھ کے ڈھیلے کے تل میں سوجھتے ہیں مگر آسمان اور زمین اور بہشت اور دوزخ آنکھ کے تل اور دل اور پرچے میں نہیں آجاتی، اسی طرح یہ بھی عقل میں لانا چاہیے کہ کلام ربانی زبانوں سے پڑھا جاتا ہے دلوں میں محفوظ ہوتا ہے، مصاحف میں لکھا جاتا ہے لیکن کلام کی ذات ان چیزوں میں حلول نہیں کرتی، اس لیے کہ اگر لکھنے سے کلام کی ذات حلول کر جاوے اور آگ کا نام لکھنے سے کاغذ میں آگ کی ذات آجاوے اور کاغذ کو جلا دے۔

ساتویں اصل یہ کہ کلام خدائے تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہے، وہ قدیم اور اسی طرح اس کے سب صفات ہیں، کیونکہ خدائے تعالیٰ کا حوادث کے لیے محل ہونا محال ہے کہ حوادث بدلتے رہتے ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے صفات میں قدیم ہونے کا وصف وہی واجب ہے جو اس کی ذات کے لیے واجب ہے تاکہ اس پر تغیرات نہ آویں اور اس میں حوادث نہ سماویں، بلکہ وہ ہمیشہ سے ازل میں عمدہ صفات کے ساتھ موصوف رہا ہے اور اسی طرح ابد میں رہے گا اور حالات کے تغیر سے منزہ ہے اس لیے کہ جو چیز محل حلوث ہو گی، وہ حادث سے نہ بچے گی، اور جو چیز حوادث سے نہ بچے وہ حادث ہے اجسام پر جو وصف حادث ہونے کا ثابت ہے وہ اسی جہت سے ہے کہ ان پر تغیر آتا اور اوصاف کے بدلنے کو قبول کرتے رہتے ہیں تو اب خالق تغیر کے قبول کرنے میں اجسام کا شریک کیسے ہو جاوے گا اور اس پر یہ متفرع ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور حادث صرف آوازیں ہیں جو کلام موصوف پر دلالت کرتی ہیں اور جس طرح کہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لڑکے کے پیدا ہونے کے پیشتر تحصیل علم کے لیے امر کرنا اس کے باپ کے ساتھ قائم

ہوتا ہے یہانتک کہ جب لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اس کو عقل آتی ہے اور جو امر کہ باپ کے دل میں ہے اس کے متعلق علم خدا تے اس میں پیدا کر دیتا ہے تو وہ اس امر کا مامور ہو جاتا ہے جو اس کے باپ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور جب تک کہ لڑکا اس کو جان نہ لے گا تب تلک اس امر کا وجود قائم رہے گا۔ اسی طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس حکم پر کہ ارشادِ خداوندی دال ہے۔ فاخلع نعلیک[1] وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا خطاب بعد آپ کے وجود کے ہوا، یعنی جس وقت کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں اس حکم کی معرفت پیدا کی اور کلام قدیم کے سننے کے لیے کان بنا دیے۔

آٹھویں اصل یہ کہ خدائے تعالیٰ کا علم قدیم ہے یعنی وہ ہمیشہ سے اپنی ذات اور صفات کو اور جو کچھ مخلوقات میں حادث ہوتا ہے سب کو ازل سے جانتا ہے اور جب کبھی مخلوقات حادث ہوتے ہیں تو خدائے تعالیٰ کو ان کا علم نیا پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سب حوادث علم ازلی سے اس کے سامنے منکشف ہیں مثلاً اگر ہم کو زید کے آنے کا علم آفتاب کے نکلنے کے وقت پیدا ہوا اور جب تک کہ آفتاب نکلے تب تک یہ علم بالفرض بنا رہے تو اس وقت میں زید کا آنا ہم کو اسی علم سے معلوم ہو گا کہ کوئی نیا علم اس کے لیے نہ ہو گا، پس اللہ تعالیٰ کے علم کو قدیم ہونا بھی اسی طرح سمجھنا چاہیئے۔

نویں اصل یہ کہ ارادہ الٰہی قدیم ہے اور حوادث کے پیدا کرنے کے لیے ان کے اوقاتِ مخصوصہ اور مناسبہ میں موافق علم سابق کے ازل میں متعلق ہو گیا ہے اس لیے کہ اگر اس کا ارادہ حادث ہو تو وہ حوادث کا محل ٹھہرتا ہے، اور اگر اس کا ارادہ اس کی ذات کے سوا دوسرے میں حادث ہو تو وہ ارادہ کرنے والا نہ ہو گا جیسے اگر حرکت تمہاری ذات میں نہ ہو تو تم متحرک نہ کہلاؤ گے اور جس طرح چاہو مان لو، دونوں صورتوں میں ارادہ کے حدوث کے واسطے دوسرے کی ضرورت ہو گی، اور دوسرے کے لیے تیسرے کی، یہاں تک کہ نوبت تسلسل بے نہایت پہنچے جو محال ہے اس لیے اس کے ارادہ کا حادث ہونا بھی محال ہے۔ اور اگر یہ ممکن کہا جاوے کہ ارادے کا حادث ہونا بدوں دوسرے ارادے کے ہے تو یہ بھی ہو سکے گا کہ عالم کا حادث ہونا بدوں ارادے کے ہو۔

دسویں اصل یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے علم سے، اور زندہ ہے حیات سے، قادر ہے قدرت سے، مرید ہے ارادے سے، متکلم ہے کلام سے، سمیع ہے سننے سے، بینا ہے دیکھنے سے اور یہ اوصاف اس کے ان قدیم صفتوں سے ہیں، اور جو شخص یوں کہے کہ عالم ہے بدوں علم کے، تو گویا یوں کہتا ہے کہ غنی ہے بدوں مال کے یا عالم ہے بدوں معلوم کے اس لیے کہ علم اور معلوم اور عالم ایک دوسرے کے لازم ہیں جیسے قتل اور مقتول اور قاتل، تو جس طرح قاتل بغیر مقتول کے نہیں متصور ہو سکتا، اور نہ مقتول بدوں قاتل اور قتل کے، اسی طرح عالم بدوں علم کے بھی ممکن نہیں اور نہ علم بدوں عالم کے بلکہ یہ تینوں عقل میں متلازم ہیں، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تو جو شخص عالم کو علم سے علیحدہ ہونا تجویز کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ عالم کو معلوم سے بھی جدا ہونا اور علم کو عالم سے علیحدہ ہونا تجویز کرے کیونکہ ان نسبتوں میں کچھ فرق نہیں سب ایک ہی سی ہیں، تیسرا رکن اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت میں اور اس کا مدار بھی دس اصول پر ہے۔

---

[1] سو اتار اپنی جوتیاں ۱۲ [2] اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا ۱۲

پہلی اصل یہ جاننا کہ عالم میں جو حادث ہے وہ اسی کا فعل اور مخلوق اور اختراع ہے، اس کے سوا نہ کوئی خالق اور نہ کوئی ایجاد کرنے والا خلق کو بنایا اور پیدا کیا اور ان کی قدرت اور حرکت کو ایجاد فرمایا، پس بندوں کے جتنے افعال ہیں وہ سب اس کے پیدا کیے ہوئے اور اس کی قدرت سے وابستہ ہیں اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے [ت۱] اللہ خالق کل شئ اور اس میں [ت۲] واللہ خلقکم وما تعملون اور اس میں [ت۳] واسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر بندوں کو حکم کیا کہ اپنے اقوال و افعال اور اسرار اور دل میں بات لینے میں بچے رہیں، اس لیے کہ وہ ان کے افعال کے منشا سے واقف ہے اور اپنے علم پر پیدا کرنے سے استدلال فرمایا، اور وہ بندے کے فعلوں کا خالق کیسے نہ ہوگا کہ اس کی قدرت کامل ہے، اس میں کسی طرح کا قصور نہیں، اور اس کی قدرت بندوں کے بدنوں کی حرکتوں سے متعلق ہے اور حرکتیں ایک سی ہیں، اور قدرت کا تعلق ہونا سب سے برابر ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض حرکتوں سے متعلق ہو اور بعض سے نہ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حیوان اختراع میں مستقل ہو، حالانکہ مکڑی اور شہد کی مکھی اور تمام حیوانات سے وہ لطیف کام صادر ہوتے ہیں کہ جن میں عاقلوں کی عقل دنگ ہو تو وہ کیسے مخترع ٹھہرے اور خداوند کریم مخترع نہ ہوا ان کو تو اپنے کاموں کی مفصل خبر بھی نہیں ان کو مخترع کہنا بعید از قیاس ہے بلکہ مخلوقات سب ذلیل اور ملکوت میں مخترع وہی ہے جو زمین و آسمان کا جبار ہے۔

دوسری اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا مخترع ہونا بندوں کی حرکات کو اس بات کا موجب نہیں ہوتا کہ وہ حرکات بندے کے تحت قدرت اکتساب کے طور پر نہ رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قدرت اور مقدور دونوں کو پیدا کیا اور ذی اختیار دونوں کو بنایا، قدرت بندہ کا ایک وصف ہے اور خدائے تعالیٰ کی کی ہوئی ہے اس کا کسب نہیں اور حرکت بھی خدائے تعالیٰ نے پیدا کی، اور بندہ کی صفت اور کسب ہے یعنی وہ بندہ کی ایک وصف مسمّٰی بقدرت کے قابو میں پیدا ہوئی ہے تو چونکہ حرکت دوسری صفت کی طرف منسوب ہے جس کو قدرت کہتے ہیں، اس جہت سے باعتبار اس نسبت کے اس کو کسب کہتے ہیں اور یہ حرکت بندہ کی جبر محض نہیں ہو سکتی اس لیے کہ بندہ ظاہر طور پر اپنی حرکت اختیاری اور لرزہ اضطراری میں فرق جانتا ہے یا یہ حرکت بندہ کی پیدا کی ہوئی کیسے ہو سکتی ہے کہ اس کو تو جتنی حرکتیں کسب سے کرتا ہے ان کے اجزا کی تفصیل اور شمار کا علم بھی نہیں اور جب یہ دونوں باطل ہوئیں تو ایک صورت درمیانی اعتقاد کی رہ گئی کہ حرکتیں اختراع کی رو سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے قابو میں ہیں اور ایک دوسرے علاقہ کے اعتبار سے جس کو اکتساب کہتے ہیں بندہ کی قدرت کے اختیار میں ہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس قدرت کی چیز پر قدرت کا تعلق ہو وہ فقط اختراع ہی کی جہت سے ہو دیکھو ازل میں خدائے تعالیٰ کی قدرت عالم سے متعلق تھی اور اختراع اس سے حاصل نہ تھا اور اختراع کے وقت بھی قدرت عالم سے متعلق تھی مگر اس وقت اور قسم کا تعلق ہے غرض کہ قدرت ہونے سے خصوصیت نہیں کہ مقدور چیز اس سے حاصل بھی ہو جاوے۔

[ت۳] اور تم چھپے کہو اپنی بات یا کھول کر وہ جانتا ہے جیوں کے بھید بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا ہے اور وہی ہے بھید جانتا خبردار۔

تیسری اصل یہ ہے کہ بندے کا فعل اگرچہ بندے کا کسب ہے لیکن یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے ارادے سے باہر ہو جاوے اس سے یہ نکلتا ہے کہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ ہوتا ہے خواہ پلک جھپکنا ہو یا دل کا التفات خیر ہو یا شر، نفع ہو یا ضرر، اسلام ہو یا کفر، معرفت ہو یا نکر، فوز ہو یا خسران، گمراہی ہو یا ہدایت، طاعت ہو یا معصیت، شرک ہو یا ایمان سب اس کے قضا و قدر سے ہوتا ہے اور اس کے ارادے اور خواہش سے ظہور میں آتا ہے نہ کوئی اس کی قضا کو ٹالے اور نہ اس کے حکم کو پیچھے ہٹاوے جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت کرے، جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں اور بندوں سے باز پرس ہوگی اور بندوں کے فعلوں کا اس کی مشیت سے ہونا دلیل نقلی رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام امت اس جملہ کو باتفاق کہتی ہے ماشآء اللہ کان وما لم یشآء لم یکن[1] اور اللہ فرماتا ہے ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا...[2] اور فرمایا ولو شئنا لاٰتینا کل نفس...[3] اور اس کے لیے دلیل عقلی بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر معاصی اور قصوروں کو خدائے تعالیٰ برا جانتا ہے اور ان کا ارادہ نہیں کرتا، وہ اس کے دشمن ابلیس لعین کے ارادے سے ہوتے ہیں اور باوجود یہ کہ دشمن خدا ہے، اس کے ارادے کے موافق زیادہ چیز ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے ارادے کے موافق کم ہوتی ہیں تو اب ہم کو یہ بتاؤ کہ مسلمان آدمی خدائے تعالیٰ کی سلطنت کو ایسے رتبے میں کس طرح گھٹا دے گا کہ اگر اس کے رتبے پر کسی گاؤں رئیس کو اتار دیا جاوے تو وہ بھی ریاست سے نفرت کرے یعنی اس گاؤں میں اگر کوئی اس کا دشمن ہو اور اس کے ارادے کے بموجب زیادہ کام کرتا ہو اور رئیس کے ارادے کے موافق تعمیل کم ہوتی ہو تو وہ ایسی ریاست کو ذلت سمجھے گا اور اس سے دست بردار ہوگا۔ اور چونکہ خلق میں اکثر نافرمانی ہوتی رہتی ہے اور یہ سب بموجب بدعتیوں کے اعتقاد کے خدائے تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہے تو یہ اس بات پر دال ہے کہ خدائے تعالیٰ ضعیف اور عاجز ہے، معاذ اللہ منہا پھر جب یہ ثابت ہو چکا کہ بندوں کے افعال خدائے تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ سب اس کے ارادے کے بموجب ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ جس فعل کو خدائے تعالیٰ چاہتا ہے اس سے منع کیسے فرماتا ہے، اور جس کا ارادہ نہیں کرتا اس کا حکم کیسے کرتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر اور ہے اور ارادہ دوسری چیز ہے مثلاً اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مارے اور حاکم وقت آقا پر عتاب کرے اور وہ عذر کرے کہ اس غلام نے میرا کہنا نہ مانا تھا۔ اور بادشاہ اس کو کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے، اور وہ اپنے سچ بولنے کو ثابت کرنے کے لیے یہ چاہے کہ کوئی ایسی بات غلام سے کہو جو بادشاہ کے سامنے نہ کرے اور غلام کو امر کرے کہ اس سواری پر بادشاہ کے سامنے زین باندھ دے تو اس آقا کا یہ امر ایسا ہے جس کی تعمیل اس کو منظور نہیں، اور اگر یہ امر نہ کرتا تو بادشاہ کے سامنے اس کا عذر ٹھیک نہ تھا، اور اگر غلام سے تعمیل کا ارادہ ہو تو اپنے نفس کے قتل کا ارادہ کرنا پڑے، اور یہ ہو نہیں سکتا۔

چوتھی اصل یہ کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے اور اختراع کرنے اور اس کی وجہ سے کہ اس میں بندوں کو حکم کرنے میں فضل اور

---

[1] جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا ۱۲ [2] کہ اگر چاہے اللہ راہ پر لاوے سب لوگ ۱۲ [3] اور اگر ہم چاہتے تو دیتے ہر جی کو سوجھ اپنی راہ کی ۱۲

احسان کرنے والا ہے، یہ امور اس پر واجب نہ تھے، اور فرقہ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں خدائے تعالیٰ پر واجب ہیں، اس وجہ سے کہ اس میں بندوں کی بہتری ہے اور ان کا قول محال ہے اس لیے کہ واجب کرنے والا اور حکم اور منع کرنے والا تو وہ ہے وہ کیسے اور لزوم کا ہدف ہو سکتا ہے اور واجب سے دو معنی مقصود ہوتے ہیں اوّل تو ایسا فعل کہ جس کے چھوڑنے سے آئندہ پر کو یا بالفعل نقصان ہو مثلاً کہیں کہ بندہ پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے یعنی اس کے ترک سے آئندہ کو آخرت میں اس پر عذاب ہوگا یا کہیں کہ پیاسے پر پانی کا پینا واجب ہے کہ اس کے ترک سے انجام کو مر جاوے گا۔
دوسرے ایسا فعل جس کے نہ ہونے سے محال لازم آوے، مثلاً کہیں کہ معلوم کا وجود واجب ہے یعنی اگر معلوم نہ ہو تو محال لازم آوے گا، وہ یہ ہے کہ علم جہل ہو جاوے گا۔ اب اگر معتزلیوں کی یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پر پیدا کرنا باعتبار اوّل معنی کے واجب ہے تب تو گویا خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ ضرر کا نشانہ بناتے ہیں اور اگر پیدا کرنا اس پر دوسرے معنوں کی رُو سے کہتے ہیں تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ علم ازلی جب خدائے تعالیٰ میں ہے تو اس کے لیے معلوم کا وجود ضرور چاہیئے اور اگر واجب کے کوئی تیسرے معنی لیے ہیں تو وہ ہم سمجھے نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ بندوں کی بہتری کے لیے واجب ہے، یہ کلام فاسد ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کی بہتری کو ترک کر دے اور اس سے اس کو کچھ ضرر نہ پہنچے تو پھر اس کے حق میں وجوب کے کچھ معنی نہ ہوں گے، علاوہ ازیں بندوں کی بہتری تو اس میں ہے کہ ان کو جنت میں پیدا کر دیتا، اس بات کی طرف کون سا عاقل طمع کرتا کہ دار المصائب میں اس کو پیدا کرے اور ہدف تیر معاصی بنا دے پھر عذاب کے خطرے اور حساب کے خوف سے ڈرا دے۔
پانچویں اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو جائز ہے کہ بندوں کو ایسی بات کا حکم کر دے جس کی طاقت ان میں نہ ہو اس میں بھی معتزلی خلاف کرتے ہیں، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ امر جائز نہ ہو تو پھر اس کے دور کرنے کا سوال محال ہے، حالانکہ سوال کرنا خدائے تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے ربنا[1] ولا تحملنا مالا طاقة لنا به اور وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابوجہل آپ کی تصدیق نہ کرے گا، پھر ابوجہل کو یہ حکم کیا کہ سب اقوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے، حالانکہ ایک قول آپ کا یہ بھی تھا کہ ابوجہل تصدیق نہ کرے گا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس قول کی تصدیق کرے کہ تصدیق نہ کرے گا اس کی تصدیق تو امر محال ہے۔
چھٹی اصل یہ کہ خدائے تعالیٰ کو درست ہے کہ اپنی مخلوق کو بدوں کسی جرم سابق اور ثواب آئندہ کے درد و عذاب پہنچاوے اس میں معتزلیوں کا خلاف ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے، اس کا تصرف اس کی ملک سے تجاوز نہیں کرتا، اور ظلم اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی ملک میں بدوں اس کی اجازت کے تصرف کرے اور اللہ تعالیٰ پر ظلم محال ہے کیونکہ اس کے سامنے دوسرے کی ملک نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرنے سے ظلم ہو اور اس امر کا وجود ہے اس کے درست ہونے کی دلیل ہے یعنی دیکھتے ہیں کہ جانوروں کا ذبح کرنا اور آدمیوں کا ان کو انواع تکلیف پہنچانا ظاہر ہے

---

[1] اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہم کو ۱۲

کہ ان کو درد دیتا ہے حالانکہ ان سے قصور پہلے سرزد نہیں ہوا پس اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کو زندہ کرے گا، اور جس قدر انہوں نے تکلیفیں کھینچی ہوں گی ان کا بدلہ ان کو عنایت کرے گا، اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر واجب ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ پر زندہ کرنا ہر ایک چیونٹی پامال شدہ اور مچھر ملے ہوتے کا واجب ہے تاکہ ان کو ان کی تکلیفوں کا ثواب دے تو وہ شخص دائرہ شریعت اور عقل دونوں سے خارج ہے اس لیے کہ ہم اس سے یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر حشر اور ثواب کے دینے کے واجب ہونے سے کیا مراد ہے اگر یہ ہے کہ اس کے ترک سے اس کو ضرر ہوگا تب تو محال ہے اور اگر واجب کے کوئی اور معنی ہیں تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ معنی غیر مفہوم ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو معنی واجب کے ہیں ان سے یہ قول خارج ہے۔

ساتویں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اس پر یہ واجب نہیں کہ جو بندوں کے حق میں زیادہ مناسب ہو اسی کی رعایت کرے۔ اس لیے کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بلکہ اس کے حق میں وجوب سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھ نہیں ہو سکتی، مخلوق سے باز پرس ہوتی ہے، اور ہم کو کوئی بتا دے کہ معتزلی جو یہ کہتا ہے کہ مناسب تر فعل کا کرنا بندوں کے حق میں خدائے تعالےٰ پر واجب ہے، وہ اس مسئلہ مفروضہ میں کیا جواب دے گا کہ اگر آخرت میں ایک مردہ لڑکے اور ایک بالغ مردہ کے درمیان میں مناظرہ ہو اور دونوں مسلمان مرے ہوں تو اللہ تعالیٰ بالغ کے درجے بڑھا دے گا اور لڑکے پر اس کو فضیلت دے گا، اس لیے کہ بالغ نے اطاعت الٰہی میں بعد بلوغ کے محنت اٹھائی اور ایسا کرنا معتزلی کے قول کے بموجب خدائے تعالیٰ پر واجب ہے، پس اس صورت میں اگر وہ لڑکا کہے کہ الٰہی تو نے اس کا مرتبہ کیوں زیادہ کیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس لیے کہ بالغ ہوا اور طاعت میں محنت کی، پھر لڑکا یہ کہے گا کہ الٰہی تو نے مجھ کو لڑکپن میں مار دیا تھا، تیرے اوپر واجب یہ تھا کہ میری زندگی باقی رکھتا تاکہ میں بالغ ہو جاتا اور طاعت میں کوشش کرتا، تو نے عدل اس بات میں نہ کیا کہ اس کی عمر زیادہ کی اور میری نہ کی، اس میں میرا قصور نہیں پھر کس وجہ سے اس کو فضیلت دی۔ اللہ تعالیٰ فرما دے گا اس لیے کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تو بالغ ہوتا تو شرک یا معصیت کرتا تو تیرے حق میں مناسب تر یہی تھا کہ لڑکپن میں مر جاوے' یہ عذر خدائے تعالیٰ کی طرف سے معتزلی بیان کرتے ہیں، اب ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لڑکے کے سوال میں ارشاد اس طرح کا کرے گا تو اس وقت دوزخ کے طبقات میں سے کافر پکاریں گے اور کہیں گے کہ الٰہی یہ تو تجھے معلوم ہی تھا کہ ہم بڑے ہو کر شرک کریں گے تو تو نے ہم کو لڑکپن ہی میں کیوں نہ مار دیا ہم تو اس مسلمان لڑکے کے درجے سے کمتر بھی راضی تھے تو اس کا کیا جواب دیا جاوے گا، اب اس صورت میں یہ یقین کرنا واجب ہے کہ خداوند کریم کے معاملات جلال کی جہت سے ایسے نہیں کہ معتزلیوں کی میزان میں ان کی گنجائش ہو، پس اگر یہ کہو کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے حق میں مناسب تر فعل کی رعایت پر قادر بے شک ہے پھر ان پر اسباب عذاب کو مسلط کر دینا قبیح ہے اور حکمت سے بعید تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبیح کے معنی یہ ہیں کہ چیز غرض کے موافق نہ ہو، یہاں تک کہ ایک ہی چیز ایک شخص کے حق میں قبیح ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے حق میں بشرطیکہ اس کی غرض کے موافق پڑے اچھی ہوتی ہے

مثلاً کسی کا مارا جانا اس کے اقربا قبیح جانتے ہیں اور اس کے دشمن اچھا سمجھتے ہیں تو اگر تمہاری غرض قبیح سے یہ ہے کہ یہ امر خدائے تعالیٰ کی غرض کے موافق نہیں، تب تو محال ہے اس لیے کہ اس کو کوئی غرض نہیں اسلیے ان معنوں کے اعتبار سے اس سے قبیح متصور نہیں جیسے کہ ظلم اس سے متصور نہیں یعنی ملک غیر میں اس کا تصرف کرنا ہو ہی نہیں سکتا ہے اس لیے کہ ظلم بھی اس سے محال ہے اور اگر قبیح سے یہ غرض ہے کہ جو اوروں کی غرض کے موافق نہ ہو تو اس کو خدائے تعالیٰ پر محال کیوں کہتے ہو یہ تو صرف ایک تمنا ہے اس کے خلاف پر وہی صورت شاہد ہے جو ہم نے دوزخیوں کے مناظرہ کی فرض کی ہے علاوہ ازیں حکیم کے معنی یہ ہیں کہ چیزوں کی حقیقتوں سے آگاہ اور ان کے افعال کو اپنے ارادے کے موافق مضبوط کرنے پر قادر ہو، اور اس میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ مناسب تر کی رعایت کرنی حکیم پر واجب ہو اور ہم میں کے حکیم جو رعایت مناسب تر کی کرتے ہیں وہ صرف اپنے نفس کے لحاظ سے کرتے ہیں کہ دنیا میں اس بات کے باعث تعریف حاصل ہو اور آخرت میں ثواب یا اس کی جہت سے کوئی آفت اپنے اوپر سے دفع کریں، اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ پر محال ہیں اس لیے اصلح کی رعایت کا اس پر واجب ہونا بھی محال ہے۔

آٹھویں اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت اور طاعت اس کے واجب کرنے اور اس کی شریعت کی جہت سے واجب ہے عقل کی جہت سے واجب نہیں، معتزلی اس میں بھی خلاف کرتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر عقل خدائے تعالیٰ کی طاعت کو واجب کرے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو بے فائدہ واجب کرے گی اور یہ محال ہے اس لیے کہ عقل لغو کی موجب نہیں ہوتی اور یا کسی فائدہ کے لیے واجب کرے گی اور فائدہ یا تو معبود کا ہوگا اور یہ بھی خدائے تعالیٰ کے حق میں محال ہے کہ وہ سب فائدوں اور غرضوں سے پاک ہے، بلکہ کفر اور ایمان اور طاعت اور عصیان اس کے حق میں دونوں برابر ہیں۔ خواہ بندے کا فائدہ ہوگا اور یہ بھی محال ہے اس لیے کہ بالفعل بندے کی کوئی غرض اس سے متعلق نہیں بلکہ طاعت پر جو محنت کرتا ہے اور اپنے شہوات سے اس کے باعث باز رہتا ہے اس کا انجام بجز ثواب اور عقاب کے اور کچھ نہیں اور یہ کہاں سے جان لیا کہ خدائے تعالیٰ معرفت اور طاعت پر ثواب عنایت کرے گا عذاب نہ کرے گا، اس کے نزدیک تو اطاعت اور معصیت برابر ہیں کیونکہ اس کو دونوں میں سے کسی طرف میل نہیں اور نہ اس میں سے کسی کو اس کے ساتھ خصوصیت ہے بلکہ اس کی تمیز شریعت ہی سے معلوم ہوتی ہے اور جس نے اس امر کو خلق کے اوپر قیاس کیا کہ مخلوق کی شکر گذاری سے مخلوق خوش اور محظوظ ہوتی ہے اور ناشکری سے ناخوش ہوا کرتی ہے تو اسی طرح خالق کا حال ہے کہ طاعت سے اس کو راحت ہوتی ہے اور معصیت سے نہیں ہوتی تو یہ اس شخص کی خطا ہے پس اگر یوں کہے کہ جب طاعت اور معرفت کا وجوب بجز شریعت کے اور کسی چیز سے نہ رہا اور شریعت جب تک نہیں حاصل ہوتی، جب تک کہ مکلف اس میں نظر نہ کرے تو اگر مکلف شخص پیغمبر سے یہ تقریر کرے کہ عقل مجھ پر نظر کو واجب نہیں کرتی، اور نہ شریعت بدوں نظر کرنے کے مجھ پر تاثیر کرے اور میں خود نظر پر جرأت نہیں کرتا تو چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب کچھ نہ دے سکیں تو ہم کہتے ہیں یہ اس شخص کا کہنا ایسا ہے جیسا زید عمر سے کہے اور وہ کسی جگہ میں کھڑا ہو کہ تیرے پیچھے ایک درندہ ہلاکو ہے اگر تو یہاں سے ٹلے گا تو وہ تجھے مار ڈالے گا، اور اگر تو اپنے منہ پھیر کر دیکھے گا تو میرا سچ کہنا تجھے معلوم

ہوجاوے گا، اس کے جواب میں عمرو کہے کہ تیرا سچ جب تک میں مڑکر نہ دیکھوں مجھے ثابت نہ ہوگا، اور جب تک تیرا سچ
نہ ثابت ہوجاوے تو مڑنا اور دیکھنا کیا ضروری ہے تو ظاہر ہے کہ اس قول سے عمرو کی حماقت پائی جاوے گی اور یہ خود نشانہ
تیر بلا ہوگا، زید کا اس میں کیا ضرر ہوگا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے پیچھے موت ہے اور اس
کے اس طرف درندے ہلاکو اور دہکتی آگ ہے، اگر تم ان سے اپنی تدبیر بچاؤ کی نہ کرلو گے تو تم کو وہ تباہ کردیں گے اور میرا سچ
تم کو میرے معجزوں کے دیکھنے سے معلوم ہوجائے گا پس جو شخص معجزوں کی طرف ملتفت ہو کر اپنا بچاؤ کرے گا ۔ وہ بچ جاوے
گا، اور جس نے التفات نہ کیا اور خطاؤں پر مصر رہا، وہ تباہ اور خراب ہوگا۔ اور اگر سارے آدمی ہلاک ہوجاویں تو اس میں مجھ
پر کچھ ضرر نہیں، میرا ذمہ تو صرف صاف صاف کہہ دینے کا ہے، غرض کہ شریعت موت کے بعد ہلاکو درندوں کے ہونے
کو بتاتی ہے اور عقل شریعت کے کلام کو سمجھنے اور جاننے کا فائدہ دیتی ہے اور جو باتیں شرع کے قول کے بموجب کہ آئندہ
کو ہوں گی ان کا امکان جانتی ہے اور طبیعت ضرر سے بچے رہنے پر ابھارتی ہے اور واجب ہونے کے معنی یہی ہیں کہ اس کے
ترک کرنے سے ضرر ہو، اور شریعت کو واجب کرنے والے کہتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ شریعت اس ضرر کو بتاتی ہے
جس کی توقع آئندہ کو ہو کیونکہ عقل تو اس بات کی ہدایت نہیں کرتی کہ شہوت کی پیروی کرنے سے موت کے بعد ضرر کا نشانہ
بننا پڑے گا پس یہ معنی ہیں شرع اور عقل کے، اور واجب کے باب میں ان کی تاثیر کے، اور اگر بالفرض مامور بہ کے ترک پر
عذاب کا خوف نہ ہوتا تو وجوب بھی ثابت نہ ہوتا . . . . اس لیے واجب تو اسی کو کہتے ہیں جس کے
ترک کرنے سے آخرت میں کوئی ضرر متعلق ہو۔

نویں اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا محال نہیں، اس میں فرقہ براہمہ کا خلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسولوں کے
بھیجنے میں کچھ فائدہ نہیں، عقل کے ہوتے ان سے کچھ مطلب نہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام نہیں معلوم ہوتے
جو آخرت میں نجات کے موجب ہوں، جیسے کہ عقل سے وہ دوائیں جو صحت کی مفید ہوں، معلوم نہیں ہوتیں تو مخلوق کو
انبیاء کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے ان کو طبیب کی حاجت ہے، فرق اتنا ہے کہ طبیب کا قول تجربہ سے سچ مانا جاتا ہے
اور نبی معجزہ سے

دسویں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور پہلی شریعتوں یعنی یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں
کی ملتوں کا ناسخ بھیجا اور ظاہر معجزات اور غالب کرامات سے آپ کی تائید فرمائی جیسے چاند کا شق ہونا[۱] اور کنکروں کا
تسبیح پڑھنا[۲] اور چوپایہ کا بولنا[۳] اور انگلیوں کے بیچ میں سے پانی کا بہنا وغیرہ اور آپ کے ظاہر معجزات میں سے کہ تمام
عرب پر اس کے باعث آپ کو فوق ہوا کہ قرآن مجید ہے کہ باوجودیکہ اہل عرب فصاحت وبلاغت میں دم بھرتے تھے
اس کے مقابلہ پر قادر نہ ہوئے اس لیے کہ جو کچھ عمدگی اور ترتیب کی خوبی اور عبارت کی درستی اس میں ہے آدمی کی طاقت
نہیں کہ اس کو جمع کرسکے اور باتوں میں سب میں مزاحمت کی کہ گرفتار کرنا اور لوٹ لینا اور قتل کا ارادہ کرنا اور وطن سے نکال
دینا سب کچھ کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سب حال فرمایا مگر قرآن کے مثل نہ لاسکے باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ

۱ بخاری ومسلم بروایت انس رض وابن مسعود وابن عباس رض ۱۲ ۲ بیہقی بروایت ابی ذر رض ۱۲ ۳ بیہقی بروایت یعلی بن مرہ ۱۲

علیہ وسلم ناخواندہ تھے اور کتابوں سے مس نہ تھا، علاوہ ازیں کلام میں سب لوگوں کی خبریں اور بہت سے امور ہیں غیب کے حالات بیان کر دیئے ہیں جن کا سچ آخر کو معلوم ہوا جیسے یہ آیت ہے [1] لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین الخ اور یہ آیت الٓمٓ [2] غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین الخ اور معجزہ جو رسول کے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو فعل کہ آدمی اس سے عاجز ہوں وہ بجز خدائے تعالیٰ کے فعل کے دوسرے کا نہ ہوگا تو جب اس طرح کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متصل ہوگا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ رسول سچ کہتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں کھڑا ہو اور اس کی رعیت کے سامنے دعویٰ کرتا ہو کہ میں اس بادشاہ کا ایلچی ہوں تو اگر یہ شخص بادشاہ سے کہے کہ اگر میں اس دعوے میں سچا ہوں تو آپ اپنے تخت پر تین بار خلاف عادت اٹھئے اور بیٹھئے اور بادشاہ اس کے کہنے سے ویسا ہی کرے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں گے ظاہر ہے کہ یہ ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ بادشاہ نے گویا یہ کہہ دیا کہ ایلچی سچ کہتا ہے جو تھا رکن سنی ہوئی چیزوں کے بیان میں اور جن امور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ان کو سچ جانتے ہیں اور اس کا مدار دس اصلوں پر ہے۔

پہلی اصل یہ کہ حشر اور نشر ہوگا کہ شریعت میں اس کی خبر [3] آچکی ہے اور اس کا سچ جاننا واجب ہے اس لیے کہ اس کا وجود عقل میں ممکن ہے، اور معنی اس کے یہ ہیں کہ بعد فنا کے دوبارہ موجود ہونا اور یہ امر خدائے تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے، جیسے اس نے اول پیدا کیا، چنانچہ خود فرماتا ہے [4] قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ اس میں ابتداءً پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال فرمایا اور دوسری جا ارشاد ہے [5] ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ اور دوبارہ پیدا کرنا دوسری ابتدا ہے پس وہ مثل ابتدائے اول کے ممکن ہے۔

دوسری اصل منکر نکیر کا سوال احادیث [6] میں آچکا ہے تو اس کی تصدیق بھی واجب ہے اس لیے کہ عقل کی رو سے وہ ممکن ہے کیونکہ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ زندگی دوبارہ کسی ایسی جز میں آجاوے اور یہ امر بذاتِ خود ممکن ہے اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ میت کے اجزاء تو ساکن رہتے ہیں اور ہم کو منکر نکیر کا سوال سنائی نہیں دیتا کیونکہ سوتا آدمی بھی ظاہر میں ساکن ہوتا ہے مگر اندر سے رنج اور لذتیں ایسی پاتا ہے کہ جاگنے کے بعد بھی ان کا اثر پاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل [7] علیہ السلام کا کلام سنتے تھے اور ان کو دیکھتے تھے اور آپ کے لوگ نہ سنتے تھے اور نہ دیکھتے تھے

---

[1] تم داخل ہو رہے ہو گے ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا چین سے بال مونڈتے سروں اپنے کے اور کترتے ۱۲ [2] دب گئے روم لگتے ملک میں اور وہ اس کے پیچھے اب غالب ہوں گے کئی برس میں ۱۲ [3] بخاری مسلم بروایت ابن عباسؓ و عائشہؓ وابی ہریرہؓ ۱۲ [4] کون جلاوے گا ہڈیاں جب کھوکھری ہو گئیں تو کہہ ان کو جلادے گا جس نے بنایا پہلی بار ۱۲ [5] اس کی سند گذر چکی ۱۲ [6] تم سب کا بنانا اور مرے پر جلانا ایسا ہے جیسا ایک جی کا ۱۲ [7] بخاری مسلم بروایت عائشہؓ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اکثر اوقات صحابہ کرامؓ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نہ دیکھتے تھے ورنہ دیکھنا اکثر نبی کا حضرت جبرئیل کو ثابت ہے مثلاً عبداللہ بن عمر و کعب ابن مالکؓ وغیرہم ۱۲

اور نہ ان کے علم میں سے کوئی چیز معلوم کر سکتے تھے الا ماشاء اللہ غرض کہ ان لوگوں کے لیے سننا اور دیکھنا فرشتوں کا پیدا نہیں کیا گیا تھا، اس لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔

تیسری اصل عذاب قبر[1] شریعت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف کے سب نیک بختوں سے مشہور چلا آتا ہے کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے اور قبر کا عذاب ممکن ہے تو اس کی تصدیق کرنی واجب ہے اور میت کے اجزاء کا درندوں کے پیٹ میں اور پرندوں کے پوٹوں میں بٹ جانا عذاب قبر کی تصدیق کا مانع نہیں، اس لیے کہ عذاب کا درد تو حیوان میں سے خاص اجزاء کو معلوم ہوا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ میں قدرت ہے کہ ادراک ان اجزاء میں پھر سے پیدا کر دے۔

چوتھی اصل میزان ہے جس کے باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[3] ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ اور دوسری جا ارشاد ہے[4] فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم فی جھنم خلدون، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جتنا عملوں کا رتبہ ہوتا ہے اسی کے موافق نامۂ اعمال میں وزن پیدا کر دیتا ہے اس سے بندوں کے وزن کی مقداریں بندوں کو معلوم ہو جاویں گی، تاکہ ان پر بات کھل جاوے کہ اگر عذاب کرے گا تو عدل ہے اور اگر ثواب دے گا، عفو اور فضل ہے۔

پانچویں اصل پل صراط یعنی دوزخ کی پشت پر بنا ہوا ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[5] فاھدوھم الی صراط الجحیم وقفوھم انھم مسئولون اور اس پل کا ہونا ممکن ہے اس لیے اس کا سچ جاننا بھی واجب ہے اور وجہ ممکن ہونے کی یہ ہے کہ جو شخص اس بات پر قادر ہے کہ پرند کو ہوا میں اڑا دے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ آدمی اس پل کے اوپر چلا دے۔

چھٹی اصل یہ کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[6] وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموٰت والارض اعدت للمتقین لفظ اعدت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے اس لیے اس کو باعتبار ظاہر الفاظ کے رہنے دینا واجب ہے کیونکہ کوئی محال اس میں نہیں، اور اگر کوئی یہ کہے کہ روز جزا سے پہلے ان دونوں کے پیدا کرنے میں کچھ فائدہ نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کرتا ہے اس کی باز پرس نہیں اور ان

---

[1] عذاب قبر اور میزان اور پل صراط کے احادیث کی سند اول گذر چکی؛ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے پناہ مانگنا بخاری مسلم نے ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے ۱۲ [2] آگ سے دہکا دیتے ہیں ان کو صبح و شام اور جس دم اٹھے گی قیامت، داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں ۱۲ [3] اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن ۱۲ [4] سو جب کہ بھاری ہوئیں تو ان ہی لوگ کام لے نکلے اور جس کی ہلکی ہوئیں تو ان سو ہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان دوزخ میں رہا کریں گے ۱۲ [5] پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کی اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے [6] اور دوڑو بخشش پر اپنے رب کی طرف اور جنت پر جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے ۱۲

سے پوچھ ہوگی۔

ساتویں اصل یہ کہ امام برحق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قطعی کسی امام پر نہیں فرمائی، اس لیے کہ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو اولیٰ یہ تھا کہ ظاہر تر ہوتا جو کوئی عالم یا امیر آپ نے شہروں میں مقرر فرمایا اور چھپا نہیں رہا، یہ تو اس کی نسبت کر زیادہ ظاہر ہونا چاہیے تھا یہ کیسے چھپا رہا اور اگر ظاہر ہو گیا تھا تو پھر کیسے مٹ گیا کہ ہم تک وہ حال نہ پہنچا، حاصل یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کے پسند کرنے اور رعیت کی جہت سے امام ہوئے، اور اگر بالفرض کہا جاوے کہ نص دوسرے کے لیے تھی تو کل صحابہؓ کو کہتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کیا اور اجماع کا خلاف کرتا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ رافضیوں کے سوا اور کسی سے اس پر جرأت نہیں ہوتی، اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ سب صحابہؓ کو اچھا کہیں اور جس طرح کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی، اسی طرح ان کی تعریف کریں اور جو نزاع کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ہوا، اس کی بنا اجتہاد پر تھی، یہ نہیں کہ امامت کے باب میں حضرت معاویہ کی طرف سے انکار ہوا ہو، بلکہ حضرت علیؓ نے یہ گمان کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کو سپرد کر دینے کا انجام یہ ہوگا کہ امامت کا معاملہ ابھی درہم برہم ہو جاوے گا، بایں لحاظ کہ ان کے قبائل بہت ہیں اور لشکر میں ملے جلے ہیں اس لیے ان کے سپرد کرتے ہیں تاخیر کو اچھا جانا، اور حضرت معاویہؓ نے یہ سمجھا کہ باوجود اتنے بڑے قصور کے ان کے باب میں تاخیر کرنی اماموں کے اوپر ان کو ابھارنا ہے اور کشت و خون ناحق کے درپے ہونا، اور بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ صواب کو پہنچنے والا ایک ہی ہوتا ہے اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو کہا ہو کہ خطا پر تھے۔

آٹھویں اصل یہ کہ صحابہؓ کا فضل اس ترتیب سے ہے جس طرح پر کہ خلافت ہوئی اس لیے کہ فضل واقع میں وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو، اور یہ امر ایسا ہے کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اس پر مطلع نہیں ہوتا اور ان سب کی تعریف میں آیات اور احادیث بہت سی وارد ہیں اور فضل کے دقائق اور اس کی ترتیب کو وہی لوگ جانتے ہیں جو وحی اور قرآن مجید کے اترنے کو دیکھتے تھے اور قرآن حال سے فضل کے دقائق معلوم کرتے تھے، پس اگر وہ لوگ بزرگی کو اس ترتیب کے ساتھ نہ سمجھے ہوتے تو خلاف کو اس طرح ترتیب نہ دیتے اس لیے کہ وہ لوگ ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے باب میں نہ ملامت گردن کے طعن سے ڈرتے تھے اور نہ ان کو امر حق سے کوئی مانع باز رکھتا تھا۔

نویں اصل یہ کہ امامت کی شرطیں بعد اسلام اور بلوغ اور عقل اور آزادی کے پانچ ہیں، مرد ہونا اور ورع اور علم اور کفایت اور قریشی ہونا اس جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] الائمۃ من قریش امام قریشی میں سے ہوتے ہیں، اور جب بہت سے لوگ ایسے ہوں جن میں یہ پانچوں صفتیں موجود ہوں تو امام وہ ہوگا جس کے لیے بیعت اکثر خلق کی ہو جاوے اور جو اکثر لوگوں کا خلاف کرے وہ باغی ہے اس کو حق کے انقیاد کی طرف پھیرنا واجب ہے۔

دسویں اصل یہ کہ جو شخص امامت کا کفیل ہو اگر اس میں ورع اور علم کا وجود دشوار ہو اور اس کے معزول کر دینے سے ایسا فتنہ برپا ہوتا ہو، جس کی تاب لوگوں کو نہ ہو تو ہم یہی کہیں گے کہ اس کی امامت درست ہے اس واسطے کہ معزول کر دیا

---

[1] نسائی بروایت انسؓ ۱۲

جاوے تو دو حال سے خالی نہیں یا دوسرا اس کی جگہ پر ہو یا بالکل امامت خالی رہے، اگر پہلی صورت ہوگی یعنی اس کی جگہ دوسرا مقرر کیا جاوے گا تب تو جتنا ضرر مسلمانوں کو فتنہ برپا ہونے سے ہوگا وہ اس نقصان کی نسبت کہ زیادہ ہوگا جو امام مذکور میں شروط امامت کے ناقص ہونے کی جہت سے ان کو ہوگا کیونکہ شروط مذکورہ صرف زیادتی مصلحت کے لیے ٹھہرائی گئی ہیں تو زیادتی مصلحت کے نہ ہونے کے خوف سے اصل مصلحت کو دور کرنا خوب نہیں جیسے کوئی ایک محل بناوے اور شہر کو گرا دے اور اگر دوسری صورت ہو یعنی شہر امام سے خالی رہیں تو سب مقدمات بگڑ جاویں گے یہ کسی طرح ہو نہیں سکتا، اس لیے ضرور اول ہی صورت قائم رہے گی، علاوہ ازیں ہم حکم دیتے ہیں کہ باغیوں کا حکم ان کے شہروں میں درست ہے اس نظر سے کہ ان کو حاجت ہوتی ہے، تو حاجت اور ضرورت کے ہوتے ہوئے امامت کیسے درست نہ ہوگی غرض کہ یہ چاروں رکن جو چالیس اصول پر مشتمل ہیں یہ عقائد کے قواعد ہیں جو کوئی ان کا معتقد ہوگا وہ اہل سنت وجماعت کے موافق اور بدعت کے فرقہ سے علیحدہ ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اپنی توفیق سے ہم کو راستی پر رکھے اور اپنے جود اور احسان و فضل سے راہ حق کی طرف ہم کو ہدایت کرے، وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

چوتھی فصل ایمان اور اسلام کا بیان

اور ان دونوں میں جو کچھ اتصال اور جدائی ہے جو کمی بیشی ان دونوں پر طاری ہوا کرتی ہے، اور سلف کے لوگ جو انشاء اللہ ان دونوں کے باب میں کہتے تھے اس کی وجہ کے ذکر میں اور اس فصل میں تین مسئلہ ہیں، اول اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ اسلام ایمان ہی ہے یا دوسری چیز ہے، اور اگر دوسری چیز ہے تو اس سے جدا پایا جاتا ہے یا اسی کے ساتھ متعلق اور لازم رہتا ہے، پس بعض تو یہ کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہیں اور بعض کا قول ہے کہ دو چیزیں ہیں آپس میں ملتی نہیں، جدا جدا ہیں اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ دو ہیں مگر ایک دوسرے سے وابستہ رہتی ہیں، اور ابو طالب مکی نے اس باب میں ایک بہت بڑی تقریر نہایت بینڈی لکھی ہے۔ اب ہم حق صریح کو بیان کرتے ہیں بدوں اس بات کے کہ ایسی تقریر نقل کریں جس میں کچھ فائدہ نہ ہو، واضح ہو کہ اس باب میں تین بحثیں ہیں۔ اول اس باب میں کہ لغت میں دونوں لفظوں کے معنی کیا ہیں، دوم شرع کے بولنے میں ان دونوں سے کیا مراد ہے۔ سوم ان دونوں کا حکم دنیا اور آخرت میں کیا ہے، غرض کہ اول بحث لغوی ہے اور دوسری تفسیری اور تیسری فقہی شرعی۔ بحث اول معنی لغوی کے بیان میں، اس میں حق یہ ہے کہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا مومن سے مراد مصدق یعنی تصدیق کرنے والے سے ہے اور اسلام کے معنی فرمانبرداری کو ماننے اور سرکشی اور انکار اور عناد کو چھوڑنے کے ہیں، اور تصدیق کا ایک محل خاص ہے، یعنی وہ دل سے ہوتی ہے، اور زبان اس کی ترجمان یعنی بیان کرنے والی، اور ماننا عام ہے دل اور زبان اور اعضا سب سے ہوتا ہے، کیونکہ جو تصدیق دل سے ہے وہ تسلیم اور ترک انکار ہے اسی طرح زبان سے اقرار کرنا اور طاعت اور انقیاد اعضا سے کرنا ہے، حاصل یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے اسلام عام ہے اور ایمان خاص اسلام کے اجزا میں سے اشرف کا نام ایمان ہے، اس سے معلوم

ٹ اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا۔

ہوا کہ ہر ایک تصدیق تسلیم ہے اور یہ نہیں کہ ہر تسلیم تصدیق ہے جو بحث دوم اطلاق شرعی کے ذکر میں ہے اور اس باب میں حق یہ ہے کہ شریعت میں ان کا استعمال تینوں طور پر آیا ہے یعنی دونوں کے معنی ہوں یا جدا جدا ہوں یا ایک کے معنوں میں دوسرے کے معنی داخل ہوں، دونوں کے ہم معنی ہونے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین[۱] اور یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ ایک گھر تھا اسی کے لیے مؤمنین اور مسلمین ارشاد فرمایا[۲] یٰقوم ان کنتم اٰمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین[۲] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[۳] بنی الاسلام علیٰ خمس اور ایک بار جو آپ سے ایمان کا حال پوچھا تو اس کے جواب[۴] میں بھی یہی پانچوں رکن ارشاد فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں، اور دونوں کے جدا جدا ہونے کی مثال یہ آیت ہے قالت[۵] الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا. یہ کہو کہ ہم نے ظاہر میں انقیاد قبول کیا، اور اس جگہ سے مراد فقط دل کی تصدیق اور اسلام سے غرض زبانی خواہ اعضا کی ظاہری فرمانبرداری ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث میں ہے کہ جب[۶] انہوں نے آپ سے ایمان کا حال پوچھا تو فرمایا کہ ایمان لانا اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر، اور مرنے کے بعد اٹھنے پر، اور حساب پر خیر و شر کو اسی کی طرف سے جاننے پر ایمان ہے پھر پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے تو جواب میں یہی پانچ خصلتیں مذکور فرمائیں، یعنی اسلام کو بیان فرمایا کہ قول اور عمل سے تسلیم کرنے کو کہتے ہیں، اور سعد بن ابی وقاص کی حدیث[۷] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو عطا کیا اور دوسرے کو نہ دیا تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ مومن ہے یا مسلم پھر دوبارہ انہوں نے وہی عرض کیا کہ آپؐ نے دوبارہ وہی جواب دیا، اور ایک کے معنی دوسرے میں داخل ہونے کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں سے کون سا افضل ہے، آپ نے فرمایا کہ اسلام، پھر سائل نے عرض کیا کہ اسلام کونسا افضل ہے آپؐ نے فرمایا کہ ایمان۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مختلف بھی ہیں، اور ایک دوسرے میں داخل بھی، اور یہ امر لغت کی رو سے استعمالوں میں سب سے اچھا ہے اس لیے کہ ایمان اعمال میں سے ایک عمل ہے جو سب اعمال سے افضل ہے اور اسلام تسلیم کا نام ہے خواہ دل میں یا زبان میں یا اعضا سے اور ان سب میں بہتر وہ تسلیم ہے جو دل سے ہو اور یہ دل کی تسلیم وہی تصدیق ہے جس کو ایمان کہتے ہیں اور ان دونوں کا استعمال جداگانہ طور پر خواہ تداخل یا ترادف کے طور پر مجاز فی اللغۃ کے طریق سے خارج نہیں مثلاً جداگانہ طور پر اس طرح ہو کہ ایمان کو فقط دل کی تصدیق کا نام کہیں تو یہ لغت کے موافق ہوگا اور اسلام کو تسلیم ظاہری ٹھہرادیں یہ بھی لغت کے موافق ہوگا اس لیے کہ تسلیم اگر تسلیم کی بعض جگہوں سے بھی ہوگئی تو اس کو بھی تسلیم ہی کہیں گے یہ تو شرط نہیں کہ جہاں جہاں معنی کا پایا جانا ممکن ہو لفظ

---

[۱] پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا، پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں کا ۱۲ [۲] اے قوم اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو مسلمان ۱۲ [۳] بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ یعنی اسلام بنایا گیا ہے پانچ باتوں پر ۱۲ [۴] بیہقی بروایت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [۶] بخاری و مسلم ۱۲ [۷] احمد و طبرانی بروایت عمرو بن عبسیٰ مگر اس میں اس کا نصف اخیر ہے کہ کسی نے پوچھا کون سا اسلام افضل ہے ۱۲ ۱۲

سے وہ سب حاصل ہی ہو جیسے مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے کو اپنے بدن کے کسی ٹکڑے سے چھووے تو چھُونے والا کہلاوے گا گو سب بدن چھونے میں شامل نہیں، اسی طرح لفظِ اسلام کو صرف ظاہر کی تسلیم پر بولنا جس وقت کہ باطن کی تسلیم نہ ہو، لغت کے مطابق ہے اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کا قول ہے قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سعدؓ کی حدیث میں کہ یا مسلم ہے اس لیے کہ آپ نے مومن کو مسلم پر ترجیح دی، اور ہماری غرض دونوں کے معنوں کے جدا ہونے سے یہی ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہو، اور نداخل کے طور پر بھی لغت کے موافق ہو گا یعنی اسلام کو یہ ٹھہرالیں کہ دل اور قول اور عمل سب سے تصدیق کا نام ہے اور ایمان کو کہیں کہ بعض تصدیق کا نام ہے جو اسلام میں داخل ہے یعنی صرف دل کی تصدیق اور ہماری غرض تداخل یہی ہے اور ایمان کو خاص کر دینا اور اسلام کو عام کر دینا لغت کے موافق ہے اور اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ جب سائل نے عرض کیا کہ کونسا اسلام افضل ہے تو آپؐ نے ایمان فرمایا یعنی آپؐ نے ایمان کو خاص کر کے اسلام میں داخل کر دیا اور ان کے ایک معنوں میں استعمال کی مثال یہ ہے کہ اسلام کے معنی تسلیم کے لیے جاویں جو دل اور ظاہر دونوں سے ہو، کیونکہ تسلیم بہرحال ہوگی اور ایمان کے معنی بھی یہی کر دیے جاویں، اس صورت میں صرف اتنا تصرف ہو گا کہ ایمان میں جو خصوصیت دل کے تسلیم کی تھی اس کو عام کر دیا جاوے گا اور ظاہر کی تسلیم کو بھی اس میں داخل کیا جاوے گا اور یہ تصرف درست ہے اس لیے کہ ظاہر کی تسلیم قول اور عمل سے باطن کی تصدیق کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درخت بولتے ہیں تسامح کے طور پر اس سے درخت مع پھل مراد ہوتا ہے تو اتنے تصرف سے ایمان ہم معنی اسلام کا اور اس کے مطابق ہو جاوے گا نہ اس سے زیادہ ہو گا نہ کم، اور اسی بناء پر یہ ارشادِ خداوندی ہے فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین۔ تیسری بحث حکمِ شرعی کے ذکر میں، اسلام اور ایمان کے دو حکم ہیں، ایک دنیاوی ہے دوسرے اخروی، حکمِ اخروی یہ ہے کہ آتش دوزخ سے نکالنا اور اس میں ہمیشہ رہنے کا مانع ہونا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۲] یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان اور اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ یہ حکم کس چیز پر مرتب ہوتا ہے یعنی وہ ایمان کونسا ہے جس کا نتیجہ آتش دوزخ سے نکلنا ہے پس بعض کا قول تو یہ ہے کہ صرف یقین کرنے کا نام ہے اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ہے اور بعض تیسری بات اور بڑھاتے ہیں یعنی اعضا سے عمل کرنا اور ہم اسباب میں اصل مطلب کو واضح کرتے ہیں واقع میں یہ ہے کہ جو کوئی ان تینوں باتوں کا جامع ہو گا تو اس میں خلاف کسی کا نہیں کہ بے شک اس کا ٹھکانا جنت میں ہو گا یہ تو ایک درجہ ہوا، دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو یا تین پائی جاویں، اور کچھ تیسری بھی ہو یعنی ویسے یقین کرنا اور زبان سے کہنا اور کچھ عمل پائے جاویں مگر اس شخص نے ایک یا زیادہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھی کیا ہو، تو اس صورت میں معتزلی یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ایمان سے خارج ہوا مگر کفر میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس کا نام فاسق ہے اور ایک درجہ ہے ایمان اور کفر کے درمیان میں

---

[۱] کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے کہہ کہ تم ایمان نہیں لائے پر کہو مسلمان ہوئے ۱۲۔ [۲] نکلے گا آگ سے وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا ۱۲ بخاری مسلم بروایت ابو سعید خدریؓ ۱۲

اور ایسا شخص دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اور یہ قول باطل ہے چنانچہ عنقریب اس کا ہم بیان کریں گے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار پایا جاوے اور اعضاء سے اعمال نہ ہوں ایسے شخص کے حکم میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، ابو طالب مکی کا قول یہ ہے کہ عمل کرنا خود ایمان بدون عمل کے پورا نہیں ہوتا اور اس پر اجماع کا دعوے ایسی دلیلوں سے کیا ہے جن سے ان کے مطلب کا خلاف معلوم کرنا ہے جیسے مثلاً دلیل میں یہ آیت نقل کی ہے الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[1] کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل ایمان کے سوا اور چیز ہے، ایمان میں داخل نہیں ورنہ عمل حکم معاد میں ہو گا۔ اور تعجب یہ ہے کہ اس قول پر اجماع کا دعوی کرتے ہیں اور باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ کسی[2] شخص کو کافر نہ کہا جاوے، مگر اس صورت میں کہ جس چیز کا اقرار کر چکا ہے اس کا منکر ہو اور فرقہ معتزلہ جو کبیرہ گناہوں کے سبب دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے قائل ہیں ان کے قول کا انکار کرتے ہیں حالانکہ جو ان کے قول کا قائل ہے وہ بعینہ معتزلیوں کے مذہب کا قائل ہو گا کیونکہ ہم اس سے یہ کہیں گے کہ جو شخص اپنے دل سے تصدیق کرے اور زبان سے شہادت ادا کرے اور اس وقت مر جاوے تو وہ جنت میں جاوے یا نہیں، اس کے جواب میں وہ یہی کہے گا کہ ہاں جنت میں جاوے گا، تو اس صورت میں ایمان بدون عمل کے کہنا پڑے گا۔ اب ہم کچھ زیادہ کر کے پوچھیں گے کہ وہی شخص اگر بالفرض اتنا زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت آجاوے اور وہ اس کو ترک کرے اور مر جاوے یا زنا کرے اور مر جاوے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا یا نہیں، اگر وہ جواب دے کہ رہے گا تب تو معتزلیوں کا ہی مطلب ہے اور اگر کہے کہ نہیں تو اس بات کی تصریح ہے کہ عمل جزو ایمان نہیں اور نہ ایمان کے وجود میں شرط ہے اور نہ اس کے باعث جنت کا استحقاق ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ بہت مدت تک جیوے اور نماز نہ پڑھے اور نہ اور کوئی عمل شرعی بجا لاوے تو ہم یہ کہیں گے کہ مدت کو معین کرو، اور طاعتوں کے شمار بتلاؤ جن کے چھوڑنے سے ایمان جاتا رہتا ہے اور کبیروں کی گنتی کیا ہے جن کے ارتکاب سے ایمان باطل ہوتا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ اس کی مقدار نہیں معین ہو سکتی اور نہ کبھی کوئی اس طرف گیا، چوتھا درجہ یہ ہے کہ دل کی تصدیق پائی جاوے اور ہنوز نوبت زبان سے اقرار اور عمل میں مصروف ہونے کی نہ پہنچی ہو کہ مر جاوے تو اس کا جواب یہ کہے گا کہ اپنے اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایمان سے مرا حالانکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور جو شخص کہ ایمان پورا ہونے میں قول زبانی کی شرط کرتا ہے، اس کا یہ کہنا ہو گا کہ یہ شخص ایمان سے پہلے مرا، اور یہ قول فاسد ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دوزخ سے نکلے[3] گا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا اور اس شخص کا دل تو ایمان سے لبالب تھا یہ کیسے ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث میں ایمان کی شرط بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور روز آخرت کی تصدیق کرے جیسے پہلے بیان ہوا پانچواں درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق کرے اور عمر میں اتنی مہلت بھی ملے کہ شہادت کے دونوں کلمے کہہ لے اور ان

---

[1] جو لوگ ایمان لائے اور کام کیے اچھے ۱۲ [2] بروایت ابی سعید بسند ضعیف ۱۲

کا واجب ہونا معلوم کرے مگر اس کو زبان سے ادا نہ کرے تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کا ادا نہ کرنا ایسا ہے جیسے نماز کے پڑھنے سے باز رہنا اور باوجود اس کے ہم کہیں گے کہ وہ شخص مومن ہے اور دوزخ میں مدام نہ رہے گا اس لیے کہ ایمان صرف دل کی تصدیق ہے اور زبان اس اعتقاد دلی کا ترجمان ہے تو ضرور ہے کہ زبان کے ادا کرنے سے پیشتر بھی ایمان کامل موجود ہو تاکہ اس کو زبان ادا کرے اور یہی ظاہر تر ہے اس لیے کہ بجز معانی کی پیروی کے اور کوئی سند نہیں، اور لغت کی رُو سے یہ ہے کہ ایمان دل کی تصدیق کو کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ سے وہ شخص نکل جاوے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا اور اگر آدمی واجب امر کے بولنے سے سکوت کرے تو دل میں سے ایمان نہیں جاوے گا جیسے فعل واجب کے نہ کرنے سے نیست نہیں ہوتا اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ زبان سے کہنا بھی ایمان کا جزو ہے اس لیے کہ شہادت کے دونوں کلمے دل کے حال سے خبر نہیں دیتے بلکہ وہ دوسرے معاملہ کا انشا اور ابتدا اور التزام ہیں اور اوّل قول ظاہر تر ہے اور اس قول میں فرقہ مرجیہ نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ یہ شخص کبھی آگ میں نہ جاوے گا، ان کا یہ قول ہے کہ مومن اگرچہ نافرمانی کرے مگر دوزخ میں نہ جاوے گا اور ہم ان کے قول کو بھی باطل کریں گے چھٹا درجہ یہ ہے کہ زبان سے کہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مگر دل میں اس کی تصدیق نہ کرے تو ہم کو اس بات میں شک نہیں کہ ایسا شخص آخرت کے حکم میں کافروں میں سے ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اس میں بھی شک نہیں کہ دنیا کے احکام میں جو متعلق اماموں اور حکام کے ہیں، وہ مسلمانوں سے ہوگا اس واسطے کہ اس کے دل[1] کے حال کے مطابق ہے لیکن ایک تیسرے امر میں ہم کو شک ہے کہ اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کے معاملہ میں حکم دنیادی اس پر کیا ہونا چاہیے مثلاً اسی حال میں اگر کوئی اس کا رشتہ دار مسلمان مرجاوے اور اس کے بعد وہ اس سے تصدیق ایمان کی کرے پھر فتوے پوچھے کہ جب میرا رشتہ دار مرا تھا مجھ کو ایمان یعنی دل کی تصدیق نہ تھی مگر ظاہر ہے اسلام کی جہت سے اس کی میراث مجھے مل گئی اور اب وہ میرے پاس ہے تو وہ اس معاملہ میں جو مجھ میں اور خدائے تعالیٰ میں ہے مجھ پر حلال ہے یا نہیں، یا اسی پہلی حالت میں کسی مسلمان عورت سے اس نے نکاح کر لیا تھا اور پھر دل سے تصدیق کی تو اب اس پر نکاح کا دوبارہ کرنا لازم ہے یا نہیں، یہ حکم محل تردد ہے اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جاوے کہ دنیا کے احکام زبانی قول سے ظاہر اور باطن دونوں میں وابستہ ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قول زبانی سے غیر شخص کے حق میں وابستہ ہیں اس لیے کہ اس کا باطن غیر پر ظاہر نہیں اور خود اس کو تو اپنے باطن کا حال ظاہر ہے کہ اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کیا معاملہ ہے۔ اور ظاہر تر یہی ہے کہ اس کو وہ میراث ناجائز ہو اور نکاح کا پھر سے کرنا لازم آوے واللہ اعلم۔ اور اسی لیے حضرت حذیفہ رضؓ اگر منافقین میں سے کوئی مرتا تھا تو اس کے جنازے پر حاضر نہ ہوتے تھے، اور حضرت عمر رضؓ بھی اس کی رعایت کرتے تھے کہ جس جنازے پر وہ نہ جاتے تھے آپ بھی کبھی تشریف نہ لے جاتے تھے، اور نماز دنیا میں ایک فعل ظاہر ہے اگرچہ عبادات میں سے ہے، اور حرام سے بچنا بھی ان امور میں سے ہے جو خدائے تعالیٰ کے لیے واجب ہیں جیسے نماز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ[ح] - اور یہ تقریر ہماری اس قول کے خلاف نہیں کہ ارث اسلام کا حکم ہے اور وہ بھی

[ح] طلب کرنا حلال کا فرض ہے بعد فرض ہے ۱۲ طبرانی و بیہقی بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲

---

[1] پر تو خبر ہو ہی نہیں سکتی، ہم پر بھی لازم ہے کہ جو کچھ اس نے زبان سے کہا اسکو یہ خیال کریں کہ یہ قول اس کے دل ×

تسلیم ہے بلکہ تسلیم نام ہے وہ ظاہر اور باطن دونوں کو شامل ہو، اور یہ بخشش فقہی اور ظنی ہیں کہ ظاہر اور عام الفاظ اور قیاسوں پر مبنی ہیں، تو جو شخص علوم میں قاصر ہو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس بات میں غرض یقین سے ہے، اور عادت یہ ہوگئی ہے کہ ایسی چیز کو فن کلام میں ذکر کرتے ہیں جس میں حکم قطعی مطلوب ہوتا ہے تو جو شخص علوم میں عادتوں اور رسموں کی طرف نظر کرتا ہے، اس کو فلاح نہیں ہوتی۔ اب اگر یہ کہو کہ معتزلیوں اور مرجیوں کے شبہ پڑنے کی کیا وجہ ہے، اور ان کے قول کے باطل ہونے کی کیا دلیل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وجہ ان کے شبہوں کی عام آیتیں قرآن مجید کی ہیں، چنانچہ مرجیہ کہتے ہیں کہ ایماندار آگ میں نہ جاوے گا گو سب طرح کے گناہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن[1] یومن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا اور فرمایا والذین[2] اٰمنوا باللہ ورسولہ اولٰئک ھم الصدیقون الایۃ اور فرمایا کلما[3] القی فیھا فوج سألھم خزنتھا الم یأتکم نذیر قالوا بلی قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما اس میں لفظ القی فیھا کا عام ہے۔

تو یہ چاہیئے کہ جو دوزخ میں ڈالا جاوے وہ تکذیب کرنے والا ہو اور فرمایا لا[4] یصلٰھا الا الاشقی الذی کذب وتولی اس آیت میں حصر اور اثبات اور نفی تینوں موجود ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجز اشقیا اور مکذبین کے اور کوئی آگ میں نہ جاوے گا اور فرمایا من[5] جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا وھم من فزع[6] یومئذ اٰمنون اور سب حسنات کی جڑ ایمان ہے تو ایمان والے کو خوف کیسے ہوگا اور فرمایا واللہ[7] یحب المحسنین اور فرمایا انا[8] لا نضیع اجر من احسن عملا۔ یہ ان کی دلیل ہے مگر آیتوں سے ان کا مطلب حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ ان آیتوں میں جہاں ذکر ایمان کا ہے اس سے ایمان مع عمل مراد ہے، چنانچہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لفظ ایمان سے کبھی اسلام بھی مراد لیا کرتے ہیں، یعنی موافقت دل اور قول اور عمل کی اور ایمان میں جو ہم یہ تاویل کرتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سی چیزیں در باب گنہگاروں کے عذاب اور مقدار عذاب کے وارد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ سے نکالا جاوے گا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا، اس سے بھی ایمان والے کا دوزخ میں جانا ثابت ہے کیونکہ اگر دوزخ میں نہ جاوے گا تو باہر کیسے نکلے گا، اور قرآن سے ثبوت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان[8] اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء۔ اس میں جو مغفرت کو اپنی مشیت سے مستثنٰی فرمایا ہے تو اس سے مجرموں کا کئی قسم ہونا صاف ظاہر ہے، اور دوسری جا ارشاد ہے ومن[9] یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خٰلدین فیھا۔

---

[1] پھر جو کوئی یقین لاوے اپنے رب پر، سو نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے ۱۲ [2] جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر، وہی ہیں سچے ایمان والے ۱۲ [3] جس بار پڑا دوزخ میں ایک دل پوچھا ان سے ان کے داروغوں نے کیا نہ پہنچا تھا تم کو کوئی ڈر سنانے والا وہ بولے کیوں نہیں ہمارے پاس ڈر سنانے والا آیا پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز ۱۲ [4] اس میں [5] اس میں وہی بیٹھے گا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا ۱۲ [6] جو کوئی لایا بھلائی تو اس کو ملتا ہے اس سے بہتر اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن چین ہے ۱۲ [7] اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو ۱۲ [8] ہم نہیں کھوتے نیکی اس کی جس نے بھلا کیا کام ۱۲ [9] البتہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے ۱۲ [10] اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو اس کو آگ ہے دوزخ کی، رہا کریں اس میں ۱۲

اور جو لوگ کہ اس آیت میں کفر کی خصوصیت لگاتے ہیں کہ یہ کافروں کا حال ہے تو یہ ان کی زبردستی ہے آیت میں کوئی قرینہ اس کا نہیں اور فرمایا۔ الا انّ[1] الظلمین فی عذاب مقیم اور فرمایا منْ[2] جاء بالسیئۃ فکبت وجوھھم فی النار۔ غرض کہ جیسی عام آیتیں انہوں نے نقل کی ہیں ان کے مقابلے میں یہ آیتیں عام عذاب مجرموں پر دلالت کرتی ہیں اور تخصیص اور تاویل کرنے کے لیے دونوں جانبوں کو ضرورت ہے، اس لیے کہ اخبار میں صاف مذکور ہے کہ عاصیوں کو عذاب ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانّ[3] من منکم الا واردھا بھی گویا صریح ہے اس بات میں کہ آگ میں سب سے جانا ضروری ہے کیونکہ کوئی مومن گناہ کے مرتکب ہونے سے خالی نہیں، اور یہ جو ارشاد ہے لاؔ[4] یصلھا الا الاشقی الذی کذب وتولیٰ اس سے مراد ایک خاص جماعت ہے یا لفظ اشقی سے بھی کوئی شخص معین مراد لیا ہے اور کلّما[5] القی فیھا فوج سالھم خزنتھا میں فوج سے مراد کافروں کی فوج ہے اور عام آیتوں کا خاص کرنا کچھ وقت کی بات نہیں، اور اس آیت کے باعث ابوالحسن اشعری اور کچھ اہل کلام عام الفاظ کا انکار ہی کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ اس طرح کے الفاظ میں توقف کرنا چاہیے جب تک کہ کوئی قرینہ ظاہر ہو جس سے اس کے معنی معلوم ہوں اور معتزلیوں کو شبہ ان آیتوں سے پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انّی[6] لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدیٰ اور فرمایا والعصر[7] ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت اور جو آیتیں اس طرح کی ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ان میں عمل صالح کو ایمان کے ساتھ مذکور فرمایا ہے اور فرمایا وانْ[8] منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا اور ان آیتوں سے معتزلی حجت پکڑتے ہیں مگر یہ آیتیں بھی ایسی عام ہیں کہ ان میں خصوصیت لگی ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویغفر مادون ذلک لمن یشاء یہ اس بات کو چاہتی ہے کہ شرک کے سوا اور گناہوں میں اس کی مشیت باقی رہی اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ دوزخ سے نکلے گا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد انا لا نضیع اجر من احسن عملا اور یہ فرمانا ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک معصیت کی جہت سے اصل ایمان اور سب طاعتوں کا ثواب تلف نہیں فرمائے گا اور یہ جو فرمایا ہے ومنْ[9] یقتل مومنا متعمدا اس سے مراد یہ ہے کہ مقتول کو جان بوجھ کر ایمان ہی کی جہت سے مار ڈالے اور اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بھی ایسا ہی تھا، اب اگر یہ کہو کہ تمہاری تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ مذہب مختار یہ ہے کہ ایمان بدون عمل کے بھی ہوتا ہے، حالانکہ اکابر سلف کا قول یوں مشہور ہے کہ ایمان دل کی تصدیق اور قول زبانی اور عمل کا نام ہے تو اس قول سے کیا غرض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمل کو ایمان میں شمار کرنا کچھ بعید نہیں کیونکہ عمل ایمان کا تمام کرنے والا اور پورا کرنے والا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ سر اور دونوں ہاتھ مل کر انسان ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر سر نہ ہو تو انسان بھی نہیں رہتا لیکن ہاتھ کٹا ہونے

ف۱ سنتا ہے گنہگار پڑے ہیں سدا کی مار میں ف۲ اور جو کوئی لایا برائی سو اوندھے ڈالے ہیں ان کے منہ آگ میں ۱۲ ف۳ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر ۱۲ ف۴ اور میری بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لاوے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے ۱۲ ف۵ قسم اترتے دن کی مقرر انسان پر ٹوٹا ہے مگر جو یقین لائے اور کئے بھلے کام ۱۲ ف۶ پھر بچاویں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے ۱۲ ف۷ اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے اس میں ۱۲

سے انسانیت سے خارج نہیں ہوتا، اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ تسبیحات اور تکبیریں نماز سے ہیں، اگرچہ نماز ان کے نہ ہونے سے باطل نہیں ہوتی تو ایمان میں دل کی تصدیق بمنزلہ آدمی کے سر کے ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو ایمان بھی نہ ہو، اور دوسرے اعمال مثل آدمی کے ہاتھ پاؤں کے ہیں کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے[ع] لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن تو صحابہؓ نے اس حدیث سے معتزلیوں کا مذہب اعتقاد نہیں کیا کہ زنا کے باعث آدمی ایمان سے باہر ہو جائے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ واقع میں اس کا ایمان کامل اور تمام نہیں جیسے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے کو کہتے ہیں کہ یہ آدمی نہیں یعنی اس میں کمالِ انسانی نہیں، یہ غرض نہیں کہ ہاتھ پاؤں کے جانے سے ماہیتِ انسانی بھی نہیں رہتی۔ دوسرا مسئلہ اگر یہ کہو کہ سلف کا اتفاق ہے اس بات پر کہ ایمان طاعت کے سبب سے زیادہ ہوتا ہے اور معصیت کی جہت سے کم ہوتا ہے پس اگر ایمان دل کی تصدیق ہی کا نام ہو تو اس میں کمی بیشی کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت سلف کے لوگ سچے گواہ ہیں اور ان کے قول سے منحرف ہونا کسی کو نہیں چاہیے جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے بے شک درست ہے، مگر اس کے سمجھنے میں تامل چاہیے کہ جو ان کے قول سے پایا جاتا ہے کہ عمل ایمان کا جزو نہیں نہ اس کے وجود کا رکن بلکہ ایک زائد چیز ہے جس سے ایمان بڑھ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ چیز اپنی ذات سے تو بڑھتی ہی نہیں، بلکہ زوائد سے بڑھا کرتی ہے، چنانچہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان اپنے سر سے بڑھ جاتا ہے، بلکہ یوں کہتے ہیں کہ داڑھی اور موٹاپے سے زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ نماز، رکوع اور سجدے سے زیادہ ہوتی ہے، بلکہ وہ سنتوں اور مستحبات کے باعث بڑھا کرتی ہے پس سلف کے قول میں تصریح ہے کہ ایمان کا ایک وجود ہے پھر وجود کے بعد اس کا حال کمی بیشی میں مختلف ہوا ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ اعتراض تو ابھی قائم ہے یعنی تصدیق کس طرح زیادہ اور کم ہو سکتی ہے، وہ تو ایک حالت کا نام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم مداہنت کو ترک کر دیں اور شوریوں کے شور کی پروا نہ کریں اور پردے تحقیق کے منہ پر سے اٹھا ڈالیں تو یہ شبہ بھی برطرف ہو جائے گا، اسی واسطے ہم کہتے ہیں کہ لفظ ایمان مشترک ہے اس کا استعمال تین طریقوں پر ہے طریقِ اوّل یہ ہے کہ اس کا اطلاق اس تصدیق پر کیا ہے جو بطور اعتقاد اور تقلید کے کشف کے طور پر اور سینے کے کھلنے سے نہ ہو، اس طرح کا ایمان عوام کا بلکہ بجز خواص کے تمام خلق کا ہے اور یہ اعتقادوں پر ایک گرہ ہوتی ہے کہ کبھی کڑی ہو جاتی اور کبھی ڈھیلی جیسے ڈورے پر گرہ ہوا کرتی ہے اور اس بات کو بعید مت جانو، بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں اور بدعتیوں کے حالات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو کہ ان میں جن کے عقیدے سخت ہیں، وہ اس طرح کے ہیں کہ اگر ڈرانے اور دھمکانے یا وعظ و نصیحت یا برہان و حجت سے ان کو اس عقیدے سے نکالنا چاہو تو کبھی ممکن نہیں کہ وہ نکل سکیں، اور بعض اس طرح کے ہیں کہ ادنیٰ گفتگو سے شک میں پڑ جاتے ہیں اور ان کو عقیدے سے نکال دینا ذرا سے پھسلانے یا دھمکانے سے ممکن ہے باوجودیکہ ان کو اپنے عقیدے میں شک نہیں ہوتا، جیسے اوّل قسم کے لوگوں کو نہیں ہے لیکن دونوں قسموں کے لوگوں میں پختگی کے باب میں فرق ہوتا ہے

[ع] نہیں زنا کرتا زنا کرنے والا، جب زنا کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہے ۱۲ بخاری اور مسلم بروایت ابی ہریرۃ رضؓ ۱۲

اور یہ بات اعتقادِ امرِ حق میں بھی موجود ہے اور عمل کرنا اس پختگی کے بڑھانے میں اور زیادہ کرنے میں تاثیر کرتا ہے جیسے پانی دینا درختوں کے بڑھنے میں تاثیر کرتا ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فزادتھم ایمانا یعنی زیادہ کیا ان کا ایمان اور دوسری جا ارشاد ہے لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم[ل] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اخبارِ مرویہ میں ارشاد فرمایا ہے الایمان یزید و ینقص[ح] اور یہ کمی بیشی دل میں طاعتوں کی تاثیر سے ہوتی ہے اور اس کو وہی شخص معلوم کرتا ہے، جو اپنے حالات کو دو وقتوں میں دیکھے یعنی ایک تو اس وقت کہ عبادت میں مصروف ہو اور حضورِ دل سے خاص عبادت کا ہی ہو رہے، دوم اس وقت کہ عبادت نہ کرتا ہو تو جو حال اس کے ایمانی عقائد کا دوسرے وقت میں ہوگا اس میں اور پہلے وقت کے حال میں فرق معلوم کرے گا کہ حالتِ اوّل کا عقیدہ ایسا ہوگا کہ اگر اس میں کوئی شخص شک ڈالنا چاہے تو اس کے قابو میں نہ آئے گا، بلکہ جو شخص یتیم کے اوپر رحم کرنے کا معتقد ہے، جب اپنے اعتقاد کے موافق عمل کرے گا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کے ساتھ لطف سے پیش آئے گا اس وقت اپنے باطن میں رحم کرنے کو مضبوط اور دوبالا پائے گا۔ اسی طرح تواضع کا معتقد جب تواضع کا عمل کرے گا اور دوسرے کے سامنے فروتنی کرے گا تو عمل کی جہت سے اپنے دل میں زیادتی تواضع کی معلوم کرے گا۔ اور یہی حال سب دل کے صفات کا ہے، اور جب اعضا پر ان کے باعث اعمال صادر ہوتے ہیں تو اعمال کا اثر ان صفات پر پہنچتا ہے اور ان کو مضبوط اور زیادہ کر دیتا ہے۔ اور اس کا بیان جلد سوم مہلکات اور جلد چہارم منجیات میں اس مقام پر کیا جائے گا جہاں کہ ظاہر سے باطن کے متعلق ہونے کی وجہ اور عقائد اور دلوں سے اعمال کے وابستہ ہونے کی دلیل مذکور ہوگی اس لیے کہ یہ امر عالم ملکوت سے عالم ملک کے متعلق ہونے کی جنس سے ہے اور ملک سے ہماری غرض یہ عالم ظاہر ہے جو حواس سے معلوم ہوتا ہے اور ملکوت سے وہ عالم مراد ہے جو نورِ بصیرت سے سوجھتا ہے اور دل عالمِ ملکوت میں سے ہے اور اعضاء اور ان کے اعمال عالم ملک سے ہیں اور ان دونوں عالموں میں اس درجہ کا باریک علاقہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہی گمان کیا ہے کہ دونوں ایک ہیں اور دوسرے لوگوں نے یہ ظن کیا ہے کہ عالم بجز عالم شہادت یعنی ان اجسام محسوسہ کے اور کوئی نہیں، اور جس شخص نے کہ دونوں عالموں کو معلوم کیا اور ان کے جدا جدا ہونے اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے وابستہ ہونے کو دیکھا تو ان کو کنایۃً اس قطعہ میں بیان کیا، قطعہ رقت سے آبگینہ و دل میں ہے اشتباہ ÷ دونوں نے ایک طرح کی پائی ہے آب و تاب ÷ گویا کہ صرف مے ہے نہیں جام کا وجود ÷ یا یہ کہو پیالہ ہے تنہا نہیں شراب ÷ اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ جملہ معترضہ علمِ معاملہ سے خارج ہے مگر علم مکاشفہ اور معاملہ میں بھی اتصال اور ارتباط ہے اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ علم مکاشفہ ہر دم علمِ معاملہ کی طرف جھکتا ہے، بشرطیکہ تکلیف کے ساتھ اس کو نہ روکو، غرضکہ ایمان کو اگر اس اطلاق کے بموجب جب دیکھیں تو طاعت کی جہت سے اس میں زیادتی ہو جانے کی یہ صورت ہوتی ہے جو مذکور ہوئی اور اسی بناء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ایمان ایک سفید نشان ظاہر ہوتا ہے پس جب آدمی نیک عمل کرتا ہے

ل تاکہ اور بڑھے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ ۱۲ ح ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے ۱۲ ابن سدی بروایت ابی ہریرہ رضی ۱۲

تو وہ نشان بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام دل سفید ہو جاتا ہے اور نفاق ایک سیاہ نقطہ شروع میں ہوتا ہے مگر جب آدمی بُرے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، اس پر مہر لگ جاتی ہے اور یہ آیت آپ نے پڑھی، کلّا[ث] بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون دوسرا اطلاق یہ ہے کہ ایمان کی تصدیق دل اور عمل دونوں مراد ہوں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الایمان بضع وسبعون بابا یا فرمایا کہ نہیں زنا کرتا ہے زانی جب زنا کرے اس حال میں کہ وہ ایماندار رہے۔

اور جس صورت میں کہ لفظ ایمان کے معنوں میں عمل بھی داخل ہو تو ظاہر ہے کہ اعمال سے اس میں کمی بیشی ضروری ہوگی اور یہ بات کہ اس کی تاثیر اس ایمان میں بھی ہوتی ہے کہ نہیں جس کو صرف تصدیق کہتے ہیں، اس میں اختلاف ہے اور ہم اشارہ کر چکے کہ اس میں بھی تاثیر ہوتی ہے

تیسرا اطلاق یہ ہے کہ ایمان سے غرض وہ تصدیق یقینی ہو جو کشف اور سینہ کے کھلنے اور نور بصیرت کے مشاہدہ کے طور پر ہو، یہ قسم اور قسموں کی بنسبت کمی زیادتی اور کمی کے قبول سے دور تر ہے، تاہم ہمارا قول یہ ہے کہ جو امر یقینی کہ جس میں شک نہ ہو اس میں بھی نفس کا اطمینان مختلف ہوا کرتا ہے مثلاً ایک بات یہ ہے کہ دو زیادہ ہیں ایک سے اور دوسری یہ ہے کہ عالم بنایا ہوا اور حادث ہے، ہر چند ان دونوں میں سے کسی میں شک نہیں مگر جیسا اطمینان پہلے پر ہے ویسا دوسرے پر نہیں بلکہ تمام یقینی امور واضح ہونے اور نفس کے ان پر اطمینان کرنے میں مختلف ہوا کرتے ہیں، اور ہم نے اس مضمون کو باب العلم کی اس فصل میں لکھا ہے جس میں علمائے آخرت کی علامتیں مذکور کی ہیں اسی لیے اب دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں اور سب اطلاقوں میں ظاہر ہوا کہ جو کچھ سلف والوں نے ایمان کے زائد اور کم ہونے کو کہا ہے وہ درست ہے اور کیسے درست نہ ہو کہ اخبار میں وارد ہو چکا کہ دوزخ سے نکلے گا وہ شخص کہ اس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو، اور بعض احادیث میں[ح] دینار بھر کی قید ہے تو اگر دل کی تصدیق میں فرق نہ ہو تو ان مقدار دل کے مختلف ہونے کے کیا معنی ہیں؟

تیسرا مسئلہ اس بات کی وجہ کیا ہے کہ سلف سے منقول ہے کہ ہم مومن ہیں۔ انشاء اللہ۔ لفظ انشاء اللہ تو شک کے واسطے ہے اور ایمان میں شک کرنا کفر ہے اور سلف کے سب لوگ ایمان کے جواب میں یقین کے الفاظ بولنے سے باز رہتے تھے اور احتراز کرتے تھے۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یوں کہے کہ میں خدائے تعالیٰ کے نزدیک مومن ہوں تو وہ جھوٹا ہے، اور جو کوئی یہ کہے کہ میں حقیقت میں مومن ہوں تو اس کا یہ کہنا بدعت ہے اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جو شخص واقع میں مومن ہے وہ جھوٹا کیسے ہوگا، کیونکہ جو واقع میں مومن ہے، خدائے تعالیٰ کے نزدیک بھی مومن ہوگا جیسے کوئی لمبا یا بوڑھا واقع میں ہو اور اپنے اس وصف کو جانے تو وہ خدا کے نزدیک بھی ویسا ہی ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص خوش یا غمزدہ یا سننے والا یا بینا ہو اس کا حال ہے۔ اور اگر کسی آدمی سے پوچھا جائے کہ تم جاندار ہو تو اس کے جواب میں اگر وہ کہے کہ میں جاندار

ث کوئی نہیں زنگ پکڑ گیا ان کے دلوں پر جو کچھ کماتے تھے ۱۲ ح ایمان کئی اوپر ستر قسم ہے ۱۲ بخاری مسلم بروایت ابو ہریرۃ رضہ ۱۲

ح بخاری و مسلم بروایت ابو سعید رضہ ۱۲

ہوں انشاء اللہ، تو یہ جواب بے موقع ہوگا۔
اور حضرت سفیان ثوریؒ سے جب پوچھا گیا کہ ایمان کے جواب میں کیا کہنا چاہیئے تو فرمایا کہ یہ کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا تو اس جواب میں اور یہ کہہ دینے میں کہ ہم مومن ہیں، فرق کیا ہوا۔ اور حضرت حسنؓ سے جو کچھ کسی نے پوچھا کہ آپ مومن ہیں، فرمایا کہ انشاء اللہ، سائل نے عرض کیا کہ اے ابو سعید آپ ایمان میں ایسا لفظ شک کا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو کہیں خدائے تعالیٰ یہ نہ فرمائے کہ اے حسنؓ تو جھوٹ کہتا ہے اور پھر مجھ پر عذاب کا حکم ثابت ہو جائے اور حضرت حسنؒ فرمایا کرتے کہ کون سی بات مجھ کو بے خوف کرتی ہے اس امر سے کہ خدائے تعالیٰ کو جو امر ناخوش ہو اس کو مجھ میں دیکھ کے مجھے برا جانے اور کہہ دے کہ چلا جا میں تیرا عمل قبول نہیں کرتا، تو میں بے واسطہ ہی عمل کرتا رہوں اور حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کہے کہ تم مومن ہو تو کہو لا الٰہ الا اللہ، اور ایک روایت میں فرمایا کہ کہو ہم کو ایمان میں شک نہیں اور تیرا سوال کرنا ہم سے بدعت ہے۔ اور علقمہ سے کسی نے پوچھا کہ تم مومن ہو، جواب دیا کہ توقع رکھتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ، اور سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہم کون ہیں تو یہ لوگ جو استثناء کیا کرتے تھے، اس کی وجہ کیا ہے، پس اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انشاء اللہ کہنا درست ہے اور اسکی چار وجہیں ہیں۔ دو صورتوں میں تو انشاء اللہ متعلق شک سے ہے مگر یہ شک اصل ایمان میں نہیں ہوتا، بلکہ ایمان کے خاتمے اور پورا ہونے میں ہوتا ہے اور دو وجہیں ایسی ہیں کہ انشاء اللہ شک سے متعلق نہیں، پہلی وجہ جس میں شک ہے کہ یقین سے احتراز اس جہت سے کیا جاتے کہ اس میں خوف تزکیہ نفس اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا ہے۔ اور اس کی برائی شریعت میں وارد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تزکوا[1] انفسکم اور فرمایا الم تر الی الذین یزکون انفسھم۔[2] اور فرمایا انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب[3]۔ اور کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ برا سچ کونسا ہے، کہا کہ آدمی کا خود اپنے نفس کی تعریف کرنا اور از انجا کہ ایمان بزرگی کے صفات میں سے سب سے برتر ہے اور اس کو یقین کے ساتھ کہنا اپنی متعلق بڑائی کرنی ہے اس لیے انشاء اللہ کہنا گویا اس بڑائی کو کم کرنا ہے جیسے کسی انسان سے کہیں کہ تم طبیب یا فقیہ یا مفسر ہو تو وہ جواب میں کہے کہ ہاں انشاء اللہ، تو اس کی یہ غرض نہیں کہ اظہار شک کرے، بلکہ اپنے نفس کو پست کرنے کے لیے انشاء اللہ کہتا ہے اس لیے کہ یہ لفظ خبر کی سستی کے لیے ہے اور چونکہ تزکیہ نفس بھی ایک لازم چیز ہے، خبر کے لوازم سے تو گویا اس کے ضعیف کرنے کے لیے بول دیا، اور جب اس لفظ کی تاویل یہ ٹھہری تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے کوئی برا وصف پوچھا جائے۔ مثلاً یہ کہ تم چور ہو یا نہیں تو اس میں انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کلمہ کے ذکر کرنے سے خدائے تعالیٰ کا نام ہر حال میں لینا اور ہر کام کو اس کی خواہش پر سپرد کرنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] سو مت بولو اپنی ستھرائیاں ۱۲ [2] تو نے نہ دیکھے وہ جو آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں ۱۲

[3] دیکھ کیا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ ۱۲

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی قاعدہ تعلیم فرمایا، جیسا کہ ارشاد ہے ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ[1] پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ حوالۂ مشیت انہیں امور میں کیا جائے جن میں شک ہو، بلکہ ارشاد فرمایا لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رؤسکم و مقصرین لاتخافون[2]۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم تھا کہ یہ لوگ بے شک داخل ہوں گے اور ہماری مشیت اس امر کے لیے ہو چکی ہے مگر مقصود یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طریق تعلیم فرمادے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی قاعدہ اختیار کیا کہ جس چیز کی آپ خبر دیتے، خواہ وہ یقینی ہو یا مشکوک، سب میں انشاء اللہ کہتے، یہاں تک کہ جب قبرستان میں جاتے تو فرماتے کہ تم پر سلام ہو اے ایمان والو اور ہم انشاء اللہ تم سے ملیں گے۔ حالانکہ ان سے ملنے میں کچھ شک نہیں، لیکن ادب اسی بات کو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیویں اور امور کو اس سے وابستہ کریں اور اس لفظ میں سے یہ بات نکلتی ہے کیونکہ عرف میں اس کا استعمال رغبت اور تمنا کے اظہار میں ہو گیا ہے، مثلاً اگر تم سے کہا جائے کہ فلاں شخص جلد مرے گا اور تم جواب میں کہو کہ انشاء اللہ، تو یہ سمجھا جائے گا کہ تم کو رغبت اس کے موت کی ہے یہ نہیں پایا جائے گا کہ تم اس کی موت میں شک کرتے ہو، اور اگر یہ کہا جائے کہ فلاں کا مرض جلد دُور ہو جاوے گا اور تندرست ہو جائے گا تو تم کہو کہ انشاء اللہ، تب بھی تمہاری رغبت اس کے شفا پانے میں مفہوم ہوگی، غرض کہ لفظ مذکور شک کے معنوں سے رغبت کے معنوں میں معدول ہو گیا ہے ذکر اللہ کے زبان پر آنے کے لیے مستعمل ہو گیا ہے کوئی سا امر ہو اس سے درست ہو گا، تیسری وجہ کا مدار شک پر ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں واقع میں مومن ہوں، انشاء اللہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے چند لوگوں کو خاص کر کے ارشاد فرمایا اولئک ھم المؤمنون حقا یعنی حقیقت میں وہی لوگ مومن ہیں، اس آیت کی جہت سے مومنوں کی دو قسمیں ہو گئیں اور اس صورت میں انشاء اللہ کا شک اصل ایمان کی طرف راجع نہیں، بلکہ ایمان کے کامل ہونے کی طرف راجع ہے اور ہر ایماندار اپنے ایمان کے پورا ہونے میں شک رکھتا ہے اور یہ شک کرنا کفر نہیں کیونکہ کمال ایمان میں شک کا ہونا دو وجہ سے برحق ہے اول یہ کہ نفاق ایمان کے کمال کو دور کر دیتا ہے۔ اور نفاق ایک پوشیدہ امر ہے معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس سے براءت حاصل ہوئی یا نہیں، دوسری یہ کہ ایمان طاعتوں کی وجہ سے کامل ہوا ہے اور کمال کے طور پر طاعتوں کا ہونا معلوم نہیں ہوتا اور عمل سے ایمان کا کامل ہونا اس وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما المؤمنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون[3] تو شک اس میں سچ ہوتا ہے اسی طرح فرمایا ولکن البر من امن باللہ والیوم الاٰخر والملٓئکۃ والکتاب والنبیین[4] اس آیت

---

[1] اور نہ کہیو کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل مگر یہ کہ اللہ چاہے ۱۲ [2] تم داخل ہو رہو گے ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا چین سے بال مونڈتے اپنے سروں کے اور کترتے بے خطرہ ۱۲ مسلم میں بروایت ابی ہریرۃ رضی ۱۲ [3] ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور کوشش سے چلے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے، ایسے ہی بندے سچے ہیں ۱۲ [4] لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ۱۲

میں بعض وصف مؤمنین کے بیان فرمائے، مثلاً پورا کرنا عہد کا اور سختیوں پر صبر کرنا وغیرہ پھر ارشاد فرمایا[ا] اولٰئك الذین
صدقوا اور فرمایا[۲] یرفع اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات اور فرمایا[۳] لایستوی منکم
من انفق من قبل الفتح وقاتل الاٰیۃ اور فرمایا[۴] درجات عند اللّٰہ اور آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا[۵] الایمان
عریان ولباسہ التقوٰی الحدیث اور فرمایا[۶] الایمان بضع وسبعون بابا ادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق ان
آیات اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا کمال اعمال سے وابستہ ہے اور نفاق اور شرک خفی کی برائت پر اس کے کمال کا
متعلق ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۷] کہ چار چیزیں ہیں جس شخص میں
وہ ہو وہی وہ نرا منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور کہے کہ میں مومن ہوں، جب بات کہے جھوٹ بولے اور
جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب امانت سپرد کیا جائے خیانت کرے، اور جب کسی سے جھگڑے تو بے ہودہ
بکے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ جب عہد کرے تو فریب دے اور حضرت ابو سعید خدریؓ[۸] کی حدیث میں ہے کہ دل
چار ہیں، ایک دل صاف جس میں چراغ روشن ہو وہ مومن کا دل ہے اور ایک دل دو رُخا جس میں ایمان اور نفاق ہو ایمان
کی مثال اس میں ساگ کی سی ہے جس کو شیریں پانی بڑھاتا ہے اور نفاق کی مثال اس میں ایسی ہے جیسے زخم کہ اس کو پیپ
اور ریم بڑھائے تو جونسا مادہ غالب ہوگا اس کو اسی کا حکم دیا جائے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو مادہ غالب
ہوگا وہی اس کو لے جائے گا، اور فرمایا[۹] کہ اکثر اس امت کے منافق قاری ہیں، اور ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے[۱۰] کہ میری
امت میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ ہے جو سخت پتھر پر رینگے، اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے[۱۱] کہ آنحضرت
صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آدمی ایک بات کہتا تھا جس کے باعث مرنے تک منافق ہو جاتا تھا اور میں تم
سے وہی کلمہ دن میں دس دفعہ سنتا ہوں، اور بعض علماء کا قول ہے کہ لوگوں میں نفاق سے قریب تر وہ ہے جو یہ سمجھے
کہ میں نفاق سے بری ہوں، اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں[۱۲] کہ منافق آج اس قدر سے زیادہ ہیں جتنے آنحضرت صلی اللّٰہ
علیہ وسلم کے عہد میں تھے، اور وہ اس وقت اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھتے تھے، مگر اب کے لوگ اس کو ظاہر کرتے ہیں
اور یہ نفاق ایمان کے سچے اور کامل ہونے کے مخالف ہے اور وہ پوشیدہ ہے اور اس سے دور تر وہی ہے جو اس
سے خوف کرتا ہو اور قریب تر وہ ہے جو یہ سمجھے کہ میں اس سے بری ہوں، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا

[ا] وہی لوگ سچے ہیں جو سچے ہوئے ۱۲ [۲] اللہ اونچے کرے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور علم بڑے درجے ۱۲ [۳] برابر نہیں تم میں جس نے
خرچ کیا فتح سے پہلے اور لڑا ۱۲ [۴] ان لوگوں کے درجے ہیں اللہ کے یہاں ۱۲ [۵] ح ایمان ننگا ہے اور اس کی پوشش تقوٰی ہے ۱۲ حاکم بروایت
ابو درداؓ بسند ضعیف ۱۲ [۶] ح ایمان کی کچھ اوپر ستر قسمیں ہیں، ان میں سے کمتر دور کرنا ایذا کا راستہ سے ہے ۱۲ بخاری اور مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲
[۷] ح بخاری ومسلم بروایت عبداللہ بن عمرؓ ۱۲ منہ [۸] ح احمد بروایت ابو سعیدؓ اور اس میں لیث ابن ابی سلیم ہے جس میں اختلاف ہے ۱۲ [۹] ح احمد وطبرانی
بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ [۱۰] ح ابو یعلی اور ابن عدی بروایت ابی بکر بسند ضعیف ۱۲ [۱۱] ح احمد باسناد مجہول ۱۲ [۱۲] ح بخاری مگر اس میں زیادہ کے عوض بڑے
ہیں یعنی منافق آج بڑے نسبت عہد آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۱۲ [۱۳] ح احمد وطبرانی نے روایت کیا ہے طبرانی کی روایت میں ذکر حجاج کا نہیں ۱۲

کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اب نفاق نہیں رہا، آپ نے فرمایا کہ بھائی اگر منافق مرجائیں تو راستوں میں تم کو وحشت ہونے لگے یعنی منافق اس کثرت سے ہیں کہ اگر سب مرجائیں تو راستوں میں کوئی چلنے والا نہ رہے اور وحشت معلوم ہونے لگے اور یہ بھی حسنؒ یا کسی اور کا قول ہے کہ اگر منافقوں کی دُمیں نکل آویں تو پھر ہم سے نہ ہو سکے کہ زمین پر پاؤں دھر سکیں، یعنی تمام زمین ان کی دُموں سے چھپ جائے کہ ان کی کثرت بہت ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو سُنا کہ حجاج بن یوسف کو کنایۃً کچھ کہتا تھا، آپ نے فرمایا کہ بھلا اگر حجاج ہوتا اور تیری گفتگو سنتا، تب بھی تو اس کا ذکر اس طرح کرتا، اس نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کو نفاق تصور کیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱] کہ جو شخص دنیا میں دو زبان والا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں منافقین کے زمرہ میں کر دیتا ہے۔ اور فرمایا کہ[۲] شرالناس ذوالوجہین الذی یاتی ھٰؤلاء بوجہ ویاتی ھٰؤلاء بوجہ اور حضرت حسنؓ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نفاق سے نہیں ڈرتے، آپؒ نے فرمایا کہ بخدا اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نفاق سے بری ہوں تو میرے نزدیک سونے کے ٹیلوں سے یہ بات محبوب تر ہے، اور یہ بھی آپ کا قول ہے زبان کا دل سے مختلف ہونا اور باطن کا ظاہر سے اور مدخل کا مخرج سے جدا ہونا نفاق میں سے ہے، اور ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ سے عرض کیا کہ میں خدا کا خوف کرتا ہوں اس بات سے کہ منافق ہوں، آپ نے فرمایا کہ اگر تو منافق ہوتا تو نفاق سے نہ ڈرتا منافق نفاق سے بے خوف ہوا کرتا ہے اور ابن ابی ملیکہ نے کہا ہے کہ میں نے ایک سو تیس صحابہؓ کو اور ایک روایت میں ڈیڑھ سو صحابہؓ کو پایا ہے کہ سب نفاق سے ڈرتے تھے، اور مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب میں تشریف رکھتے تھے، اصحاب نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اس کی بہت سی ثنا کی، اسی اثنا میں وہ شخص ان پر نمودار ہوا کہ چہرے سے وضو کا پانی بچا ہوا ٹپکتا تھا اور اپنا جوتا ہاتھ میں لٹکائے تھا اور پیشانی پر سجدے کا گھٹا تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی شخص ہے جس کی ہم نے تعریف کی، آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو اس کے چہرے پر نشان شیطان کی جھپٹ کا معلوم ہوتا ہے پس جب وہ شخص پاس آیا اور سلام کر کے لوگوں میں بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جب تو نے ان لوگوں کو دیکھا تھا تو تیرے دل میں یہ بھی گذرا تھا کہ نہیں کہ ان میں سے کوئی مجھ سے بہتر نہیں، اس نے عرض کیا کہ بے شک گذرا تھا اور آپ نے اپنی دعا میں یہ الفاظ فرمائے[۳] اللھم انی استغفرک لما علمت ولما لم اعلم کسی نے کہا کہ یارسول اللہ آپ کیا ڈرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ میں کس طرح بے خوف ہو جاؤں کہ دل تو اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہے جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے[۴] وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون[۵] اس کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ لوگ عمل

---

[۱] ح بخاری نے کتاب الادب میں اور ابوداؤد نے بروایت عمار بن یاسرؓ روایت کیا ہے ۱۲ [۲] ح بدترین لوگوں میں وہ ہے جو دو رخا ہو جو کوئی ان کے پاس اور رخ سے آوے اور ان کے پاس اور سے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ نہ ہو ۱۲ [۳] ح احمد و بزاز و دارقطنی بروایت انسؓ ۱۲ ح الٰہی میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اس چیز کی کہ میں نے جانی اور اس کی کہ میں نے نہ جانی ۱۲ بروایت عائشہؓ ۱۲ [۵] ت اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے۔

کریں گے اور ان کو نیکیاں سمجھیں گے اور قیامت میں وہ اعمالِ بدی کے پلے میں ہوں گے اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی باغ میں جائے جس میں سب طرح کے درخت ہوں اور ان پر سب پرند ہوں اور ہر پرند ان میں سے اس آدمی سے ایک زبان میں گفتگو کرے اور کہے کہ اے خدا کے ولی سلام اور اس کا دل اس بات پر مطمئن ہو تو وہ ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگا۔ حاصل یہ کہ ان اخبار اور آثار سے تم کو معلوم ہوگا کہ نفاق کی باریکیوں اور شرک خفی کی جہت سے معاملہ پرخطر ہے اور اس سے بے خوف رہنے کی کوئی صورت نہیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے اپنے نفس کا حال پوچھا کرتے کہ کہیں میرا ذکر تو منافقین میں نہیں ہوا، اور ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے بعض امرا سے ایک بات سنی، چاہا کہ اس کا انکار کروں مگر یہ خوف ہوا کہ کہیں میرے قتل کا حکم نہ دلوے، اور مجھ کو موت کا تو خوف نہ تھا مگر اس بات کا خوف تھا کہ جان نکلنے کے وقت دل پر یہ امر نہ پیش ہو جائے کہ خلق کی نظروں میں اچھا ہوں اس لیے میں انکار سے باز رہا اور اس قسم کا نفاق اصل ایمان کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کی راستی اور کمال اور صفائی کے مخالف ہوتا ہے، کیونکہ نفاق دو قسم کا ہے، ایک تو وہ کہ دین سے خارج کر کے کافروں میں ملا دیتا ہے اور جو لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ان کے زمرہ میں داخل کر دیتا ہے اور دوسرا وہ ہے کہ اپنے مرتکب کو ایک مدت کے لیے دوزخ تک پہنچا دیتا ہے یا علیین کے درجات اور صدیقوں کے رتبہ سے کم کر دیتا ہے اس قسم میں شک ہوا کرتا ہے اسی کے لیے ان شاء اللہ کہنا مستحسن ہے اور اس قسم کے نفاق کی اصل ظاہر و باطن میں تفاوت کا ہونا، اور خدائے تعالیٰ کے عذاب سے نڈر رہنا اور عجب اور دوسرے امور ہیں جن سے بجز صدیقوں کے اور کوئی بچا نہیں۔ چوتھی وجہ بھی شک پر مبنی ہے اور وہ خاتمے کے خوف کے باعث ہے کہ آدمی کو معلوم نہیں کہ موت کے وقت ایمان سلامت رہے گا کہ نہیں، اگر خدانخواستہ خاتمہ کفر پر ہوا تو پہلا ایمان نکما گیا، اس لیے کہ وہ تو انجام کو سلامت رہنے پر موقوف تھا جیسے روزہ دار سے دوپہر کو پوچھیں کہ تیرا روزہ درست ہے اور وہ یقیناً کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں اور دن بھر میں افطار کرے تو پہلا قول اس کا جھوٹا ہو جائے گا، اس لیے کہ روزے کی صحت آفتاب کے غروب ہونے تک پورا رہنے پر موقوف ہے گو سارا دن بھی روزے کا وقت ہے، اسی طرح عمر کے سب ایام ایمان کی درستی کی مدت ہیں، مگر اس کی صحت اور کمال خاتمے کے وقت پر موقوف ہے کہ مومن کے ساتھ ہی ایمان رہتا ہے اور خاتمے کے حال میں شک ہے اور نہایت خوفناک ہے اور اسی جہت سے بہت سے خوف کرنے والے روتے رہتے ہیں کیونکہ خاتمہ پہلے مقدمہ اور خواہش ازلی کا ثمرہ ہے اور خواہش ازلی جب بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب وہ چیز جس پر حکم ہو چکا ہے، ظاہر ہو آدمیوں میں سے کسی کو اس پر اطلاع نہیں، غرضکہ خاتمہ کا خوف مثل سابقہ ازلی کے ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حال سے وہ چیز ظاہر ہوتی ہے کہ مشیت سابقہ اس کے خلاف ہو اس صورت میں کون جان سکتا ہے کہ میں انہیں لوگوں میں سے ہوں جن پر کاتب ازلی خوب لکھ چکا ہے اور بعض شخصوں نے وجاءت سکرۃ الموت بالحق کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ حق سے مراد سابقہ ازلی ہے یعنی موت کے وقت اس کا ظہور ہو جائے

ٹ اور آئی بے ہوشی موت کی تحقیق ۱۲ مح طبرانی نے بروایت ابن عمر نصف آخر روایت کیا ہے اور اول ٹکڑا یحییٰ ابن کثیر کا قول ہے ابو منصور دیلمی نے کل روایت براء بن عازب سے بسند ضعیف روایت کی ہے ۱۲

گا۔ اور بعض اکابر سلف کہتے ہیں کہ اعمال میں سے صرف خاتمے کے اعمال تولے جائیں گے اور حضرت ابو درداء رضی اللہ کی قسم کھا کر کہا کرتے کہ جو کوئی اپنے ایمان کے چھن جانے سے نڈر ہوگا اس کا ایمان چھن جائے گا اور بعض کا قول ہے کہ گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا خاتمے کا برا ہونا ہے، خدائے تعالیٰ سے ہم اس گناہ سے پناہ مانگتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ روایت اور کرامت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی سزا ہے کہ خاتمہ برا ہو۔ اور بعض عارف فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض مجھ کو مکان کے دروازے پر شہید ہونا ملتا ہو اور حجرے کے دروازے پر صرف توحید پر مرنا حاصل ہو تو میں حجرہ کے دروازے پر توحید پر مرنا اختیار کر دوں، اس لیے کہ مجھے کیا معلوم ہے کہ صحن کو طے کر کے مکان کے دروازے تک جانے میں میرے دل کی توحید میں کیا تبدیلی ہو جائے گی، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو پچاس برس تک موحد نہ جانوں پھر میرے اور اس کے بیچ میں ستون حائل ہو جائے اور وہ مر جائے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ توحید پر مرا اس لیے کہ اتنے عرصہ میں اس کے دل کا حال معلوم نہیں کہ ویسا ہی رہا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کہے کہ میں مومن ہوں، وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور اس آیت کی تفسیر میں وتمت[ا] کلمت ربك صدقا وعدلا بعضوں کا قول ہے کہ صدق اس شخص کے لیے ہے کہ ایمان پر مرا ہو اور عدل اس کے واسطے جو شرک پر مرا ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وللہ عاقبۃ الامور یعنی انجام کاموں کا خدا کے لیے ہے اور جب شک اس درجہ کو ہے پس انشاء اللہ کا کہنا واجب ہے کیونکہ ایمان اس کو کہتے ہیں کہ مفید جنت کا ہو۔ جیسے روزہ اس کو کہتے ہیں کہ بری الذمہ کر دے اور جو روزہ قبل غروب کے ٹوٹ جائے وہ بری الذمہ نہیں کرتا اس لیے روزہ بھی نہ کہلا دے گا، ایسا ہی حال ایمان کا ہے، بلکہ اس بنا پر تو اگر گذشتہ روزے کا حال کوئی بعد کو پوچھے کہ تم نے کل روزہ رکھا تھا تو اس کے جواب میں کہنا چاہیے کہ ہاں انشاء اللہ اس لیے کہ روزہ حقیقی وہ ہے جو مقبول ہو اور مقبول کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا اور اسی جہت سے انشاء اللہ کہنا ہر ایک عمل خیر میں اچھا ہے اور اس سے شک اس عمل کے مقبول ہونے میں ہوگا کیونکہ جب عمل کی سب ظاہر شرطیں پائی جائیں تو کچھ اسباب پوشیدہ جن کو سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اس عمل کے قبول ہونے کے مانع ہوا کرتے ہیں، اس نظر سے اس میں شک کرنا اچھا ہے غرضکہ ایمان کے جواب میں انشاء اللہ کہنے کی یہ وجہیں ہیں اور یہ اخیر ہے قواعد العقائد کا، وصلی اللہ علی محمد وآلہ وعلیٰ کل عبد مصطفےٰ۔

تیسرا باب پاکیزگی کے اسرار اور حکمتیں

رباعی: باطن کی طہارت سے ملک ہو انسان ؛ ایمان کا کمال منحصر اس پر جان ؛ تجھ کو تردد ہو تو سن قول نبی ؛ ۔ ۔

[ا] اور تیرے رب کی بات پوری سچی ہے انصاف کی ۱۲

فرماتے ہیں الطھور شطر الایمان[۱] واضح ہو کہ طہارت کے فضائل ان احادیث و آیات سے ثابت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] بنی الدین علی النظافۃ اور فرمایا[ح۲] مفتاح الصلوٰۃ الطھور اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین[ت۳] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الطھور نصف الایمان[ح۴] اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ت۵] اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم پس اہل بصیرت نے ان روایات سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ امر اہم باطن کا طاہر کرنا ہے اس لیے کہ یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ الطھور نصف الایمان سے یہ غرض ہو کہ آدمی اپنے ظاہر کو تو پانی بہا کر صاف و شستہ کرے اور باطن پلیدیوں اور نجاستوں سے آلودہ رہے، یہ ہرگز مقصود نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ طہارت کی چار قسمیں ہیں اور ہر قسم میں جتنا کام پڑتا ہے طہارت اس کا نصف ہے اور چاروں قسمیں یہ ہیں اوّل ظاہر بدن وغیرہ کو حدث اور نجاست اور فضلوں سے پاک کرنا دوم اعضا کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنا سوم دل کو اخلاقِ بد اور خصائلِ ناپسندیدہ سے پاک کرنا چہارم باطن کو خدائے تعالیٰ کے ماسوا چیزوں سے پاک کرنا، یہ چوتھی قسم مخصوص انبیاء علیہم السلام اور صدیقوں سے ہے۔ اب ہر ایک قسم کا نصف عمل ہونا اس طرح ہے کہ چوتھی قسم میں علت غائی یہ ہے کہ آدمی کو خدائے تعالیٰ کی جلال و عظمت منکشف ہو جائے اور حقیقت میں معرفتِ الٰہی باطن میں کبھی حلول نہ کرے گی جب تک کہ خدائے تعالیٰ کے سوا اور چیزیں اس میں سے نکل نہ جاویں گی اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل[ت۶] اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون اس واسطے کہ وہ دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں اور کسی آدمی کے اندر خدائے تعالیٰ نے دو دل نہیں بنائے کہ ایک میں معرفتِ الٰہی ہو اور دوسرے میں غیر اللہ ہو۔ پس دل میں سے غیر اللہ کو پاک کرنا اور معرفتِ الٰہی کا آنا دو امر ہوئے، جن میں سے نصف باطن کا پاک کرنا ہے اسی طرح تیسری قسم میں علتِ غائی یہ ہے کہ دل اخلاقِ حمیدہ اور عقائدِ شرعی سے معمور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ دل ان کے ساتھ متصف نہ ہوگا جب تک کہ ان کے مقابل کے اخلاقِ بد اور عقائدِ فاسدہ سے پاک نہ ہو، پس یہاں بھی دو باتیں ہوئیں جن میں سے نصف دل کا پاک کرنا ہوا جو دوسری بات کے لیے شرط ہے اسی طرح اعضا کا مناہی سے پاک کرنا ایک بات ہے اور ان کا طاعات سے معمور کرنا دوسری بات، تو اعضا کا پاک کرنا نصف ہوا اس عمل کا جو اعضا سے ہونا چاہیے۔ اور علیٰ ھذا القیاس ظاہر کی پاکی کو سمجھنا چاہیے پس طہارت کو نصف ایمان کہنا اس اعتبار سے ہے جو اوپر مذکور ہوا، غرض کہ ایمان کے یہ مقامات ہیں اور ہر مقام کا ایک درجہ ہے اور بندہ اوپر کے درجے کو ہرگز نہیں پہنچتا جب تک کہ نیچے کے درجہ کو طے نہ کرے مثلاً باطن کو اخلاقِ ذمیمہ سے

[ح۱] دین بنایا گیا ہے ستھرائی پر وہ اس کی سند باب العلم کی پانچویں فصل میں گذری ۱۲ [ح۲] ابو داؤد و ترمذی بروایت علیؓ ۱۲ [ت۳] اس میں وہ لوگ ہیں جن کو خوشی ہے پاک رہنے کی اور اللہ چاہتا ہے ستھرائی والوں کو ۱۲ [ح۴] ترمذی بروایت شخصے از بنی سلیم ۱۲ [ت۵] اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے ۱۲ [ت۶] کہا پھر چھوڑ دے ان کو اپنی اپنی بک بک میں کھیلا کریں ۱۲

پاک کرنے اور صفاتِ محمودہ سے معمور کرنے پر نہ پہنچے گا جب تک کہ دل کی طہارت اخلاقِ مذموم سے نہ کر لے گا اور اچھی عادتوں سے اس کو معمور نہ کر لے گا اور جو شخص کہ اعضا کو مناہی سے پاک کر کے طاعت میں ان کو مصروف نہ کر چکے گا وہ دل کی طہارت کو نہ پہنچے گا اور جس قدر کہ مقصود عزیز اور شریف ہوتا ہے اس قدر اس کا طریق اور مسلک مشکل اور طویل ہوتا ہے اور اس میں گھاٹیاں بہت ہوتی ہیں نظر بریں تم کو یہ خیال کرنا نہ چاہیئے کہ یہ باتیں آرزو سے حاصل ہو جاتی ہیں اور بدوں کوشش سہل الوصول ہوتی ہیں ہاں جس شخص کی چشم دل ان درجات کے دیکھنے سے اندھی ہوتی ہے وہ طہارت صرف ظاہر کی طہارت کو سمجھتا ہے جو بہ نسبت اور اقسام کے ایسی ہے جیسے اوپر کا پوست مغز کی نسبت کر ہوتا ہے اور اسی کو مقصود سمجھ کر اس میں خوب غور کرتا ہے اور اس کے طریقوں میں نہایت مبالغہ کرتا ہے اور اپنے تمام اوقات استنجا اور کپڑوں کے دھونے اور ظاہر کی ستھرائی میں اور بہت سے بہتے پانی کی تلاش میں صرف کرتا ہے اسی جہت سے کہ اپنے وسوسے اور فسادِ عقل سے یہی خیال کرتا ہے کہ طہارت مقصود اور شریف یہی ظاہر کی طہارت ہے اس کو اول لوگوں کی سیرت معلوم نہیں کہ وہ لوگ اپنی تمام ہمت اور فکر دل کے پاک کرنے میں مشغول رکھتے تھے اور طہارتِ ظاہری کے باب میں مساہلت فرماتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے باوجود اپنے علو شان کے ایک نصرانی عورت کی ٹھلیا سے وضو کیا تھا اور وہ لوگ کھانے کے بعد چربی وغیرہ کے دور کرنے کے لیے ہاتھ نہ دھوتے تھے بلکہ انگلیوں کو تلوؤں سے پونچھ لیا کرتے اور اشنان[ا] بیسن کو بدعت نو ایجاد میں سے جانتے تھے مسجدوں میں نماز زمین پر بدوں فرش کے پڑھتے اور راہوں میں پیادہ چلتے اور جو شخص اپنے لیٹنے میں زمین پر کچھ نہ بچھاتا کہ خاک پر لیٹ رہتا وہ اکابر میں سے ہوتا تھا اور استنجا میں ڈھیلوں پر اکتفا کیا کرتے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ[ا] اور دوسرے اہل صفہ کا قول ہے کہ ہم گوشت بھنا ہوا کھاتے اور تکبیر نماز کی ہو جاتی تو ہم انگلیوں کو کنکروں میں ڈال کر مٹی سے مل دیتے اور نماز میں شامل ہو جاتے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم اشنان کو نہ جانتے تھے، ہمارے رومال ہمارے پاؤں کے تلوے ہوتے تھے کہ جب کچھ چکنائی کھاتے تو تلوؤں سے ہاتھ پونچھ لیتے، اور کہتے ہیں کہ بعد زمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار چیزیں اول ایجاد ہوئیں، ایک چلنی دوسری اشنان، تیسری دستر خوان، چوتھی پیٹ بھر کر کھانا۔ پس ان لوگوں کی توجہ بالکل باطن کی نظافت پر تھی، یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ نماز جوتوں سمیت پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نعلین مبارک جب اتاری تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خبر دی تھی کہ ان میں نجاست لگی ہے اور لوگوں نے جو اپنی جوتیاں اتاریں تو آپؐ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنی جوتیاں کیوں اتار ڈالیں اور نخعی جوتیاں اتارنے کو برا جانتے اور کہتے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی محتاج آکر ان کی جوتیاں اٹھا لے جاوے۔ غرض کہ ان امورِ ظاہری میں پہلے لوگ اس طرح تساہل کرتے تھے بلکہ راستے کی کیچڑ میں ننگے پاؤں چلتے اور اس پر بیٹھ جاتے اور مسجدوں

ح[ا] ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن الحارث اور بروایت ابو ہریرہؓ مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح[۲] ابن ماجہ بروایت جابر یہی مضمون روایت کیا ہے بروایت عمرؓ مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح[۳] ابو داؤد حاکم بروایت ابو سعید ۱۲

میں زمین پر نماز پڑھتے اور روٹی جو اور گیہوں کی کھاتے حالانکہ ان کو جانور پاؤں سے کھوندا کرتے تھے اور پیشاب کرتے تھے اور اونٹ اور گھوڑوں کے پسینے سے احتراز نہیں کرتے تھے باوجودیکہ یہ اکثر نجاستوں میں لوٹا کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کے حال میں نہیں لکھا کہ نجاسات کی باریکیوں میں سوال کرتا ہو وہ تو اس طرح ان میں سستی کیا کرتے تھے اور اب وہ نوبت آگئی کہ رعونت کا نام ستھرائی رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ دین کی بنا ہے اور اکثر اوقات اپنے ظاہر کی بنیاد میں رہتے ہیں جیسے مشاطہ دُلہن کو سنوارا کرتی ہے حالانکہ ان کے باطن کبر اور عجب اور جہالت اور ریا اور نفاق کی آلودگیوں سے بھرے رہتے ہیں اور ان کو برا نہیں جانتے اور نہ اس سے تعجب کریں اور اگر کوئی شخص استنجا کرنے میں صرف ڈھیلوں پر اکتفا کرے یا زمین پر ننگے پاؤں چلے یا مسجد کے زمین یا بوریوں پر مصلے بچھائے نماز پڑھے یا فرش پر بدوں چمڑے کی چپلیوں کے چلے یا کسی بڑھیا کے برتن سے یا کسی بے تکلف آدمی کے برتن سے وضو کرلے تو اس پر قیامت برپا کریں اور سخت انکار سے پیش آئیں اور اس کا لقب ناپاک ٹھہرائیں اور اپنی ذات میں سے ان کو نکال دیں اور اس کے ساتھ کھانا پینا، ملنا چھوڑ دیں، سبحان اللہ انکسار اور شکستہ حالی کو جو جزو ایمان ہے ناپاکی کہتے ہیں اور رعونت کو ستھرائی بولتے ہیں تو دیکھو کہ اس وقت میں کیسی بُری بات اچھی ہوگئی ہے اور اچھی بری اور دین کی رسم کیسی جاتی رہی جیسے اس کی ماہیت اور علم جاتا رہا پس اگر یہ کہو کہ یہ عادتیں جو صوفیوں نے اپنی صورتوں اور نظافت کے باب میں ایجاد کی ہیں تم کیا ان کو ممنوع اور برا کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے تفصیل کئے مطلق برا ہم نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ ستھرائی اور تکلف اور برتنوں اور آلات کا تیار کرنا اور چپلیوں کا استعمال کرنا اور لنگی غبار کے دور کرنے کے لیے اوڑھنی اور سوا اس کے اور سامان کو اگر بلا کسی قید کے لحاظ کریں تو یہ چیزیں بذاتِ خود مباح معلوم ہوتی ہیں مگر بعض اوقات ان میں احوال اور نیتوں کے شامل ہونے سے اچھی باتوں میں ہوسکتی ہیں اور بری بھی ہوسکتی ہیں ان کے مباح ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص یہ باتیں کرتا ہے وہ اپنے مال اور بدن اور کپڑوں میں تصرف کرتا ہے اور یہ تصرف ان کو مباح ہے بشرطیکہ اس میں مال کا تکلف کرنا اور اسراف نہ ہو، اور ان چیزوں کے برا ہوجانے کی صورت یہ ہے کہ ان کو دین کی اصل ٹھہرا لیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے بنی الدین علی النظافۃ اس کی تفسیر انہیں امور کو سمجھیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس میں پہلے لوگوں کی طرح تساہل کرے تو اس پر اعتراض کریں یا یہ صورت ہے کہ ان امور سے غرض ظاہر کی زینت اور خلق کی نظروں میں اچھا معلوم ہوتا ہو تو اس صورت میں یہ امور داخل ریا ہوتے ممنوع ہوں گے پس ان دو لحاظوں سے یہ باتیں بری ہوسکتی ہیں اور اچھی ہونے کا یہ طور ہے کہ ان سے غرض بہتری ہو نہ زینت اور جو ان کو ترک کرے اس پر اعتراض نہ کیا جائے اور نہ ان کے باعث اول وقت کی نماز میں تاخیر واقع ہو، اور نہ ان میں مصروف ہونے سے کوئی عمل ان سے بہتر یا تربیت علم وغیرہ چھوٹنے پائے، پس اگر ان سب باتوں سے منصف ہوں تو ان کو مباح کہہ سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نیت کی جہت سے ثواب بھی حاصل ہو لیکن اس قسم کے امور میں ثواب انہیں نکموں کو ہوتا ہے جو بالفرض اگر طہارت میں مصروف نہ ہوں تو سونے میں یا ژل قافیوں میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کا طہارت کے دھندے میں لگے رہنا بہتر ہے اس لیے کہ اس سے اور کچھ نہ ہوگا تو یہ ضرور ہوگا کہ ذکرِ الٰہی اور عبادت کی

یا دنئے سرے سے ہوگی، اسی لیے اگرچہ امور اسراف اور برائی کی طرف میل نہ کر جائیں تو کاہل وجودوں کے حق میں بہتر ہیں مگر علم وعمل والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اوقات ان امور میں حاجت کی مقدار پر صرف کریں، زائد از حاجت ان کے حق میں اچھا نہیں بلکہ جوہر نفیس اپنی عمر کا جس سے اور عمدہ فوائد لے سکتے ہیں، رائیگاں کرنا ہے اور اس بابؔ اس بات سے تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ ایک ہی شئے ایک لوگوں کے حق میں اچھی ہے دوسروں کے حق میں بری کیوں ہوئی، اس لیے کہ ایسا ہوا کرتا ہے نیکوں کی خوبیاں مقربوں کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔ اور بیکار آدمی کو نہ چاہیئے کہ صوفیوں پر نظافت کے باب میں اعتراض کرے اور خود اس کا پابند نہ ہو اور دعوٰی کرے کہ میں صحابہؓ کی مشابہت کرتا ہوں اس لیے کہ مشابہت تو اس بات میں ہوتی ہے کہ بجز امر اہم کے اور کسی بات کی فرصت نہ ہو چنانچہ داؤد طائی سے کسی نے کہا کہ تم اپنی ڈاڑھی میں کنگھی کیوں نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو فرصت اس کام کی کہاں! یہ امر تو بے کاری سے متعلق ہے اسی وجہ سے عالم اور عامل کو ہماری دانست میں مناسب نہیں کہ دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں میں وہم کرے کہ اس نے دھونے میں کمی کی ہوگی اور خود ان کے دھونے میں اوقات ضائع کرے کیونکہ پہلے قرن کے لوگ تو رنگی ہوئی پوستین سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے، حالانکہ دھوئے ہوئے اور پکے ہوئے میں طہارت اور نجاست کے باب میں بہت فرق ہے بلکہ ان کا دستور تھا کہ نجاست کو جب آنکھ سے دیکھتے تو اس سے اجتناب کرتے، یہ نہیں کہ باریک باتیں شبہوں کی نجاست میں نکالا کرتے ہوں، ریا کی اور ظلم کی باریکیاں سوچتے تھے، یہاں تک کہ حضرت سفیان ثوریؒ مع اپنے یا ایک ساتھی کے ایک مکان کے اونچے دروازے پر گذرے، رفیق کو اشارہ فرمایا کہ تو اونچا محل مت بنانا اس لیے کہ اگر آدمی اس مکان کو نہ دیکھتے تو اس کا مالک کبھی اتنا اسراف نہ کرتا، اس سے یہ نکلا کہ دیکھنے والا مسرف کو اس کے اسراف پر معین ہوتا ہے، غرض کہ اپنے ذہن کو ہمہ تن اس طرح کے دقائق کے نکالنے میں لگاتے تھے، نجاستوں کے وہم اور وسوسوں میں یہ پھنساتے تھے، پس اگر کوئی عالم عامی کو پائے کہ وہ اس کے کپڑے دھونے میں احتیاط کے ساتھ متکفل ہو تو بہتر بات ہے اس لیے کہ سستی کی نسبت کرنا بہتر ہے اور عامی مذکور کو یہ فائدہ بھی ہے کہ اس کا نفس امارہ ایک مباح کام میں لگا ہوا ہے، اتنی ہی دیر معاصی سے باز رہے گا، کیونکہ نفس اگر کسی کام میں مصروف نہیں ہوتا تو آدمی کو اپنے دھندے میں لگا لیتا ہے اور جبکہ عامی مذکور اس کپڑے دھونے سے عالم کا تقرب چاہتا ہے تو یہ امر اس کے نزدیک سب امور ثواب کی نسبت کر افضل ہے، اس لیے کہ عالم کا وقت اس جیسے کاموں کے متکفل ہونے سے اشرف ہے تو عامی کے متکفل ہو جاتے سے عالم کا وقت محفوظ رہے گا، اور عامی کے لیے اشرف وقت یہ ہے کہ ایسے ہی کاموں میں مصروف ہو تو اس پر سب طرف سے خیر و برکت ہوگی اور اس مثال سے اور عملوں کی نظروں کو اور ان کے فضائل کی ترتیب کو اور ایک دوسرے پر ان کو مقدم ہونے کو سمجھ لینا چاہیئے اس لیے کہ عمر کے لحظوں کو افضل بات میں صرف کرنے کے

اح وسی باب میں اوپر گذری ۱۲ منہ قولہ رفیق کو الخ اصل میں یہ ہے کہ رفیق نے اس دروازے پر نظر ڈالی تو حضرت سفیانؒ نے فرمایا کہ اس کو مت دیکھ اس لیے کہ اگر آدمی الخ

لیے خوب حساب کرنا اس سے اہم ہے کہ تمام دنیاوی امور میں تدقیق کی جائے اور جب تم اس مقدمے کو جان چکے اور ظاہر ہو گیا کہ طہارت کے چار مرتبے ہیں تو اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ہم اس بات میں صرف ایک قسم کی نظافت کو ذکر کرتے ہیں یعنی ظاہر کی طہارت کو اس لیے کہ ہم اس کتاب کے اوّل حصے میں جان بوجھ کر بجز ظاہر باتوں کے اور کچھ نہیں لکھتے، پس ہم کہتے ہیں کہ طہارت ظاہر تین قسم ہے، اوّل نجاست ظاہری سے پاک ہونا دوم نجاستِ حکمی سے پاک ہونا جس کو حدث کہتے ہیں، سوم بدن کے فضلوں سے پاک ہونا اور فضلاتِ بدن سے طہارت یا کانٹے یا استرے سے یا نورا لگانے وغیرہ سے ہوتی ہے۔

پہلی قسم: ظاہری نجاست سے پاکی کا طریق

اس میں تین باتوں کا دیکھنا ہے، ایک جس چیز کو دور کریں، اور ایک جس چیز سے دور کریں، اور ایک طریق دور کرنے کا۔

ذیلی فصل ۱ وہ چیزیں جن کا دُور کیا جانا ضروری ہے

دور کرنے کی چیزیں نجاستیں ہیں اور اعیان تین طرح کے ہیں، اوّل جمادات یعنی جن میں زندگی نہیں دوم حیوان سوم اجزائے حیوان، ان میں سے جمادات کا یہ حال ہے کہ سوائے شراب کے اور کف زدہ نشہ آور چیز کے سب پاک ہیں اور حیوانات سوائے کتے اور سور کے اور جو چیز ان دونوں سے پیدا ہو اس کے سوا سب پاک ہیں، اور حیوان جب مر جائیں تو سوا پانچ حیوانوں کے سب نجس ہیں اور وہ پانچ یہ ہیں آدمی اور مچھلی اور ٹیڑی اور سیب کا کیڑا اور اس میں داخل ہے وہ کیڑا جو کھانے یا سرکہ وغیرہ میں پڑ جاتا ہے، پانچواں وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون نہیں جیسے مکھی اور گبریلا وغیرہ کہ اس طرح کی چیزیں اگر پانی میں گر جاویں تو پانی اس سے نجس نہ ہوگا۔ اور حیوانات کے اجزاء دو طرح کے ہیں اول وہ کہ حیوان سے علیحدہ ہو گئے ہوں، ان کا حکم مردہ کا سا ہے مگر بال علیحدہ ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا اور ہڈی ناپاک ہو جاتی ہے، دوسرے وہ رطوبتیں جو حیوان کے اندر سے نکلتی ہیں، ان میں سے جو اس طرح کی ہیں کہ تبدیل نہیں ہوتی اور ان کے ٹھہرنے کی جا مقرر نہیں وہ پاک ہیں، جیسے آنسو اور پسینا اور لعاب اور رینٹ، اور جن چیزوں کا ٹھکانا مقرر ہے اور وہ تبدیل ہوتی ہیں وہ نجس ہیں، بجز اس چیز کے جو حیوان کی اصل ہو مثلاً منی اور انڈے کہ پاک ہیں، اور خون اور پیپ اور پاخانہ اور پیشاب تمام حیوانات کا نجس ہے اور ان نجاسات میں سے تھوڑی ہوں یا بہت معاف کچھ نہیں سوا پانچ چیزوں کے اوّل ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد اگر کچھ اثر نجاست کا رہ جائے تو وہ معاف ہے بشرطیکہ نکلنے کی جگہ سے نہ بڑھ جائے دوسرے راستوں کے کیچڑ اور گوبر کا غبار راہ میں معاف ہے باوجود یہ کہ نجاست کا یقین ہو مگر اس قدر معاف ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہو، یعنی جس پر یہ حال گزرے اس کو کوئی یہ نہ کہے کہ اس نے خود لتھڑا ہے یا پھسل کر گر پڑا ہے، تیسری وہ نجاست کہ موزوں کے تلے میں لگ جاتی ہے اس جہت سے کہ راہوں میں ضرور پڑی رہتی ہے تو وہ بھی معاف ہے رگڑنے کے بعد کیونکہ اس کے دور کرنے میں حرج ہے چوتھی پسوؤں کا خون تھوڑا ہو یا بہت لیکن اگر عادت کی حد سے گزر جائے تو البتہ معاف نہیں خواہ تمہارے کپڑے میں ہو یا غیر کے کپڑے میں ہو اور تم نے اس کو پہن لیا ہو۔ پانچویں پھنسیوں کا خون اور جو کچھ اس میں سے پیپ

اور یہ کچھ لہو بھی معاف ہے حضرت ابن عمرؓ نے اپنے مہاسے کو رگڑ دیا، اس میں سے خون نکلا، آپ نے اس کو نہ دھویا اور نماز پڑھ لی اور اسی کے حکم میں ہیں وہ رطوبات جو ناسوروں سے نکلتی ہیں یا فصد کے بعد خون ٹپکتا رہتا ہے یہ بھی معاف ہیں لیکن جو امور کم واقع ہوں جیسے زخم لگنا وغیرہ، تو اس کا حکم خون استحاضہ سے ملا دیا جائے گا اور پھنسیوں کا حال نہ ہوگا، جن سے انسان اکثر خالی نہیں رہتا اور شریعت میں جو ان پانچوں نجاستوں سے چشم پوشی کی گئی اس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ طہارت کا معاملہ سہولت پر مبنی ہے، اور جو کچھ اس باب میں نیا ایجاد ہوا ہے وہ صرف وسوسہ ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔

ذیلی فصل ۲ وہ چیزیں جن سے نجاست دور کرنی لازم ہے

وہ دو طرح کی ہیں یا جامد یا بہتی ہوئی جامد چیز استنجا کا ڈھیلا ہے یہ خشک کرنے سے پاک کر دیتا ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ سخت ہو اور پاک ہو اور نجاست کو چوستا ہو اور حرمت نہ رکھتا ہو اور بہتی چیزوں میں سے سوائے پانی کے اور کسی چیز سے نجاست دور نہیں ہوتی اور پانی بھی سب دور نہیں کرتے، بلکہ نجاست کا دور کرنے والا وہ پانی ہے جو پاک ہو اور کسی بے حاجت چیز کے ملنے سے اس میں تغیر فاحش نہ ہو گیا ہو اگر پانی میں کوئی نجاست مل جائے جس سے اس کا مزا یا رنگ یا بو بدل جاتے تو وہ پانی پاک نہیں رہتا، اور اگر نجاست کے پڑنے سے ان تینوں وصفوں میں سے کوئی نہ بدلے اور پانی مقدار میں قریب نو مشکوں کے یا ساڑھے چھ من تول میں ہو تو وہ نجس نہ ہوگا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا[1] اور اگر اس مقدار سے کم ہو گا تو امام شافعیؒ کے نزدیک نجس ہو جائے گا، یہ حال ٹھہرے ہوئے پانی کا ہے لیکن بہتا پانی اگر نجاست سے بدل جائے تو جو بدلا ہوا ہو وہ ناپاک ہے اس سے اوپر اور نیچے کا ناپاک نہیں اس لیے کہ پانی کے بہاؤ میں چلے تو جس جگہ وہ پانی میں پڑی ہے وہ نجس ہے اور جو اس کے داہنے بائیں پانی ہے وہ نجس نہیں ہے بشرطیکہ پانی قلتین سے کم ہو اور اگر پانی کی چال نجاست کی چال سے قوی تر ہو تو نجاست کے اوپر کی جانب کا پانی پاک ہے اور نیچے کی جانب کا نجس ہے تو گو دور ہو اور مدت ہو لیکن جس صورت میں کہ کسی حوض میں مقدار قلتین کے پانی جمع ہو جائے گا تو نجس نہ رہے گا اور نجس پانی اگر دو قلوں کے برابر اکٹھا ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور پھر جدا کرنے سے ناپاک دوبارہ نہیں ہوتا، یہ مذہب امام شافعیؒ کا ہے اور مجھ کو یوں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ امام شافعیؒ کا مذہب پانی کے باب میں امام مالک کے مذہب کے موافق ہوتا یعنی پانی اگرچہ تھوڑا ہو بدوں تینوں وصفوں میں ایک کے بدلنے کے امام مالکؒ کے نزدیک نجس نہیں ہوتا، تو امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہوتا تو خوب تھا اس واسطے کہ ضرورت تو پڑتی ہی ہے اور قلتین کی قید لگانے سے وسوسے ابھرتے ہیں اور اسی جہت سے لوگوں پر یہ شرط گراں ہے اور واقع میں بھی یہ قید مشقت کا سبب ہے جو کوئی اس کا تجربہ کرے اور سوچے، اس کو کیفیت

---

[1] جب پہنچ جائے پانی مقدار دو قلہ کے تو نہیں اٹھاتا پلیدی کو ۱۲ اصحاب سنن وحاکم بروایت ابن عمرؓ ۱۲

ف تحقیق مصنف پانی کی نجاست میں ۱۲

معلوم ہوتی ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں، اگر قلتین کی شرط لگی ہوتی تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بطریق اولیٰ طہارت دشوار ہوتی، اس لیے کہ ان دونوں جگہوں میں نہ بہنے پانی کی کثرت ہے نہ ٹھہرے کی اور اول زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آخر زمانہ اصحاب تک کوئی واقعہ طہارت کے باب میں منقول نہیں، اور نہ کوئی سوال نجاستوں سے پانی کے بچانے کی کیفیت کے دریافت کرنے میں پایا جاتا ہے، اور ان لوگوں کے پانی کے برتنوں پر لڑکوں اور لونڈیوں اور ایسے لوگوں کا تصرف رہتا تھا جو نجاستوں سے احتراز نہیں کرتے، اور حضرت عمرؓ نے اس پانی سے وضو کیا جو نصرانی عورت کے گھڑے میں تھا، اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بجز عدم تغیر پانی کے اور کسی شرط پر اعتماد نہیں کیا، ورنہ نصرانی عورت اور اس کے برتن کا نجس ہونا۔۔۔۔ ظن غالب سے بادنیٰ تامل معلوم ہے پس امام شافعیؒ کے مذہب پر مشکل سے قائم ہونا اور پیشتر کے قرون میں اس امر کا استفسار نہ ہونا ایک دلیل ہے جس سے پانی میں قلتین کی شرط لگانی زائد معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کا فعل دوسری دلیل ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیؔ کے لیے برتن جھکا دیا تھا اور اس وقت کے لوگ بلی سے برتنوں کو ڈھانپتے نہ تھے حالانکہ دیکھتے تھے کہ بلی چوہا کھاتی ہے اور ان کے شہروں میں حوض نہ تھے کہ جن میں سے بلیاں پانی پیتی ہوں نہ کنوؤں میں اتر کر پیتی تھیں، بلکہ ان کے برتنوں ہی میں سے پانی پیا کرتی تھیں۔ اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ جس پانی سے نجاست دھوئی جائے اس کا دھوون پاک ہے بشرطیکہ اس کا کوئی وصف نہ بدلے، اور اگر بدل جائے تو دھوون ناپاک ہے۔ پس پانی کو نجاست پر ڈالنے میں اور نجاست کے پانی میں گرنے میں کون سا فرق ہے، اور بعض جو یہ کہتے ہیں کہ پانی کے گرنے کی قوت نجاست کو دفع کرتی ہے تو اگر وہ نجاست پانی سے نہیں ملتی تو پھر اس کے کیا معنی کہ نجاست دور ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ حاجت کے سبب ایسا ہوتا ہے تو حاجت تو اس کی طرف بھی ہے کہ سوائے تغیر اوصاف کے اور قید پانی کے نجاست میں نہ لگائی جائے اور اس میں کیا فرق ہوا کہ جس طاش میں نجس کپڑا ہو اس میں پانی ڈال دیا یا جس طشت میں پانی ہو اس میں ناپاک کپڑا ڈال دیا، کپڑوں اور برتنوں کے دھونے میں دونوں طرح کی عادت ہے۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ تھوڑے پانی بہتے ہوئے کے کناروں پر استنجا کیا کرتے تھے اور امام شافعیؒ کے مذہب میں باتفاق ثابت ہے کہ جب بہتے پانی میں پیشاب پڑے اور وہ متغیر نہ ہو تو اس سے وضو کرنا درست ہے گو پانی تھوڑا ہو تو پھر بہتے اور ساکن میں فرق کیا۔ اور اب کوئی یہ بتا دے کہ متغیر نہ ہونے پر حوالہ کرنا بہتر ہے یا بہنے کے سبب سے پانی کی قوت پر حوالہ کرنا اچھا ہے، پھر اس قوت کی حد کیا ہے، آیا جو پانی کہ حمام کی ٹونٹیوں میں سے نکلتے ہیں ان پر یہ قاعدہ جاری ہے کہ نہیں، اگر نہیں جاری تو فرق بتانا چاہیئے اور اگر جاری ہے تو ناپاکی ان پانیوں میں پڑ جائے اور جو برتنوں میں سے بدن پر بہنے کی جگہ پڑ جائے، دونوں میں فرق کیا ہے آخر یہ بھی پانی بہتا ہے علاوہ ازیں پیشاب بہتے پانی میں بہ نسبت بستہ نجاست کے خوب مل جاتا ہے۔ تو جب یہ حکم دے دیا کہ جو پانی بستہ نجاست پر

؎ دارقطنی بروایت عائشہؓ ۱۲ ؎ ابن ماجہ بروایت ابوامامہ بسند ضعیف استثنا کے سوا باقی حدیث ابوداؤد و ترمذی نے بروایت ابوسعیدؓ روایت کی ہے ۱۲

گزرے وہ نجس ہے یہاں تک کہ ایک ایسے حوض میں جمع ہو کر اس کی مقدار قلتین ہو تو بستہ نجاست اور بہتی نجاست میں کیا فرق ہے پانی تو ایک ہی ہے اور مل جانا بہ نسبت اوپر کے گذرنے کے زیادہ ہے تو کیا وجہ کہ پیشاب ملنے سے وضو درست ہوا اور بندھی نجاست پر گزرنے سے ناجائز ہو۔ چھٹی دلیل یہ ہے کہ قلتین پانی میں اگر آدھ سیر پیشاب پڑ جاتے اور وہ پانی علیحدہ کیا جاتے تو جو پیالہ اس سے بھر جائے گا وہ پاک ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں کچھ قطرے پیشاب کے ضرور ہوں گے گو تھوڑے ہوں پس اب یہ بتاؤ کہ پانی کی طہارت کی علت متغیر نہ ہونے کو کہنا اچھا ہے یا کثرت کی قوت کو بتانا بہتر ہے حالانکہ کثرت تو پیالہ میں علیحدہ کرنے سے جاتی رہی اور اجزائے نجاست اس میں موجود ہیں ساتویں دلیل یہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں حماموں میں میلے کچیلے آدمی وضو کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ اور برتن ان حوضوں میں باوجود پانی کے تھوڑا ہونے کے ڈال دیتے تھے کو یہ معلوم تھا کہ ان میں ناپاک اور پاک سب طرح کے ہاتھ پڑتے ہیں۔ تو یہ دلیلیں مع شدت حاجت دل میں اسباب کو قوت دیتی ہیں کہ پہلے لوگ متغیر نہ ہونے کو دیکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر اعتماد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پاک پیدا کیا ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، بجز اس کے کہ اس کے مزہ یا رنگ یا بو کو بدل دے اور یہ بات پانی میں واقع ہے، یعنی ہر بہنے والی چیز کی سرشت ہے کہ جو چیز اس میں پڑے اس کو اپنی صفت پر بنالے اور وہ چیز اس سے مغلوب ہو، جیسے نمک کی کان میں کتا گر پڑے تو وہ بھی نمک ہو جاتا ہے اور طہارت کا حکم لگتا ہے اس سبب سے کہ اس میں سے کتے ہونے کا وصف جاتا رہا، نمک ہو گیا، اسی طرح اگر تھوڑا سا سرکہ یا دودھ پانی میں گر جائے گا تو اس کی صفت سے متصف ہو جائے گا اور اسی کی خاصیت اختیار کرے گا مگر جس صورت میں کہ بہت اور غالب ہو تب پانی نہ ہوگا اور اس کا غلبہ مزہ یا رنگ یا بو کے غالب ہونے سے ہوتا ہے تو یہ اوصاف کا متغیر ہونا جانچ کی چیز ہے اور شریعت نے نجاست کے دور کرنے کے لیے پانی میں اسی کی طرف ارشاد فرمایا ہے اور مناسب ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے تاکہ تنگی دفع ہو اور علت پانی کے پاک ہونے کی کھل جائے کہ دوسری چیز پر غالب ہوتا ہے تاکہ اس کو پاک کردے جیسا کہ قلتین سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہی حال ہے اور نجاست کے دھوون اور بہتے پانی اور بلی کے لیے برتن جھکا دینے میں یہی صورت ہے، اور یہ مت خیال کرنا کہ یہ صورت معاف ہونے کی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو استنجا کے اثر اور پسوؤں کے خون کی طرح ہوتا کہ جو پانی اس سے لگتا وہ ناپاک ہوتا حالانکہ دھوون ناپاک نہیں ہوتا۔ نہ تھوڑا پانی بلی کے منہ ڈالنے سے ناپاک ہوتا ہے۔ اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یحمل خبثا یعنی نجاست کو نہیں اٹھاتا تو یہ لفظ اپنی ذات سے مبہم ہے کیونکہ جب متغیر ہوتا ہے تب تو نجاست کو اٹھاتا ہے اور اگر یہ کہو کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب متغیر نہیں ہوتا اس وقت نجاست کو برداشت کرتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ کہیں کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ پانی اکثر اوقات میں معتاد نجاستوں سے متغیر نہیں ہوتا تو یہ بات قلتین سے کم میں بھی متمسک ہے

خ؎ ابن ماجہ بروایت ابو امامہ بسند ضعیف استثنا کے سوا باقی حدیث ابو داؤد ترمذی نے بروایت ابو سعیدؓ روایت کی ہے ۱۲

مگر کم تر ہیں اس کی رعایت نہ کریں ان دلیلوں سے جو ہم نے لکھی ہیں ممکن ہے اور لا یحمل خبثا کے ظاہرا الفاظ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ حمل یعنی برداشت کی نفی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ نجاست کو اپنی صفت پر بدل لیتا ہے، جیسے یہ کہتے ہیں کہ کان نمک کتے وغیرہ کو برداشت نہیں کرتی یعنی انہیں غیر چیزیں ویسی ہو جاتی ہیں اور ان معنوں کے لینے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ تھوڑے پانیوں میں استنجا کیا کرتے ہیں اور اپنے نجس برتن اس میں ڈبویا کرتے ہیں پھر تردد کیا کرتے ہیں کہ یہ پانی اتنے امر سے متغیر ہو گیا یا نہیں، تو جب مقدار قلتین کے پانی ہوگا معلوم ہو جائے گا کہ ان معتاد نجاستوں سے متغیر نہیں ہوتا، پس اگر یہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نجاست کو برداشت نہیں کرتا، اور جب نجاست زیادہ ہوگی، تب اس کی برداشت حکم کی رو سے بھی کرے گا جیسے دیکھنے میں کرتا ہے۔ پس دونوں مذہبوں میں معتاد نجاستوں کی خصوصیت لگانی ضرور ہے۔ حاصل یہ کہ نجاستوں کے معاملہ میں ہمارا میل آسانی برتنے کی طرف ہے اس وجہ سے کہ پہلے لوگوں کی سیرت ہم نے اسی طرح پائی اور وسواس کی جڑ اکھاڑنی منظور ہے اور اسی وجہ سے ان مسئلوں میں اگر کہیں خلاف واقع ہوا ہے تو ہم نے طہارت کا حکم دیا ہے۔

ذیلی فصل ۳ نجاست دور کرنے کی کیفیت

نجاست اگر غیر مرئی ہو یعنی اس کا جسم سوجھائی نہ دیتا ہو تو اس پر جہاں جہاں پڑی ہو، پانی کا بہانا کافی ہے۔ اور اگر نجاست جسم دار ہے تو اس کے جسم کا دور کرنا ضروری ہے اور جب تک مزہ اس کا باقی رہے گا تب تک معلوم ہوگا کہ اس کا جسم باقی ہے، اور یہی حال رنگ کے باقی رہنے کا ہے لیکن جس صورت میں کہ رنگ چمٹ جائے اور رگڑنے اور ملنے سے نہ جائے تو وہ معاف ہے۔ اور بو کا باقی رہنا نجاست کے باقی رہنے پر دال ہے اور معاف نہیں، لیکن اگر کوئی چیز نہایت تیز بو کی ہو کہ اس کا دور کرنا مشکل ہو تو اس وقت ملنا اور چند مرتبے پے در پے نچوڑنا رگڑنے کے قائم مقام ہے، اور وسواس کے دور کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ چیزیں یقیناً پاک پیدا ہوئی ہیں تو جس پر نجاست نہ دکھائی دیتی ہو اور نہ یقیناً معلوم کہ نجس ہے تو اس سے نماز پڑھ لے، اور اس بات کی ضرورت نہیں کہ نجاستوں کی مقدار مقرر کرنے کے لیئے استنباط کیے جائیں۔

قسم دوم حدث (وضو و غسل) کا بیان

اور اس طہارت میں وضو اور غسل اور تیمم داخل ہیں اور ان سب سے مقدم استنجاء ہے ہم ان سب کی کیفیت ترتیب مع آداب و سنت لکھتے ہیں اور شرع میں وضو کے سبب کو بعض قضائے حاجت کو لکھتے ہیں بعون اللہ تعالیٰ۔

ذیلی فصل ۱ (الف) پاخانہ کے آداب

اس میں اتنی باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں کہ دیکھنے والوں کی نظر سے جنگل میں دور جائے اور کسی چیز کی آڑ اگر ہو سکے تو کرے اور جب تک بیٹھنے کے مقام پر نہ پہنچ جائے تب تک اپنی برہنگی نہ کھولے اور سورج اور چاند کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے اور نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ پھیرے مگر جس صورت میں کہ مکان میں پاخانہ ہو تو مضائقہ نہیں، اور اس صورت میں بھی مستحب یہی ہے کہ قبلہ سے پھر کر بیٹھے اور جنگل میں اگر اپنی سواری کی یا دامن کی آڑ لے تو جائز ہے اور آدمیوں کی باتیں کرنے کی جگہ میں بیٹھنے سے اجتناب کرے

اور ٹھہرے ہوتے پانی میں، اور پھل دار درخت کے نیچے اور سوراخ کے اندر پیشاب نہ کرے، اور جو جگہ نہایت سخت ہو اور ہوا کے رُخ پیشاب نہ کرے تاکہ چھینٹوں سے بچا رہے اور بیٹھنے میں پاؤں بائیں پر زور دے لے اور اگر مکانات کے پاخانوں میں جائے تو اندر جائے میں بایاں پاؤں اوّل رکھے اور باہر نکلتے وقت داہنا اوّل نکالے اور کھڑا ہو کر پیشاب نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو کوئی تم میں سے یہ بیان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کے قول کو سچا نہ جانو۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کھڑے ہوئے پیشاب کرتے دیکھ کر فرمایا کہ اے عمرؓ کھڑا ہو کر پیشاب نہ کر اور اسباب میں اجازت مروی ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور میں آپؐ کے لیے وضو کا پانی لایا، آپؐ نے وضو کر کے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور نہانے کی جگہ میں پیشاب نہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۳] کہ اکثر وسواس اسی سے ہوتا ہے اور ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر پانی بہتا ہوا ہو تو اس میں پیشاب کرنے کا مضائقہ نہیں اور پاخانے میں اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر نام خدا کا یا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو اور پاخانے میں ننگے سر نہ جائے اور پاخانے میں جانے کے وقت کہے بسم اللہ اعوذ باللہ من الرجس النجس الخبیث المخبث الشیطان الرجیم ؕ یعنی شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر پناہ مانگتا ہوں اللہ سے ناپاک پلید خبیث مخبث شیطان مردود سے، اور نکلتے وقت کہے الحمد للہ الذی اذھب عنی ما یؤذینی وابقی علی ما ینفعنی یعنی شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھ میں سے وہ چیز دور کی جو مجھے ایذا دے اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے کام آئے مگر یہ دعائیں پاخانے کے باہر کہے اور استنجے کے ڈھیلے بیٹھنے سے پہلے گن لے، اور جہاں پاخانہ پھرے اس جگہ پانی سے طہارت نہ کرے اور پیشاب کے بعد کھنکھارے اور تین دفعہ کر آلہ تناسل کو سونت دے اور اس کے نیچے کی جانب ہاتھ پھیر دے اور اس باب میں زیادہ فکر نہ کرے ورنہ وسوسے میں گرفتار ہوگا اور کام مشکل پڑ جائے گا اور اگر بعد کو کچھ تری معلوم ہو تو یہ سمجھے کہ پانی کا اثر ہے، اور اگر یہ امر اس کو ایذا دیتا ہو تو اس مقام پر پانی چھڑک لے تاکہ نفس میں خوب جم جائے کہ پانی کا اثر ہے قطرہ نہیں اور وسوسہ کرنے سے اپنے اوپر شیطان کو مسلط نہ کرے، اور حدیث میں یہ فعل مروی ہے یعنی آنحضرت[۴] صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی چھڑکا ہے اور پہلے لوگوں میں جو استنجا میں جلد فراغت کرتا تھا، وہ زیادہ فقیہہ ہوتا تھا تو جو شخص اس میں وسوسہ کرے معلوم ہوگا کہ اس کو سمجھ کم ہے اور حضرت سلیمان سے مروی ہے کہ آنحضرت[۵] صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سب چیزیں تعلیم فرمائیں، یہاں تک کہ پاخانہ پھرنا تعلیم فرمایا اور حکم دیا کہ ہڈی سے اور لید سے استنجا نہ کریں اور منع فرمایا اس بات سے کہ پیشاب یا پاخانہ میں قبلہ رُخ بیٹھیں اور ایک بیوی نے جھگڑے کے وقت کسی صحابی سے

---

[۱] ترمذی و نسائی و ابن ماجہ ۱۲ [۲] ابن ماجہ بسند ضعیف ۱۲ [۳] بخاری و مسلم ۱۲ [۴] اصحاب سنن بروایت عبداللہ بن ۱۲

[۵] ابوداؤد و نسائی بروایت سفیان بن الحکم [۶] مسلم ۱۲

کہا کہ میں جانتی ہوں کہ تم کو پاخانہ پھرنا بھی اچھی طرح نہیں آتا، انہوں نے فرمایا کہ کیوں نہیں میں تو اس سے خوب ماہر ہوں، راستے سے دُور جاتا ہوں، اور ڈھیلے گن لیتا ہوں، جھنڈی کی طرف منہ کرتا ہوں اور ہوا کی طرف پشت پھیرتا ہوں، پنجوں پر زور دیتا ہوں اور سرین اوپر کو رکھتا ہوں۔ اور جائز ہے کہ آدمی دوسرے شخص کے قریب اس سے آڑ کر کے پیشاب کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجودیکہ بہت حیا رکھتے تھے لوگوں کی تعلیم کے لیے ایسا ہی کیا ہے۔

استنجا کی کیفیت:۔ اب استنجا کی کیفیت معلوم کرو کہ بعد پاخانہ سے فارغ ہونیکے تین ڈھیلوں سے اپنے مقام کو صاف کرے اگر صاف ہو جاوے تو خیر ورنہ چوتھا ڈھیلا لے اور اسی طرح اگر حاجت جانے تو پانچواں استعمال کرے اس واسطے کہ پاک کرنا واجب ہے اور عدد طاق مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح] ہے کہ من استجمر فلیوتر یعنی جو ڈھیلے استعمال کرے چاہیئے کہ طاق لیوے اور ڈھیلے کو اپنے بائیں ہاتھ میں لیکر اپنے مقام پاخانہ کے اگلے کنارے پر نجاست سے اسطرف رکھے اور پیچھے کو پونچھتا ہوا اور ڈھیلے کو پھیرتا ہوا لیجائے پھر دوسرا ڈھیلا لیوے اور اس کو پیچھے کی طرف رکھکر آگے کو اسی طرح لاوے اور تیسرا لے کر مقعد کی گرد گھماوے اور اگر گھمانا دشوار ہو اور آگے سے پیچھے تک پونچھ لیا ہو تو کافی ہے پھر ایک بڑا سا ڈھیلا اپنے داہنے ہاتھ میں لیکر اور ذکر کو بائیں ہاتھ میں اور ڈھیلے سے اسکو پونچھے اور بائیں ہاتھ کو حرکت دے یعنی اس سے تین بار تین جگہ میں پونچھے یا تین ڈھیلوں میں تین جگہ ایک دیوار میں پونچھے یہانتک کہ پونچھنے کی جگہ میں پیشاب کی تری معلوم نہ ہو اگر یہ بات دو دفعہ ہو جاوے تو تیسرا طاق کرنیکے لیے استعمال کرے اور جس صورت میں کہ صرف ڈھیلے پر کفایت کرنی منظور ہو تو تری کا موقوف کرنا واجب ہے اور اگر چار ڈھیلوں میں صاف ہو تو پانچواں طاق کرنیکے واسطے لیوے پھر اس جگہ سے ہٹے اور دوسری جگہ پانی سے آب دست لے اسطرح کہ داہنے ہاتھ سے مقام نجاست پر ڈالے اور بائیں ہاتھ سے ملے یہانتک کہ اثر نجاست چھونے سے معلوم نہ ہو اور اس میں زیادہ مبالغہ نہ کرے کہ اندر تک دھووے اس لیے کہ یہ وسواس کا گھر ہے اور واضح ہو کہ جہاں پانی پہنچتا ہے وہ مقام اندر کہلاتا ہے اور اس جگہ کے فضلات پر نجاست کا حکم نہیں لگتا جب تک کہ باہر نہ نکلیں، اور جو مقام ظاہر ہے اور اس پر حکم نجاست کا ہو جاتا ہے تو اس کے پاک ہونے کی حد یہ ہے کہ پانی اس جگہ پہنچ جاوے اور نجاست دُور کرے، زیادہ وسواس کی کوئی بات نہیں، اور جب استنجے سے فراغت پاوے تو یوں کہے اللھم طھر قلبی من النفاق وحصن فرجی من الفواحش یعنی الٰہی میرے دل کو نفاق سے پاک کر اور میرے مقام کو زنا سے محفوظ رکھ پھر اپنا ہاتھ دیوار سے یا زمین سے بو کے دور کرنیکے لیے رگڑ ڈالے، اگر رہ گئی ہو اور پانی اور ڈھیلوں کا دونوں کا استعمال کرنا مستحب ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری[ح] فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا والوں کو ارشاد فرمایا[ح] کہ وہ کونسی طہارت ہے جس پر خدائے تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی، انہوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے اور پانی دونوں استعمال کرتے ہیں۔

دوسرا بیان وضو کی کیفیت جب استنجا سے فارغ ہو چکے تو وضو میں مشغول ہو اسلئے کہ آنحضرت[صلعم] کو کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ قضائے حاجت کے بعد آپنے وضو نہ کیا ہو۔ اور وضو میں شروع مسواک سے کرے کہ اس کے باب میں آنحضرت[صلعم] نے فرمایا[ح] ہے کہ تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں پس ان کو مسواک سے اچھا کرو۔ پس چاہیئے کہ مسواک کرنے کے وقت نیت کرے کہ اپنا منہ نماز کے اندر قرآن کی قرأت اور ذکر اللہ کے لیے پاک کرتا ہوں، اور آنحضرت[صلعم] نے فرمایا[ح] مسواک کے بعد کی نماز بدوں مسواک کے پچھتر نمازوں سے بہتر ہوتی ہے۔ اور فرمایا[ح] لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ۔ اور فرمایا[ح] کہ یہ بات ہے کہ تم میرے پاس زرد دانتوں سے آتے ہو مسواک کیا کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو

ح بخاری ومسلم بروایت حذیفہ ۱۲ ح مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ ح اس میں وہ لوگ ہیں جن کو خوشی ہے پاک رہنے کی اور اللہ چاہتا ہے ستھرائی والوں کو ۱۲ ح بزار بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲ ح ابراہیم بروایت علی رض بسند ضعیف بزار بسند ۱۲ ح احمد وحاکم بروایت عائشہ رض ح اگر میں اپنی امت پر مشکل نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم کر دیتا ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ رض ۱۲ ح بزار بیہقی بروایت عباس بن عبد المطلب ۱۲

کئی مرتبہ مسواک کیا کرتے تھے، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۲] ہمیشہ ہم کو مسواک کا حکم کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ پر اس باب میں عنقریب کوئی آیت اترے گی، اور ایک حدیث[۳] میں ارشاد ہے کہ لازم پکڑو مسواک کرنے کو کہ وہ منہ کو پاک کرتی ہے اور باعث خوشنودی اللہ تعالیٰ کی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مسواک حافظہ بڑھاتی ہے اور بلغم دور کرتی ہے، اور آنحضرت[۴] صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مسواک کو کانوں پر رکھ کر چلا کرتے تھے اور کیفیت اس کی یہ ہے کہ مسواک پیلو کی یا اور درختوں کے شاخ کی کرے جو دانت کی زردی دور کردے اور مسواک عرض اور طول دونوں جانب میں کرے یعنی داڑھوں کی جانب میں بھی پھرا دے اور مسوڑھوں کی جانب میں بھی اور اگر ایک ہی طرف پر کفایت کرے تو عرض میں کرے اور مسواک ہر نماز اور ہر وضو کے وقت کرے گو وضو کے بعد نماز نہ پڑھے اور جب سونے یا بہت دیر ہونٹھ بند رہنے یا بدبودار چیز کھانے سے منہ کی بو بری ہوگئی ہو اس وقت مسواک کرے پھر مسواک سے فارغ ہونے کے وضو کے لیے قبلہ رخ بیٹھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۵] کہ جو بسم اللہ نہ کہے اس کا وضو نہیں ہوتا، یعنی بدول بسم اللہ کے کامل نہیں ہوتا اور اس وقت کہے[۶] رب اعوذ بك من همزات الشيطان و اعوذ بك رب ان يحضرون پھر اپنے ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے پہنچوں تک تین بار دھوئے اور کہے۔

اللهم انی اسئلك اليمن والبركة واعوذ بك من الشوم والهلكة۔ یعنی الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یمن اور برکت کو، اور نحوست اور تباہی سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، پھر حدث کے دور کرنے اور نماز کے مباح ہو جانے کی نیت کرے اور منہ دھونے تک یہ نیت باقی رکھے، اگر منہ دھونے کے وقت بھول جائے گا تو وضو نہ ہوگا۔

پھر چلو میں منہ کے لیے پانی لیوے اور اس سے تین کلیاں کرے اور غرارہ کرے اور اگر روزہ دار ہو تو غرارہ نہ کرے، کلیاں ہی کرے اور کہے اللهم اعنی علیٰ تلاوة كتابك وكثرة الذكر لك یعنی الٰہی اپنی کتاب کے پڑھنے اور اپنے ذکر کے زیادہ کرنے پر میری مدد کر، پھر ناک کے لیے چلو بھرے اور تین دفعہ ناک میں پانی دے اور سانس سے پانی کو نتھنوں میں چڑھائے اور جو کچھ نتھنوں میں ہو اس کو سُنک ڈالے اور ناک میں پانی دینے کے وقت یہ دعا کہے:۔

اللهم ارحنی برائحة الجنة وانت عنی راض یعنی الٰہی تو مجھ کو جنت کی خوشبو سنگھا اس حال میں کہ تو مجھ سے خوش ہو اور ناک سنکنے کے وقت کہے اللهم انی اعوذ بك من روائح النار ومن سوء الدار الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں دوزخ کی بدبوؤں سے اور برے گھر سے پہلی دعا ناک میں پانی پہنچانے کے وقت مناسب ہے اور یہ ناک سے

---

[۱] مسلم بروایت عباسؓ ۱۲ [۲] احمد نے روایت کیا ہے ۱۲ [۳] بیہقی طبرانی بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [۴] خطیب نے روایت کیا ہے اور ابو داؤد ترمذی نے یزید بن خالدؒ کا یہ حال ہونا صحیح لکھا ہے ۱۲ [۵] ترمذی و ابن ماجہ بروایت سعید بن زید کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۱۲ [۶] اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں ۱۲

کوئی چیز دور کرنے کے مناسب ہے پھر چلو اپنے منہ کے لیے لیوے اور اس کو جہاں سے کہ پیشانی پھیلنی شروع ہوتی ہے یہاں سے وے کر جس جگہ تک ٹھوڑی سامنے معلوم ہوتی ہے اس کی انتہا تک طول میں اور ایک کان سے لے کر دوسرے تک عرض میں دھووے اور منہ کی حد میں پیشانی کے دونوں گوشے جو بالوں کے اندر چلے جاتے ہیں، داخل نہیں بلکہ وہ سر میں شامل ہیں اور دونوں کن پٹیوں کے اوپر بھی پانی پہنچانا چاہیئے اور یہ وہ جگہ ہے کہ عورتوں کو وہاں سے بال ہٹانے کی عادت ہوتی ہے یا اگر ڈورے کا ایک سرا کان کے سر پر رکھیں اور دوسرا پیشانی کے گوشے پر تو اس ڈورے کے نیچے کی طرف جو منہ کی جانب پڑے اس کو تر کرنا چاہیئے اور چار بالوں یعنی بھوؤں اور مونچھوں اور زلفوں اور پلکوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا چاہیئے کیونکہ یہ چیزیں اکثر تھوڑی ہی ہوتی ہیں۔ اور ڈاڑھی اگر ہلکی ہو تو اس کی جڑمیں بھی پانی پہنچنا چاہیئے، اور ہلکی کی علامت یہ ہے کہ چہرے کی کھال اس میں نظر آتی ہو۔ اور اگر داڑھی گھنی ہو تو اس کی جڑمیں پہنچنا ضرور نہیں، اور وہ بال جو نیچے کے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان ہوتے ہیں جن کو بچی کہتے ہیں، ان کا حکم ہلکی اور گھنی ہونے میں داڑھی کا سا ہے، پھر یہ دھونا تین دفعہ کرے اور داڑھی جو لٹکی ہوئی ہو، اس کے اوپر اوپر پانی بہاوے اور آنکھ کے کویوں اور میل اور سرمہ کے اکٹھے ہونے کی جگہیں انگلی سے صاف کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے اور توقع کرے کہ اس فعل سے آنکھوں کا قصور باہر ہو جائے گا، اور اسی طرح سب اعضا کے دھونے میں توقع کرے کہ ان کی خطائیں دور ہوں گی، اور منہ دھونے کے وقت کہے اللھم بیض وجھی بنورك یوم تبیض وجوہ اولیائك ولا تسود وجھی بظلماتك یوم تسود وجوہ اعدائك الٰہی میرے منہ کو اپنے نور سے سفید کر جس روز کہ تیرے دوستوں کا منہ سفید ہو، اور میرے منہ کو اپنی تاریکیوں سے سیاہ مت کر، جس روز کہ تیرے دشمنوں کے چہرے سیاہ ہوں۔ اور منہ دھونے میں گھنی داڑھی میں خلال کرے کہ مستحب ہے، پھر اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھووے اور انگوٹھی کو ہلا دے اور پانی کہنیوں سے آگے تک پہنچا دے کیونکہ قیامت کو وضو کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ وضو کے نشان کے باعث روشن ہوں گے تو جتنی دور پانی پہنچے گا، اتنا ہی عضو اس روز منور ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل[1] ایک روایت میں یہ ہے کہ تبلغ الحلیۃ من المومن حیث بلغ الوضوء[2] اور پہلے داہنا ہاتھ دھووے اور کہے اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا الٰہی میرا نامۂ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دینا اور مجھ سے حساب ہلکا کرنا اور بائیں ہاتھ کو دھونے میں کہے اللھم انی اعوذ بك ان تعطینی کتابی بشمالی او من وراء ظہری الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تو میرا نامۂ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں دے یا پشت کی جانب سے، پھر اپنے سارے سر کا مسح کرے اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کو تر کرکے دونوں کی انگلیوں کے سر ملائے اور ان کو پیشانی کے

---

[1] جو قدرت رکھے اس بات کی کہ اپنی روشنی بڑھائے تو اس کو چاہیئے کہ بڑھائے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ
[2] زیور ایماندار کے اس مقام تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔ یعنی روشنی اور چمک وضو کے اثر تک ہو گی ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ

پاس سر پر رکھے اور گدی کی طرف کو لے جائے اور وہاں سے پھر آگے کی طرف کو کھینچے، یہ ایک مسح ہوا، اسی طرح تین بار کرے اور کہے اللھم غشنی برحمتك وانزل علی من برکاتك واظلنی تحت ظل عرشك یوم لا ظل الا ظلك الٰہی مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل کر اور اپنے عرش کے تلے سایہ دے اس روز کہ بجز تیرے سائے کے اور سایہ نہ ہوگا، پھر اپنے دونوں کانوں کا مسح اندر اور باہر نئے پانی سے کرے اس طرح کہ دونوں انگشت شہادت کو کانوں کے دونوں سوراخوں میں داخل کرے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے باہر کی جانب گھمادے، پھر کانوں پر دونوں ہتھیلیاں پشتی کے لیے رکھ دے اور یہ مسح بھی تین بار کرے اور یہ کہے اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اللھم اسمعنی منادی الجنۃ مع الابرار الٰہی مجھ کو ان لوگوں میں سے کر کہ قول کو سنیں اور اس میں سے بہتر کا اتباع کریں، الٰہی مجھ کو جنت کے منادی کی آواز نیک بندوں کے ساتھ میں سُنا، پھر اپنی گردن کا مسح نئے پانی سے کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح] کہ گردن کا مسح کرنا قیامت کے دن طوق سے بچاتا ہے اور مسح گردن میں یہ کہے اللھم فك رقبتی من النار واعوذبك من السلاسل والاغلال الٰہی میری گردن کو دوزخ سے آزاد کر اور میں زنجیروں اور طوقوں سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، پھر اپنا داہنا پاؤں دھوئے اور بائیں ہاتھ سے پاؤں کی انگلیوں کو نیچے کی جانب سے خلال کرے اور داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کرکے بائیں کی چھنگلیا پر خلال ختم کرے اور داہنے پاؤں کو دھونے میں یہ کہے اللھم ثبت قدمی علی الصراط المستقیم یوم تزل الاقدام فی النار الٰہی میرا پاؤں سیدھے راستے پر جمادے جس روز کہ پاؤں دوزخ میں پھسلیں، اور بائیں پاؤں کے دھونے میں کہے اعوذبك ان تزل قدمی علی الصراط یوم تزل اقدام المنافقین فی النار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں پل صراط پر اپنا پاؤں پھسلنے سے جس روز کہ منافقوں کے پاؤں دوزخ میں پھسلیں گے اور پانی کو اپنی نصف ساق تک اونچا کرے، جب فارغ ہو تو منہ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہے اشھد[۲] ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ سبحانك اللھم وبحمدك لا الٰہ الا انت عملت سوءا وظلمت نفسی استغفرك اللھم واتوب الیك فاغفر لی وتب علیّ انك انت التواب الرحیم اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادك الصالحین واجعلنی عبدا صبورا شکورا واجعلنی اذکرك کثیرا واسبحك بکرۃ واصیلا۔ کہتے ہیں کہ جو شخص بعد وضو کے یہ دعا پڑھے تو اس کے وضو پر مہر کی جاتی ہے اور عرش کے نیچے اس کو پہنچایا جاتا ہے اور وہاں وہ خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتی رہتی ہے اور اس کا ثواب

ح ابو منصور دیلمی بروایت ابن عمرؓ اور یہ مذہب ضعیف ہے ۱۲ ۲ے گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود بجز خدائے برحق کے نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، الٰہی تو پاک ہے اور میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں تیری حمد کے ساتھ کوئی معبود تیرے سوا نہیں، میں نے برا کام کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا، الٰہی میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں تو مجھ کو مغفرت کر اور توبہ میری قبول کر، تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، الٰہی مجھ کو توبہ کرنے والوں میں کر اور مجھ کو پاکیزگی کرنے والوں میں کر اور مجھ کو اپنے نیک بندوں میں سے کر اور مجھ کو صابر اور شاکر بندہ کر اور مجھ کو ایسا کر دے کہ م

م تیرا ذکر بہت کروں اور تیری پاکی صبح شام بیان کروں ۱۲

قیامت تک اس شخص کے لیے لکھا جاتا ہے اور وضو میں چند باتیں مکروہ ہیں اوّل تین مرتبہ سے زیادہ دھونا اور پانی کو فضول بہانا آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اعضا دھوئے اور فرمایا کہ جس نے زیادہ مرتبہ دھوئے اس نے ظلم کیا اور بُرا، اور فرمایا کہ عنقریب[۲] اس امت میں سے ایک قوم ہوگی جو دعا اور وضو میں تجاوز کرے گی اور کہتے ہیں کہ طہارت میں آدمی کا پانی پر حریص ہونا اس کے علم کی سستی کی علامت ہے اور ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ یوں کہتے ہیں کہ اوّل جو شروع وسواس کا ہوتا ہے تو پاک کرنے کی جہت سے ہوتا ہے اور حضرت حسن کا قول ہے کہ ایک شیطان وضو کے اندر آدمی پر ہنسا کرتا ہے جس کو وُلہان کہتے ہیں، دُوسرے ہاتھوں کا جھٹکنا کہ پانی دور ہو جائے۔ تیسرے وضو کے اندر بولنا۔ چوتھے منہ پر پانی کو طمانچہ کی طرح مارنا، اور بعض نے پانی کو بدن پر سے خشک کرنا بھی مکروہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ پانی میزان اعمال میں وزن کیا جائے گا اس لیے اس کا خشک کرنا مکروہ ہے، یہ قول سعید بن مسیّب رضؓ اور زہری کا ہے لیکن حضرت معاذ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ مبارک کو اپنے کپڑے کے کنارے سے پُونچھا تھا اور حضرت عائشہ رضؓ روایت[۴] کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خشک کرنے کا کپڑا رہتا تھا مگر اس روایت میں طعن کیا گیا ہے اور مکروہ ہے کانسی کے برتن سے وضو کرنا اور اس پانی سے جو دھوپ میں گرم ہو گیا ہو اور اس کی کراہت طب کی رو سے ہے اور حضرت ابن عمر رضؓ اور ابوہریرہ رضؓ سے کانسی کے برتنوں کی کراہت مروی ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ شعبہ رضؓ کے لیے کانسی کے برتن میں پانی آیا تو انہوں نے اس سے وضو کرنے سے انکار کیا اور اس امر کا مکروہ ہونا حضرت ابن عمر رضؓ، اور ابوہریرہ رضؓ سے نقل فرمایا، اور جبکہ آدمی وضو سے فارغ ہو کر نماز پر متوجہ ہو تو چاہیئے کہ اپنے دل میں سوچے کہ میرا ظاہر پاک ہو گیا جس کو خلق دیکھتی ہے تو بڑی شرم کی بات ہے کہ بدون دل کے پاک کرنے کے خدائے تعالےٰ سے مناجات کروں کہ دل اس کے دیکھنے کا مقام ہے۔ اور یہ یقین لے کہ توبہ سے دل کو پاک کرنا اور اخلاقِ بد سے خالی ہونا اور عمدہ اخلاق کا عادی ہونا بہت بہتر ہے۔ اور جو شخص کہ صرف ظاہر کے پاک کرنے پر اکتفا کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی بادشاہ کو اپنے گھر میں بلاوے اور گھر کو خس وخاشاک سے آلودہ چھوڑ کر باہر کے دروازے پر گچ اور چونا پھروا دے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص مستحق غضب سلطانی ہوگا

ذیلی فصل[۲] وضو کی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵] من توضأ فاحسن الوضوء وصلی رکعتین لم یحدث فیھا بشیٔ من الدنیا خرج من ذنوبه کیوم ولدته اُمه اور

---

[۱] ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ بروایت عمر بن شعیب ۱۲ [۲] ابوداؤد بروایت عبداللہ بن مغفل ۱۲ [۳] ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب اور اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ [۴] ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ٹھیک نہیں اور اس بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں ہوا ۱۲ [۵] جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح سے کرے اور دو رکعتیں نماز پڑھنے میں کوئی بات دنیا کی دل میں نہ لائے تو اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسا اس روز کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا ۱۲ باقی بر صفحہ ۲۶۵

دوسری روایت میں لم یسہ فیھا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ اور ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا الا اُونبئکم بما یکفر اللہ بہ الخطایا ویرفع بالدرجات اسباغ الوضوء فی المکارۃ ونقل الاقدام الی المساجد وانتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ فذلکم الرباط۔ اور اس کلمہ کے اخیر یعنی فذلکم الرباط کو تین بار ارشاد فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ایک ایک بار اعضا کو دھویا اور فرمایا کہ وضو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے نماز قبول نہیں کرتا اور دو دو بار اعضاء دھوئے، اللہ تعالیٰ اس کو ثواب دوبارہ عنایت فرمائے گا اور تین تین بار اعضا دھوئے اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پیشتر کے انبیاء اور اللہ تعہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا۔ اور فرمایا کہ جو شخص وضو کرنے میں خدائے تعالیٰ کو یاد کرے اللہ تعالیٰ اس کا سب جسم پاک کر دیتا ہے، اور جو شخص ذکر اللہ کا نہ کرے، اس کا جسم صرف اسی قدر پاک ہوگا جہاں پانی لگے گا۔ اور فرمایا مَن توضأ علی طھر کتب اللہ بہ عشر حسنات اور فرمایا الوضوء علی الوضوء نور علی نور ان دونوں روایتوں سے نئے وضو کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے اور فرمایا کہ جب بندہ مسلمان وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو خطائیں اس کے منہ سے نکل جاتی ہیں، اور جب ناک صاف کرتا ہے تو اس کی ناک سے گناہ باہر ہوتے ہیں اور جب منہ دھوتا ہے تو چہرے سے خطائیں دور ہوتی ہیں یہاں تک کہ پلکوں کے بالوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے قصور دور ہوتے ہیں حتیٰ کہ ناخون کے تلے سے نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو سر سے خطائیں کانوں تک کی نکل جاتی ہے اور جب پاؤں دھوتا ہے تو دونوں پاؤں کی خطائیں ناخنوں تک کے نیچے سے دور ہو جاتی ہیں، پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنی دونوں زائد بچتی ہیں۔ اور مروی ہے کہ طاہر مثل صائم کے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے پھر اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھا کر کہے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں کہ جس دروازے میں سے چاہے، اس کے اندر جائے۔ اور حضرت عمر رضہ نے فرمایا ہے کہ عمدہ وضو تجھ سے شیطان کو دور کرے گا اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص سے ہو سکے وہ یہ کرے کہ جب سوئے طاہر اور ذاکر اور استغفار پڑھتا ہوا سوئے کیونکہ روحیں اسی حال میں اٹھیں گی جس پر قبض ہوں گی۔

بقیہ نمبر ۲ ابن مبارک نے کتاب الزہد والدقائق میں اسی طرح روایت کیا ہے اور بخاری اور مسلم میں بروایت عثمان بن عفان رضہ مروی ہے بشئی من الدنیا ان میں نہیں ہے اور دوسر روایت میں لم سید نہیں ہے ابن مبارک نے انہیں لفظوں سے روایت کیا ہے ۱۲ ح کیا میں تم کو نہ بتا دوں وہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس سے خطائیں دور کرے اور درجے اونچے کرے وہ یہ ہے کہ وضو کا پورا کرنا ایسے دنوں میں کہ دل بچا ہے اور مسجدوں کی طرف قدم اٹھانے اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا کہ یہ باتیں گویا اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑے باندھے ہیں ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲ ح جو شخص وضو پر وضو کرے اللہ تعالیٰ اس کے عوض دس نیکیاں لکھتا ہے ۱۲ ابوداؤد و ترمذی بروایت ابن عمر رضہ بسند ضعیف ۱۲ ح وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح نسائی اور ابن ماجہ بروایت ۔۔ روایت کیا ہے ۱۲ اور یہ مضمون مسلم نے بھی مختصراً بروایت ابی ہریرۃ رضہ عمر بن عبلیہ

۔۔ روایت کیا ہے ۱۲ ۵ ابو منصور دیلمی بروایت عمرو بن حریث ۱۲ ۶ ابوداؤد بروایت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ۱۲

ذیلی فصل ۳ غسل کی تفصیل

اس کی کیفیت یہ ہے کہ برتن کو اپنی داہنی جانب رکھے پھر بسم اللہ کہہ کر اپنے ہاتھ تین بار دھوئے پھر استنجا کرے جیسا ہم نے اوپر لکھا ہے اور بدن پر اگر نجاست ہو اس کو دور کرے پھر نماز کی طرح وضو کرے، جیسے مذکور ہوا مگر پاؤں اس وقت نہ دھوئے، نہانے کے بعد دھوئے کیونکہ ان کو دھو کر زمین پر رکھنا پانی کا ضائع کرنا ہے پھر وضو کے بعد تین بار اپنے داہنے شانے پر نیچے تک پانی ڈالے پھر بائیں طرف پر تین بار، پھر سر پر تین بار، پھر اپنا بدن آگے اور پیچھے سے ملے اور سر اور داڑھی کے بالوں میں خلال کرے اور گھنی ہوں یا تھوڑی، ان کی جڑوں میں پانی پہنچا دے اور عورت کو مینڈھوں کا کھولنا ضروری نہیں مگر اس صورت میں کہ جانے کہ پانی بالوں کے اندر نہ پہنچے گا اور بدن کی سلوٹوں کی خبر لے کہ پانی سب میں پہنچ جائے اور نہانے کے بیچ میں اپنے آلۂ تناسل کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر ہاتھ لگا دے تو وضو پھر سے کرے اور اگر وضو غسل سے پہلے کر لیا ہے تو غسل کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے غرضکہ وضو اور غسل کا طریق یہ ہے کہ ہم نے اس کو اس قدر لکھا ہے کہ طریق آخرت کے سالک کے لیے جس قدر اس کا جاننا اور کرنا ضروری ہے اور اس کے سوا اور مسائل کہ بعض احوال میں ان کی ضرورت پڑتی ہے ان کے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، غسل میں جو ہم نے یہ باتیں لکھی ہیں ان میں سے دو باتیں واجب ہیں، ایک نیت کرنا، دوسرے تمام بدن کو دھونا اور وضو میں اتنی چیزیں واجب ہیں، نیت، منہ کا دھونا، دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اور سر کا مسح اس قدر کرنا کہ جس کو مسح کہہ سکیں اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا اور ترتیب یعنی پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ دھونے پھر مسح کرنا پھر پاؤں دھونے اور پے درپے دھونا واجب نہیں، اور چار قسم کے غسل واجب ہیں، اول منی کے نکلنے سے، دوم عورت و مرد کی شرمگاہیں ملنے سے سوم حیض کے بعد، چہارم نفاس کے بعد، اور ان کے سوا اور غسل سنت ہیں جیسے دونوں عیدوں کا نہانا اور جمعہ کے روز اور احرام کے لیے اور عرفات یا مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لیے اور مکہ میں داخل ہونے کے واسطے اور ایامِ تشریق کے تین دن نہانا، اور ایک قول کے بموجب طواف وداع کے لیے غسل کرنا اور کافر کے مسلمان ہونے کے وقت بشرطیکہ ناپاک نہ ہو، اور مجنون کے ہوش میں آنے کے وقت اور میت کو غسل دینے کے بعد نہلانے والے کا غسل کرنا، یہ سب غسل مستحب ہیں۔

ذیلی فصل ۴ تیمم کی تفصیل

جس شخص کو پانی کا استعمال دشوار ہو کہ دور ہونے کی جہت سے نہ ملتا ہو، یا اس تک کسی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا، مثلاً درندے کے خوف سے یا دشمن کے ڈر سے یا پانی موجود ہو مگر اپنے یا اپنے ساتھی کی پیاس کے لیے ہو، یا دوسرے کی ملک ہو کہ وہ نرخ معمولی سے زیادہ دام پر بیچتا ہو، یا اس کے بدن پر کوئی زخم خواہ مرض ہو کہ پانی کے استعمال سے عضو کے بیکار ہونے یا شدت سے دبلا ہو جانے کا خوف ہے تو اس شخص کو چاہیئے کہ جب نماز فرض کا وقت اس پر آئے، اس وقت زمین پاک

ے ابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ ے دار قطنی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲

کا قصد کرے جس پر خاک پاک خالص اور نرم ہو کہ اس میں غبار اکٹھا ہو، اس زمین پر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو جوڑ کر ایک دو ہتڑ مارے اور ان کو اپنے تمام چہرے پر ایک بار پھراوے اور اس وقت نماز کے مباح ہونے کی نیت کرے اور غبار کو بالوں کے نیچے پہنچانے کیلئے دقت نہ اٹھائے خواہ بال تھوڑے ہوں یا بہت مگر اس باب میں کوشش کرے کہ چہرے کے تمام ظاہر پر غبار پہنچ جائے اور یہ ایک ضرب سے ہو جائے گا کیونکہ چہرے کا عرض دو ہتھیلیوں سے زائد نہیں اور ظنِ غالب کی رو سے تمام چہرے پر غبار کا پہنچ جانا کافی ہے، پھر اپنی انگوٹھی نکالے اور دوسری جانب انگلیاں کھلی رکھ کر لگا دے، پھر داہنے کی چاروں انگلیاں جوڑ کر بائیں کی چاروں انگلیوں پر رکھے۔ اس طرح کہ بائیں انگلیوں کے اندر طرف ہو اور داہنے کی پشت کی جانب اور دونوں انگوٹھے علیحدہ ہوں اور ایک ہاتھ کی پوریں دوسرے کی انگشت شہادت کے عرض سے باہر نہ ہونے پائیں، پھر بائیں کی چاروں انگلیوں کو داہنے ہاتھ کی پشت کی جانب کہنی تک سرکاتا ہوا لے جائے کہ ہتھیلی شامل نہ ہو، جب کہنی پر پہنچ جائے تو ہتھیلی بائیں کی داہنے کے اندر کی طرف پھر پلٹ کر اوپر کی طرف سرکاتا ہوا لے جائے کہ ہتھیلی شامل نہ ہو، جب کہنی پر پہنچ جائے تو ہتھیلی بائیں کی داہنے کے اندر کی طرف پھر پلٹ کر اوپر کی طرف سرکاتا ہوا پہنچے تک چلا آئے اور بائیں انگوٹھے کے اندر کی طرف داہنے انگوٹھے کے باہر کی جانب پر پھیر دے، پھر اسی طرح داہنے ہاتھ سے بائیں پر عمل کرے کہ چار انگلیاں اوّل انگلیوں سے لے کر کہنی تک لے جائے اور وہاں سے ہتھیلی اندر کی طرف پلٹ کر پہنچے تک لے آئے اور انگوٹھے کو انگوٹھے پر پھرا دے، پھر اپنی دو ہتھیلیاں ایک دوسرے سے ملے اور انگلیوں کے درمیان خلال کرے اور غرض اس تکلیف سے یہ ہے کہ ایک ضرب میں کہنیوں تک پورا ہاتھ غبار کا پھر جائے، پس اگر یہ بات دشوار ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ دو ضربوں اور زیادہ سے پورا کر لے اور اگر اس تیمم سے فرض پڑھ لیے ہوں تو نفل کا اختیار ہے جتنی اس سے پڑھ لے لیکن اگر دو فرضوں کو ایک ساتھ پڑھے تو چاہیے کہ دوسرے فرض کے لیے تیمم دوبارہ کرے، اور اسی طرح ہر فرض کے لیے ایک تیمم جداگانہ کرے، واللہ اعلم۔

تیسری قسم فضلاتِ ظاہریہ سے پاک ہو

اور فضلات دو نوع پر ہیں اول میل دوم اجزا، اس لیے دو بیانوں میں اس کو لکھا جاتا ہے۔

انسان کی میل اور رطوبت جو تعداد میں آٹھ ہیں

اوّل جو سر کے بالوں میں میل اور جوئیں ہو جاتی ہیں ان کی صفائی دھونے اور کنگھی کرنے اور تیل ڈالنے سے مستحب ہے تاکہ بالوں کا الجھاؤ اور چہرے کا وحشی پن دور ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے بالوں میں تیل ڈالتے[1] اور کنگھی کرتے اور فرماتے کہ کبھی کبھی[2] تیل ڈالا کرو، اور آپ نے فرمایا کہ جس[3] کسی کے بال ہوں، چاہیئے کہ ان کی خدمت

[1] ترمذی نے شمائل میں بروایت انس رضی بسند ضعیف روایت کیا ہے کہ آپ تیل اکثر ڈالا کرتے تھے، اور ایک صحابی رضی سے بسند صحیح یہ بھی روایت ہے کہ کنگھی کبھی کبھی کرتے تھے ۱۲ [2] ترمذی و نسائی بروایت عبد اللہ بن مغفل ۱۲ [3] ابوداؤد بروایت ابوہریرہ رضی اور اس کی سند قوی نہیں ہے ۱۲

کرے یعنی ان کو میلوں سے بچائے۔ اور آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا کہ اس کی داڑھی کے بال پراگندہ تھے، آپ نے فرمایا کہ کیا اس کے پاس تیل نہ تھا جس سے بالوں کو درست کر لیتا، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی آتا ہے جیسے شیطان ہو۔ **دوم** وہ میل کہ کان کے پیچوں میں جمع ہو جاتا ہے، اس میں سے جو اوپر ہوتا ہے وہ مسح سے دور ہو جاتا ہے، اور جو سوراخوں کے اندر ہوتا ہے اس کے لیے چاہیئے کہ حمام سے باہر آنے کے وقت نرمی کے ساتھ اس کو صاف کر دے اور اگر زیادہ ایسا کرے گا تو وہ قوتِ سامعہ کو مضر ہے **سوم** وہ رطوبت جو ناک میں جمع ہو کر جم جاتی ہے۔ اور نتھنوں میں چمٹ جاتی ہے، وہ ناک میں پانی دینے اور سنکنے سے جاتی رہتی ہے **چہارم** وہ میل کہ دانتوں پر اور زبان کے کناروں پر جمع ہوتا ہے وہ کلی اور مسواک سے دُور ہو جاتا ہے اور ان دونوں کا حال ہم ذکر کر چکے ہیں **پنجم** جو میل اور جوئیں داڑھی میں جمع ہو جاتی ہیں جس صورت میں کہ اس کی خدمت نہ کی جائے تو اس کا دور کرنا دھونے اور کنگھی کرنے سے مستحب ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں کنگھی اور دانتامدری اور آئینہ کبھی نہ چھوڑتے تھے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے اور یہ عرب والوں کا دستور ہے کہ یہ چیزیں ساتھ رکھتے تھے، اور ایک حدیث غریب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن میں دُو بار اپنی داڑھی میں کنگھی کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی، اور حضرت ابوبکرؓ کی داڑھی بھی ایسی ہی تھی، اور حضرت عثمانؓ کی داڑھی لمبی اور پتلی تھی اور حضرت علیؓ کی داڑھی خوب چوڑی تھی کہ دونوں شانے گھیر لیے تھے۔ اور ایک حدیث اس سے زیادہ غریب میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع ہوئے اور آپ ان کے پاس جانے کو ہوئے میں نے دیکھا کہ آپ نے پانی کے مٹکے میں جھانک کر اپنے بال سر اور ریش مبارک کے درست کیے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ یہ کام کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو محبوب جانتا ہے کہ جب اپنے بھائیوں کے پاس جائے تو بن سنور کے جائے، جاہل آدمی اس سے کبھی یہ گمان کرتا ہے کہ یہ امر لوگوں کے لیے زینت کرنے کی محبت ہے اور آپ کے اخلاق کو غیروں پر قیاس کرتا ہے اور فرشتوں کو لوہاروں سے تشبیہ دیتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمِ دعوت تھا اور یہ امر آپ کے لوازم میں سے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے بڑا کرنے کے واسطے سعی فرمائیں تاکہ ان کے نفس آپ کو حقیر نہ جانے اور اپنی صورت ان کی نظروں میں اچھی بنا دیں تاکہ ان کی آنکھوں تلے چھوٹے نہ معلوم ہوں اور وہ لوگ آپ کے پاس سے بدک نہ جائیں اور نہ منافقوں کو کوئی موقع ان کے بدگمانی کا ہاتھ لگے اور یہ ہر ایک عالم کے لیے واجب ہے کہ جو خلق کو خدائے تعالےٰ کی طرف بلانے کے در پے ہو کر اپنے ظاہر حال میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ کوئی ایسا امر نہ ہو جس سے لوگ اس سے

ح ابو داؤد و نسائی بروایت جابرؓ ۱۲ ح طبرانی بروایت عائشہؓ بسند ضعیف ۱۲ ح ترمذی نے شمائل میں بروایت انسؓ روایت کیا ہے کہ کنگھی آپ داڑھی مبارک میں بہت کیا کرتے تھے اور سند اس کی ضعیف ہے ۱۲ ح آپ کی داڑھی کا گھنا ہونا شمائل میں بروایت ہند بن ابی ہالہ ترمذی نے روایت کیا ہے ۱۲ ح ابن عدی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے ۱۲

نفرت کریں اور ان باتوں میں نیت کا اعتبار ہے کیونکہ یہ امور بھی بذاتِ خود وہ عمل ہیں جو مقصود سے اوصاف حاصل کرتے ہیں، غرض اس نیت سے زینت کرنا اچھا ہے۔ ..... اور اگر بالوں کی پراگندگی اس لیے باقی رکھے کہ لوگ جانیں کہ یہ شخص زاہد ہے اور نفس کی پروا نہیں کرتا تو ممنوع ہے، اور اگر بالوں کی نسبت دوسرے اہم احکام میں مصروف ہو کر ان کی درستی نہ کرے تو اچھا ہے۔ اور یہ حالات باطنی ہیں جو بندے کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں۔ عاقل آدمی ان کو خوب جانتا ہے کسی حال میں اس کو ایک صورت کا دوسرے پر شبہ نہیں پڑتا۔ اور بہت سے جاہل ایسے ہیں کہ وہ ان امور کو کرتے ہیں اور ان کی توجہ خلق ہی کی طرف ہوتی ہے اور خود بھی مغالطہ میں ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارا قصد بہتر ہے، مثلاً بہت سے عالم دیکھو گے کہ عمدہ لباس پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا قصد بدعتیوں اور جدل کرنے والوں کو ذلیل کرنا اور خدائے تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اور یہ بات اس روز کھلے گی جس روز باطن کا امتحان لیا جائے گا اور قبروں میں سے مردے اٹھائے جائیں گے اور سینوں کے اندر کی باتیں علانیہ ہوں گی اور اس روز خالص دھلا ہوا سونا کھوٹے سے علیحدہ ہو جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بڑی پیشی کے دن کی رسوائی سے پناہ مانگتے ہیں **ششم** میل جو انگلیوں کے اوپر سلوٹوں میں جمع ہوتا ہے، عرب کے لوگ ان جگہوں کو بہت دھوتے تھے، اس وجہ سے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھوتے تھے، اسی جہت سے ان سلوٹوں میں میل رہ جاتا تھا۔ بہمیں لحاظ آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان مقامات کے دھونے کے لیے ارشاد فرمایا **ہفتم** انگلیوں کے پوروں کے صاف کرنے کے لیے آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کو ارشاد فرمایا یعنی جو میل کہ انگلیوں کے سروں پر اور ناخنوں کے نیچے ہو اس کو دُور کریں، اس لیے کہ ہر وقت ناخنوں کا تراشنا تو نہیں ہو سکتا اس لیے ان میں میل جمع ہو جاتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخنوں کے کاٹنے اور بغل اور زیر ناف کے بالوں کے دور کرنے کے لیے چالیس[۴] دن کی مدت مقرر فرما دی اور ناخنوں[۵] کے نیچے کے میل کے صاف کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک بار آنحضرت[۶] صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے میں دیر ہوئی، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تو آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم تم پر کیسے اتریں کہ تم نہ اپنی انگلیوں کے بیچ کے جوڑ دھوتے ہو، نہ پوروں کو صاف کرتے ہو، نہ زردی دانت کے لیے مسواک کرتے ہو، اپنی امت کو ارشاد فرمائیے کہ وہ یہ امور بجا لائیں، اور بعضوں نے اس آیت کی تفسیر میں ولا تقل لهما اُفٍ[۷] یہ فرمایا ہے کہ اُف ناخن کے میل کو کہتے ہیں اور تف کان کے میل کو اور معنے یہ ہیں کہ ماں باپ کو ان کے ناخن کے میل کا عیب مت لگاؤ اور بعض نے یوں کہا ہے کہ ان کو اتنی ایذا بھی مت دے جتنی ناخن کے نیچے میل ہونے سے ہوتی ہے **ہشتم** وہ میل جو تمام بدن پر پسینے اور راستے کے غبار سے جم جاتا ہے اس کو حمام میں نہانے سے دور کرے اور حمام میں نہانے کا کچھ مضائقہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شام کے حماموں میں گئے ہیں اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ

---

[۱] مسلم بروایت عبداللہ بن بسر ۱۲ [۲] احمد بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [۳] مسلم بروایت انسؓ ۱۲ [۴] طبرانی بروایت الضبہ بن سعید بسند ضعیف ۱۲ [۵] احمد بروایت ابن عباسؓ اور اس کی سند میں اسمٰعیل بن عباس ہے ۱۲ [۶] اُف مت کہہ ان کو ہوں ۱۲

حمام اچھا گھر ہے کہ بدن کو پاک کرتا ہے اور آگ کو یاد دلاتا ہے، یہ قول حضرت ابو درداءؓ اور ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے اور بعضوں نے یہ فرمایا ہے کہ حمام بُری جگہ ہے کہ برہنگی کو ظاہر کرتا ہے اور حیا کو دُور کرتا ہے، اس قول سے اس کی برائی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے قول سے فائدہ مفہوم ہوتا تھا۔ اور اس کے فائدے کی طلب کرنی اور صورت محفوظ رہنا اس کی آفت سے کچھ مضائقہ نہیں اس لیے جو باتیں کہ حمام کرنے والے کو چاہییں خواہ سنت ہوں یا واجب وہ ہم لکھے دیتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ حمام کرنے والے پر دو امر تو اپنی برہنگی کے باب میں واجب ہیں اور دو باتیں دوسرے شخص کی برہنگی کے باب میں واجب ہیں، جو دو باتیں کہ خاص اپنی برہنگی میں واجب ہیں، ان میں سے اوّل یہ ہے کہ اس کو دوسرے کی نگاہ سے محفوظ رکھے، دوسری یہ کہ دوسرے کے چھونے سے اس کو بچاوے، اس سے یہ نکلا کہ اس جگہ میل دور کرنا اور ملنا اپنے آپ کرے حمامی کو منع کردے کہ ران کو اور ناف سے لے کر پیڑو کو ہاتھ نہ لگاوے، ہر چند سوائے مقام شرم کے اور جگہ پر ہاتھ لگانا میل کے دور کرنے کے لیے اباحت کا احتمال رکھتا ہے لیکن قیاس یہی چاہتا ہے، کہ حرام ہو اس جہت سے کہ دونوں شرمگاہوں کو ہاتھ لگانا حرمت کے باب میں ان کے دیکھنے میں ملا دیا گیا ہے تو باقی برہنگی کا بھی یہی حال ہونا چاہیئے یعنی جن پر نگاہ کرنا حرام ہو ان کا ہاتھ لگانا بھی حرام ہونا چاہیئے، اور غیر شخص کی برہنگی کے باب میں دو امر واجب ہیں اوّل تو اپنی نظر اس پر نہ ڈالے، دوم اس کو اس کے کھولنے سے منع کرے اس لیے کہ بری بات سے منع کرنا واجب ہے اور اس کے ذمہ صرف ذکر کر دینا ہے، یہ تو نہیں کہ دوسرے کا قبول کرنا بھی ہو اور ذکر کرنے کا وجوب اس کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ خوب پٹنے یا گالی یا اور کسی بات کا ہو جو فی نفسہٖ حرام ہو، ایسی صورت میں اس پر واجب نہیں کہ بری بات کو ذکر کر کے دوسرے کو مرتکب دوسرے حرام کا کرے ہاں نہ ذکر کرنے کی یہ وجہ کہنی کہ میں جانتا ہوں کہ ذکر نامفید نہ ہوگا اور اس پر کوئی عمل نہ کرے گا پوچ ہے یہ عذر نہ مانا جائے گا بلکہ ذکر کرنا ضرور چاہیئے اس لیے کہ کہنے کا اثر دل پر ہوا ہی کرتا ہے اور جب گناہوں کا عیب لگایا جاتا ہے تو دل میں اس سے احتراز کرنا آیا کرتا ہے اور اس سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ سننے والے کی نگاہ میں اس گناہ کو برا کر دیتا ہے، اور اپنے نفس کو اس سے علیحدہ رکھنے پر آمادہ کرتا ہے اس لیے ذکر کرنے کو چھوڑنا جائز نہیں اور انہیں جیسی باتوں کی وجہ سے احتیاط اس میں ہے کہ حمام میں آج کل کے زمانے میں داخل نہ ہو کہ برہنگیاں ضرور کھلی رہتی ہے خصوص ناف کے نیچے سے پیڑو کا کھلنا کہ لوگ اس کو برہنگی نہیں جانتے حالانکہ شرع نے اس مقام کو برہنگی میں لاحق فرمایا اور اس کو گویا حد اور احاطہ برہنگی کا ٹھہرایا اور اسی نظر سے مستحب یہ ہے کہ حمام میں تنہا جاوے اور بشرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک درہم ہو اور وہ حمامی کو اس غرض سے دیدے کہ وہ حمام کو صرف اس کے لیے خالی کردے تو میں اس شخص کو اس بات میں ملامت نہ کروں گا۔ اور حضرت ابن عمرؓ کو لوگوں نے حمام میں دیکھا کہ منہ اپنا دیوار کی طرف کیے ہیں اور آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے اور بعض کا قول ہے کہ حمام میں جانے کا مضائقہ نہیں مگر دو چادریں لے، ایک

ع ۷ اصل میں یہ ہے ولا تو ربما تحت الظفر میں الوسخ یعنی ناخنوں کے میل کے برابر ان کو مت شمار کرو، فافہم، واللہ اعلم ۱۲

کی لنگی کرے اور ایک کو سر پر باندھ لے اور آنکھوں کے سامنے گھونگھٹ ہو جائے۔ اور حمام میں نہانے کے مستحبات یہ ہیں اوّل نیت کرنا یعنی دنیا کے لیے اور صرف اپنی خواہش نفس کے واسطے داخل نہ ہو بلکہ یہ قصد کرے کہ نماز کے واسطے جو صفائی چاہیے اس کے لیے نہاتا ہوں، دوسرے حمامی کو اجرت حمام میں جانے سے پیشتر دینی اس لیے کہ جو کچھ اس سے کام لے گا وہ مجہول ہے اور یہی حال حمامی کا ہے کہ جو کچھ اس کو ملنے کی توقع ہے وہ معلوم نہیں تو پیشتر دینے میں ایک طرف سے جہالت دور ہو جائے گی اور نفس کو آسائش ملے گی۔ تیسرے داخل ہونے کے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے اور وہ دعا پڑھے جو پاخانہ جانے کے باب میں مذکور ہوئی۔ چوتھے تخلیہ کے وقت حمام میں جائے یا بتکلف حمام کو خالی کرا دے کیونکہ اگر بالفرض حمام میں بجز دینداروں اور محتاط شخصوں کے اور کوئی نہ ہو تب بھی ان کے ننگے بدنوں کو دیکھنے میں ایک طرح کی شرم کی کوتاہی ہے اور ننگے بدنوں کو دیکھ کر برہنگیوں کا دھیان دل میں گذرتا ہے علاوہ ازیں لنگی باندھنے وغیرہ حرکات میں انسان برہنگی کھلنے سے خالی نہیں رہتا تو برہنگی پر نگاہ دانستہ پڑ جاتی ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ نے اپنی آنکھوں میں پٹی باندھی تھی۔ پانچویں حمام میں گھسنے کے وقت دونوں ہاتھ دھوئے۔ چھٹے گرم حمام میں جانے کی جلدی نہ کرو یہاں تک کہ اوّل درجے میں پسینہ نہ آجائے۔ ساتویں پانی بہت نہ ڈالے بلکہ قدر حاجت پر اکتفا کرے اس واسطے قرینہ حال کے رو سے اسی قدر کی اجازت اس کو ہے اور زیادتی کا حال اگر حمامی کو معلوم ہو تو برا جانے، خصوصاً گرم پانی کہ بدوں پیسے اور محنت کے نہیں ہوتا۔ آٹھویں حمام کی گرمی سے دوزخ کی حرارت یاد کرے اور اپنے آپ کو گرم درجے میں محبوس فرض کر کے جہنم کو اس پر قیاس کرے کہ وہ درجہ جہنم کے بہت مشابہ ہے کہ نیچے آگ ہو گی اور اوپر اندھیرا، معاذ اللہ منہا، بلکہ عاقل آخرت کی یاد سے کسی لحظہ غافل نہیں ہوتا کیونکہ وہی اس کا مقام اور ٹھکانا ہے تو جو کچھ وہ آگ یا پانی وغیرہ دیکھتا ہے اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتا ہے اس لیے کہ ہر شخص اپنے حوصلے کے موافق ہی دیکھا کرتا ہے، مثلاً اگر بزاز اور بڑھئی اور معمار اور جولاہا کسی مکان آباد میں جائیں کہ ان میں فرش لگا ہوا ہو تو دیکھو گے کہ بزاز کی نظر فرش پر پڑے گی اور اس کی قیمت سوچے گا۔ اور جولاہا کپڑوں کو دیکھ کر ان کی بناوٹ میں غور کرے گا۔ اور بڑھئی چھتوں میں نظر کر کے ان کی ترکیب اور پاٹنے میں غور کرے گا۔ اور معمار کی نگاہ دیواروں پر ہو گی، ان کی مضبوطی اور سیدھے ہونے کو سوچے گا، یہی حال طریق آخرت کے سالک کا ہے کہ جب کوئی چیز دیکھتا ہے اس کو نصیحت اور یاد آخرت ہوتی ہے بلکہ جس چیز کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے عبرت کا طریق کھول دیتا ہے، مثلاً اگر سیاہی کو دیکھتا ہے تو لحد کا اندھیرا یاد کرتا ہے اور اگر سانپ کو دیکھتا ہے تو جہنم کے سانپ یاد کرتا ہے، اور اگر بری صورت اس کے نظر پڑتی ہے تو منکر اور نکیر کو اور دوزخ کے فرشتوں کو یاد کرتا ہے، اور اگر خوفناک آواز سنتا ہے تو نفخہ صور کو یاد کرتا ہے اور اگر کوئی بہتر چیز دیکھتا ہے تو جنت کی نعمت یاد کرتا ہے اور بازار میں یا گھر میں کوئی بات رد یا قبول کی سنتا ہے تو اس سے اپنا انجام حساب کے بعد یاد کرتا ہے کہ رد ہو گا یا قبول، اور عاقل کے دل پر اس امر کا چھایا رہنا نہایت مناسب ہے، کیونکہ دنیا کے کاروبار ہی غافل کو اس فکر سے روکتے ہیں اور اگر دنیا کے ٹھہرنے کی مدت کو آخرت میں ٹھہرنے کے زمانے سے مقابلہ کرے تو دنیا

کے علائق کو پوچ اور ہیچ جانے بشرطیکہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے دل غافل اور چشم بصیرت نابینا ہیں۔ نویں حمام میں جانے کے وقت سلام نہ کرے اور اگر کوئی سلام کرے تو اس کا جواب لفظ سلام سے نہ دلوے۔ اگر کوئی دوسرا شخص جواب دیدے تب تو چپکا ہی رہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو عافاک اللہ کہے، اور حمام کے اندر کے شخص سے مصافحہ کرنا اور اس کو ابتداءً ہی میں عافاک اللہ کہنا کچھ مضائقہ نہیں، پھر اس کے اندر زیادہ گفتگو نہ کرے اور نہ آواز سے قرآن پڑھے ہاں اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہنے کا مضائقہ نہیں۔ دسویں حمام میں عشاء اور مغرب کے درمیان اور آفتاب کے ڈوبنے کے قریب نہ جاوے اس لیے کہ یہ وقت شیطانوں کے پھیلنے کا ہے اور اس کا مضائقہ نہیں کہ دوسرا شخص بدن ملے، چنانچہ یوسف بن اسباطؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ مجھ کو فلاں شخص جو آپ کے شاگردوں میں سے نہ تھا غسل دلوے اور فرمایا کہ اس نے میرا بدن حمام میں ایک بار ملا تھا، میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے عوض میں کوئی ایسا کام اس سے لوں جس سے وہ خوش ہو، تو یہ تجویز میں نے کی اس سے وہ خوش ہو گا، اور اس بات کے جائز ہونے پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں ایک مقام میں اترے اور اپنے پیٹ کے بل لیٹے اور ایک غلام حبشی آپؐ کی پشت مبارک کو دباتا تھا، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو اونٹنی نے گرا دیا اس لیے کمر دبواتا ہوں گیارھویں جب حمام سے فارغ ہو تو اللہ عزوجل کا شکر اس نعمت پر کرے، اس لیے کہ مروی ہے کہ جاڑے میں گرم پانی وہ نعمت ہے جس سے سوال کیا جائے گا، اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ حمام ان نعمتوں میں سے ہے جن کو لوگوں نے ایجاد کیا ہے، یہ فضیلت کی رو سے ہے اور طب کی جہت سے یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ نورہ کے استعمال کے بعد حمام کرنا جذام سے محفوظ رکھتا ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر مہینہ میں ایک بار نورہ کا استعمال کرنا حرارت کو بجھاتا ہے اور رنگ کو صاف کرتا ہے اور قوت باہ کو بڑھاتا ہے اور بعض اطباء کا قول ہے کہ جاڑے میں حمام کے اندر کھڑے ہو کر ایک بار پیشاب کرنا دوا کے پینے سے زیادہ نافع ہوتا ہے اور کسی کا یہ قول ہے کہ گرمیوں میں حمام کے بعد سو رہنا دوا پینے کے برابر ہے اور حمام سے نکلنے کے بعد سرد پانی سے دونوں پاؤں کا دھونا نقرس سے بچاتا ہے اور نکلنے کے وقت سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا برا ہے اور ایسا ہی ٹھنڈا پانی پینا اچھا نہیں، یہ حکم مردوں کا ہے۔ اور عورتوں کے باب میں آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرد کو جائز نہیں کہ اپنی بی بی کو حمام میں جانے دے درصورت کہ گھر میں غسل خانہ موجود ہو۔ مشہور یہ ہے کہ مردوں[۳] کو حمام میں بدون تہبند کے جانا حرام ہے اور عورت کو حمام کرنا بدون نفاس یا مرض کے حرام ہے۔ اور حضرت عائشہؓ نے ایک بیماری کی جہت سے حمام کیا تھا، پس اگر عورت کسی ضرورت سے حمام میں جاتے تو

[ف] پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے ۱۲ [۱] طبرانی بروایت عمر ابن الخطاب بسند ضعیف ۱۲ [۲] نسائی وحاکم بروایت جابرؓ ۱۲
[۳] ابو داؤد وابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ

پوری چادر پہن کر جائے، اور اس کے خاوند کو مکروہ ہے کہ حمام کرنے کی اجرت اس کو دیوے ورنہ بری بات پر اس کا مدد گار ٹھہرے گا۔

بدن کے زائد اجزا جو دُور کرنے ضروری ہیں

ایسے اجزاء آٹھ ہیں، اوّل سر کے بال ہیں، تو جو شخص صفائی کا قصد کرے اس کو ان کا منڈوا ڈالنا مضائقہ نہیں، تو جو شخص ان میں تیل ڈالے اور کنگھی کرے اس کو رہنے دینے میں کچھ حرج نہیں لیکن اس طرح کار کھتا کہ کہیں ہوں جیسے چوٹیاں اور پٹے اور گردے تو یہ درست نہیں یہ وضع شہدوں اور بے باکوں کی ہے اور بینڈھیوں کا چھوڑنا شریفوں کے طور پر بھی نہ چاہیے کہ یہ ان کی علامت ہوگئی ہے اور یہ شخص اگر شریف یعنی عمومی نہ ہوگا تو ایسا فعل کرنا دھو کے میں شامل ہوگا، دوسرے مونچھوں کے بال جن کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[ح۱] قصوا الشوارب واعفوا اللحی اور بعض روایات میں جزوا الشوارب اور حفوا الشوارب ہے قصر اور جز کے معنی تو تراشنے کے ہیں اور حف کے معنی یہ ہیں کہ ہونٹوں کے گردان کو کر لو، یہ لفظ مشتق حاف سے ہے جس کے معنی گرد کے ہیں اور اسی سے یہ آیت ہے[ت۲] وتری الملئکۃ حافین من حول العرش اور ایک روایت میں احفوا آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جڑ سے اڑانا مقصود ہے . . . . اور حفوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کمتر تراشنی چاہیے کیونکہ احفا مبالغہ کے لیے مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] ان یسالکموھا فیحفکم تبخلوا یعنی سوال میں تم پر نہایت مبالغہ کرے اور مونڈنا مونچھوں کا کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا اور احفنا یعنی کترانا قریب منڈانے کے صحابہ رضؓ سے منقول ہے بعض تابعین نے کسی شخص کو دیکھا کہ اپنی مونچھوں کو جڑ سے کترایا ہے فرمایا کہ تو نے مجھ کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا، اور مغیرہ بن شعبہ رضؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[ح۴] نے دیکھا کہ میری مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں، فرمایا کہ یہاں آؤ۔ اور پاس بلا کر میری مونچھیں مسواک پر دھر کر کاٹ دیں اور مونچھوں کے اطراف کے بالوں کو رکھنا مضائقہ نہیں، حضرت عمر رضؓ وغیرہم نے ایسا کیا ہے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہ بال منہ کو نہیں ڈھانپتے اور نہ ان میں کھانے کی چربی رہے کیونکہ وہاں تک پہنچتی ہی نہیں اور واعفوا اللحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے یہ معنی کہ داڑھیوں کو بڑھاؤ اور حدیث[ح۵] میں ہے کہ یہود اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں کتراتے ہیں تو تم ان کے خلاف کرو، اور بعض علماء نے مونڈانے کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے، تیسرے بغلوں کے بال ان کو چالیس دن میں ایک بار اکھاڑ ڈالنا مستحب ہے اور یہ بات اس شخص پر سہل ہے جو ابتداء میں اکھاڑنے کا عادی ہوگیا ہو، لیکن جس کو منڈانے کی عادت ہو اس کو منڈانا کافی ہے، کہ

ح۱ مونچھوں کو تراشو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو ۱۲ بخاری اور مسلم میں بروایت ابن عمر لفظ حفوا ہے اور مسلم میں بروایت ابوہریرہ رضؓ جزوا اور احمد نے بروایت ایضاً قصوا روایت کیا ہے ۱۲ ت۲ اور تو دیکھے فرشتے گھیر لیتے ہیں عرش کے گرد ۱۲ ت۳ اگر مانگے تم سے وہ مال پھر وہ تنگ کرے تو بخیل ہو جائے ۱۲ ح۴ ابوداؤد ونسائی ۱۲۔

ح۵ احمد بروایت ابوامامہ ۱۲

اکھاڑنے میں درد ہوتا ہے اور مقصود ان کا صاف کرنا اور ان کے درمیان میل کو اکٹھا نہ ہونے دینا ہے۔ یہ مونڈنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ چوتھے موئے زیر ناف ان کا دور کرنا بھی مونڈنے خواہ نورہ کے استعمال سے مستحب ہے اور چاہیئے کہ چالیس دن سے زیادہ نہ گذرنے پائیں، پانچویں ناخنوں کا تراشنا مستحب ہے، اس لیے کہ جب بڑھ جاتے ہیں تو ان کی صورت بری ہو جاتی ہے اور ان میں میل اکٹھا ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ اپنے ناخن تراشو، اس لیے کہ جو ان میں سے بڑھ جاتا ہے اس پر شیطان بیٹھتا ہے کہ اگر ناخن کے نیچے میل ہو تو وضو کی صحت کا مانع نہیں ہوتا، یا تو اس جہت سے کہ پانی کے پہنچنے کا مانع نہیں ہوتا یا یہ کہ حاجت کے سبب سے ان میں آسانی کر دی گئی خصوصًا[ع] مردوں کے ناخنوں میں اور ان میلوں میں کہ عرب اور دیہاتیوں کی انگلیوں کی پشت پر جمع ہو جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے لوگوں کو ناخن تراشنے کے لیے ارشاد فرماتے تھے اور ان میں جو میل دیکھتے تھے اس کو بُرا بتاتے تھے مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ نماز اپنی پھر سے پڑھو، اور اگر آپؐ اس کا حکم فرما دیتے تو یہ فائدہ ہوتا کہ تاکید اور زجر اس امر سے زیادہ ہو جاتی، اور میں نے کتابوں میں ناخنوں کے تراشنے میں ترتیب کے باب میں کوئی خبر مروی نہیں دیکھی مگر سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن اس طرح ترشوائے کہ داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کر کے داہنے انگوٹھے پر ختم کیے، انگشت شہادت سے چھنگلیا تک تراش کر بائیں ہاتھ میں چھنگلیا کے پہلے تراشے، پھر بالترتیب انگوٹھے تک چلے آتے اور سب سے پیچھے داہنے انگوٹھے کے تراشے، اور میں نے اس ترتیب کو سوچا تو میرے دل میں وہ بات گذری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اس بات میں صحیح[ح] ہے کیونکہ ایسی بات ابتداءً بدون نور نبوت کے نہیں معلوم ہوتی، عالم صاحب بصیرت کی بڑی دوڑ یہ ہے کہ اس کے سامنے فعل کی نقل کی جائے تو اس فعل میں سے وہ استنباط کر سکتا ہے ابتداءً میں نہیں سوجھتی، اب مجھ کو جو بات سوجھتی ہے وہ یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کے ناخنوں کو تراشنا ضروری ہے اور ہاتھ بہ نسبت پاؤں کے اشرف ہیں تو اس لیے اوّل ہاتھ سے شروع کیا، پھر داہنا بہ نسبت بائیں کے اشرف ہے تو اس لیے اوّل ہاتھ سے شروع کیا پھر داہنے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں اور ان میں اشرف انگشت شہادت ہے کہ دونوں کلموں شہادت میں . . . . اسی سے اشارہ ہوتی ہے اور دل سے نہیں ہوتا اس واسطے اس کا ناخن اوّل تراشا اس کے بعد اس کا ہونا چاہیئے جو اس کے داہنی طرف ہو کیونکہ شرع پاک کرنے وغیرہ کے گردش داہنی طرف کو مستحب بتاتی ہے۔ اب اگر ہاتھ کی پشت زمین پر رکھی جائے تو انگشت شہادت کے داہنی طرف انگوٹھا ہوتا ہے اور اگر ہتھیلی کی طرف سے رکھو تو بیچ کی انگلی داہنی پڑتی ہے اور ہاتھ کو اگر اپنی سرشت پر چھوڑ دو تو ہتھیلی زمین کی طرف مائل ہو گی کیونکہ داہنے ہاتھ کی حرکت بائیں طرف کو ہے اور یہ حرکت اکثر جبھی پوری ہوتی ہے کہ ہاتھ کی پشت اوپر رہے، اس لیے جو امر کہ طبیعت کی خواہش کے بموجب ہے اسی کی رعایت کی گئی ہے اور بیچ کی انگلی بعد

خ خطیب نے جامع میں بسند ضعیف روایت کیا ہے ۱۲ ع اصل میں ہے کہ خصوصًا پاؤں کے ناخنوں میں ۱۲

ح اس کی اصل کہیں نہیں ملی ۱۲

شہادت کی انگلی کے ٹھہری، علیٰ ہذا القیاس چھنگلیا تک پھر اگر ایک ہتھیلی کو دوسری پر رکھ لیا جائے تو دسوں انگلیاں گویا ایک دائرے کے حلقے میں ہو جائیں گی تو دور کی ترتیب یہ چاہتی ہے کہ انگشت شہادت کے داہنی طرف کو چل کر پھر اسی پر آجائیں، اس جواب سے بائیں میں اوّل چھنگلیا پڑے گی اور آخر کو انگوٹھا ہوگا، اب داہنا انگوٹھا بچ رہا اسی پر ناخن تراشنے کو تمام کرنا چاہیئے اور ہتھیلی کو دوسرے پر رکھا ہوا اس لیے فرض کر لیا کہ ساری انگلیاں مثل حلقہ کے شخصوں کے ہو جائیں تاکہ ان کی ترتیب ظاہر ہو، اور یہ فرض کرنا اسباب کے فرض کرنے سے بہتر ہے کہ داہنے کی ہتھیلی بائیں کی پشت پر رکھیں یا ایک کی پشت کو دوسرے کی پشت پر رکھیں، اس لیے کہ ان دونوں صورتوں کو طبیعت مقتضی نہیں اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخن تراشنے میں اگر کوئی روایت ثابت نہ ہو تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کرکے بائیں کی چھنگلیا پر ختم کرے جیسے وضو میں خلال کرتے ہیں، کیونکہ جو وجہیں ہاتھ کے باب میں ہم نے لکھی ہیں وہ پاؤں میں نہیں بنتی اس لیے کہ پاؤں میں کوئی شہادت کی انگلی نہیں بلکہ پاؤں کی دسوں انگلیاں ایک قطار میں زمین پر رکھی ہوئی ہیں تو داہنی طرف سے شروع کرنا چاہیئے اور ان کو حلقہ کہہ نہیں سکتے تاکہ دور حلقہ کا داہنی طرف سے کیا جائے اور اگر ایک تلوے کو دوسرے پر رکھ کر حلقہ کریں تو طبیعت اور سرشت اس کو نہیں مانتی، اور یہ ترتیب کی باریکیاں نور نبوت سے دم کے دم میں معلوم ہو جاتی ہیں، دشواری صرف ہم لوگوں پر ہے، اگر بالفرض ہم سے ابتداءً کوئی ترتیب کو پوچھے تو کیا عجب ہے کہ دھیان میں بھی نہ آتے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہمارے سامنے ترتیب وار مذکور ہو تب البتہ ہم سے اس علت کا نکالنا بعید نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں معائنہ فرمائی ہو، اس لیے کہ آپ کے فعل میں حکم کی شہادت اور علت پر تنبیہ ہوا کرتی ہے تو اس کے باعث استنباط کرنا بہت دشوار نہیں اور یہ مت گمان کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال آپ کی سب حرکات میں میزان اور قانون اور ترتیب سے خارج ہوں، بلکہ جتنے امور اختیاری کہ جن میں سے دو قسموں یا زیادہ میں کرنے والا تردد کیا کرتا ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ نہ تھا کہ کسی کام پر اتفاقاً اقدام کریں، بلکہ جب کوئی بات مقتضی اقدام اور تقدیم کی ملاحظہ فرما لیتے تھے اس وقت اس پر اقدام کرتے تھے اس لیے کہ اپنے کاموں کو بے تک کرنا جس طرح پر اتفاق سے ہو جائیں چوپاؤں کی خصلت ہے اور عمدہ علتوں کی میزان میں ان کو تلا ہوا رکھنا اولیاء اللہ کی خصلت ہے اور انسان کی حرکتیں اور خطرے جس قدر ضبط سے قریب تر اور مہمل ہونے سے بعید تر ہوں گے اسی قدر اس کا رتبہ انبیاء اور اولیاء سے قریب تر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا تقرب اس کے لیے ظاہر تر اس لیے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوگا حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ سے قریب ہیں تو وہ خدائے تعالیٰ سے بھی قریب ہوگا کیونکہ قریب کا قریب دوسرے کی نسبت کر قریب ہوتا ہے، ہم خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اسباب سے کہ ہمارے حرکات و سکنات کی باگ خواہش نفس کے ذریعہ سے شیطان کے ہاتھ میں ہو اور آنحضرت[ع] صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات کا ضبط آپ[۱] کے سرمہ لگانے ہی پر قیاس کر لو کہ آپ اپنی داہنی آنکھ میں

ع[۱] طبرانی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲

تین سلائیاں ڈالتے تھے اور بائیں میں دو، اور داہنی آنکھ سے شروع کرتے تھے کہ وہ شرافت رکھتی ہے اور دونوں آنکھوں کم وبیش وجہ یہ تھی کہ عدد طاق ہو، کہ طاق کو جفت پر فضیلت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اس کو پسند ہے پس بندے کا فعل بھی خدائے تعالیٰ کے اوصاف میں سے کسی وصف کی مناسبت سے خالی نہ ہونا چاہیے، اور بہمیں جہت استنجاء کے ڈھیلوں میں عدد طاق مستحب ہوا اور باوجودیکہ تین سلائیاں بھی طاق تھیں، مگر ان پر اکتفاء نہ کیا، اس لیے کہ اس صورت میں بائیں آنکھ میں ایک سلائی پڑتی اور ایک دفعہ کے ڈالنے میں سرمہ پلکوں کی جڑوں میں پورا نہیں پہنچتا اور داہنی میں ایک زیادہ اس لیے ڈالی کہ طاق کو فضیلت ہے اور داہنی بھی افضل ہے اس لیے افضل ہی فضیلت کی مستحق زیادہ ہے اور اگر یہ کہو کہ بائیں آنکھ میں دو پر اکتفاء کیوں کیا وہ تو جفت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اکتفاء ضرورت کی جہت سے ہے کیونکہ اگر ہر ایک میں عدد طاق کی رعایت ملحوظ رہتی تو سب عدد جفت ہو جاتے، کیونکہ طاق اور طاق مل کر جفت ہو جاتا ہے اس لیے طاق کی رعایت تمام سرمہ لگانے میں کہ ایک فعل ہے بہتر ہے بہ نسبت ہر آنکھ میں رعایت طاق رکھنے سے اور اسباب میں ایک اور صورت یہ بھی ہے یعنی ہر آنکھ میں تین بار لگا دے جیسے وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھوتے ہیں اور یہ فعل بھی حدیث صحیح[ع] میں آچکا ہے یہ بھی بہتر ہے۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حرکات میں رعایتوں کو پورا لکھنا چاہیں تو بہت طول ہو جائے، اس لیے ہر بات اس پر بدوں سنے ہوئے کو قیاس کر لو، جاننا چاہیے کہ عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث جبھی ہوتا ہے کہ سب شریعت کی علتوں پر مطلع ہو جائے۔

یہاں تک اس میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف فرق نبوت کے درجہ کا رہ جاتے اور یہی درجہ وارث اور موروث میں فرق کا ہے اس لیے کہ موروث وہ ہے جس نے مال کو وارث کے لیے حاصل کیا اور خود اپنی کمائی سے پیدا کیا اور اس پر قادر ہوا اور وارث وہ ہے جس نے نہ کمایا نہ قابو پایا بلکہ موروث کے پاس سے اس کے پاس چلا آیا اور پیشتر اس کا تھا اب اس نے اس سے حاصل کیا تو اس طرح کی باتیں کہ باوجودیکہ غور طلب اسرار کی نسبت کہ بہت سہل ہیں پھر بھی ابتداء ان کا دریافت کرنا اور خود نکالنا بجز انبیاء علیہم السلام کے اوروں سے نہیں ہو سکتا اور انبیاء کی تنبیہ کرنے کے بعد ان کو استنباط بھی کوئی نہیں کر سکتا بجز ان علماء کے جو وارث انبیاء علیہم السلام کے ہیں۔ چھٹے اور ساتویں ناف اور سر ذکر کی کھال کا دور کرنا ان میں سے ناف پیدا ہونے کے وقت دور کی جاتی ہے اور ختنوں کے باب میں یہودیوں کی عادت ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز کر دیتے ہیں اسبات میں ان کی مخالفت کرنی اور اگلے دانت نکلنے تک تاخیر کرنی مستحب ہے اور خطرے سے دور تر۔ آنحضرت[ع] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ختنہ کرنی مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے عزت اور چاہیے کہ عورتوں کے ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے۔ ام عطیہ جو ختنہ کیا کرتی تھیں ان کو آنحضرت[ع] صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام عطیہ ذرا سی بو سنگھا دے اور زیادہ مت کاٹ کہ اس قدر سے چہرہ کی آب زیادہ ہوگی، اور خاوند کو اچھی معلوم ہوگی، اس حدیث میں آپ کے لفظوں کے کنایہ کی خوبی معلوم کرو کہ تھوڑا کاٹنے کو بو سونگھانے

[ع] احمد وبیہقی بروایت اسامہ بسند ضعیف ۱۲ [ع] ابو داؤد بروایت ام عطیہ اور یہ ضعیف ہے ۱۲

سے تعبیر فرمایا اور دنیا کی مصلحت جو کچھ اس سے تھی اس کو ارشاد فرمایا کہ چہرے کی رونق اور خون اس سے زیادہ ہوتا ہے اور
خاوند کو ہم بستر ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے اور تامل کرو کہ نورِ نبوت کی پہنچ آخرت کی مصلحت پر کتنی ہوگی، نبوت کے مقاصد
انہیں سے اہم تو وہی مصلحتیں ایسے ادنیٰ معاملہ میں آپ کو ظاہر ہو گئیں کہ اگر اس سے غفلت واقع ہو تو ضرر کا خوف ہے،
باوجودیکہ آپ اُمّی تھے، پس پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو لوگوں کی رحمت کے لیے بھیجا، تاکہ اپنے مبعوث ہونے کی
برکت سے ان کے لیے دنیا اور دین کی مصلحتیں جمع فرمائیں، صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ آٹھویں داڑھی کا بڑھانا
اور اس کو ہم نے سب سے پیچھے اس لیے ذکر کیا تاکہ اس کے باب میں جو سنتیں اور بدعتیں ہیں، ان کو بھی ملا دیں، کیونکہ یہی
موقع ان کے ذکر کا خوب ہے، لوگوں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ داڑھی اگر لمبی ہو جائے تو کیا کرنا چاہیئے۔ بعض
کا قول ہے کہ اگر مقدار مشت چھوڑ کر باقی کو کتر دے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اور بہت سے تابعینؒ نے
ایسا کیا ہے اور شعبی اور ابن سیرین نے اس کو اچھا جانا ہے اور حسن اور قتادہؒ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ
اس کو لٹکی رہنے دینا مستحب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ داڑھی بڑھانا اور کترانا نیچے سے کچھ
مضائقہ نہیں، البتہ بشرطیکہ نوبت داڑھی کے کترنے اور سب طرف سے گول کرنے کی نہ پہنچے کیونکہ زیادہ لمبا کرنا بھی پیدائش
کو بُرا کرتا ہے اور غیبت کرنے والوں کی زبان اس پر کھلتی ہے کہ فلاں کی لمبی داڑھی ہے تو اس نیت سے کہ ان دونوں باتوں
سے محفوظ رہے، کترانے کا مضائقہ نہیں، نخعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے تعجب آتا ہے کہ جو شخص عاقل لمبی داڑھی رکھتا ہے وہ اس
میں سے کیوں نہیں چھانٹتا دو داڑھیوں کے درمیان میں اس کو کیوں رکھتا ہے، ہر چیز میں توسط کا درجہ اچھا ہوتا ہے اور
اسی واسطے کہا گیا ہے کہ جب داڑھی لمبی ہو جاتی ہے تو عقل رخصت ہوتی ہے۔ اور داڑھی کے مکروہات دس ہیں، اور
بعض کی بہ نسبت بعض زیادہ مکروہ ہیں، اوّل سیاہی سے خضاب کرنا، اس سے منع وارد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں[1] کہ تمہارے جوانوں میں سے بہتر وہ ہے جو بوڑھوں کی صورت بنا دے، اور بوڑھوں میں سے بدتر وہ ہے جو
جوانوں کی صورت بنائے، اس میں بوڑھوں کی صورت بنانے سے غرض یہ ہے کہ وقار اور شائستگی میں بوڑھوں کی طرح
ہو، یہ نہیں کہ بال سفید کرلے، اور جوانوں کی صورت بنانے سے مراد سیاہی سے خضاب کرنے سے ہے اور فرمایا کہ[2] وہ
خضاب دوزخیوں کا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ سیاہی سے خضاب کرنا کافروں کا خضاب ہے، اور ایک شخص نے
حضرت عمرؓ کے عہد میں نکاح کیا اور وہ سیاہ خضاب کرتا تھا، جب کھونٹیاں نکل آئیں تو بڑھاپا کھل گیا، عورت کے خویش و
اقارب نے یہ مقدمہ حضور میں حضرت عمرؓ کے پیش کیا، آپ نے نکاح فسخ کر دیا اور اس کو خوب پیٹا اور فرمایا کہ تو نے ان لوگوں
کو جوانی سے فریب دیا اور بڑھاپے کو چھپایا۔ اور کہتے ہیں کہ اوّل جس شخص نے خضاب سیاہ کیا، فرعون ملعون تھا اور حضرت[3] ابن
عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو خضاب سیاہ کبوتروں

---

[1] طبرانی بروایت واثلہ بسند ضعیف ۱۲ [2] طبرانی وحاکم بروایت ابن عمرؓ اور ابن ابی حاتم نے اس حدیث کو منکر کہا ہے ۱۲ [3] ابوداؤد ونسائی ۱۲
[4] طبرانی بروایت ابن عمرؓ اور ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ حدیث منکر ہے ۱۲

کے پوٹوں کی صورت کا کریں گے، وہ جنت کی بُو نہ پائیں گے۔ دُوسرا خضاب زردی وسرخی سے کرنا یہ خضاب لڑائی میں کافروں پر بڑھاپا چھپانے کو درست ہے، اور اگر اس نیت سے نہ ہو، بلکہ دینداروں کی صورت بنانے کو ہو حالانکہ خود ویسا نہ ہو تو بُرا ہے، اور اس خضاب کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زردی اسلام والوں کا خضاب ہے اور سرخی ایمانداروں کا، اور پہلے لوگ مہندی سے سرخی کے لیے خضاب کرتے تھے، اور خلوق[1] اور کتم کو زردی کے لیے لگاتے تھے اور بعض علماء نے جہاد کے لیے سیاہ خضاب بھی کیا ہے اور حسن صورت میں کہ آدمی کی نیت درست ہو اور خواہش نفس اور شہوت کی پابندی نہ ہو تو سیاہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ تیسرا گندھک سے بالوں کو سفید کرنا اس لیے کہ جلدی سے عمر زیادہ معلوم ہو اور لوگ عزت کریں اور گواہی مقبول ہو اور استادوں سے روایت کرنے کو سمجھ جائیں اور جوانوں سے فوقیت حاصل ہو اور علم زیادہ معلوم ہو، اس خیال سے کہ عمر میں زیادہ ہونا بزرگی زیادہ کرتا ہے، حالانکہ یہ بات نہیں، بلکہ جاہل کو عمر کا زیادہ ہونا جہل ہی کرتا ہے کیونکہ علم ثمرہ عقل کا ہے اور وہ سرشتی ہے۔ بوڑھا ہونا اس میں تاثیر نہیں کرتا، پس جس شخص کی سرشت حمق ہو اس کو زیادہ دن گذرنے سے بجز حماقت کی زیادتی کے اور کیا ہوتا ہے، اکابر سلف کا دستور اس قول کے بموجب تھا۔

کودکے کو بہ عقل پیر بود نزد اہل خرد کبیر بود

یعنی بوڑھے لوگ علم کی جہت سے جوانوں کو آگے کرتے تھے، حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ کو بڑے بڑے صحابہؓ پر مقدم کرتے تھے حالانکہ عمر میں حضرت ابن عباسؓ چھوٹے تھے اور ان سے پوچھا کرتے تھے اوروں سے نہ پوچھتے تھے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علم اپنے بندے کو جوانی ہی میں دیا ہے اور سب بہتری جوانی ہی میں ہے، پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم[2] اور انھم فتیۃ آمنوا بربھم وزدناھم ھدی[3] و آتیناہ الحکم صبیا[4] اور حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس[5] بال بھی سفید نہ تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ابا حمزہ اس کی کیا وجہ ہے، آپ کی عمر تو زیادہ تھی، آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے کا عیب نہ لگایا، لوگوں نے کہا کیا بڑھاپا بُرا ہے، انہوں نے فرمایا کہ تم سب اس کو برا جانتے ہو۔ اور کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن اکثم اکیس[6] برس کے تھے کہ قاضی ہو گئے، ان کو کسی شخص نے علین کچہری میں چھیڑا اور اس کی غرض یہ تھی کہ چھوٹی عمر ہونے کی جہت سے یہ شرمائیں گے، پوچھا کہ قاضی صاحب کی خدا مدد کرے، عمر کیا ہے، فرمایا کہ عتاب بن اسید کے برابر ہوں، جس وقت ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا حاکم بنایا، اور قاضی مقرر کیا تھا، وہ شخص اس بات کو سن کر لاجواب ہو گیا، اور امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے

---

[1] خوشبو اور یہاں مراد زعفران سے ہے اور کتم ایک گھاس کی قسم ہے ۱۲ [2] وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان کو کہتا ہے اس کو کہتے ہیں ابراہیم [3] وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھ ۱۲ [4] اور دیا ہم نے ان کو حکم لڑکپن میں ۱۲
[5] بخاری و مسلم بروایت انسؓ مگر ان سے اس روایت میں یہ نہیں کہ لوگوں نے حضرت انسؓ سے پوچھا ۱۲ [6] خطیب نے تاریخ میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں نظر ہے ۱۲

بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ تم کو داڑھی دھوکا نہ دے کیونکہ داڑھی تو بکرے کے بھی ہوتی ہے، اور ابو عمر بن علا کہتے ہیں کہ جب کسی کو دیکھو کہ لمبا قد اور چھوٹا سر اور چوڑی داڑھی ہے تو جان لو کہ بے وقوف ہے اگرچہ امیہ بن عبد الشمس ہی ہو، اور ایوب سختیانی کا قول ہے کہ میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ ایک لڑکے کے پیچھے جاتا ہے اور اس سے علم سیکھتا ہے اور حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس علم تجھ سے پیشتر آئے، وہ اس علم میں تیرا امام ہے، اگرچہ عمر میں تجھ سے چھوٹا ہو اور ابو عمرو بن علا سے کسی نے پوچھا کہ بوڑھے کو بھلا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ صغیر سے علم سیکھے، فرمایا کہ اگر جہل اس کو برا معلوم ہوتا ہے تو سیکھنا اچھا معلوم ہوگا۔ اور یحییٰ بن معین نے امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھا کہ امام شافعیؒ کے خچر کے پیچھے جاتے ہیں، کہا کہ اے ابو عبد اللہ تم نے سفیان ثوریؒ کی حدیث کو باوجود ان کی بزرگی کے ترک کیا اور اس گبھرد کے خچر کے پیچھے جاتے ہو اور ان سے حدیث سنتے ہو، امام احمدؒ نے جواب دیا کہ اگر تم ان کے علم کی قدر پہچانو تو دوسری طرف خچر کے تم ساتھ چلو، اگر سفیان ثوریؒ کا علم مجھ کو ان کی برتری کی جہت سے نہ ملا تو نیچے کے رتبے میں اترنے سے تو مل گیا، اس جوان کی عقل تو ایسی ہے کہ اگر مجھ سے رہ جائے گی۔ تو مجھ کو اوپر ملے نہ نیچے، چوتھی داڑھی کے سفید بالوں کا اکھاڑنا بڑھاپے کو برا جان کر اس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ سفیدی مومن کا نور ہے اور اس کا حال سیاہ خضاب کا سا ہے، اس کی علت اوپر بیان ہوئی اور سفیدی نورِ خدا ہے، اس سے اعراض کرنا نور سے منہ پھیرنا ہے پانچویں داڑھی کو کل کو یا کسی قدر کو لغو اور ہوس کے طور پر چنوانا یہ امر بھی مکروہ اور صورت کو بگاڑنا ہے اور بچی کے دونوں طرف کے بال اکھاڑنے بدعت ہیں، ایک شخص جو بال اکھاڑا کرتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی عدالت میں آیا، آپ نے اس کی گواہی قبول نہ فرمائی، اور حضرت عمرؓ اور ابن ابی لیلیٰ قاضی مدینہ منورہ نے اس شخص کی گواہی قبول نہ فرمائی جو اپنی داڑھی کو اکھاڑتا تھا، اور شروع میں داڑھی کا اکھاڑنا اس نظر سے کہ لڑکے بنے رہیں، نہایت بری بات ہے، اس لیے کہ داڑھی مردوں کی زیبائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے یوں قسم کھاتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے بنی آدم کو داڑھیوں سے مزین کیا اور پیدائش تمامی ہے اور اسی سے مردوں کو عورتوں سے تمیز کرتے ہیں اور ایک تاویل غریب میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ویزید فی الخلق ما یشاء میں زیادتی سے غرض داڑھی ہی ہے، اور احنف بن قیس کی داڑھی نہ تھی ان کے شاگرد کہتے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر داڑھی بیس ہزار کو بکتی تو ان کے لیے خرید دیتے اور شریح قاضی نے کہا ہے کہ اگر میری داڑھی دس ہزار کو ہاتھ لگے تو لے لوں، اور داڑھی بری کیسے ہو سکتی ہے، اس کے باعث تو آدمی کی تعظیم ہوتی ہے اور علم و وقار کی نظر سے لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور مجلسوں میں اونچا بٹھاتے ہیں اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جماعت میں امام بناتے ہیں اور آبرو محفوظ رہتی ہے کیونکہ جو گالی دیتا ہے تو طرف ثانی کے اگر داڑھی ہوتی ہے تو پہلے اسی پر چوٹ کرتا ہے کہ تھوک ہے اس داڑھی پر، اور کہتے ہیں کہ جنت کے لوگ سب بے ریش ہوں گے

---

[1] اصل میں ہے کہ سفیان سے عالی اسناد سے تم کو حدیث ملتی ہے اور تم تاخیر کر کے اس کو چھوڑتے ہو ۱۲ [2] ابوداؤد و ترمذی و نسائی، بروایت عمرو بن شعیب ۱۲ [3] بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے ۱۲

بجز حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے کہ ان کی داڑھی ناف تک ہو گئی، یہ ان کی خصوصیت اور فضیلت کی جہت سے ہے، چھٹی داڑھی کو ایسی طرح کترنا کہ تہ بہ تہ سی معلوم ہوں، اس نظر سے کہ عورتوں کو اچھی معلوم ہو، خواہ بناوٹ پائی جاوے، کعبؓ کا قول ہے کہ آخر زمانے میں کچھ قومیں ہوں گی کہ اپنی داڑھیوں کو کبوتروں کی دموں کی طرح پر کتریں گے یعنی گول کریں گے اور جوتیوں سے کی سی آواز نکالیں گے ان لوگوں کو دین سے کچھ بہرہ نہیں، ساتویں داڑھی میں کچھ بڑھا لینا، یعنی دونوں رخساروں پر جو بال کنپٹیوں کے ہوتے ہیں اور واقع میں وہ سر کے ہیں ان کو داڑھی میں شمار کرنا اور جبڑے کی ہڈی سے تجاوز کر کے نصف رخسار تک نوبت پہنچائی یہ بھی مکروہ ہے کہ نیک بختوں کی صورت سے مخالف ہے۔ آٹھویں داڑھی میں لوگوں کیلئے کنگھی کرنی۔ بشر فرماتے ہیں کہ داڑھی میں دو جنجال ہیں، لوگوں کی خاطر کنگھی کرنی، اور زہد جتانے کو الجھی چھوڑنی۔ نویں اور دسویں داڑھی کی سیاہی خواہ سفیدی کو عجب کی نگاہ سے دیکھنا اور یہ برائی تمام اجزائے بدن میں ہو سکتی ہے بلکہ سب افعال اور اخلاق میں عجب کرنا برا ہے، چنانچہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ غرض کہ زینت اور نظافت کے اقسام میں سے ہم کو اسی قدر بیان کرنا منظور تھا اور تین حدیثوں سے جسم کے اندر بارہ چیزیں مسنون پائی گئی ہیں، پانچ ان میں سے سر میں ہیں، مانگ نکالنا[ل]، کلی کرنی، ناک میں پانی دینا، موچھوں کا کترنا، مسواک کرنی، اور تین ہاتھ اور پاؤں میں یعنی ناخن تراشنا اور اوپر کی سلوٹیں انگلیوں کی اور نیچے کے جوڑوں کو صاف کرنا اور چار جسم میں ہیں یعنی بغل کے بال کھاڑنے اور موئے زیر ناف مونڈنے اور ختنہ کرنے اور پانی سے استنجاء کرنا یہ سب امور احادیث میں وارد ہیں اور چونکہ اس کتاب میں طہارت ظاہری سے متعرض ہونے سے ہے، نہ باطن کے پاک کرنے سے، اسی لیے مناسب ہے کہ ہم اسی قدر پر اکتفاء کریں اور اس کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ باطن کے فضلے اور میل جن کو پاک کرنا واجب ہے، وہ زائد از شمار ہیں، اور ان کی تفصیل انشاء اللہ جلد چہارم میں عنقریب مذکور ہو گی اور بتایا جائے گا کہ ان کے دُور کرنے کی تدبیر اور دل کو ان سے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ خدا کی عنایت سے باب اسرار طہارت پورا ہوا، اور اس کے بعد اسرار نماز کا ذکر ہوتا ہے، والحمد للہ اوّلاً و آخراً وصلی اللہ علی محمد و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

چوتھا باب صلاۃ کے اسرار

رُباعی: مفتاح بہشت کہتے ہیں ہے وہ نماز ؛ اخلاص وخشوع سے جو ہووے دمساز ؛ اسرار صلوٰۃ پر نظر کر احسن ؛

ل مانگ نکالنے میں بخاری نے بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ مسلم میں بروایت حضرت عائشہؓ دس باتیں فطرت کی مروی ہیں، موچھیں کترنی اور داڑھی چھوڑنی اور مسواک کرنی اور ناک میں پانی دینا اور ناخن کترنا اور انگلیوں کی پوروں کا دھونا اور بغل کے بال لینے اور زیر ناف بال مونڈنے اور آبدست یعنی اور مصنف نے دسویں چیز کو نہیں بیان کیا اور کہا کہ شاید کلی کرنا ہوگا اور ابوداؤد نے بروایت عمار بن یاسرؓ کلی کرنا اور ختنہ کرنا روایت کیا ہے ۱۲

تا دل پہ تیرے در معما ہو باز۔ جاننا چاہیے کہ نماز دین کا رکن اور یقین کا تمسک اور ثواب کی چیزوں کی اصل اور طاعتوں میں عمدہ ہے اور ہم نے اپنی فقہی کتابوں، بسیط اور وسیط اور وجیز میں اس کے فروع و اصول کو خوب بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور بہت سی تفریعات نادر اور عجیب و غریب مسائل ان میں درج کیے ہیں کہ وقتِ حاجت مفتی کے واسطے ذخیرہ ہوں کہ کام کے وقت ان کی طرف رجوع کرے اور مدد لے۔ اور اب ہم اسباب کے صرف وہ امور لکھتے ہیں کہ جو طریقِ آخرت کے ارادہ کرنے والے کے لیے ضروری ہیں، یعنی نماز کے اعمالِ ظاہری اور اسرارِ باطنی زیب تحریر کرتے ہیں کہ ان امور کو فنِ فقہ میں لکھنے کی عادت نہیں، اور اس بات کو سات فصلوں پر منقسم کرتے ہیں۔

فصل ۱: صلاۃ، سجدہ، جماعت اور اذان کے فضائل

ذیلی فصل ۱: اذان کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ قیامت کے دن تین آدمی مشک سیاہ کے ٹیلوں پر ہوں گے کہ نہ ان کو خوفِ حساب ہوگا اور نہ کسی اور طرح کی دہشت، یہاں تک کہ اس حال سے فراغت کی جائے گی جو لوگوں میں ہوگا، ایک تو وہ شخص جس نے خدائے تعالےٰ کی رضا جوئی کے لیے قرآن مجید پڑھا ہوگا اور لوگوں کی امامت کی ہوگی اور وہ اس سے خوش رہے ہوں گے، اور ایک وہ شخص جس نے مسجد میں خدائے تعالیٰ کی مرضی کی طلب میں اذان دی ہوگی، اور لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف بلایا ہوگا اور ایک وہ شخص کہ دنیا میں غلامی میں مبتلا ہوگیا ہو اور اس بات نے اس کو آخرت کے عمل سے نہ روکا ہو، اور فرمایا[2] لا تسمع صوت المؤذن جن ولا انس ولا شئ الا شھد لہ یوم القیٰمۃ اور فرمایا کہ[3] اللہ کا ہاتھ مؤذن کے سر پر رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی اذان سے فارغ ہو، اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ آیت ومن[4] احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحًا مؤذن کے باب میں اتری ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[5] اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن اور یہ امر اچھا اور مستحب ہے کہ جو مؤذن کہے وہی آپ بھی کہتا جائے، مگر جب وہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور جب وہ کہے قد قامت الصلوٰۃ تو کہے اقامھا اللہ وادامھا ما دامت السمٰوٰت والارض اور فجر کی اذان جب کہے الصلوٰۃ خیر من النوم تو کہے صدقت وبررت اور جب اذان کہہ چکے تو یہ دعا پڑھے، اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ ات محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ

---

[1] طبرانی نے جامع الصغیر میں بروایت ابن عمرؓ یہ مضمون روایت کیا ہے ۱۲ [2] مؤذن کی آواز جو جن اور انسان اور کوئی چیز سنے گی وہ قیامت کو اس کے لیے گواہی دے گی ۱۲ بخاری بروایت ابو سعیدؓ [3] طبرانی در اوسط بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ [4] اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیے نیک کام ۱۲ [5] جب تم اذان سنو تو کہو جیسے مؤذن کہتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو سعیدؓ ۱۲ [6] آؤ نماز کو ۱۲ [7] آؤ بہتری پر ۱۲ [8] نماز قائم ہوئی ۱۲ [9] خدا اس کو قائم اور دائم رکھے جب تک کہ آسمان و زمین ہیں ۱۲ [10] نماز بہتر ہے سونے سے ۱۲ [11] تو نے سچ کہا اور خوب کہا ۱۲

اے خدا مالک اس دعائے کامل اور نماز حاضر کے دے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ (باقی صفحہ آئندہ)

وابعثه مقاما محمودا ن الذی وعدته انک لا تخلف المیعاد اور سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو ایک فرشتہ اس کے داہنے سے نماز پڑھتا ہے اور ایک بائیں جانب، پس اگر اذان اور تکبیر کہتا ہے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔

ذیلی فصل ۲: فرض نمازوں کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا[۱] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] خمس صلوات کتبھن اللہ علی العباد فمن جاء بھن ولم یضیع منھن شیئا استخفافا بحقھن کان لہ عند اللہ عھد ان یدخلہ الجنة ومن لم یات بھن فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء عذبہ وان شاء ادخلہ بجنة[۳] اور فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے بہت شیریں پانی کی نہر تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو اور وہ اس میں دن بھر میں پانچ بار گھستا ہو تو یہ پانچ بار نہانا تمہاری دانست میں اس پر کچھ میل چھوڑے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہ چھوڑے گا، آپؐ نے فرمایا کہ تو پانچوں نمازیں گناہوں کو ایسا ہی دور کرتی ہیں جیسے پانی میل کو دور کرتا ہے اور ایک حدیث میں فرمایا ان الصلوٰة کفارة[۴] لما بینھن ما اجتنبت الکبائر اور فرمایا[۵] کہ ہم میں اور منافقوں میں فرق عشا اور صبح کا حاضر ہونا ہے کہ منافق ان دونوں میں نہیں آسکتے، اور فرمایا[۶] جو اللہ سے ملے اور وہ نماز کا تلف کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں سے کسی کا اعتبار نہ کرے گا۔ اور فرمایا کہ نماز دین کا رکن ہے جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو مسمار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اعمال سے کون سا افضل ہے، آپؐ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنی اور فرمایا کہ جو شخص نماز پنجگانہ کی حفاظت کرے کہ وضوئے کامل سے عین وقت پر ادا کرے تو وہ نماز قیامت کو اس کے لیے نور اور برہان ہوگی اور جو کوئی اس کو تلف کرے گا، اس کا حشر فرعون، ہامان کے ساتھ ہوگا۔ اور فرمایا کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔ اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنی مخلوق پر نماز سے محبوب تر کوئی چیز نہیں فرض کی اور اگر نماز سے محبوب تر خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اور ہوتی تو فرشتوں کے لیے اس کو عبادت مقرر فرماتا، حالانکہ ان سے نماز کے افعال لیتا ہے کہ کوئی ان میں سے رکوع کرنے والا ہے کوئی سجدہ کرنے والا، اور کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے نماز کو جان کر چھوڑا وہ کافر ہو گیا، مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ وہ شخص کفر کے قریب ہو گیا کہ اس کے تمسک کی چیز ڈھیلی ہو گئی اور سہارا گر گیا، جیسے

(بقیہ صفحہ ۲۳۸) اور اٹھا ان کو اسی مقام محمود پر جن کا تو نے وعدہ کیا ہے تو وعدہ کا خلاف نہیں کرتا ۱۲ [۱] یہ نماز ہے مسلمانوں پر حکم وقت باندھا ۱۲ [۲] پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے پس جو کوئی ان کو بجا لاوے اور ان کے حق کو ہلکا جان کر ان میں سے کچھ ضائع نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کے نزدیک عہد ہوگا کہ اس کو جنت میں داخل کرے اور جو کوئی ان کو ادا نہ کرے تو اس کے واسطے اللہ کے پاس عہد نہیں چاہے اس کو عذاب دے اور چاہے جنت میں داخل کرے ۱۲ ابو داؤد و نسائی بروایت عبادہ صامت ۱۲ [۳] مسلم بروایت جابرؓ ۱۲ [۴] نماز کفارہ ہیں ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہوں جب تک کہ کبیروں سے احتراز کیا جائے، بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [۵] مالک بروایت سعید بن مسیب مرسلا ۱۲ [۶] یہ حدیث ان الفاظ سے جو احیاء میں ہیں مجھ کو نہیں ملی مگر طبرانی نے بروایت انسؓ اس کے قریب مضمون کی حدیث روایت کی ہے اوسط میں ۱۲ [۷] بیہقی بروایت عمر بسند ضعیف ۱۲ [۸] بخاری و مسلم بروایت ابی مسعود ۱۲ [۹] احمد و ابن حبان بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [۱۰] ابو داؤد طیالسی بروایت جابرؓ ۱۲ [۱۱] یہ حدیث ان الفاظ سے جو احیاء میں ہیں طبرانی نے بروایت جابر روایت کیا ہے ۱۲ [۱۲] بزار بروایت ابو داؤد اس کی اسناد میں کلام کیا ہے ۱۲

کوئی شخص شہر کے قریب پہنچتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ شہر میں آگیا اور پہنچ گیا اور ایک حدیث[۱] میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے نماز جان کر چھوڑی، اس سے ذمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بری ہو گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے، پھر نماز کا قصد کر کے گھر سے نکلے تو جب تک نماز کی نیت کرے گا اس وقت تک اپنی نماز ہی میں رہے گا اور ایک ایک قدم پر اس کو نیکی لکھی جائے گی اور دوسرے پر ایک بدی مٹا دی جائے گی، پس اگر تم میں سے کوئی تکبیر سنے تو دوڑنا نہ چاہیئے کیونکہ بڑا ثواب اسی کو ہوگا جس کا گھر دور ہوگا، لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے، فرمایا کہ قدموں کی کثرت کی جہت سے ثواب کی کثرت ہے اور مروی[۲] ہے کہ قیامت میں جو آدمی کے اعمال دیکھے جائیں گے ان میں سب سے اول نماز ہوگی، وہ اگر پوری پائی جائے گی تو اس کے سارے عمل مقبول ہوں گے اور اگر اس میں نقصان ہوگا تو تمام عمل اس کے نامنظور ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا[۳] کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم کر، خدا تعالیٰ تجھ کو روزی ایسی جگہ سے پہنچا دے گا کہ تو نہ جانتا ہو۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ نمازی کا حال مثل سوداگر کے ہے کہ جب تک اس کو سرمایہ حاصل نہیں ہوتا نفع نہیں ملتا، اسی طرح نماز کی نفلیں مقبول نہیں ہوتیں جب تک کہ فرض کو ادا نہیں کر لیتا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب نماز کا وقت آتا تو فرماتے کہ کھڑے ہو اور جو آگ تم نے بھڑکائی ہے اس کو بجھاؤ یعنی نماز کو اپنے گناہوں کا کفارہ کرو۔

ذیلی فصل ۳۔ ارکان نماز پورا کرنے کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۴] کہ فرض کی مثال مانند ترازو کے ہے جو پورا دے گا پورا لے گا۔ اور یزید رقاشی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[۵] کی نماز برابر تھی، گویا تلی ہوئی ہے، یعنی سب ارکان پورے ایک طرح ادا فرماتے تھے۔ اور فرمایا آنحضرت[۶] صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو شخص میری امت میں کے نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، ان دونوں کا رکوع اور سجدہ ایک ہی ہے مگر دونوں کی نمازوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس میں آپ نے خشوع کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا[۷] کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کی طرف نہ دیکھے گا جو رکوع اور سجدہ کے درمیان میں اپنی پشت سیدھی نہیں کرتا اور فرمایا[۸] کہ جو شخص نماز میں اپنا منہ پھیرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ خدائے تعالیٰ اس کے منہ کو گدھے کے منہ سے بدل دے اور فرمایا[۹] کہ جس شخص نے نماز کو اس کے وقت پر پڑھا اور اس کے لیے وضو اچھی طرح کیا اور اس کا رکوع اور سجدہ اور خشوع پورا کیا تو وہ نماز روشن ہو کر اوپر چڑھتی ہے اور کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تیری حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی اور جس نے نماز کو بے وقت پڑھا، اور وضو پوری طرح نہ کیا اور نہ اس کے رکوع اور سجدہ اور خشوع کو کامل طور پر ادا کیا تو یہ نماز سیاہ رنگ ہو کر

۱ح احمد و بیہقی بروایت ام ایمن ۱۲ ۲ح اصحاب سنن و حاکم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ۳ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ۴ح ابن مبارک بروایت حسن مرسلاً ۱۲ ۵ح ابن مبارک نے زہد میں روایت کی ہے اور اس سند میں ابو الولید صفار ہے اور یہ حدیث مرسل اور ضعیف ہے ۱۲ ۶ح ابن المحبر بروایت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مگر یہ حدیث ممنوع ہے ۱۲ ۷ح احمد بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ۸ح ابن عدی بروایت جابر رضی اللہ عنہ اور بخاری اور مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ جو شخص سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا الخ ۱۲ ۹ح طبرانی در اوسط انس بسند ضعیف ۱۲ ۰۰۰۰۰۰

اوپر جاتی ہے اور کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو ضائع کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا، یہاں تک کہ جب وہاں پہنچتی ہے جہاں خدا کی مرضی ہو تو وہ کپڑے کی طرح لپیٹی جاتی ہے اور اس شخص کے منہ پر ماری جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ لوگوں میں سے چوری میں سب سے بُرا وہ ہے جو اپنی نماز میں سے نماز چرا دے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ اور سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ نماز ایک پیمانہ ہے جو پورا دے گا اور پورا پائے گا اور جو اس میں کمی کرے گا تو اس کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیمانے کے کم کرنے والے کے باب میں کیا کہا ہے

ذیلی فصل ۲ ۔ جماعت کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] صلوٰۃ الجمع تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم کروں اور خود ان لوگوں کو تلاش کروں جو نماز میں نہیں آتے اور ان کے گھر پھونک دوں اور ایک[3] روایت میں یوں ہے کہ میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز سے بیٹھ رہتے ہیں پھر حکم کروں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے ان کے گھر پھونک دیے جائیں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ مجھ کو پُر گوشت ہڈی یا عمدہ پائے بکری کے ملیں گے تو نماز عشاء میں ضرور آئے۔ اور حضرت عثمانؓ مرفوعاً فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز عشاء میں حاضر ہوا وہ گویا آدھی رات شب بیدار رہا اور جو صبح کی نماز میں آیا وہ گویا ایک رات شب بیدار ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ جو شخص جماعت میں نماز پڑھتا ہے تو اس کا سینہ عبادت سے پُر ہو جاتا ہے، اور سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ بیس برس کے عرصہ سے میرا یہ حال ہے کہ جب مؤذن نے اذان دی ہے تو میں مسجد ہی میں ہوا ہوں، اور محمد بن واسع نے فرمایا ہے کہ میں دنیا سے صرف تین چیزیں چاہتا ہوں۔ اوّل بھائی کہ جب میں کج ہوں مجھے سیدھا کر دے، دوسری غذا رزق حلال سے کہ خالی از حق غیر ہو۔ تیسری نماز جماعت کی کہ اس کی بھول مجھ سے معاف کر دی جائے اور اس کی بزرگی میرے لیے لکھ دی جائے۔ اور روایت ہے کہ حضرت ابوعبیدہ نے ایک بار کچھ لوگوں کو نماز پڑھائی، جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ اس وقت شیطان میرے ساتھ لگا تھا، یہاں تک کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ مجھ کو اوروں پر بڑائی ہے، اب میں امامت کبھی نہ کروں گا، اور حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جو آدمی علماء کے پاس آمد و رفت نہ رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو، اور نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کی امامت بدوں علم کے کرتا ہے، وہ ایسا ہے کہ سمندر کے پانی کو ناپتا ہے کہ اس کی کمی اور بیشی کو کچھ نہیں جانتا۔ اور حاتم اصمؒ کا قول ہے کہ مجھ کو ایک بار جماعت کی نماز نہ ملی تو ابو اسحاقؒ بخاری نے صرف میری تعزیت کی، اور اگر میرا لڑکا مر جاتا تو دس ہزار آدمیوں سے زیادہ تعزیت کے لیے آتے، اگر یہ کہ دین کی مصیبت لوگوں کے نزدیک دنیا کی مصیبت سے آسان ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اذان سنی اور نماز کو حاضر نہ ہوا اس نے بہتری کا قصد نہ کیا نہ اس سے کچھ بھلائی

---

[1] احمد و حاکم بروایت ابوقتادہؓ ۱۲ [2] جماعت کی نماز تنہا کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [3] بخاری و مسلم ۱۲ [4] بخاری و مسلم ۱۲ [5] مسلم مرفوعاً اور ترمذی میں موقوفاً ۱۲ [6] محمد بن نصر نے سعید بن مسیب سے موقوفاً روایت کیا ہے اور مرفوعاً مجھ کو نہیں ملی ۱۲

مقصود ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ آدمی کے کانوں میں رانگ پگھلا کر بھر دیا جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اذان سنے اور مسجد کو نہ آئے اور مروی ہے کہ میمون بن مہران مسجد میں آئے کسی نے ان سے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ کر چلے گئے، کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون اس جماعت کی نماز فضیلت مجھ کو عراق کی حکومت کی نسبت کر زیادہ پسند ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۱] من صلی اربعین یوما صلوت فی جماعۃ لا تفوتہ فیھا تکبیرۃ الحرام کتب اللہ لہ براءتین براءۃ من النفاق و براءۃ من النار اور کہتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو کچھ لوگ ایسے اُٹھیں گے کہ ان کے چہرے روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہوں گے، فرشتے ان سے کہیں گے کہ تمہارے اعمال کیا تھے، وہ کہیں گے کہ جب ہم اذان سُنا کرتے تھے تو طہارت کو اٹھ کھڑے ہوتے تھے، پھر دوسرا کام ہم کو حارج نہ ہوتا تھا، پھر ایک جماعت اُٹھے گی کہ ان کے منہ چاند جیسے ہوں گے، وہ فرشتوں کے سوال کے بعد کہیں گے کہ ہم وقت سے پہلے وضو کیا کرتے تھے، پھر لوگ ایسے اُٹھیں گے کہ آفتاب کی طرح چمکتے ہوں گے، وہ کہیں گے کہ ہم اذان مسجد ہی میں سُنا کرتے تھے اور روایت ہے کہ اکابر سلف سے اگر تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تھی تو تین دن اپنے نفسوں پر سختی کرتے تھے، اور اگر جماعت فوت ہوتی تھی تو سات روز۔

ذیلی فصل ۵: سجدہ کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] ما تقرب العبد الی اللہ بشی افضل من سجود خفی اور فرمایا[۳] ما من مسلم یسجد للہ سجدۃ الا رفعہ اللہ بھا درجۃ وحط عنہ بھا سیئۃ اور مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اللہ سے دُعا فرمایئے کہ مجھ کو آپ کی شفاعت والوں میں سے کرے اور جنت میں آپ کی رفاقت نصیب کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۴] کہ تو کثرتِ سجدہ سے میری مدد کر۔ اور مروی ہے کہ بندہ زیادہ تر قریب اللہ تعالیٰ سے اس وقت ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے والا ہو، اور یہی مراد ہے اس ارشادِ خداوندی میں[۵] واسجد واقترب اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۶] سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود اس آیت میں اثر سجدہ سے بعضوں نے یہ مراد لی ہے کہ سجدہ کے وقت جو چہرہ پر خاک لگ جاتی ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ نور خشوع ہے جو باطن سے ظاہر پر چمکتا ہے اور یہ قول اصح ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے غرض وہ روشنی ہے کہ وضو کے نشان کی جہت سے قیامت کو چہرے پر ہوگی، اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان علیحدہ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے

---

[۱] جو شخص چالیس روز نماز جماعت میں پڑھے، اس طرح کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو علیحدگی لکھ دیتا ہے، ایک نفاق سے علیحدہ رہنا دوم آگ سے علیحدہ رہنا ۱۲ ترمذی بروایت انسؓ ۱۲ [۲] بندہ کسی چیز سے اللہ تعالیٰ کا تقرب نہیں کرتا جو خفیہ سجدہ کی نسبت کر افضل ہو ۱۲ ابن مبارک بروایت حمزہ بن حبیب مرسلاً ۱۲ [۳] جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سجدے سے اس کا ایک درجہ اونچا کرتا ہے اور ایک بدی اس کی دور کرتا ہے ۱۲ ابن ماجہ بروایت عبادہ بن صامت ۱۲ [۴] مسلم بروایت ربیعہ بن کعب اسلمی اور یہی شخص دعا کا سائل ہوا تھا ۱۲

[۵] مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۶] اور سجدہ کر اور نزدیک ہو ۱۲

مصیبت اس کو سجدہ کا حکم ہؤا اس نے سجدہ کیا تو اس کو جنت نصیب ہوئی اور مجھ کو سجدہ کا حکم ہوا اور میں نے نہ مانا تو مجھ کو دوزخ ملی اور علی بن عبداللہ بن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ وہ ہر روز ہزار سجدے کیا کرتے تھے اور لوگ اسی جہت سے ان کو سجاد کہتے تھے، اور مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز بجز مٹی کے اور کسی چیز پر سجدہ نہ کرتے تھے، اور یوسف بن اسباط کہا کرتے تھے کہ اے گروہ جواناں مرض سے پیشتر تندرستی کی طرف سبقت کرو کہ میں بجز اس شخص کے اور کسی پر حسد نہیں کرتا جو اپنا رکوع اور سجدہ پورا کرتا ہے اور مجھ میں اور رکوع سجدہ کرنے میں اب مرض حائل ہو گیا ہے، اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ میں دنیا کی کسی چیز پر رنج نہیں کرتا بجز سجدۂ غیر کے، اور عقبہ بن مسلم نے کہا ہے کہ کوئی خصلت بندہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے محبوب تر نہیں کہ بندہ خدا تعالیٰ کے ملنے کو پسند کرے، اور کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں بندے کو قرب الٰہی زیادہ ہو بجز سجدہ کرنے کی ساعت کے، اور حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ بندہ زیادہ تر قریب خدائے تعالیٰ سے سجدے کے وقت ہوتا ہے، پس سجدہ میں زیادہ دعا کیا کرو۔

ذیلی فصل ۶: خشوع کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] واقم الصلوٰۃ لذکری اور فرمایا[2] ولا تکن من الغافلین اور فرمایا[3] لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون۔ اس میں سکاریٰ سے بعضوں نے یہ مراد لی ہے کہ کثرتِ غم سے متوالے ہوں اور بعضوں نے کہا کہ دنیا کی محبت سے مست ہوں، اور وہبؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ظاہر معنی ہیں کہ نشے سے مست ہو، غرض کہ اس میں تنبیہ ہے دنیا کے نشہ پر کیونکہ دنیا کو بیان فرما دیا ہے کہ جب تک تم جانو کہ کیا کہتے ہو، اور بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ نشہ نہیں پئے ہوئے ہیں مگر ان کو نہیں خبر ہوتی کہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] من صلی رکعتین لم یحدث نفسہ فیھا بشئی من الدنیا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ اور فرمایا کہ[5] انما الصلوٰۃ تمسکن وتواضع وتضرع وتباوس وتنادم وتوضع یدیک فتقول اللھم اللھم فمن لم یفعل فھی خداج - اور اللہ تعالیٰ سے بعض پہلی کتابوں میں یوں مروی ہے کہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں ہر ایک نمازی کی نماز مقبول نہیں کرتا، بلکہ اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے فروتنی کرے اور میرے بندوں پر تکبر نہ کرے، اور بھوکے فقیر کو کھانا میری رضا کے لیے کھلا دے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[6] نماز کا فرض ہونا

---

[1] بانا ان کا ان کے منہ پر ہے سجدے کے اثر سے ۱۲ ت[2] مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ ۱۲ [3] اور نماز کھڑی رکھ میری یاد کو ۱۲ ت[4] مت ہو غافلوں میں سے ۱۲ ت[5] نزدیک نہ ہو نماز کے جب تم کو نشہ ہو جب کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو ۱۲ ت[6] جو شخص دو رکعتیں نماز پڑھے کہ ان میں اپنے جی میں کوئی بات دنیا کی نہ کرے تو اس کے اگلے گناہ بخشے جائیں گے ابن ابی شعبہ نے مرسلاً سہلہ بن الیم سے روایت کیا ہے اور صحیحین میں بروایت عثمان رضؓ ہے مگر اول کچھ زیادہ ہے اور بشئی من الدنیا نہیں ہے ۱۲ ت[7] نماز صرف مسکنت اور تواضع اور تضرع ظاہر کرنا اور شدتِ خوف اور پشیمانی بنانا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر پھر یہ کہنا کہ الٰہی یارب اور جو اس طرح نہ کرے تو وہ نماز ناقص ہے ۱۲ ترمذی نے بروایت فضل بن عباس اسی کے قریب الفاظ روایت کیے ہیں ۱۲ ت[8] ابوداؤد و ترمذی بروایت عائشہ رضؓ بدوں ذکر نماز کے ۱۲

اور حج اور طواف کا حکم ہونا اور دوسرے ارکان کا مقرر کرنا صرف ذکرِ الٰہی کے برپا کرنے کے لیے ہے پس اگر تیرے دل میں جو مقصود ہے اس کی یاد نہ ہو اور عظمت اور ہیبت مطلوب سے تیرا دل خالی ہو تو تیرے ذکر کی قیمت کچھ نہیں، اور جس شخص کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی اس کو ارشاد فرمایا کہ اذا صلیت فصل صلوٰۃ مودع[1] یعنی اپنے نفس اور خواہش اور عمر کو رخصت کر کے اپنے مولیٰ کی طرف چلے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ[2] اور فرمایا اتقوا اللہ واعلموا انکم ملقوہ[3]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] کہ جس شخص کو اس کی نماز فحش اور برائی سے منع نہ کرے تو وہ خدائے تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جائے گا۔ اور نماز تو خدائے تعالیٰ سے مناجات کرنے کا نام ہے تو غفلت کے ساتھ کیسے ہو جائے گی۔ اور بکر بن عبد اللہ کا قول ہے کہ اے ابن آدم اگر تو اپنے آقا کے پاس بدوں اس کی اجازت کے جانا چاہے اور بدوں کسی واسطے کے اس سے گفتگو کرنی چاہیے تو ہو سکتا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہا کہ وضو کامل کر کے محراب میں جا کھڑے ہو کہ اپنے آقا کے سامنے بدوں اجازت چلے جاؤ گے پھر اس سے بدون ذریعہ درمیانی باتیں کرو۔ اور حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے[5] باتیں کیا کرتے تھے اور ہم آپ سے کچھ کہتے تھے مگر جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپ گویا ہم کو نہ جانتے تھے اور ہم آپ کو نہ پہچانتے تھے اس قدر خدائے تعالیٰ کی عظمت میں مشغول ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[6] لا ینظر اللہ الی صلوٰۃ لا یحضر الرجل فیھا قلبہ مع بدنہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کو کھڑے ہوتے تو ان کے دل کی آواز اضطراب دو میل کے فاصلے پر سنائی دیتی تھی، اور سعید تنوخیؒ جب نماز پڑھتے تو ان کے آنسو رخساروں پر سے داڑھی پر گرنے سے نہ تھمتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[7] نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتا ہے، فرمایا کہ اگر اس کا دل خشوع کرتا تو اس کے اعضاء بھی خشوع کرتے۔ اور روایت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کنکروں سے کھیل رہا ہے اور کہتا ہے کہ الٰہی میرا نکاح حور عین سے کر دے، آپ نے فرمایا کہ تو اچھا توشہ نہیں رکھتا کہ منگنی حور عین سے چاہتا ہے اور کنکروں سے کھیلتا ہے اور خلف بن ایوب سے کسی نے کہا کہ کیا نماز میں تم کو مکھی نہیں ستاتی کہ تم اس کو ہٹا دو، فرمایا کہ میں اپنے نفس کو ایسی چیز کا عادی نہیں کرتا کہ میری نماز کو فاسد کر دے، سائل نے کہا کہ تم کو صبر کیسے ہوتا ہے، فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ فاسق بادشاہی کوڑوں کے نیچے صبر کرتے ہیں تاکہ لوگ کہیں کہ بڑے صابر ہیں اور اس بات کا آپس میں فخر کرتے ہیں اور میں تو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا رہتا ہوں تو کیا اس کی مکھی سے جنبش کروں اور مسلم بن یسار سے

---

[1] جب تو نماز پڑھے تو رخصت ہونے والے کی سی نماز پڑھ ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابو ایوبؓ وحاکم بروایت سعد بن ابی وقاص ۱۲ [2] اے آدمی تجھ کو پہنچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں بچ بچ کر پھر اس سے ملنا ۱۲ [3] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے ۱۲ [4] علی بن سعید در کتاب الطاعت بروایت حسن بصری مرسلاً ۱۲ [5] ازدی نے ضعیف حدیثوں میں بروایت سوید بن غفلہ مرسل بیان کی ہے ۱۲ [6] اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف نظر نہیں کرتا جس میں آدمی اپنا دل مع بدن حاضر نہ کرے ۱۲ [7] یہ حدیث ان لفظوں سے نہیں ملی مگر ابو مسعود دیلمیؒ نے مسند فردوس میں بروایت ابی بن کعب لا یقبل اللہ من عبد عملا حتی یشھد قلبہ مع بدنہ روایت کیا ہے یعنی بندے سے کوئی عمل خدائے تعالیٰ قبول نہیں کرتا جب تک اس کا دل مع بدن حاضر نہ ہو ۱۲

[8] ترمذیؒ نوادر میں اور بروایت ابو ہریرہ رضہ بسند ضعیف ۱۲

روایت کرتے ہیں کہ جب وہ نماز کا ارادہ کرتے تھے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ آپس میں باتیں کرو، اب میں تمہاری گفتگو نہیں سنوں گا، اور ایک روز وہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کی ایک طرف گر گئی، اس کے لیے لوگ جمع ہوئے مگر ان کو نماز سے فارغ ہونے تک کچھ بھی معلوم نہ ہوا، اور حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا دستور تھا کہ جب وقت نماز کا آتا تو آپ کانپتے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ پس ان سے لوگ پوچھتے کہ یا امیر المومنین آپ کا کیا حال ہے، فرماتے کہ پس امانت کا وقت آیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، اور اس کے اٹھانے سے سب نے انکار کیا اور انسانوں نے اس کو اٹھایا۔ اور حضرت امام زین العابدینؓ سے مروی ہے کہ جب وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا آپ کے اہل خانہ نے پوچھا کہ وضو کے وقت آپ کی یہ کیا عادت ہے، آپ نے فرمایا کہ تم جانتی نہیں کہ میں کس شخص کے سامنے کھڑا ہوا چاہتا ہوں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا کہ الٰہی تیرے گھر میں یعنی جنت میں کون رہے گا اور تو کس شخص کی نماز قبول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی بھیجی کہ اے داؤد جو شخص میری عظمت کے سامنے فروتنی کرتا ہے اور اپنا دل میری یاد میں کاٹتا ہے اور اپنے نفس کو میرے سبب شہوات سے روکتا ہے، بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اور مسافر کو جگہ دیتا ہے اور مصیبت والے پر ترس کھاتا ہے وہی میرے گھر میں رہے گا۔ اور اسی کی میں نماز قبول کرتا ہوں، اسی شخص کا نور آسمانوں میں مثل آفتاب کے چمکتا ہے، اگر وہ مجھ کو پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں اور جو مجھ سے مانگتا ہے اس کو عطا کرتا ہوں، جہل کو میں اس کے لیے علم کر دیتا ہوں اور غفلت کو اس کے لیے ذکر اور اندھیرے کو اجالا کر دیتا ہے اس کی مثال لوگوں میں ایسی ہے جیسی جنت فردوس اوپر کی بہشتوں میں ہے کہ نہ اس کی نہریں خشک ہوں نہ میوے بگڑیں، اور حاتم اصم کے حال میں کہتے ہیں کہ ان سے کسی نے ان کی نماز کا حال دریافت کیا، فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو میں وضو کامل کر کے اس جگہ آتا تھا جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، وہاں آکر بیٹھتا ہوں، یہاں تک کہ میرے اعضاء سب مطمئن ہو جائیں، پھر میں نماز کو کھڑا ہوتا ہوں اور کعبے کو اپنے ابرو کے سامنے اور پلصراط کو اپنے قدم کے تلے اور جنت کو داہنی طرف اور دوزخ کو بائیں طرف، اور ملک الموت کو پشت کے پیچھے کرتا ہوں اور اس نماز کو سب سے پچھلی نماز جانتا ہوں۔ پھر خوف و رجا کے ساتھ کھڑا ہو کر اللہ اکبر آواز کے ساتھ کہتا ہوں اور قرأت اچھی طرح پڑھتا ہوں اور رکوع تواضع کے ساتھ اور سجدہ خشوع کے ساتھ کرتا ہوں اور بائیں سرین پر بیٹھ کر پاؤں کو بچھا لیتا ہوں اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے کو کھڑا رکھتا ہوں اور ساری نماز میں اخلاص کا اتباع کرتا ہوں، پھر میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے قبول ہوئی یا نہیں، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ متوسط دو رکعتیں تفکر کے ساتھ ایک رات کی شب بیداری سے بہتر ہیں جس میں دل غافل ہو۔

ذیلی فصل ۷: مسجد کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ث] انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر اور آنحضرت صلی اللہ

ث وہی آباد کرتے ہیں مسجدیں اللہ کی جو ایمان لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر ۱۲

علیہ وسلم نے فرمایا[۱] من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ اور فرمایا[۲] من الف المسجد الفہ اللہ تعالیٰ اور فرمایا[۳] اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس اور فرمایا[۴] کہ مسجد کے ہمسائے کی نماز بجز مسجد کے اندر پڑھنے کے نہیں ہوتی، اور فرمایا[۵] کہ فرشتے تم سے ایک پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ میں رہتا ہے، فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی اس شخص پر رحمت بھیج، الٰہی اس پر مہر کر، الٰہی اس کو بخش دے بشرطیکہ نمازی بے وضو نہ ہو جائے یا مسجد سے باہر نہ جائے۔ اور فرمایا[۶] کہ آخر زمانے میں میری امت میں سے کچھ لوگ آئیں گے کہ مسجدوں میں آکر حلقہ بنا کر بیٹھیں گے، ان کا ذکر دنیا اور دنیا کی محبت ہوگی، تم ان کے پاس مت بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کو کچھ مطلب نہیں، اور فرمایا[۷] کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ میری زمین میں میرے گھر مسجدیں ہیں اور میری زیارت کرنے والے ان کے اندر وہ جوان کو آباد رکھنے والے ہیں، پس خوش حالی ہے اس بندے پر کہ اپنے گھر سے پاک وصاف ہو کر میرے گھر میں میری زیارت کو آوے، اور گھر والے پر حق ہے کہ اپنے یہاں آنے والے کا اکرام کرے اور فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں بیٹھے وہ اپنے رب کے ساتھ ہم نشینی کرتا ہے تو اس کے حق میں نہایت مناسب یہ ہے کہ بجز خیر کے اور کچھ نہ کہے اور کسی قول تابعی یا حدیث میں مروی ہے کہ مسجد میں بات کرنی نیکیوں کو ایسا کھاتی ہے جیسے چوپائے گھاس کو کھاتے ہیں۔ اور نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اکابر سلف کا اعتقاد یہ تھا کہ اندھیری رات کو مسجد میں جانا جنت کا موجب ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں چراغ جلادے تو جب تک اس کی روشنی مسجد میں رہتی ہے، تب تک اس شخص کے لیے فرشتے اور عرش کے اٹھانے والے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو زمین میں سے اس کی نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں سے اس کے عمل چڑھنے کی جگہ اس پر روتی ہیں اور اس کی تصدیق کے لیے یہ آیت پڑھی[۹] فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ زمین اس شخص پر چالیس روز روتی ہے اور عطائے خراسانی نے کہا ہے کہ جو آدمی کسی جگہ پر زمین سے سجدہ کرتا ہے تو وہ ٹکڑا زمین کا قیامت کو اس کی شہادت دے گا۔ اور جس دن وہ مرے گا، اس پر روئے گا۔ اور انس رضی اللہ عنہ بن مالک نے فرمایا ہے کہ جس زمین کے ٹکڑے پر خدا تعالیٰ کا ذکر نماز سے خواہ یاد سے ہوتا ہے وہ ٹکڑا اپنے گرد کے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی کی بشارت انتہائے ساتوں

ت[۱] جو شخص مسجد بنادے اللہ کے واسطے اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے کے برابر ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک محل جنت میں بنادے گا ۱۲ ابن ماجہ بروایت جابر رضی اللہ عنہ اور صحیحین میں بروایت عثمان رضی اللہ عنہ حدیث ہے مگر ولو کمفحص قطاۃ اس میں نہیں ہے ۱۲ ح[۲] جو شخص مسجد میں الفت رکھے اللہ تعالیٰ اس سے الفت رکھتا ہے ۱۲ طبرانی بروایت ابوسعید بسند ضعیف ۱۲ ح[۳] جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پیشتر دو رکعتیں پڑھے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ح[۴] دار قطنی بروایت جابر وحاکم بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ۱۲ ح[۵] حاکم بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲ ح[۶] ابونعیم بروایت ابوسعید بسند ضعیف ۱۲ ضعیف ۱۲ ح[۷] ترمذی وحاکم بروایت ابوسعید ۱۲ ح[۸] اس کا پتہ حدیث میں نہیں ملا ۱۲

ت[۹] پھر نہ رویا ان پر آسمان اور زمین اور نہ ملی ان کو ڈھیل ۱۲

درجوں زمین تک پہنچتا ہے اور جو بندہ کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کے لیے زمین آراستہ ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جس منزل میں لوگ اترتے ہیں صبح کو وہ منزل یا ان پر رحمت بھیجتی ہے یا لعنت کرتی ہے۔

دوسری فصل نماز کے ظاہری اعمال

جب نمازی وضو سے اور بدن اور مکان اور کپڑے کی نجاست کے پاک کرنے سے فارغ ہو اور ستر برہنگی کا ناف سے لے کر زانو تک کر چکے تو چاہیئے کہ قبلہ رُخ دونوں پاؤں میں کچھ فاصلہ دے کر کھڑا ہو، دونوں پاؤں کو آپس میں نہ ملا دے اس طرح کھڑا ہونا آدمی کی فقہ اور سمجھ پر دلالت کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صفد[۱] اور صفن سے منع فرمایا ہے، صفد تو اس کو کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں ایک ساتھ جوڑ لے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۲] مقرنین فی الاصفاد اور صفن یہ ہے کہ پاؤں پر زور دے کر دوسرے کو ٹیڑھا کرے جیسا کہ اس آیت میں ہے[۳] الصافنات فی الجیاد یہ صورت تو دونوں پاؤں میں قیام کے وقت قابلِ لحاظ ہے اور دونوں زانو اور کمر میں یہ لحاظ چاہیئے کہ سیدھے قائم رہیں اور سر کو چاہیئے کہ سیدھا رہنے دے خواہ گردن جھکا لے۔ اور گردن جھکانا فروتنی کے قریب تر ہے اور نظر کو نیچا رکھتا ہے، اور چاہیئے کہ نظر جانماز پر رہے جس پر نماز پڑھتا ہے اور اگر جانماز نہ ہو تو دیوار کے قریب کھڑا ہو یا اپنے اطراف میں لکیر کھینچ لے کہ نگاہ کی مسافت اس سے بھی کم ہو جاتی ہے اور فکر کو پراگندہ نہیں ہونے دیتی، اگر جانماز کے کناروں یا لکیر کی حدوں سے نگاہ باہر نکلے تو اس کو روکنا چاہیئے، اور اس قیام کو اسی طرح رکوع تک رکھنا چاہیئے کہ کسی طرف دھیان نہ ہو، یہ قاعدہ قیام کا ہے، جب قیام قبلہ رُخ سیدھا کرے اور ہاتھ پاؤں بھی سب برابر ہوں، اس وقت قل اعوذ برب الناس شیطان سے محفوظ رہنے کے لیے پڑھے، پھر تکبیر کہے، اور اگر کسی مقتدی کے آجانے کی توقع ہو تو اوّل اذان کہہ دے، پھر نیت کو حاضر کرے، یعنی مثلاً ظہر میں دل کے اندر نیت کرے اور کہے کہ میں ظہر کے فرض اللہ کے لیے ادا کرتا ہوں، اس میں ادا کے لفظ سے تو قضا سے تمیز ہو جائے گی، اور فرض کے کہنے سے نفل سے علیحدگی ہو گی اور ظہر کہنے سے عصر وغیرہ سے فرق ہو جائے گا اور چاہیئے کہ ان الفاظ کے معنی دل میں موجود رہیں کہ نیت اسی کو کہتے ہیں، الفاظ تو صرف یاد دلانے والے اور اس کے دل میں موجود ہونے کے اسباب ہیں اور یہ کوشش کرے کہ یہ نیت تکبیر کے آخر تک قائم رہے کہ غائب نہ ہونے پائے جب دل میں یہ بات موجود ہو جائے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں شانوں تک اُٹھائے[۴] اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں مقابل دونوں شانوں کے ہوں اور دونوں انگوٹھے مقابل کانوں کی لو کے، اور انگلیوں کے سر مقابل دونوں کانوں کے ہوں تاکہ اسباب میں جتنی احادیث وارد ہیں، سب کا جامع ہو، اور دونوں ہتھیلیوں کو قبلہ رُخ کرے اور انگلیوں کو کھلا رکھے یعنی نہ بند کرے نہ پھیلانے میں تکلیف کرے بلکہ ان کو

---

[۱] ازرین نے ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے مگر مجھ کو اس سے نشان نہیں ملا [۲] بندھے ہوئے بیڑیوں میں [۳] گھوڑے خاصے تیز قدم کے باعث پاؤں بڑھا کر کے کھڑے ہونے والے [۴] دونوں شانوں تک اٹھانا صحیحین میں بروایت ابن عمرؓ آیا ہے اور ابوداؤد میں کان کی چوٹی تک بروایت مالک بن حویرث مروی ہے۔[۱۲]

ان کی طبیعت پر چھوڑے اس لیے کہ آثار میں ان کا پھیلانا اور ملا رکھنا منقول[1] ہے اور یہ صورت دونوں کے درمیان ہے اس جہت سے یہی اولیٰ ہے اور جب کہ ہاتھ اپنے ٹھکانے پر ٹھہر جائے، تب نیت کا دل میں حاضر کرنا اور اللہ اکبر کہنا اور ہاتھوں کو جھکانا شروع کرے اور اللہ اکبر پورا کرکے دونوں کو ناف کے اوپر اور چھاتی کے نیچے باندھے، اس طرح کہ داہنا ہاتھ اوپر ہو اور بایاں نیچے، تاکہ داہنے کی فضیلت ہو کہ بائیں کے اوپر رہے، اور داہنے کی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی بائیں ہاتھ کے ساعد پر پھیلا دے اور انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں کے پہنچے کو پکڑے اور اللہ اکبر کہنا روایتوں میں ہاتھ اٹھانے کے ساتھ بھی آیا ہے جس وقت کہ وہ اٹھ کر ٹھہر جائیں، اس وقت بھی آیا ہے اور ان کو باندھنے کے لیے جھکانے کے ساتھ بھی وارد[2] ہے اور ان کل صورتوں میں کچھ حرج نہیں، لیکن جھکاتے وقت اللہ اکبر کہنا میرے نزدیک لائق تر ہے، اس لیے کہ یہ کلمہ عقد کا ہے اور ایک ہاتھ کا دوسرے پر رکھنا اس عقد کی صورت میں ہے اور یہ صورت ہاتھوں کو جھکانے سے شروع ہوتی ہے اور ان کے باندھنے تک پوری ہوتی ہے اور شروع اللہ اکبر کا الف ہے اور تمامی رَ ہے تو مناسب یہ ہے کہ فعل اور عقد میں مطابقت کا لحاظ کیا جائے۔ باقی رہا ہاتھوں کا اٹھانا وہ اس شروع کا مقدمہ ہے اس سے اس قدر مناسبت نہیں جتنی جھکانے کی صورت سے ہے۔ پھر اللہ اکبر کہنے میں اپنے ہاتھ بہت آگے نہ بڑھائے اور نہ شانوں کے پیچھے ان کو لے جائے اور نہ داہنے بائیں کو جھٹکے جبکہ اللہ اکبر کہہ چکے بلکہ ان کو آہستہ اور نرمی سے نیچے لٹکا دے، پھر نئے سرے سے داہنا ہاتھ بائیں پر ہاتھ کو لٹکانے کے بعد رکھ لے، اور بعض روایتوں میں وارد[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کہنے کے بعد اپنے ہاتھ لٹکا دیتے تھے، اور جب قراءت کا ارادہ کرتے تھے تو داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیتے، تو یہ حدیث اگر صحیح ہو تو جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ بہتر ہے، اور چاہیئے کہ اللہ اکبر کی ہٗ کو تھوڑا سا پیش دے ایسا نہ کرے کہ ہٗ کے بعد واؤ سی معلوم ہو۔ پیش کو بہت بڑھانے سے واؤ پیدا ہو جاتی ہے اور اکبر کی بَ کے بعد الف نہ کہے کہ اکبار کہنا پایا جائے اور اکبر کی رَ کو جزم کرے اس پر پیش نہ پڑھے، یہ صورت اللہ کہنے اور اس کے ساتھ کے اعمال کی ہے، قراءت پھر شروع کی دعا پڑھے[3] اور بہتر یہ ہے کہ اللہ اکبر کے بعد یوں ملا کر پڑھے، اللّٰہ کبیرا والحمد للّٰہ کثیرا وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا[4] انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین[5] اس کے بعد کہے

---

[1] بخاری بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [2] مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [3] طبرانی بروایت معاذ بسند ضعیف ۱۲ [4] اللہ بہت بڑا ہے بڑائی میں، تعریف اللہ کو ہے بہت اور اللہ کی پاکی ہے صبح اور شام میں مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [5] میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان و زمین ایک طرف ہو کر، اور میں نہیں شریک کرنے والا میری نماز میں اور قربانی، اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب سارے جہان کا ہے، کوئی نہیں شریک اس کا اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور ہوں میں حکم برداروں میں جس سے مسلم بروایت علی بن ابی طالب ۱۲

سبحٰنک[1] اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک تاکہ جتنے متفرق امور اخبار میں وارد ہیں سب جمع ہو جائیں، اور اگر امام کے پیچھے ہو اور امام اتنا لمبا سکتہ نہ کرے کہ جس میں نمازی الحمد پڑھ لے تو اسی قدر دعا پر اکتفا کرے اور اگر اکیلا ہو یا امام کے پیچھے مہلت پائے تو بعد دعا کے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہہ کر سورۃ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرے اور سب تشدیدوں اور حرفوں کو پورا پڑھے اور کوشش کرے ضاد و ظا میں ملنے نہ پائے اور الحمد کے آخر میں آمین کچھ کھینچ کر کہے اور آمین کو ولا الضالین سے نہ ملائے اور نماز صبح اور مغرب اور عشاء میں قراءت پکار کر پڑھے، بشرطیکہ مقتدی نہ ہو اور آمین پکار کر کہے، پھر ایک سورت یا مقدار تین آیتوں خواہ زیادہ پڑھے، اور سورت کے آخر کو رکوع کے اللہ اکبر میں نہ ملائے، بلکہ دونوں میں فاصلہ مقدار سبحان اللہ کہنے کا رکھے اور صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھے اور مغرب میں قصار مفصل، اور ظہر اور عصر اور عشاء میں والسماء ذات البروج اور اس کے مثل اور سورتیں پڑھے اور صبح کی نماز میں سفر کی حالت میں قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھے، اور فجر کی سنتوں اور دوگانہ طواف اور دوگانہ تحیت میں بھی یہی دونوں پڑھے اور قراءت کی انتہا تک کھڑا رہے اور ہاتھ اسی طرح باندھے رہے جیسا اوپر ہم نے بیان کیا ہے رکوع اور اس کے لواحق پھر رکوع کرے اور اس میں کئی باتوں کا خیال کرے یعنی رکوع کے لیے اللہ اکبر کہے اور اس تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کو اتنا بڑھاوے کہ رکوع میں نہ پہنچنے تک تمام ہو اور اپنی ہتھیلیاں رکوع کے اندر دونوں زانوں پر رکھے اور انگلیاں پھیلی ہوئی پنڈلی کے طول کی جانب قبلہ رُخ ہوں اور گھٹنوں کو سیدھا رکھے ان کو ٹیڑھا نہ کرے اور اپنی کمر کو برابر پھیلا دے اور گردن اور سر اور پیٹھ ایک سطح جیسے ہوں کہ سر نیچا ہو نہ اونچا اور اپنی کہنیوں کو دونوں پہلو سے علیحدہ رکھے۔ اور عورت اپنی کہنیاں پہلو سے ملی رکھے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور تین بار سے زیادہ سات اور دس بار تک بہتر ہے بشرطیکہ امام نہ ہو، پھر رکوع سے قیام کی طرف اُٹھے اور دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور سیدھا مطمئن کھڑا ہو اور کہے ربنا[2] لک الحمد ملاء السمٰوٰت والارض وملاء ما شئت من شئ بعد اور اس قیام کو بجز صلوٰۃ التسبیح کے اور نمازوں میں طول نہ دے اور صبح کے وقت دوسری رکعت میں سجدے سے پیشتر دعائے قنوت ان الفاظ سے پڑھے جو احادیث میں مروی ہیں سجدہ چلی پھر تکبیر کہتا ہوا سجدے کو جھکے اور اپنے گھٹنے زمین پر رکھے اور پیشانی اور ہتھیلیاں کھلی ہوئی زمین پر رکھے اور جھکنے کے وقت اللہ اکبر کہے اور بدوں رکوع کے اور جگہ ہاتھ شانوں تک نہ اٹھاوے اور چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے زانو زمین پر رکھے، ان کے بعد دونوں ہاتھ اور آخر کو منہ، اور سجدہ میں ناک بھی زمین پر رکھے اور کہنیوں کو پہلو سے علیحدہ رکھے اور عورت ایسا نہ کرے اور پاؤں کی انگلیاں پھیلی رکھے اور

---

[1] الٰہی تو پاک ہے اور تیری پاکی کہتا ہوں تیری تعریف کے ساتھ اور برکت والا ہے تیرا نام اور بڑی ہے تیری شان اور کوئی معبود نہیں سوائے تیرے ۱۲ ھن دالیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت نستغفرک ونتوب الیک

[2] بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ [3] اے رب میرے مجھے بخش دے اور رحم کر اور روزی دے اور ہدایت کر اور میری خستگی کو درست کر اور مجھ کو عافیت دے اور مجھ سے درگزر کر

عورت یہ نہ کرے اور سجدے میں پیٹ کو زانو سے الگ رکھے اور رانیں جدا جدا ہوں اور عورت پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو آپس میں ملی ہوئی رکھے اور ہاتھوں کو شانوں کے مقابل زمین پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلاوے نہیں بلکہ اس میں مع انگوٹھے کے ملاوے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اپنے ہاتھ زمین پر نہ بچھاوے جیسے کتا بچھاتا ہے بلکہ کہنیاں ابھری رکھے کہنیاں زمین پر لگانے کی نہی وارد ہے اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ[1] کہے اور زیادہ دفعہ کہے تو بہتر ہے مگر جس صورت میں کہ امام ہو تین بار سے زیادہ نہ کہے، پھر سجدے سے اُٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاوے یعنی اپنا سر تکبیر کہتا ہوا اٹھاوے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ کر داہنے قدم کھڑا رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ زانو پر رکھے اور انگلیاں کھلی رکھے، ان کے ملانے میں تکلف نہ کرے نہ پھیلانے میں مبالغہ کرے اور جلسہ میں کہے رب اغفر لی وارحمنی وارزقنی واھدنی واجبرنی وعافنی واعف عنی اور اس جلسہ کو بجز صلوۃ التسبیح کے اور نماز میں بہت نہ بڑھاوے پھر پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کرے اس کے بعد تھوڑا سا جلسۂ استراحت کرے اور یہ جلسۂ استراحت ہر رکعت کے بعد جس میں التحیات نہ ہو ہوتا ہے پھر ہاتھ کا سہارا زمین پر دے کر اٹھ کھڑا ہو مگر اٹھنے میں کوئی پاؤں آگے نہ بڑھاوے اور تکبیر کو اتنا بڑھا کہ بیٹھنے کے درمیان سے کھڑے ہونے کے درمیان تک جاری ہو جاوے، یعنی اللہ کی ہ تو برابر بیٹھنے تک میں ادا ہو اور اکبر کا کاف زمین پر سہارا دیتے وقت نکلے اور ر اس وقت پوری ہو کر آدھا کھڑا ہو جاوے شروع اللہ اکبر کہنا اس وقت سے کرے کہ جب بیٹھنے کے لیے نصف اٹھ چکا ہو تاکہ سارا اللہ اکبر اس حالت میں تبدیل ہو جاوے، قیام اور سجدہ اس سے دونوں خالی رہیں اور یہ صورت تعظیم سے قریب تر ہے اور دوسری رکعت مثل اوّل کے ہے اس کے شروع میں اعوذ دوبارہ پڑھے تشہد پھر دوسری رکعت کے بعد اوّل تشہد پڑھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود بھیجے اور التحیات پڑھنے میں اسی طرح بیٹھے جیسا دو سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا یعنی بائیں پاؤں پر بیٹھے اور داہنے کو کھڑا رکھے اور داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھے اور ان کی انگلیاں سوائے انگشت شہادت کے بند کرے اور انگوٹھے کے کھلا رہنے کا بھی کچھ مضائقہ نہیں اور صرف داہنے ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے الا اللہ کہنے کے وقت اشارہ کرے نہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے وقت اور اخیر کی التحیات میں بعد درود شریف کے دعائے ماثورہ پڑھے اور اخیر تشہد کا طریق اوّل کے ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ اس میں بائیں چوتڑ پر بیٹھے کیونکہ اب اس کا ارادہ اُٹھنے کا نہیں بلکہ ٹھہرا ہوا ہے اور اپنے پاؤں بائیں کو نیچے سے داہنی طرف نکال دے اور داہنے کو کھڑا رہنے دے اور اگر دشوار نہ ہو تو پاؤں کے انگوٹھے کا سر قبلہ رُخ رکھے پھر ان سب افعال کے بعد داہنی طرف کو منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور منہ اتنا پھیرے کہ جو شخص اس کے پیچھے داہنی طرف نماز پڑھتا ہے وہ اس کا داہنا رخسار دیکھ لے پھر بائیں طرف منہ پھیر کر اسی طرح دوسرا اسلام کہے اور سلام پھیرنے میں

---

[1] پاک ہے میرا رب بڑا ۱۲ [2] سنا اللہ نے جس نے حمد کی اس کی [3] الٰہی تجھی کو حمد ہے بقدر پڑی آسمانوں کے اور پڑی جس چیز کے کر تو آسمان وزمین کے بعد چاہے ۱۲ [4] ابن عباسؓ سے بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں یہ کلمات پڑھا کرتے تھے ۱۲

نیت نماز سے باہر ہونے کی کرے اور اوّل سلام میں اپنے داہنے ہاتھ کے فرشتوں اور مسلمانوں کی نیت کرے اور اسی طرح دوسرے سلام میں نیت کرے اور سلام کو تخفیف کے ساتھ کہے اور بہت کھینچے نہیں کہ سنت اس طرح ہے یہ صورت اکیلے شخص کی نماز کی ہوئی اور امام اللہ اکبر پکار کر کہے اور اکیلا اس قدر آواز سے کہے کہ آپ اپ سن لے اور امامت کی نیت کرے کہ ثواب ملے اگر نیت نہ کرے گا اور مقتدی اس کے پیچھے اقتدا کی نیت سے نماز پڑھ لیں گے تو ان کی نماز درست ہو جاوے گی اور جماعت کا ثواب سب کو ملے گا۔ اور امام شروع نماز کی دعا اور اعوذ باللہ آہستہ سے پڑھے جیسا اکیلا پڑھتا ہے اور الحمد اور سورۃ دونوں رکعتوں میں صبح کی اور پہلی رکعتوں میں مغرب اور عشاء کی پکار کر پڑھے، اور ایسا ہی حال تنہا پڑھنے والے کا ہے اور جن نمازوں میں قرارت پکار کر پڑھتے ہیں ان میں امام آمین پکار کر کہے اور مقتدی بھی امام کے ساتھ ہی پکار کر آمین کہیں اس سے پیچھے نہ کہیں اور امام الحمد کے بعد کس قدر خاموش رہے تاکہ سانس درست ہو جاوے اور مقتدی اس حالت خاموشی میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ امام جس وقت قراءت پڑھے اس وقت اس کی قرارت سنیں اور مقتدی جہری نمازوں میں سورہ نہ پڑھے مگر جس صورت میں کہ آواز امام کی نہ سنتا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور امام رکوع سے سر اٹھانے میں سمع اللہ لمن حمدہ پکار کر کہے اور مقتدی بھی یہی کہے اور امام رکوع اور سجدہ کی تسبیحیں تین سے زیادہ نہ کہے، اور نہ اوّل کی التحیات میں اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کہنے کے بعد کچھ اور زیادہ کرے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف الحمد پر اکتفا کرے اور لوگوں پر اس کو طول نہ دے، اور اخیر کی تشہد میں التحیات اور درود کے بعد دعا اتنی نہ پڑھے کہ ان دونوں چیزوں سے زیادہ ہو جائے اور امام اپنے سلام میں جس طرح قوم کی نیت کرتا ہے، مقتدی اپنے سلام میں اس کے جواب کی نیت کرے اور امام سلام کے بعد اس قدر توقف کرے کہ لوگ سلام سے فارغ ہو جاویں، پھر لوگوں کی طرف اپنا منہ پھیرے، اور اگر مردوں کی صف کے پیچھے عورتیں بھی پڑھتی ہوں تب بہتر یہ ہے کہ قبلہ رخ جما رہے تاکہ عورتیں سامنے نہ پڑھیں، اور جب امام نہ اٹھے، مقتدیوں میں سے کوئی نہ اٹھے، امام جدھر چاہے پھرے خواہ داہنے ہاتھ خواہ بائیں کو، اور میرے نزدیک داہنے طرف کو پھرنا پسند ہے اور امام صبح کی قنوت میں خاص اپنے لیے دعا مانگے بلکہ اللھم اھدنا کہے بجائے اھدنی کے اور قنوت کو پکار کر پڑھے اور مقتدی آمین کہیں، اور اپنے ہاتھ سینے کے مقابل اٹھاویں اور دعا کے ختم پر دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیں کہ اس میں ایک حدیث وارد ہے ورنہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جاویں جیسے التحیات کے بعد دعا میں نہیں اٹھاتے **منہیات** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بہت سی باتوں سے منع فرمایا ہے اوّل دونوں پاؤں کو جوڑ کر کھڑا ہونا، دوم ایک پاؤں پر زور دے کر دوسرے کو گھوڑے کی طرح ترچھا کرنا، سوم اقعا اس کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ دونوں چوتڑوں پر بیٹھ کر دونوں زانو کھڑے کرے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ دے جس طرح کتا بیٹھتا ہے، اور حدیث والوں کے نزدیک اقعا اس بیٹھک کو کہتے ہیں بجز زانو اور پاؤں کی انگلیوں کے اور کوئی عضو زمین سے نہ لگا

ح ترمذی بروایت عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ اور کہا کہ حدیث غریب ہے ۱۲ ح حاکم نے بروایت ابوہریرہؓ انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے سے ممانعت روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے بروایت علیؓ چٹکانے کی نہی روایت کی ہے ۱۲ ح حدیث ابوداؤد حاکم بروایت ابوہریرۃؓ

بخاری و مسلم بروایت ابی وقاص اور بعض صحابہؓ سے یہی مروی ہیں

ہوا ہو، چہارم[۱] سدل محدثین کا مذہب یہ ہے کہ سدل اس کو کہتے ہیں کہ اپنی چادر وغیرہ میں لپیٹ کر ہاتھ اندر کرلے، اور
رکوع اور سجدہ اسی طرح کرے ہاتھ باہر نہ نکالے، یہ فعل یہودیوں کا تھا کہ اپنی نماز میں کرتے تھے، اس لیے ان کی مشابہت سے
منع فرمایا اور کرتا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی رکوع اور سجدہ کرنے کے اندر ہاتھ کیے ہوئے کرنا نہ چاہیے اور سدل کے معنی
بعض یہ کہتے ہیں کہ چادر کو بیچ سے سر پر رکھ لے اور اس کے دونوں پلے داہنے بائیں طرف لٹکا دے بدوں آنچل مارنے
کے مگر اوّل معنی سدل کے بہتر ہیں، پنجم کف اس کی صورت یہ ہے کہ جب سجدہ کرنا چاہے اپنا کپڑا پیچھے سے یا آگے سے
اُٹھالے اور کف بالوں میں بھی ہوتا ہے یعنی چٹلا باندھ کر نماز پڑھے اور یہ منع مردوں کے لیے ہے اور حدیث شریف میں ہے
امرت[۲] ان اعبد علیٰ سبعۃ اعضاء ولا اکف شعرا ولا ثوبا اور امام احمدؒ نے تہمد کو کرتے کے اوپر باندھنا مکروہ فرمایا
ہے اور اس کو کف میں داخل سمجھا ہے۔ ششم کوکھوں پر ہاتھ رکھنا۔ ہفتم قیام میں کوکھوں پر ایسی طرح ہاتھ رکھنا کہ بازو بدن
سے علیحدہ رہیں۔ ہشتم مواصلت یعنی وصل کرنا ایک بات کا دوسری سے اس سے نہی امام کے حق میں دو چیزوں سے
ہے، ایک یہ کہ قراءت اللہ اکبر کہتے ہی شروع کر دے اور دوسرے یہ کہ رکوع کی تکبیر قراءت کے ختم ہوتے ہی کہے اور
دو سے مقتدی کو ہے ایک شروع کی تکبیر امام کی تکبیر میں ملا دینی دوم سلام امام کے ساتھ ملانا، اور ایک بات دونوں
میں مشترک ہے کہ فرض کے اوّل سلام کو دوم کے ساتھ ملانا، بلکہ دونوں کو جدا جدا کہے۔ نہم دباؤ کے ساتھ نماز پڑھنی،
اور دباؤ پیشاب کا ہو یا پاخانہ کا، دونوں سے منع وارد ہے۔ دہم موزہ پہن کر نماز پڑھنی اس طرح کی باتیں خشوع کو
مانع ہیں، اور اسی کے حکم میں ہے بھوک اور پیاس کے ساتھ نماز ادا کرنی اور بھوک کے ساتھ نماز سے نہی اس حدیث
سے سمجھی جاتی ہے اور آپؐ نے فرمایا جب[۳] رات کا کھانا آجاوے اور نماز کی تکبیر ہو تو شروع کر دو کھانا مگر اس صورت
میں کہ نماز کا وقت تنگ ہو یا آدمی دل سے مطمئن ہو اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا لا یدخل[۴] احدکم الصلوٰۃ وھو
مقطب ولا یصلین احدکم وھو غضبان اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو، وہ عذاب کی طرف جلد
پہنچاتی ہے اور ایک حدیث میں[۵] وارد ہے کہ سات چیزیں نماز کے اندر شیطان کی طرف سے ہیں نکسیر اور نیند اور وسوسہ
اور جمائی اور خارش اور ادھر اُدھر دیکھنا اور کسی چیز سے کھیلنا، اور بعضوں نے بھول اور شک کو اس میں اور زیادہ کیا ہے
اور بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ نماز کے اندر چار چیزیں ظلم ہیں، ادھر ادھر تکنا اور منہ پونچھنا اور کنکریوں کو برابر کرنا، اور
ایسے راستہ پر نماز پڑھنا کہ چلنے والے سامنے کو گذریں۔ یازدہم انگلیوں[۶] کو ایک دوسری میں ڈالنا یا چٹکانا اور دوازدہم

۱ح ترمذی وحاکم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ۲ح بخاری ومسلم بروایت انسؓ ۱۲ ۳ح مجھ کو حکم ہوا ہے سات اعضا پر سجدہ کروں، بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں ۱۲ بخاری
ومسلم بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ۴ح حاکم وبخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ۵ح ابوداؤد ونسائی بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ۶ح رزین نے ترمذی کی طرف مواصلت
سے منع کرنے کو نسبت کیا ہے ۱۲ ۷ح ابن ماجہ بروایت ابی امامہ مسلم بروایت عائشہؓ ۱۲ ۸ح رزین نے اس کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے مگر مجھ کو
نہیں ملی ۱۲ ۹ح بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ از عائشہؓ ۱۲ ۱۰ح تم میں سے کوئی نماز میں داخل نہ ہو اس وقت کہ چین بہ جبین ہو اور نہ کوئی نماز پڑھے اس
حال میں کہ غضبناک ہو۔ یہ حدیث ان الفاظ سے مجھ کو نہیں ملی ۱۲

منہ کو چھپانا۔ سیزدہم ایک ہتھیلی کو دوسری پر رکھ کر رکوع میں اپنی زانو کے اندر دے لینا۔ اور بعض صحابہؓ نے فرمایا ہے کہ ہم پہلے ایسا کیا کرتے تھے، پھر اس سے ہم کو منع کر دیا گیا۔ چہاردہم۔ سجدہ کے وقت زمین پر پھونک مارنی یا ہاتھوں سے کنکروں کو برابر کرنا کیونکہ ان افعال کی کچھ حاجت نہیں۔ پانزدہم۔ ایک قدم کو اٹھا کر ران پر رکھ لینا۔ شانزدہم۔ قیام میں دیوار سے تکیہ لگانا۔ پس اگر اس طرح تکیہ لگا دے کہ اگر سہارے کی چیز نکال لی جاوے تو گر پڑے تو ظاہر یہ ہے کہ نماز جاتی رہے گی واللہ اعلم فرائض اور سنتوں کی تمیز جو افعال کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس باب فرض بھی ہیں اور سنتیں بھی اور مستحبات اور اولیٰ چیزیں ہیں تا کہ طریقِ آخرت کا چلنے والا ان سب کی رعایت کرے، اب سب کو ہم جدا جدا کہے دیتے ہیں کہ ان اعمال میں سے بارہ باتیں فرض ہیں، اوّل نیت، دوسری اللہ اکبر کہنا، تیسری کھڑا ہونا، چوتھی الحمد پڑھنا، پانچویں رکوع میں جھکنا اس طرح کہ ہتھیلیاں زانو پر اطمینان کے ساتھ لگ جاویں، چھٹی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا، ساتویں اطمینان کے ساتھ سجدہ کرنا اور اس میں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا واجب نہیں، آٹھویں سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھنا، نویں دوسرا قعدہ، دسویں اخیر تشہد پڑھنا، گیارہویں اخیر تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا، بارہویں اوّل سلام پھیرنا اور نماز سے باہر آنے کی نیت واجب نہیں، اور جو باتیں کہ ان بارہ کے سوا ہیں، وہ واجب نہیں بلکہ سنت اور مستحبات ہیں، افعال میں چار باتیں سنت ہیں اوّل تکبیر احرام میں ہاتھوں کا اٹھانا، دوم رکوع کی تکبیریں، سوم قومہ کی تکبیر میں ان کا اٹھانا، چہارم تشہد اوّل کے لیے بیٹھنا، باقی اور تین جیسے انگلیوں کو پھیلانا اور رفع یدین کی حد وغیرہ یہ باتیں رفع یدین کی تابع ہیں اور سُرین پر بیٹھنا اور پاؤں کا بچھانا جلسہ کے تابع ہیں اور سر جھکانا اور التفات نہ کرنا قیام کے تابع ہے اور صورت کو اچھا کرے اور جلسۂ استراحت کو ہم نے افعال کی سنتوں میں شمار نہیں کیا اس لیے کہ یہ دونوں گویا سجدہ سے قیام کے لیے اٹھنے کی خوبی میں داخل ہیں، خود اپنی ذات سے مقصود نہیں اور اسی وجہ سے ان کا ذکر بھی جداگانہ نہیں کیا گیا ہے اور ذکر میں سنتیں یہ ہیں، اوّل شروع کی دعا، دوم اعوذ باللہ پڑھنا، سوم آمین کہنا کہ سنت مؤکدہ ہے، چہارم قرأت سورت کی۔ پنجم ایک رکن سے دوسرے میں جانے کے لیے اللہ اکبر کہنا، ششم رکوع اور سجدہ میں تسبیحیں کہنی اور قومہ میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنا، ہفتم اوّل التحیات اور اس میں درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھنا، ہشتم دعا پچھلے تشہد کے آخر میں نہم دوسرا سلام پھیرنا، اور ان چیزوں کو اگرچہ ہم نے سنت میں داخل کر کے لکھا ہے مگر ان کے درجات جدا جدا ہیں کیونکہ ان میں سے چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا تدارک سجدہ سہو سے ہوتا ہے اور افعال کی سنتوں میں صرف ایک ہی چیز کا جبر سجدہ سہو سے ہوتا ہے یعنی پہلا جلسہ اوّل تشہد کے واسطے اس لیے کہ وہ جلسہ نماز کے انتظام کی ترتیب میں تاثیر رکھتا ہے کہ دیکھنے والے پاس سے یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ دو رکعتیں ہیں یا زائد بخلاف رفع یدین کے کہ اس کو انتظام کے تبدیل میں کچھ تاثیر نہیں اسی لیے اس کو بعض اور اجزاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ اجزا کا جبر سجدہ سہو سے کیا جاتا ہے مگر ذکروں میں سے بجز تین ذکروں کے اور کوئی سجدہ سہو کا مقتضی نہیں اور وہ تینوں قنوعات اور پہلا تشہد اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے بخلاف تکبیروں رکوع و سجدہ اور ان کی تسبیحات کے اور قومہ اور جلسہ کے ذکر کے اس لیے رکوع اور سجدہ کی صورت ہی ایسی ہے کہ عادت کے خلاف ہے تو اگر ان دونوں میں چپ رہے گا

تب بھی مقصود عبادت ان کی صورت سے ظاہر ہے اس لیے معلوم ہُوا کہ ان کے درمیان میں ذکر کا نہ ہونا عبادت کی ہیئت کو نہیں بدلتا اور پہلے التحیات کے لیے بیٹھنا ایک فعل عادت کا ہے اس کو جو نماز میں بڑھایا ہے تو صرف تشہد کے لیے زیادہ کیا ہے اگر تشہد اس میں نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ صورتِ عبادت نہ رہے گی اور دعائے استفتاح اور سورت کا چھوڑنا بھی صورت کے بدلنے میں مؤثر نہیں کیونکہ قیام اگرچہ فعل عادت کے مطابق ہے مگر الحمد کے اس میں پڑھنے سے عادت سے علیحدہ ہو گیا اسی طرح اخیر تشہد میں کی دعا اور قنوت کا جبر سجدہ سہو سے کرنا بعید معلوم ہوتا ہے مگر صبح کی نماز میں قیام کا طول اسی قنوت کے سبب سے مشروع ہے تو اس کا حال ایسا ہوا جیسے جلسۂ استراحت کہ وہ بھی بڑھانے اور التحیات اس میں پڑھنے سے پہلے تشہد کے لیے جلسہ ہو گیا ہے پس اگر قنوت نہ پڑھا جاوے تو قیام لمبا عادت کے موافق رہ جاوے گا جس میں کوئی ذکر واجب نہیں، اور لمبے قیام کی قید اس لیے لگادی کہ صبح کے سوا اور نماز میں اس میں داخل نہ ہوں اور ذکر واجب سے خالی ہونے کی قید اس لیے ہے کہ نماز کے اندر اصل قیام سے احتراز ہو جاوے۔ اب اگر یہ کہو کہ سنتوں کا فرق فرضوں سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ فرض اس کو کہتے ہیں جس کے جاتے رہنے سے نماز کی درستی بھی جاتی رہے اور سنت کے جانے سے صحت فوت نہیں ہوتی، یا یہ کہ فرض کے چھوڑنے پر عذاب ہوتا ہے اور سنت پر نہیں ہوتا مگر سنتوں کے آپس میں جدا ہونے اور کم و زیادہ ہونے سے کیا مراد ہے، سب سنتوں کا امر استحباب کے طور پر ہے اور کسی کے ترک سے عذاب نہیں ہے اور کرنے پر سب کے ثواب ہوتا ہے تو پھر فرق کیا ہوا پس اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ثواب اور عذاب اور استحباب میں سب سنتیں مشترک ہیں تو اس سے ان میں فرق دُور نہ ہوگا، اور ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کیے دیتے ہیں اور یہ ہے کہ انسان کو جو موجود اور کامل کہتے ہیں تو دو ہی وجہ سے کہتے ہیں ایک امر باطن کی جہت سے، دوم اعضائے ظاہر کی جہت سے، امر باطن تو حیات و روح ہے اور ظاہر کے اعضا معلوم ہی ہیں اور ان اعضا میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے انسان نیست ہو جاتا ہے جیسے دل اور جگر اور دماغ اور دوسرے اعضا جن کے عدم سے حیات جاتی رہتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے زندگی تو نہیں جاتی مگر زندگی کے مقصود فوت ہو جاتے ہیں جیسے آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور بعض اعضا ایسے ہیں کہ ان سے نہ زندگی فوت ہو نہ اس کے مقاصد، مگر ان کے نہ ہونے سے خوبصورتی جاتی رہتی ہے جیسے بھویں اور داڑھی اور رنگ کی خوبی، اور بعض ایسے ہیں کہ ان سے اصل خوبصورتی نہیں جاتی مگر کمال خوبی کا جاتا رہتا ہے جیسے بھوؤں کا خم دار ہونا اور داڑھی اور پلکوں کا سیاہ ہونا اور اعضاء کا تناسب ہونا اور رنگ کا سرخ و سفید ہونا، غرض کہ یہ درجات جدا جدا ہیں اسی طرح عبادت بھی ایک صورت ہے کہ شریعت نے اس کو بنایا ہے اور اس صورت کا حاصل کرنا ہمارے لیے عبادت مقرر ہوا ہے اس صورت کی روح اور حیات باطنی تو خشوع اور نیت دل کا حاضر ہونا اور اخلاص ہے جیسا کہ آگے لکھا جاوے گا۔ اب اس جگہ اس کے اجزائے ظاہری کا ذکر کرتے ہیں پس رکوع اور سجدہ اور قیام اور دوسرے فرائض بمنزلہ دل اور سر اور جگر کے ہیں اور ان کے نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی۔ اور سنتیں جو ہم نے لکھی ہیں یعنی رفع یدین اور شروع کی دعا اور تشہد اول بمنزلہ دونوں ہاتھوں اور آنکھوں اور پاؤں کے ہیں اور ان کے نہ ہونے سے صحت تو نہیں جاتی جیسے ان اعضاء کے نہ ہونے سے زندگی نہیں جاتی بلکہ آدمی بُری صورت کا ہو جاتا ہے لوگوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے اسی طرح جو شخص نماز میں اسی قدر پر اکتفا

کرے کہ نماز درست ہو جاوے اور سنتوں کو بجا نہ لاوے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس ایک غلام تحفہ بھیجے کہ زندہ تو ہو، مگر ہاتھ پاؤں کٹے ہوں اور استحباب جو سنتوں سے کم درجہ کے ہیں بمنزلہ حسن کے لوازم کے ہیں جیسے بھویں اور داڑھی اور پلکیں اور رنگ کی خوبی بدن میں ہیں اور لطائف آداب یعنی ذکر وغیرہ جو ان سنتوں میں ہیں وہ حسن کے مکمل ہیں جیسے ابرو کا خمدار ہونا اور داڑھی کا گول ہونا وغیرہ ہیں، حاصل یہ کہ نماز تیرے پاس ایک ذریعۂ قرب اور تحفہ ہے جس سے تو حضرت شاہنشاہ حقیقی کی جناب میں تقرب حاصل کرتا ہے جیسے کوئی شخص بادشاہِ دنیا کی قربت کی طلب کے لیے غلام اس کی بارگاہ میں تحفہ بھیجتا ہے۔ اور یہ تیرا تحفہ اللہ عزوجل کے حضور میں پیش ہو کر بڑی پیشی کے دن پھر تجھے ملتا ہے اب تجھے اختیار ہے چاہے اس کی صورت اچھی بنا خواہ بری، اگر اچھی بناوے گا تو اپنے واسطے، اگر بری بناوے گا تو اپنے واسطے۔ اور تجھ کو یہ نہ چاہیئے کہ فقہ کی مہارت میں سے اسی پر بس کرے کہ فرض اور سنت کے درمیان فرق معلوم کرے اور سنت کو سمجھے کہ اس کا نہ کرنا جائز ہے اور اس خیال سے اس کو چھوڑ دے کیونکہ اگر ایسا کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی طبیب کہے کہ آنکھ پھوڑ دینے سے آدمی کا وجود نہیں جاتا مگر آدمی کو اگر کوئی شخص ہدیہ کے طور پر بادشاہ کے یہاں پیش کر کے متوقع تقرب کا ہو تو یہ بات تو آنکھ کے جانے سے جاتی رہی، یہی حال سنتوں کا اور مستحبات کے فوت ہونے کا سمجھنا چاہیئے کہ جو نماز کہ آدمی اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے گا تو اس کی اوّل دشمن وہی ہوگی اور کہے گی کہ خدا تعالیٰ تجھے برباد کرے جیسا تو نے مجھے برباد کیا، چنانچہ نماز کے ارکان پورا کرنے کے باب میں ہم احادیث لکھ آئے ہیں، ان کو دیکھو تاکہ ان باتوں کی وقعت تم کو معلوم ہو۔

تیسری فصل نماز کی دِل سے متعلق شرائط

اس فصل میں ہم اوّل نماز کا وابستہ ہونا خشوع اور حضورِ دل کے ساتھ ذکر کریں گے پھر امور باطنی جن سے نماز کامل ہوتی ہے اور ان کے حدود اور اسباب اور تدبیرات کو لکھیں گے پھر ان امور کی تفصیل کریں گے جو ہر رکن میں نماز کے رکنوں میں سے موجود ہونے چاہیئیں تاکہ نماز توشۂ آخرت ہو جاوے، نظر بریں اس فصل میں چار بیان ہیں۔

ذیلی فصل ۱: خشوع اور حضوریٔ قلب کی شرائط

واضح ہو کہ اسبات کی دلیلیں بہت ہیں، نماز کے اندر خشوع اور حضورِ دل شرط ہے، چنانچہ ایک دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے اقم الصلوٰۃ لذکری[1] الفاظ امر سے بظاہر وجوب سمجھا جاتا ہے یعنی حضورِ دل کا ہونا واجب ہے اور غفلتِ ذکر ضد ہے تو جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے وہ نماز کا برپا رکھنے والا خدا تعالیٰ کی یاد پر کیسے ہوگا اور ایک جا ارشاد فرمایا ولا تکن من الغافلین[2] اس میں نہی کا صیغہ ہے جو بظاہر غفلت کی حرمت پر دلالت کرتا ہے اور فرمایا حتّٰی تعلموا[3]

---

[1] برپا رکھ نماز میری یاد کو ۱۲ [2] اور مت ہو غافلوں سے ۱۲ [3] جب تک سمجھو جو کہتے ہو ۱۲

ما تقولون اس میں نشہ والے کو نماز سے منع کرنے کی علت ہے اور یہ علت اس شخص کو بھی عام ہے جو وسوسوں میں مستغرق اور دنیاوی فکروں میں ڈوبا ہوا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱] انما الصلوٰۃ تمکن و تواضع اس حدیث میں صلوٰۃ پر الف ولام کے داخل ہونے اور کلمہ انما سے شروع ہونے سے جو تحقیق مابعد اور محو غیر کے لیے آتا ہے حصر ثابت ہے۔ یعنی نماز وہی ہے جس میں مسکنت اور تواضع ہو، چنانچہ فقہاء نے[ح۲] انما الشفعۃ فیمالم تقسم سے بھی حصر اور اثبات اور نفی سمجھا ہے اور فرمایا کہ جس شخص کو اس کی نماز برائی اور فحش سے باز نہ رکھے تو وہ نماز اس کو خدائے تعالیٰ سے دوری ہی بڑھا دے گی، اور ظاہر ہے کہ غافل کی نماز فحش اور برائی سے مانع نہیں اور فرمایا کہ[ح۳] بہت کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ ان کی نماز سے ان کو حصہ صرف رنج اور مشقت ہی ہے بجز غافلوں کے اور کوئی لوگ مراد نہیں، اور فرمایا کہ[ح۴] بندہ کے لیے اس کی نماز میں سے اسی قدر ہے جس قدر کو وہ سمجھے اسبات میں تحقیق یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے رب سے مناجات کرتا ہے چنانچہ حدیث[ح۵] میں یہ مضمون آگیا ہے اور جو کلام غفلت کے ساتھ ہو، وہ یقیناً مناجات نہ ہوگی، اور اس کا بیان یہ ہے کہ زکوٰۃ سے اگر بالفرض آدمی غافل ہوجائے تو وہ بذاتِ خود شہوت کے مخالف اور نفس پر سخت ہے، اسی طرح روزہ قوتوں کو دبانے والا اور اس خواہشِ نفس کا توڑنے والا ہے جو دشمنِ خدا ابلیس کا آلہ ہے تو کچھ بعید نہیں کہ روزہ سے اگر غفلت بھی ہوتا ہم اس کا مقصود حاصل ہوجاوے اور یہی حال حج کا ہے اور اس کے افعال شاق اور سخت ہیں اور ان میں اتنی محنت ہے کہ جن سے امتحان حاصل ہوجاتا ہے خواہ افعال کے ساتھ دل حاضر ہو یا نہ ہو لیکن نماز میں بجز ذکر جو خدائے تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے، اس سے خطاب اور ہمکلامی مقصود ہے یا فقط حروف و آواز کا نکالنا زبان کے عمل کے امتحان کے طور پر منظور ہے جیسے معدہ اور شرمگاہ کا امتحان روزہ میں روکنے سے کیا جاتا ہے اور بدن کا امتحان حج کی مشقتیں اٹھانے سے، اور دل کا امتحان زکوٰۃ نکالنے اور مال محبوب کو جدا کرنے کی مشقت سے ہوتا ہے اور اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ذکر سے یہ مقصود ہوتا کہ زبان سے حروف و آواز کا امتحان ہو، باطل ہے اس لیے کہ غافل پر بذیان سے زبان کا ہلانا نہایت سہل ہے پس عمل ہونے کے اعتبار سے ذکر میں کچھ امتحان نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ذکر نطق ہے اور اسی صورت میں ہوگا کہ مافی الضمیر کو ظاہر کرے اور مافی الضمیر کو ظاہر کرنا بدون حضور دل کے حاصل نہیں ہوتا مثلاً اگر دل غافل ہو اور اھدنا[ت] الصراط المستقیم زبان سے جاری کیا تو اس سے کیا حاصل ہوگا، پس جس صورت میں ذکر سے فروتنی اور دعا کا ہونا مقصود نہ ہو تو غفلت کے ساتھ زبان ہلانے میں کونسی دقت پڑے گی خصوصاً عادت پڑنے کے بعد تو کچھ بھی دشواری نہ ہوگی، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی قسم کھاوے اور کہے کہ میں فلاں شخص کا شکر کروں گا اور اس کی تعریف کروں گا اور اس سے ایک حاجت کا سوال کروں گا، پھر یہ باتیں جن پر قسم

[ح۱] ترمذی بروایت فضل بن عباس رض ۱۲ [ح۲] شفعہ انہیں چیزوں میں ہے جو تقسیم نہ ہوں یعنی غیر منقول ہوں ۱۲ [ح۳] اس کی سند پہلی فصل میں گزری ۱۲

[ح۴] نسائی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رض ۱۲ [ح۵] یہ حدیث مرفوع مجھ کو نہیں ملی ابن مبارک نے اسی کے قریب البتہ کتاب الزہد میں روایت کی ہے ۱۲

[ح۶] بخاری و مسلم بروایت انس رض ۱۲ [ت] دکھا ہم کو راہ سیدھی ۱۲

کھائی ہے خواب میں اس کی زبان پر جاری ہو جاویں تو وہ اپنی قسم میں سچا نہ ہوگا، اور اگر بالفرض یہ الفاظ اس کی زبان پر اندھیرے میں جاری ہوں اور وہ شخص بھی موجود ہو، مگر کہنے والے کو اس کا ہونا معلوم نہ ہو اور نہ اس کو دیکھتا ہو تب بھی قسم میں سچا نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا کلام اس شخص سے نہیں ہوگا اور نہ اپنے دل کی بات اس کے ساتھ کرے گا جب تک کہ وہ اس کے دل میں حاضر نہ ہوگا۔ پس اگر اسی طرح دن کی روشنی میں یہ کلمات اس کی زبان پر جاری ہوں مگر یہ شخص کسی فکر میں ڈوبا ہوا ہونے کی جہت سے ان کلمات سے غافل ہو اور اس کا ارادہ ان کلمات کے بولنے کے وقت اس شخص سے خطاب کرنے کا نہ ہو تب بھی اپنی قسم میں سچا نہ ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قرائت اور ذکر سے مقصود خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے سامنے تضرع اور دعا ہے اور جس سے خطاب چاہیے وہ ذات پاک جل جلالہ کی ہے، تو جس صورت میں کہ حجاب غفلت دل پر پڑا ہوگا اور اپنے مخاطب کو نہ دیکھتا ہوگا نہ اس کے سامنے ہوگا تو ضروری ہے کہ مخاطب سے غافل ہوگا اور عادت کی وجہ سے اس کی زبان چلتی ہوگی، پس ظاہر ہے کہ ایسا شخص نماز کے مقصود یعنی دل کی جلا اور ذکر الٰہی کی تجدید عقد ایمان کے پختہ ہونے سے بہت دور ہوگا۔ یہ حکم قرائت اور ذکر کا ہے، غرض کہ نطق میں اس خاصیت کے انکار کرنے کی اور اس کو فعل سے جدا کر دینے کی کوئی سبیل نہیں، اور رکوع اور سجدہ سے یقیناً تعظیم مقصود ہے۔ اور اگر یہ بات درست ہو کہ آدمی اپنے فعل سے خدائے تعالیٰ کی تعظیم سے غافل ہو یا کسی دیوار کی تعظیم کرے جو اس کے سامنے ہے اور اس کو اس سے غفلت ہو، اور جب رکوع اور سجدہ تعظیمی سے خالی ہوں تو صرف پشت اور سر کی حرکت رہ گئی اور اس میں کچھ اتنی دشواری نہیں جس سے امتحان مقصود ہو، یا اس کو دین کا رکن کہا جاوے اور کفر اور اسلام کا فرق قرار دیا جاوے اور حج اور تمام عبادات سے مقدم کی جاوے اور خاص اسی کے چھوڑنے سے قتل واجب ہو اور ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ تمام عظمت نماز کے اندر صرف اس کے اعمالِ ظاہری کی جہت سے ہو، ہاں اگر مناجات کا مقصود اس پر زائد کیا جاوے تو یہ ایسا امر ہے کہ روزہ اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ سے بڑھ کر ہے بلکہ اضحیہ اور قربانی جو خدائے تعالیٰ نے نقصانِ مال کا مجاہدہ نفس کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اس کے باب میں ارشاد ہے [1] لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم اس میں تقوٰی سے وہ صفت مراد ہے جو دل کے اوپر غالب ہو کر اس کو امتثال امر کا موجب ہووے اور وہی مطلوب ہے تو نماز میں وہ کیسے نہ ہوگی، اس کے افعال سے تو کچھ غرض ہی نہیں تو معنی کی رو سے یہ روایتیں حضورِ دل کے شرط ہونے پر دال ہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ تم نے جو حضورِ دل کو نماز کی صحت میں شرط کر دیا اور بد دل اس کے نماز کے باطل ہونے کا حکم دیا تو اس میں تم نے سب فقہاء کے خلاف کیا کہ انہوں نے حضورِ دل کو نماز کی صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت شرط کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب العلم میں پہلے گزر چکا ہے کہ فقہاء باطن میں تصرف نہیں کرتے اور نہ دل چیر کر باطن کا احوال جانیں اور نہ طریق آخرت میں تصرف کریں، بلکہ ظاہر دین کے احکام کو اعضاء کے ظاہر احوال پر بنا کرتے ہیں اور ظاہر اعمال قتل کے ساقط ہونے اور سلطان کے یہاں کی سزا سے محفوظ رہنے کو کافی ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ اعمال آخرت میں کارآمد ہوں تو یہ امر فقہ

[1] اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور نہ خون، لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب ۱۲ ح ابوداؤد اور نسائی ۱۲

کے حدود سے باہر ہے، علاوہ ازیں بدوں حضورِ دل کے اعمال کے کامل ہوجانے پر اجماع کا دعوٰی نہیں ہوسکتا، دیکھو بشر بن حارث سے منقول ہے اس روایت میں کہ ابوطالب مکیؒ نے سفیان ثوریؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص خشوع نہ کرے اس کی نماز فاسد ہے اور ایک روایت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ عذاب کی طرف جلد جاتی ہے اور حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جو شخص نماز میں ہو، اور قصداً یہ پہچانے کہ اس کے داہنے اور بائیں کون ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس میں سے اس کے لیے چھٹا حصہ اور دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جاتا، صرف اس قدر لکھا جاتا ہے جس قدر اس میں سے سمجھتا ہے اور یہ امر اگر کسی امام سے منقول ہوتا تو مذہب ٹھہرا لیا جاتا، تو اب اس پر تمسک کیسے کیا جاوے۔ اور عبدالواحد بن زید نے فرمایا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے اس بات پر کہ بندے کو اس کی نماز میں سے اسی قدر ملے گا جس قدر کہ اس نے اس میں سے سمجھا ہے، انہوں نے حضورِ دل پر اجماع ہی ٹھہرا دیا اور اس قسم کی باتیں جو پرہیزگار فقہاء اور علمائے آخرت سے منقول ہیں، وہ خارج از شمار ہیں، اور حق یہی ہے کہ شرعی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور اخبار اور آثار سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ دل شرط ہے لیکن فتوٰی کا مقام احکامِ ظاہری میں خلق کے تصور کے موافق ٹھہرا لیا جاتا ہے، اس لحاظ سے ممکن نہیں کہ آدمیوں پر تمام نماز میں دل کا حاضر ہونا شرط کر دیا جاوے اس لیے کہ اس کے بجز نہایت تھوڑے لوگوں کے تمام آدمی عاجز ہیں، اور جبکہ نماز میں شرط کرنا ممکن نہ ہوا تو چار ناچار اس کو ایسی طرح شرط کرنا پڑا کہ ایک ہی لحظہ کو نفظ حضورِ دل اس پر صادق آوے اور سب لحظوں کی نسبت کہ اللہ اکبر کہنے کا لحظہ اس شرط کے لیے انسب تھا اسی لیے حکم دینے میں اسی قدر حضورِ دل پر اکتفا کیا، اور باوجود اس کے ہم کو توقع ہے کہ جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے اس کا حال اس شخص کا سا نہ ہوگا جو بالکل نماز ہی نہ پڑھے اس لیے کہ غافل نے کچھ تو فعل پر ظاہر میں اقدام کیا اور دل کو ایک لحظہ حاضر کیا اور یہ کیسے نہ ہوگا حالانکہ جو شخص بے وضو بھولے سے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز خدائے تعالیٰ کے نزدیک باطل ہے مگر اس کو کسی قدر ثواب موافق اس کے فعل اور عذر کے ہوگا لیکن اس توقع کے ساتھ یہ بھی خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں غافل کا حال تارکِ نماز کی نسبت کہ برا نہ ہو کیونکہ جو شخص خدمت کو حاضر ہو کر حضور میں سستی کرے، اور کلام غافلوں اور حقارت کرنے والوں کے سے منہ سے نکالے، اس کا حال اس شخص کی نسبت کہ برا ہوگا جو خدمت ہی نہ کرے اور جب کہ اسباب خوف و رجا کے ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور معاملہ فی نفسہٖ خطرناک ہے تو اب تم کو اس کے بعد احتیاط کرنے خواہ سستی برتنے میں اختیار ہے اور باوجود اس کے فقہاء جو نماز کی درستی کا حکم غفلت کے ہوتے ہوئے دیتے ہیں، ان کے خلاف حکم نہیں دے سکتے اس لیے کہ مفتی کو یہ حکم مجبوری دینا ہی پڑتا ہے جیسے پہلے مذکور ہوا اور جو شخص کہ نماز کے بھید سے واقف ہوا اس کو معلوم ہو جاوے کہ غفلت نماز کو مضر ہے مگر چونکہ ہم باب قواعد العقائد میں علمِ باطن اور ظاہر کے فرق کے بیان میں لکھ آئے ہیں کہ اسرارِ شریعت میں سے جو منکشف ہوتے ہیں ان کی تصریح کا مانع ایک یہ ہے کہ خلق ان کے فہم سے قاصر ہے، لہٰذا ہم اس بحث سے اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں کہ اس قدر بھی طالبِ آخرت کے لیے کافی ہے، اور جو شخص جدل کرنے والا غوغائی ہے اس سے اب ہم کلام کرنا نہیں چاہتے۔ اور حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ حضورِ دل نماز کی روح ہے اور کم سے کم مقدار جس سے یہ روح باقی رہے، اللہ اکبر کہنے کے وقت حضورِ دل کا ہونا ہے اور اس قدر سے اگر کم ہوگا تو صورت تباہی ہے اور جس قدر اس

سے زیادہ حضور دل ہوگا، اسی قدر روح نماز کے اجزا میں پھیلے گی، اور جو زندہ ایسا ہو کہ اس کو حرکت نہ ہو، وہ مردہ کے قریب ہے۔ پس جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے، صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت حضور دل ہوا، اس کی نماز ایسے ہے جیسے زندہ کی مثال ہے، جس میں حرکت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ غفلت کرنے اور حضور دل میسر ہونے میں ہماری اچھی طرح مدد فرمائے۔

ذیلی فصل ۲ باطنی امور جو تکمیل نماز کا ذریعہ ہیں

واضح ہو کہ ان امور کے لیئے بہت سے الفاظ ہیں مگر چھ لفظ ان سب کو جمع کرتے ہیں جن کی تفصیل مع اسباب اور علاج کے ہم آگے لکھتے ہیں، ان میں سے اول حضور دل ہے اور اس سے ہماری یہ غرض ہے کہ جس کام کو آدمی کر رہا ہے اور جس کلام کو بول رہا ہے اس کے سوا دوسری چیزوں سے دل فارغ ہو۔ یعنی دل کو فعل اور قول دونوں کا علم ہو۔ اور دونوں کے سوا اور کسی چیز میں فکر جولانی نہ کرتی ہو۔ اور جب کہ آدمی کی فکر جس کام میں وہ لگا ہوا ہے اس سے دوسری طرف نہ جاوے اور اس کام کی یاد دل میں ہو اور اس کی کسی چیز سے غفلت نہ ہو تو حضورِ دل حاصل ہے۔ دوسری بات فہم ہے یعنی کلام کے معنی کو سمجھنا، اور یہ حضور دل کے سوا دوسری بات ہے اس لیے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دل لفظوں کے ساتھ حاضر ہوتا ہے ان کے معنوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوتا تو ہمارا مقصود فہم سے دل میں معنی لفظ کا علم ہونا اور اس مقام میں لوگ مختلف ہوتے ہیں کیونکہ معنی قرآن اور تسبیحات کے سمجھنے میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے، اور بہت سے لطیف معانی ایسے ہوتے ہیں کہ نمازی عین نماز میں ان کو سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے دل میں پہلے کبھی نہ گزرے تھے اور اسی وجہ سے نماز فحش اور برائی سے منع کرتی ہے یعنی ایسی باتیں سوجھاتی ہے کہ وہ برائی سے خواہ مخواہ مانع ہوں۔ تیسری بات تعظیم ہے جو حضور دل اور فہم کے علاوہ ہے، کیونکہ آدمی اپنے غلام سے کوئی کلام کرتا ہے اور دل بھی اس کا حاضر ہوتا ہے اور معنی اپنے کلام کے سمجھتا ہے مگر غلام کی تعظیم نہیں کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ تعظیم حضورِ دل اور فہم سے بڑھ کر ہے، چوتھی ہیبت یہ تعظیم سے بھی بڑھ کر ہے، بلکہ ہیبت اس خوف کو کہتے ہیں جس کا منشا تعظیم ہو۔ کیونکہ جس کو بالکل خوف نہ ہو اس کو ہیبت زدہ نہیں کہتے اور نہ بچھو سے اور غلام کی بد خلقی اور دوسری ایسی ادنیٰ چیزوں سے ڈرنے کو ہیبت کہتے ہیں بڑے بادشاہ سے خوف کرنے کو ہیبت کہتے ہیں غرضیکہ ہیبت وہ خوف ہے جو اجلال اور تعظیم کی جہت سے پیدا ہو۔ پانچویں رجا، اس میں کچھ شک نہیں، ان پہلی باتوں کے علاوہ ہے۔ بہت ایسے لوگ ہیں کہ کسی بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں، اس کے دبدبے سے ڈرتے ہیں مگر ان سے توقع کچھ نہیں رکھتے۔ اور بندے کو چاہیئے کہ اپنی نماز سے خدائے تعالیٰ کے ثواب کی توقع رکھے جیسے کہ گناہ سے اس کے عذاب کا خوف کرتا ہے۔ چھٹی حیا، یہ ان پانچوں سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ اس کا منشا اپنی خطا پر واقف ہونا اور اپنے قصور کا وہم گذرنا ہے تو تعظیم اور خوف اور رجا ایسے ہو سکتے ہیں جن میں حیا نہ ہو اگر تقصیر کا وہم اور گناہ کے ارتکاب کا خیال نہ ہو تو ظاہر ہے کہ حیا نہ ہوگی۔ الغرض کہ ان چھپوں باتوں سے نماز کی روح پوری ہوتی ہے، اب ان کے اسباب کو جدا جدا سنو کہ حضورِ دل کا سبب ہمت ہوتی ہے اس لیئے کہ آدمی کا دل اس کی ہمت کا تابع ہوتا ہے اور ہمت ہم سے مشتق ہے جس کے معنی فکر کے ہیں، تو جو بات آدمی کو فکر میں ڈالتی

ہے اس میں دل حاضر ہوتا ہے اور یہ بات آدمی کی سرشت میں ہے کہ فکر والے کام میں دل خواہ مخواہ حاضر رہتا ہے، اور نماز میں اگر دل حاضر نہ ہو تو بے کار نہ رہے گا، بلکہ دنیا کے امور میں سے جس بات میں آدمی کی ہمت یعنی فکر مصروف ہوگی اسی میں دل موجود ہوگا، پس نماز میں دل کے حاضر کرنے کا کوئی حیلہ اور علاج نہیں بجز اس کے کہ ہمت کو نماز کی طرف پھرا جاوے اور ہمت نماز کی طرف نہ پھرے گی جب تک یہ ظاہر نہ ہو جاوے کہ غرض مطلوب اسی سے متعلق ہے یعنی اسباب کا یقین اور تصدیق کرنا کہ آخرت بہتر اور پائیدار اور غرض مطلوب ہے اور نماز اس مطلوب کے حصول کا ذریعہ ہے، پس جب اسباب کو دنیا اور اس کے مہمات کے حقیر جاننے کے ساتھ ملاؤ تو ان دونوں کے مجموعہ سے نماز میں حضورِ دل حاصل ہوگا۔ اور جب تم کسی حاکم کے پاس جاتے ہو جو تمہارا نہ نفع کر سکے نہ ضرر، تو اس وقت اس جیسی بات سوچنے سے دل حاضر ہو جاتا ہے تو اگر شاہنشاہِ حقیقی کی مناجات کے وقت، جس کے قبضۂ قدرت میں ملک اور ملکوت اور نفع اور نقصان ہے تمہارا دل حاضر نہ ہوتا ہو تو اس کا سبب بجز اپنے ایمان کے ضعیف ہونے کے اور کچھ مت گمان کرنا۔ اور اس صورت میں تم کو اپنے ایمان کے قوی کرنے میں کوشش کرنی چاہیے، اور اس کا طریق کامل طور پر دوسری جگہ بیان کیا جاوے گا۔ اور فہم کا سبب بعد حضورِ دل کے فکر کا دائم رکھنا، اور ذہن کو معنی کے ادراک کی طرف پھیرنا ہے، اور اس کی تدبیر وہی ہے جو دل کے حاضر ہونے کی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہو کہ فکر پہ متوجہ ہونا اور جو وسوسے کہ مشغول کر دیں ان کے دور کرنے کے لیے مستعد رہنا چاہیے، اور اس قسم کے وسوسوں کے دفع کرنے کا علاج یہ ہے کہ ان کا مواد سب منقطع کر دے یعنی جن چیزوں کی طرف وسوسے دوڑتے ہوں، ان میں سے کوئی اپنے پاس نہ رکھے، اور جب تک یہ مواد نہ دور ہوگا، تب تک وسوسے نہ جاویں گے کیونکہ جو شخص کسی چیز کو چاہتا ہے، اس کا ذکر بہت کرتا ہے، اس لیے محبوب چیز کا ذکر یقیناً دل پر ہجوم کرتا ہے اور اس وجہ سے دیکھتے ہو کہ جو شخص غیر اللہ سے محبت رکھتا ہے اس کی کوئی نماز وسوسوں سے صاف نہیں ہوتی اور تعظیم دو چیزوں کے جاننے کے سبب سے دل میں پیدا ہوتی ہے اول خدائے تعالیٰ کے جلال وعظمت کا پہچاننا جو اصل ایمان ہے کیونکہ جو شخص معتقد اس کی عظمت کا نہ ہوگا اس کا نفس اس کی عظمت کے سامنے نہ دبے گا، دوم نفس کی حقارت اور خست کو سمجھنا اور اس کو بندہ مسخر مملوک سمجھنا، ان دونوں باتوں کے جاننے سے فروتنی اور انکسار اور اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کرنا پیدا ہوتا ہے جس کو تعظیم کہتے ہیں اور جب تک کہ نفس کی حقارت کی معرفت خدائے تعالیٰ کے جلال کی معرفت سے نہیں ملتی تب تک تعظیم اور خشوع کی حالت منتظم نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص غیر سے مستغنی اور اپنے نفس پر مامون ہو ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی صفت جان لے مگر خشوع اس کو نہ ہوا اس وجہ سے کہ دوسری بات یعنی نفس کی حقارت اور اس کا محتاج ہونا اس کے علم کا ضمیمہ نہیں ہوا اور ہیبت اور خوف نفس کی حالت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور سطوت اور اس کی خواہش کے نافذ ہونے اور کم پروا کرنے کو جاننے سے پیدا ہوتی ہے یعنی یوں سمجھنے سے کہ اگر خدائے تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو سب کو ہلاک کر دے تو اس کے ملک میں سے ایک ذرہ کم نہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی وہ باتیں دیکھے جو انبیاء اور اولیاء پر مصیبتیں اور طرح طرح کی بلائیں آئیں باوجودیکہ ان کے دور کرنے پر قادر ہیں اور زمین کے سلاطین کا حال اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے غرضکہ جتنا اللہ تعالیٰ کا علم آدمی کو زائد

ہو گا اتنا ہی خوف اور ہیبت زیادہ ہو گی۔ اور جلد چہارم منجیات میں عنقریب باب خوف میں اس کے سبب مذکور ہوں گے اور رجا کا سبب یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کے لطف و کرم اور انعام عمیم اور صفت کے لطائف کو پہچانے اور نماز کے باعث جو اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کو سچا جانے، پس جب وعدہ پر یقین اور اس کے لطف کی معرفت حاصل ہو گی تو ان دونوں کے مجموعہ سے بیشک رجا پیدا ہوتی ہے کہ عبادت میں اپنے آپ کو قصوروار سمجھے اور جانے کہ خدائے تعالیٰ کا جتنا حق ہے اس کی بجاآوری سے میں عاجز ہوں، اور اس بات کو اپنے نفس کے عیب اور اس کی آفتوں کے پہچاننے اور اس کی قلت اخلاص اور خبث باطن اور سب افعال میں سردست کے فائدے پر راغب ہونے کو خیال کرنے سے قوت دے اور اس کے ساتھ ہی یہ جانے کہ خدائے تعالیٰ کا جلال کون سی عظمت کا مقتضی ہے اور یہ کہ وہ باطن پر اور دل کے وسوسوں پر خواہ کتنے ہی باریک و خفیہ ہوں مطلع ہے، حاصل یہ کہ جب یہ معرفتیں حاصل ہوں گی تو یقیناً ایک حالت پیدا ہو گی جس کو حیا کہتے ہیں۔ ان چھیوں صفتوں کے سبب یہ تھے جو مذکور ہوتے پس جس صفت کا طلب کرنا منظور ہو، اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے سبب کو پیدا کرنا چاہیے کیونکہ سبب کے معلوم کرنے سے علاج خود معلوم ہو جاتا ہے، اور ان سب سببوں کا رابطہ ایمان و یقین ہے یعنی یہی معرفتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یقین ہو جاوے کہ ان میں کسی طرح کا شک نہ رہے اور دل پر غالب ہو جاویں اور یقین کے معنی شک نہ رہنے اور دل پر مسلط ہونے کے ہم باب العلم میں ہم لکھ چکے ہیں اور جس قدر یقین ہوتا ہے اسی قدر دل خشوع کرتا ہے اور اسی جہت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو گویا وہ ہم کو نہ جانتے تھے اور نہ ہم ان کو جانتے، اور روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ جب تو مجھ کو ذکر کرے ایسی طرح کرے اپنے اعضا کو جھاڑ اور میرے ذکر کے وقت خشوع اور اطمینان سے رہ اور جب میرا ذکر کرے تب اپنی زبان اپنے دل کے پیچھے کر لے اور جب میرے سامنے کھڑا ہو تو ذلیل بندے کی طرح کھڑا ہو اور مجھ سے مناجات زبان صادق اور دل خائف کے ساتھ کر۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دے کہ وہ میرا ذکر نہ کریں کہ میں نے اپنے نفس پر قسم دے لی ہے کہ جو کوئی میرا ذکر کرے گا تو میں اس کا ذکر کروں گا، پس اگر وہ میرا ذکر کریں گے تو میں ان کا ذکر لعنت کے ساتھ کروں گا۔ یہ حال گنہگار کا ہے جو غافل نہ ہو، اور اگر غفلت اور معصیت دونوں جمع ہو جاویں تب کیا حال ہو گا، اور جن امور کو ہم نے اوپر لکھا ہے ان کے مختلف ہونے سے آدمیوں کی کئی قسمیں ہو گئیں یعنی بعض تو ایسے غافل ہیں کہ نماز سب پڑھتے ہیں مگر دل کا حضور ایک لحظہ کو نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نماز پوری پڑھتے ہیں اور ایک لحظہ کو بھی دل غائب نہیں ہوتا بلکہ بعض وقت ایسی طرح فکر کر کے نماز پڑھتے ہیں کہ ان کے سامنے کوئی حال گزر جاوے ان کو خبر ہی نہیں ہوتی، اسی وجہ سے مسلم بن یسار کو مسجد کے ستون گرنے اور اس کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔ اور بعض اکابر مدت تک جماعت میں حاضر ہوئے مگر کبھی نہ پہچانا کہ داہنے پر کون ہے اور بائیں پر کون، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے جوش کی آواز دو میل کے فاصلہ پر سنائی دیتی تھی اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ نماز کے وقت ان کے چہرے زرد ہو جاتے تھے اور شانے تھراتے تھے

اور یہ امور ہونے کچھ بعید نہیں کہ ان سے دو چند دنیا داروں کے انکار اور بادشاہانِ زمین کے خوف سے مشاہدے ہوتے ہیں حالانکہ یہ عاجز اور ضعیف ہیں اور جو کچھ ان سے ملتا ہے وہ بھی حقیر و خفیف یہاں تک کہ کوئی شخص بادشاہ یا وزیر کے پاس جاکر کسی مقدمہ میں بات کرتا ہے اور چلا آتا ہے اس سے اگر پوچھا جاوے کہ بادشاہ کے گرد کون لوگ تھے اور اس کا لباس کیسا تھا تو ہرگز نہ بتلا سکے گا کیونکہ اپنے دھندے کی فکر میں ڈوبے رہنے سے اس کو اتنی مہلت کہاں تھی اس کے لباس یا گرد کے لوگوں کو دیکھے اور چونکہ ہر شخص کو اپنے اعمال ہی مختلف حصے ملیں گے تو نماز میں ہر ایک کا حصہ اسی قدر ہوگا جتنا خوف اور خشوع اور تعظیم اس نے کی ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی جگہ دل ہے ظاہر کے حرکات نہیں اور اسی لیے بعض صحابہؓ نے فرمایا ہے کہ آدمی قیامت کو اس جیسی صورت پر اٹھیں گے جو ان کی شکل نماز میں ہوگی یعنی اطمینان اور سکون اور نماز میں لذت کا پانا جس قدر ہوگا اسی قدر قیامت میں یہ چیزیں اس کو حاصل ہوں گی اور واقع میں انہوں نے درست کہا کیونکہ آدمی کا حشر اس بات پر ہوگا جس پر مرے گا، اور مرے گا اس حال پر جس پر کہ زندہ رہا ہے اور اس بات میں اس کے دل کے حال کی رعایت کی جاوے گی جسم ظاہری کے حال کا لحاظ نہ ہوگا اس لیے کہ دلوں کے صفات ہی سے دارِ آخرت میں صورتیں ڈھالی جاویں گی اور نجات اسی کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے پاس دل سالم لے کر جاوے گا خدا ہم کو بھی توفیق اپنے لطف و کرم سے عنایت فرماوے۔

ذیلی فصل ۳: حضورِ قلب کے لئے مفید تدابیر

واضح ہو کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا اور توقع رکھنے والا اور اپنی تقصیر سے نادم ہو یعنی ایمان کے بعد ان کے احوال سے جدا نہ ہوگا اگرچہ ان کی قوت موافق اس کے یقین کی قوت کے ہوگی، پس نماز میں ان حالات کا نہ ہونا اسی جہت سے ہوگا کہ فکر پراگندہ ہو اور دھیان بٹے اور دل مناجات میں حاضر نہ ہو اور نماز سے غافل ہو اور نماز سے غفلت انہیں وسوسوں کے باعث ہوتی ہے جو دل پر وارد ہو کر اس کو مشغول کر دیتے ہیں، اس صورت میں حضور دل کی تدبیر یہی ہے کہ ان وسوسوں کو دور کیا جاوے، اور یہ چیز جب ہی دور ہوتی ہے جب اس کا سبب دور ہو تو اب خواطر کے سبب کو معلوم کرنا چاہیئے کہ ان کے وارد ہونے کا سبب یا تو امر خارجی ہوتا ہے یا کوئی امر ذاتی پوشیدہ ہوتا ہے، امر خارجی وہ چیزیں ہیں کہ کان اور آنکھ میں پڑتی ہیں، یہ بھی بعض اوقات فکر کو اچاٹ کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ فکر ان اشیاء کے درپے ہو کر ان میں تصرف کرتا ہے اور ان سے اور اشیاء کی طرف کھنچ جاتا ہے اور اسی طرح اور سلسلہ بندھ جاتا ہے کہ اول بینائی فکر کا سبب ہوئی، پھر یہ فکر دوسری فکر کا سبب ہوا اور علیٰ ہذا القیاس اور جس شخص کا رتبہ قوت اور ہمت عالی ہو اس کے حواس کے سامنے کچھ گذرنا اس کو غافل نہیں کرتا مگر ضعیف شخص کا فکر ضرور پراگندہ ہو جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ ان اسباب کو قطع کرے اس طرح کہ آنکھیں

۱؎ میں تجھ سے یہ بات کہنا بھول گیا کہ گھر میں جو ہانڈی ہے اس کو ڈھانپ دے اس لیے کہ گھر میں ایسی چیز نہ ہونی چاہیئے جو آدمیوں کو ان کی نماز سے رد کرے ۱۲ ابو داؤد بروایت عثمان رجبی اور اس کے باپ کا نام طلحہ ہے اور احیاء میں جو ابی شیبہ لکھا ہے ٹھیک نہیں ۱۲

بند کرے یا اندھیرے مکان میں نماز پڑھے یا اپنے سامنے کوئی ایسی چیز نہ رکھے جس میں حواس مشغول ہوں اور نماز کے وقت دیوار کے قریب رہے تاکہ مسافت دیکھنے کی پھیلنے نہ پاوے اور راستوں پر اور نقش و نگار کی جگہ میں اور رنگین فرشوں پر نماز پڑھنے سے احتراز کرے، اور اسی وجہ سے عابد لوگ ایک چھوٹے سے حجرہ تاریک میں نماز پڑھتے تھے کہ صرف سجدہ کی گنجائش ہو سکے تاکہ فکر مجتمع رہے اور قوی شخص مسجدوں میں حاضر اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے تھے اور نظر کو سجدے کے مقام سے آگے نہ بڑھاتے تھے اور نماز کا کمال اس میں سمجھتے تھے کہ اسباب کو نہ جانیں کہ داہنے پر کون ہے اور بائیں پر کون، اور حضرت ابن عمرؓ سجدہ میں نہ تلوار چھوڑتے نہ کلام مجید، اور اگر کچھ لکھا پاتے تو اس کو مٹا دیتے[1] اور اسباب باطنی وسوسوں کے سخت تر ہیں، اس لیے کہ جس شخص کے فکر دنیا کے معاملات میں پھیل جاتے ہیں اس کا فکر ایک فن میں منحصر نہیں رہتا، بلکہ ایک جانب سے دوسرے کی طرف اُترا رہتا ہے اور آنکھوں کا نیچا کرنا اس کو کافی نہیں ہوتا اس لیے کہ جو بات دل میں پہلے سے پڑ گئی ہے وہی شغل کو کافی ہے تو باطنی وسوسے کے دور کرنے کا طریق یہ ہے کہ نفس کو زبردستی اس بات پر لاوے کہ جو کچھ نماز میں پڑھے اس کو سمجھے اور اس میں لگا رہے، دوسری چیز میں مشغول نہ ہو اور اس امر پر اس کو اعانت ہو گی، اگر اس کی تیاری نیت باندھنے سے پہلے کرے اس طرح کہ از سرِ نو نفس کو آخرت کی یاد دلاوے اور مناجات کا موقف اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا خطر اور موت کے بعد کے احوال اس کے سامنے پیش کرے اور دل کو نیت سے پیشتر سب فکر کی چیزوں سے خالی کرے اور کوئی شغل ایسا نہ چھوڑے جس طرف دل التفات کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی شیبہ کو فرمایا کہ[2] انی نسیت اقول لك ان تخمر القدر الذی فی البیت فانہ لا ینبغی ان یکون فی البیت شئی یشغل الناس عن صلوتھم غرض کہ فکروں کے ساکن کرنے کا یہ طور ہے اور اگر اس تدبیر سے فکروں کا ابھار ساکن نہ ہو تو نجات کی سبیل بجز مسہل کے اور کوئی نہیں جو کہ مرض کے مادہ کو رگوں کی جڑ میں سے نکال پھینکے، اور وہ مسہل یہ ہے کہ جو امور شغل میں ڈالتے اور حضور دل سے پھیرنے والے ہیں ان کو دیکھے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس کے مہمات ہی ہوں گے اور وہ بھی صرف شہوات کی جہت سے مہمات ہو گئے ہوں گے تو اپنے نفس کو سزا دے کہ ان شہوات سے اجتناب کرے اور ان علاقوں کو قطع کر دے اس لیے کہ جو چیز آدمی کو اس کی نماز سے روکے وہ اس کے دین کی ضد اور اس کے دشمن ابلیس کا لشکر ہے تو اس کا روک رکھنا بہ نسبت دُور کرنے کے زیادہ مضر ہے اس سے نجات جبھی ہے کہ اس کو علیحدہ کر دے، چنانچہ مروی ہے کہ جب آنحضرت[3] صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجہم ایک چادر سیاہ جس کے دو پلو تھے لائے اور اس کو آپ نے پہن کر نماز پڑھی تو بعد نماز کے اس کو اتار ڈالا، اور فرمایا کہ اس کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ کہ اس نے مجھ کو اب میری نماز سے غافل کر دیا اور مجھ کو ان کی سادی چادر لا دو۔ اور آنحضرت[4] صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوتی میں نیا تسمہ لگانے کے لیے حکم فرمایا اور نماز میں اس کی طرف دیکھا اور اس جہت سے کہ نیا تھا تو حکم دیا کہ اس کو نکال کر پرانا تسمہ پھر ڈال دو۔ اور ایک بار[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوڑا پہنا اور وہ آپ کو اچھا معلوم

---

[1] ترجمہ پچھلے صفحہ پر۔ [2] بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ۔ [3] ابن مبارک بروایت ابونصر مرسلاً۔ [4] ابوعبداللہ در شرف فقرا بروایت عائشہؓ بسند ضعیف۔

ہوا تو آپ نے سجدہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے تواضع اور فروتنی کی تاکہ مجھ پر غضب ناک نہ ہو، پھر اس کو باہر لے گئے اور جو سائل اوّل ملا اس کے حوالہ کر دیا، پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ایک جوڑا نرم چمڑے کا پرانا میرے لیے خرید دو، ان کو آپ نے اپنے پاؤں سے مشرف فرمایا، اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرمت سے پیشتر سونے کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنے منبر پر تھے اس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اس نے مجھے مشغول کر دیا، کبھی اس کو دیکھتا ہوں کبھی تم کو، اور مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ میں نماز پڑھی، اس کے درختوں میں ایک جانور اودے رنگ کا اوپر جانے کو اڑا، ان کو وہ پرندہ اچھا معلوم ہوا اور گھڑی بھر تک اس کو دیکھا اور یہ یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ذکر کیا کہ آج یہ فتنہ مجھ پر گزرا اور عرض کیا کہ اب وہ باغ صدقہ ہے جہاں چاہیے اس کو صرف فرمائیے۔ اور ایک کسی اور شخص کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے باغ میں نماز پڑھی اور اس کے خرما کے درخت پھلوں کے مارے جھکے پڑے تھے کہ ان کو جو دیکھا تو اچھے معلوم ہوتے اور یہ بھول گئے کہ کتنی نماز پڑھی ہے، یہ ماجرا حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا کہ وہ باغ صدقہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کیجیے، حضرت عثمانؓ نے اس کو پچاس ہزار کو بیچا۔ اکابر سلف فکر کی جڑ کو کاٹنے اور نماز کے نقصان کے کفارہ کے لیے یہ تدبیریں کرتے تھے اور در واقع میں علت کے مادے کو جڑ سے اکھاڑنے کی تدبیر یہی ہے، اس کے سوا دوسری بات مفید نہ ہوگی، کیونکہ جو بات ہم نے لکھی ہے کہ نفس کو نرمی ساکن کرنا چاہیے اور ذکر کے سمجھنے پر لانا چاہیے تو وہ ضعیف شہوتوں اور ان فکروں میں کار آمد ہے جو دل کے اطراف ہی کو گھیرے ہوں مگر شہوت قویہ جو خوب زوروں پر ہو اس میں ساکن کرنا مفید نہیں بلکہ وہ تم کو کھینچے گی اور تم اس کو کھینچتے رہو گے پھر وہی غالب رہے گی اور ساری نماز اسی کشاکش میں گذرے گی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ چاہے کہ میرا فکر صاف ہو اور اس پر کی چڑیاں بول بول کر اس کی فکر کو منتشر کرتی ہوں، اور وہ ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر ان کو اڑا دے، اور پھر اپنی فکر میں مشغول ہو اور چڑیاں بھی غل کرنے لگیں، پھر یہ لکڑی سے بھگانے لگے اور کوئی اس سے کہے یہ چال جو تم چلے ہو کبھی پوری نہ ہوگی، اگر تم اس سے چھٹی چاہتے ہو تو درخت کو اکھاڑ ڈالو، یہی حال شہوات کے درخت کا ہے کہ جب اس کی شاخیں پھیل جاتی ہیں تو اس پر افکار اسی طرح دوڑتے ہیں جیسے چڑیاں درخت پر دوڑتی ہیں یا مکھی غلاظت پر، اور ان کے دفع کرنے میں کام بڑھتا ہے کیونکہ مکھی کو جب ٹال دو پھر چلی آتی ہے یہی حال وسوسوں کا ہے اور یہ شہوتیں بہت سی ہیں اور بندہ ان سے بہت کم خالی ہوتا ہے اور ان سب کی جڑ ایک چیز ہے یعنی دنیا کی محبت، یہ ہر ایک برائی کی جڑ اور ہر نقصان کی بنیاد اور ہر ایک فساد کا منبع ہے۔ اور جس شخص کا باطن دنیا کی محبت پر مشتمل ہو اور اس کی کسی چیز کی طرف رغبت کرے نہ اس غرض سے کہ اس کو توشہ آخرت بنا دے یا آخرت پر اس سے مدد چاہے تو اس کو طمع نہ کرنا چاہیے کہ نماز میں لذت مناجات کبھی اس کو صاف حاصل ہو لیکن تاہم اس کو مجاہدہ کا چھوڑنا نہ چاہیے اور جس طرح ہو سکے دل کو نماز کی طرف پھیرے اور اسباب فکر میں ڈالنے والوں کی کمی کرے، الغرض یہ دوا تلخ ہے اور اس کی تلخی کی جہت سے طبیعتیں اس کو بدمزہ جانتی ہیں اور روگ پرانا اور درد لا علاج

---

[۱] نسائی بروایت ابن عباسؓ مگر اس میں سونے چاندی کی کچھ قید نہیں، مطلق انگوٹھی کا ذکر ہے ۱۲ [۲] مالکؒ نے عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کیا ہے ۱۲

ہو گیا یہاں تک کہ اکابر نے قصد کیا کہ دو رکعتیں ایسی پڑھیں جن میں دنیا کے امور کو اپنے دل میں نہ لاویں تو یہ ان سے نہ ہوگا، جب ان لوگوں کو اس طرح کا دوگانہ میسّر نہ ہوا تو ہم جیسوں کو اس کی طمع نہیں ہو سکتی، کاش ہم کو نماز میں سے آدھی خواہ تہائی وساوس سے خالی مل جاوے تو انہیں لوگوں میں سے ہو جاویں جنہوں نے نیک اعمال میں اعمالِ بد کو ملا جلا دیا۔ حاصل یہ کہ دنیا کی فکر اور آخرت کی ہمت دل میں ایسی ہے جیسے تیل کے بھرے پیالے میں پانی ڈالو کہ جس قدر پانی پیالے میں جاوے گا اسی قدر یقیناً تیل نکل جاوے گا، یہ نہ ہوگا کہ دونوں جمع ہو جاویں۔

ذیلی فصل ۴: ایسے امور قلبیہ جو نماز کے ہر رکن اور شرط کے لئے لازم ہیں

اگر تم کو آخرت منظور ہے تو تم پر پہلے لازم یہ ہے کہ جو تنبیہات کہ نماز کی شرطوں اور رکنوں میں ہم لکھتے ہیں، ان سے غافل نہ ہو۔ نماز کی شرطیں اور جو امور اس سے پیشتر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اذان اور طہارت اور برہنگی کا ڈھانپنا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اور سیدھا کھڑا ہونا اور نیت کرنی، پس جب مؤذن کی اذان سنو تو اپنے دل میں قیامت کے پکار کی دہشت حاضر کرو، اور اذان کو سنتے ہی اپنے ظاہر اور باطن سے اس کی اجابت کے لیے مستعد ہو اور جلدی کرو کیونکہ جو لوگ مؤذن کی اذان کے لیے جلدی کریں گے، وہ قیامت کے روز لطف کے ساتھ پکارے جاویں گے، اور اذان پر اپنے دل کا جائزہ لو، اگر اس کو خوشی اور فرحت سے بھرا پاؤ اور جلد چلنے کی رغبت سے ہو تو جان لو کہ روزِ جزا میں تم کو بشارت اور فلاح پانے کی آواز آوے گی اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا[ح] ارحنا یا بلال یعنی نماز سے اور اس کی اذان دینے سے ہم کو راحت پہنچاؤ، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں تھی اور طہارت کا حال یہ ہے کہ جب تم نماز کی جگہ کو پاک کر لو جو تمہاری طرف بعید ہے پھر کپڑوں کو پاک کر لو جو تمہارا غلاف قریب ہے پھر ظاہر کی جلد پاک کرو جو تمہارا بہت نزدیک کا پوست ہے تو اپنے مغز اور ذات یعنی دل کی طہارت سے غافل نہ ہو اس کی طہارت کے لیے توبہ میں اور خطاؤں پر نادم ہونے میں کوشش کرو اور آئندہ قصد مصمم ان قصوروں کے نہ کرنے کا کر لو۔ دل کی طہارت ان امور سے ضرور کر لو کہ یہ تمہارے معبود کے دیکھنے کی جگہ ہے اور ستر عورت سے یہ سمجھو کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بدن کے وہ مقامات لوگوں کی نظر سے چھپائے جاویں کہ ظاہر بدن پر لوگوں کی نگاہ پڑتی ہے تو پھر کیا بات ہے کہ باطن کی خرابیاں جن پر بجز پروردگار کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا چھپائی نہ جاویں، پس ان سب عیبوں کو اپنے دل میں حاضر کرو اور نفس سے ان کے چھپانے کی درخواست کرو اور یہ بات دل میں ٹھان لو کہ خدائے تعالیٰ کی نظر سے وہ عیب اور کوئی سی چیز چھپ نہیں سکتی مگر ان پر نادم ہونا اور اللہ تعالیٰ سے حیا اور خوف کرنا ان کا کفارہ ہو جاتا ہے تو ان برائیوں کے دل میں حاضر کرنے سے تم کو یہ فائدہ ہوگا کہ تمہارے دل میں خوف جہاں جہاں چھپے ہوں گے ابھر کھڑے ہوں گے اس وقت تمہارا نفس دبے گا اور خجالت دل پر چھاوے گی اور خدائے تعالیٰ کے سامنے ویسے کھڑے ہوں گے جیسے غلام گناہگار بدکردار بھاگا ہوا اپنے کردار سے پشیمان ہو کر اپنے آقا کے سامنے سر جھکائے شرمندہ خوف زدہ کھڑا ہوتا ہے

ح دارقطنی بروایت بلال رضہ ابوداؤد بروایت ایک صحابی رضہ ۱۲

اور قبلہ رُو ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ظاہر چہرے کو سب طرف سے پھیر کر خدائے تعالیٰ کے خانہ کعبہ کی طرف کر لو، پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ دل کا پھیرنا تمام معاملات سے خدائے تعالیٰ کے امر کی طرف تم سے مطلوب نہیں، یہ ہرگز مت سمجھنا بلکہ یوں سمجھو کہ اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں، یہ ظاہر کے اعمال سب باطن کی تحریک کے واسطے اور اعضا کو ضبط سے رکھنے اور ان کو ایک طرف میں ساکن کرنے کے لیے ہیں کیونکہ یہ اعضا دل پر بغاوت کریں گے اور اپنے حرکات میں اور اپنے اپنے جہات کی طرف التفات میں ظلم کریں گے تو دل کو بھی اپنے پیچھے لگا کر خدا کی طرف سے اس کو پھیریں گے، اس صورت میں یہ چاہیئے کہ تمہارے بدن کی توجہ کے ساتھ ہی دل کی توجہ بھی ہو یعنی جس طرح پر کہ چہرہ خانہ کعبہ کی طرف بجز اس بات کے نہیں ہو سکتا کہ اس کو اور سب طرفوں سے پھیر لیا جاوے اسی طرح دل بھی خدائے تعالیٰ کی طرف نہیں پھرتا جب تک اس کو ماسوا سے خالی نہ کر لیا جاوے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ جب بندہ نماز کو کھڑا ہو اور اس کی خواہش اور منہ اور دل خدائے تعالیٰ کی طرف ہوں تو نماز سے ایسا فارغ ہو گا جیسے جس روز کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا اور سیدھا کھڑا ہونے سے یہ غرض ہے کہ اپنے بدن اور دل سے خدائے تعالیٰ کے سامنے خدمت کو کھڑا ہو، اس صورت میں چاہیئے کہ سر جو تمہارے اعضا میں سب سے اونچا ہے پست اور جھکا ہوا اور منکسر ہو اور سر کی اونچائی دور کرنے سے یہ تنبیہ ہو کہ دل پر فروتنی اور ذلت لازم رہے اور اس وقت کے کھڑے ہونے سے اس روز کا کھڑا ہونا یاد کرو کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا جاوے گا، اور اب یہ سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو اور وہ تم کو دیکھ رہا ہے، اسی لیے اگر وہ تم سے اس کی کنہ جلال کا دریافت کرنا نہ ہو سکے تو اس کے سامنے اسی طرح کھڑے ہو جیسے دنیا کے کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہو بلکہ تمام نماز کے قیام میں یہ فرض کر لو کہ تم کو کوئی تمہارے گھر کا بہت نیک آدمی خوب دیکھ رہا ہے یا جس کو تم اپنی نیک بختی جتلایا کرتے ہو، وہ تمہاری طرف نظر کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی ایسا آدمی دیکھتا ہے تو اس وقت تمہارے ہاتھ پاؤں ساکن اور اعضاء ڈھیلے اور اجزا مسکنت کے ساتھ رہتے ہیں اس ڈر سے کہ کہیں وہ بندہ جو حقیقت میں عاجز ہے تم سے یہ کہے کہ فروتنی کم کرتے ہو پس جب بندہ مسکین کے ہوتے تم اپنے نفس کا یہ حال معلوم کرو تو اس پر عتاب کرو اور کہو کہ تو دعوےٰ خدا تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا کرتا ہے تجھے اس کے سامنے جرأت کرنے سے شرم نہیں آتی حالانکہ اس کے ایک ادنیٰ بندے کی توقیر کرتا ہے اور لوگوں سے خوف کرتا ہے، خدا سے نہیں ڈرتا جس سے ڈرنا زیبا ہے اور اسی وجہ سے جب حضرت ابوہریرہ رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کس طرح ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا[2] کہ اس طرح حیا کرو جیسے اپنے گھر کے کسی نیک بخت شخص سے حیا کرتے ہو اور نیت میں یہ بات دل میں پکی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نماز کا کیا اس کو ہم نے مانا اور اس کے نواقض اور مفسدات سے باز رہنے پر اور ان سب امور کو خاص خدائے تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے پر عزم کرنا چاہیئے اس غرض سے کہ توقع

---

[1] یہ روایت ان الفاظ سے نہیں ملی مگر مسلم نے بروایت عمرو بن عبسہ وضو کی فضیلت میں اسی کے قریب مضمون روایت کیا ہے ۱۲

[2] بیہقی بروایت سعید بن زید مرسلا ۱۲

اس کے ثواب کی اور خوف اس کے عذاب کا اور طلب اس کی نزدیکی کی ملحوظ خاطر رہے اور اس باب میں اس کا احسان اپنی گردن کا طوق جانے کہ باوجود ہمارے بے ادب اور کثرت سے گناہگار ہونے کے ہم کو اجازت اپنی مناجات کی دی اور اپنے دل میں اس کی مناجات کی بڑی قدر جانے اور دیکھے کہ میں کس سے مناجات کرتا ہوں اور کس طرح مناجات کرتا ہوں، ایسی صورت میں چاہیئے تو یہی کہ تمہاری پیشانی میں عرق ہو اور تمہارے شانے تھرتھراویں اور خوف کے مارے رنگ زرد پڑجاوے اور اللہ اکبر کہتے ہیں جب زبان کو ان الفاظ سے گویا کرو تو چاہیئے کہ تمہارا دل اس قول کو جھوٹا نہ کرے، یعنی اگر دل میں کوئی چیز خدائے تعالیٰ سے بڑی جانتے ہو گے تو اللہ تعالیٰ گواہی دے گا کہ تم جھوٹے ہو، اگر قول تمہارا سچا ہو جیسے سورۂ منافقون میں منافقوں کی زبانی کہنے کو ارشاد فرمایا کہ اللہ شاہد ہے کہ منافق جھوٹے ہیں یعنی دل سے اقرار رسالت نہیں کرتے صرف زبان سے کہتے ہیں کہ تم رسولؐ ہو، پس اگر خدائے تعالیٰ کے امر کی نسبت کر تمہاری خواہش نفس پر غالب ہو گی اور تم بہ نسبت خدائے تعالیٰ کے اس کی اطاعت زیادہ کرتے ہو گے تو گویا تم نے اپنا معبود اسی کو ٹھہرا لیا اور اسی کو بڑا جانا تو کیا عجب ہے کہ تمہارا اللہ اکبر کہنا صرف ایک کلمہ زبانی ہے اس وجہ سے کہ دل میں تو اس کی موافقت ہی نہیں اور اس امر کا خوف نہایت بڑا ہے بشرطیکہ توبہ اور استغفار اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور عفو پر حسن ظن نہ ہو اور شروع کی دعا میں اول تم یہ کہتے ہو کہ انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض یعنی میں نے اپنا منہ کیا اس کی طرف جس نے بناتے آسمان و زمین اس میں مراد منہ سے ظاہر کا منہ نہیں، اس لیے کہ ظاہر چہرہ کو تو تم قبلہ کی طرف کیے ہو اور خدائے تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی جہت اس کو گھیر سکے تو بدن کی توجہ اس کی طرف نہیں ہو سکتی، ہاں دل کا منہ ہے جس کو تم خالق ارض و سما کی طرف کر سکتے ہو، پس تامل کرو کہ چہرہ دل گھر اور بازار کی مہمات میں اور اپنی شہوات کی طرف مائل ہے یا خالق ارض و سما کی طرف متوجہ ہے۔ اور خبردار ایسا نہ کرنا کہ اپنی مناجات کے شروع میں ہی جھوٹ اور بناوٹ کو دخل دو اور اللہ تعالےٰ کی طرف روئے دل اسی وقت پھرتا ہے کہ اس کو اس کے غیر کی طرف سے پھیر لو تو اب تم کو کوشش کرنی چاہئے کہ دل کی توجہ خدائے تعالےٰ ہی کی طرف ہو اور اگر یہ بات ساری نماز میں نہ میسر ہو تو جس وقت یہ کلمہ زبان پر ہو اس وقت تو قول سچا ہو اور جب زبان سے کہو حنیفا مسلما یعنی ایک طرفہ مسلمان ہو کر تو اپنے دل میں یہ سوچنا چاہیئے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔ پس اگر تم ایسے نہیں ہو تو اس قول میں جھوٹے ہو تو اس بات کے لیے آئندہ ہی زمانے میں کوشش کرو اور جو احوال پہلے گذرے ہوں ان پر ندامت کرو اور جب یہ کہو وما انا من المشرکین یعنی شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں تو اپنے دل میں شرک خفی کو تامل کرو اس لیے کہ یہ آیت فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا[۱] اس شخص کے باب میں اتری ہے جو اپنی عبادت سے رضائے خدا اور لوگوں کی تعریف چاہتا ہو، پس اس شرک سے بہت احتراز کرے اور جس صورت میں کہ تم نے زبان

---

[۱] پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے اس کو چاہیئے کہ کرے کچھ کام نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا ۱۲ ح حاکم اور تاریخ ابو نعیم در حلیہ بروایت علی رضی اللہ عنہ بسند نہایت ضعیف ۱۲

سے تو کہا کہ میں مشرک نہیں اور اس شرک سے برات نہیں کی تو اپنے دل میں شرمندہ ہونا چاہیئے کہ شرک تھوڑی اور بہت سبھی کو کہتے ہیں اور جب کہو محیای ومماتی للہ میرا جینا اور مرنا اللہ کے واسطے ہے تو یہ جانو کہ حال اس غلام کا ہے کہ اپنے نفس کے حق میں مفقود ہو اور آقا کے حق میں موجود ہو اور یہ کلمہ جب ایسے شخص سے صادر ہو کہ اس کی رضا اور غضب اور اٹھنا بیٹھنا اور زندگی کی رغبت اور موت کی دہشت دنیا کے کاموں کے لیے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ کلمہ کہنا اس کے حال کے مناسب نہیں، اور جب یہ کہو کہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے تو یہ جانو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور تاک لگاتے ہے کہ کسی طرح تمہارے دل کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے پھیر دے کیونکہ اس کو تمہاری مناجات پر اور خدائے تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے پر حسد ہے کہ اس کو ایک سجدہ کے چھوڑنے سے طوق لعنت گلے میں پڑا اور مردود ابدی ہوا اور یہ سمجھو کہ جو تم شیطان سے پناہ مانگتے ہو یہ جب ٹھیک ہے کہ جو چیز شیطان کو محبوب ہو اس کو ترک کر دو اور اس کے بدلے میں خدائے تعالیٰ کی محبوب چیز اختیار کرو، یہ نہیں کہ صرف زبان سے پناہ مانگنا کافی ہو مثلاً اگر کسی شخص پر درندہ خواہ دشمن مارنے کے ارادے سے آوے اور وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور زبان سے کہے کہ میں تجھ سے اس مضبوط قلعہ کی پناہ مانگتا ہوں، تو یہ کہنا اس کو کیا کام آوے گا بلکہ پناہ جب ہی ہو گی کہ اپنی جگہ چھوڑ کر گڑھی میں چلا جاوے اسی طرح جو شخص اپنی شہوات کا تابع ہے جو شیطان کو محبوب اور رحمن کو ناپسند ہیں تو اس کو زبان سے اعوذ باللہ کہہ لینا مفید نہ ہو گا بلکہ اس زبانی قول کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے قلعہ میں پناہ لینے کا پکا ارادہ کرے اور اس کا قلعہ لا الہ الا اللہ ہے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے قلعے میں داخل ہوا، وہ میرے عذاب سے مامون رہا۔ اس قلعہ میں پناہ لینے والا وہ شخص ہے جس کا معبود سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہ ہو لیکن جس شخص نے اپنا معبود اپنی خواہش نفس بنا رکھا ہو وہ شیطان کے میدان میں ہے نہ کہ خدائے تعالیٰ کے قلعہ میں۔ اور معلوم کرنا چاہیئے کہ شیطان کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ آدمی کو نماز کے اندر آخرت کی فکر میں اور خیرات کے کاموں کے سوچنے میں لگا دیتا ہے تاکہ جو کچھ نماز میں پڑھے اس کے سمجھنے سے باز رہے تو یاد رکھو کہ جو چیز تم کو معنی قرأت کے سمجھنے کی مانع ہو وہ وسواس ہے اس لیے کہ زبان کا ہلانا تو مقصود نہیں بلکہ مقصود معانی ہیں اور قرارت کے باب میں آدمی تین طرح کے ہیں، ایک وہ کہ اس کی زبان متحرک ہے اور دل غافل، اور ایک وہ کہ زبان ہلتی ہے اور دل زبان کی پیروی کرتا ہے اور اس کے الفاظ کو ایسی طرح سمجھتا اور سنتا ہے کہ گویا دوسرے شخص سے اس کو سنتا ہے، یہ درجہ اصحاب یمین کا ہے اور ایک شخص وہ ہے کہ اس کا دل اوّل معنی کی طرف دوڑتا ہے پھر دل کی زبان تابع ہو کر ان معانی کو ترجمہ کرتی ہے اور بہت فرق ہے اس بات میں کہ زبان دل کی ترجمان ہو یا دل کی معلم بنے، مقرب لوگوں کی زبان دل کی ترجمان اور اس کی تابع ہوتی ہے اور دل اس کا تابع نہیں ہوتا اور قرأت کے ترجمہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب کہو بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور رحم والا ہے تو اس سے یہ نیت کر دیو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے شروع کرنے کے لیے اس سے تبرک چاہتا ہوں اور یہ سمجھو کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب امور اللہ سے ہیں اور اسم

سے غرض اس جگہ ہستی ہے اور جب کہ سب کام اللہ کے ہوئے تو الحمد للہ رب العلمین بھی ٹھیک ہوا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شکر خدا کا ہے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا کیونکہ نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو شخص کہ کسی نعمت کو غیر اللہ کی جانب سے جانتا ہے یا اپنے شکر سے غیر اللہ کا قصد کرتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کا مسخر نہیں سمجھتا تو اس کو بسم اللہ اور الحمد للہ کہنے میں اسی قدر نقصان ہوگا جس قدر وہ غیر اللہ کی طرف التفات رکھتا ہوگا اور تم کہو الرحمٰن الرحیم تو اپنے دل میں اس کے انواع لطف کو حاضر کر لو تاکہ تم کو اس کی رحمت کا حال کھلے اور اس سے تمہاری امید ابھرے، پھر ملک یوم الدین کہنے سے اپنے دل میں سے اس کی تعظیم اور خوف کو ابھار و عظمت اس جہت سے کہ ملک بجز اس کے اور کسی کا نہیں، اور خوف اس جہت سے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مالک ہے روز جزا کا اور حساب کا پس اس دن کے ہول سے ڈرنا چاہیئے پھر ایاک نعبد یعنی تیری ہی عبادت کرتے ہیں" کے کہنے سے اخلاص از سر نو کرو اور طاقت اور قوت سے عاجزی اور برات اس قول سے نئی کرو ایاک نستعین یعنی تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور خوف دل میں ٹھان کر کہ ہم کو بدون اس کی اطاعت کے طاعت میسر نہیں ہوئی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ اپنی طاعت کی توفیق دی اور عبادت کی خدمت تم سے لی اور تم کو اپنی مناجات کا اہل بنایا۔ اگر بالفرض تم کو توفیق سے محروم رکھتا تو تم بھی شیطان لعین کے ساتھ میں راندہ درگاہ ہوتے پھر جب اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور الحمد للہ اور مطلق اعانت کی حاجت ظاہر کرنے سے فارغ ہو چکے تو اب اپنے سوال کو معین کرو اور اللہ سے وہی چیز مانگو جو تمہاری حاجتوں میں سب سے زیادہ مہم ہو، اور یہ کہو کہ اھدنا الصراط المستقیم دکھا ہم کو راہ سیدھی جو ہم کو تیرے پاس پہنچا دے اور تیری مرضیات تک لے جاوے اور اس کی شرح اور تاکید زیادہ کرنے کو کہو صراط الذین انعمت علیھم یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمت ہدایت کو اضافہ فرمایا اور انبیاء اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اور نہ ان لوگوں کی راہ جن پر غصہ ہوا یا بھٹکنے والے ہیں، اور وہ کافر یہود اور نصارا اور صابئین ہیں، پھر اس درخواست کے قبول ہونے کی طلب کرو اور کہو آمین، یعنی ایسا ہی کر جب تم الحمد کو اس طرح پڑھو گے تو عجب نہیں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے باب میں اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے آپ میں اور اپنے بندے میں آدھوں آدھ کر لی ہے آدھی میری ہے اور آدھی میرے بندے کی، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا ہے، بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد اور تعریف کی آخر حدیث تک اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنے سے غرض یہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ سنا اللہ نے اس کا قول جس نے اس کی تعریف کی، پس اگر تم کو نماز میں کوئی اور بات نہ ہوتی بجز اس کے کہ خدائے تعالیٰ نے باوجود اپنی عظمت وجلال کے تم کو یاد کیا تو یہی کافی اور غنیمت تھا اور جس صورت میں کہ تم کو ثواب اور زیادتی کی توقع اس سے ہے تو پھر کیا کہنا ہے اور اسی طرح جو سورت تم پڑھو

ف مالک ہے روز جزا کا ۱۲ ؎ مسلم بروایت ابوہریرہ رض ۱۲

اس کے معنی کو سمجھو، چنانچہ باب تلاوت قرآن میں اس کا ذکر آوے گا، حاصل یہ کہ قرارت کے پڑھنے میں تم کو اس کے امر اور نہی اور وعدہ اور وعید اور نصیحت اور انبیاء کی خبریں بتلائی اور احسانات کے ذکر کرنے میں غفلت نہ کرنی چاہیئے اور ان میں سے ہر ایک بات کا ایک حق ہے مثلاً وعدہ کا حق رجا ہے اور وعید کا حق خوف ہے اور امر اور نہی کا حق عزم مصمم اور اس کی تعمیل کا ہے اور نصیحت کا حق اس سے نصیحت حاصل کرنا ہے اور احسان کے ذکر کرنے کا حق اس کا شکر کرنا ہے اور نبیوں کی خبریں دینے کا حق عبرت پکڑنا ہے، ان حقوق کو مقرب لوگ پہچانتے ہیں اور وہی یہ حقوق ادا کرتے ہیں چنانچہ زرارہ بن ابی اوفی نماز میں جب قول خداوندی پر پہنچے فاذا نقر فی الناقور یعنی جب پھونکا جاوے گا صور میں تو پچھاڑ کھا کر گرے اور مر گئے اور ابراہیم نخعیؒ اذا السماء انشقت کو سنتے معنی یہ ہیں کہ جب پھٹ جاوے گا آسمان، تو اتنا بے قرار ہوتے کہ ان کے سارے جوڑ تھرّاتے۔ اور عبداللہ بن واقد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ نماز اس صورت سے پڑھتے تھے جیسا کوئی غمزدہ ہوتا ہے اور آدمی کو شایاں یہی ہے کہ اس کا دل اپنے آقا کے وعدہ اور وعید سے سوختہ ہو جاوے کیونکہ وہ بندہ گناہگار اور ذلیل سامنے جبار و قہار کے ہے اور یہ باتیں درجات قسم کے بموجب ہوا کرتی ہیں، اور فہم اس قدر ہوتا ہے جس قدر علم اور دل کی صفائی زیادہ ہوتی ہے اور اس کے درجات کی کچھ انتہا نہیں اور دلوں کی کنجی ہے اس میں الفاظ کے اسرار واضح ہوتے ہیں، یہ ہے قرارت کا حق اور ذکر اور تسبیحوں کا بھی یہی حق ہے، پھر قرارت میں صوت کا لحاظ کرو یعنی حروف کو اچھی طرح ادا کرنا اور جلد نہ پڑھو کیونکہ آہستہ پڑھنے سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور رحمت اور عذاب کی آیتوں کو اور وعدہ اور وعید اور تحمید اور تمجید کی آیتوں کو جدا جدا لہجوں میں پڑھو، ابراہیم نخعیؒ جب اس جیسی آیت پڑھتے ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ[ف] تو اپنی آواز پست کر دیتے جیسے کسی کو اس بات سے شرم آوے کہ خدائے تعالیٰ کا ذکر ان اوصاف سے کرے جو لائق اس کی جناب پاک نہ ہوں، اور مروی ہے[ح] کہ قرآن والے کو قیامت کے دن کہا جاوے گا کہ پڑھ اور ترقی کر اور اچھی طرح پڑھ جیسے تو دنیا میں اچھی طرح پڑھتا تھا۔ اور ساری قرارت میں کھڑا رہنے سے یہ اشارہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کی صفت پر ایک ہی طرح قائم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[ح] نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک کہ نمازی اور طرف دھیان نہ کرے اور جس طرح کہ سر اور آنکھ کی حفاظت اور طرف دیکھنے سے واجب ہے۔ اسی طرح باطن کی حفاظت نماز کے سوا اور طرف دھیان کرنے سے واجب ہے پس جس صورت میں کہ دل اور طرف متوجہ ہو تو اس کو یاد دلاؤ کہ خدائے تعالیٰ تیرے حال پر مطلع ہے اور مناجات کرنے والے کو حالت مناجات میں اس ذات سے غفلت کرنی جس سے مناجات کرتا ہے اس کے پاس دوبارہ جانے کو بہت بڑی شرم ہے اور اپنے دل پر خشوع کو لازم کر لو کیونکہ ظاہر و باطن کے اور طرف دھیان کرنے سے نجات خشوع ہی کا نتیجہ ہے، جب باطن خشوع کرے گا تو ظاہر بھی فروتنی کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے میں اپنی داڑھی سے کھیل کرتے دیکھ کر فرمایا کہ

ف اللہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی حکم چلانے والا ۱۲۔ ح ابو داؤد اور ترمذی اور نسائی بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ ح ابو داؤد و نسائی و حاکم بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ ۱۲

ان کا دل خشوع[1] تو اس کے اعضا بھی خشوع کرتے اس لیے کہ رعیت کا حال حاکم کی طرح ہوتا ہے اور اسی وجہ سے دعا میں یہ وارد ہوا ہے[2] کہ الٰہی راعی اور رعیت دونوں کو درست کر اور راعی دل ہے اور اعضاء رعیت ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں میخ کی طرح ہوتے تھے اور ابن زبیر لکڑی کی طرح، اور بعض اکابر رکوع میں ایسے ہوتے تھے کہ ان پر چڑیاں پتھر سا جان کر بیٹھ جاتی تھیں اور یہ سب باتیں دنیا میں بادشاہوں کے سامنے باقتضائے طبیعت ہو جاتی ہیں تو شہنشاہِ حقیقی کے سامنے جن لوگوں کو اس کا حال معلوم ہے کیسے نہ ہوگی اور جو شخص غیر اللہ کے سامنے تو خشوع پیٹ بھر کرے اور خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کے ہاتھ پاؤں ہلتے جلتے رہیں تو وہ خدائے تعالیٰ کے جلال کی معرفت میں قاصر ہے اور نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ میرے دل اور وسوسوں پر آگاہ ہے حضرت عکرمہ رضؓ نے اس آیت کی تفسیر میں[3] الذی یراك حین تقوم و تقلبك فی الساجدین فرمایا ہے کہ قیام اور رکوع اور سجدہ اور جلسہ کے وقت میں دیکھتا ہے اور رکوع اور سجدہ میں یہ چاہیے کہ ان کے ادا کرنے کے وقت نئے سرے سے خدائے تعالیٰ کی بزرگی کو یاد کرو پھر نئی نیت اور اتباع سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے عذاب سے اس کے عفو کی پناہ مانگتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور از سرِ نو اس کے سامنے ذلت اور تواضع رکوع سے ادا کرو اور اپنے دل کے نرم کرنے اور از سرِ نو خشوع کرنے میں کوشش کرو اور اپنی ذلت اور اپنے معبود کی عزت کو خیال کرو اور دل میں اس بات کے ہونے پر زبان سے مدد لو، یعنی زبان سے سبحان ربی العظیم پاک ہے میرا رب بہت بڑا کہو کہ اس کی عظمت تمہارے اقرار سے ثابت ہو اور ان کلمات کو مکرر کہو تاکہ دل میں اس کی عظمت کی تاکید ہو، پھر اپنا سر رکوع سے اٹھاؤ اور یہ توقع کرو کہ وہ رحم کرتا ہے اور اپنے اس دل کی توقع کی تاکید ان لفظوں سے کرو سمع اللہ لمن حمدہ یعنی جو شکر اللہ تعالیٰ کا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سنتا ہے، پھر اس کے بعد شکر بیان کرو کہ اس سے زیادتی نعمت کی ہوتی ہے اور یہ کہو ربنا لك الحمد اور حمد کی کثرت کے لیے یہ الفاظ کہو ملأ السمٰوٰت و ملأ الارض یعنی اے رب ہمارے تیرا شکر ہے مقدار آسمانوں اور زمین کی بھری کا، پھر سجدہ کے واسطے جھکو کہ سب میں زیادہ درجہ کی ذلت ہے یعنی اپنا منہ جو سب اعضاء کی نسبت کو کر عزیز تر ہے اس کو سب چیزوں میں سے ذلیل تر یعنی مٹی پر رکھو اور اگر یہ بات تم سے ہو سکے کہ زمین پر سجدہ کرو، اور زمین میں اور چہرے میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو ایسا ہی کرو کیونکہ اس صورت میں فروتنی بہت حاصل ہوتی ہے اور ذلت خوب معلوم ہوتی ہے، اور جب تم اپنے آپ کو ذلت کی جگہ میں رکھ چکے تو جانو کہ تم نے اپنے نفس کو جہاں کا تھا وہاں رکھ دیا اور فرع کو اصل تک پہنچا دیا، اور تمہاری اصل پیدائش مٹی ہی سے ہوئی اور اسی طرف دوبارہ جاؤ گے۔ اس وقت اپنے دل میں خدائے تعالیٰ کی عظمت از سرِ نو کرو اور کہو سبحان ربی الاعلیٰ اور اس کو مکرر کہہ کر دل میں اس کی عظمت کی تاکید کرو کہ ایک دفعہ کے کہنے کا اثر ضعیف ہوتا ہے پس جب تمہارا

---

[1] ح حکیم ترمذی در نوادر بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲ [2] ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [3] ت جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں ۱۲ [4] قولہ ترقی کر لینے اوپر چڑھ اور آہستگی سے خوش تمائی کے ساتھ چڑھتا چل کہ تیرا درجہ وہاں ہوگا جہاں ختم کرے، اس سے ظاہر ہے کہ بہت بلند درجہ پر پہنچے گا ۱۲

دل نرم ہوا اور یہ بات تم کو معلوم ہو جاوے تو خدائے تعالیٰ کی رحمت کی توقع کرو کہ اس کی رحمت ضعف اور ذلت ہی کی طرف جھپٹتی ہے تکبر اور شیخی پر نہیں دوڑتی، اب اپنے دل کو اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھاؤ اور اپنی حاجت ان الفاظ سے مانگو رب اغفرلی وارحم وتجاوز عما تعلم[1] یا جو دعا تم کو منظور ہو طلب کرو، پھر تواضع کو دوبارہ سجدہ کرنے سے پختہ کرو، پس اسی طرح دوسرا سجدہ کرو اور جب تشہد کے لیے بیٹھو تو ادب سے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں خواہ صلوات ہوں یا طیبات یعنی اخلاقِ طاہرہ سب اللہ کے لیے ہیں، اور اسی طرح ملک خدا کے لیے ہیں اور یہی معنی التحیات کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باجود وجود کو دل میں حاضر کرو اور کہو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[2] اور دل میں سچی آرزو کرو کہ یہ سلام ان کو پہنچے گا اور تم کو اس کا جواب تمہارے سلام کی نسبت کامل تر فرماویں گے، پھر تم اپنے اوپر اور اللہ تعالیٰ کے سب نیک بخت بندوں پر سلام کہو اور یہ توقع کرو کہ خدائے تعالیٰ تم کو اس سلام کے جواب میں بقدر شمار نیک بندوں کے پورے سلام مرحمت فرمادے گا، پھر خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر شہادت کرو اور خدائے تعالیٰ کے عہد کو شہادت کے دونوں جملے پڑھ کر نیا کرو، پھر اپنی نماز کے آخر میں جو دعا حدیث میں آئی ہو، تواضع اور خشوع اور مسکنت اور عاجزی اور قبول ہونے کی سچی توقع کے ساتھ پڑھو اور اپنی دعا میں اپنے ماں باپ اور سب ایمانداروں کو شریک کرو اور سلام کے وقت نیت کرو کہ فرشتوں اور حاضرین پر سلام کہتا ہوں اور سلام سے نماز کے پورا ہونے کی نیت کرلو اور خدا تعالیٰ کے شکر کا دل میں خیال کرو کہ تم کو اس طاعت کے پورا کرنے کی توفیق دی اور یہ سمجھو کہ تم اس نماز کو رخصت کرتے ہو اور پھر تمہاری زندگی نہ ہو کہ پھر ایسی نماز پڑھو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو وصیت کی تھی، فرمایا تھا کہ نماز رخصت کرنے والے کی سی پڑھ، پھر اپنے دل میں نماز میں قصور کرنے کا خوف اور شرم کرو اور اس بات سے ڈرو کہ کہیں نماز نامقبول نہ ہو اور کسی گناہ ظاہر یا باطن کی جہت بری ٹھہر کر منہ پر نہ ماری جاوے اور اس کے ساتھ ہی یہ توقع رکھو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے گا۔ یحییٰ بن وثاب جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور ان کے چہرے سے آثار بدحالی اور غم کے معلوم ہوتے تھے۔ اور ابراہیم نخعیؒ بعد نماز کے ایک گھنٹہ ٹھہرے رہتے گویا بیمار ہیں، یہ صورت ان نمازگذاروں کی ہوتی ہے جو خشوع کرتے ہیں اور نماز کی نگہداشت اور مداومت کرتے ہیں اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور وطاقت ہوتی ہے اس کے موافق اللہ تعالیٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔ پس آدمی کو چاہیئے جو نماز پڑھے اس میں انہیں باتوں کا پابند رہے اور جس قدر اس کو ان میں سے حاصل ہو اس سے خوش ہونا چاہیئے اور جو حاصل نہ ہو، اس پر حسرت کرنی زیبا ہے، اس کے علاج میں کوشش کرنی لازم اور غافلوں کی نماز تو مقامِ خطر ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کرے تو کیوں نہیں کہ اس کی رحمت وسیع اور کرم عام ہے، ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے اور

---

[1] اے رب تو مغفرت کر اور رحم کر اور درگذر کر ان گناہوں سے تو جو جانتا ہے ۱۲ ت [2] اے نبی تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ۱۲ [3] اس کی سند پہلی فصل میں گذری ۱۲

اپنی مغفرت سے ہماری پردہ پوشی کرے کہ ہم کو بجز اس بات کے کہ اس کی طاعت کی بجا آوری سے عاجزی کا اقرار کریں اور کوئی وسیلہ نہیں اور جان لو کہ نماز کو آفات سے پاک کرنا اور صرف خدا کی ذات کے لیے اس کو خالص کرنا اور مع شرط باطنی مذکورہ بالا یعنی خشوع اور تعظیم اور حیا کے ساتھ اس کو پڑھنا دلوں میں انوار کے حاصل ہونے کا سبب ہے اور یہ انوار علوم مکاشفہ کے لیے کنجیاں ہوتے ہیں پس اولیاء اللہ جو آسمان اور زمین کے ملکوت اور ربوبیت کے اسرار کو مکاشفہ سے معلوم کرتے ہیں تو وہ بھی نماز ہی کے اندر خصوص سجدہ کی حالت میں معلوم کرتے ہیں کیونکہ سجدہ کے باعث بندہ اپنے پروردگار سے قریب ہو جاتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واسجد واقترب یعنی سجدہ کر اور قرب حاصل کر اور ہر ایک نمازی کو نماز میں مکاشفہ اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ وہ دنیا کی کدورتوں سے صاف ہوتا ہے اور یہ بات قوت اور ضعف اور قلت اور کثرت ظہور اور خفا میں مختلف ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ بعضوں کو چیز بعینہ منکشف ہوتی ہے، اور بعضوں کو اس کی صورت مثالی معلوم ہوتی ہے جیسے بعضوں کو دنیا مردار کی صورت میں معلوم ہوتی اور شیطان کو کتے کی طرح اس پر چھاتی دھرے دیکھا کہ اس کی طرف بلا رہا ہے اور مکاشفہ کا اختلاف کشف کی چیز میں بھی ہوتا ہے، مثلاً بعضوں کو خدائے تعالیٰ کے صفات اور جلال منکشف ہوتے ہیں اور بعضوں کو اس کے افعال اور بعض کو علوم معاملہ کی باریکیاں، اور ان باتوں کے معین کرنے کے لیے ہر وقت میں اتنے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی انتہا نہیں اور سب میں زیادہ سخت ان اسباب میں فکر دلی کی مناسبت ہے وہ جب کسی چیز معین میں مصروف رہتا ہے تو وہی چیز منکشف ہونے کے واسطے اولیٰ ہوتی ہے اور چونکہ یہ باتیں جلا کیے ہوئے آئینوں میں بھی پر تو افگن ہوتی ہے اور آئینے سب زنگ خوردہ ہیں اور اسی وجہ سے ان پر عکس ہدایت نہیں پڑتا نہ اس جہت سے کہ منعم حقیقی کی جہت سے بخل ہو بلکہ اس وجہ سے کہ ہدایت کے گرنے کے مقام پر میل کی تہیں جم رہی ہیں اس لیے زبانیں ان مکاشفہ کی باتوں کے انکار پر دوڑ پڑیں، کیونکہ یہ امر طبیعت کی سرشت میں ہے کہ جو چیز موجود نہیں اس کا انکار کرنے لگے۔ اگر بالفرض پیٹ کے بچے کو عقل ہوتی تو وہ ہوا کے اندر انسان کے وجود کے امکان کا انکار کرتا اور اگر صغر سن لڑکے کو تمیز ہوتی تو وہ ان امور کا انکار کرتا جو عاقل لوگوں کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت اور اسرار معلوم ہوتے ہیں اور یہی حال انسان کا ہے کہ جس حال میں ہوتا ہے اس کے بعد کے احوال کا گویا منکر ہوتا ہے اور جو شخص ولایت کے حال کا منکر ہو اس پر یہ لازم آوے گا کہ نبوت کے حال کا منکر ہو، حالانکہ خلق کی پیدائش بہت سے حالات میں ہوئی ہے پس آدمی کو نہیں چاہیے کہ جو درجہ اپنے درجہ کے بعد ہو اس کا انکار کر بیٹھے ہاں ازاں جاکہ ان لوگوں نے اس فن کو مجادلہ اور پراگندہ مباحثہ سے تلاش کیا اور غیر اللہ کے دل کو صاف کر کے طلب نہ کیا، اسی واسطے اس سے محروم نہ رہے اس وجہ سے ان کا انکار کیا۔ اور جو شخص مکاشفہ والوں میں سے نہ ہو تو اس سے کمتر تو نہ ہونا چاہیے کہ غیب پر ایمان اور تصدیق ہی رکھے جب تک کہ تجربہ سے خود مشاہدہ کرے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان سے پردہ اٹھا دیتا ہے اور اس کو اپنے

ع اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲

منہ کے سامنے کر لیتا ہے اور فرشتے اس کے مونڈھے سے لے کر ہوا تک کھڑے ہوتے ہیں، اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی دعا کے ساتھ آمین کہتے ہیں اور نمازی پر آسمان کے جو سے لے کر اس کے سر کی مانگ تک نیکی برستی ہے۔ اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اگر یہ مناجات کرنے والا جانتا ہے کہ کس شخص سے مناجات کرتا ہوں تو ادھر ادھر متوجہ نہ ہوتا اور یہ کہ آسمان کے دروازے نمازیوں کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں پر نمازی کے صدق سے فخر کرتا ہے پس کھلنا آسمانوں کے دروازوں کا اور روبرو ہونا خدا تعالیٰ کا نمازی سے اسی کشف سے اشارہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور توریت میں مذکور ہے کہ اے ابن آدم اس بات سے عاجز نہ ہو کہ تو میرے سامنے روتا ہوا نماز پڑھتا کھڑا ہو کہ میں اللہ ہوں کہ تیرے دل سے نزدیک ہوا تو نے غیب سے میرا نور دیکھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم جانا کرتے تھے کہ رقت اور بکا اور فتوح جو نمازی اپنے دل میں پاتا ہے وہ اسی جہت سے کہ اللہ تعالیٰ دل سے قریب ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ قرب مکان کی جہت سے نہیں کہ اس سے خدائے تعالیٰ مبرا ہے تو ضرور ہے کہ ہدایت اور رحمت اور پردہ دور کرنے کے اعتبار سے قرب مراد ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس سے دس صفیں فرشتوں کی تعجب کرتی ہیں جن میں ہر ایک صف دس ہزار کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے ایک لاکھ فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کے لیے نماز میں قیام اور قعود اور رکوع اور سجدہ ایک ساتھ ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو چالیس ہزار فرشتوں پر بانٹ رکھا ہے کہ کھڑے ہونے والے قیامت تک رکوع نہ کریں گے اور سجدہ والے سر نہ اٹھاویں گے اور یہی حال ہے رکوع اور قعود کرنے والوں کا، ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرب اور رتبہ فرشتوں کو عنایت فرمایا ہے وہ ایک ہی طرح پر مدام رہتا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم، چنانچہ خود ان کا قول کلام مجید میں نقل فرمایا وما منا الا لہ مقام معلوم[1] اور انسان کا حال اس باب میں فرشتوں کا سا نہیں، یہ ایک درجے سے دوسرے پر ترقی کرتا رہتا ہے کیونکہ ہمیشہ تقرب الی اللہ کرتا ہے اور زیادتی حاصل کرتا ہے اور زیادتی کا باب فرشتوں کے لیے مسدود ہے۔ ان میں ہر ایک کا وہی رتبہ ہے جس پر وہ کھڑا ہے اور وہی عبادت ہے جس میں وہ مشغول ہے نہ اس رتبہ سے بدلے نہ عبادت میں قصور کرے، چنانچہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے لا یستکبرون[2] عن عبادتہ ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنہار لا یفترون زیادتی کے درجات کی کنجی نماز میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد[3] افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خشعون اس میں لوگوں کا وصف ایمان کے بعد ایک نماز مخصوص سے فرمایا جو خشوع کے ساتھ مقرون ہو، پھر ان فلاح پانوں کے اوصاف کو نمازی پر ختم فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے والذین[4] ھم علیٰ صلوٰتھم یحافظون پھر ان صفات کے بیان میں ارشاد فرمایا اولٰئک[5] ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خلدون اول وصف فلاح سے

---

[1] اور ہم میں جو ہے اس کو ایک ٹھکانا ہے مقرر ۱۲ [2] بڑائی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ کاہلی کریں، یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے ۱۲ [3] کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں ۱۲ [4] وہی اپنی نمازوں سے خبردار ہیں ۱۲ [5] وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث لیں گے باغ ٹھنڈے سایہ کے وہ اس میں رہ پڑے ۱۲

فرمایا اور آخر میں فردوس کی وراثت سے مجھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ زبان کے پر لپر کرنے کو باوجود دل کی غفلت کے اس درجہ کی فضیلت ہو، اور اسی وجہ سے ان لوگوں کے مقابلوں کے باب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین غرض کہ نمازی ہی فردوس کے وارث اور وہی اللہ تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کرنے والے اور اس کے قرب وجوار سے تمتع پانے والے ہیں، خدائے تعالیٰ ہم کو بھی ان میں سے کرے اور ایسے لوگوں کے عذاب سے ہم کو بچاوے جن کی باتیں اچھی اور فعل برے ہوں، وہ کریم ومنان اور قدیم الاحسان ہے۔ اب ہم کچھ حکایتیں اور اخبار خشوع کرنے والوں کی نماز کی کہتے ہیں۔

حکایتِ خاشعین

واضح ہو کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور یقین کا نتیجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے جلال وعظمت سے حاصل ہوتا ہے، اور جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے وہ نماز میں اور غیر نماز میں خشوع کیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تنہائی میں اور پاخانہ میں بھی فروتنی کرتا ہے کیونکہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ خدائے تعالیٰ بندے کے حال پر مطلع ہے اور اس کی عظمت کو اور اپنی تقصیر کو پہچاننا انہیں تین معرفتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہ معرفتیں نماز سے خصوصیت نہیں رکھتیں، اور یہیں جہت بعض اکابر سے مروی ہے کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ سے شرم کے مارے اور خشوع کی جہت سے چالیس[۴] برس تک اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا، اور ربیع بن خثیم اتنا آنکھوں کو تلے رکھتے اور سر جھکاتے رکھتے کہ بعض لوگ خیال کرتے کہ یہ اندھے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیس برس تک جایا آیا کرتے، جب آپ کی لونڈی ان کو دیکھتی تو آپ سے کہتی کہ آپ کا اندھا دوست آیا، حضرت ابن مسعود رض اس قول کو سن کر تبسم فرماتے اور جب یہ دروازے پر دستک دیتے تو لونڈی نکل کر ان کو گردن جھکائے آنکھیں بند دیکھتی اور حضرت ابن مسعود رض جب ان کو دیکھتے تو فرماتے وبشر المخبتین یعنی خوشخبری سنا فروتنی کرنے والوں کو اور کہتے کہ بخدا اگر تم کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، اور ایک روایت میں ہے کہ تم کو محبوب جانتے اور ایک روز حضرت ابن مسعود رض کے ساتھ لوہاروں میں گئے جب بھٹیوں کو دھونکتے اور آگ کو لپیٹ مارتے دیکھا تو چیخ مار کر بیہوش ہو کر گر پڑے، حضرت ابن مسعود رض ان کے سر کے پاس نماز کے وقت تک بیٹھے، ان کو ہوش نہ آیا، ناچار ان کو اپنی پشت پر اٹھا کر اپنے گھر لے آئے اور وہ اس طرح بے ہوش رہے یہاں تک کہ دوسرے روز اسی وقت کے قریب جس میں بے ہوش ہوئے تھے، ہوش آیا اور پانچ نمازیں ان کی قضا ہو گئیں، اور حضرت ابن مسعود رض ان کے سرہانے کہتے تھے کہ بخدا خوف اسے کہتے ہیں۔ اور ربیع کہا کرتے ہیں کہ میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اس میں مجھ کو اور کوئی فکر ہوئی ہو بجز اس کے کہ میں کیا کہتا ہوں اور مجھ سے کیا کہا جاوے گا۔ اور عامر بن عبد اللہ نماز کے اندر خشوع والوں میں تھے جب نماز پڑھتے تو ان کی لڑکی دف بجاتی اور عورتیں گھر میں جو کچھ چاہتیں آپس میں باتیں کرتیں مگر وہ نہ سنتے اور کچھ نہ سمجھتے، ایک روز کسی نے ان سے کہا کہ نماز کے اندر تمہارا نفس کوئی بات کرتا ہے، فرمایا کہ ہاں اپنا

ث تم کس چیز سے پڑے دوزخ میں وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے ۱۲ ح احمد و ابو داؤد و نسائی ۱۲

کھڑا ہونا خدائے تعالیٰ کے سامنے اور وہاں سے دو مکانوں میں سے ایک کی طرف پھر آنا دل میں گزرتا ہے، کسی نے ان سے کہا کہ بھلا جو دنیا کی باتیں ہم کو دل میں گذرتی ہیں، ان میں سے بھی تم کچھ اپنے دل میں پاتے ہو، فرمایا کہ اگر مجھ میں برچھیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاویں تو یہ مجھے محبوب تر ہے اس سے کہ نماز میں وہ امور معلوم کروں جو تم پاتے ہو۔ اور کہا کرتے کہ اگر پردہ اٹھا لیا جاوے تو میں یقین میں کچھ زیادہ نہ ہوں، اور مسلم بن لیسار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھے، سُنا ہے کہ نماز پڑھنے میں مسجد کا ستون گر پڑا اور ان کو خبر نہ ہوئی اور بعض اکابر کا عضو کچھ سڑ گیا تھا، اس میں ضرورت اس کے کاٹنے کی ہوئی مگر ان سے برداشت نہ ہو سکا، کسی نے کہا کہ نماز کے اندر جو کچھ ان پر گزر جاوے، ان کو خبر نہیں ہوتی، پس نماز میں وہ عضو جدا کیا گیا۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ نماز آخرت میں سے ہے تو جب تم اس میں داخل ہوتے دنیا سے باہر ہوئے۔ اور کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ نماز کے اندر تمہارا دل کوئی بات دنیا کی بھی کرتا ہے یا نہیں، انہوں نے جواب دیا کہ نہ نماز میں کرتا ہے نہ غیر نماز میں۔ اور بعض اکابر سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نماز میں کسی چیز کو یاد کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ بھلا نماز سے بہتر میرے نزدیک کوئی چیز ہے کہ میں اس کو نماز میں یاد کروں۔ اور حضرت ابو درداء رضہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی سمجھ میں سے ہے یہ بات کہ نماز میں داخل ہونے سے پیشتر اپنی حاجت کرے تاکہ نماز میں فارغ دل ہو کر داخل ہو۔ اور بعض اکابر وسواس کے ڈر کے مارے نماز میں تخفیف کیا کرتے یعنی جلد پڑھ لیتے۔ اور مروی ہے کہ عمار بن یاسر نے ایک نماز پڑھی اور تخفیف کے ساتھ ادا کی۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ نے تخفیف کی، فرمایا کہ تم نے دیکھا میں نے نماز کی حدود میں سے تو کچھ نہیں کم کیا لوگوں نے کہا کہ نہیں، فرمایا کہ میں نے شیطان کے سہو پر جلدی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس میں سے اس کے لیے نہ آدھی لکھی جاتی ہے نہ تہائی نہ چوتھائی نہ پانچواں حصہ نہ چھٹا نہ دسواں اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کے لیے اس کی نماز میں سے اسی قدر لکھا جاتا ہے جس قدر کو وہ سمجھتا ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضہ اور زبیر رضہ اور کچھ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم سب لوگوں سے زیادہ مختصر نماز پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس قدر سے ہم شیطان کے وسوسہ سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اور مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا کہ آدمی کے دونوں رخسارے اسلام میں سفید ہو جاتے ہیں حالانکہ خدائے تعالیٰ کے لیے ایک نماز بھی پوری نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز کے خشوع اور تواضع کو تمام نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف خوب متوجہ نہیں ہوتا اس لیے کہ کوئی نماز پوری نہ ہوئی۔ اور ابو العالیہ رضہ سے کسی نے ھُمۡ عن صلوتھم ساھون[1] کا حال پوچھا، فرمایا کہ وہ لوگ مراد ہیں کہ اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ کتنی رکعتوں کے بعد فارغ ہوں گے جفت کے خواہ طاق کے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وہ شخص مراد ہے کہ نماز کے وقت کو بھولا رہے یہاں تک کہ وہ گذر بھی جاوے۔ اور بعض نے فرمایا کہ وہ شخص مراد ہے کہ اگر نماز اول وقت میں پڑھی تو خوش نہ ہوا، اور اگر وقتِ اول سے تاخیر کر دی تو غم نہ کیا، یعنی نہ اول وقت پڑھنے کو ثواب جانے نہ تاخیر کو گناہ جاننا چاہیئے کہ کبھی نماز کا بعض حصہ شمار میں آتا ہے اور لکھا جاتا ہے اور داخل نماز اور کتابت میں نہیں ہوتا چنانچہ اس بات پر اخبار دلالت کرتے ہیں اگرچہ فقہ والے یہی کہتے ہیں کہ صحت کے باب میں نماز کے

[1] وہ اپنی نمازوں سے غافل ہیں ۱۲

اجزاء نہیں ہوتے مگر اس کا صاحب اجزاء ہونا ایک اور جہت سے ہے جو اوپر ہم نے لکھی ہے۔ اور یہ بات حدیثوں سے بھی معلوم ہوتی ہے، مثلاً فرضوں کے نقصان کا جبر نفلوں سے ہونا وارد ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فرائض کے سبب سے بندہ مجھ سے نجات پا گیا اور نوافل سے میری طرف نزدیک ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے نجات نہ پاوے گا مگر در صورت ادا کرنے ان امور کے جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھی اور اس کی قرأت میں ایک آیت چھوڑ دی جب آپ نماز سے فارغ ہوتے، پوچھا کہ میں نے کیا پڑھا؟ سب لوگ خاموش رہے، حضرت ابی ابن کعب سے پوچھا انہوں نے عرض کیا، آپؐ نے فلاں سورت پڑھی اور اس میں فلاں آیت نہیں پڑھی ہم کو معلوم نہیں کہ وہ منسوخ ہو گئی یا اٹھائی گئی، آپؐ نے فرمایا کہ اے ابی تو اس کے لیے ہے پھر اوروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ اپنی نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور صفوں کو پوری کرتے ہیں اور ان کا نبی سامنے ہوتا ہے ان کو خبر نہیں کہ ان کے رب کی کتاب میں سے ان پر کیا پڑھتا ہے، سن لو کہ بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ تم اپنے بدن میرے سامنے کرتے ہو اور اپنے الفاظ مجھ کو دیتے ہو اور دلوں سے مجھ سے غائب ہوتے ہو، جس بات کی طرف تم مائل ہو وہ باطل ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کی قرأت سننی اور سمجھنی اپنے آپ سورت پڑھنے کے قائم مقام ہے، اور بعض اکابر نے کہا کہ آدمی سجدہ کرتا ہے اور اپنے عندیہ میں اس سے خدا تعالیٰ کا تقرب جانتا ہے حالانکہ اگر اس سجدہ کی حالت کے اس کے گناہ سارے شہر پر بانٹ دیے جاویں تو سب لوگ ہلاک ہو جاویں، لوگوں نے کہا کہ یہ کیسے؟ کہا کہ وہ تو خدا کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور اس کا دل خواہش نفس کی طرف مائل ہوتا ہے اور امر باطن کا جو اس پر چھایا ہوا رہتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے۔ غرض کہ حکایات گذشتہ سے صفت خاشعین کی معلوم ہوئی اور یہ حکایات اور اخبار مع بیان گذشتہ اس بات پر دال ہیں کہ نماز کے اندر اصل خشوع اور دل کا حاضر ہونا ہے اور صرف حرکات غفلت کے ساتھ آخرت میں مفید کم پڑیں گے خدائے تعالیٰ ہم کو بھی اپنے لطف و احسان سے توفیق عنایت فرماوے۔

چوتھی فصل :- امامت کا ذکر

جاننا چاہیے کہ امام پر کچھ اعمال نماز سے پیشتر اور کچھ قرأت کے اندر اور کچھ ارکان نماز میں اور بعض سلام کے بعد ہیں اسی جہت سے اس فصل کو چار قسموں میں لکھا جاتا ہے۔

ذیلی فصل ۱: وہ امور جو نماز سے قبل ضروری ہیں نماز سے پہلے چھ کام امام پر ہیں۔ اول یہ کہ جو قوم اپنے امام کو پسند نہ کرے ان کی امامت نہ کرے اور اگر بعض ناپسند کریں اور بعض پسند کریں تو

اعتبار ان کا ہوگا جو بہت ہوں۔ لیکن جس صورت میں کہ کمتر نیک بخت اور دین دار ہوں تو کمتر ہی کا اعتبار کرنا بہتر ہے۔ اور حدیث شریف[1] میں ہے کہ تین شخصوں کی نماز ان کے سر کے اوپر نہیں ابھرتی، ایک غلام بھاگا ہوا، دوسرے وہ عورت کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو، تیسرے امام ان لوگوں کا جو اس کی امامت سے ناخوش ہوں اور جیسے آگے بڑھنا لوگوں کی ناخوشی کے ساتھ ممنوع ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی نہ چاہیئے کہ مقتدیوں میں کوئی اس سے زیادہ فقیہہ اور قاری ہو، ہاں اگر وہ امامت نہ کرے تو آگے بڑھنا مضائقہ نہیں، اور اگر ان امور میں سے کوئی نہ ہو تو جب لوگ آگے بڑھنے کو کہیں، بڑھ جاوے بشرطیکہ اپنے نفس میں شروط امامت کی بجاآوری معلوم کرے اور اس صورت میں مکروہ ہے کہ ایک دوسرے کو امامت کے واسطے کہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے تکبیر ہونے کے بعد امامت کو ایک دوسرے پر ٹالا تو وہ زمین میں دھنسا دیے گئے، اور صحابہؓ سے جو امامت کا ایک دوسرے پر ٹالنا مروی[2] ہے تو سبب اس کا یہ تھا کہ وہ اس کو ترجیح دیتے تھے جو امامت کے لائق تر ہوتا تھا۔ یا اپنے نفس پر سہو کا خوف اور ان لوگوں کی نماز کے تاوان کا ڈر رکھتے تھے کہ امام مقتدیوں کی نماز کے کفیل ہوتے ہیں۔ اور ایک وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں میں سے جو شخص امامت کا عادی نہ تھا اس کا دل مقتدیوں سے شرمندگی کی وجہ سے مشغول ہو جاتا تھا اور اخلاص نماز میں جاتا رہتا ہے، خصوصاً قرأت کو پکار کے پڑھنے کی صورت میں، غرضیکہ ان لوگوں میں سے جو امامت سے گریز کرتا تھا تو اس کا سبب اسی جنس کا ہوتا تھا۔ دوم یہ کہ اگر آدمی کو اذان اور امامت میں اختیار دیا جاوے تو چاہیئے کہ امامت اختیار کرے کیونکہ ہر چند فضیلت دونوں کو ہے مگر دونوں کا اکٹھا کرنا مکروہ ہے امام اور ہونا چاہیئے اور مؤذن دوسرا۔ اور جب جمع کرنا ان کا دشوار ہے تو امامت بہتر ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اذان بہتر ہے، چنانچہ اس کی فضیلت ہم ذکر کر چکے ہیں، اسی فضیلت کی وجہ سے اذان کو بہتر کہتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[2] الامام ضامن والمؤذن مؤتمن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امامت میں ضمانت کا خطرہ ہے اور فرمایا[3] الامام امیر فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا اور حدیث[4] میں یہ بھی ہے کہ اگر امام نماز کو پورا کرے گا تو ثواب اس کو اور مقتدیوں کو سب کو ہوگا اور اگر ناقص کرے گا تو وبال اسی پر ہوگا نہ مقتدیوں پر، اور اس جہت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارشد[5] الائمۃ واغفر للمؤذنین تو مغفرت کی طلب کرنی چاہیئے کیونکہ رشد کی طلب بھی مغفرت ہی کے لیے ہوتی ہے۔ اور ایک حدیث[6] میں ہے کہ جو شخص ایک مسجد میں سات برس امامت کرے اس کے لیے جنت واجب ہے اور جو شخص چالیس برس اذان دے جنت میں بے حساب داخل کیا جاوے گا اور یہیں وجہ صحابہؓ سے منقول ہے کہ وہ امامت کو ایک دوسرے پر ٹالا کرتے تھے اور

---

[1] ترمذی بروایت ابوامامہ ۱۲ [2] امام ضامن ہے اور اذان دینے والا امانت دار ہے [3] ابو داؤد و ترمذی بروایت ابوہریرہؓ [3] امام حاکم ہے جب وہ رکوع کرے رکوع کرو اور جب سجدہ کرے سجدہ کرو منہ حمیدی میں ہے بروایت ابوہریرہؓ [4] بخاری بروایت ابوہریرہؓ و ابو داؤد اور ابن ماجہ و حاکم بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ [5] الٰہی راہ راست دکھا اماموں کو اور مغفرت فرما اذان دینے والوں کو یہ ٹکڑا حدیث مقدم الامام ضامن الخ کا ہے جو اوپر گذری ۱۲ [6] ترمذی بروایت ابن عباسؓ اور کہا یہ حدیث غریب ہے ۱۲

صحیح یہ ہے کہ امامت افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور ان کے بعد اور ائمہؒ نے اس پر مداومت کی اور یہ ٹھیک ہے کہ اس میں ضمان کا خطرہ ہے مگر فضیلت بھی خطر ہی کے ساتھ ہے جیسے رتبہ امیر اور خلیفہ ہونے کا افضل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ صاحب سلطنت عادل کا ایک روز ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ امر خالی خطر سے نہیں اور امامت کے افضل ہونے کی جہت سے مستحب ہے کہ افضل اور فقیہ تر امام ہو، اور آنحضرت[2] صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے امام تمہارے شفیع ہوں گے یا یوں فرمایا کہ تمہاری طرف سے خدا تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں۔ پس اگر تم اپنی نماز کو صاف کرنا چاہو تو جو تم میں سے بہتر ہو اس کو آگے کیا کرو اور بعض سلف کا قول ہے کہ انبیاء کے بعد علماء سے افضل کوئی نہیں اور علماء کے بعد نماز پڑھنے والے اماموں سے زیادہ کوئی نہیں کیونکہ یہ تینوں فریق خدائے تعالیٰ اور اس کی خلق میں ذریعہ ہیں، انبیاء اپنی نبوت کے باعث اور علماء علم کی وجہ سے اور امام دین کے رکن یعنی نماز کے باعث، اور اسی حجت سے صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلافت پر مقدم ہونے میں دلیل کی تھی یعنی یہ کہا تھا کہ نماز دین کا رکن[3] ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو ہمارے دین کے لیے پسند کیا اسی کو ہم نے اپنی دنیا کے لیے پسند کیا اور صحابہؓ نے حضرت بلالؓ کو خلافت کے لیے نہ پسند کیا اور یہ حجت نہ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان کے لیے پسند کیا تھا اور اذان افضل ہے تو ان کو ہی افضل سمجھ لیں، اور یہ جو مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو[4] کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیے جس سے میں جنت میں داخل ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ مؤذن ہو جا، اس نے کہا مجھ کو طاقت نہیں، آپؐ نے فرمایا امام ہو جا، اس نے کہا کہ مجھ سے نہیں ہو سکتا، آپؐ نے فرمایا کہ تو امام کے پیچھے نماز پڑھا کر، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو شاید یہ گمان ہو کہ امامت پر یہ راضی نہ ہوگا کیونکہ اذان تو اس کے اختیار میں ہے اور امامت دوسروں کے کرنے اور آگے بڑھانے سے ہوتی ہے اس لیے اوّل مؤذن ہونے کو فرمایا، پھر یہ خیال ہوا کہ شاید یہ امامت پر قادر ہو جاوے، اس لیے اس کا ذکر بعد میں فرمایا۔ سوم یہ کہ امام نماز کے اوقات کو ملحوظ رکھے اور نماز اوّل وقت میں پڑھاوے تاکہ خدا تعالیٰ کی رضامندی ملے کیونکہ اوّل وقت کی فضیلت آخر وقت پر ایسی ہے جیسے آخرت کی فضیلت دنیا پر ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی[5] ہے اور حدیث میں[6] ہے کہ بندہ نماز کے آخر وقت میں نماز پڑھتا ہے اور یہ نماز اس سے فوت نہیں ہوتی مگر اس کا جو اوّل وقت اس سے فوت ہو گیا وہ اس کے حق میں دنیا و مافیہا سے بہتر تھا۔ اور جماعت کی کثرت کے انتظار میں نماز کو دیر کر کے نہ ادا کرنا چاہیے، بلکہ اوّل وقت کی فضیلت حاصل کرنے

---

[1] طبرانی بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [2] دارقطنی و بیہقی بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲ [3] ابن شاہین بروایت علی رضی اللہ عنہ ۱۲ [4] بخاری در تاریخ و طبرانی اور اوسط بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲ [5] ابو منصور دیلمی اور مسند فردوس بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ [6] دارقطنی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲

کی مبادرت کرنی چاہیئے اور لمبی سورت پڑھے، اور یہ کثرت جماعت کی نسبت افضل ہے اور کہتے ہیں کہ اکابر سلف جب دو آدمی آجاتے تھے تو جماعت کے لیے تیسرے کا انتظار نہ کرتے تھے اور جنازے میں جب چار جمع ہو جاتے تھے تو پانچویں کا انتظار نہ کرتے تھے۔ اور ایک بار سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز فجر میں طہارت کے باعث دیر ہوئی تو آپ کا انتظار نہ کیا گیا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے امام کر دیا، انہوں نے نماز پڑھائی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رکعت نہ ملی آپ اس کو پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو اس بات سے خوف ہوا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا، اسی طرح کیا کرو۔ اور ایک بار ظہر کی نماز میں آپ کو دیر ہو گئی تو لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگ نماز میں تھے، آپ حضرت ابوبکر صدیق کے برابر کھڑے ہو گئے۔ اور امام پر مؤذن کا انتظار نہیں بلکہ مؤذن کو انتظار امام کا تکبیر کہنے کے لیے چاہیئے اور جب امام آجاوے تو پھر کسی کا انتظار نہ کرے۔ چہارم یہ کہ امامت اخلاص کے ساتھ کرے اور نماز کی سب شرطوں میں خدائے تعالیٰ کی امانت ادا کرے، اخلاص کی صورت یہ ہے کہ امامت پر اجرت نہ لے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابوالعاص ثقفی کو امیر مقرر فرمایا اور ارشاد کیا کہ مؤذن ایسے کو کرنا جو اذان پر اجرت نہ لے اور اذان نماز کا ذریعہ ہے جب اس پر اجرت نہ لینے کو فرمایا تو نماز پر بطریق اولیٰ نہ لینی چاہیئے۔ پس اگر مسجد کی آمدنی جو امام کے لیے وقف ہو اس میں سے اپنا رزق لے یا بادشاہ کے ہاں سے یا لوگوں میں سے کسی سے کچھ پاوے تو یہ لینا حرام تو نہیں مگر مکروہ ہے۔ اور فرائض کی امامت پر لینا بہ نسبت تراویح کی امامت کے زیادہ تر مکروہ ہے اور یہ مزدوری اپنی حاضر باشی اور مسجد کی چیزوں کی نگرانی کی سمجھ لے نفس نماز پر نہ جانے، اور امانت یہ ہے کہ باطن میں فسق اور کبیرہ گناہوں اور صغیرہ پر اصرار سے طاہر ہے کہ امامت کے متکفل کو ان امور سے حتی الوسع بچنا چاہیئے کیونکہ وہ لوگوں کا سفارشی اور ان کی طرف سے بولنے والا ہے تو چاہیئے کہ ان میں سے بہتر ہو، اور یہی حال طہارت ظاہر کا ہے کہ بے وضو ہونے اور ناپاکی سے طاہر ہو کہ ان امور پر بجز اس کے اور کسی کو خبر نہیں، پس اگر نماز کے اندر بے وضو ہونا یاد آوے یا وضو ٹوٹ جاوے تو یہ نہ چاہیئے کہ شرم کرے، بلکہ جو شخص اس کے پاس کھڑا ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو خلیفہ کر دے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اثنائے نماز میں ناپاکی یاد ہوئی تو آپ نے خلیفہ کر دیا اور غسل کر کے پھر نماز میں آملے۔ اور سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لو مگر پانچ شخصوں کے پیچھے نہ پڑھو، ایک جو ہمیشہ شراب پیوے، دوسرا فاسق معلن تیسرا ماں باپ کا نافرمان ہو، چوتھا بدعتی، پانچواں بھاگا ہوا غلام، پنجم یہ کہ نیت نہ باندھے جب تک کہ صفیں برابر نہ ہو جاویں اور اپنے داہنے اور بائیں دیکھ لے اور اگر کچھ صفوں میں خلل دیکھے تو برابر کرنے کو کہہ دے۔ کہتے ہیں کہ اکابر سلف مونڈھوں کو برابر اور ٹخنوں کو ایک دوسرے کے ٹخنوں سے ملا رکھتے تھے اور اللہ اکبر نہ کہے جب تک کہ مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو اور مؤذن اذان

خ بخاری ومسلم بروایت مغیرہ بن شعبہ ۱۲ خ بخاری ومسلم بروایت سہل بن سعد ۱۲ خ اصحاب سنن وحاکم بروایت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ۱۲
خ ابوداؤد بروایت ابی بکرہ مگر اس روایت میں ذکر خلیفہ کرنے کا نہیں ۱۲

کے بعد تکبیر کے لیے اتنا ٹھہرے کہ لوگ نماز کی تیاری اس وقت میں کر سکیں چنانچہ حدیثؒ میں آیا ہے کہ مؤذن اذان اور تکبیر کے درمیان اتنا ٹھہرے کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جاوے اور بول و براز والا اپنی حاجت سے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے بول و براز دباؤ کی صورت میں نماز سے منع فرمایا ہے[2] اور طعام شب کو عشا سے پہلے کھا لینے کو ارشاد کیا[3] تاکہ دل فارغ ہو جاوے۔ ششم یہ کہ تکبیر تحریمہ اور تمام تکبیروں کو پکار کر کہے اور مقتدی اپنی آواز اتنی ہی نکالے کہ اپنے آپ سن لے اور اپنی تکبیر امام کی تکبیر سے پیچھے کہے یعنی جب وہ اللہ اکبر کہہ لے تو آپ شروع کرے۔ اور اکیلا پڑھنے والا امامت کی نیت کر کے کھڑا ہو تاکہ ثواب ملے اور اگر نیت امامت کی نہ کرے اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی نیت کر لی تو نماز اس کی اور لوگوں کی درست ہو گی اور مقتدیوں کو جماعت کا ثواب بھی ملے گا اور اس کو امامت کا ثواب نہ ملے گا۔

ذیلی فصل ۲ قرأت

قرأت میں امام کو تین امور ملحوظ رہیں، اوّل یہ کہ شروع کی دعا اور اعوذ اکیلے شخص کی طرح آہستہ پڑھے اور الحمد اور سورۃ کو فجر کی تمام نماز میں اور مغرب اور عشاء کی دو پہلی رکعتوں میں پکار کر پڑھے، اسی طرح اکیلا پڑھے اور جہری نماز میں آمین پکار کر کہے۔ اور اپنی آمین امام کی آمین کے ساتھ ہی کہے۔ اس سے پیچھے نہ کہے اور بسم اللہ کو آواز سے پڑھے، اس باب میں حدیثیں دونوں صورت سے آئی ہیں، مگر امام شافعیؒ نے جہر بسم اللہ کو اختیار فرمایا ہے[4]۔ دوسرے یہ کہ قیام کی حالت میں امام تین توقف کرے، اسمرہ بن جندب اور عمران حصین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے[5] اوّل سکتہ اللہ اکبر کہنے کے بعد، یہ سکتہ سب میں بڑا ہو، اس قدر کہ مقتدی اس میں الحمد پڑھ لیں اور یہ سکتہ اس وقت کرے جب شروع کی دعا پڑھنے کا وقت ہے اس لیے اگر سکتہ نہ کرے گا تو مقتدیوں کو سننا قرآن کا فوت ہو جاوے گا تو جس قدر ان کی نماز میں نقصان ہو گا اس کا وبال امام کے ذمہ ہو گا اور اگر امام سکتہ کرے اور مقتدی اس میں الحمد نہ پڑھیں اور کسی چیز میں مشغول ہوں تو یہ قصور ان کے ذمہ رہے گا نہ امام پر دوسرا سکتہ الحمد سے فارغ ہونے کے بعد کرے تاکہ مقتدی اگر الحمد رہ گئی ہو تو اس سکتہ میں پوری کر لیں اور یہ سکتہ پہلے سے آدھا کرے۔ تیسرا سکتہ سورت پڑھنے کے بعد رکوع سے پہلے ہے، یہ سب سے تھوڑا ہے، اتنا ہو کہ قرأت رکوع کی تکبیر سے علیحدہ ہو جاوے کہ قرأت کو تکبیر میں لانے سے نہی وارد ہے اور مقتدی امام کے پیچھے بجز الحمد کے اور کچھ نہ پڑھے، پس اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ساتھ الحمد پڑھتا جاوے اور اس میں قصور کرنے والا امام ہو گا کہ مہلت نہ دی، اور اگر جہری نماز میں مقتدی فاصلہ کی جہت سے امام کی آواز نہ سنے یا ایسی نماز ہو جس میں قرأت آہستہ پڑھی جاتی ہے تو مقتدی کو سورت پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ صبح میں دو سورتیں مثانی میں سے پڑھے جس میں سو آیتوں سے کم ہوں کیونکہ فجر کی نماز میں قرأت کو بڑھانا اور اندھیرے میں پڑھنا سنت ہے اور اگر

---

[1] ترمذی و حاکم بروایت جابر رضی اللہ عنہ اور ترمذی نے کہا کہ اس کی اسناد مجہول ہیں ۱۲ [2] مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [4] دار قطنی اور حاکم نے بروایت ابن عباسؓ بسم اللہ کا پکار کر پڑھنا روایت کیا ہے [5] احمد بروایت سمرہ بن جندب لیکن اس حدیث میں دو سکتوں کا ذکر ہے ۱۲

پڑھتے پڑھتے خوب اُجالا ہو جائے تو کچھ ضرر نہیں، اور دوسری رکعت میں اگر سورتوں کا آخر مقدار تیس یا بیس آیتوں کے پڑھے یہاں تک کہ سورت ختم ہو جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ سورتوں کا آخر اکثر کانوں میں مکرر نہیں پڑھتا تو ان کا پڑھنا وعظ کی روسے اچھا ہو گا اور زیادہ تر فکر کا موجب ہو گا۔ اور بعض علماء نے جو کراہت ایک حصہ کے پڑھنے کی لکھی ہے تو وہ یہ صورت ہے کہ کسی سورت کا اول پڑھ کر چھوڑ دے حالانکہ حدیث میں یہ صورت بھی آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر سورہ یونس پڑھی، اور جب موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر آیا تو رکوع کر دیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورت بقر کی ایک آیت قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الآیۃ کو ایک رکعت میں اور دوسری ربنا آمنا بما انزلت الآیۃ پڑھی اور بلال رضؓ کو سنا کہ کہیں کہیں سے پڑھتے ہیں، ان سے اس کی وجہ پوچھی، عرض کیا کہ میں عمدہ کو عمدہ سے ملاتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ خوب کیا اور ظہر میں طوال مفصل تیس آیتوں تک اور عصر میں اس کا نصف اور مغرب میں مفصل کی آخر کی آیتیں یا آخر سورتیں پڑھے اور آخر نماز مغرب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، اس میں سورہ مرسلات پڑھی تھی، اور پھر وفات شریف تک نماز نہیں پڑھی۔ حاصل یہ کہ مختصر پڑھنا بہتر ہے خصوصاً جس صورت میں کہ جماعت بہت ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کوئی لوگوں کو نماز پڑھاوے تو قرأت مختصر کرے کہ ان میں کمزور اور بوڑھے اور کام والے ہوتے ہیں اور جب اپنے آپ پڑھے تو جتنی چاہے لمبی قرأت کرے۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ ایک قوم کو عشاء پڑھایا کرتے تھے اس میں سورۂ بقر پڑھی، ایک آدمی نماز سے نکل گیا اور علیحدہ نماز پڑھ لی، لوگوں نے کہا کہ یہ شخص منافق ہو گیا، اس بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی، آپ نے معاذ رضؓ کو جھڑکا اور فرمایا کہ لوگوں کو مصیبت میں ڈالتے ہو، اور دین سے نکالنا چاہتے ہو۔

ذیلی فصل ۳: ارکان

اور وہ تین ہیں، اول یہ کہ رکوع اور سجدہ ہلکا کرے اور ان کی تسبیحات تین سے زیادہ نہ کہے، چنانچہ حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ اور کسی کی نماز نہیں دیکھی کہ ہلکی بھی ہو اور ارکان سب پورے ہوں، ہاں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے نماز پڑھی، اور اس وقت میں وہ مدینہ منورہ کے حاکم تھے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس جوان کی نماز سے زیادہ اور کسی کی نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نہیں پایا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے دس دس بار تسبیح کہا کرتے تھے اور ایک روایت مجمل طور پر آئی ہے کہ صحابہ رضؓ نے فرمایا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رکوع اور سجدہ میں دس دس بار تسبیح کہا کرتے تھے، اور یہ صورت اچھی ہے مگر جب جماعت بہت ہو

ح مسلم بروایت عبداللہ بن السائب ۱۲ ح مسلم بروایت ابن عباس رضؓ ۱۲ ح ابوداؤد بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ح بخاری و مسلم بروایت ام فضل ۱۲ ح بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ح بخاری و مسلم بروایت جابر مگر اس میں ذکر والسماء والطارق کا نہیں، بیہقی کے نزدیک ہے ۱۲ ح بخاری و مسلم ۱۲ ح ابوداؤد و نسائی بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲ ح اس کی سند بجز اس سے پہلے حدیث انس رضؓ کے اور کہیں نہیں ملی ۱۲

تو تین بار کہنا بہتر ہے لیکن اگر جماعت میں صرف دیندار ریاضتی ہی ہوں تو دس کا بھی مضائقہ نہیں، ان روایات میں جمع کرنے کی یہ صورت ہے اور امام کو چاہیئے کہ جب رکوع سے اپنا سر اٹھادے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے، دوسرے یہ کہ مقتدی کو امام پر سبقت کرنی نہ چاہیئے بلکہ رکوع اور سجدہ میں اس سے پیچھے جاوے اور جب تک امام کا سر زمین تک نہ پہنچ جاوے تب تک سجدہ کے لیے نہ جھکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء صحابہؓ اسی طرح کرتے تھے اور رکوع کے لیے نہ جھکتے جب تک امام رکوع میں اچھی طرح نہ آجاوے، اور بعض کا قول یہ ہے کہ آدمی تین قسم پر نماز سے فارغ ہوتے ہیں، ایک تو پچیس نمازوں کا ثواب لے کر نکلتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ تکبیر اور رکوع امام کے بعد کرتے ہیں، اور کچھ لوگ ایک ہی نماز کا ثواب لے کر نکلتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ امام کے ساتھ ساتھ اعمال کرتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں کہ انہیں نماز کچھ نہیں ملتی یہ وہ ہیں کہ امام سے آگے عمل کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص جماعت میں پیچھے آیا جس وقت امام رکوع میں ہے تو امام کو رکوع بڑھا دینا چاہیئے تاکہ وہ شخص بھی جماعت کے ثواب میں شریک ہو جاوے اور یہ رکعت فوت نہ ہو اور غالباً نیت اگر درست ہو تو اس امر میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ بہت سا عرصہ نہ ہو کر سب مقتدی گھبرا جاویں کیونکہ رکوع بڑھانے میں حاضرین کے حق کی رعایت ضروری ہے تو اس قدر بڑھا دے جوان پر ناگوار نہ گذرے، تیسرے یہ کہ دعائے تشہد اتنی نہ بڑھا دے کہ خود تشہد سے بڑھ جاوے تاکہ بہت طول نہ ہو جاوے اور دعا میں اپنے نفس کو خاص نہ کرے بلکہ جمع کا صیغہ کہے اللھم اغفرلنا کی جگہ اغفرلی نہ کہے کیونکہ امام کو اپنے نفس کا خاص کرنا مکروہ ہے اور تشہد میں ان پانچوں کلمات سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہیں پناہ مانگنے کا مضائقہ نہیں تو یوں کہے کہ[۲] نعوذ بك من عذاب جهنم وعذاب القبر نعوذ بك من فتنة المحيا و الممات ومن فتنة المسيح الدجال واذا اردت بقوم فتنة فاقبضنا اليك غير مفتونين اور بعضوں نے کہا ہے کہ دجال کا نام مسیح اس لیے ہوا کہ وہ زمین کو طول میں ناپے گا، اس صورت میں مسیح مساحت سے نکلا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مسیح مسح سے ہے بمعنی پونچھنے اور مٹانے کے اور چونکہ اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہوگی، اس جہت سے مسیح کہلایا۔

ذیلی فصل ۴: سلام پھیرنا

اور وہ بھی تین ہیں، اوّل یہ کہ دونوں سلاموں سے نیت کرے کہ قوم پر اور فرشتوں پر سلام کرتا ہوں، دوسرے یہ کہ فرضوں کے بعد اس جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اور نفل دوسری جگہ پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا ہے،[۳] اور اگر اس کے پیچھے عورتیں ہوں تو کھڑا نہ ہو جب تک کہ عورتیں چلی نہ جاویں۔ اور حدیث مشہور میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد صرف اس قدر بیٹھتے تھے کہ یہ کلمات کہہ لیتے[۴] اللھم انت السلام

---

[۱] بخاری ومسلم بروایت براء بن عازبؓ ۱۲ [۲] الٰہی مغفرت کر ہم کو ۱۲ [۳] ہم پناہ مانگتے ہیں جینے اور مرنے کی مصیبت سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے اور جب تو کسی قوم کا امتحان کرنا چاہے تو ہم کو اپنی طرف بلا امتحان کھینچ لے، اس کی اسناد باب الدعا میں آویں گی بخاری ومسلم روایت کرتے ہیں ۱۲

[۴] مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [۵] تو ہی پاک ہے سب عیبوں سے اور تجھی سے ہماری سلامتی ہے برکت والا ہے تو بزرگی اور بڑائی والا ۱۲

وھنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام تیسرے یہ کہ سلام کے بعد پھر کر اپنا منہ لوگوں کی طرف کرے اور امام جب تک پھر کر نہ بیٹھے، مقتدی کو کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی تو دونوں صاحبوں نے امام سے کہا کہ تمہاری نماز بہت خوب اور کامل تر ہے مگر ایک بات رہ گئی ہے کہ تم نے جب سلام پھیرا تو مقتدیوں کی طرف پھر کر نہ بیٹھے، پھر لوگوں سے فرمایا کہ تمہاری نماز بہت بہتر ہے مگر تم امام کے پھر کر بیٹھنے سے پیشتر ہی چل دیے، پھر امام جدھر چاہے داہنے بائیں ہو جاوے، اور داہنی طرف بہتر ہے، یہ قواعد اور سب نمازوں کے ہیں، اور صبح کی نماز میں قنوت زیادہ کیا جاوے یعنی امام کہے اہدنا اور اہدنی نہ کہے اور مقتدی آمین کہے اور جب امام یہ کہے انك تقضی ولا تقضی علیك تو اس وقت مقتدی کو آمین کہنا زیبا نہیں، کیونکہ یہ دعا نہیں ہے صرف تعریف ہے تو امام کے ساتھ خود بھی وہی کلمات کہتا جاوے یا کہے[۱] وانا علیٰ ذٰلك من الشاھدین یا کہے[۲] صدقت وبررت یا اور اسی جیسے کلمات کہے اور قنوت میں رفع یدین کرنے کے لیے ایک حدیث مروی ہے اور جب حدیث صحیح ہوگئی تو رفع یدین کرنا مستحب ہے اگرچہ آخر کے تشہد کی دعا کے خلاف ہے کہ اس دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے بلکہ رکھے رہنے دینے پر اعتماد ہے۔ اور ان دونوں میں ایک فرق بھی ہے وہ یہ ہے کہ تشہد میں ہاتھوں کے لیے ایک ادب معمولی ہے کہ ایک ہیئت خاص پر رانوں کے اوپر رکھ لیا جاوے اور قنوت میں ان کے واسطے کوئی وظیفہ نہیں تو کچھ بعید نہیں کہ قنوت میں ان کا وظیفہ رفع یدین ہی ہو۔ کہ ہاتھوں کا اٹھانا دعا کے لیے مناسب ہے، واللہ اعلم امامت کے آداب سب یہ تھے جو بیان ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کی بجاآوری کی توفیق عنایت فرماوے۔

پانچویں فصل: جمعۃ المبارک

ذیلی فصل ۱: جمعہ کی فضیلت

جاننا چاہیئے کہ جمعہ کا روز ایک عظیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظمت دی ہے اور مسلمانوں کو خاص فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے[۳] یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع اس آیت میں امور دنیا میں مشغول دنیا ہونے کو اور ان امور کو جو جمعہ میں جانے سے مانع ہوں، حرام فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۴] ان اللہ عز وجل فرض علیکم الجمعۃ فی یومی ھٰذا فی مقامی ھٰذا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[۵] من ترك الجمعۃ ثلاثا

---

[۱] تو حکم کرتا ہے اور تیرے اوپر حکم نہیں کیا جاتا ۱۲ [۲] یوں ہی ہے اور میں اس پر گواہ ہوں ۱۲ [۳] تو نے سچ کہا اور درست کہا ۱۲ [۴] بخاری بروایت انس ۱۲ [۵] اے ایمان والو جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو بیچنا ۱۲ [۶] اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا میرے اس دن میں اور اس مقام میں ۱۲ ابن ماجہ بروایت جابر بسند ضعیف ۱۲ [۷] جو شخص جمعہ چھوڑے تین بار بدون عذر کے اللہ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے ۱۲ احمد و اصحاب سنن و حاکم بروایت ابی ۱۲

من غیر عذر طبع اللہ قلبہ اور دوسری روایت میں[۱] یوں ہے کہ جو کوئی بلا عذر تین جمعہ چھوڑ دے تو اس نے اسلام کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا۔ اور ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شخص کا حال پوچھا کہ وہ مر گیا ہے وہ جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے، وہ شخص ایک مہینے تک برابر آپ کے پاس آکر یہی پوچھتا رہا اور آپ کہتے رہے کہ وہ دوزخی ہے اور حدیث میں[۲] ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جمعہ کا روز دیا گیا، انہوں نے اس میں اختلاف کیا اس لیے ان کو اس سے پھیر دیا گیا اور ہم کو خدائے تعالیٰ نے اس کی ہدایت کردی، اور اس امت کے واسطے اس کو پیچھے ظاہر کیا اور اس کو ان کی عید بنایا۔ پس اس امت کے لوگ جمعہ کو پانے میں سب سے اوّل ہیں اور یہود و نصاریٰ ان کے تابع ہیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میرے[۳] پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک آئینہ روشن تھا، کہا کہ یہ جمعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ پر پیش کیا ہے کہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے واسطے عید ہو، میں نے پوچھا کہ ہم کو جمعہ میں کیا فائدہ ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ ہے کہ اس میں ایک ساعت بہت بہتر ہے جو کوئی اس میں اپنی بہتری کی دعا مانگے، اور اس کے نصیب میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عنایت فرماتا ہے۔ اگر اس کے نصیب میں نہیں ہوتی تو اس کی نسبت کر بہت زیادہ اس کے لیے چیز فرما دیتا ہے یا کوئی اس دن میں بدی سے پناہ مانگے، اور وہ اس شخص پر لکھی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی بدی کی نسبت کر بڑی بدی سے بھی اس کو بچا دے گا۔ اور ہمارے نزدیک یہ روز دنوں کا سردار ہے۔ اور ہم اس کو آخرت میں زیادتی کا دن کہیں گے، میں نے پوچھا کہ یوم المزید کہنے کی کیا وجہ ہے، حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کے پروردگار نے جنت میں ایک وادی مقرر کیا ہے سفید رنگ اور مشک سے زیادہ خوشبو دار، جب جمعہ کا روز ہوگا، علیین سے اپنی کرسی پر نزول اجلال فرمادے گا اور لوگوں کے لیے تجلی فرمادے گا تاکہ اس کے وجہ کریم کو دیکھیں اور ایک حدیث[۴] میں فرمایا کہ بہتر دن جس پر کہ سورج نکلا جمعہ کا روز ہے اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں زمین پر اتارے گئے اور اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی، اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں قیامت ہوگی، اور وہ دن اللہ کے نزدیک یوم المزید ہے۔ آسمان میں فرشتے اس کو یہی کہتے ہیں اور یہی روز ہے کہ اس میں جنت کے اندر دیدار الٰہی ہوگا اور حدیث میں[۵] ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کے روز چھ لاکھ بندے دوزخ سے آزاد فرماتا ہے۔ اور حضرت انسؓ کی حدیث میں[۶] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ سلامت رہتا ہے تو اور دن بھی سلامت رہتے ہیں۔ اور فرمایا[۷] کہ دوزخ ہر روز زوال سے پیشتر جب آفتاب آسمان کے بیچ میں ہوتا ہے، جھونکی جاتی ہے۔ تو اس وقت نماز مت پڑھو، مگر جمعہ کے روز کہ وہ سب نمازوں کا وقت ہے اس میں دوزخ نہیں جھونکی جاتی، اور حضرت

---

[۱] ح ابویعلیٰ و بیہقی اور یہ قول ابن عباسؓ کا ہے ۱۲ [۲] ح بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [۳] ح طبرانی در اوسط بسند ضعیف ۱۲ [۴] ح مسلم بروایت ابوہریرہؓ

[۵] ح ابن عدی و ابن حبان و ضعفا بروایت انسؓ ۱۲ [۶] ح بیہقی بروایت عائشہؓ اور بروایت انسؓ مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۷] ح ابوداؤد بروایت ابوقتادہؓ اور اس کو منقطع بتایا ہے ۱۲

کعبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہروں میں سے مکہ معظمہ کو فضیلت دی ہے اور مہینوں میں سے رمضان کو، اور دنوں میں سے جمعہ کو اور راتوں میں سے شب قدر کو، اور کہتے ہیں کہ پرند اور موذی کیڑے جمعہ کو آپس میں ملتے ہیں اور کہتے ہیں سلام سلام یہ اچھا دن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز مرے، اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا ثواب لکھتا ہے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

ذیلی فصل ۲:- جمعہ کی شرائط

واضح ہو کہ جمعہ شرطوں کے باب میں سب نمازوں کا شریک ہے، یعنی جو اور دن میں شرطیں ہیں وہ جمعہ میں بھی ہیں۔ مگر چھ شرطیں ایسی ہیں کہ وہ جمعہ میں ہیں اور دن میں نہیں، پہلی شرط وقت ظہر ہے، پس اگر امام کا سلام عصر کے وقت میں جا پڑے گا تو جمعہ جاتا رہے گا۔ امام کو لازم ہے کہ دو رکعتیں اور پڑھ کر ظہر پوری کر دے اور مسبوق کی اگر رکعت باقی ظہر کے وقت میں نہ رہے گی تو اس میں خلاف ہے بہتر یہی ہے کہ ظہر پوری کرے، دوسری شرط مکان ہے کہ جمعہ جنگلوں میں اور ویرانوں اور خیموں میں نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ایک ایسی جگہ ضروری ہے جس میں عمارت غیر منقول ہو، اور اس میں چالیس آدمی ان لوگوں میں سے جمع ہو جاویں جن کے ذمہ پر جمعہ لازم ہے اور گاؤں کا حال اس باب میں مثل شہر کے ہے اور جمعہ کے واسطے بادشاہ کا موجود ہونا شرط نہیں اور نہ اس کے اذان دینے کی شرط ہے مگر اس سے پوچھ لینا مستحب ہے۔ تیسری شرط شمار ہے کہ چالیس مرد آزاد بالغ عاقل مقیم سے کم نہ ہوں اور مقیم بھی ایسے ہوں کہ اس شہر سے جاڑے گرمی میں باہر سفر نہ کر جاتے ہوں۔ پس اگر خطبہ میں یا نماز میں چالیس سے کم ہو جاویں تو جمعہ درست نہ ہوگا بلکہ یہ چالیس کی شمار اول سے آخر تک ہونی شرط ہے۔ چوتھی شرط جماعت ہے کہ اگر چالیس آدمی کسی گاؤں یا شہر میں متفرق پڑھ لیں گے تو ان کا جمعہ درست نہ ہوگا۔ لیکن جو ایک رکعت کے بعد آکر ملا ہو اس کو البتہ دوسری رکعت اکیلے پڑھنی درست ہے اور اگر دوسری رکعت کا رکوع نہ ملے تو اقتدا میں نیت ظہر کی کر کے مل جاوے اور امام کے سلام کے بعد ظہر پوری کرے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اسی شہر میں اور جمعہ اس روز نہ ہو لیا ہو، لیکن جس صورت میں کہ سب لوگوں کا جمع ہونا مسجد جامع میں دشوار ہو تب دو مسجدوں خواہ تین یا چار میں بقدر حاجت جائز ہے اور اگر ضرورت دوسری مسجد کی نہ ہو تب جمعہ وہی درست ہے جس کی نیت سب سے پیشتر ہوئی ہوگی۔ اور حاجت کی صورت میں اگر کئی جگہ جمعہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اماموں میں سے جو بہتر ہو اس کے پیچھے نماز پڑھے اور اگر امام فضیلت میں برابر ہوں تو جو مسجد پہلے کی ہو اس میں پڑھے اور اگر وہ بھی برابر ہوں تو جو قریب ہو اس میں پڑھے اور آدمیوں کی کثرت بھی قابل لحاظ ہے۔ چھٹی شرط دو خطبے ہیں، یہ دونوں فرض ہیں اور ان میں قیام فرض ہے اور دونوں کے بیچ میں بیٹھنا فرض ہے۔ پہلے خطبے میں چار چیزیں فرض ہیں، اول تحمید اور ادنیٰ یہ ہے کہ الحمد للہ ہی کہہ لے، دوم درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر، سوم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرنی، چہارم قرآن مجید میں سے ایک آیت کا پڑھنا،

ح ترمذی نے یہ مضمون بروایت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کیا ہے اور اس کی سند کو غیر متصل کہا ہے ۱۲ اللہ رحم کرے اس شخص پر کہ اول وقت جمعہ میں آوے اور شروع سے خطبہ سنے اور نہلاوے ۱۲ اصحاب سنن و حاکم بروایت اوس بن اوس ۱۲

اسی طرح دوسرے خطبہ میں چاروں باتیں فرض ہیں مگر اس میں آیت کی جگہ دعا مانگنی واجب ہے اور دونوں خطبوں کا سننا فرض ہے چالیسوں آدمی سنیں۔ اور سنتیں جمعہ کی یہ ہیں کہ جب دوپہر ڈھل جاوے اور مؤذن اذان دے چکے اور امام منبر پر بیٹھے تو نماز کوئی نہیں چاہیے بجز تحیۃ المسجد کے، اور گفتگو اس وقت موقوف ہوتی ہے کہ خطبہ شروع ہو جاوے۔ اور خطیب منبر پر چڑھ کر جب لوگوں کی طرف منہ کرے تو السلام علیکم کہے اور وہ لوگ اس کا جواب دیں اور جب مؤذن اذان سے فارغ ہو چکے تو خطیب لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور داہنے دبائیں متوجہ نہ ہو، اور اپنے دونوں ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھ لے یا عصا پر رکھ لے تاکہ ہاتھوں سے کوئی لغو کام نہ کرے یا ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ لے اور دو خطبے پڑھے جن دونوں کے درمیان تھوڑا سا جلسہ ہو اور خطبوں میں اجنبی لغت استعمال نہ کرے اور نہ بہت لمبا کرے اور نہ گادے، بلکہ خطبہ مختصر کرے بلیغ اور سب مضامین کا جامع ہو۔ اور مستحب ہے کہ دوسرے خطبے میں بھی آیت پڑھے اور جب امام خطبہ پڑھتا ہو اور کوئی شخص مسجد میں آوے تو سلام نہ کرے اور اگر سلام کرے تو جواب کا مستحق نہیں بلکہ اشارے سے جواب دینا اچھا ہے۔ اور چھینکنے والے کا جواب بھی نہ دینا چاہیئے، یہ شرطیں جمعہ کی صحت کی تھیں۔ وجوب کی شرطیں یہ ہیں کہ جمعہ اسی شخص پر واجب ہے جو مرد بالغ عاقل مسلمان آزاد ایسی بستی میں ٹھہرا ہو جس میں اس صفت کے چالیس آدمی ہوں یا شہر کے نواح میں کسی ایسے گاؤں میں مقیم ہو کہ اگر کوئی بلند آواز آدمی شہر کے اس کنارے سے جو اس گاؤں کے متصل ہے اذان دے اور غل بھی موقوف ہو تو اس گاؤں میں آواز پہنچ جاوے، پس گاؤں والے پر جمعہ واجب ہوگا اس آیت کی رو سے یاایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔ اور جن پر جمعہ واجب ہے ان کو مینہ اور کیچڑ اور خوف اور بیماری اور بیمار کی خبر گیری کے عذر سے بشرطیکہ اور کوئی خبر گیران بیمار کا نہ ہو جمعہ کے ترک کرنے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں عذر والوں کو مستحب یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں تاخیر کریں، یہاں تک کہ لوگ جمعہ سے فارغ ہو جاویں، اور اگر جمعہ میں ایسا شخص حاضر ہو جس پر جمعہ واجب نہیں مثلاً مریض یا مسافر یا غلام یا عورت، تو ان کا جمعہ درست ہوگا اور ظہر کی نماز سے کافی ہوگا، ظہر کی ضرورت نہ رہے گی۔

ذیلی فصل ۳: جمعہ کے آداب

یہ دس باتیں ہیں، اول یہ کہ پنجشنبہ کے روز جمعہ کے قصد سے اور اس کے فضل کے استقبال کی نیت سے مستعد ہو یعنی جمعرات کی عصر کے بعد دعا اور استغفار اور تسبیح میں مشغول ہو کیونکہ یہ وقت اس ساعت کے برابر ہے جو جمعہ میں نامعلوم ہے۔ بعض سلف کے اکابر نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سوائے بندوں کی روزیوں کے ایک فضل ہے اس فضل میں سے اسی شخص کو دیتا ہے جو اس سے پنجشنبہ کی شام کو اور جمعہ کے روز طلب کرے اور پنجشنبہ کو اپنے کپڑے دھوئے اور ان کو سفید کرے اور خوشبو پاس نہ ہو تو لا رکھے اور دل کو ان کاموں سے فارغ کرے جو جمعہ میں صبح سے جانے کے مانع ہوں، اور اس رات میں جمعہ کے روزہ کی نیت کرے کہ اس کا بڑا ثواب ہے، مگر اسکے ساتھ پنجشنبہ یا ہفتہ کا روزہ ملا دینا چاہیئے کہ اکیلا جمعہ کا روزہ مکروہ ہے اور اس رات کو نماز اور ختم قرآن میں کاٹ دے کہ اس کا بہت بڑا ثواب ہے اور اس پر روزہ جمعہ کے فضل کا اضافہ ہوگا تو کیا کہنا ہے اور اس رات

میں خواہ جمعہ کے دن میں اپنی بیوی سے صحبت کرے کہ کچھ لوگوں نے اس بات کو مستحب جانا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد رحم اللہ من بکر وابتکر وغسل واغتسل[۱] کے معنی یہ کہے ہیں کہ غسل سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیوی کو نہلا دے اور بعضوں نے اس کلمہ کو بے تشدید سین کے پڑھا ہے، اس صورت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کپڑے دھووے اور اغتسل سے دونوں صورت میں یہی مراد ہے کہ خود نہاوے، ان باتوں کے کرنے سے استقبال جمعہ کے آداب کامل ہوں گے اور غافلوں کے زمرہ سے خارج ہو گا جو صبح کو پوچھا کرتے ہیں کہ آج کیا دن ہے، بعض سلف فرماتے ہیں کہ کامل تر حصہ جمعہ میں اس شخص کا ہے کہ ایک روز پہلے سے اس کا انتظار اور رعایت کرے اور کمتر حصہ اس کا ہے جو صبح کو پوچھے کہ آج کیا دن ہے اور بعض اکابر جمعہ کی شب کو جامع مسجد ہی میں رہا کرتے تھے دوسری یہ کہ جب صبح جمعہ کی ہو تو فجر ہوتے ہی غسل کرے اگرچہ اس وقت جامع مسجد میں نہ جاوے مگر اس کے قریب ہی جانا مستحب ہے تاکہ نہانا اور مسجد کا جانا پاس پاس ہوں غرض کہ جمعہ کے روز غسل کرنا مستحب ہے تاکید ہے، اور بعض علماء اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] غسل یوم الجمعۃ واجب علیٰ کل محتلم کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نافع کی یہ حدیث مشہور ہے کہ من اتی الجمعۃ فلیغتسل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۳] جو شخص مردوں یا عورتوں میں سے جمعہ میں حاضر ہو، اس کو غسل کرنا چاہیے۔ اور مدینہ منورہ کے لوگ ایک دوسرے کو اگر برا کہتے تو یوں کہتے کہ تو اس سے برا ہے کہ جو جمعہ کے روز نہ نہاوے۔ اور ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھتے تھے کہ حضرت عثمان رض تشریف لائے، حضرت عمر رض نے اس وقت کے آنے کو برا جان کر فرمایا[۴] کہ یہ کون سا وقت ہے یعنی پہلے کیوں نہ آئے، حضرت عثمان رض نے فرمایا کہ میں نے اذان سننے کے بعد اور کچھ دیر نہیں کی، وضو کر کے باہر چلا آیا، حضرت عمر رض نے فرمایا کہ یک نشد دو شد آپ کو تو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے لیے فرمایا کرتے تھے پھر وضو پر اکتفا کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صرف وضو کرنے سے معلوم ہوا کہ غسل کا ترک کرنا جائز ہے، اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی[۵] ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز وضو کیا تو بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے اور جو شخص ناپاکی کے باعث نہاوے وہ ایک بار اپنے بدن پر جمعہ کے غسل کی نیت سے پانی بہائے اور ایک ہی غسل کرے گا تو کافی ہو گا اور اگر دونوں کی نیت کرے گا تو ثواب زیادہ ملے گا، غسل جمعہ غسل جنابت کے اندر داخل ہو جاوے گا اور بعض صحابہ رض اپنے بیٹے کے یہاں گئے تو انہوں نے غسل کیا تھا، پوچھا کہ جمعہ کا غسل ہے، انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ جنابت کا، فرمایا کہ دوسرا غسل اور کر لو، اور یہ حدیث سنائی کہ غسل جمعہ کا ہر بالغ پر واجب ہے اور دوبارہ غسل کے لیے ان کو اس واسطے کہا کہ انہوں نے غسل جمعہ کی نیت نہیں کی تھی ورنہ ایک ہی کافی ہو جاتا۔ اور بعید نہیں کہ کوئی یوں کہے کہ مقصد نظافت سے ہے کہ وہ بدول نیت سے بھی حاصل ہو گئی، مگر یہ اعتراض وضو میں بھی پڑے گا کہ نظافت بدول نیت بھی حاصل ہے اور شریعت میں

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ابو سعید رض جو شخص جمعہ میں حاضر ہو اس کو چاہیے کہ نہاوے ۱۲ [۲] بخاری و مسلم ۱۲ [۳] ابن حبان و بیہقی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ [۴] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ رض ۱۲ [۵] ابو داؤد و ترمذی و نسائی بروایت ابو ہریرہ رض ۱۲

جمعہ کے لیے ایک ثواب مقرر کیا گیا ہے اس لیے اس کے ثواب کی طلب ضروری ہے اور جو شخص نہادے پھر وضو جاتا رہے تو وضو کرے غسل باطل نہ ہو گا۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ غسل کے بعد وضو ٹوٹنے سے احتراز کرے۔ تیسری یہ کہ اس روز میں زینت مستحب ہے اور وہ تین امور میں ہے، لباس اور نظافت اور خوشبو لگانے میں، مسواک کرنا اور بالوں کا دور کرنا اور ناخن تراشوانے اور مونچھوں کا کترنا اور جتنے امور کہ باب الطہارت میں گذرے ہیں کرنے چاہییں۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز اپنے ناخن تراشے، اللہ تعالےٰ اس میں سے مرض نکال دیتا ہے اور شفا داخل کر دیتا ہے۔ پس اگر بدھ یا جمعرات کو حمام کر چکا ہو تو مقصود حاصل ہے، اب جمعہ کو جو عمدہ خوشبو اس کے پاس ہو، لگاوے اس قدر کہ بری بوؤں پر غالب ہو، اور اس کے باعث حاضرین کے مغز کو خوشبو اور راحت پہنچے۔ اور مردوں کے لیے وہ عمدہ ہے جس کی بو ظاہر اور رنگ مخفی ہو اور عورتوں کے لیے وہ اچھی ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو پوشیدہ ہو، آثار میں اسی طرح مروی ہے[ع] اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے صاف رکھے اس کو رنج کم ہوتا ہے اور جس شخص کی خوشبو عمدہ ہو اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔ اور لباس میں سب سے اچھا سفید کپڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر کپڑوں میں سفید رنگ ہے۔ اور ایسا کپڑا نہ پہنے جس میں شہرت ہو، اور سیاہ کپڑا مسنون نہیں نہ اس میں کچھ ثواب ہے بلکہ بعض لوگوں نے اس کی طرف دیکھنا بھی مکروہ خیال کیا کیونکہ وہ بدعت ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوئی ہے۔ اور جمعہ کے روز عمامہ مستحب ہے۔ واثلہ بن الاسقع نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے روز عمامہ والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ پس اگر گرمی ستاوے تو نماز سے پہلے اور پیچھے اس کے اتار دینے میں کچھ حرج نہیں مگر جس وقت گھر سے جمعہ کو چلے اور عین نماز کے وقت اور امام کے منبر پر جانے کے وقت خطبہ میں نہ اتارے۔ چوتھی یہ کہ جامع مسجد کو صبح کو جاوے اور مستحب ہے کہ مسجد جامع کا قصد دو تین کوس سے کرے اور صبح سے چلے اور صبح صادق ہونے سے یہ وقت سویرے جانے کا شروع ہو جاتا ہے اور اس کا ثواب بہت بڑا ہے اور جمعہ کے لیے جانے میں خشوع اور تواضع سے رہے اور نماز ہو چکنے تک مسجد میں اعتکاف کی نیت کرے اور اس جلد جانے سے مقصود یہ کرے کہ اللہ تعالےٰ کی ندا جو جمعہ کیلئے ہے اس کی اجابت کرتا ہوں اور اس کی مغفرت اور رضا کی طرف سبقت کرتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کو اوّل ساعت میں جاوے اس نے گویا ایک اونٹ قربان کیا، اور دوسری ساعت میں جاوے اس نے گویا گائے کی قربانی کی، اور جو تیسری ساعت میں جاوے اس نے گویا سینگ دار مینڈھے کی قربانی کی، اور جو چوتھی ساعت میں جاوے اس نے گویا مرغی خدا کی راہ میں ذبح کی، اور جو پانچویں ساعت میں جاوے اس نے گویا انڈا خدا تعالیٰ کے واسطے نذر کیا۔ اور جب امام خطبے کے لیے نکل آتا ہے تو صحیفے لپیٹے جاتے ہیں اور قلم اٹھا لیے جاتے ہیں اور فرشتے منبر کے پاس جمع ہو کر ذکر سنتے

ح طبرانی اور ابن عدی نے ابو درداء رضؓ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ حدیث منکر ہے اور واثلہ سے اس کی روایت نہیں ملی ۱۲ ح ابوالشیخ در ثواب الاعمال بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری اور مسلم میں بھی اسی کے قریب ہے ۱۲ ح ابن مردویہ در تفسیر بروایت علی رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲ ح بیہقی بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲

ہیں پس جو شخص اس وقت کے بعد آتا ہے تو وہ صرف نماز کے حق کے لیے آتا ہے اس کو ثواب میں سے کچھ نہیں ملے گا اور پہلی ساعت آفتاب کے نکلنے تک ہے اور دوسری اس کے اونچا ہونے تک مقدار نیزہ کے، اور تیسری اس وقت تک رہتی ہے کہ دھوپ میں تیزی اتنی ہو کہ پاؤں جلنے لگیں۔ اور چوتھی اور پانچویں اس وقت سے لے کر دوپہر ڈھلنے تک ہے اور ان دونوں کا ثواب کم ہے۔ اور زوال کا وقت نماز کا وقت ہے اس میں کچھ ثواب نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر آدمیوں کو معلوم ہوں کہ ان میں کیا ثواب ہے تو اپنی سواری کو ان کی طلب میں دوڑادیں اوّل اذان دوم صف اوّل، سوم سویرے جانا جمعہ کو۔ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ان تینوں میں بڑھ کر جمعہ کے لیے پہلے سے جانا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں میں چاندی کے نامے اور سونے کے قلم لے کر مسجد جامع کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور اوّل اور دوم آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے رہتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے وقت سے جمعہ کے روز دیر کرتا ہے تو فرشتے اس کو تلاش کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اس کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور کس وجہ سے اس کو وقت معمولی سے دیر ہوئی اور یہ کہتے ہیں کہ الٰہی اگر اس کو مفلسی کے باعث دیر ہوئی تو اس کو غنی کر اور بیماری کی وجہ سے ہوئی تو شفا دے اور کام کے بارے ہوئی ہو تو اس کو اپنی عبادت کے لیے فراغت نصیب کر، اور اگر کسی کھیل نے اس کو دیر لگادی ہو تو اس کے دل کو اپنی طاعت کی طرف متوجہ کردے اور قرن اوّل میں سحر کے وقت اور صبح صادق کے بعد راستے آدمیوں سے بھر جاتے تھے کہ روشنی لے کر جامع مسجد میں عید کے دنوں کی طرح انبوہ ہوا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ بات پرانی ہوگئی اور جاتی رہی اور کہتے ہیں کہ اسلام میں اول بدعت یہی ہوئی کہ جمعہ کے روز سویرے جانا چھوڑ دیا۔ اور مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ سے بھی شرم نہیں آتی کہ وہ اپنے عبادت خانوں میں شنبہ اور یک شنبہ کو سویرے جاتے ہیں اور دنیا کے طالب خرید و فروخت اور نفع کے بازاروں میں کیسے تڑکے جاتے ہیں تو آخرت کے طالبوں کو کیا ہوا ہے کہ ان سے پیش قدمی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا دیدار لوگوں کو نصیب ہوگا تو اس وقت ان کو قرب اسی قدر ہوگا جس قدر کہ جمعہ کو سویرے گئے ہوں گے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد جامع کو صبح سے تشریف لے گئے، دیکھا کہ تین آدمی آپ سے بھی پہلے موجود ہیں، اس بات سے آزردہ ہوئے، اور اپنے نفس کو عتاب کر کے کہنے لگے کہ چار میں کا چوتھا ہوا یہ بھی کچھ دور نہیں، پانچویں مسجد میں داخل ہونے کی کیفیت ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر کود کر نہ جاوے اور نہ ان کے سامنے کو گذرے اور بہت پہلے سے جانے میں ان دونوں باتوں کی وقعت نہ ہو گی۔ لوگوں کی گردنیں پھاندنے میں سخت وعید وارد ہے کہ قیامت کے روز اس کو پل کر دیا جاوے گا کہ لوگ اس پر کو اتریں اور ابن جریج سے مرسل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ پڑھتے تھے کہ اس اثنا میں دیکھا کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنوں کو پھاندتا ہے یہاں تک کہ آگے بڑھ کر بیٹھ گیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو اس شخص کے سامنے جا کر ملاقات کی اور فرمایا کہ تجھ کو کیا ہوا کہ آج ہمارے ساتھ جمعہ میں شریک نہ ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں تو جمع میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو لوگوں کی گردنیں پھاندتے دیکھا تھا۔ اس حدیث سے یہ اشارہ فرمایا کہ اس کا عمل بے کار ہو گیا اور ایک حدیث مسند میں اس طرح آئی ہے کہ آپ نے اس شخص کو یوں فرمایا کہ کیا چیز تجھ کو ہمارے ساتھ

نماز کے پڑھنے سے مانع ہوئی، اس نے عرض کیا کہ کیا حضور نے مجھے دیکھا نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تجھے دیکھا کہ تو دیر کر کے آیا اور لوگوں کو دکھ دیا۔ ہاں جس وقت صف اول چھٹی ہوئی اور خالی ہو تو اس وقت لوگوں کے اوپر سے جانے کا مضائقہ نہیں کہ انہوں نے اپنا حق تلف کیا اور فضیلت کی جگہ کو چھوڑ دیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ جمعہ کے روز مسجد جامع کے دروازوں پر ہی بیٹھ جاتے ہیں ان کی گردنیں پھاند کر کہ ان کی حرمت نہیں اور جب مسجد میں سب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو سلام نہ کرے، اس لیے کہ بے محل جواب دینے کی تکلیف ان لوگوں پر ہو گی، چھٹی یہ کہ لوگوں کے سامنے کو نہ گذرے اور خود ستون یا دیوار کے قریب بیٹھے تاکہ کوئی آگے سے نہ نکلے یعنی نماز پڑھنے کی حالت میں ہر چند نمازی کے آگے گذرنے سے اس کی نماز نہیں جاتی مگر اس کے سامنے سے گذرنے کے لئے نہی وارد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ع] ہے کہ مسلمان کو چالیس[ع] برس کھڑا رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ نمازی کے سامنے کو گذرے، اور فرمایا[ع] کہ اگر آدمی راکھ اور خاک ہو جاوے کہ اس کو ہوائیں اڑا دیں تو اس کے حق میں اس بات سے بہتر ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرے، اور ایک دوسری حدیث[ع] میں نمازی کو اور گذرنے والے کو برابر فرمایا۔ بشرطیکہ نمازی راستے پر نماز پڑھے یا سامنے سے لوگوں کو ہٹانے میں کوتاہی کرے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا اور نمازی اس بات کو جانیں کہ ان پر کیا گناہ ہوتا ہے تو چالیس برس تک ٹھہرا رہنا اس کیلیے بہتر ہو سامنے سے گذرنے سے، اور ستون اور دیوار اور بچھا ہوا مصلےٰ نمازی کی جگہ ہے جو اس کے اندر ہو کر گذرے تو نمازی کو چاہیئے کہ اس کو ہٹا دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیدافعہ فان ابی فلیدفعہ فان ابی فلیقاتلہ فانہ شیطان اور حضرت ابوسعید خدری کے سامنے ہو کر جو کوئی گذرتا تھا تو ایسا دھکا دیتے تھے کہ گر جاتا تھا۔ اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ ان سے لپٹ جاتا اور ان کی زیادتی کی شکایت مروان سے کرتا وہ کہہ دیتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے کو حکم فرمایا ہے، پس اگر ستون نہ پاوے تو چاہیئے کہ اپنے سامنے کوئی چیز ایسی کھڑی کرے جس کا طول ایک ہاتھ ہو کہ اس کی حد کی پہچان ہو جاوے۔ ساتویں یہ کہ صفِ اول کی طلب کرے کہ اس کا ثواب بہت ہے جیسا کہ ہم کو روایت پہنچی[ع] ہے کہ جو شخص اپنے اہل کو نہلاوے اور خود نہاوے اور صبح سے جاوے اول خطبے کو پاوے اور امام سے قریب ہو کر خطبہ اور قرأت سنے تو یہ باتیں اس کے لیے دونوں جمعوں کے اندر کے دنوں مع تین دن زیادہ کے کفارہ ہو جاویں گی۔ اور دوسری روایت[ع] میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک جمعہ سے دوسرے تک مغفرت فرماوے گا۔ اور بعض روایتوں میں یہ بھی قید ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر کو نہ چلے اور صفِ اول کی طلب سے غفلت نہ کرے مگر تین صورتوں میں اول یہ کہ خطیب کے پاس کوئی ایسی بری بات ہو کہ یہ شخص اس کے بدلنے سے عاجز ہو مثلاً امام یا کوئی دوسرا

ع بخاری و مسلم بروایت ابوجہیم مگر اس میں ذکر دس کا نہیں چالیس کا عدد مشہور ہے ۱۲ ع ابن عبداللہ نے تمہید بن عبداللہ بن عمرو پر موقوفاً روایت کیا ہے ۱۲ ع محمد بن اسحاق بروایت زید بن خالد ۱۲ ع چاہیئے کہ اس کو ہٹا دیوے اور اگر نہ مانے تو اس سے لڑے کہ وہ شیطان ہے بخاری و مسلم ۱۲ ع حاکم بروایت اوس بن اوس ۱۲ ع اصحاب سنن بروایت اوس بن اوس ۱۲ ع حاکم بروایت ابوسعید و ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

شخص ریشمی کپڑا پہنے ہو یا بڑے بھاری ہتھیار باندھ کر نماز کو آیا ہو جس سے دھیان بٹے، یا سنہرے ہتھیار ہوں یا کوئی اور اسی قسم کی چیز ہو کہ اس کا انکار اس شخص پر واجب ہو تو اس صورت میں صفِ اوّل سے پیچھے رہنا اچھا ہے اور فکر میں پریشانی نہیں آنے دیتا، بعض علماء نے سلامتی کی طلب کے لیے ایسا کیا ہے۔ مثلاً بشر بن حارث سے کسی نے پوچھا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صبح سے آتے ہیں مگر نماز آخر کی صفوں میں پڑھتے ہیں، فرمایا کہ دلوں کا قرب مقصود ہے، بدنوں کا پاس ہونا مراد نہیں، اس قول سے آپ نے اشارہ کیا کہ صفوں سے پیچھے رہنا دل کے لیے اچھا ہے۔ اور سفیانؒ ثوری نے شعیب بن حرب کو دیکھا کہ منبر کے پاس ابوجعفر منصور کا خطبہ سنتے تھے، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سفیانؒ ثوری نے ان سے کہا کہ اس شخص کے پاس تمہارے بیٹھنے نے میرے دل کو پراگندہ کر دیا کہ تم اس بات سے مامون ہو کہ اگر کوئی کلام اس سے ویسے سنو کہ اس کا انکار تم پر واجب ہو تو اس کو بجا لاؤ، پھر آپ نے یہ ذکر کیا کہ ان لوگوں نے سیاہ لباس ایک نئی بدعت نکالی ہے، شعیب نے کہا کہ یا ابا عبداللہ کیا حدیث میں نہیں آیا کہ قریب ہو اور سن، آپ نے فرمایا کہ میاں یہ خلفائے راشدین مہدیین کے لیے ہے ان لوگوں سے جتنا دور ہو اور ان کی طرف نہ دیکھو، اتنا ہی خدائے عزوجل سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ اور سعید بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے برابر نماز پڑھی، انہوں نے صفوں سے پیچھے ہونا شروع کیا یہاں تک کہ ہم سے پچھلی صف میں ہو گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ اوّل صف کیا اور دل سے بہتر نہیں ہے فرمایا کہ ہاں مگر یہ امت مرحومہ ہے اور امتوں میں سے اس پر نظرِ رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو نماز میں نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے تو اس کے پیچھے جتنے آدمی ہوتے ہیں سب کو بخشش دیتا ہے تو میں سب سے پیچھے یہ توقع کر کے کھڑا ہوا کہ ان میں سے جس کی طرف نظرِ رحمت کرے اس کے طفیل میں میری مغفرت فرما دے، اور بعض راویوں نے روایت کی ہے کہ میں نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے[ع] پس جو شخص اس نیت سے پیچھے ہٹے اور دوسرے شخص کو اپنے اوپر ترجیح دے اور خوش خلقی ظاہر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اس وقت یہ کہا جاوے گا کہ الاعمال بالنیات دوسری صورت یہ ہے کہ خطیب کے پاس کوئی مکان مسجد سے علیحدہ بادشاہوں کے لیے کر دیا ہو پس صفِ اوّل اچھی ہے مگر بعض علماء نے اس مکان کے اندر داخل ہونا مکروہ جانا ہے۔ حضرت حسنؒ بصری اور بکر مزنی اس میں نماز نہ پڑھتے تھے ان کی دانست میں وہ بادشاہوں کے ہی واسطے تھا اور بدعت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجدوں میں پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ مسجد مطلق سب لوگوں کے واسطے ہے تو اس میں سے علیحدہ کر دینا خلاف ہے اور انسؓ بن مالک اور عمران بن حصین نے اس کے اندر نماز پڑھی ہے اور قربِ امام کی طلب میں اس کو مکروہ نہیں جانا اور غالباً کراہت اس صورت میں ہوگی کہ اس جگہ کو خاص کر دیا جاوے اور دوسرے لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کیا جاوے اور جس صورت میں کہ ممانعت نہ ہو کراہت کا موجب نہ ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ منبر بعض صفوں کو کاٹ دیتا ہے اور صف اوّل وہ ہے جو ایک صف ملی ہوئی منبر کے بعد ہو اور جو اس کے دونوں طرف میں ہے وہ پوری نہیں حضرت سفیانؒ ثوری کہا

ع یہ روایت ان الفاظ سے نہیں ملی مگر ابن عساکر نے کعب احبار سے تاریخ دمشق میں یہ مضمون لکھا ہے ۱۲

کرتے تھے کہ صف اوّل وہ ہے جو منبر سے نکلی ہو اور اس کے سامنے ہو اور ان کا قول ٹھیک ہے کہ متصل وہی صف ہے اس میں بیٹھا ہوا آدمی خطیب کے سامنے ہوتا ہے اور اس کا خطبہ سنتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس بات کی رعایت نہ کی جاوے اور صف اوّل اسی کو کہیں جو قبلہ سے قریب ہو اور بازاروں اور مسجد کے چوک میں جو مسجد سے خارج ہو، نماز پڑھنی مکروہ ہے اور بعض صحابہؓ لوگوں کو مار کر چوکوں سے اٹھا دیتے تھے۔ آٹھویں یہ کہ امام کے منبر پر جانے کے وقت نماز کو قطع کرے اور کلام بھی موقوف کرے، بلکہ اوّل مؤذن کا جواب دے پھر خطبہ سننے میں مشغول ہو، اور بعض عوام کی عادت ہو گئی ہے کہ جب مؤذن اذان کو اٹھتا ہے تو وہ سجدہ کرتے ہیں اور اس کی کچھ اصل حدیث میں اور آثار میں نہیں، ہاں اگر اتفاقاً سجدۂ تلاوت اس وقت آجاوے تو مضائقہ نہیں کہ دعا کو بڑھا کر مانگے کیونکہ یہ وقت اچھا ہے اور اس سجدے کے حرام ہونے کا حکم نہ کیا جاوے کہ حرمت اس کی ثابت نہیں، اور حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص سنے اور خاموش رہے اس کو دو ثواب ہیں اور جو نہ سُنے اور چپکا رہے اس کو ایک ثواب ہے اور جو سنے اور لغو کہے اس کو دو گناہ ہیں اور جو نہ سُنے اور لغو کہے اس پر ایک گناہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ع] من قال لصاحبہ والامام یخطب انصت اوصہ فقد لغا ومن لغا فلا جمعۃ لہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چپ کرانا اشارہ سے خواہ کنکر مارنے سے ہونا چاہیئے نہ بولنے سے اور ابوذرؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی ہے حضرت ابی نے اشارہ سے کہہ دیا کہ چپ رہو، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے تو انہوں نے حضرت ابوذرؓ کو فرمایا کہ جاؤ تمہارا جمعہ نہیں، حضرت ابوذرؓ نے شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی تو آپ نے فرمایا کہ ابی نے سچ کہا ہے اور اگر امام سے دور ہو تو گفتگو نہ علم میں کرے نہ کسی چیز میں، بلکہ چپ رہے اس لیے کہ گفتگو سے بھنبھناہٹ سننے والوں تک پہنچے گی اور جو شخص بولتا ہو اس کے حلقہ میں نہ بیٹھے۔ پس جو شخص دوری کے باعث سننے سے عاجز ہو اس کو چاہیئے کہ چپ رہے کہ یہی مستحب ہے اور جب کہ نماز خطبہ کی حالت میں مکروہ ہے تو کلام بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ چار ساعتوں میں نماز نفل مکروہ ہے اول فجر کے بعد، دوم عصر کے بعد، سوم ٹھیک دوپہر میں، چہارم جس وقت امام خطبہ پڑھتا ہو۔ نویں یہ کہ جمعہ کی اقتداء میں ان امور کا لحاظ رکھے جن کو ہم نے جمعہ کے سوا اور نمازوں میں ذکر کیا ہے پس جب امام کی قرأت کو سنے تو سوائے الحمد کے اور کچھ نہ پڑھے۔ اور جب جمعہ سے فارغ ہو تو بولنے سے پیشتر سات بار الحمد اور سات بار قل ہو اللہ، سات بار معوّذتین پڑھے کہ بعض سلف سے مروی ہے کہ جو کوئی ایسا کرے گا وہ جمعہ سے دوسرے جمعہ تک بچا رہے گا۔ اور شیطان سے اس کو پناہ ملے گی اور مستحب ہے کہ نماز جمعہ کے بعد

[ع] جو شخص امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت اپنے ساتھی سے کہے کہ چپ ہو یا اب سکوت کر، تو وہ لغو کرتا ہے اس کا جمعہ نہیں ہوتا۔ ترمذی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مگر اس میں ومن لغا، لخ نہیں اس کو ابوداؤد نے بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے ۱۲ بیہقی

یوں کہے اَللّٰھُمَّ[۱] یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ کہتے ہیں کہ جو کوئی اس دعا پر مداومت کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مخلوق سے بے پروا کردے اور اس کو ایسے مقام سے روزی دے کہ اس کو گمان بھی نہ ہو، پھر بعد جمعہ کے چھ رکعتیں پڑھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو[۲] رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے چار کی روایت[۳] کی ہے اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چھ کی روایت کی ہے اور سب روایتیں مختلف حالات میں درست ہیں تو افضل یہی ہے اکمل روایت[۴] پر عمل کیا جاوے کہ سب پر عمل ہو جاوے۔ دسویں یہ کہ نماز عصر پڑھنے تک مسجد ہی میں رہے الپس اگر مغرب تک ٹھہرے تو زیادہ بہتر ہے، کہتے ہیں کہ جو شخص نماز عصر مسجد جامع میں پڑھے تو اس کو حج کا ثواب ہوتا ہے اور مغرب کی نماز بھی پڑھے تو اس کو حج اور عمرہ کا ثواب ہوتا ہے، اس صورت میں اگر بناوٹ سے یا کسی طرح کی آفت اپنے اوپر آنے سے محفوظ نہ ہو، مثلاً لوگ اعتکاف کو دیکھیں گے یا بے فائدہ باتوں میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنے گھر کو خدا کا ذکر کرتا ہوا اور اس کی نعمتوں کو سوچتا ہوا چلا آوے اور شکر کرے کہ اس نے توفیق عبادت دی، اور اپنی تقصیر سے ڈرتا رہے اور آفتاب کے ڈوبنے تک اپنے دل اور زبان کی نگرانی رکھے تاکہ وہ ساعت عمدہ ہاتھ سے نہ جاتی رہے اور مسجد جامع اور دوسری مسجدوں میں دنیا کی باتیں نہ کرنی چاہییں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۵] کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آوے گا کہ ان کی باتیں مسجدوں میں دنیا کے امور ہوں گے، اللہ کو ان سے کوئی مطلب نہیں تم ان کے پاس مت بیٹھنا۔

ذیلی فصل ۴: جمعہ کے پورے دن کے آداب

وہ سات چیزیں ہیں، اول یہ کہ صبح کو یا نماز جمعہ کے بعد یا عصر کے بعد علم کی مجلسوں میں حاضر ہو مگر قصہ گویوں یعنی واعظوں کی مجالس میں نہ جاوے کہ ان کے کلام میں کچھ خیر نہیں اور سالک طریق آخرت کو چاہیے کہ جمعہ کے تمام دن میں خیرات اور دعاؤں سے خالی نہ رہے تاکہ وہ ساعت شریف اس کو مل جاوے جو بہتر ہے اور جو حلقے کہ نماز سے پہلے ہوں ان میں نہ جانا چاہیے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت[۶] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ کرنے سے منع فرمایا مگر جس صورت میں کہ کوئی عالم ربانی ہو، اور خدائے تعالیٰ کے انعامات اور انتقامات کا ذکر کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھتا ہو اور مسجد جامع میں صبح کے وقت وعظ کہتا ہو اس کے پاس بیٹھے کہ اس میں

---

[۱] الٰہی اے بے پرواہ اے حمید اے رحیم دے دو مجھ کو اپنے حلال رزق کے باعث حرام سے بے پرواہ کر اور اپنے فضل سے اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز کر ۱۲ [۲] بخاری و مسلم ۱۲ [۳] بیہقی بروایت علی موقوفاً ابو داؤد بروایت ابن عمر رضی مرفوعاً [۴] حاکم بروایت انس رضی ۱۲ [۵] ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ بروایت عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور بروایت ابن عمر رضی مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۶] اس کی سند باب العلم کی فصل میں گذری ۱۲

صبح کو جانا اور سننا اس علم کا جو آخرت کے لیے مفید ہو دونوں حاصل ہیں اور ایسے علم کا سننا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجلس علم میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز سے افضل ہے اور حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔[1] یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد دنیا کی طلب نہیں بلکہ بیمار کی عیادت اور جنازہ کا شریک ہونا اور علم کا سیکھنا اور جس سے بھائی چارہ فی اللہ ہو، اس سے ملنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے علم کو کلام مجید میں چند جا فضل فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما اور فرمایا ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا یعنی ہم نے داؤد کو علم دیا پس اس روز میں علم کا سیکھنا اور سکھانا افضل قربات میں سے ہے اور نماز قصہ گویوں کی مجلسوں سے افضل ہے کیونکہ پہلے لوگ قصہ گوئی کو بدعت جانتے تھے اور قصہ گویوں کو جامع مسجد سے نکال دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مسجد جامع میں اپنی جگہ پر آئے، دیکھا تو ایک قصہ گو اسی جگہ بیان کر رہا ہے، آپؓ نے فرمایا کہ میری جگہ سے اٹھ جا، اس نے کہا میں نہیں اٹھتا میں تم سے پہلے اس پر بیٹھا ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کوتوال کو بلا کر اس کو اٹھوا دیا، اگر بیان کرنا سنت ہوتا تو اس کا اٹھانا کب جائز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[2] لا يقيمن احدكم اخاه من مجلسه فيه ولكن تفسحوا وتوسعوا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اگر کوئی شخص اپنی جگہ چھوڑ دیتا تو اس میں نہ بیٹھتے جب تک کہ وہ شخص اسی جگہ نہ بیٹھے، اور مروی ہے کہ ایک قصہ گو حضرت عائشہؓ کے حجرے کے آنگن میں بیٹھا کرتا، آپ نے حضرت عمرؓ کو کہلا بھیجا کہ اس شخص نے اپنے قصوں سے مجھے ستا رکھا ہے اور ذکر اور تسبیح سے مجھ کو روک دیا ہے، آپ نے اس کو اتنا مارا کہ چھڑی اس کی کمر پر توڑ دی، پھر نکال دیا، دوسری یہ کہ جو ساعت جمعہ میں شریف ہے اس کی نگرانی اور تاک اچھی طرح کرے کہ حدیث[3] مشہور میں ہے کہ جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس کو کوئی بندہ مسلمان اگر خدائے تعالیٰ سے کچھ سوال کرنے کے وقت میں پالیوے تو اللہ تعالیٰ اس کو عنایت ہی کرتا ہے اور ایک روایت[4] میں یوں ہے کہ اگر اس ساعت کو بندہ نماز پڑھنے کی حالت میں پاوے تو اللہ تعالیٰ اس کو عنایت قبولیت کرتا ہے اور اس ساعت میں اختلاف ہے کہ کون سی ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ ساعت آفتاب نکلنے کے وقت ہے اور بعض زوال کے وقت اور بعضے اذان کے وقت کے ساتھ بتاتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ جب امام منبر پر چڑھ کر خطبہ شروع کرتا ہے اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ جب لوگ نماز کو کھڑے ہوں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ عصر کے وقت اختیاری کا آخر ہے اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے غروب سے کچھ پیشتر ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی رعایت کرتی تھیں اور اپنی خادمہ کو حکم فرماتیں کہ آفتاب کو دیکھتی رہو، وہ جب غروب ہونے کو ہو تو مجھ کو اطلاع دینا، آپ کی خادمہ ایسا ہی کرتی، اس وقت آپ دعا اور استغفار میں مشغول ہوتیں، یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جاتا اور فرماتیں کہ اسی ساعت کی تاک کرنی چاہیے اور اس

---

[1] پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا ۱۲ [2] تم میں سے اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ میں نہ بیٹھے بلکہ ہٹ جاؤ اور اس کو جگہ دو بخاری و مسلم بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] ترمذی و ابن ماجہ بروایت عمرو بن عوف ۱۲ [4] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

مضمون کو آپ نے پدرِ مشفق صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کیا تھا[۱]- اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ ساعت تمام دن میں مبہم ہے جیسے شبِ قدر ہوتی ہے اس لیے تاکہ اس کی تاک کی خواستگاری کثرت سے ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جمعہ کی ساعتوں میں بدلتی رہتی ہے جیسے شبِ قدر بدلتی رہتی ہے اور یہ قول بہت درست ہے اور اس کے لیے ایک بھید ہے جس کا نام علم معاملہ میں مناسب نہیں مگر چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تصدیق کی جاوے کہ ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا[۲] اور چونکہ روزِ جمعہ انہیں روزوں میں سے ہے تو بندہ کو چاہیئے کہ جمعہ کے تمام دن میں ان نفحات کا جویا اور حضورِ دل اور بملازمت ذکر کے ساتھ دنیا کے وسوسوں سے برکنار ہو کر رہے شاید ان نفحات میں سے کچھ اس کو بھی نصیب ہو جاوے اور کعب بن احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ ساعت روزِ جمعہ کی آخر ساعت ہے[۳] یعنی غروب کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخر ساعت کیسے ہو سکتی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جس بندہ کو وہ ساعت نماز پڑھنے میں مل جاوے اور آخر ساعت نماز کا وقت نہیں کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص بیٹھ کر انتظار نماز کا کرے وہ نماز ہی میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ البتہ فرمایا ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو یہی نماز ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ احبار اس بات کی طرف مائل تھے کہ یہ ساعت اللہ کی رحمت ہے، ان لوگوں کے لیے جو اس دن کے حقوق پر قائم رہے تو اس رحمت کو اس وقت دینا چاہیئے جب کام سے فارغ ہو لیں، حاصل یہ کہ یہ وقت اور جس وقت امام منبر پر چڑھتا ہے، دونوں شریف ہیں، چاہیئے کہ دونوں میں دُعا بہت مانگے- تیسری یہ کہ جمعہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت کرے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے[۳] کہ جو کوئی مجھ پر جمعہ کے روز اسّی بار درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اسّی برس کے بخش دے، کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ درود آپ پر کس طرح بھیجیں، فرمایا اس طرح کہو[۴] اللھم صل علی محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الامي اور ایک عقد کرو، یعنی یہ ایک بار ہوا، اسی طرح اسّی بار اس کو پورا کر لو، اور اگر درود ان الفاظ سے کہو[۵] اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد صلوة تكون لك رضا ولحقه اداء واعطه الوسيلة وابعثه المقام المحمود الذی وعدته واجزه عنا ما هو اهله واجزه افضل ما جازيت نبيا عن امته وصل علی جميع اخوانه من النبيين والصالحين يا ارحم الراحمين اور سات بار کہو تو یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی درود کو سات جمعہ[۶] پڑھے اور ہر جمعہ میں سات مرتبہ کہے تو اس کے لیے شفاعت

---

[۱] ح دارقطنی در علل بیہقی در شعیب ۱۲ [۲] ح بے شک تمہارے رب کے تمہارے زمانے کے دنوں میں نفحات ہیں آگاہ ہو کر ان کے لیے درپے ہو ۱۲ حکیم ترمذی اور نوادر و طبرانی در اوسط بروایت محمد بن سلمہ ۱۲ [۳] ح ابو داؤد و ترمذی نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اختلاف کا قصہ نقل کیا ہے مگر ان میں یہ قول عبداللہ بن سلام کا ہے اور کعب بن احبار کا ۱۲ [۴] ح دارقطنی بروایت ابن المسیب اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ۱۲ [۵] ح الٰہی رحمت بھیج اپنے بندے اور نبی اور رسول ناخواندہ محمد پر ۱۲ [۶] ح الٰہی رحمت بھیج محمد پر اور آل پر ایسی رحمت کہ تیری خوشی میں ہو اور اس کے حق کو ادا کرے اور اس کو وسیلہ عنایت کر اور جس مقام محمود کا تو نے اس سے وعدہ فرمایا ہے اس پر اس کو اٹھا اور ہماری طرف سے اس کو وہ بدلہ دے جس کے وہ لائق ہے، اور ہماری طرف سے اس کو وہ بدلہ دے کہ کسی نبی کو جو تو نے اس کی امت کی طرف سے دیا ہو اس سے بڑھ کر ہو، اور ارحم الراحمین اس کے سب بھائیوں یعنی انبیاء اور صالحین پر رحمت بھیج ۱۲ [۷] ح ابن ماجہ بروایت ابن مسعود ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب ہے، اور اگر یہ منظور ہو کہ درود کے الفاظ زیادہ ہوں تو یہ درود جو ماثور ہے اس کو پڑھو[۱]
اللھم اجعل فضائل صلواتک ونوامی برکاتک وشرائف زکوٰتک ورافتک ورحمتک وتحیتک علی محمد سید
المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین ورسول رب العلمین قائد الخیر وفاتح البر ونبی الرحمۃ وسید
الامۃ اللھم ابعثہ مقاما محمودا تزلف بہ وتقربہ عینہ یغبطہ بہ الاولون والاٰخرون اللھم اعط الفضل والفضیلۃ
والشرف والوسیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ والمنزلۃ الشامخۃ المنیفۃ اللھم اعط محمدا سولہ وبلغہ ماموله و
اجعلہ اوّل شافع واوّل مشفع اللھم عظم برھانہ وثقل میزانہ وابلج حجتہ وارفع فی اعلی المقربین درجتہ
اللھم احشرنا فی زمرتہ واجعلنا من اھل شفاعتہ واحینا علی سنتہ وتوفنا علی ملتہ واوردنا حوضہ واسقانا
بکاسہ غیر خزایا ولا نادمین ولا شاکین ولا مبدلین ولا فاتنین ولا مفتونین امین یارب العلمین۔ غرض کہ جو نسے
الفاظ درود کے اس روز پڑھے گا گو تشہد ہی کے درود ہوں تو درود پڑھنے والا کہلائے گا، اور چاہیئے کہ درود پر استغفار بھی اضافہ
کرے کہ جمعہ کے روز استغفار بھی مستحب ہے، چوتھی یہ کہ قرآن کی تلاوت زیادہ کرے خصوصًا سورۃ کہف پڑھے کہ حضرت ابن عباسؓ
اور حضرت ابو ہریرہ رضہ سے مروی[۲] ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی شب میں سورۃ کہف پڑھے تو اس کو اس کے پڑھنے کے
مقام سے مکہ تک نور عطا کیا جاوے گا اور دوسرے جمعہ تک مع تین روز زیادہ کے مغفرت کی جاوے گی اور اس پر ستر ہزار فرشتے
صبح ہونے تک رحمت بھیجتے ہیں۔ اور درد اور پیٹ کے پھوڑے اور ذات الجنب اور برص اور جذام اور دجال کے فتنہ سے
محفوظ رہتا ہے اور مستحب یہ ہے اگر ہو سکے تو قرآن کو جمعہ کے دن یا اس کی شب میں ختم کرے، اور اگر قرآن رات کو پڑھا کرتا ہو
تو صبح کی سنتوں میں اس کو ختم کرے یا مغرب کی سنتوں میں یا جمعہ کی اذان اور تکبیر کے درمیان ختم کرے کہ اس کا بڑا ثواب ہے
اور عابد جمعہ کے روز سورۂ اخلاص ہزار بار پڑھنا مستحب جانتے تھے اور کہتے ہیں کہ جو کوئی سورہ اخلاص کو دس رکعتوں میں یا
بیس[۳] میں ہزار بار پڑھے تو ایک ختم کرنے سے افضل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہزار بار پڑھتے اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ

---

[۱] الٰہی کر دے اپنی عمدہ صلوات اور زیادہ ہونے والی برکتیں اور شریف طہارتیں اور اپنی رافت اور رحمت اور تحیت محمد پر کہ رسولوں کے سردار اور متقیوں کے پیشوا اور انبیاء کے خاتم اور پروردگار عالم کے رسول اور خیر کی طرف کھینچنے والے اور بھلائی کے کھولنے والے اور نبی رحمت اور سردار امت ہیں، الٰہی ان کو اس مقام محمود پر اٹھا جس کے سبب سے تو ان کا قرب بڑھاوے اور ان کی آنکھ کو ٹھنڈا کرے اور اس کے اگلے پچھلے ان کا رشک کریں، الٰہی ان کو فضل اور فضیلت اور شرف اور وسیلہ اور درجہ بلند اور مرتبہ اونچا عطا کر، الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پوری کر اور ان کا جو مدعا ہو اس پر پہنچا دے اور ان کو سب سے پہلا سفارشی کر اور سفارش ان کی سب سے پہلے منظور کر، الٰہی ان کی برہان کو بڑا کر، اور ان کی میزان بھاری کر، اور ان کی حجت کو واضح کر، اور ان کا درجہ مقربین میں سے سب سے اوپر کے لوگوں میں کر، الٰہی ہم کو ان کی جماعت میں اٹھا اور ان کے سفارش خواہوں میں کر اور ان کے طریق پر زندہ رکھ اور ان کی ملت پر ہم کو موت دے اور ہم کو ان کے حوض پر وارد کر اور ان کے پیالہ سے ہم کو پانی پلا ایسے حال میں نہ ہم رسوا ہوں نہ پشیمان نہ اپنے دین میں شک کریں نہ اپنے دین میں کچھ تبدیلی کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں نہ فتنہ میں پڑیں، یہ دعا قبول کر اے رب العلمین ۱۲ [۲] یہ بروایت بیہقی نے بروایت ابو سعیدؓ بیان کی ہے اور بروایت ابن عباسؓ وابو ہریرہ رضہ مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۳] بیہقی بروایت جابر بن سمرہ رضہ ۱۲

واللہ اکبر ہزار بار پڑھا کرتے اور اگر جمعہ کے دن یا رات میں چھیوں مسبحات یعنی بنی اسرائیل اور حدید اور جمعہ اور صف اور تغابن اور اعلیٰ پڑھے تو بہتر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے کہ کسی روز میں معین سورتیں پڑھتے ہوں بجز شب اور روز جمعہ کی مغرب میں قل یا ایہا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے، اور اس رات کی عشا میں سورۂ جمعہ اور منافقون[۱] اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کو جمعہ کی دو رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ کی صبح میں سورہ الم سجدہ اور سورہ دہر پڑھا کرتے تھے، پانچویں یہ کہ جب مسجد جامع میں داخل ہو تو جب تک چار رکعتیں اس طرح نہ پڑھے کہ ہر رکعت میں پچاس دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے کہ کل دو سو بار ہو جاویں تب تک نہ بیٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی[۲] ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے گا، وہ مرنے سے پیشتر اپنا ٹھکانا جنت میں دیکھ لے گا۔ اور دوگانہ تحیت بھی فروگذاشت نہ کرے اگرچہ امام خطبہ پڑھتا ہو مگر اس صورت میں جلد مختصر پڑھ لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایسا ہی امر فرمایا[۳] ہے، اور ایک حدیث غریب میں ہے کہ ایک شخص کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے چپ ہو گئے تھے یہاں تک کہ وہ شخص[۴] دوگانہ تحیت سے فارغ ہو گیا، پس کوفیوں کا یہ قول ہے کہ اگر امام خاموش رہے تو دوگانہ ادا کرے اور اس دن میں یا اس کی شب کو مستحب ہے کہ چار رکعتیں چار سورتوں کے ساتھ یعنی انعام اور کہف اور طٰہٰ اور یٰسٓ پڑھے۔ اور اگر یہ یاد نہ ہو تو یٰسٓ اور الم سجدہ اور دخان اور سورۂ ملک پڑھے، اور ان چاروں سورتوں کا پڑھنا شب جمعہ میں ترک نہ کرے کہ ان میں بہت ثواب ہے۔ اور جس کو اچھی طرح یاد نہ ہو تو جو سورت اچھی طرح پڑھ سکتا ہو اسی کو پڑھے کہ ایک ختم کا ثواب ملتا ہے، اور سورۂ اخلاص کو کثرت سے پڑھے اور مستحب ہے کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھے، چنانچہ اس کی کیفیت نوافل کی فصل میں مذکور ہو گی۔ اور مروی[۵] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ اس کو ہر جمعہ میں پڑھو، اور حضرت ابن عباسؓ اس نماز کو جمعہ کے روز زوال کے بعد ترک نہ کرتے اور اس کا بہت بڑا ثواب بیان فرماتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ وقت کی تقسیم اس طرح کرے کہ صبح سے زوال تک تو نماز کے لیے اور جمعہ کے بعد سے عصر تک علم کے سننے کے لیے اور عصر سے مغرب تک تسبیح اور استغفار کے لیے مقرر کر دے چھٹی یہ کہ اس خاص دن میں صدقہ دونا ثواب رکھتا ہے بشرطیکہ ایسے کو نہ دے جو امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت مانگے اور امام کے کلام میں بولتا جاوے کہ ایسا شخص کو دینا مکروہ ہے۔ صالح پسر امام احمدؒ نے کہا ایک روز ایک مسکین نے امام کے خطبہ پڑھنے میں سوال کیا اور وہ میرے باپ کے برابر تھا، ایک شخص نے میرے باپ کو ایک ٹکڑا چاندی کا دیا کہ سائل کو دے دلویں، میرے باپ نے اس کو نہ لیا اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں مانگے وہ اس بات کا مستحق ہو چکا کہ اس کو نہ دیا جاوے اور جب قرآن پر مانگے تو اس کو مت دو، اور بعض علماء نے ایسے سائلوں کو صدقہ دینا جو مسجد جامع میں لوگوں کی گردنوں پر کود کر جاویں، مکروہ فرمایا ہے لیکن اگر ایک جگہ کھڑے ہو کر مانگیں اور گردنوں پر نہ پھاندیں تو مضائقہ نہیں، اور کعبؓ احبار نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے لیے

---

[۱] مسلم بروایت ابن عباسؓ و ابوہریرہؓ ۱۲ [۲] خطیب المالک بروایت ابن عمرؓ اور کہا کہ یہ حدیث نہایت غریب ہے ۱۲ [۳] مسلم بروایت جابرؓ ۱۲ [۴] دار قطنی بروایت انسؓ ۱۲ [۵] ابو داؤد و حاکم بروایت ابن عباسؓ اور عقیلی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس نماز کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ۱۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آوے پھر لوٹ کر دو چیزیں مختلف صدقہ کی قسم سے خیرات کرے اور وہ دوبارہ آکر دوگانہ نفل پڑھے اور اس کا رکوع اور سجدہ خوب کامل طور پر ادا کرے، پھر یوں کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِاسْمِكَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ تو اس کے بعد جو دعا اللہ سے مانگے گا، وہ اللہ تعالیٰ اس کو عنایت فرماوے گا، اور بعض اکابر سلف نے فرمایا ہے جو شخص جمعہ کے روز مسکین کو کھانا کھلاوے سویرے پھر جاکر جمعہ میں شریک ہو اور کسی کو ایذا نہ دے، پھر جب امام سلام پھیرے تو یہ کہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ اَسْئَلُكَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاَنْ تُعَافِیَنِیْ مِنَ النَّارِ۔ پھر جو دل میں دعا آوے وہ مانگے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماوے گا۔ ساتویں یہ کہ جمعہ کو آخرت کے واسطے مقرر کرے اور اس میں تمام دنیا کے کاموں سے باز رہے اور وظیفہ کثرت سے پڑھے اور سفر جمعہ کو شروع نہ کرے کہ مروی ہے کہ جو کوئی شب جمعہ کو سفر کرتا ہے اس کے دونوں فرشتے اس پر بددعا کرتے ہیں۔ اور جمعہ کی فجر کے بعد تو سفر حرام ہے بشرطیکہ قافلہ فوت نہ ہوتا ہو، اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ مسجد میں سقہ سے پانی مول لینا پینے کے لیے یا سبیل کرنے کو مکروہ ہے کہ اس سے مسجد میں خرید کرنے والا ہو جاوے گا حالانکہ خرید و فروخت مسجد کے اندر مکروہ ہے اور کہتے ہیں کہ اگر سقہ اس کو باہر دے پھر مسجد کے اندر پانی پی لے یا سبیل کر دے تو مضائقہ نہیں حاصل یہ کہ جمعہ کے روز وظائف اور خیرات زیادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس سے عمدہ وقتوں میں عمدہ کام لیتا ہے۔ اور جب بندہ کو مبغوض جانتا ہے تو افضل وقتوں میں اس سے برے کام لیتا ہے تاکہ یہ برے اعمال اس کے عذاب میں زیادہ دردناک اور سخت تر غضب کا باعث ہوں کہ وقت کی برکت سے محروم رہا اور اس کی حرمت نہ رکھی۔ اور جمعہ کی دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔ اور عنقریب باب الدعوات میں ہم ان کو لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ وصلی اللہ علیٰ رسولہ وکل عبد مصطفیٰ۔

چھٹی فصل، ایسے مسائل جن میں عام لوگ مبتلا ہیں

اور آخرت کے طالب کو ان کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے اور مسائل جو کم واقع ہوتے ہیں ان کو ہم نے کامل طرح پر فقہ کی کتابوں میں مندرج کیا ہے مسئلہ تھوڑے فعل سے اگرچہ نماز باطل نہیں ہوتی مگر بدون حاجت کے مکروہ

ع۱ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بطفیل تیرے نام کے اور برکت نام خدائے رحمان اور رحیم کے اور بطفیل تیرے نام کے جو نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ جو زندہ اور توانا ہے نہیں لیتی ہے اس کو غفلت اور نیند ۱۲ ع۲ شروع کرتا ہوں نام خدائے تعالیٰ رحمٰن اور رحیم زندہ توانا تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو مغفرت کر اور مجھ پر رحم کر اور مجھ کو دوزخ سے بچا ۱۲ ع۳ دارقطنی اور افراد بروایت ابن عمرؓ اور کہا ہے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ غریب ہے ۱۲ ع۴ قولہ اگر سقاء لینے سقہ سے خرید و فروخت مسجد کے باہر کرلے اس کو باہر دام دے دے پھر پانی مسجد میں لاکر بھروالے چاہے پئے اور چاہے وقف کردے ۱۲

ہے اور حاجت کی صورت میں ہے کہ جو سامنے کو گذر جائے اس کو ہٹا دے اور بچھو کے کاٹنے کا اگر ڈر ہو، اس کو ایک یا دو چوٹوں میں مار دے لیکن اگر تین چوٹیں ہوں گی تو فعل کثیر ہو جاوے گا اور نماز جاتی رہے گی۔ اسی طرح جوں، پسّو سے اگر ایذا پہنچے تو ان کو دفع کر دے یا خارش ایسی معلوم ہو کہ اس کے کھجلانے کے بدوں خشوع ابتر ہو جاوے تو بدن کھجلائے حضرت معاذ بن جبل رضؓ جوں اور پسّو کو نماز کے اندر پکڑ لیتے تھے اور حضرت ابن عمر رضؓ جوں کو مار دیتے تھے یہاں تک کہ اس کے خون کا نشان ان کے ہاتھ پر ہو جاتا تھا۔ اور نخعیؒ نے فرمایا ہے کہ جوں کو پکڑ کر سُست کر دے پھر پھینک دے اور مجاہدؒ کا قول ہے کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو چھوڑ رکھے جب تک اتنی ایذا نہ دے جس سے نماز میں دھیان بٹے اس وقت اس کو اتنا سست کر دے کہ ایذا نہ دے اور ٹال دے اور یہ صورت اجازت کی ہے ورنہ کمال تو یہی ہے کہ فعل اگرچہ تھوڑا ہو، اس سے بھی احتراز کرے اور اسی وجہ سے بعض اکابر مکھی کو نہیں ہٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اپنے نفس کو اسباب کا عادی نہیں کرتا ورنہ میری نماز کو خراب کر دیا کرے گا اور میں نے سنا ہے کہ فاسق تو بادشاہوں کے سامنے بہت سی ایذا پر صبر کرتے ہیں اور جنبش نہیں کرتے اور جب جمائی لے تو اپنے ہاتھ کو منہ پر رکھنے کا مضائقہ نہیں بلکہ ہاتھ کا رکھنا بہتر ہے اور اگر نماز میں چھینک آئے تو الحمد للہ اپنے دل میں کہہ لے زبان نہ ہلاتے اور اگر ڈکار دے تو چاہیے کہ اپنا سر آسمان کی طرف کو نہ اٹھائے اور اگر چادر لٹک جائے تو اس کو برابر نہ کرنا چاہیے اور یہی حال عمامہ کے کناروں کا ہے غرض کہ اس قسم کے سب فعل مکروہ ہیں بدوں ضرورت کے نہ کرنے چاہئیں۔ **مسئلہ** جوتیوں سمیت نماز پڑھنی درست و جائز ہے اگرچہ ان کا نکالنا سہل ہو اور موزوں سے جو نماز درست ہے تو یہ نہیں کہ ان کے نکالنے کے دقت کی وجہ سے اجازت دی گئی ہو، بلکہ یہ نجاست معاف ہے اور یہی حال پائیتابوں کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کو نکال دیا تو صحابہ رضؓ نے بھی اپنی جوتیاں نکال ڈالیں، نماز کے بعد آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی جوتیاں کیوں اتاریں، انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپؐ کو دیکھا کہ جوتیاں اتار دیں تو ہم نے بھی جوتیاں اتار دیں، آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ کو خبر دی کہ ان میں نجاست ہے اس لیے میں نے اتار دیں، پس جب کوئی تم میں سے مسجد میں قصد کرے تو چاہیے کہ جوتیوں کو لوٹ کر دیکھ لے اگر ان میں کوئی نجاست پاوے تو ان کو زمین سے رگڑ دے اور ان سے نماز پڑھے۔ اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ جوتیوں سے نماز پڑھنی افضل ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ سے فرمایا کہ تم نے اپنی جوتیاں کیوں اتاریں[1] اور یہ قول ان بزرگ کا مبالغہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس لیے نہیں پوچھا کہ ترک افضل کیوں کیا بلکہ اس لیے استفسار فرمایا تھا کہ ان کے سامنے اپنی جوتیاں اتارنے کا سبب بیان فرما دیں کہ انہوں نے آپ ہی کی موافقت کے باعث اتاری تھیں اور عبداللہ بن السائب رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جوتیاں نکال کر نماز پڑھی ہے[2] اس لیے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں آپؐ نے کی ہیں، پس جو کوئی اپنی جوتیاں نکال لے تو چاہیے کہ اپنے داہنے اور بائیں طرف نہ رکھے کہ اس سے جگہ تنگ

---

[1] ابو داؤد و حاکم بروایت ابو سعید رضؓ [2] مسلم بروایت عبداللہ بن السائب ۱۲ [3] ابو داؤد ۱۲

ہو گی اور جماعت ٹوٹیگی بلکہ ان کو اپنے سامنے اور پیچھے رکھے ورنہ دل کا التفات اس طرف رہے گا اور کیا عجب ہے کہ جو لوگ جوتیوں سمیت نماز کو افضل کہتے ہیں وہ اسی لحاظ سے کہتے ہوں کہ نکالنے کی صورت میں دل کا التفات ان کی طرف رہے گا، حضرت ابو ہریرہ رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے[1] تو چاہیئے کہ اپنی جوتیاں ٹانگوں کے بیچ میں کر لے، اور حضرت ابو ہریرہ رضہ نے ایک شخص کو فرمایا کہ ان کو ٹانگوں کے درمیان کر لو اور ان سے کسی مسلمان کو تکلیف مت دو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بائیں طرف رکھ لیا تھا اور آپ امام تھے تو امام کو جائز ہے کہ وہ بائیں طرف رکھ لے کیونکہ اس کے برابر تو کوئی کھڑا نہ ہو گا کہ اس کو تکلیف ہو اور بہتر یہ ہے کہ ان کو دونوں قدموں کے بیچ میں نہ رکھے یعنی قدموں کے آگے رکھے بیچ میں نہ رکھے اور غالباً یہی مراد اس حدیث سے ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ جوتیاں ٹانگوں کے بیچ میں رکھے یعنی قدموں کے آگے رکھے ان کے بیچ میں نہ رکھے حضرت جبیر بن مطعم رضہ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا جوتیوں کو قدموں کے بیچ میں رکھنا بدعت ہے **مسئلہ** جب نماز میں تھوک دے تو نماز باطل نہ ہو گی اس لیے کہ تھوڑا فعل ہے اور جب تک کہ تھو کنے سے آواز نہ پیدا ہو ئی اس کو کلام میں شمار نہ کریں گے علاوہ ازیں کلام کے حروف کی طرح پر تھو کنے کی آواز ہوتی بھی نہیں، مگر پھر بھی تھوکنا مکروہ ہے اس سے احتراز کیا جاوے مگر جس طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اس طرح تھوکے تو مکروہ نہیں، چنانچہ کسی صحابی رضہ سے مروی[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوک دیکھا تو نہایت غصہ ہوئے پھر اس شاخ خرما سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی، کھرچا اور فرمایا کہ تھوڑی زعفران لاؤ پس تھوک کے نشان پر زعفران لگا دی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اس کے منہ پر تھوکا جاوے، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ امر کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور بعض روایت میں یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اس کے سامنے ہوتا ہے، تو اپنے منہ کے سامنے تھوکنا نہ چاہیئے اور نہ داہنی طرف کو تھوکے بلکہ بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے دینی جب مسجد میں نماز پڑھتا ہو اور اگر کوئی ایسی ہی ضرورت آ پڑے تو چاہیئے کہ اپنے کپڑے میں تھوکے اور اس کو یوں کر ڈالے یعنی آپ نے کپڑے کو مل کر فرمایا کہ ایسے مل دے **مسئلہ** مقتدی کے کھڑے ہونے کے لیے . . . . سنت یہ ہے کہ ایک مقتدی ہو تو امام کی داہنی طرف تھوڑا اس سے ہٹ کر کھڑا ہو اور اکیلی عورت امام کے پیچھے کھڑی ہو، اور اگر امام کے برابر کھڑی ہو جاوے تب بھی ضرر نہیں مگر خلاف سنت ہے اور مقتدی مرد بھی ہو تو مرد امام کے داہنی طرف کھڑا ہو اور عورت اس کے پیچھے کھڑی ہو اور اکیلا آدمی صف کے پیچھے نہ کھڑا ہو بلکہ یا صف میں شامل ہو جاوے یا اپنے برابر کسی کو کھینچ لے اور اگر اکیلا ہی کھڑا رہا تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ درست ہو گی اور مقتدی کے کھڑے ہونے میں فرض صف کا ملا رہنا ہے یعنی مقتدی اور امام میں کوئی رابطہ جامع ہونا چاہیئے کہ جماعت سے پڑھنے میں جس کے معنی ساتھ ہونے کے ہیں تو دونوں میں جمعیت کا مضمون رہے پس اگر دونوں ایک

---

[1] مسلم بروایت عبد اللہ بن السائب رضی اللہ عنہ ۱۲ [2] مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ ۱۲

مسجد میں ہوں تو مسجد دونوں کی جامع ہے اس لیے کہ وہ اکٹھا کرنے ہی کو بنی ہے تو اب حاجت صف کے اتصال کی نہیں بلکہ اتنا چاہیئے کہ امام کے فعل کو پہچانے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضہ نے مسجد کی پشت پر امام کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ اور جب کہ مقتدی مسجد کے صحن میں ہو جو راستے میں پڑتا ہے یا جنگل میں امام اور مقتدی دونوں ہوں اور دونوں کے بیچ میں کسی عمارت کی آڑ نہ ہو تو مقتدی کا قریب ہونا امام سے ایک تیر کے پلے کی مقدار کافی ہے کیونکہ ایک کا فعل دوسرے کو معلوم ہو سکتا ہے مگر جس صورت میں کہ مقتدی مسجد کے داہنے یا بائیں طرف کے مکان کے صحن میں ہو، اور اس مکان کا دروازہ مسجد سے لگا ہوا ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ مسجد کی صف ہوتے ہوتے اس مکان کی ڈیوڑھی میں سے ہو کر صحن تک جاوے بیچ میں سے جدا نہ ہو تو اب اس صف میں یا اس کی پچھلی صف میں جو مقتدی ہوگا اس کی نماز ہو جاوے گی، اور جو شخص اس صف کے آگے ہوگا اس کی نماز نہ ہوگی، غرض کہ مختلف عمارتوں کا سب کا یہی حال ہے اور اگر ایک ہی عمارت یا میدان وسیع ہو تو اس کا حال مثل جنگل کی ہے **مسئلہ** مسبوق جو امام کے ساتھ پچھلی رکعتوں میں ملتا ہے وہ اس کی شروع نماز ہوتی ہے، پس چاہیئے کہ امام کی موافقت کرے اور پس نماز پر اپنی چھوٹی ہوئی نماز بنا کرے اور صبح کی نماز میں اپنی نماز کے آخر میں قنوت پڑھے اگرچہ امام کے ساتھ پڑھ لیا ہو اور اگر امام کے ساتھ کسی قدر قیام ملے تو دعا نہ پڑھے بلکہ الحمد آہستہ پڑھنا شروع کرے پھر الحمد پوری نہیں پڑھی تھی کہ امام نے رکوع کر دیا، تو اگر یہ جانے کہ امام کے ساتھ قومہ میں مل جاوے گا تو تمام پڑھ لے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جاوے اور تھوڑی سی الحمد جو پڑھ لی ہے اسی کو کل کا حکم ہوگا اور باقی سبب پیچھے ملنے کے ساقط ہو جاوے گی، اور اگر امام نے رکوع کیا اور مقتدی سورت پڑھتا ہے تو سورت کو چھوڑ کر امام کی تبعیت کرے، اور اگر امام کو سجدہ میں خواہ تشہد میں پاوے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر بیٹھ جاوے دوبارہ اللہ اکبر نہ کہے، بخلاف اس صورت کے کہ امام کو رکوع میں پاوے کہ یہاں تکبیر تحریمہ کے بعد دوسری تکبیر رکوع میں جھکنے کے لیے کہے اس لیے کہ تکبیریں اصلی انتقالات کے لیے ہیں تو رکوع میں جانا تو محسوب ہے اس کے باعث رکعت مل جاتی ہے اس لیے اس کی تکبیر کہنی چاہیئے اور جو انتقال کہ امام کی جہت سے کرنا پڑے، حالانکہ اکیلا ہونے میں اس وقت نہ کرتا، تو ایسے امر کے لیے تکبیر کہنی بے موقع ہوگی اور رکعت مقتدی کو جب ہی تک ملے گی کہ امام کے رکوع کی حد میں ہوتے ہوتے یہ بھی رکوع اطمینان سے کرے، اگر رکوع میں ابھی طرح نہیں جانے پایا تھا کہ امام رکوع کرنے والوں کی حد سے نکل گیا تو اس کی رکعت فوت ہو گئی، **مسئلہ** جس شخص کی ظہر قضا ہو گئی اور عصر کا وقت آگیا تو اول ظہر پڑھے، پھر عصر، لیکن اگر عصر کو اول پڑھے گا تو تب بھی کافی ہے مگر تارک اولیٰ ہوگا اور شبہہ خلاف میں داخل، پھر اگر عصر کی جماعت مل جائے تو اول عصر ہی پڑھے اور اس کے بعد ظہر ادا کرے کیونکہ نماز ادا کرنے کے لیے جماعت ہی بہتر ہے، پس اگر اول وقت میں تنہا نماز پڑھ لی پھر جماعت مل گئی تو جماعت میں نماز وقت کی نیت کر کے شامل ہو جاوے، اللہ تعالیٰ جونسی ان دونوں میں سے چاہے گا، اس کے حق میں محسوب فرماوے گا۔ اور اگر جماعت میں قضا یا نفل کی نیت کرے تب بھی درست ہے۔ اور اگر نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی پھر دوسری جماعت مل گئی تو اس جماعت میں قضا یا نفل کی نیت سے شریک ہو کیونکہ نماز وقتی ہے جماعت کے ساتھ ادا ہو چکی ہے اس کو دوبارہ ادا کرنے کا کوئی سبب نہیں، اول صورت میں ثواب جماعت ملنے کا احتمال تھا وہ بھی یہاں نہیں رہا۔

مسئلہ جو شخص نماز پڑھنے کے بعد اپنے کپڑے پر نجاست دیکھے تو مستحب ہے کہ نماز کو دوبارہ پڑھے اگر دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے اور اگر عین نماز پڑھنے میں یہ صورت ہو تو کپڑا انھیں الگ کر دے اور نماز پوری کرے اور از سرِ نو پڑھنا مستحب ہے۔ اور اصل اس باب میں قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اتارنے کا ہے کہ جب آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ ان میں نجاست ہے تو آپ نے جوتیاں اتار ڈالیں اور نماز کو از سرِ نو نہیں پڑھا **مسئلہ** جو شخص تشہد اوّل یا قنوت یا اوّل قعدہ میں درود چھوڑ دے یا بھول کر کوئی ایسا کام کرے کہ اگر جان کر کرتا تو اس سے نماز باطل ہو جاتی یا شک کرے کہ معلوم تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ یقینی بات کو اختیار کرے اور دو سجدے سہو کے سلام سے پیشتر کرے اور اگر بھول جاوے تو سلام کے بعد اگر قریب ہی یاد آجاویں کرلے پس اگر بعد سلام کے سجدہ سہو کیا اور بے وضو ہو گیا تو نماز باطل ہو جاوے گی، کیونکہ سلام کے بعد جب اس نے سجدہ کیا تو گویا سلام کو بھول میں داخل کر دیا کہ بے موقع ہو گیا اس سے نماز پوری نہ ہوئی اور نماز میں پھر سے مشغول ہو گیا، اسی جہت سے بے وضو ہونا نماز کے اندر واقع ہوا اور پہلا سلام بے محل ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو کے بعد پھر نئے سرے سلام کی ضرورت ہوتی ہے پس اگر سجدہ سہو مسجد سے نکلنے کے بعد بہت دیر پر یاد آوے تو اب تدارک نہیں ہو سکتا، **مسئلہ** نماز کی نیت میں وسوسہ کرنے کا سبب یا تو عقل کی خرابی ہے یا شریعت سے جاہل ہونا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کے غیر کے حکم کو ماننا اور قصد کے اعتبار سے جیسے اس کی تعظیم ویسی ہی غیر کی تعظیم ہے مثلاً اگر کوئی شخص پر کوئی عالم داخل ہوا اور وہ اس کے لیے کھڑا ہو جاوے تو اس وقت اگر یہ کہے کہ نیت کرتا ہوں سیدھا کھڑے ہونے کی اس فاضل کی تعظیم کو اس کے فضل کی جہت سے اس کے آنے کے ساتھ ہی اپنا منہ اس کی طرف کر لے تو ظاہر ہے کہ یہ شخص کم عقل ہو گا بلکہ جب عالم کو دیکھا اور اس کے فضل کو جانتا ہی ہے اس وقت دل میں اس کی تعظیم کا سبب ابھرا اور اس کو کھڑا کر دیا تو تعظیم کرنے والا ہو گا بشرطیکہ اور کسی کام کو یا غفلت میں نہ اٹھا ہو اور نماز کی نیت میں جو ظہر کا ہونا اور ادا اور فرض کا ہونا امتثال امر کے باب میں شرط ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے آنے والے کے لیے آتے ہی کھڑا ہونا اور اس کی طرف منہ کرنا اور کسی باعث کا نہ ہونا اور اس کھڑا ہونے سے اس کی تعظیم کا قصد کرتا ہے تاکہ واقع میں تعظیم ہو کیونکہ اگر مثلاً اس کی طرف کو پشت پھیر کر کھڑا ہو گا یا ٹھہر رہے گا اور دیر کے بعد کھڑا ہو گا تو تعظیم کرنے والا نہ ہو گا، پھر ان صفات کا معلوم اور مقصود ہونا ضروری ہے اور نفس میں ان کا حاضر ہونا ایک لحظہ میں طول نہیں چاہتا، بلکہ طول اس میں ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو مرتب کیا جاوے جو ان صفات پر دال ہوں خواہ زبان سے ادا کیے جاویں یا دل میں سوچے جاویں۔ غرض جو شخص نماز کی نیت اس طرح پر نہیں سمجھتا وہ گویا نیت ہی کو نہیں سمجھتا کیونکہ نیت میں صرف اتنی ہی بات ہے کہ جب آدمی کو نماز کے وقت نماز کے لیے بلایا اس نے امتثالِ امر کیا اور کھڑا ہو گیا، اب وسوسہ کرنا جہالت محض ہے کیونکہ یہ مقصود اور یہ علوم نفس میں ایک ہی حالت میں اکٹھے ہو جاتے ہیں، ان کے افراد کی تفصیل ذہن میں اس طرح نہیں ہوتی کہ نفس ان کو دیکھے اور سوچ لے اور نفس میں چیز کا حاضر ہونا اور چیز ہے اور فکر سے اس کی تفصیل جاننی اور بات ہے اور حاضر ہونا غیبت اور غفلت کے مقابل ہے گو حضوری مفصل طور پر نہ ہو، مثلاً جو شخص حادث کو جانے تو وہ اس کو ایک ہی حالت میں

جان لے گا حالانکہ حادث کا جاننا متضمن بہت سے علوم کو ہے جو حاضر ہیں گو مفصل نہیں یعنی جو حادث کو جانے گا وہ
موجود اور معدوم اور پہلے ہوتے اور پیچھے ہونے اور زمانے کو بھی جانے گا کہ عدم کو تقدم ہوتا ہے اور وجود کو تاخر
پس ان باتوں کو جاننا حادث کے جاننے میں متضمن ہے اس وجہ سے کہ حادث کا جاننے والا اگر اور بات کو نہ جانے
اور اس سے اگر سوال کیا جاوے کہ بھلا تم نے کبھی تقدم یا وجود کے تاخر یا زمانے کو جو متقدم اور متاخر ہوتا ہے
معلوم کیا ہے اور وہ کہے کہ میں نے کبھی نہیں جانا تو وہ جھوٹا ہوگا اور اس کا یہ کہنا اس کے مخالف پڑے گا کہ میں
حادث کو جانتا ہوں، اسی دقیقہ سے نہ جاننے سے وسواس ابھرتا ہے کہ وسواس اپنے نفس پر زور دے کر چاہتا ہے
کہ اپنے دل میں ظاہر ہونے اور ادا ہونے اور فرض ہونے کو ایک حالت میں حاضر کرے، پھر اس کی تفصیل الفاظ
سے کرے اور خود اس کی تفصیل کو دیکھ لے اور یہ بات ہو نہیں سکتی اگر بالفرض اس بات کی تکلیف اپنے نفس پر عالم کے لیے
کھڑے ہونے کے باب میں کرے گا تو اس پر دشوار ہوگا، غرض کہ اس حال کے جاننے سے وسواس دور ہو جاتا ہے کہ
خدائے تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری نیت کے باب میں اسی طرح ہے جیسے غیر کے امر کی فرمانبرداری ہوتی ہے، پھر
ہم تسہیل اور رخصت کے طور پر اتنی بات اور کہتے ہیں کہ اگر وسواسی نیت اسی کا نام سمجھتا ہے کہ یہ ساری باتیں مفصل حاضر
کرنے سے ہوں گی اور اس کے نفس میں امتثال یک بار گی صورت نہیں پکڑتا تو اگر اثنائے تکبیر میں اول سے آخر تک
ان امور میں سے کسی قدر کو حاضر کرے گا اس طرح کہ تکبیر کے پورا ہونے پر نیت حاصل ہو جاوے تو یہ بھی اس کو کافی
ہوگا۔ ہم اس کو تکلیف نہیں دیتے کہ ساری باتیں تکبیر کے اوّل میں اور آخر میں جمع کرے کیونکہ یہ تکلیف حد سے تجاوز ہے
اگر اس کا حکم ہوتا تو پہلے لوگوں سے اس کی پرسش ہوتی اور صحابہؓ میں سے کوئی نیت میں وسوسہ کرتا، پس اس کے حال
سے سوال نہ ہونا اور صحابہؓ کا وسوسہ نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشا سہولت پر ہے اس جہت سے
وسواسی کو جس طرح پر نیت میسر ہو جاوے اس پر قناعت کرے تاکہ اس کا عادی ہو جاوے اور وسوسہ دور ہو، اور
اپنے نفس سے اس کی تحقیق کی طلب نہ کرے کہ تحقیق وسوسہ بڑھا دیتی ہے اور ہم نے تحقیق کی چند وجہیں فتاویٰ میں ان
علوم اور قصد دل کی تفصیل کے باب میں جو نیت سے متعلق ہیں، ذکر کی ہیں، ان کے دریافت کرنے کی حاجت علماء کو
ہوتی ہے، عوام کو تو اکثر ان کا سننا ضرر کرتا ہے اور وسواس زیادہ کرتا ہے اسی جہت سے یہاں نہیں لکھی **مسئلہ** مقتدی
کو امام سے آگے ہونا رکوع اور سجدہ اور ان دونوں سے اٹھنے کی حالت میں اور تمام اعمال میں نہیں چاہیئے اور نہ یہ مناسب
ہے کہ اس کے ساتھ یہ اعمال بجا لاوے بلکہ اس کی تبعیت کرے اور پیچھے پیچھے ارکان ادا کرے کیونکہ اقتدا کے معنی یہی ہیں اور
اگر امام کے برابر ہی عمداً یہ اعمال کرے گا تو بھی نماز باطل نہ ہوگی جیسے کھڑے ہونے میں امام کے برابر کھڑا ہو جاوے اس
سے پیچھے ہٹ کر نہ کھڑا ہو، پس اگر امام سے ایک رکن آگے ہو جاوے تو اس کی نماز باطل ہونے میں اختلاف ہے، مگر
قریب بصواب یہی ہے کہ باطل ہونے کا حکم کیا جاوے کہ اس کی ایسی صورت ہوگی جیسا کھڑے ہونے میں امام سے
آگے بڑھ کر کھڑا ہو بلکہ اس میں طریق اولیٰ نماز باطل ہونی چاہیئے کیونکہ جماعت میں اقتدا فعل کا ہوتا ہے نہ کھڑے ہونے
کا تو تبعیت فعل میں زیادہ تر ضروری ٹھہری اور مکان میں آگے نہ بڑھنے کی شرط بھی اسی لیے ہے کہ فعل میں پیروی سہل ہو

جاوے اور صورت تبعیت کی پائی جاوے کہ مقتدی کو مناسب یہی ہے کہ آگے نہ ہو اب جو شخص امام سے فعل میں بڑھ جاوے تو ظاہر ہے کہ بدوں سہو کے اور کوئی وجہ اس کی نہیں ہو سکتی، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں سخت تہدید فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا[ع] اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس حمار اور امام سے ایک رکن سے پیچھے رہنا نماز کو باطل نہیں کرتا، مثلاً امام قومہ میں آگیا اور مقتدی نے ابھی رکوع بھی نہیں کیا، لیکن اس درجہ کا پیچھے رہنا مکروہ ہے، پس اگر امام اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے اور یہ مقتدی ابھی رکوع کرنے کی حد کو نہ پہنچا ہو تو اس کی نماز باطل ہو جاوے گی۔ اور اسی طرح اگر امام نے دوسرے سجدہ کو سر رکھ دیا ہو اور مقتدی نے پہلا بھی ابھی تک نہ کیا ہو تو نماز باطل ہو گی **مسئلہ** جو شخص نماز میں حاضر ہو تو اس پر حق ہے کہ اگر دوسرے شخص سے نماز میں کچھ برائی دیکھے تو چاہیئے کہ اس کو تغیر کر دے اور انکار کرے کہ اس طرح نہیں ہے اور اگر کسی جاہل سے سرزد ہو تو اس پر نرمی کرے اور اس کو سکھلا دے مثلاً صفوں کا برابر کرنا اور اکیلے آدمی کو تنہا صف کے پیچھے کھڑا ہونے سے منع کرنا اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھا دے اس پر انکار کرنا اور اس کے سوا اور باتیں ہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خرابی ہے عالم کو جاہل سے کہ اس کو تعلیم نہیں کرتا، اور حضرت ابن مسعود رض نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کو دیکھے کہ نماز کو بری طرح پڑھتا ہے اور اس کو منع نہ کرے تو وہ بھی اس کے گناہ میں اس کا شریک ہے اور بلال بن سعد نے کہا ہے کہ قصور جب پوشیدہ کیا جاتا ہے تو بجز اپنے مرتکب کے اور کسی کا ضرر نہیں کرتا اور جب ظاہر کیا جاتا ہے اور اس کی کوئی اصلاح نہیں کرتا تو اس کا نقصان عام ہو جاتا ہے۔ اور حدیث[ع] میں ہے کہ حضرت بلال رض صفوں کو برابر کیا کرتے اور لوگوں کی کونچوں پر دُرّہ مارتے۔ اور حضرت عمر رض نے فرمایا ہے کہ نماز میں اپنے بھائیوں کو دیکھا کرو، جب ان کو نہ پاؤ تو اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرو، اگر تندرست ہوں تو عتاب کرو یعنی جماعت کے چھوڑنے پر عتاب کرو یعنی جماعت کے چھوڑنے پر ملامت کرو اور اس باب میں تساہل نہ کرنا چاہیئے کہ پہلے لوگ اس میں مبالغہ کرتے تھے یہاں تک کہ بعض آدمی جماعت کے چھوڑنے والوں کے دروازہ تک جنازہ لے جاتے تھے اس بات کے جتلانے کو کہ مردہ ہو تو جماعت سے بیٹھ رہے زندہ کو بیٹھ رہنا نہ چاہیئے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو تو چاہیئے کہ صف کی داہنی جانب قصد کرے اور اس وجہ سے عہد مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں داہنی جانب پر لوگ اس کثرت سے ہوتے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ بائیں طرف بالکل چھوٹ گئی ہے آپ[ع] نے فرمایا کہ جو شخص مسجد کی بائیں جانب کو معمور کرے اس کو دو برابر ثواب ہو گا اور جب صف میں لڑکا نابالغ دیکھے اور اپنے لیے جگہ نہ ہو تو جائز ہے کہ لڑکے کو صف سے علیحدہ کر کے آپ اس کی جگہ کھڑا ہو جاوے۔ یہ ہے بیان ان مسائل کا جن میں لوگ اکثر مبتلا ہوتے ہیں اور متفرق نمازوں کے احکام باب الاوراد میں انشاء اللہ عنقریب مذکور ہوں گے۔

ع جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے، وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر سے بدل دیوے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ رض ع اصاحب مسند الفردوس بروایت ۱۲ ع اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ع ابن ماجہ بروایت ابن عمر رض بسند ضعیف ۱۲

ساتویں فصل، نفل نمازوں کا بیان

جاننا چاہئیے کہ فرض نمازوں کے سوا اور نمازوں کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل سنت، دوم مستحب، سوم تطوع۔ سنت نماز سے ہماری مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مواظبت منقول ہو، جیسے نمازوں کے بعد سنتیں، اور نماز چاشت اور وتر اور تہجد وغیرہ ہیں، کیونکہ سنت طریق مسلوک کو کہتے ہیں تو جس طریق پر آپؐ ہمیشہ چلے ہوں گے وہی سنت ہوگا۔ اور مستحب سے ہماری غرض یہ ہے کہ حدیث میں اس کی بزرگی آئی ہو، مگر آپؐ سے ان کا ہمیشہ پڑھنا منقول نہ ہو، چنانچہ ان کا ذکر روزانہ اور شبانہ ہفتہ کی نمازوں میں ہم عنقریب لکھتے ہیں یا جیسے گھر سے نکلنے کے وقت اور اس میں آنے کے وقت کی نماز وغیرہ ہیں۔ اور تطوع سے ہماری یہ ہے کہ نمازیں ان دونوں کے سوا ہوں۔ یعنی خاص ان کے لیے کوئی خبر نہیں ہے، مگر بندہ نے خدائے تعالیٰ کی مناجات میں راغب ہو کر نماز سے جس کی مطلق فضیلت شریعت میں وارد ہے تبرع اور سلوک کیا اور تطوع تبرع کرتا ہے کہ اس کی طرف بلایا نہیں گیا، اگرچہ مطلق نماز کی طرف بلایا گیا ہے ان تینوں قسموں کو نفل اس جہت سے کہتے ہیں کہ نفل کے معنی زیادتی کے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب فرضوں سے زیادہ ہیں اور ان مقاصد کے جتانے کے لئے ہم نے نفل اور سنت مستحب اور تطوع کی اصطلاح مقرر کرلی، اور جو کوئی اس اصطلاح کو بدل ڈالے تو اس پر کچھ اعتراض نہیں کیونکہ مقاصد کے سمجھنے کے بعد لفظوں سے کچھ غرض نہیں، اور ان قسموں میں سے ہر ایک قسم کے درجات اس قدر فضل میں مختلف ہیں جس قدر کہ اخبار و آثار جن سے ان کا فضل معلوم ہوتا ہے، ان کے باب میں وارد ہیں اور جس قدر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ مواظبت فرمائی ہے اور جس قدر کہ ان کے باب میں حدیثیں صحیح اور مشہور ہیں اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جماعتوں کی سنتوں میں سے افضل وتر ہے جو سب سنتوں سے افضل ہیں اور جماعت کی سنتوں میں سب سے افضل عید کی نماز، پھر گہن کی نماز، پھر طلب باراں کی نماز ہے اور تنہائی کی سنتوں میں سے افضل وتر ہے پھر فجر کی دونوں سنتیں مؤکد علیٰ حسب مراتب ہیں، اور واضح ہو کہ نوافل اپنے متعلقات کی جہت سے دو قسم پر ہیں اول وہ اسباب سے متعلق ہوں جیسے کسوف اور استسقا ہیں، دوسرے وہ جو متعلق اوقات سے ہوں اور اس قسم کی تین قسمیں ہیں اس طرح کہ یا دن رات کے مکرر ہونے سے وہ سنت مکرر ہوتی ہے یا ہفتہ کے دوبارہ آنے سے یا سال کے مکرر ہونے سے، پس سب قسمیں لفظوں کی چار ہوئیں، ان کو جدا جدا لکھا جاتا ہے۔

ذیلی فصل ۱: دن رات کی ابتدا کے نوافل

پانچ تو پنجگانہ نمازوں کی سنتیں ہیں اور ان کے سوا یعنی نماز چاشت

اور مغرب اور عشا کے درمیان کی نفلیں اور تہجد اوّل صبح کی سنتیں ہیں اور وہ دو ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا اور ان کا وقت صبح صادق ہونے سے شروع ہو جاتا ہے اور وہ صبح کناروں کی

[1] فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ مسلم بروایت عائشہؓ ۱۲

طرف کو پھیلی ہوئی ہوتی ہے نہ لمبی اور شرع میں اس کا معلوم کرنا مشکل ہے مگر اس طرح ہو سکتا ہے کہ چاند کی منزلیں سیکھ لے یا ستاروں کے دیکھنے سے جان لے کہ فلاں اس جگہ آوے گا تو صبح ہو جاوے گی اور چاند سے مہینے میں دوبارہ پہچان ہو سکتی ہے کیونکہ چھبیسویں[۲۶] شب کو چاند صبح صادق کے ساتھ نکلتا ہے اور بارہویں شب کو چاند کے غروب ہونے کے ساتھ اکثر صبح ہو جاتی ہے اور ان دونوں باتوں میں کبھی بعض برجوں میں فرق بھی پڑ جاتا ہے اور شرح اس کی طویل ہے اور منازل قمر کا سیکھنا طالب آخرت کے لیے ضروریات میں سے ہے تاکہ اس سے رات کے وقتوں کی مقدار اور صبح صادق کو پہچانے اور جب صبح کے فرضوں کا وقت نہیں رہتا تو سنتوں کا وقت بھی جاتا رہتا ہے یعنی آفتاب کے نکلنے پر ان کا وقت نہیں رہتا، مگر مسنون یہ ہے کہ ان کو فرضوں سے پہلے ادا کرے، پس اگر مسجد میں آوے اور نماز کی تکبیر ہو گئی ہو تو فرضوں میں مشغول ہو جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ع] اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ[۲۲] پھر نماز سے فارغ ہو کر کھڑا ہو جاوے اور سنتوں کو پڑھے اور صحیح یہ ہے کہ سنتیں جب تک آفتاب نکلنے سے پیشتر واقع ہوں تب تک ادا ہی ہوں گی اس لیے کہ وہ وقت میں فرضوں کی تابع ہیں اور ان کو پہلے فرضوں سے پڑھنا اور فرضوں کو بعد کو پڑھنا سنت ہے بشرطیکہ نماز جماعت نہ پاوے۔ اور جب جماعت موجود ہو تو ترتیب بدل جاتی ہے افرضوں کو اول پڑھتے ہیں اور سنت کو پیچھے، غرض کہ ادا ہی ہوتی ہے اور مستحب یہ ہے کہ سنتوں کو گھر پر مختصر پڑھ لے، پھر مسجد میں داخل ہو کر دوگانہ تحیۃ المسجد پڑھے پھر بیٹھ جاوے اور فرض پڑھنے تک کوئی نماز نہ پڑھے اور صبح سے لے کر آفتاب کے نکلنے تک مستحب یہ ہے کہ ذکر اور فکر میں لگا رہے اور صرف فجر کی سنتوں اور فرضوں پر کفایت کرے، دوسری ظہر کی سنتیں ہیں وہ چھ رکعتیں ہیں، دو بعد فرضوں کے اور چار پہلے، اور بعد کی دونوں مؤکدہ ہیں، اور پہلے کی چار بھی سنت ہیں مگر ان کی نسبت کم ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے[ع] کہ جو شخص چار رکعتیں آفتاب کے ڈھلنے کے بعد پڑھے اور ان کی قرأت اور رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور رات تک اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد چار رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور ان کو لمبی پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ دروازے آسمان کے اس ساعت میں کھلتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرا کوئی عمل ان میں کو اوپر جاوے، اس حدیث کو ابوایوب[ع] انصاریؓ نے روایت کیا، اور راوی اس کے صرف وہی ہیں[ع] پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ام المومنین ام حبیبہؓ نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی دن میں بارہ رکعتیں فرضوں کے سوا پڑھے، اس کے لیے ایک مکان جنت میں بنایا جاوے گا دو رکعتیں فجر کے پیشتر اور

[ع] جب نماز کی تکبیر ہو جاوے تو کوئی نماز بغیر فرض نماز کے نہیں ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ ۱۲ [ع] عبدالملک بن حبیبؒ نے بروایت ابن مسعودؓ روایت کیا ہے اور بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [ع] احمد بسند ضعیف اور ترمذی نے بروایت عبداللہ بن السائبؓ نے اسی مضمون کو روایت کیا ہے ۱۲ [ع] نسائی و حکم ۱۲ [ع] بخاری و مسلم ۱۲ [ع] قولہ ام حبیبہؓ الخ احیاء میں یہاں دو طرح کلام ہے اول یہ کہ ترمذی نے دوگانہ عصر سے پہلے نہیں روایت کیا بلکہ عشاء کے بعد دوگانہ روایت کیا، اور صحیح مسلم میں بلا تفصیل ہے دوم حدیث ابن عمر میں فقط دس رکعتیں ہیں کیونکہ ظہر سے پہلے چار نہیں بلکہ دو یا دو رکعتیں تو ام حبیبہؓ کی مثل نہ ہوا اور لیکن اس میں (باقی آئندہ صفحہ)

چار ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد اور دو عصر سے پہلے اور دو مغرب کے بعد، اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک دن میں دس رکعتیں یاد کی ہیں اور تفصیل اسی طرح کی جو ام المؤمنین ام حبیبہؓ نے بیان کیا ہے، کی تھی، مگر فجر کی دو رکعتوں میں فرمایا کہ یہ وقت ایسا تھا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہ جاتا مگر مجھ سے میری بہن ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر نکلتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے اپنی حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعتیں کہی ہیں، اور عشا کے بعد دو رکعتیں بیان کی ہیں، اس صورت میں ظہر سے پہلے کی دو رکعتیں منجملہ چار کے زیادہ مؤکد ہو گئیں اور ان رکعتوں کا وقت آفتاب کے زوال پر آجاتا ہے، اور زوال کی پہچان یہ ہے کہ سیدھے کھڑے ہوئے آدمی کا سایہ پورب کی طرف کو جھکتا ہے اس لیے کہ آفتاب کے نکلنے کے وقت سایہ آدمی کا مغرب کی طرف بہت لمبا ہوتا ہے پھر آفتاب اونچا ہوتا جاتا ہے اور سایہ کم ہوتا جاتا ہے اور مشرق کی طرف پھرتا جاتا ہے یہاں تک کہ آفتاب اپنے منتہائے بلندی پر یعنی نصف النہار کے قوس پر پہنچ جاتا ہے اور اس وقت تک سایہ بھی جتنا کم ہوتا تھا کم ہو چکتا ہے جب نصف النہار سے آفتاب ڈھلتا ہے تو سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے پس جس وقت سے کہ سایہ کا بڑھ جانا آنکھ سے بھی معلوم ہونے لگے اس وقت سے ظہر کا وقت آجاتا ہے اور یہ بات قطعاً معلوم ہے کہ زوال خدائے تعالیٰ کے علم میں اس وقت سے پیشتر ہو چکا، مگر چونکہ احکام شرعی انہیں چیزوں پر وابستہ ہوتے ہیں جو محسوس ہوں اس لیے زوال اسی وقت سے کہیں گے۔ جب محسوس ہو جاوے اور جو مقدار سایہ کی آفتاب کے نصف النہار پر ہونے کے وقت ہوتی ہے اور جہاں سے کہ سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے وہ جاڑوں میں لمبی ہوتی ہے اور اگر گرمیوں میں چھوٹی، اور اس کے بڑے سے بڑے ہونے کی غایت یہ ہے کہ آفتاب برج جدی کی ابتداء پر پہنچ جاوے۔ اور چھوٹے سے چھوٹے ہونے کی غایت یہ ہے کہ برج سرطان کے شروع پر پہنچ جاوے اور یہ بات قدموں اور میزانوں سے پہچانی جاتی ہے اور طریق قریب بہ تحقیق زوال کے معلوم کرنے کا درصورتیکہ کوئی اچھی طرح اس کو لحاظ رکھے، یہ ہے کہ رات کو قطب شمالی یعنی ستارۂ قطب کو دیکھے، اور ایک تختہ مربع زمین پر برابر رکھے اس طرح کہ اس کا ایک ضلع قطب کی جانب ایسا ہو کہ اگر بالفرض قطب سے ایک کنکر زمین پر چھوڑیں اور جس جگہ وہ کنکر زمین پر گرے وہاں سے ایک خطِ مستقیم اس ضلع تک گزرتا ہوا فرض کریں تو یہ خط ضلع مذکور پر دو قائمے بناوے یعنی خط مذکور ضلع مسطور کے کسی سمت کی طرف جھکتا ہوا نہ ہو اور جس نقطہ پر ضلع شمالی کے وہ خط مفروض گزرتا ہوا معلوم ہو، اسی کے مطابق خط مستقیم مثلاً ب تختہ کے ضلع شمالی سے جنوبی ضلع تک کھینچ دیا جاوے اور جگہ ایک عمود تختہ پر نقطہ ہ سے جو ضلع جنوبی میں خطِ مستقیم کے ملنے سے پیدا ہوا ہے قائم کریں اور فرض کرو کہ ضلع غربی تختہ کا شکل ذیل میں ہے تو اول روز میں سایہ اس عمود کا مغرب کی طرف ضلع اکی طرف کو مائل ہو گا پھر دوپہر تک کم ہوتا اور شمال کی طرف کو ہٹتا رہے گا یہاں تک کہ خط ب پر منطبق ہو جاوے گا

(بقیہ صفحہ ۳۰۸) دوگانہ فجر اس میں بروایت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا مجھے حفصہؓ نے خبر دی کہ آپ ان کے یہاں دوگانہ خفیف پڑھا کرتے رواہ البخاری اور رواہ بارہ رکعت میں سنت مؤکدہ ۱۲

اس طرح کہ اگر اس کو شمال کی جانب بڑھاویں تو جس نقطہ پر قطب سے کنکر گرا ہوا فرض کیا تھا اس پر پہنچ جاوے، اور یہ سایہ اس وقت ضلع مشرقی اور مغربی تختہ کے موازی ہوتا ہے کسی کی طرف کو مائل نہیں ہوتا اور اس وقت میں آفتاب منتہائے بلندی پر ہوتا ہے، پس جب سایہ خطاب سے شرق کی جانب کو جھکتا ہے تو آفتاب ڈھل جاتا ہے اور یہ بات ٹھیک ایسے وقت میں معلوم ہونے لگتی ہے جو زوال حقیقی سے قریب ہی ہوتا ہے، پھر دوپہر کو جس جگہ سایہ ہو وہاں خطاب پر ایک نشان کر دیا جائے، پس سایہ جب عمود کا اتنا ہو جاوے کہ عمود مذکور اور اس زوال کے وقت کے سایہ کے برابر ہو یعنی سوائے سایہ دوپہر کے ایک مثل ہو جاوے تو وقت عصر کا آجاتا ہے، پس اس قدر زوال کے جاننے کے لیے معلوم کرنے کا مضائقہ نہیں، مترجم کہتا ہے کہ سہل طریق زوال کے دریافت کا دائرہ ہندی ہے جو اکثر کتبِ حنفیہ میں مذکور ہے اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کو چورس کر کے خواہ تختہ کو چورس بنا کر اس پر ایک دائرہ پرکار سے کھینچیں اور مرکز دائرہ میں ایک عمود قائم کریں، جس کی لمبائی تختہ سے

مغرب
شمال ب جائے زوال ۵ ر ج عمود جنوب
مشرق

اوپر نصف قطر سے کچھ کم ہو، صبح کو اس عمود کا سایہ دائرہ کے باہر ہوگا اور کم ہوتے ہوتے دائرہ کے اندر آوے گا۔ جس جگہ سے اندر آنا شروع کرے وہاں ایک نشان کر دیا جاوے، پھر دوپہر کے بعد سایہ بڑھنے لگے گا یہاں تک کہ دائرہ سے باہر ہو جاوے، جس جگہ سے باہر ہوا وہاں بھی ایک نشان کر دیا اور جو چھوٹی قوس دائرہ کی ان دونوں نشانوں کے درمیان میں ہے اس کو تنصیف کر کے نقطہ تنصیف سے ایک خط مرکز دائرہ میں ملا دیا جاوے، پس جب کہ عمود کا سایہ اس خط پر منطبق ہو وہ وقت نصف النہار ہے اور جب شرق کی جانب کو اس سے مائل ہو وہ وقت زوال ہے۔ **تیسرے عصر کے وقت کے نوافل** وہ چار رکعتیں عصر سے پیشتر ہیں، حضرت ابوہریرہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا رحم اللہ عبدا صلی قبل العصر اربعا[1] پس ان کا پڑھنا اس توقع سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں داخل ہو جاوے مستحب مؤکد ہے اس نظر سے آپؐ کی دعا بے شک مقبول ہوگی، اور آپؐ نے عصر سے پہلے کی رکعتوں پر اتنی مواظبت نہیں فرمائی جتنی ظہر سے پہلے کی دو رکعتوں پر کی ہے **چوتھی مغرب کے وقت کی سنتیں** اور دو فرض کے بعد دو رکعتیں ہیں ان میں روایت مختلف نہیں ہوئی، مگر دو رکعتیں مغرب سے پیشتر اذان اور تکبیر کے درمیان جلد پڑھ لینی چند صحابہ رضؓ سے منقول ہیں مثل ابی بن کعب رضؓ اور عبادہ بن الصامت رضؓ اور ابی ذر رضؓ اور زید بن ثابت رضؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم، چنانچہ حضرت عبادہ رضؓ وغیرہم فرماتے ہیں کہ جب[2] مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ستونوں کی طرف دو رکعتیں

---

[1] اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندہ پر جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے، ابو داؤد و ترمذی بروایت ابن عمر رضؓ اور بروایت ابوہریرہ رضؓ میں نے نہیں دیکھی ۱۲ [2] بخاری و مسلم بروایت انس رضؓ ۱۲

پڑھنے جھپٹ جاتے، اور بعض صحابہؓ فرماتے کہ ہم مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ نیا آنے والا جانتا کہ ہم مغرب پڑھ چکے ہیں اور پوچھتا کہ کیا مغرب پڑھ چکے، اور یہ رکعتیں پڑھنی اس حدیث شریف کے عموم میں داخل ہیں بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء اور حضرت امام احمدؒ یہ دونوں رکعتیں پڑھا کرتے تھے لوگوں نے جوان کو عیب لگایا تو چھوڑ دیں، پھر کسی نے ان سے پوچھا تو فرمایا کہ میں نے لوگوں کو پڑھتے نہ دیکھا اس لیے میں نے بھی چھوڑ دیں، اور فرمایا کہ اگر ان کو آدمی اپنے گھر پر یا ایسی جگہ پڑھ لیا کرے کہ لوگ نہ دیکھیں تو بہتر ہے۔ اور مغرب کا وقت آفتاب کے نظر سے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور آنکھ سے چھپنا زمین برابر پر معتبر ہے۔ اگر اس کے گرد پہاڑ نہ ہوں اور مغرب کی طرف پہاڑ ہوں تو اتنا توقف کرنا چاہیے کہ مشرق کی جانب سیاہی آتی ہوئی معلوم ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقبل اللیل من ھٰھنا وادبر النھار من ھٰھنا فقد افطر الصائم اور مستحب یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں خصوصاً جلدی کی جاوے، اور اگر تاخیر ہووے اور سرخی شفق کے غائب ہونے سے پیشتر پڑھ لی جاوے۔ تب بھی ادا ہوگی مگر مکروہ ہے اور حضرت عمرؓ نے ایک بار نماز مغرب میں اتنی تاخیر کی کہ ایک ستارہ نکل آیا، بس آپ نے اس کے تدارک کو ایک بردہ آزاد کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے اتنی دیر کی کہ دو ستارے نکل آتے، آپ نے دو بردے آزاد کیے **پانچویں عشا کے نوافل** اور وہ فرضوں کے بعد چار رکعتیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد عشا کے چار رکعتیں پڑھتے تھے، پھر سو رہتے تھے، اور بعض علماء نے سب احادیث سے یہ اختیار کیا ہے کہ نوافل کے شمار سترہ ہونے چاہئیں جیسے فرضوں کی تعداد ہے یعنی دو رکعتیں فجر سے پیشتر اور چار ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد اور چار عصر سے پہلے اور دو مغرب کے بعد اور تین عشاء کے بعد اور وہ وتر ہیں۔ اور جب نوافل کے باب میں جو حدیثیں وارد ہیں ان کو معلوم کر چکے تو اب ان کی شمار معین کرنے کے کیا معنی ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز ایک خیر ہے رکھی ہوئی پس جو کوئی چاہے کم کرلے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک طالب ان نمازوں میں سے اسی قدر اختیار کرتا ہے جتنی رغبت اس کو خیر میں ہوتی ہے اور ہمارے بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہو چکا کہ ان نوافل میں بعض مؤکد زیادہ ہیں اور بعض کم تو مؤکد تر کا چھوڑ دینا بعید ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ فرضوں کی تکمیل ان سے ہوتی ہے تو جو کوئی بہت نہ پڑھے گا کیا عجب ہے کہ اس کے فرض ادھورا رہ جاویں اور ان کا نقصان بے تدارک رہے۔ چھٹی وتر ہے، حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد تین رکعتوں کا وتر پڑھتے تھے اول میں سبح اسم ربك الاعلی اور دوسری میں کافرون اور تیسری میں اخلاص پڑھا کرتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد وتر کے دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے اور بعض روایت میں ہے کہ پالتی مار کر پڑھتے تھے اور بعض میں یہ ہے کہ جب اپنے بستر پر آتے تو اس پر چار زانو ہو جاتے اور سونے سے

ا؎ مسلم بروایت انسؓ ۱۲ ح اذانوں کے درمیان میں یعنی تکبیر و اذان کے نماز ہے جو شخص چاہے اور بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن مغفل ۱۲ ح جب رات سامنے آوے مشرق سے اور دن پشت پھیرے یعنی غروب ہووے مغرب سے تو روزہ والے کا افطار کا وقت ہو گیا بخاری و مسلم بروایت عمرؓ ح ابو داؤد ۱۲ ح احمد حاکم بروایت ابو ذرؓ ح ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ح مسلم بروایت عائشہؓ ح احمد و بیہقی بروایت ابو امامہ ۱۲ ح وتر ایک رکعت ہے بخاری مسلم بروایت ابن عمرؓ تین رکعت ہے احمد و نسائی بروایت عائشہؓ پانچ رکعتوں ہے مسلم بروایت عائشہ سات رکعتوں ہے مسلم و ابو داؤد بروایت عائشہؓ نو رکعتوں ہے۔ ح

ح مسلم بروایت عائشہؓ گیارہ رکعتوں ہے ۱۲

پیشتر دو رکعتیں پڑھتے اوّل میں[1] اور دوسری میں سورۃ التکاثر اور ایک روایت میں سورۃ الکافرون ہے اور وتر جدا بھی دو سلاموں سے درست ہے اور ملا ہوا ایک سلام کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت اور تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ سے وتر پڑھا ہے اور تیرہ رکعتوں میں روایت متردد ہے اور ایک حدیث[12] شاذ سترہ رکعتیں ہیں، اور یہ سب رکعتیں جن کو ہم نے وتر کہا ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ شب یعنی تہجد تھا اور تہجد رات کو سنت مؤکدہ ہے اور عنقریب اس کی فضیلت باب الاوراد میں آوے گی۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ وتر میں افضل کیا ہے، پس بعضوں نے یہ کہا ہے کہ ایک رکعت تنہا وتر افضل ہے اس لیے کہ صحیح ہوا ہے کہ آنحضرت[2] صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے وتر کرنے پر مواظبت کیا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وتر ملے ہوئے بہتر ہیں تاکہ شبہہ خلاف کا ڈر ہے خصوصاً امام کو ملانا ضروری ہے اس لیے کہ بعض اوقات اس کا اقتدا ایسا شخص کرتا ہے جو ایک رکعت تنہا کوئی نماز نہیں کرتا، پس اگر ملا کر پڑھے تو سب کی نیت وتر کی کرے اور ایک رکعت اگر عشا کے بعد کی دوگانہ کے بعد یا فرضوں کے پیچھے پڑھے تو اسی سے وتر کی نیت کرے اور یہ نماز درست ہو گی، اس لیے کہ وتر کی شرط یہ ہے کہ خود اپنی ذات سے طاق ہو اور دوسری نماز جو اس سے پہلے ہو گئی ہو اس کو طاق کر دے تو جب فرضوں کے بعد ایک رکعت پڑھی تو فرضوں کو طاق کر دے گی اور اگر وتر قبل عشا کے ادا کرے گا تو درست نہ ہو گی، جو فضیلت وتر کی حدیث میں آئی ہے کہ وتر سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اس کا ثواب نہ ملے گا ورنہ ایک تو جس وقت میں پڑھے گا درست ہو گی اور عشا سے پہلے وتر کی رکعت صحیح نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ تمام خلق کے اجماع کے خلاف ہے اور دوسری یہ کہ اس سے پہلے کوئی نماز نہیں ہوتی کہ وہ اس سے وتر طاق ہو جاوے اور جب وتر کی تین رکعتیں جدا جدا دو سلاموں سے پڑھنا چاہے تو اوّل کے دوگانہ کی نیت میں تامل ہے اگر ان سے نماز تہجد یا عشا کی سنتوں کی کرے گا تب تو وتر نہ رہیں گے اور اگر وتر کی نیت کرے گا تو وہ خود وتر نہیں بلکہ دو رکعت ہیں اس کے بعد کی ایک رکعت البتہ وتر ہے مگر ظاہر تر یہی ہے کہ جیسے تین ملی ہوئی رکعتوں میں وتر کی نیت کرے، اسی طرح ان میں بھی وتر ہی کی نیت کرے۔ باقی رہی یہ بات کہ دوگانہ اول وتر نہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ وتر کے دو معنی ہیں، ایک تو یہ کہ بذاتِ خود طاق ہو، دوسرے یہ کہ اس لیے ہُوا ہو کہ مابعد سے ملا کر طاق کر دیا جاوے، اس صورت میں تینوں رکعتیں مل کر بھی وتر ہوں گی مگر ان کا وتر ہونا تیسری رکعت پر موقوف ہو گا اور چونکہ نمازی کا قصد مصمم یہی ہے کہ اس دوگانہ کو تیسری رکعت سے وتر کر دے گا تو اس کو جائز ہے کہ ان دونوں کے لیے بھی وتر کی نیت کر لے، اور تیسری رکعت خود بھی اپنی ذات سے وتر ہے اور دوسری کو بھی وتر کرتی ہے اور دوگانہ اوّل خود وتر ہے نہ دوسرے کو وتر کرتا ہے مگر دوسرے سے مل کر البتہ وتر ہو جاتا ہے اور چاہیئے کہ نمازِ شب کے آخر میں وتر ہو پس تہجد کے بعد ہونا چاہیئے، اور فضیلت وتر و تہجد کی اور ان دونوں میں ترتیب کی کیفیت باب ترتیب الاوراد میں عنقریب انشاء اللہ آوے گی۔ ساتویں نمازِ چاشت کہ اس پر مواظبت کرنی عمدہ اور افضل اعمال میں سے ہے اور شمار اس کی رکعتوں کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں منقول ہیں حضرت

---

[12] ابن المبارک بروایت طاؤس مرسلاً ۱۲ [2] ابو داؤد و ترمذی بروایت خارجہ بن خدیجہ رضی ۱۲ [1] اذا زلزلت الارض ۱۲

ام ہانیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن سے مرویؒ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں، اور ان کو طول دیا اور اچھی طرح پڑھا اور یہ شمار اور کسی راوی نے نہیں نقل کیا، حضرت عائشہؓ نے زیادتی کی حد نہیں بیان کی، اتنا معلوم ہوا کہ چار رکعتوں پر آپؐ مواظبت فرماتے تھے اس سے کم نہ کرتے تھے، کبھی کچھ زیادہ بھی کر دیتے تھے، اور ایک حدیث مفرد میں مرویؒ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور نمازِ چاشت کے باب میں حضرت علیؓ سے مرویؒ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز چھ رکعتیں دو وقتوں میں پڑھتے تھے، ایک جب آفتاب نکل کر اونچا ہوتا تو آپؐ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھتے، اور یہ نمازوں کے دوسرے درد کا شروع ہے جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا، دوم جس وقت آفتاب پھیلتا اور چہارم آسمان پر مشرق کی جانب سے ہوتا، اس وقت آپؐ چار رکعتیں پڑھتے، غرض کہ اول دوگانہ اس وقت تھا کہ آفتاب مقدار نصف نیزہ کے اونچا ہوتا اور دوسری نماز پہر دن چڑھے، مقابل عصر کی نماز کے ہوتی کہ عصر کا وقت پہر دن رہے ہوتا ہے اور ظہر دوپہر ڈھلے ہوتی ہے تو چاشت اس وقت ہوتی کہ آفتاب کے نکلنے سے زوال تک کے وقت کو آدھا کر کے پڑھی جاوے جیسے زوال سے غروب تک کے وقت کو آدھا کرنے پر عصر ہوتی ہے اور یہ وقت افضل ہے۔ حاصل یہ کہ آفتاب کے اونچا ہونے سے زوال کے پیشتر تک چاشت کا وقت ہے۔ آٹھویں مغرب وعشا کے درمیان کے نوافل۔ یہ بھی سنتِ مؤکدہ ہیں، اور ان کی شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے چھ رکعتیں منقول ہیں اور اس نماز کا ثواب بہت بڑا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع سے یہی نماز مراد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو کوئی مغرب اور عشا کے درمیان نماز پڑھے تو وہ نماز خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز ہے، اور فرمایا جو شخص مغرب وعشاء کے درمیان میں اپنے نفس کو جماعت والی مسجد میں روکے اور نماز اور قرآن کے سوا اور گفتگو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کے لیے جنت میں دو محل بناوے کہ ہر ایک محل کا فاصلہ ان میں سے سو برس کا ہو اور اس کے لیے ان دونوں کے درمیان اتنے درخت لگا دے کہ اگر زمین کے باشندے ان میں گھومیں تو سب کی گنجائش ہو جاوے اور باقی فضل اس نماز کا انشاء اللہ تعالیٰ باب الاوراد میں عنقریب مذکور ہوگا۔

ذیلی فصل ۲ ہفتہ کے تکرار پر جو نفل آتے ہیں ان کا ذکر

اور وہ ساتوں روز کی اور ان کی راتوں کی نمازیں ہیں، ہر ایک روز و شب کی جدا جدا ہیں، اول دونوں میں سے ہم یکشنبہ سے شروع کرتے ہیں، یکشنبہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو کوئی یکشنبہ کے روز چار رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد اور آمن الرسول

لہ بخاری ومسلم مگر ان میں سے ان کو طول دیا اور اچھی طرح پڑھا اور زیادتی منکر ہے ۱۲ لہ مسلم ۱۲ لہ حاکم بروایت جابرؓ لہ ترمذی ونسائی ۱۲ لہ طبرانی در اوسط بروایت عمار بن یاسرؓ بسند ضعیف ۱۲ لہ الگ رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے ۱۲ لہ ابن مبارک بروایت ابن منکدرؒ مرسلاً ۱۲ لہ ابو سعید صفار بروایت ابن عمرؓ لہ لالہ موسیٰ مدنی در وظائف والایام بروایت ابوہریرہؓ بسند نہایت ضعیف ۱۲

ایک بار پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے موافق شمار ہر نصرانی مرد اور نصرانی عورت کے حسنات لکھے گا اور اس کو ایک نبیؐ کا ثواب عنایت کرے گا، اور ایک حج اور عمرہ اس کے لیے انعام فرما دے گا۔ اور ہر رکعت کے بدلے میں ہزار نمازوں کا ثواب لکھے گا، اور جنت میں اس کو ایک شہر مشک خاص کا دے گا۔ اور حضرت علی رضؓ سے مروی[1] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یک شنبہ کے روز نماز کی کثرت سے خدائے تعالےٰ کی توحید کرو، کیونکہ وہ واحد لاشریک ہے پس جو کوئی یک شنبہ کے روز ظہر کے فرض اور سنتوں کے بعد چار رکعتیں پڑھے، اوّل میں الحمد اور الم سجدہ اور دوسری میں الحمد اور سورۃ ملک پڑھ کر، التحیات پڑھ کر سلام پھیرے، پھر کھڑا ہو کر دو رکعتیں اور پڑھے اور اوّل میں الحمد اور سورۃ جمعہ اور دوسری میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے تو اللہ تعالیٰ پر اس کی حاجت کا پورا کرنا لازم ہوگا، دوشنبہ حضرت جابرؓ[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، جو شخص دوشنبہ کے روز آفتاب کے اونچا ہونیکے بعد دو رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد یک بار، اور آیۃ الکرسی ایک بار، اور اخلاص اور معوذتین ایک بار، اور جب سلام پھیرے دس بار استغفار اور دس بار درود پڑھے، اللہ تعالےٰ اس کے سب گناہ بخش دیگا۔ اور حضرت انسؓ[3] بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی دوشنبہ کو بارہ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار، اور نماز سے فارغ ہو کر سورۂ اخلاص اور استغفار بارہ بارہ مرتبہ پڑھے تو قیامت کے روز اس کو پکارا جاوے گا کہ فلاں ابن فلاں کہاں ہے، اُٹھے اور اپنا ثواب خدائے تعالیٰ سے لیوے، پس اوّل ثواب اس کو یہ ہوگا کہ ہزار لباس بہشتی دیے جاویں گے اور تاج سر پر رکھا جاوے گا، اور حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو، پھر ہزار فرشتے اس کے استقبال کو جدا جدا ہدیہ لے کر آویں گے اور اس کے ساتھ ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ وہ ہزار دل نور کے محلوں پر دورہ کرے جو چمکتے ہوں گے۔ سہ[4] شنبہ یزید آقاشی حضرت انسؓ سے راوی ہیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا[5] کہ جو کوئی سہ شنبہ کے روز دوپہر ہونے کے قریب، اور بعض روایت میں ہے کہ آفتاب اُونچا ہونے کے وقت دس رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار اور اخلاص تین بار پڑھے تو اسکے ذمہ ستر دن تک گناہ نہ لکھا جاوے گا، پس اگر ستر دن کے درمیان مرے گا، تو شہید مرے گا اور اس کے ستر برس کے گناہ بخش دیے جاویں گے، چہار شنبہ۔ ابوادریس خولانی حضرت معاذ بن جبلؓ سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا[6] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص چہار شنبہ کے روز دن چڑھے بارہ[7] رکعتیں پڑھے، اور ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار اور اخلاص تین بار اور معوذتین تین تین بار پڑھے تو اس کو عرش کے پاس سے فرشتہ پکارتا ہے کہ اے اللہ کے بندے عمل پھر سے کر کہ تیرے پہلے گناہ بخش دیے گئے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے

---

[1] ح ابوموسیٰ مدنی نے بدوں ستار روایت کیا ہے ۱۲ [2] ح ابوموسیٰ مدنی از حدیث جابرؓ بروایت عمرؓ اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ [3] ح ابوموسیٰ مدنی بسند بدوں اسناد اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ [4] ح ابوموسیٰ مدنی بسند ضعیف اور اس میں ذکر وقت کا نہیں ۱۲ [5] ملکہ اصل میں ایک لاکھ ہے ۱۲ [6] ح ابوموسیٰ مدنی نے کہا ہے کہ اس کے راوی معتبر ہیں اور حدیث مرکب ہے مگر میں کہتا... ہوں کہ اس کی سند میں ابن حمید ہے جو دروغ گو ہے اور یہ ابن حمید محمد بن حمید رازی کے سوا ہے ۱۲

عذاب قبر اور اس کا اندھیر اور تنگی دور کرے گا اور قیامت کی سختیاں اس سے اٹھا لے گا اور اسی روز سے اس کے لیے ایک پیغمبر کا عمل اوپر چڑھا کرے گا۔ پنج شنبہ۔ حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے راوی ہیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا جو شخص پنج شنبہ کے روز ظہر اور عصر کے درمیان میں دو رکعتیں پڑھے، اوّل میں الحمد ایک بار اور آیۃ الکرسی سو بار، اور دوسری میں الحمد ایک بار، اور اخلاص سو بار، اور سو بار درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو ثواب اس شخص کا عنایت فرماوے گا جس نے رجب اور شعبان اور رمضان کے روزے رکھے ہوں، اور اس کو خانہ کعبہ کے حج کرنے کا سا ثواب اس کو ہوگا، اور اللہ اس کے لیے ان لوگوں کے شمار کے موافق جو اس پر ایمان لائے ہیں اور توکل کرتے ہیں، ثواب لکھے گا۔[1] جمعہ۔ حضرت علی رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک نماز ہے جو بندہ ایماندار آفتاب کے کامل نکل آنے اور مقدار ایک نیزہ کے یا زیادہ اونچا ہونے پر کھڑا ہو اور وضو اچھی طرح پورا کرے اور نماز چاشت دو رکعتیں ایمان اور طلب ثواب کی رو سے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو سو نیکیاں لکھے گا۔ اور دو سو خطائیں ہٹا دے گا اور جو کوئی چار رکعتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے چار سو درجے جنت میں اونچے کرے گا، اور جو شخص آٹھ رکعتیں پڑھے گا، اس کے آٹھ سو درجے جنت میں بلند کرے گا اور اس کے سب گناہ بخش دے گا۔ اور جو کوئی بارہ رکعتیں پڑھے گا اس کے لیے بارہ سو نیکیاں تحریر فرمائے گا اور بارہ سو برائیاں اس کے نامۂ اعمال سے دور کرے گا اور جنت میں بارہ سو درجے اوپر چڑھاوے گا۔[2] اور نافع رضؓ حضرت ابن عمر رضؓ سے راوی ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز مسجد جامع میں داخل ہو اور چار رکعتیں دوگانہ جمعہ سے پیشتر پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد اور پچاس بار اخلاص پڑھے، وہ جب مرے گا تو اپنا ٹھکانا جنت میں دیکھ لے گا یا اس کو دکھلا دیا جاوے گا۔[3] شنبہ۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شنبہ کے روز چار رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں ایک بار الحمد اور تین مرتبہ سورۂ کافرون پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر آیۃ الکرسی پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک حرف کے بدلہ میں ایک حج اور عمرہ کا ثواب لکھے گا اور ہر ایک حرف کے بدلہ میں ایک برس کے دنوں کے روزے دن اور راتوں کی شب بیداری کا ثواب عنایت فرماوے گا اور ہر ایک حرف کے عوض میں ایک شہید کا ثواب دے گا۔ اور پیغمبروں اور شہیدوں کے ساتھ عرش کے سایہ تلے رہے گا۔[4] اب راتوں کا حال سننا چاہیئے، اتوار کی رات حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اتوار کی رات میں بیس رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد اور پچاس بار اخلاص اور معوذتین ایک ایک بار پڑھے، اور سو بار استغفار پڑھے اور اپنے لیے اور اپنے ماں باپ کے لیے سو دفعہ دعائے مغفرت کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سو بار درود بھیجے اور اپنی قوت وطاقت سے علیحدہ ہو کر خدائے تعالیٰ کی قوت وطاقت کی طرف التجا کرے، پھر کہے اشهد ان لا الہ الا اللہ و

---

[1] ابو موسیٰ مدنی بسند نہایت ضعیف ۱۲ [2] اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [3] خطیب نے روایت کیا اور کہا نہایت غریب ہے ۱۲ [4] ابو موسیٰ بسند نہایت ضعیف ۱۲ [5] ابو موسیٰ مدنی بدون اسناد اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲

اشهد ان آدم صفوة الله وفطرته وابراهيم خليل الله وموسى كليم الله وعيسى روح الله ومحمد صلى الله عليه وسلم حبيب الله۔ تو اس کو موافق شمار ان لوگوں کے جو خدائے تعالیٰ کے لیے اولاد کے قائل نہیں، ثواب ملے گا، اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو امن والوں کے ساتھ اٹھا دے گا اور اللہ تعالیٰ پر لازم ہوگا کہ اس کو جنت میں پیغمبر کے ساتھ داخل کرے۔ پیر کی رات اعمش حضرت انس رضؓ سے راوی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص پیر کی رات کو چار رکعتیں پڑھے، اور اول میں الحمد اور دس بار اخلاص دوم میں الحمد اور بیس بار اخلاص، سوم میں الحمد اور تیس بار اخلاص، چہارم میں الحمد اور چالیس بار اخلاص پڑھے، پھر سلام پھیر کر پچھتر بار اخلاص پڑھے اور اپنے لیے اور اپنے ماں باپ کے لیے پچھتر بار دعا مغفرت کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے تو اللہ تعالیٰ پر ٹھہرا ہوا ہے کہ اس کو جو مانگے، وہ دلوے اور اس نماز کو نماز حاجت کہتے ہیں، منگل کی رات میں دو۲ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد اور اخلاص اور معوذتین پندرہ اور سلام کے بعد آیۃ الکرسی پندرہ بار، استغفار پندرہ بار۔ حضرت عمر رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی[ع] ہیں کہ جو شخص منگل کی رات میں دو۲ رکعتیں پڑھے، ہر ایک میں ایک بار الحمد اور انا انزلنا اور قل ہو اللہ احد سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی گردن دوزخ سے آزاد کرے اور قیامت کے روز جنت کی طرف اس کا راہبر اور لے جانے والا ہو۔ بدھ کی رات۔ حضرت فاطمہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی[ع] ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص بدھ کی رات میں چھ رکعتیں تین سلاموں سے ادا کرے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد قل اللهم مالك الملك سے دو آیتوں تک پڑھے، اور جب نماز سے فارغ ہو تو ستر بار کہے جزى الله محمدا عنا ما هو اهله یعنی بدلہ دیدے اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ بدلہ جو ان کی شان کے لائق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ستر برس کے گناہوں کو بخش دے گا، اور اس کے لیے دوزخ سے بری ہونا لکھ دے گا، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی[ع] ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو کوئی بدھ کی رات میں دو رکعتیں پڑھے، اول میں الحمد اور دس بار قل اعوذ برب الفلق اور دوسری میں الحمد کے بعد دس بار قل اعوذ برب الناس۔ پھر سلام پھیر کر دس بار استغفار اور دس بار درود شریف پڑھے تو ہر آسمان سے ستر ہزار فرشتے اتریں اور اس کے ثواب کو قیامت تک لکھیں، جمعرات کی رات۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی جمعرات[ع] کی رات میں مغرب اور عشا کے درمیان دو۲ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد اور پانچ بار آیۃ الکرسی اور پانچ بار اخلاص اور پانچ بار معوذتین اور نماز سے فارغ ہو کر پندرہ بار استغفار پڑھ کر اس کا ثواب اپنے ماں باپ کو بخش دے تو جو حق ماں باپ کا اس کے ذمہ تھا وہ اس نے ادا کیا، اگرچہ ان کی نافرمانی کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عنایت کرے گا جو صدیقوں اور شہیدوں کو دلوے گا۔ جمعہ کی رات۔ حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ع] ہے کہ جو کوئی جمعہ کی رات میں مغرب اور عشا کے درمیان بارہ۱۲ رکعتیں ادا کرے، ہر رکعت میں الحمد ایک بار، اخلاص گیارہ بار پڑھے

---

[۱] اس کی سند حدیث بالا کی طرح ہے ۱۲ [۲] ابو موسیٰ مدنی نے بروایت ابن مسعود رضؓ روایت کیا ہے اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ [۳] ابو موسیٰ مدنی ضعیف ۱۲
[۴] مثل حدیث بالا ۱۲ [۵] ابو موسیٰ اور ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بسند ضعیف اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ [۶] یہ حدیث بے اصل ہے ۱۲

تو گویا اس نے خدائے تعالےٰ کی عبادت بارہ برس اس طرح کی کہ دن کو روزہ رکھا اور رات کو شب بیداری کی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] کہ جو کوئی جمعہ کی رات میں نماز عشا جماعت سے پڑھے اور دونوں سنتیں پڑھے اور بعد فرضوں اور سنتوں کے دس رکعتیں پڑھے کہ ہر ایک میں الحمد اور قل ہو اللہ احد اور معوذتین ایک ایک بار پڑھ کر پھر تین رکعتیں وتر کی پڑھے، اور اپنی داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ سو رہے تو گویا ساری شبِ قدر کی شب بیداری کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۳] روشن رات اور منور روز میں مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو یعنی جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن میں ہفتہ کی رات، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہفتہ کی رات میں مغرب اور عشا کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھے تو اس کے لیے ایک محل جنت میں بنایا جاوے اور گویا کہ ہر ایک مومن مرد اور عورت پر خیرات بانٹی اور یہودی ہونے سے بری ہوا، اور اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو بخش دے۔

ذیلی فصل ۳ سال کے دوبارہ آنے پر جو نفل آتے ہیں ان کا ذکر

اور وہ چار ہیں، عیدین کی نماز اور تراویح اور نماز رجب اور نماز شعبان اوّل عیدین کی نماز۔ یہ نماز سنتِ مؤکدہ ہے اور دین کا ایک شعار ہے، اس میں سات باتوں کی رعایت کرنی چاہیئے۔ اوّل تکبیر تین بار انتظام کے ساتھ یعنی یہ کہنا اللہ اکبر[ع] اللہ اکبر اللہ کبیرًا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکٰفرون یہ تکبیر عید فطر کی رات سے شروع کرے اور جب تک کہ نماز کی شروع ہو اس وقت تک اس کا وقت ہے اور عید الضحیٰ میں تکبیر عرفہ کی دن کی فجر سے شروع ہوتی ہے اور تیرہویں تاریخ کی شام تک رہتی ہے اور فرضوں کے بعد مؤکد زیادہ ہے۔ دوسری یہ کہ جب روز عید کی صبح ہو تو نہاوے اور زینت کرے اور خوشبو لگاوے جیسے جمعہ میں ہم نے ذکر کیا ہے اور مردوں کے لیے چادر اور عمامہ افضل ہے اور چاہیئے کہ لڑکے ریشمی کپڑے سے اور بوڑھی عورتیں نکلنے کے وقت بناؤ سنگار سے احتراز کریں، تیسری یہ کہ ایک راہ سے عید گاہ کو جاوے اور دوسری سے واپس آوے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے[۶] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان عورتوں اور پردہ والیوں کو بھی عید میں نکلنے کی اجازت دیتے تھے۔ چوتھی یہ کہ مستحب یہ ہے عید کے لیے جنگل میں جانا مگر مکہ معظمہ اور بیت المقدس میں مسجد میں نماز پڑھنی چاہیئے، اور اگر مینہ برستا ہو تو مسجد میں نماز پڑھ لینے کا مضائقہ نہیں، اور اگر بادل مینہ آسمان میں نہ ہو تو امام کو جائز ہے کہ کسی شخص کو اجازت دیدے کہ ضعیف اور ناتوانوں کو کسی مسجد میں نماز پڑھاوے اور خود معہ قوی لوگوں کے باہر جاوے اور سب تکبیر کہتے نکلیں۔ پانچویں یہ کہ وقت کی رعایت کی جاوے، عید

---

[۱] ابو منصور در مسند فردوس بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ [۲] طبرانی در اوسط بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی سند میں عبد المنعم بن بسر ہے اس کو ابن معین اور ابن حبان نے ضعیف کہا ہے ۱۲ [۳] ابو موسیٰ مدنی اور حدیث منکر ہے ۱۲ [ع] نہیں ہے اور ابو داؤد و ترمذی میں یہ بھی ہے لیکن ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث غریب اور منقطع ہے ۱۲ [۴] مسلم بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [۵] ترمذی و ابن ماجہ ۱۲ [ع] اللہ بہت بڑا ہے اور حمد ہی واسطے اللہ کے بہت اور پاکی ہے اللہ کو صبح اور شام میں، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اس کا کوئی شریک نہیں خاص کر کے اس کیلئے بندگی اور بڑائی اور اگرچہ برا مانیں منکر ۱۲ [۶] مسلم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [۷] بخاری و مسلم بروایت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ۱۲

کی نماز کا وقت آفتاب کے نکلنے سے زوال تک ہے اور قربانی کا وقت دسویں تاریخ کو اتنے دن چڑھے سے شروع ہوتا ہے کہ دو رکعتیں اور دو خطبے اس عرصہ میں ہو جاویں اور اس وقت سے تیرھویں کے آخر تک رہتا ہے۔ اور عید الضحیٰ کی نماز کو جلد پڑھنا مستحب ہے کہ بعد نماز قربانی کرنی ہوتی ہے اور عید الفطر کی نماز میں دیر کرنی مستحب ہے کہ نماز سے پیشتر صدقہ فطر تقسیم کرنا پڑتا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے[۱]۔ چھٹی نماز کی کیفیت میں یہ ملحوظ رہے کہ لوگ راہ میں تکبیر کہتے ہوئے عیدگاہ کو پہنچیں، اور جب امام وہاں پہنچے تو بیٹھے نہیں اور نہ نفل پڑھے، دوسرے لوگوں کو نفل جائز ہے پھر ایک پکارنے والا بلند آواز سے کہے الصلوٰۃ جامعۃ پھر امام دو رکعتیں پڑھے، پہلی رکعت میں تحریمہ تکبیر اور رکوع کے سوا سات بار اللہ اکبر کہے اور ہر دو تکبیروں کے بیچ کہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر اور شروع کی تکبیر تحریمہ کی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض الخ کہہ لے مگر اعوذ باللہ کو ساتوں تکبیروں زائد کے بعد پر چھوڑ دے، اور پہلی رکعت میں سورۃ ق الحمد کے بعد پڑھے اور دوسری میں اقتربت الساعۃ اور دوسری رکعت میں زائد تکبیریں پانچ ہیں سوائے تکبیر قیام اور رکوع کے اور ہر دو تکبیروں میں وہی الفاظ کہے جو پہلی رکعت میں کہے تھے پھر دو خطبے پڑھے جن کے درمیان میں جلسہ ہو اور جس شخص سے نماز عید فوت ہو جاوے وہ قضا پڑھے۔ ساتویں یہ کہ قربانی مینڈھے کی کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا[۲] بسم اللہ واللہ اکبر ھٰذا عنی وعن من لم یضح من امتی اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ماہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا ارادہ ہو قربانی کرنے کا تو اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ نہ تراش کروائے، ابوایوب انصاری رضی فرماتے ہیں[۳] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری قربانی کر لیتا اور وہ سب کھاتے اور کھلا دیتے، اور جائز ہے کہ قربانی بعد تین دن کے اور اس سے زیادہ کھاوے پہلے اس سے نہی ہو گئی تھی پھر اجازت ہو گئی اور سفیان ثوری رح نے فرمایا ہے کہ عید فطر کے بعد بارہ رکعتیں اور عید الضحیٰ کے بعد چھ رکعتیں پڑھنی مستحب ہیں اور فرمایا مسنون ہے[۴]۔ دوسری تراویح اور وہ بیس رکعتیں ہیں اور ان کی کیفیت مشہور ہے اور وہ بھی سنت مؤکدہ ہیں گو عیدین کی نماز سے کم ہیں اور علماء کو اختلاف ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھنی افضل ہیں یا تنہا پڑھنی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں[۵] دو یا تین راتیں جماعت کے واسطے نکلے تھے پھر نہ نکلے، اور فرمایا کہ مجھ کو خوف ہے کہ تم پر واجب نہ ہو جاویں۔ اور حضرت عمر رضہ نے آدمیوں کو تراویح میں جماعت پر اکٹھا کر دیا اس وجہ سے کہ بباعث موقوف ہو جانے وحی کے [illegible] ہو جانے کا خوف نہیں رہا تھا پس بعض لوگ اسی حضرت عمر رضہ کے فعل کی وجہ سے کہتے ہیں کہ جماعت افضل [illegible] یہ بھی وجہ ہے کہ اجتماع میں برکت ہے اور فرضوں کی جماعت سے جماعت میں ثواب کا ہونا پایا جاتا ہے، علاوہ اس کے تنہائی میں کبھی

---

[۱] شافعی بروایت ابن مرسلا ۱۲ [۲] شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے اللہ بہت بڑا ہے الٰہی یہ میری طرف سے اور اس کی طرف سے جس نے میری امت میں سے قربانی نہ کی ہو ۱۲ بخاری ۱۲ مسلم بروایت انس رضہ [۳] مگر اس کے مسند ہونے کی اصل مجھ کو نہیں ملی اسی لیے مقطوع ہے ۱۲ [۴] بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضہ ۱۲

کاہلی بھی ہو جاتی ہے اور جمعیت کے دیکھنے سے طبیعت کو سرور ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ تنہا پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ عیدین کی طرح یہ نماز دین کا شعار نہیں ہے تو اس کو نماز چاشت اور تحیۃ المسجد میں ملانا بہتر ہے اور اس میں جماعت مشروع نہیں ہوتی بلکہ عادت یوں ہے کہ اگر مسجد میں بہت سے آدمی ایک ساتھ داخل ہوں، وہ بھی تحیۃ المسجد جماعت سے نہیں پڑھتے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ نفل نماز کو گھر میں پڑھنا بہ نسبت مسجد میں پڑھنے کے اتنا زیادہ ہے جیسے فرض نماز کو مسجد میں پڑھنا بہ نسبت گھر پر پڑھ لینے کے زیادہ ہے، اور مروی ہے[2] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز اس کے سوا دوسری مسجدوں میں کی سو نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام کی ایک نماز میری مسجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور ان سب سے افضل اس شخص کی نماز ہے کہ اپنے گھر کے کونے میں دو رکعتیں پڑھے، اور ان کو سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہ جانے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نمود اور بناوٹ اکثر آدمی پر مجمع ہی میں آتی ہے اور تنہائی میں اس سے مامون رہتا ہے عرض کیا کہ ان کا قول تنہائی کی افضلیت میں یہ ہے جو ذکر ہوا مگر مختار یہ ہے کہ جماعت افضل ہے جیسے حضرت عمر رضہ نے تجویز فرمائی، اس لیے کہ بعض نوافل میں جماعت مشروع ہے، اور تراویح ایک ایسا شعار ہے کہ اس کا ظاہر ہونا ہی مناسب ہے اور جماعت میں ریا کے طرف اور تنہائی میں کسل کی طرف التفات کرنا اس بات سے عدول کرنا ہے جو اجتماع کی فضیلت میں بحیثیت جماعت نظر کرنے سے مقصود ہے اور گویا کہ اس کا قائل یہ کہتا ہے کہ نماز کا پڑھنا کسل کے مارے اس کے چھوڑ دینے سے بہتر ہے اور اخلاص ریا کی بہ نسبت بہتر ہے تو اب ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے نفس پر اعتماد رکھتا ہے کہ کسل تنہائی کی صورت میں نہ کرے گا اور اگر جماعت میں ہو تو ریا نہ کرے گا پس اس کے لیے کون سی بات بہتر ہے، جماعت کی برکت تو جماعت میں ہے اور قوت اخلاص کی زیادتی اور حضور دل تنہائی میں ہے اس صورت میں ایک بات کو دوسری پر ترجیح دینے میں تردد ہی رہے گا اور نماز وتر میں ماہ رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ رجب کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باسناد مروی ہے[3]، آپ نے فرمایا کہ جو کوئی رجب کے اول پنج شنبہ کو روزہ رکھے پھر مغرب اور عشا کے درمیان بارہ رکعتیں دو دو رکعتیں ایک سلام سے جدا کرکے پڑھے، ہر رکعت میں الحمد ایک بار اور سورۂ قدر تین بار اور اخلاص بارہ مرتبہ، اور جب نماز سے فارغ ہو مجھ پر ستر بار اس طرح درود بھیجے، اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ پھر سجدہ کرے اور اپنے سجدہ میں کہے سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح ستر بار، پھر اپنا سر اٹھائے اور ستر بار کہے رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت العلی الاعظم پھر دوسرا سجدہ کرے اور جیسا پہلے سجدہ میں کہا تھا ویسا ہی کہے، پھر سجدہ ہی میں اپنی حاجت مانگے تو وہ حاجت پوری کی جاوے گی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ بخش دے گا اگرچہ سمندر کی جھاگ اور ریت کے شمار اور پہاڑوں کے وزن اور درختوں کے پتوں کے برابر ہوں اور قیامت کے دن اپنے خاندان کے سات سو آدمیوں کی

---

[1] ابی ابن شیبہ از ضمرہ بن حبیب روایت یکے از صحابہ ۱۲ [2] ابو الشیخ در ثواب بروایت انس ۱۲ [3] رزین نے اپنی کتاب میں اسی کو روایت کیا ہے مگر یہ حدیث موضوع ہے ۱۲

شفاعت کرے گا جو مستحق دوزخ کے ہوں گے، غرض کہ یہ نماز مستحب ہے اور ہم نے اس کو تیسری قسم میں اس لیے بیان کیا کہ سال کے مکرر ہونے سے مکرر ہوتی ہے اور ہر چند یہ نماز تراویح اور نماز عید کے درجے کو نہیں پہنچتی، اس لیے کہ آحاد نے نقل کیا ہے مگر میں نے قدس والوں کو دیکھا ہے کہ سب اس پر مداومت کرتے ہیں اور اس کا چھوڑنا گوارا نہیں کرتے اسی لیے ہم کو بھی اس کا بیان کرنا اچھا معلوم ہوا، شعبان کی نماز۔ ماہ شعبان کی پندرہویں شب کو سو رکعتیں ایک ایک سلام میں دو دو پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ بار اخلاص پڑھے، اور اگر چاہے تو دس رکعتیں، ہر رکعت میں الحمد کے بعد سو بار اخلاص پڑھے، یہ نماز بھی اور نمازوں کے ضمن میں مروی ہے سلف کے اکابر اس کو پڑھا کرتے تھے اور اس کو صلوٰۃ خیر کہتے تھے اور اس کے لیے جمع ہوا کرتے تھے اور کبھی جماعت سے بھی پڑھا کرتے تھے، اور حضرت حسنؓ بصری راوی ہیں کہ مجھ سے تیس صحابہؓ نے حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص اس نماز کو اس رات میں پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر بار نگاہ فرماوے گا اور ہر دفعہ کی نگاہ میں ستر حاجتیں اس کی پوری کرے گا کہ ان میں ادنیٰ مغفرت ہے۔

ذیلی فصل ۴: عارضی اسباب سے متعلقہ نوافل

اور وقتوں سے وابستہ نہ ہوں۔ اور وہ نمازیں ہیں مثل نماز خسوف اور کسوف اور مینہ کے لیے اور تحیۃ المسجد اور دوگانہ وضو اور اذان تکبیر کے درمیان کا دوگانہ اور گھر سے نکلتے وقت اور اس میں آنے کے وقت کا دوگانہ اور اسی جیسی اور نمازیں، اور ہم ان میں سے وہ لکھتے ہیں جو ہم کو اس وقت یاد ہیں۔

اوّل گہن کی نماز:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینخسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رأیتم ذلک فافزعوا الی ذکر اللہ والصلوٰۃ یہ آپؐ نے اس وقت فرمایا تھا کہ آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوگئی تھی اور گہن سورج کو لگا تو لوگوں نے کہا کہ ان کی موت کی وجہ سے سورج کو گہن ہوا ہے اور اس نماز کی کیفیت یہ ہے کہ جب سورج کو گہن لگے خواہ ایسے وقت میں ہو جس میں نماز مکروہ ہے خواہ جس میں مکروہ نہ ہو تو آواز دی جاوے کہ الصلوٰۃ جامعۃ اور امام لوگوں کو مسجد میں دوگانہ پڑھاوے اور ہر رکعت میں دو رکوع کرے اور اوّل کا رکوع بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا اور قرأت پکار کر نہ پڑھے، پس پہلی رکعت کے اوّل قیام میں الحمد اور سورۂ بقر کہے اور رکوع اوّل کے بعد دوسرے قیام میں الحمد اور آل عمران پڑھے اور دوسری رکعت کے اوّل قیام میں الحمد اور سورۃ النساء اور دوسرے قیام میں فاتحہ اور مائدہ پڑھے یا قرآن میں سے جہاں سے چاہے اتنا ہی پڑھے اور اگر ہر

ح یہ حدیث بے اصل ہے مگر ابن ماجہ نے بروایت علی مرتضیٰؓ لکھا ہے کہ جب پندرہویں شہر شعبان کی ہو تو رات کو جاگو اور دن کو روزہ رکھو، اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ ح تحقیق سورج اور چاند دو نشانیاں ہیں خدائے تعالیٰ کی نشانیوں میں سے، گہن کسی کے مرنے اور جینے سے نہیں لگتا۔ جب تم یہ گہن دیکھو تو خدائے تعالیٰ کا ذکر اور نماز کی طرف ملتجی ہو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت مغیرہ بن شعبہؓ ۱۲

قیام میں سورۂ فاتحہ ہی پر اکتفا کرے تو کافی ہے اور اگر سورتوں میں سے چھوٹی سورتوں پر اکتفا کرے تو مضائقہ نہیں، اور طول کرنے سے نماز میں یہ مقصود ہے کہ آتنا بڑھاوے کہ آفتاب گہن سے صاف ہو جاوے اور اول رکوع میں بقدر سو آیتوں کے تسبیح کرے اور دوسری میں اسّی آیتوں کے برابر، اور تیسری میں ستّر کی مقدار اور چوتھی میں پچاس کے موافق اور چاہیئے کہ سجدہ مطابق رکوع کے ہو جیسے جس رکعت میں رکوع ہوں ویسے ہی سجدے ہوں، پھر نماز کے بعد دو خطبے پڑھے اور ان کے درمیان میں بیٹھے اور دونوں خطبوں میں لوگوں کو صدقہ دینے اور آزاد کرنے اور توبہ کرنے کا حکم کرے اور یہی صورت چاند گہن میں کرے مگر اس میں قرأت پکار کر پڑھے کہ اس کی نماز رات کو ہوگی اور اس کا وقت شروع چاند گہن سے اس کے صاف ہونے تک ہے اور سورج گہن کی نماز کا وقت اس طرح بھی جاتا رہتا ہے کہ سورج گہن لگا ہوا ڈوب جاوے، اور اگر چاند کو گہن لگا ہوا ہو آفتاب نکل آوے تو اس کا وقت جاتا رہے گا اس لیے کہ رات کا غلبہ جاتا رہا اور اگر چاند گہن کی حالت میں غروب ہو جاوے تو وقت نہ جاوے گا کیونکہ تمام رات قمر کی سلطنت ہے اور اگر چاند یا سورج نماز کے اندر ہی بالکل صاف ہو جاوے تو نماز کو مختصر کر کے پورا کر لیا جاوے اور جو شخص کہ گہن کی نماز کا دوسرا رکوع امام کے ساتھ پاوے اس سے وہ رکعت فوت ہو گئی اس لیے کہ اصل اول رکوع ہے اگر وہ ملتا تو رکعت ملتی، دوسری مینہ کے طلب کی نماز ہے جس وقت نہروں کا پانی اندر کو چلا جاوے اور مینہ برسنا موقوف ہو جاوے اور نالیاں سوکھ جاویں تو امام کو مستحب ہے کہ اول لوگوں سے کہے کہ تین روزے رکھیں اور مقدور کے موافق خیرات کریں اور جس کے ذمہ پر لوگوں کے حق ہوں، ان کو ادا کریں اور گناہوں سے توبہ کریں، پھر چوتھے روز ان کو لے کر مع بوڑھیوں اور لڑکوں نہائے دھوئے نکلے اور کپڑے پرانے پھٹے جن سے فروتنی معلوم ہو، پہنیں اور انکسار کے ساتھ جاویں بخلاف عید کے کہ اس میں یہ باتیں نہیں ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ چارپایوں کا نکالنا بھی مستحب ہے کہ پانی میں وہ بھی غرض کے شریک ہیں، علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] لولا صبیان رضیع ومشائخ راکع وبھائم رتع لصب علیکم العذاب صبا۔ اور اگر جزیہ دینے والے بھی ایسے نکلیں کہ ان میں اور مسلمانوں میں تمیز رہے تو ان کو منع نہ کیا جاوے، جب وسیع میدان میں جمع ہو چلیں تو الصلوٰۃ جامعۃ پکارا جاوے اور امام ان کو دو رکعتیں نماز عید کی طرح بدون تکبیر زائد کے پڑھاوے پھر دو خطبے پڑھے اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا جلسہ کرے۔ اور اکثر مضمون دونوں خطبوں کا استغفار ہونا چاہیئے اور دوسرے خطبے کے درمیان میں امام لوگوں کی طرف پشت پھیر کر روبقبلہ ہو جاوے اور اپنی چادر کو اس طرح بدلے کہ نیچے کی اوپر ہو جاوے اور داہنی طرف کی بائیں طرف آ جاوے، اور لوگ اپنی بھی چادریں اسی طرح پلٹ لیں، اور اس وقت میں آہستہ دعا مانگیں اور چادر پلٹنے میں ایک فال نیک ہے کہ اسی طرح حال قحط اور خشکی کا بدل جاوے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا[2] ہی کیا ہے، پھر امام لوگوں کی طرف منہ پھیر کر خطبہ کو ختم کرے اور چادریں

---

[1] اگر دودھ پیتے لڑکے اور مشائخ رکوع کرنے والے، چوپائے چرنے والے نہ ہوتے تو تم پر عذاب کیا جاتا ۱۲ بیہقی بروایت ابوہریرہؓ اور اس کو ضعیف کہا ہے ۱۲ [2] بخاری و مسلم بروایت عبد اللہ بن

اپنی پلٹی ہوئی بدستور رہنے دیں، یہاں تک کہ جب کپڑے اتاریں تب ان کو بھی اتروائیں اور دعا اس طرح مانگیں، الٰہی تو نے ہم کو دعا مانگنے کا حکم کیا اور دعا کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا پس تیرے حکم کے بموجب ہی ہم مانگتے ہیں تو اپنے وعدے کے مطابق قبول فرما، الٰہی جو گناہ ہم نے کئے ہوں ان کی مغفرت سے ہم پر احسان کر اور مینہ کے لیے اور ہمارے رزق کے زیادہ ہونے کے باب میں ہماری دعا قبول کر کے ممنون فرما اور باہر نکلنے سے پیشتر تین دن کے اندر اگر نمازوں کے بعد دعا مانگیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور اس دعا کے لیے چند آداب اور شروط باطنی مثل توبہ اور حق رسانی وغیرہ کے ہیں جو عنقریب باب الدعوات میں مذکور ہوں گے، تیسری نماز جنازہ۔ اس کی کیفیت مشہور ہے اور زیادہ تر جامع دعائے ماثورہ اس نماز میں وہ ہے جس کو روایت صحیح میں عوف بن مالکؓ نے روایت کیا ہے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ کو دیکھا کہ ایک جنازہ پر نماز پڑھی، میں نے آپؐ کی دعا یاد کرلی کہ یہ فرماتے تھے[ع] اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش یہ مردہ میں ہوتا کہ آنحضرت صلی کی دعا میرے واسطے ہوتی، اور جو شخص دوسری تکبیر پاوے تو چاہیے کہ نماز کی رکعتوں کی سی ترتیب لحاظ رکھے یعنی باقی تکبیریں امام کے ساتھ کہے جاوے اور جب امام سلام پھیرے تو جو تکبیر اس سے رہ گئی تھی، اس کو ادا کرے۔ جیسے مسبوق رکعت کو پیچھے پڑھتا ہے اور ان تکبیرات میں سبقت کر جائے تو پھر امام کی اقتدار سے کیا غرض ہوئی، اس نماز کے ارکان ظاہری تو تکبیریں ہی ہیں اور مناسب یہی ہے کہ جیسے اور نمازوں کی رکعتیں ہوئی ہیں اس نماز میں ان کا قائم مقام تکبیریں ہیں یہ میرے نزدیک معقول تر معلوم ہوتا ہے گو اور بھی احتمال رکھتا ہے اور جنازہ کی نماز کے ثواب میں اور اس کے ساتھ جانے کی فضیلت میں جو حدیثیں وارد ہیں وہ مشہور ہیں پس ان کے نقل کرنے میں طول نہیں دیتے اور اس کا ثواب زیادہ کیوں نہ ہوگا کہ یہ نماز تو فرض کفایہ ہے نفل اسی شخص کے حق میں ہوتی ہے جس پر دوسرے شخص کے موجود ہونے سے معین نہیں ہو جاتی اور نمازی کو اس سے ثواب فرض کفایہ کا ہی ملتا ہے گو اس پر معین نہ ہوئی ہو کیونکہ سب نمازیوں نے ایک امر فرض کی بجا آوری کی اور دوسرے شخصوں سے تنگی کو دُور کیا تو یہ نفل کی طرح نہیں کہ جس کے پڑھنے سے کسی کے ذمہ سے فرض دور نہ ہو اور جنازے کی نماز میں جماعت کی کثرت مستحب ہے کہ بہت لوگوں کے باعث ہمت اور دعا کی کثرت ہوگی اور ان میں کوئی مستجاب الدعوات بھی ہوگا چنانچہ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آپ کا

[ع] الٰہی تو اس کی مغفرت کر اور رحم کر، اور اس کو عافیت دے اور معاف کر اس کے قصور اور اس کی مہمانی اچھی کر اور فراخ کر اس کی قبر اور پاک کر اس کو برف اور اولے کے پانی سے اور اُس کو خطاؤں سے ایسا پاک کر جیسے سفید کپڑے کو تو نے میل سے صاف کیا ہو اور بدل دے اس کے واسطے گھر اس کے گھر سے اور خادم وغیرہ اس کے خادموں وغیرہ سے بہتر، اور بی بی اس کی بی بی سے بہتر، اور داخل کر اس کو جنت میں، اور پناہ دے اس کو قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے ۱۲ مسلم

ایک لڑکا گذر گیا، آپ نے فرمایا کہ کریب دیکھ کہ آدمی اس کے واسطے کتنے کتنے اکٹھے ہوئے ہیں میں نے نکل کر دیکھا تو بہت تھے، میں نے عرض کیا کہ بہت ہیں، فرمایا کہ چالیس ہیں میں نے عرض کیا کہ ہیں فرمایا کہ اب جنازہ نکالو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے[1] جو مسلمان مرجاوے اور اس کے جنازے پر چالیس آدمی کہ خدائے تعالیٰ کا شریک کسی کو نہ کرتے ہوں کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس کے باب میں قبول فرماتا ہے اور جب جنازے کے ساتھ چل کر قبرستان میں پہنچے یا ویسے قبرستان میں جاوے تو یوں کہے[2] السلام علیٰ اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمتاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ اور بہتر یہ ہے کہ جب تک میت دفن نہ ہولے، وہاں سے نہ پھرے جب کہ اس کو مٹی دے دی جاوے تو اس کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر کہے کہ الٰہی تیرا بندہ تیری طرف ہٹایا گیا تو اس پر رافت اور رحمت کر الٰہی اس کے دونوں پہلوؤں سے زمین کو علیحدہ کر اور اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے اور حسن قبول کے ساتھ اس کے اعمال پذیر فرما الٰہی اگر یہ نیک تھا تو اس کی نیکی دونی کر، اور اگر برا تھا تو اس کی برائیوں سے درگذر فرما۔ **چوتھی تحیۃ المسجد ہے**۔ دو رکعتوں سے یا زیادہ سے زیادہ یہ نماز سنت مؤکدہ ہے، یہانتک کہ جمعہ کے روز اگر امام خطبہ پڑھتا ہو تب بھی ساقط نہیں ہوتی، باوجودیکہ خطبہ پڑھنا واجب مؤکد ہے اور اگر مسجد میں جاکر فرض یا قضا میں مصروف ہو گیا تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا اور ثواب حاصل ہوا اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ شروع مسجد میں جانا ایسی عبادت سے خالی نہ ہو جو مسجد کے لیے خاص ہے تاکہ مسجد کا حق ادا ہو اور اسی وجہ سے مسجد میں بے وضو جانا مکروہ ہے اور اگر مسجد میں سے ہو کر دوسری طرف جانے کو یا مسجد میں بیٹھنے کے لیے داخل ہو تو چار بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہہ لے، کہتے ہیں کہ ان کا ثواب برابر دو رکعتوں کے ہے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کا دوگانہ مکروہ اوقات میں مکروہ نہیں یعنی عصر اور صبح کی نمازوں کے بعد اور زوال کے وقت اور طلوع اور غروب کے اوقات میں مکروہ نہیں کیونکہ مروی[3] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد عصر کے دو رکعتیں پڑھیں، کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس سے ہم کو منع فرمایا تھا، آپ نے فرمایا کہ یہ دو رکعتیں میں بعد ظہر کے پڑھا کرتا تھا، باہر کے لوگ جو آئے ان کے سبب سے نہ پڑھ سکا، اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ مکروہ ہونا ایسی نماز کے ساتھ مخصوص ہے جس کے لیے کوئی سبب میں اور قضا کرنا نفلوں کا ایک سبب ضعیف ہے اس لیے کہ علماء اس باب میں اختلاف رکھتے ہیں کہ نوافل کی قضا ہونی چاہیئے یا نہیں اور جو نوافل قضا ہو گئے ہیں۔ اگر ان جیسے اور پڑھ دے گا تو ان کی قضا ہو جاوے گی یا نہیں پس جب اس سبب ضعیف کے باعث نفلوں کی کراہت بعد عصر کے نہ رہی تو مسجد میں آنا جو سبب کامل ہے اس کے باعث سے بطریق اولیٰ کراہت نہ آئے گی اور اس وجہ سے نماز جنازہ کی جس وقت جنازہ آجاوے مکروہ نہیں اور نماز خوف اور مینہ کے طلب کی کسی وقت میں مکروہ نہیں، کیونکہ

---

[1] مسلم [2] سلام ہے گھر والوں پر مومنوں اور مسلمانوں سے اور اللہ تعالیٰ رحم کرے ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں پر، اور ہم بھی تم سے ملیں گے مترجم کہتا ہے کہ یہ دعا مسلم اور نسائی میں آئی ہے ۱۲ [3] بخاری مسلم بروایت ام سلمہ رضہ ۱۲

ان نمازوں کے سبب ہیں، اور مکروہ وہ نماز ہوتی ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو، دوسری یہ کہ نفلوں کا قضا کرنا درست ہے
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلوں کی قضا پڑھی تو اگر اور کوئی پڑھے گا تو آپ کی تبعیت عمدہ ہوگی، اور حضرت عائشہ رضی
فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ اگر غلبہ خواب یا مرض کی وجہ سے رات کو نہ اٹھتے تو بارہ رکعتیں دن
کو پڑھ لیتے، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز میں ہو اور مؤذن کا جواب اس سے رہ جاوے تو سلام کے بعد
اس کو قضا کرے اور جواب دے لے گو مؤذن چپ ہو گیا ہو، اور اب کوئی اگر کہے کہ پچھلا فعل اوّل کے مثل اور نفل جداگانہ
ہے اوّل کی قضا نہیں تو اس قول کے کوئی معنی نہیں اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو وقت
مکروہ میں نہ پڑھتے ہاں اگر کسی کو کوئی وظیفہ معین ہو اور اس کو کسی عذر نے اس سے روک دیا ہو تو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس
کے لیے اس کے ترک کرنے کی اجازت نہ دے بلکہ اس کا تدارک دوسرے وقت میں کرے تاکہ اس کا نفس آسائش اور
آرام کی طرف مائل ہو اور اس کا تدارک ایک تو نفس کے مجاہدہ کیلئے اچھا ہے، دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ ادومها وان قل۔ تو تدارک سے یہ نیت کرلے کہ دوام عمل میں ناغہ نہ پڑے،
اور حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے پھر اس کو
تھک کر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر نہایت غصہ ہوتا ہے تو چاہیئے کہ وعید کے نیچے داخل ہونے سے خوف کرے اور
اس حدیث کا ثبوت کہ اللہ تعالیٰ عبادت کے چھوڑنے سے نہایت غصہ ہوا تھکن اور ملال ہے یعنی اگر غصہ اور دوری
نہ ہوئی تو ملال اور تھکن اس پر کیوں مسلط کی جاتی **پانچویں نماز** دوگانہ وضو مستحب ہے اس لیے کہ وضو ایک ثواب ہے
اور اس کا مقصود نماز ہے اور بے وضو ہونا ہر وقت ہی لگا رہتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ نماز سے پہلے ہی آدمی بے وضو ہو جاوے
اور پہلے وضو کی محنت بے کار ہو جاوے اس لیے مستحب ہے کہ وضو کرتے ہی اس کا مقصود جلدی سے ادا کر دیا جاوے
تاکہ یہ مقصود فوت نہ ہونے پاوے۔ اور یہ بات حضرت بلال رضہ کی حدیث سے معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ میں جنت میں داخل ہوا تو بلال رضہ کو اس کے اندر دیکھا، میں نے بلال رضہ سے پوچھا کہ تو کس طرح مجھ سے پہلے پہنچ گیا، اس نے
کہا کہ میں اور کچھ نہیں جانتا، صرف اتنا ہے کہ جب میں نیا وضو کرتا ہوں تب ہی اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتا ہوں یا اور کسی
نے فرمایا **چھٹی نماز** گھر میں جانے اور باہر نکلنے کے وقت کا دوگانہ ہے، ابوسلمہ رضہ حضرت ابوہریرہ رضہ سے راوی ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے گھر سے نکلے تو دو رکعتیں پڑھ لے یہ مجھ کو برے نکلنے سے نافع ہوں گی اور جب
تو اپنے گھر میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھ، وہ تجھ کو برے داخل ہونے سے روکیں گی، اور ہر ایک امر کی ابتداء جو خفیف نہ
ہو اسی حکم میں داخل ہے یعنی اس کی ابتداء میں دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں اور اسی وجہ سے دوگانہ حرام کے وقت اور دوگانہ

ف[1] مسلم ۱۲ ف[2] محبوب تر اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو ہمیشہ کو ہوں اگر تھوڑے ہی ہوں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲
ف[3] ابن السنی موقوفاً علی عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ ف[4] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲ ف[5] بیہقی در شعب بروایت بکر بن عمرو
عن صفوان بن سلیم رضہ ۱۲

سفر کی ابتداء میں اور سفر سے رجوع کرنے کے وقت مسجد میں دو رکعتیں ادا کرنی گھر میں جانے سے پیشتر وارد ہیں، اور یہ سب دوگانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ماثور ہیں[1]۔ اور بعض صلحا جب کوئی غذا کھاتے یا پانی پیتے ہیں تو دوگانہ پڑھتے اسی طرح جو امر پیش آتا اس میں ایسا ہی کرتے **ف** اور امور کے شروع میں خدائے تعالیٰ کا ذکر تبرکاً چاہیئے، اور وہ تین طرح پر ہے بعض افعال و امور ایسے ہیں کہ وہ کئی کئی دفعہ ہوتے ہیں جیسے کھانا اور پینا اس میں شروع بسم اللہ سے چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل امر ذی بال لم یبدء فیھا ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم فھو ابتر[2] دوسرے وہ امور ہیں کہ بہت تو نہیں ہوئے مگر ان میں وقعت ہوتی ہے جیسے نکاح اور نصیحت کا شروع اور مشورہ وغیرہ تو ان میں یہ مستحب ہے کہ ان باتوں کو خدا کی حمد سے شروع کرے، مثلاً نکاح پڑھانے والا کہے الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دی، اور نوشہ کہے الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نکاح قبول کیا۔ صحابہؓ کی عادت تھی کہ پیام کے ادا کرتے وقت اور نصیحت کرنے اور مشورہ کرنے میں اول حمدِ خدا کیا کرتے تھے، تیسرے وہ کہ بہت نہ ہوا کرتے ہوں مگر ہونے کے بعد دیر پا ہوں، اور وقعت ان میں پائی جاتی ہو جیسے سفر اور نئے مکان کا خریدنا اور احرام باندھنا اور دوسرے امور ان کی طرح کے، تو ایسے کاموں کے پیشتر دوگانہ پڑھنا مستحب ہے اور ان سب میں سے ادنیٰ گھر میں سے باہر جانا اور اس کے اندر آنا ہے کہ وہ بھی ایک چھوٹے سے سفر کی طرح ہے **ساتویں** نماز استخارہ۔ جو شخص کسی کام کا قصد کرے، اور اس کے انجام کو نہ جانتا ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ بہتری اس کے کرنے میں ہے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اول میں الحمد اور کافرون، اور دوسری میں فاتحہ اور اخلاص پڑھے، اور جب فارغ ہو تو دعا مانگے، اللّٰھم انی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظیم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھٰذا الامر خیر لی فی دینی وعاقبۃ امری وعاجلہ واجلہ فقدرہ لی ثم یسرہ لی ثم بارك لی فیہ وان کنت تعلم ان ھٰذا الامر شر لی فی دینی ودنیای وعاقبۃ امری وعاجلہ واجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ وقدر لی الخیر حیث ماکان ثم ارضنی بہ انك علیٰ کل شئ قدیر[3] اس حدیث کو جابر

---

[1] دوگانہ جوام بخاری نے بروایت ابن عمرؓ اور دوگانہ ابتدائے سفر خرائطی نے بروایت انسؓ اور دوگانہ مراجعت صحیحین میں بروایت کعب بن مالک روایت کیا ہے ۱۲

[2] جو امر شان والا کہ خدائے تعالیٰ کے نام سے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے تو وہ ادھورا رہتا ہے ابوداؤد و نسائی بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

[3] الٰہی میں تجھ سے بہتری مانگتا ہوں تیرے حکم کی مدد سے اور تیری قدرت کے وسیلے سے خیر پر قدرت چاہتا ہوں، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے بڑے فضل سے کہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے، الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے دین میں اور دنیا میں اور انجام کار میں اور اس جہان میں اور اس جہان میں بہتر ہے تب تو اس کا میرے لیے حکم کر اور اس کو مجھ پر آسان کر پھر اس میں مجھ کو برکت دے۔ اور اگر تو یہ جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے دین اور دنیا اور انجام کار میں، اور اس جہان میں اور اس جہان میں برا ہے تو اس کو مجھ سے ہٹادے اور مجھ کو اس سے پھیر دے اور میرے لیے جہاں کہیں بھلائی ہو، مہیا کردے پھر اس سے مجھ کو راضی کردے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے ۱۲ بخاری بروایت جابرؓ ۱۲

بن عبداللہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کاموں میں استخارہ اس طرح سکھلاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت سکھلاتے تھے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا قصد کرے تو چاہیئے کہ دو رکعتیں پڑھے پھر اس کام کا نام لے، اور جو دعا اوپر مذکور ہے مانگے، اور بعض حکمانے کہا ہے کہ جس کو چار باتیں ملیں وہ چار باتوں سے نہیں محروم رہے گا، جس کو شکر ملا وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہے گا، جس کو توبہ نصیب ہوئی، وہ قبول سے محروم نہ رہے گا، جس کو استخارہ مرحمت ہوا وہ بہتری اور خیر سے محروم نہ رہے گا، اور جس کو مشورہ عنایت ہوا وہ صواب پر ہونے سے محروم نہ رہا **آٹھویں نماز حاجت** ہے جس شخص پر معاملہ تنگ آپڑا ہو، اور اس کو دنیا اور دین کی بہتری کے باب میں ایسے کام کی ضرورت ہوئی ہو کہ اس پر مشکل پڑ گیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ نمازِ حاجت پڑھے، چنانچہ وہیب بن الورد سے مروی[1] ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جن دعاؤں سے کہ مقبول نہیں ہوتیں ایک یہ ہے کہ بندہ بارہ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی اور قل ہو اللہ احد پڑھے اور اس سے فارغ ہو کر سجدہ کرے اور یہ دعا کرے، سبحان الذی لبس[ع] العز وقال بہ سبحان الذی تعطف بالمجد وتکرم بہ سبحان الذی احصی کل شئی بعلمہ سبحان الذی لا ینبغی التسبیح الا لہ سبحان ذی المن والفضل سبحان ذی العز والکرم سبحان ذی الطول اسئلک بمعاقد العز من عرشک منتھی الرحمۃ من کتابک باسمک الاعظم وجدک الاعلی وکلماتک التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر ان تصلی علی محمد وعلی آل محمد۔ پھر اپنی حاجت مانگے، بشرطیکہ اس میں کوئی معصیت نہ ہو تو انشاء اللہ مقبول ہوگی۔ وہیب رض کہتے ہیں کہ یوں اگلے لوگ کہا کرتے تھے کہ اس دعا کو بیوقوفوں کو نہ سکھاؤ ورنہ وہ اس کے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ کی معصیت پر مدد لیں گے۔ اس روایت کو حضرت ابن مسعود رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے **نویں صلوٰۃ التسبیح** یہ نماز جوں کی توں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور کسی وقت اور سبب سے خاص نہیں، اور مستحب یہ ہے کہ اس سے کوئی ہفتہ یا مہینہ خالی نہ رہے، ایک دفعہ پڑھ لیا کرے، عکرمہ رض حضرت ابن عباس رض سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رض بن عبد المطلب رض کو فرمایا، بھلا میں تم کو ایک چیز دوں، ایک شئے عطا کروں، ایک بات سکھا دوں کہ جب تم اس کو کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، نادانستہ اور دانستہ، پوشیدہ اور ظاہر، سب معاف کر دے، وہ یہ ہے کہ تم

ع پاک ہے وہ ذات جس نے لباس بنایا عزت کو اور بول بالا اس کا، پاکی ہے اس کو جس نے چادر بنایا بزرگی کو، اور بزرگ ہوا اس سے، پاک ہے وہ جس نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر لیا، پاک ہے وہ جس کے سوا دوسرے کو پاکی زیبا نہیں، پاک ہے احسان اور فضل والا، پاک ہے بزرگی اور کرم والا، پاک ہے نعمت والا، الٰہی میں تجھ سے بذریعہ ان خصلتوں کے سوال کرتا ہوں جن کو تیرا عرش بریں مستحق ہے اور بذریعہ انتہائے رحمت کے تیری کتاب سے روایت اور طفیل تیرے اسم اعظم اور شان برتر اور کلمات کامل کے جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کرتا، یہ درخواست کرتا ہوں کہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت کامل نازل فرما آمین ۱۲

[1] ابو مسعود دیلمی در مسند فردوس بسند ضعیف ۱۲ [2] اس کی سند پہلے گذر چکی ۱۲

چار رکعتیں پڑھو، ہر رکعت میں الحمد اور سورت پڑھو، جب اوّل رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے ہوئے کہو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پندرہ بار، پھر رکوع کرو اور دس بار یہی کلمات کہو، پھر قومہ کرو اور دس بار کہو، پھر سجدہ کرو اور دس بار کہو، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار، پھر دوسرے سجدہ میں دس بار، پھر جلسۂ استراحت میں دس بار، تو یہ کل پچھتر بار ہر رکعت میں ہوا، چاروں رکعتوں میں ایسا ہی کرو۔ اگر تم سے ہو سکے تو اس کو ہر روز پڑھو، ورنہ ہر جمعہ میں ایک بار، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک بار، اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ شروع نماز میں کہے سبحانک اللھم وبحمدک الخ پھر پندرہ بار تسبیح مذکور کہے قرأت سے پیشتر اور دس بار قرأت کے بعد اور باقی مثل روایت اوّل کے کہے مگر دوسرے سجدہ کے بعد کچھ نہ کہے، اور یہ روایت بہتر ہے اور ابن مبارک کے نزدیک مختار یہی ہے، اور دونوں روایتوں کے بموجب تعداد تسبیح کی تین سو ہوتی ہے، پس اگر دن کو پڑھے تب تو چاروں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے، اور اگر رات کو پڑھے تو دو سلاموں سے پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے[ع] کہ صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ اور اگر بعد تسبیح مذکور کے یہ کلمات بھی بڑھا دے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم تو بہتر ہے کہ بعض روایت میں یہ کلمات بھی آئے ہیں، پس نمازیں ماثورہ یہ تھیں جو اوپر مذکور ہوئیں، اور ان نوافل میں سے مکروہ وقتوں میں بغیر تحیۃ المسجد اور خسوف اور استسقاء کی نماز کے اور کوئی مستحب نہیں، دوگانہ وضو اور سفر کا دوگانہ اور گھر سے نکلنے کا اور استخارہ کا ان اوقات میں مستحب نہیں اس لیے کہ یہ اسباب ضعیف ہیں اور ان اوقات میں نماز پڑھنے سے نہی مؤکد ہے تو یہ نمازیں ان تین نمازوں کے رتبہ کو نہیں پہنچتیں، میں نے بعض صوفیوں کو اوقاتِ مکروہ میں دوگانہ وضو پڑھتے دیکھا ہے حالانکہ یہ امر بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ وضو نماز کا سبب نہیں ہوتی بلکہ نماز وضو کا سبب ہے، تو چاہیئے کہ وضو اس لیے کرے کہ اس سے نماز پڑھے، یہ نہیں کہ نماز اس لیے پڑھے کہ وضو کیا، علاوہ ازیں جو بے وضو کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھنا چاہے تو اس کی سبیل بغیر اس کے نہیں کہ وضو کر لے اور نماز پڑھ لے تو پھر کراہت کے کچھ معنی نہ رہے، اور دوگانہ وضو کی نیت دوگانہ تحیت کی طرح نہ کرنی چاہیئے بلکہ جب وضو کر لے تو دو رکعتیں نفل پڑھے اور اپنے وضو کو خالی نہ چھوڑے جیسے حضرت بلال رضؓ کیا کرتے تھے، کیونکہ یہ دوگانہ نفل محض ہے وضو کے بعد ہوتا ہے اور بلال رضؓ کی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وضو خسوف اور تحیۃ کی طرح سبب ہو تاکہ نیت میں وضو کا دوگانہ کہے..... کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نماز سے وضو کی نیت کرے، بلکہ یوں چاہیئے کہ وضو سے نماز کی نیت کرے، اور یہ کیسے بنے گا کہ وضو میں تو کہے کہ میں وضو کرتا ہوں، اور اپنی نماز کے واسطے اور نماز میں کہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اپنے وضو کے واسطے، بلکہ جو شخص یہ چاہے کہ کراہت کے وقت میں اپنے وضو کو نماز سے خالی نہ رکھے تو اس کو چاہیئے کہ دوگانہ جو وضو کے بعد پڑھے اس سے نیت قضا کی کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذمہ پر کوئی نماز قضا ہو جس کی ادا میں کسی باعث سے خلل ہوا ہو تو قضا کی نیت کا کچھ مضائقہ نہ ہوگا، اس لیے کہ نماز قضا مکروہ وقتوں میں بھی مکروہ نہیں، لیکن ان وقتوں میں نیت نفل کی کرنے کی کوئی وجہ

ع رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابن عمر رضؓ ۱۲ ع نسائی بروایت عبداللہ صنابحی اور نام راوی میں نسائی سے چوک ہوئی عبدالرحمٰن صنابحی ٹھیک ہے ۱۲

نہیں، ان اوقات میں جو نوافل سے منع کیا گیا ہے اس میں تین باتیں مقصود اور مہم ہیں، اوّل آفتاب کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت سے بچنا، دوم شیطانوں کے پھیلنے سے احتراز کرنا کہ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آفتاب نکلتا ہے اور اس کے ساتھ شیطان کے ماتھے کا کونا ہوتا ہے نکلنے میں اس کے ساتھ رہتا ہے اور جب آفتاب اٹھ جاتا ہے تو جدا ہو جاتا ہے جب برابر دوپہر ہوتی ہے تو مل جاتا ہے، جب ڈھل جاتا ہے تو ٹل جاتا ہے، پھر جب غروب پر آفتاب مائل ہوتا ہے تو شیطان کا ماتھا متصل ہو جاتا ہے اور جس وقت غروب ہو جاتا ہے تو علیحدہ ہو جاتا ہے اور ان اوقات میں نماز سے منع فرمایا اور اس کی علت پر آگاہ کر دیا، سوم یہ کہ طریق آخرت کے سالک ہمیشہ سب وقتوں میں نماز پر مواظبت رکھتے ہیں اور عبادات میں سے ایک ہی طرح پر مواظبت کرنی انجام کو ملال پیدا کرتی ہے اور جس صورت میں کہ ایک ساعت روک دیا جائے تو خوشی زیادہ ہوتی ہے، اور ارادے ابھرتے ہیں، اور انسان کو منع کی ہوئی چیز کی حرص ہوتی ہی ہے تو ان وقتوں کو خالی چھوڑنے میں زیادہ تر وقت گذرنے کے انتظار پر ترغیب دیتی ہے اس وجہ سے یہ اوقات تسبیح و استغفار کیلئے خاص کر دیے گئے کہ مداومت کے باعث تھکن سے بھی بچے رہے اور ایک قسم کی عبادت سے دوسری قسم کی میسر بھی ہو جاوے کیونکہ ہر نئی بات میں لذت جداگانہ ہے اور ایک ہی چیز کی مداومت میں گرانی اور کسل ہوتا ہے اور ہمیں لحاظ نماز نہ محض سجدہ ہوئی نہ صرف رکوع نہ نرا قیام بلکہ اعمال مختلف سے اور جداگانہ ذکروں سے عبادتوں کی ترتیب ہوئی کیونکہ دل ان میں سے ہر ایک عمل سے لذت جداگانہ اس کو ادا کرتے وقت پاتا جاوے اور اگر ایک ہی چیز پر مداومت شروع ہوتی ہے تو دل پر تھکن جلدی آتی، پس جس صورت میں کہ اوقات مکروہ میں نماز کے منع کرنے سے یہ باتیں مقصود ہیں اور ان کے سوا اور اسرار ہیں کہ جن کو سوائے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر کی طاقت نہیں کہ معلوم کرے تو اس طرح کے مہمات کو چھوڑ دینا بجز ایسے اسباب کے نہیں چاہیے جو شرع میں ضروری ہوں جیسے نمازوں کی قضا اور مینہ کی نماز اور خسوف اور تحیۃ المسجد کا دوگانہ ہے اور جو اسباب کہ ضعیف ہوں ان کو اس نہی کے مقصود کے مقابل نہ کرنا چاہیے، ہمارے نزدیک یہی معقول معلوم ہوتا ہے آگے خدا جانے باب اسرار نماز پورا ہوا اس کے بعد باب اسرار زکوٰۃ ان شاء اللہ آتا ہے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً والصلوٰۃ علیٰ رسولہ المصطفیٰ

پانچواں باب زکوٰۃ کے اسرار

رباعی

احسن ہے زکوٰۃ کا نہ دینا گناہ — جس پر ہے وعید یوم یحمیٰ کا گواہ
اے صاحب مال شکر کر دے خیرات — نہ تجھ پر کھلے نجات و بہبود کی راہ

جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ نے زکوٰۃ کو ایک رکن اسلام بنایا اور نماز کے بعد اسی کا ذکر فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے[۱] واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ۔ اور اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے باب میں

[۱] حاشیہ بر صفحہ ۱۷۲

نہایت سخت وعید فرمایا جیسا کہ ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اس آیت میں جو انفاق فی سبیل اللہ مذکور ہے، اس کے معنی زکوٰۃ کے نکالنے کے ہیں۔ احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں قریش کے چند لوگوں میں تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ گذرے اور فرمایا کہ کافروں کو سنادو، ایک داغ کی خبر کہ ان کی پیٹھوں میں لگے گا اور پسلیوں میں سے نکلے گا، اور ایک داغ ان کی گدیوں کی طرف سے لگے گا اور پیشانیوں میں سے پار ہو جاوے گا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ داغ آدمی کی پستان کے سر پر رکھ کر دونوں شانوں کی ملائم ہڈی سے نکال دیا جاوے گا اور ہڈی سے رکھ کر پستان کے سر میں سے تھرتھراتا ہوا نکال جاوے گا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، اس وقت میں آپؐ خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے تھے، جب آپؐ نے مجھ کو دیکھا، فرمایا کہ قسم ہے رب کعبہ کی وہی لوگ زیادہ نقصان میں ہیں، میں نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں، فرمایا کہ جن کے پاس مال بہت ہیں مگر جو کوئی ایسے ایسے اپنے داہنے اور بائیں اور سامنے اور پیچھے بکھیرے اور خیرات کرے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور فرمایا جو کوئی اونٹ والا، بکریوں خواہ گایوں والا ان کی زکوٰۃ نہ ادا کرے گا وہ چوپائے قیامت میں نہایت بڑے اور بہت موٹے ہو کر آویں گے، اور اس شخص کو اپنے سینگوں سے ماریں گے اور کھروں سے کچلیں گے۔ جب اوّل سے آخر تک سب چوپائے مار چکیں گے، تو پھر دوبارہ اسی طرح شروع کر دیں گے۔ اور یہ عذاب اس وقت تک ہوگا کہ لوگوں کے درمیان حکم کیا جاوے گا اور جب کہ بخاری اور مسلم میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کی یہ وعید مروی ہے تو اسرار زکوٰۃ کا بیان کرنا اور اس کے شروط ظاہری اور باطنی اور اس کے معنی صوری اور معنوی کا لکھنا ضروریات دین سے ٹھہرا اس لیے ہم اس مضمون کو چار فصلوں میں لکھتے ہیں اور انہیں باتوں پر کفایت کرتے ہیں، جن کا جاننا زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے کو ضرور ہے۔

پہلی فصل: زکوٰۃ کی اقسام اور اس کے وجوب کے اسباب

جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ باعتبار ان مالوں کے جن سے وہ علاقہ رکھتی ہے چھ قسم ہے ہر ایک کو جدا جدا لکھا جاتا ہے:۔

پہلی قسم چوپایوں کی زکوٰۃ زکوٰۃ خواہ چوپاؤں کی ہو یا دوسرے مال کی اس شخص پر واجب ہوتی ہے کہ آزاد اور مسلمان ہو اور بالغ ہونا اور عاقل ہونا شرط نہیں، بلکہ لڑکے اور مجنون کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو شرط زکوٰۃ کے دینے والے کی ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو، اور مال کی شرطیں پانچ ہیں یعنی چوپاؤں کا خاص ہونا اور

بقیہ صفحہ ۳۲۸ ؎ اور برپا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ ۱۲ ؎ اسلام پانچ باتوں پر مبنی ہے گواہی دینا اس کی کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور قائم کرنا نماز کا اور دینا زکوٰۃ کا ۱۲ بخاری و مسلم ۱۲

؎ جو لوگ کہ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی ۱۲

جنگل میں چرنا اور برس روز گذرنا اور ملک کامل کا ان پر ہونا، اور نصاب کا پورا ہونا شرط اول خاص چوپائے اس لیے کہے کہ زکوٰۃ صرف اونٹ اور گائے اور بکری میں ہے، گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں میں، اور ان جانوروں میں جو ہرن اور بکری سے پیدا ہوں زکوٰۃ نہیں شرط دوم چرنے کی اس لیے ہے کہ اگر گھر پر گھاس کھلایا جائے گا تو زکوٰۃ نہ ہوگی، اور جب کچھ دونوں جنگل میں چرا ہو اور کچھ دنوں گھر پر گھاس کھایا ہو تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ نہیں، بشرطیکہ گھاس پر دینے میں بظاہر دام لگا ہو، تیسری شرط برس کے گذرنے کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا فی مال حتی یحول علیہ الحول ط اور اس حکم میں سے مال کے بچے مستثنیٰ رہیں گے کیونکہ وہ تابع بڑے جانوروں کے ہوتے ہیں اور اصول پر برس دن گذرنے سے ان کی بھی زکوٰۃ لی جاوے گی گو ان پر برس نہ گذرا ہو اور جب مال کو برس کے اندر بیچ ڈالے یا ہبہ کر دے تو برس کٹ گیا، وہ جانور حساب میں شمار نہ ہوں گے۔ چوتھی شرط ملک کامل اور پورا تصرف مال پر چاہیے، اس صورت میں اگر کوئی جانور رہن ہو گا تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ خود اس نے اپنے نفس کو روکا ہے اس پر قبضہ کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اور گم شدہ اور چھینی ہوئی میں زکوٰۃ واجب نہیں، جب تک کہ مع اپنی زیادتی کے پھر کر نہ آوے تو پھر کر آنے پر زکوٰۃ ایام گذشتہ کی واجب ہو جاوے گی، اور جس شخص پر کہ قرض اتنا ہو کہ اس کے سب مال کو حاوی ہو جاوے تو اس پر زکوٰۃ نہیں، اس لیے کہ وہ مال کے باعث غنی نہیں ہے کیونکہ غنی جب ہوتا کہ مال زائد از حاجت ہوتا حالانکہ حاجت ادائے قرض اس کو موجود ہے۔ پانچویں نصاب کا پورا ہونا اور یہ ہر چوپائے میں جدا جدا ہے مثلاً اونٹ پر کچھ زکوٰۃ نہیں جب تک اس کا شمار پانچ کو نہ پہنچ جاوے، پانچ اونٹ کے لیے نصاب ہے، اس میں بھیڑ کا ایک جذعہ یا بکری کا ایک ثنیہ دینا ہوگا، جذعہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک سال کا ہو کر دوسرے میں لگا ہو اور ثنیہ اس کو کہتے ہیں کہ دو برس کا ہو کر تیسرے میں لگا ہو، اور دس اونٹوں میں دو بکریاں ہیں اور پندرہ[۱۵] میں تین[۳] اور بیس میں چار اور پچیس[۲۵] میں بنت مخاض یعنی مادہ بوتا جو دوسرے برس میں ہو اور اگر بنت مخاض مال میں نہ ہو تو نر بوتا جو تیسرے سال میں ہو لیا جاوے اگرچہ بنت مخاض کو خرید سکتا ہو۔ اور چھتیس[۳۶] اونٹوں میں بنت لبون یعنی مادہ جو تیسرے سال میں ہو۔ پھر چھیالیس[۴۶] میں حقہ یعنی مادہ جو چوتھے سال میں ہو اور باسٹھ میں جذعہ یعنی پانچویں سال کی مادہ اور چھہتر[۷۶] میں دو بنت لبون، اور اکانوے[۹۱] میں دو حقے، اور ایک سو اکیس[۱۲۱] میں تین بنت لبون، پھر جب ایک سو تیس[۱۳۰] ہو جاویں تو اب حساب جم گیا۔ اور ہر پچاس میں ایک حقہ، اور ہر چالیس[۴۰] میں ایک بنت لبون لیا جاوے گا، پس ایک سو تیس میں اس حساب سے ایک حقہ اور دو بنت لبون ہوں گے، اور گائے بیل میں کچھ زکوٰۃ نہیں جب تک کہ تیس[۳۰] نہ ہو جاویں، پھر تیس[۳۰] پر ایک تبیع یعنی بچھڑا ہے جو دوسرے سال میں ہو اور چالیس[۴۰] پر ایک مسنہ یعنی بچھڑی تیسرے برس کی، اور ساٹھ میں دو تبیع، اور بعد اس کے حساب ٹھیک ہو جاتا ہے کہ ہر چالیس[۴۰] میں ایک مسنہ اور ہر تیس میں ایک تبیع، اور بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ نہیں، جب تک کہ چالیس[۴۰] نہ ہو جاویں، چالیس[۴۰] پر ایک جذعہ بھیڑ کا، یعنی جو ایک سال کا ہو گیا ہو خواہ ثنیہ بکری کا، یعنی وہ بچہ کہ دو سال کا ہو جائے تیسرے سال میں ہو پھر ان میں کچھ نہیں، یہاں تک کہ ایک سو اکیس[۱۲۱]

ط نہیں ہے زکوٰۃ کسی مال میں یہاں تک کہ گذر جاوے اس پر ایک برس ۱۲ ابو داؤد بروایت علی رضہ

ہو جاویں، اس شمار پر دو بکریاں ہیں دو سو تک، اور دو سو ایک میں تین ہیں چار سو تک اور چار سو میں چار بکریاں ہیں، پھر ہر سینکڑے پر ایک بکری ہے۔ اور دو شریکوں کی زکوٰۃ نصابوں میں مثل ایک مالک کے ہوگی، مثلاً دو شخصوں کی شرکت میں چالیس بکریاں ہیں تو ان پر ایک ہی بکری ہوگی اور اگر تین شخصوں کی شرکت میں ایک سو بیس بکریاں ہوں تو سب پر ایک ہی بکری ہوگی حالانکہ جدا کرنے میں ہر شریک کے حصہ میں چالیس آسکتی ہیں مگر مال شرکت کو ایک ہی مالک کا سا سمجھیں گے اور شرکت خواہ باعتبار سہاموں کے ہو یا اور طرح پر دونوں کا حکم ایک ہے مگر یہ شرط ہے کہ دونوں شریک ایک ساتھ ہی چراتے ہوں اور ساتھ پانی پلاتے ہوں، اور مکان پر ہٹا کر لانا اور دودھ نکالنا اور نر کا ڈلوانا ایک ساتھ کرتے ہیں اور دونوں صاحب زکوٰۃ ہوں اور اگر شرکت ذمّی یا مکاتب کے ساتھ ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اور جس صورت میں کہ مال واجب سے کم سن کا جانور لیا جاوے تو جائز ہے بشرطیکہ بنت مخاض سے کم نہ ہو اور کمی کا نقصان اس طرح پورا کیا جاوے کہ ایک سال کی کمی میں دو بکریاں یا بیس درم اور لیے جاویں، اور دو برس کی کمی میں چار بکریاں خواہ چالیس درم لیویں، اور مالکِ مال اگر زیادہ عمر کا اونٹ دیوے تو ہو سکتا ہے بشرطیکہ جذعہ سے زیادہ نہ ہو اور مقدار زیادتی کو بیت المال کے کارندوں سے واپس لیوے، اور زکوٰۃ میں بیمار جانور نہ لیا جاوے جس صورت میں کہ گلہ میں اچھے بھی ہوں اگرچہ ایک ہی تندرست ہو، اور اچھے جانوروں میں سے اچھا لیا جاوے اور بروں میں سے برا اور مال میں سے دانہ خوری کا جانور اور جو توگنی[1] ہو اور دودھیل اور سانڈ نہ لیا جاوے اور نہ ردی اور نہ آخور لیا جاوے بلکہ میانہ لینا چاہیئے۔

دوسری قسم: عشر

جو پیداوار کہ غذا کی قسم ہو، اور آٹھ سو سیر یعنی بیس[2] من ہو اس میں دسواں حصہ واجب ہے، اور اس سے کم تر کچھ نہیں، اور میوؤں اور روئی میں زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ اس جنس میں ہے جو غذا بنائی جاتی ہے، اور چھوہاروں اور کشمش میں زکوٰۃ ہے، اور بیس[2] من ان کا ہونا معتبر ہے یعنی سوکھے پر بیس[2] من ہونے چاہیئیں تر کا اعتبار نہیں، اور شریکوں کے مال کو ایک دوسرے میں ملا کر پورا کر لیا جاوے گا جس صورت میں کہ شرکت سہاموں سے ہو، مثلاً ایک باغ چند وارثوں میں مشترک ہے اور اس کی پیداوار بیس[2] من کشمش ہے تو سب پر دو[2] من کشمش واجب ہوں گے، حصہ رسد اپنے اپنے حصہ میں سے دیگر دو[2] من کر دیں، اور اگر شرکت اس طرح نہ ہو، بلکہ درخت یا زمین جدا جدا ہر ایک کے پاس ہو اور ایک جگہ ہو تو اس شرکت کا اعتبار نہیں، اور گیہوں کے نصاب کو جو سے پورا نہ کیا جاوے گا، ہاں جو کے نصاب کو اس جو سے پورا کر لیں گے کہ جس پر چھلکا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بھی جو ہی کا قسم ہے اور یہ دہ یکی اس صورت میں ہے کہ جاری پانی یا کول وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو، اور جس صورت میں کہ کنوئیں میں سے ڈول خواہ چرسہ سے پانی دیتے ہوں تو بیسواں[2] حصہ واجب ہوگا، اور اگر دونوں طرح پانی دیا جاتا ہو تو غالب کا اعتبار ہے، اور واجب کی صفت یہ ہے کہ خشک چھوہارے اور کشمش اور جنس غلہ میں سے بور بھس دور کرنے کے بعد لیئے جاویں اور انگور اور تر کھجوریں نہ لیویں، مگر اس صورت میں کہ درختوں پر کوئی آفت پڑے، اور پکنے سے پہلے ہی ان کے توڑنے میں مصلحت

---

[1] جو قریب سے کے ہو ۱۲

ہو، ایسی صورت میں تو پیمانے مالک کو اور ایک پیمانہ فقیروں کو ناپ کر دیا جاوے، اور اس صورت پر یہ اعتراض نہیں پڑتا کہ بانٹنا تو بیع میں داخل ہے، پس کچوں کی بیع اگر درست نہیں تو بانٹنا کب جائز ہوگا اس لیے کہ ہم کہیں گے کہ حاجت کے سبب سے اس تقسیم کی اجازت ہے اور زکوٰۃ کے واجب ہونے کا وقت ہوتا ہے کہ پھل گدرانے لگیں اور غلہ سخت ہونے لگے اور اس کے ادا کا وقت خشک ہونے کے بعد ہے۔

تیسری قسم :۔ سونا چاندی کی زکوٰۃ جو چاندی خالص دو سو درم کی تول سے ہو اور اس پر برس گذر جاوے تو اس کی زکوٰۃ پانچ درم یعنی چالیسواں حصہ ہے اور اگر چاندی زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکوٰۃ اس پر بھی ہوگی گو ایک ہی درم زائد ہو، اور سونے کے نصاب بیس[1] مثقال خالص مکہ کے وزن سے ہے اس میں بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور زائد پر اسی حساب سے ہوگی، اور سونے کے ڈھیلے اور غیر مستعمل زیور میں اور سونے چاندی کے برتنوں میں اور سونے کی کاٹھیوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور مستعمل زیور میں واجب نہیں، اور اگر قرض کسی ایسے کے ذمے ہو جو دیر کر دیوے تو اس پر بھی زکوٰۃ ہے مگر جب وہ ادا کرے اس وقت واجب ہوتی ہے اور اگر قرض کی کچھ مدت ہو تو جب تک یہ مدت نہ گزرے تب تک واجب نہ ہوگی۔

چوتھی قسم مال تجارت کی زکوٰۃ اور اس کا حال چاندی سونے کی زکوٰۃ کا سا ہے یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور برس اس وقت سے لیا جاوے گا جس وقت سے کہ نقد روپیہ جس سے کہ مال تجارت خریدا ہے اس کی ملک میں آیا ہو، بشرطیکہ نقد مذکور مقدار نصاب ہو اور اگر وہ نصاب سے کم ہو یا اسباب کے بدلے میں تجارت کی نیت سے مال خریدا ہو تو ابتدائے سال خریدنے کے وقت سے معتبر ہوگا، اور زکوٰۃ میں وہ سکے جو شہر میں چلتا ہو یا اس سے مال کا دام لگایا جاوے اور نقد سے مال تجارت لیا ہو اور نقد نصاب کی مقدار تھا تو شہر کے چلن کی نسبت اسی نقد سے دام لگانا بہتر ہے۔ اور اگر مال اپنے لیے رکھا تھا پھر اس میں تجارت کی نیت کرے تو ابتدائے سال صرف نیت کے وقت سے نہ ہوگا، بلکہ اس وقت سے ہوگا کہ اس مال کے عوض میں دوسری چیز مول لیوے، اور جس صورت میں کہ برس روز پورا ہونے سے پیشتر تجارت کی نیت موقوف کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاوے گی مگر بہتر ہے کہ اس برس کی زکوٰۃ دے ڈالے اور اسباب میں جس قدر نفع آخر سال میں ہوا ہو اصل مال پر برس گذرنے سے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یہ نہیں کہ اس پر از سر نو برس گذرے جیسا کہ جانوروں کے بچے برس کی تمامی پر بڑوں میں ملائے جاتے ہیں گو برس روز کے نہ ہوں، اور صرافوں کے مال کا برس ان کے آپس کے مبادلے ہونے سے جاتا نہیں رہتا جیسے اور تجارتوں کی خرید و فروخت میں برس بدستور رہتا ہے ویسا ہی ان کا بھی رہتا ہے اور مال مضارب کے نفع کی زکوٰۃ مضارب پر اس کے حصے کے موافق ہوگی، اگر قیمت نفع کی نہ ہوتی ہو اور قرین قیاس[2] یہی ہے کہ برس گزرتے ہی اس پر واجب ہو جاوے۔

پانچویں قسم دفینہ اور کانوں کی زکوٰۃ دفینہ سے وہ مال مراد ہے جو کفر کے عہد کا مدفون ہو اور ایسی زمین میں ملے کہ اسلام میں اس پر کسی کی ملک نہ ہوئی ہو، تو جو شخص اس دفینہ کو پاوے تو چاندی

---

[2] قولہ قرین قیاس الخ اصل میں یہ کہ یہی حکم قیاس میں سب سے قوی ہے ۱۲

اور سونے میں سے اس سے پانچواں حصّہ لیا جاوے۔ اس میں برس کا گذرنا معتبر نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ نصاب کا اعتبار بھی نہ ہو کیونکہ خمس واجب ہونے سے اس مال کی مشابہت مالِ غنیمت سے زیادہ ہے، اور اگر نصاب کا اعتبار کریں تب بھی بعید نہیں کہ آخر مصرف اس خمس کا اور زکوٰۃ کا ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے مذہب صحیح کے بموجب دفینہ خالص سونے چاندی کو کہیں گے اور کسی چیز کو نہ کہیں گے، اور کان کی چیزوں میں سوائے سونے چاندی کے اور کسی چیز پر زکوٰۃ نہیں اور یہ دونوں جس وقت نکال لیے جاویں تو چالیسواں حصّہ ان میں لیا جاوے گا۔ دونوں میں سے صحیح تر کے بموجب نصاب کا ہونا معتبر ہوگا۔ اور سال تمامی کے باب میں دو قول ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ کان کے سونے چاندی میں پانچواں حصّہ واجب ہے، تو اس اعتبار سے سال کا اعتبار نہ چاہیئے، اور نصاب کے باب میں دو قول ہیں، اور مناسب تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کان کو مقدار واجب میں تو مالِ تجارت کی زکوٰۃ میں ملادیں کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا مال حاصل کرنا ہے اور سال کے باب میں وہ یکی آدالی چیزوں میں ملادیں کہ سال کا اعتبار نہ کیا جاوے اور نصاب کا بھی اعتبار نہ کیا جاوے جیساکہ وہ یکی والی چیزوں میں نہیں کیا جاتا ہے، اور احتیاط یہ ہے کہ تھوڑی کان ہو یا بہت سب میں سے خمس نکال دیا جاوے اور مخصوص سونے چاندی پر نہ رکھے ہر ایک کانی چیز میں یہی کرے تاکہ شبہہ ان اختلافوں کا نہ رہے کیونکہ یہ اقوال ایک دوسرے کی ضد سے معلوم ہوتے ہیں، اور یقیناً کسی پر فتوائے ہو نہیں سکتا کہ شکلیں ان کی ملتی جلتی نہیں۔ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

چھٹی قسم صدقۂ فطر

اور وہ زمانۂ[1] سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک مسلمان پر واجب ہے جس کے پاس عید فطر کے روز اور اس کی شب میں اس کے اور اس کے عیال کے کھانے سے زائد جنس غذا میں سے ایک صاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے موجود ہو، اور صاع دو سیر اور دو تہائی سیر کا ہوتا ہے، مترجم کہتا ہے کہ صاع اس پیمانے کا نام ہے جس میں ایک ہزار چالیس درم ماش یا مسور آجاوے اور یہ وزن ہندوستان کے سو بھر کے سیر سے تین سیر اور آدھ چھٹانک ہوتا ہے صدقۂ فطر کو اس غلہ میں سے دیوے جو آپ کھاتا ہو یا اس سے بہتر دیوے، پس اگر آپ گیہوں کھاتا ہو تو جو دینے درست نہ ہوں گے اور اگر مختلف غلہ کھاتا ہو تو سب میں سے بہتر دیوے، اور اگر کوئی ساد ے دیوے گا تب بھی جائز ہوگا، اور صدقۂ فطر کی تقسیم مثل زکوٰۃ کی تقسیم کی ہے اور مصرف کے سب اقسام کو پہنچانا واجب ہے۔ اور آٹا اور بے چھنی ہوئی جنس دینی جائز نہیں، اور مسلمان مرد پر صدقۂ اپنی زوجہ اور غلاموں اور اولاد کا، اور ان رشتہ داروں کا جن کا نفقہ اس پر واجب ہے جیسے ماں، باپ، دادا، ماں نانی وغیرہ ہیں، واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] ہے ان لوگوں کا صدقہ ادا کرو جن کا خرچ تم اٹھاتے ہو، اور مشترک غلام کا صدقہ دونوں شریکوں کے ذمّہ واجب ہے، اور کافر غلام کا صدقہ واجب نہیں، اور اگر زوجہ اپنی طرف سے آپ صدقہ دے دے تو کافی ہے اور شوہر کو اس کی طرف سے صدقہ دینے میں اس کی اجازت ضرور نہیں، اور اگر اس کے پاس اتنا ہی کھانا زائد ہو کہ بعض کی طرف سے دے سکتا ہے تو بعض ہی کی طرف سے ادا کرے اور پہلے ان کا دیوے جن

---

[1] بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [2] دارقطنی و بیہقی بروایت ابن عمرؓ ۱۲

کا نفقہ کی تاکید بہت ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد[1] کے نفقہ کو زوجہ کے نفقہ پر مقدم فرمایا اور زوجہ کے نفقہ کو خادم کے نفقہ پر، حاصل یہ کہ یہ احکام فقہی ہیں کہ مالدار کو ان کا پہچاننا ضروری ہے، اور بعض اوقات اس کو کچھ صورتیں نادر بھی پیش آجاتی ہیں جو ان صورتوں سے خارج ہیں تو ایسی حالت میں اس کو چاہیئے کہ علماء سے فتوٰی لے کر اس پر اعتماد کرے اور ان حالات کو اوّل یاد کرے۔

دوسری فصل زکوٰۃ کی ادائیگی اور شرائط

ظاہری شرائط

واضح ہو کہ زکوٰۃ دینے والے پر پانچ باتوں کی رعایت واجب ہے اوّل نیت یعنی دل سے نیت فرض زکوٰۃ کے دینے کی کرلے، یہ ضرور نہیں کہ مالوں کو معیّن کرے کہ فلاں فلاں کی زکوٰۃ دیتا ہوں۔ پھر اگر کوئی مال اس کے پاس نہیں اور کہیں ہے، اور اس نے کہہ دیا کہ اگر میرا مال غائب بچا ہوا ہے تو یہ اس کی زکوٰۃ ہے، ورنہ صدقہ نفل ہے تو یہ جائز ہے اس لیے کہ اگر بالفرض تصریح نہ کرتا تب بھی تو یہی ہوتا اور ولی کی نیت مجنون اور صغیر کی نیت کے قائم مقام ہے، اور بادشاہ کی نیت مالکِ مال کی نیت کے قائم مقام ہے جو زکوٰۃ نہ دیتا ہو مگر دنیا کے حکم ظاہری میں ہوگی یعنی ان پر مطالبۂ ظاہری نہ رہے گا، لیکن آخرت کے مؤاخذہ سے بری نہ ہوگا جب تک کہ از سرِنو زکوٰۃ نہ دے اور جس وقت کہ زکوٰۃ دینے کے لیے کسی کو وکیل کیا اور وکیل کرتے وقت نیت کرلی یا وکیل کو نیت کا بھی وکیل کر دیا تو کافی ہے کیونکہ نیت کے لیے وکیل کرنا بھی نیت ہے، دوسری بات برس روز پورا ہونے پر جلدی کرنا ہے اور صدقۂ فطر کو عید کے روز سے تاخیر نہ کرے اور اس کے واجب ہونے کا وقت آخر دن رمضان کے آفتاب ڈوبنے سے ہو جاتا ہے۔ اور پیشتر کا وقت تمام ماہِ رمضان ہے، اور جو شخص باوجود قدرت کے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے میں دیر کردے تو گنہگار ہوگا، اور پھر اگر اس کا مال جاتا رہے گا اور مستحق زکوٰۃ کے پانے پر قادر ہوگا تو زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگی، اور اگر مستحق کے نہ ملنے کی جہت سے تاخیر کی اور اس اثنا میں مال جاتا رہا تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جاوے گی اور زکوٰۃ کا پیشتر دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ مال نصاب کے برابر ہو لیا ہو اور سال شروع ہو گیا ہو، اور دو برس کی زکوٰۃ پیشتر دینی بھی درست ہے، اور جس صورت میں کہ زکوٰۃ پیشتر دے اور مسکین زکوٰۃ لینے والا برس روز پورا ہونے سے پیشتر مر گیا یا مرتد ہو گیا یا اس مال کے سوا اور کسی مال سے غنی ہو گیا یا مالکِ مال کا مال جاتا رہا تو جو کچھ اس نے پیشتر دیا تھا، وہ زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا اور اس کا واپس کرنا ہو نہیں سکتا بجز اس طرح کے کہ دیتے وقت کہہ دیا ہو کہ ایسا ویسا ہوگا تو واپس کر لیں گے لہٰذا مالک کو انجام کار پر بھی لحاظ ضرور ہے، تیسری یہ کہ زکوٰۃ واجب کا عوض باعتبار قیمت کے نہ دے بلکہ جو چیز واجب ہوتی ہو وہی دلوے، یہاں تک کہ سونے کے عوض چاندی نہ دے نہ چاندی کے

[1] ابو داؤد بروایت ابو ہریرہ رضی ۱۲

عوض سونا اگر قیمت بڑھا کر ہی دے اور غالباً بعض لوگ جو امام شافعیؒ کی غرض نہیں سمجھتے وہ اس باب میں تساہل کرتے ہیں اور مقصود دیکھ لیتے ہیں کہ فقیر کی حاجت کا روکنا ہے، اور یہ بات علم سے بہت دور ہے کیونکہ یہ صحیح کہ زکوٰۃ دینے میں فقیر کی حاجت کا بند کرنا ہے مگر یہ کل مقصود نہیں مقصود کا ایک ٹکڑا ہے، کیونکہ شرع کے واجب تین طرح کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ محض عبادت ہیں غرض اور مطلب کو ان میں کچھ دخل نہیں، جیسے مثلاً حج میں کنکروں کو پھینکنا کہ جمرات کو کنکروں کے ان تک پہنچنے سے کچھ غرض نہیں کہ اس باب میں شرع کا مقصود عمل کا شروع کرنا ہے تاکہ بندہ اپنی بندگی اور غلامی ایسے فعل سے ظاہر کرے کہ جس کے معنی کچھ سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ جس کے معنی سمجھ میں آتے ہیں اس پر تو کبھی طبیعت بھی مدد دیتی ہے اور اس کی طرف بلاتی ہے تو اس سے غلامی اور بندگی کا خلوص ظاہر نہ ہوگا اس لیے کہ بندگی اسی کو کہتے ہیں کہ حرکت صرف معبود کے امر کے باعث ہو اور کسی وجہ سے نہ ہو اور اعمال حج کے اکثر اسی طرح کے ہیں اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام میں ارشاد فرمایا لبیك الحجة حقا تعبداً و رضاء اس میں تنبیہ ہے کہ یہ احرام صرف امر کی فرمانبرداری سے بندگی کا اظہار ہے اور جس طرح حکم ہوا ہے اس کو مان لینا ہی بدون اس کے کہ عقل کو کوئی بات اس میں سے ایسی ملی ہو جس کی طرف وہ میل کرے یا اس پر ابھارے، دوسری طرح کی واجبات شرع کی وہ ہے کہ اس سے مقصود ایک غرض قول ہو عبادت مقصود نہ ہو جیسے قرض داروں کا قرض ادا کرنا اور چھینی ہوئی چیز کا واپس کرنا ہے، اس میں معتبر صرف نیت اور فعل نہیں، بلکہ جس وقت حق حقدار کو پہنچ جاوے خواہ اصل ہو خواہ اس کا عوض درصورت حقدار کی رضامندی کے تو واجب ادا ہو جاوے گا اور شریعت کا خطاب ٹل جاوے گا پس یہ دونوں طور ایسے ہیں کہ ان میں ترکیب نہیں اس کو سب آدمی جان سکتے ہیں۔ تیسری قسم واجبات کی مرکب ہے جس سے دونوں باتیں مقصود ہیں کہ بندوں کی غرض بھی نکلے اور مکلف کی بندگی کا امتحان بھی ہو یعنی کنکروں کے مارنے میں جو عبادت محض تھی اور حقوق کے دینے میں جو غرض نری تھی وہ دونوں اس میں ایک ہوں تو یہ صورت بذاتِ خود معقول ہے، اگر شریعت اس قسم کا واجب بندہ پر مقرر فرماوے تو دونوں باتوں کا جمع کرنا واجب ہے، اور ان دونوں میں سے ظاہر کو دیکھ کر جو مضمون عبادت نہایت باریک ہے اس کو بھولنا نہ چاہیئے اس لیے کہ کیا معلوم ہے شاید باریک تر ہی اہم ہو اور زکوٰۃ اسی قسم کا واجب ہے اور اس نکتہ پر بجز امام شافعیؒ کے اور کوئی واقف نہیں ہوا پس زکوٰۃ میں فقیر کی حاجت کو بند کرنا صاف بات ہے اور جلد سمجھ میں آتی ہے اور حق عبادت تفصیل وار دینے میں مقصود شرع ہے اور اس اعتبار سے زکوٰۃ نماز اور حج کی ہمسر ٹھہری کہ ایک بنائے اسلام ہے اور اس میں شک نہیں کہ مال دار پر اپنے مال کی جنسوں کو جدا کرنے اور ہر ایک جنس میں سے حصہ رسد زکوٰۃ نکالنے میں اور پھر اس کو آٹھوں قسم کے مصرف پر تقسیم کرنے میں بڑی دقت ہے اور اسباب میں تساہل کرنے سے فقیر کی غرض میں تو کچھ خلل نہیں مگر عبادت ہونے کے مقصود میں خلل پڑتا ہے اور انواع کی تعیین سے مقصود شارع عبادت کا ہونا ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے جن کو ہم نے فقہی مسائل کے خلافی مسائل میں بیان کیا ہے اور ان میں سے واضح تر یہ ہے کہ شریعت نے پانچ اونٹوں میں سے ایک بکری واجب کی ہے اس

لے میں حاضر ہوں واسطے حج کے حقیقت میں بندگی اور غلامی کی راہ سے ۱۲ دار قطنی در علل بروایت انسؓ ۱۲

ہیں اونٹوں سے بکری کی طرف میل کیا کچھ نقد نہ دلایا نہ قیمت کا اعتبار کیا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ نقد روپیہ عرب والوں کے پاس کم ہوتا ہے اس لیے نقد کو نہیں لیا تو یہ قول اس صورت سے باطل ہوگا جو شریعت نے نقصان سُن کر کسر بھرنے میں دو بکریوں کے عوض میں بیس درم ذکر کیے ہیں یعنی کسر بھرنے میں یہ کیوں نہ کہا کہ جس قدر قیمت ناقص ہو اس قدر لینا چاہیئے، بیس درم کی قید کیوں لگائی، اور اگر کپڑے یا اسباب سب ایک سے ہیں تو دو بکریوں کی قید کیا ضرور تھی، غرض کہ یہ اور اس جیسی اور تخصیصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ بھی عبادت سے خالی نہیں جیسے حج کے افعال ان سے خالی نہیں، لیکن زکوٰۃ میں دو باتیں اکھٹی ہیں اور چونکہ ضعیف ذہن مرکب چیزوں کے دریافت سے قاصر ہیں اسی وجہ سے ان میں غلطی کرتے ہیں، چوتھی یہ کہ صدقہ کو دوسرے شہر میں نہ لے جاوے کیونکہ ہر شہر کے مساکین وہاں کے مالوں کو تاکتے ہیں۔ اگر یہ وہاں سے لیجاوے گا تو ان کے گمان باطل اور امیدیں جھوٹی پڑیں گی، پھر اگر ایسا کرے گا تو ایک قول کے بموجب کافی ہوگا مگر خلاف کے شبہہ سے باہر ہو جانا اچھا ہے یعنی ہر ایک مال کی زکوٰۃ اسی شہر میں نکالے، اور وہاں کے غریبوں پر اس کو تقسیم کردے، پانچواں یہ کہ زکوٰۃ کے مال کے اتنے حصے کرے جتنے مصرف کے اقسام اس شہر میں موجود ہوں، کیونکہ مصرف کی ساری قسموں کو پہنچانا ہو، زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہے اور اس پر ظاہر قولِ خداوندی دلالت کرتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ یعنی صدقات ان لوگوں کو پہنچنے چاہییں یہ آیت ایسی ہے جیسے کوئی مریض کہے کہ میرا تہائی مال فقراء اور مساکین کے لیے ہے، یہ وصیت یہی چاہتی ہے کہ مال میں دونوں فریق شریک رہیں اسی طرح آیت میں تمام اقسام کی شرکت مراد ہے اور عبادات میں ظاہر امور پر پڑ جانے سے احتراز کرنا چاہیئے، باطن کے مقاصد کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے اب ان آٹھ قسموں میں سے دو قسمیں تو اکثر شہروں میں مفقود ہیں یعنی ایک وہ کہ ان کو تالیف قلوب کے لیے دیا جاوے دوسری زکوٰۃ کے عامل اور چار قسمیں تمام شہروں میں موجود ہیں یعنی فقراء اور مساکین اور قرض دار اور مسافر جن کے پاس مال نہ ہو، اور دو قسمیں ایسی ہیں کہ بعض شہروں میں ہیں اور بعضوں میں نہیں، غازی اور مکاتب پس اگر زکوٰۃ دینے والے شہر میں پانچ قسمیں مصرف زکوٰۃ میں سے ہوں تو چاہیئے کہ مال زکوٰۃ کے پانچ حصے برابر کرے اور ایک حصہ ایک قسم کا معین کردے، پھر ان پانچوں حصوں کے تین تین ٹکڑے یا زیادہ کرلے، خواہ برابر ہوں یا کم و بیش، اور یہ واجب نہیں کہ ان قسموں کے ہر ہر شخص کو بھی برابر دلوے بلکہ اختیار ہے کہ ایک قسم کے دس آدمیوں کو دے اور دوسری کے بیس شخصوں کو، اور ظاہر ہے کہ ان کا حصہ اول شخصوں سے آدھا ہوگا، مگر قسموں میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، ہر قسم میں تین آدمیوں سے کم نہ کرے اور اگر مقدار واجب صدقہ فطر کا ایک صاع ہو اور شہر میں پانچ قسمیں مصرف کی ہوں تو چاہیئے کہ اس صاع کو پندرہ آدمیوں کو پہنچادے کہ ہر قسم میں سے تین ہو جاویں، اور اگر باوجود امکان کے ایک کو نہ پہنچے تو اس کو اپنے پاس سے تاوان دے، پس اگر مقدار واجب کی کمی کی جہت سے اس طرح تقسیم کرنا اس پر دشوار پڑے تو اس صورت میں چاہیئے کہ جن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے ان کے شریک ہو جاوے اور اپنا مال ان کے مال میں ملادے خواہ مستحق شخصوں کو جمع کرکے ان کے حوالے کرے تاکہ وہ آپس میں تقسیم کرلیں کیونکہ سب کو پہنچانا اس پر ضروری ہے۔

باطنی شرائط وآداب

جاننا چاہیئے کہ طریق آخرت کے طالب کے لیے زکوٰۃ دینے میں کئی آداب ہیں۔ ادب اول زکوٰۃ کے واجب ہونے کو اور اس کی علت کو سمجھنا اور اس میں امتحان کی وجہ خیالی کرنی اور یہ بات دریافت کرنی کہ زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے کیوں ہوئی باوجودیکہ یہ تصرف مالی ہے بدنی عبادت نہیں، اور اس کے وجوب کی تین وجہیں ہیں، اول یہ کہ شہادت کے دونوں کلموں کا بولنا توحید کا لازم پکڑنا اور معبود کی وحدانیت کی گواہی دینی ہے، اور اس کو اچھی طرح پورا کرنا اس طرح ہے کہ موحد کے نزدیک سوائے واحد یکتا کے اور کوئی محبوب نہ رہے کیونکہ محبت شرکت کو قبول نہیں کرتی، اور صرف زبان سے توحید کا بولنا نافع کم ہے بلکہ درجہ محبت کا امتحان محبوب چیزوں کی مفارقت سے کیا جاتا ہے اور خلائق کے نزدیک مال بہت محبوب ہیں کہ دنیا کی کاربراری کا ذریعہ وہی پڑتے ہیں اور اس جہان میں انہیں سے ان کو انس رہتا ہے اور موت سے نفرت کرتے ہیں باوجودیکہ موت میں ملاقاتِ محبوب میسر ہے اس لیے اپنے صدق دعوے کے ثبوت کیلیے امتحان اس محبوب چیز کا لیا گیا ہے کہ جو شے تمہاری منظور نظر اور معشوق ہے، اس کو ہماری راہ میں دو، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[1] ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة ۰ اور یہ امر جہاد سے متعلق ہے یعنی خدائے تعالیٰ کے شوق دیدار میں جان سے دست بردار ہونا اور مال سے چشم پوشی کرنی تو جان کی بہ نسبت بہت سہل ہے اور جب کہ مالوں کے خرچ کرنے میں یہ معنی سمجھے گئے تو اس بنا پر آدمیوں کی تین قسمیں ہو گئیں، ایک تو وہ جنہوں نے توحید کو سچی طرح سے ادا کیا اور اپنے عہد کو پورا کیا اور اپنے سب مال سے دست بردار ہوئے نہ اشرفی رکھی نہ روپیہ، اور اس بات کے درپے ہی نہ ہوئے کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو، یہاں تک کہ بعض اکابر سے کسی نے سوال کیا کہ دو سو درم میں زکوٰۃ کتنی واجب ہے، انہوں نے فرمایا کہ عوام پر تو شرع کے حکم سے پانچ درم واجب ہیں لیکن ہم لوگوں پر سب کا دے ڈالنا واجب ہے، اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[2] نے جب صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی تو حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے اپنا سب مال دے ڈالا، اور حضرت عمر رضؓ نے نصف مال دے دیا۔ اور حضرت ابوبکر رضؓ صدیق سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا کیا چھوڑا تو فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول، اور حضرت عمر رضؓ سے پوچھا کہ تم نے کیا چھوڑا؟ عرض کیا کہ اتنا ہی گھر والوں کے لیے چھوڑا ہے جتنا حاضر خدمت کیا ہے، آپ نے فرمایا تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلموں میں ہے، غرض کہ حضرت صدیق رضؓ نے تمام صدق کو پورا کیا کہ اپنے پاس سوائے محبوب یعنی اللہ اور اس کے رسول کے اور کچھ نہ چھوڑا، دوسری قسم وہ لوگ ہیں، جن کا درجہ ان کے درجہ سے کم ہے، اور وہ لوگ اپنے کو روکے ہیں اور حاجت کے وقتوں اور خیرات کے موسموں کو تاکتے رہتے ہیں غرض کہ جمع کرنے سے ان کا قصد یہ

---

[1] اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت دے ۱۲
[2] ابوداؤد و ترمذی وحاکم بروایت عمر رضی اللہ عنہ مگر اس میں آخر کا یہ جملہ نہیں کہ تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا دونوں کے کلام میں، اس جملہ کو حسن بصری نے مرسلاً روایت کیا ہے ۱۲

ہوتا ہے کہ بقدرِ حاجت خرچ کریں عیش میں نہ اڑادیں اور جو کچھ حاجت سے بچ رہے اس کو نیک راہ میں جب موقع ملے دے ڈالیں، اور یہ لوگ صرف مقدارِ زکوٰۃ پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس کے سوا اور صدقات بھی دیتے رہتے ہیں اور نخعیؒ اور شعبیؒ اور عطاءؒ اور مجاہدؒ جیسے علماء کی یہ رائے ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حقوق بھی ہیں چنانچہ شعبیؒ سے جب پوچھا گیا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی اور حق بھی ہے تو فرمایا کہ ہاں اور بھی ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [1] واٰتی المال علی حبه ذوی القربی والیتمی الایة اور ان علماء کا استدلال اس سے بھی ہے [2] ومما رزقنٰهم ینفقون اور اس سے [3] وانفقوا مما رزقنٰکم اور کہتے ہیں کہ یہ آیتیں آیت زکوٰۃ سے منسوخ نہیں ہوتی ہیں بلکہ مسلمانوں کا حق جو ایک دوسرے پر ہے اس میں داخل ہیں اور ان کے معنی یہ ہیں کہ تو انگر آدمی جب محتاج کو پاوے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی حاجت کو مال زکوٰۃ کے سوا سے دور کرے، اور جو امر کہ فقہ میں اسباب میں درست ہے، وہ یہ ہے کہ جب حاجت سے آدمی کی جان پر آبنے تو اس کا دور کرنا اوروں پر فرض کفایہ ہے اس لیے کہ مسلمان کا تلف کرنا درست نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جاوے، کہ دولت والے پر صرف اتنا واجب ہے کہ جس قدر سے محتاج کی حاجت دور ہو، وہ اس کو قرض دیدے ویسے ہی دے ڈالنا جس صورت میں کہ زکوٰۃ اپنے ذمہ سے ادا کر چکا ہو، لازم نہیں، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس پر لازم ہے کہ فی الحال اس کو خرچ دے ڈالے قرض دینا درست نہیں، بہرحال اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن قرض دینے کی صورت سب سے اخیر درجہ کی طرف اترنا ہے جو عوام کے درجات میں سے ہے، اور تیسری قسم بھی وہی ہے یعنی تیسری قسم ایسے لوگ ہیں کہ صرف واجب کے ادا کردینے پر اکتفا کرتے ہیں نہ اس پر بڑھاتے ہیں نہ اس سے گھٹاتے ہیں اور یہ مرتبہ سب مرتبوں سے کم ہے اور عوام سب کے سب اسی پر کفایت کرتے ہیں اس وجہ سے کہ مال پر مائل اور بخیل ہوتے ہیں، اور آخرت کی محبت ان کو کم ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان یسئلکموها فیحفکم تبخلوا یعنی اگر تم سے مال مانگے اور مبالغہ کرے تو تم بخل کرو پس اس بندے میں جس سے اللہ تعالیٰ نے مال اور جان جنت کے عوض میں خرید لی ہو اور اس میں کہ جس پر بخل کے باعث مبالغہ نہ کیا جاتا ہو بہت فرق ہے، اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندوں کو اموال کے صرف کرنے کو حکم کیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ تھی جو اوپر مذکور ہوئی، دوسری وجہ صفت بخل سے پاک کرنے کی ہے اور یہ صفت مہلکات میں سے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں [4] ثلث مهلکات شح مطاع وهوی متبع واعجاب المرء بنفسه اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [5] ومن یوق شح نفسه فاولٰئک هم المفلحون، جلد دوم مہلکات میں ہم اس کے مہلک ہونے کی وجہ اور اس سے نجات کی صورت بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ بخل کی صفت اسی طرح دور ہوتی ہے کہ آدمی مال کے دے ڈالنے کا عادی ہو کیونکہ کسی چیز کی محبت جدا نہیں ہوتی جب تک کہ نفس کو اس کی مفارقت پر زور نہ دیا جاوے، یہاں تک کہ اس کے جدا ہونے کا خوگر ہو جاوے، اور اس وجہ کے اعتبار سے زکوٰۃ پاک کرنے والی یعنی زکوٰۃ دینے والے کو بخل کی ناپاکی سے جو مہلک ہے پاک کردینے

---

[1] اور دیوے مال اس کی محبت پر قرابت والوں کو اور یتیموں کو ۱۲ [2] اور ہمارے دینے میں سے خرچ کرتے ہیں ۱۲ [3] اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ۱۲

[4] اس کا ترجمہ اور اسناد باب اول کی دوسری فصل میں گذرا ۱۲ [5] اور بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ۱۲

ہے اور اس کا پاک کرنا اسی قدر ہوگا جس قدر آدمی کو دینے سے خوشی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنے سے راحت ہوگی، تیسری وجہ شکر نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بندہ پر خود اس میں اور اسکے مال میں دونوں میں ہے پس عباداتِ بدنی نعمتِ بدن کا شکر ہے اور مالی عبادت مال کا، اس صورت میں وہ شخص بڑا خسیس ہے جو فقیر کو دیکھے کہ اس پر روزی تنگ ہے اور اپنا محتاج ہو کر آیا ہے اور باوجود اسکے اسکا نفس گوارا نہ کرے کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ تجھ کو سوال سے غنی کیا اور دوسرے کو میرا دست نگر بنایا، اور چالیسواں حصہ خواہ دسواں نہ نکالے بلکہ اس نعمت کا شکرانہ ضرور چاہیئے۔

نخواہند بر در دیگراں بکشرانہ خواہند از در مراں

دُوسرا ادب ادا کے وقت میں ہے، اربابِ دین کے آداب میں سے ہے کہ وقتِ وجوب سے پیشتر ہی زکوٰۃ ادا کریں، تاکہ معلوم ہو جاوے کہ حکمِ خدا کی تعمیل کی رغبت رکھتے ہیں اور فقراء کے دلوں کو آسائش پہنچے اور زمانے کے مواقع سے برطرف رہیں کہ نہ معلوم خیرات میں کچھ ہرج نہ پڑ جاوے، اور یہ بھی وہ جانتے ہیں کہ تاخیر میں بہت سی آفتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ اگر وقت وجوب میں سے تاخیر ہو جاوے تو مبتلائے مصیبت ہونا پڑے گا، پس جب کہ باطن میں خیر کا باعث ظاہر ہو تو آدمی کو چاہیئے کہ اس کو غنیمت جانے کیونکہ یہ فرشتے کا اُتارا ہے، اور مومن کا دل خدائے تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے اس کو پلٹتے دیر نہیں لگتی، علاوہ ازیں شیطان مفلسی کا خوف دلاتا ہے اور فحش اور منکرات کا حکم کرتا ہے اور ہر فرشتے کے اُتارے پیچھے اس کا اُتارا دل پر ہوتا ہے تو سببِ خیر کے دل میں گذرنے کو غنیمت جانے۔ اور اگر اکٹھی زکوٰۃ دیا کرتا ہو تو ادا کرنے کے لیے کوئی خاص مہینہ مقرر کرے، اور اس باب میں کوشش کرنی چاہیئے کہ جو مہینہ مقرر کیا وہ زکوٰۃ دینے کے اوقات میں سے افضل وقت ہو تاکہ قربت بھی اس کے باعث زیادہ ہو اور زکوٰۃ بھی دو چند ہو جاوے، مثلاً ماہِ محرم میں دیوے کہ یہ سال کا شروع مہینہ ہے اور محترم مہینوں میں سے ہے، یا رمضان میں زکوٰۃ نکالے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں سب سے زیادہ سخاوت[1] کرتے تھے اور آندھی کی طرح ہوتے تھے کہ کوئی چیز گھر میں نہ چھوڑتے تھے، اور رمضان میں شبِ قدر کی بھی فضیلت ہے، اور قرآن اس میں نازل ہوا، اور مجاہدؒ کہا کرتے کہ رمضان مت کہو کہ یہ ایک نام خدائے تعالیٰ کا ہے، بلکہ شہرِ رمضان کہا کرو، اور ماہِ ذی الحجہ بھی بہت فضیلت رکھتا ہے محترم مہینوں میں سے ہے، اور اس میں حجِ اکبر ہوتا ہے اور ایامِ معلومات یعنی پہلا عشرہ اس میں ہے۔ اور ایامِ معدودات جو تشریق کے دن ہیں، وہ بھی اس میں ہیں، اور ماہِ رمضان کے دنوں میں سے بہتر پیچھے کے دس روز ہیں اور ماہ ذیحجہ کے دنوں میں سے اوّل کے دس روز **تیسرا ادب** زکوٰۃ کو پوشیدہ دینا ہے کہ نمود اور شہرت اور ریا سے دور رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں[2] فضل الصدقة جهد المقل الى فقير فى سر۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تین چیزیں خیرات کے خزانوں میں سے ہیں، ان میں سے ایک صدقہ کا پوشیدہ دینا ہے اور ایک حدیث[3] مسند میں بھی یہ مضمون مروی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] کہ بندہ کوئی کام خفیہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خفیہ میں ارقام فرماتا ہے، پھر اگر وہ اس کو ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خفیہ کے دفتر سے ظاہر میں نقل کر دیتا ہے اور اگر

ح[1] بخاری و مسلم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲ ح[2] بہتر صدقہ یہ ہے کہ مفلس اور کم مایہ محنت کر کے کسی فقیر کو خفیہ دیدیوے ۱۲ ابوداؤد و حاکم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲
ح[3] ابونعیم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲ بسند ضعیف ح[4] خطیب بروایت انس رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲

وہ شخص اس عمل کو کسی اور سے کہتا ہے تو خفیہ اور ظاہر دونوں کے دفتر میں سے اس کو دور کر کے ریا میں لکھ دیتا ہے، اور حدیث مشہور[ع] میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس روز سایہ میں رکھے گا جس روز کہ کوئی سایہ بجز اس کے عرش کے نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے کہ اس نے کوئی صدقہ دیا ہو اور اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے دیا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ صدقۃ السّر[ع] تطفئ غضب الرب اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔[ت]

وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم۔ اور پوشیدہ دینے کا فائدہ ریا اور شہرت کی آفت سے چھوٹنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ع] کہ خدائے تعالیٰ شہرت والے اور زبان کار اور منت رکھنے والے سے قبول نہیں فرماتا اور جو شخص اپنے صدقہ کو کہتا پھرتا ہے، وہ شہرت کا طالب ہے اور جو لوگوں کے مجمع میں دیتا ہے وہ ریا کا خواہاں ہے اور پوشیدہ دینا اور چپ رہنا ان دونوں آفتوں سے بچاؤ ہے، اور بعض اکابر نے پوشیدہ خیرات کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ اس باب میں کوشش کی کہ لینے والا دینے والے کو نہ پہچانے اس کے لیے بعض آدمی تو اندھے کے ہاتھ میں خیرات ڈال دیتے تھے اور بعض فقیر کے راستہ میں، اور اس کے بیٹھنے کی جگہ میں پھینک دیتے ہیں ایسی طرح کہ وہ چیز کو دیکھ لے اور دینے والے کو نہ دیکھے اور بعض سوتے ہوئے فقیر کے پلّے میں باندھ دیتے ہیں، اور بعض دوسرے شخص کے ہاتھوں فقیر کے پاس پہنچا دیتے کہ اس کو دینے والے کا حال نہ معلوم ہو اور درمیانی شخص اس کا حال پوشیدہ رکھتا تھا اور وہ درمیانی سے کہہ بھی دیتا تھا کہ ظاہر مت کرنا، اور یہ سب اس لیے تھا کہ خدائے تعالیٰ کے غصّہ کو بجھانے کا ذریعہ پیدا کریں، اور شہرت اور ریا سے بچے رہیں۔ اور جب ایسی صورت ہو کہ بدوں ایک شخص کے معلوم کیے خیرات کا دینا نہ ہو سکے تو بہتر ہے کہ وہ ایک وکیل کو سپرد کر دے کہ وہ مسکین کو حوالہ کرے اور اس کو خبر نہ ہو کہ کس نے دیا اس لیے کہ مسکین کے پہچاننے میں ریا اور احسان دونوں ہیں اور درمیانی کے جاننے میں صرف ریا ہی ہوگی دو باتیں تو نہ ہوں گی، اور جس صورت میں کہ دینے والے کو شہرت مقصود ہو تو اس کا عمل لغو ہو جاوے گا، کیونکہ زکوٰۃ بخل کے دور کرنے اور مال کی محبت کم کرنے کو ہے اور جاہ کی محبت بہ نسبت مال کی محبت کے نفس پر زیادہ چھاتی ہے۔ اور آخرت میں ان دونوں میں سے ہر ایک مہلک ہے، مگر بخل کی صفت قبر میں شکل گزندہ بچھو کے متمثل ہوگی اور ریا کی صفت سانپ کی سی ہوگی۔ اور آدمی کو ان دونوں چیزوں کے سست کرنے کا خواہ مار ڈالنے کا حکم ہے تاکہ ان کی اذیت بالکل نہ ہو یا کمتر ہو، پس جبکہ قصد ریا اور شہرت کا کرے گا تو گویا بچھو کے بعض اجزاء کو سانپ کی غذا بنا دے گا۔ تو ظاہر ہے کہ جس قدر بچھو کمزور ہوگا، اسی قدر سانپ زور آور ہوگا اس سے تو اگر ویسا ہی رہنے دیتا تو اس پر آسان ہوتا اور غرض ان صفات کی خواہش کے خلاف عمل کرنے سے ہے غرض کہ اس میں کیا فائدہ ہے کہ سبب بخل کے تو خلاف کرے اور سبب ریا کی اطاعت کرے، اس سے تو ادنیٰ چیز کمزور ہو جاوے گی، اور قوی کو اور زیادہ قوت ہوئی اور قریب ہے کہ جلد سوم مہلکات میں ان امور کے اسرار آویں گے چوتھا ادب یہ ہے کہ جہاں جانے کہ میرے ظاہر میں

ع بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ ۱۲ ع پوشیدہ دینا صدقہ کا اللہ تعالیٰ کے غصّہ کو فرد کرتا ہے ۱۲ طبرانی بروایت ابو امامہ ۱۲ ت اور اگر چھپاؤ خیرات اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو بہتر ہے ۱۲ ع اس کی اسناد ان الفاظ سے جو احیاء میں ہیں نہیں ملی ۱۲

زکوٰۃ دینے سے اور لوگوں کو ترغیب ہوگی اور میرا اتباع کریں گے، تو وہاں ظاہر دلیوے، اور اس صورت میں ریا سے آدمی کے بچنے کا طریق وہ ہے جس کو ہم نے باب الریاء میں علاج ریا کا ذکر کیا ہے اور ظاہر دینے کے باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ان تبدوا الصدقت فنعما ھی یہ اسی جگہ کے لیے ہے کہ حال مقتضی ظاہر دینے کا ہو یا دوسروں کی اقتداء کے لیے یا اس لیے کہ سائل نے مجمع میں سوال کیا ہے تو ریا کے ڈر کے مارے ظاہر میں تصدق کرنے کو چھوڑنا نہ چاہیئے، بلکہ خیرات کرنی چاہیئے اور اپنے باطن کو حتی الوسع ریا سے محفوظ رکھنا چاہیئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر دینے میں ایک اور خرابی بھی ہے سوائے احسان اور ایذاء کے، اور وہ فقیر کے پردہ کو پھاڑنا ہے کیونکہ اکثر سائل کو اس بات سے ایذا ہوتی ہے کہ کوئی اس کو محتاج کی صورت میں دیکھے، پس جب کہ خود اس نے اپنے پردہ کو خیال نہ کیا اور بظاہر سوال کیا تو یہ تیسری خرابی اس شخص کے حق میں ممنوع نہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فسق چھپا کر کرتا ہو کہ اس کا ظاہر کرنا اور سراغ لگانا اور رغبت کرنی ممنوع ہے مگر جو شخص خود فسق کو ظاہر کرے تو ایسے کہ فسق کو ظاہر کرنا اس کی سزا ہے مگر اس کا سبب وہ خود ہی ہے، اور اسی جیسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[2] من القی جلباب الحیاء فلا غیبۃ لہٗ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[3] وانفقوا مما رزقنٰھم سرا و علانیۃ اس آیت میں علانیہ دینے کے لیئے بھی ارشاد فرمایا، اس وجہ سے کہ اس میں اوروں کی ترغیب کا فائدہ ہے غرضکہ آدمی کو چاہیئے کہ ظاہر دینے میں جو فائدہ ہے اس کو اس خرابی سے جو اس میں لازم آتی ہے فکرِ دقیق سے سوچ لے، اس لیئے کہ یہ امر احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے سے اور کا اور ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات کچھ حالات میں بعض شخصوں کو ظاہر دینا ہی بہتر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص کہ فائدوں اور خرابیوں کو معلوم کرے، اور شہرت کی نظر سے قطع نظر کرے، اس کو ہر حال میں واضح ہو جاوے گا کہ بہتر اور الیق کون سی طرح کا دینا ہے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو من و اذیٰ سے باطل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[4] لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ۔ اور ان دونوں لفظوں کی حقیقت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعض کا یہ قول ہے کہ من کے یہ معنی ہیں کہ صدقہ کا ذکر کرے اور اذیٰ سے یہ مراد ہے کہ اس کو ظاہر کر کے دلیوے۔ اور سفیانؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص من کرتا ہے اس کا صدقہ بے کار ہو جاتا ہے۔ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ من کس طرح ہے، فرمایا کہ اس کو ذکر کرے اور لوگوں سے کہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ من سے مراد یہ ہے کہ صدقہ کے عوض میں فقیر سے خدمت لیوے، اور اذیٰ یہ ہے کہ اس کو فقیری کا ننگ دلاوے، اور کچھ کہتے ہیں کہ من یہ ہے کہ فقیر پر اپنے دینے کی جہت سے تکبر کرے، اور اذیٰ یہ ہے کہ اس کو زجر و توبیخ سوال پر کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ منت رکھنے والے کا صدقہ قبول نہیں فرماتا ہے، اور میرے نزدیک یہ ہے کہ من کی ایک جڑ اور بنا ہے جو دل کے احوال و صفات میں سے ہے، پھر اس سے زبان اور اعضاء پر احوال متفرع ہوتے ہیں، پس اصل اس کی یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمجھے کہ میں نے فقیر پر احسان اور انعام کیا، حالانکہ اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ فقیر نے مجھ پر احسان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حق

---

[1] اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے ۱۲ [2] جس نے شرم کا پردہ اُٹھا دیا ہو تو اس کی غیبت نہیں ۱۲ ابن حبان در ضعفا بروایت انسؓ ۱۲ [3] اور خرچ کیا ہمارے دیے میں سے چھپے اور کھلے ۱۲ [4] مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ستا کر ۱۲ [5] اس کی سند الفاظ احیاء کے ساتھ نہیں ملی ۱۲

مجھ سے وصول کر لیا جس سے میری طہارت اور دوزخ سے نجات ہوگی، اگر بالفرض وہ قبول نہ کرتا تو میرا گلا اس حق میں پھنسا رہتا تو زیبا یہ تھا کہ فقیر کا احسان اپنے اوپر خیال کرے کہ فقیر نے اپنا ہاتھ خدائے تعالیٰ کے حق کے وصول کرنے کے لیے اس کی طرف سے قائم مقام کر دیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ صدقہ بیشتر اس سے کہ سائل کے ہاتھوں میں پہنچے، خدائے تعالیٰ کے ہاتھوں میں پڑتا ہے تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حق دیتا ہوں، اور فقیر جو اس کو لیتا ہے وہ خدائے تعالیٰ سے اپنا رزق لیتا ہے، اگر پہلے یہ مال خدائے تعالیٰ کا ہو جاتا ہے پھر فقیر کو ملتا ہے۔ اگر بالفرض کسی شخص کا اس مالدار کے ذمہ قرض ہوتا اور قرض خواہ اس سے کہہ دیتا کہ یہ قرض میرے خادم یا غلام کو دے دینا اور اس خادم اور غلام کا خورد و نوش اس قرض خواہ کے ذمہ ہوتا تو اب یہ شخص اگر یہ خیال کرتا کہ میں اس غلام یا خادم پر احسان کرتا ہوں، اس کی حماقت اور جہالت تھی، کیونکہ اس پر احسان تو وہ کرتا ہے جو اس کے خورد و نوش کا کفیل ہے، یہ شخص تو اس کا وہ قرض ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ کسی محبوب چیز کے لینے کی جہت سے ہوا ہے۔ پس قرض کا ادا کرنا اپنے حق میں فائدہ[2] کرتا ہے نہ دوسرے پر احسان جتانا، اور جب وہ تین وجہیں جو ہم نے زکوٰۃ کے وجوب میں ذکر کی ہیں، آدمی معلوم کر لے یا ان میں سے ایک سمجھ لے تو پھر اپنے آپ کو دوسرے پر احسان کرنے والا نہ جانے گا، بلکہ یہی سمجھے گا کہ خود اپنے نفس پر احسان کرتا ہوں یعنی مال کو خواہ خدائے تعالیٰ کی محبت ظاہر کرنے کے لیے دیتا ہوں یا اپنے نفس کو بخل کی برائی سے پاک کرنے کے لیے یا مال کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے دیتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اور زیادہ دیوے۔ اور ان تینوں صورتوں میں اس کے اور فقیر کے درمیان میں کوئی معاملہ نہیں، تاکہ یہ سمجھے کہ میں فقیر پر احسان کرتا ہوں اور جب اس اصل سے جاہل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو فقیر پر محسن سمجھتا ہے تب اس کے ظاہر پر اس سے دو باتیں متفرع ہوتی ہیں جو من کے معنوں میں مذکور ہوئی ہیں یعنی صدقہ کا ذکر کرنا اور فقیر سے اس کا بدلہ چاہنا کہ شکر گذار اور دعاگو ہو اور خدمت اور تعظیم کرے۔ اور حقوق بجا لاوے اور مجلسوں میں آگے بٹھلاوے اور کاموں میں پیروی کرے، اور یہ سب امور منت کے ثمرے ہیں اور منت کے معنی باطن میں وہی ہیں جو ہم لکھ چکے ہیں، اور اذیٰ کے معنی ظاہر میں تو جھڑکی اور عیب لگانے اور درشت کلامی اور ترش روئی اور ظاہر دینے سے پردہ دری کے ہیں اور فقیر کے ساتھ یہ اقسام سب کے کاربند ہونے کے ہیں مگر باطن میں جو اس کا منشا ہے وہ دو باتیں ہیں، اول مال پر سے ہاتھ اٹھانے کو برا جاننا اور نفس پر اس کا سخت گذرنا کہ خلق کو یہ بہت دشوار ہوا کرتا ہے، دوم اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ میں فقیر سے بہتر ہوں یہ شخص اپنی حاجت کے سبب سے مجھ سے رتبہ میں کم ہے اور ان دونوں باتوں کا منشا جہالت ہے مثلاً مال کے دینے کو برا جاننا خالی از حماقت نہیں کیونکہ جو کوئی ہزار کے عوض میں ایک درم کے دینے کو برا جانے تو اس سے زیادہ احمق کون ہے اور ظاہر ہے کہ مال خدائے تعالیٰ کی رضاجوئی اور ثواب اخروی کے لیے یا بوجہ شکر کے ادا کرتا ہے، بہر حال ان میں سے کوئی بھی وجہ ہونا گوار معلوم ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اور دوسری بات بھی جہالت ہے اس لیے کہ اگر آدمی فقیری کا فضل توانگری کی نسبت کر معلوم کرے اور توانگروں کے خطر کو پہچانے تو کبھی فقیر کو حقیر نہ جانے، بلکہ

---

[1] دارقطنی بروایت ابن عباسؓ اور افراد اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲ع [2] قولہ فائدہ الخ اصل میں یہ مضمون ہے کہ یہ تو اپنے ادائے قرض کی کوشش کرتا ہے پھر وہ دوسرے پر احسان کیوں جتاتا ہے ۱۲ امیر علی

اس کے ذریعہ سے تبرک حاصل کرے اور اس کے رتبہ کی تمنا کرے، کیونکہ توانگروں میں سے نیک بخت آدمی فقیروں سے پانچ سو برس بعد جنت میں داخل ہوں گے، اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[ع] ھم الاخسرون ورب الکعبۃ حضرت ابوذر رضہ سے پوچھا کہ وہ کون ہیں، فرمایا کہ ھم الاکثرون اموالاً یعنی جن لوگوں کے پاس مال بہت ہے پھر فقیر کو کیسے حقیر جانتا ہے جس کے لیے خدائے تعالیٰ نے اس کو مسخر کر رکھا ہے یعنی مالدار اپنی کوشش سے مال کماتا ہے اور اس کو محنت کرکے بڑھاتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ فقیر کو بقدرِ حاجت دے ڈالے اور زائد حاجت سے اس کو نہ دے جس کے دینے سے اس کو ضرر ہو پس اس صورت میں مالدار فقیر کی روزی کے کمانے کے لیے کاروبار کرتا ہے اور فقیر سے اس بات میں جدا ہے کہ لوگوں کے حقوق اپنی گردن پر لیتا ہے اور مشقتیں بہت سی اٹھاتا ہے، ان زوائد کی حفاظت مرتے دم تک کرتا ہے یہاں تک کہ بعد کو اس کے دشمن اس مال کو کھاتے ہیں پس جب آدمی کے دل سے برائی دینے کی نکل جاوے اور برائی کے بدلے خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق واجب کے ادا کرنے کی دی اور فقیر کو بھیج دیا جس کو مال حوالہ کرکے اس کے حق سے ادا ہوا اور فقیر نے اس کو قبول بھی کر لیا، تو اس صورت میں اذیٰ اور جھڑکی اور ترشروئی کچھ بھی نہ رہے گی، بلکہ فقیر کو دے کر خوش ہوگا اور اس کی تعریف کرے گا اور اس کا احسان مانتے گا۔ اب اگر یہ کہو کہ منشا من اور اذیٰ کا تم نے یہ بتایا کہ آدمی اپنے آپ کو محسن خیال کرے اور یہ ایک باریک امر ہے اس کی کوئی پہچان بھی ہے جس سے معلوم ہو کہ دینے والے نے اپنے نفس کو محسن نہیں سمجھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اس کی علامت باریک اور صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ فرض کرے کہ اس فقیر نے اس کا کچھ نقصان کر دیا یا اس کے کسی دشمن سے جا ملا، پھر دیکھے کہ دینے سے پیشتر اگر ایسی صورت ہوتی اور طبیعت کو بری معلوم ہوتی اتنی ہی برائی اب بھی ہے یا کچھ زیادہ ہے، اگر زیادہ ہو تو صدقہ مذکور میں کچھ نہ کچھ میل منت کا ضرور ہے اس نے اس صدقہ کے سبب سے اس بات کی توقع کی جس کی توقع اس کو اس صدقہ سے پیشتر نہ تھی، اور یہ امر ایسا باریک ہے کہ کسی کا دل اس سے خالی نہیں ہوتا اور اس کا علاج ایک ظاہری ہے اور ایک باطنی، دوائے باطنی تو ان حقیقتوں کا معلوم کرنا ہے جس کو ہم نے وجوب کی وجہوں میں لکھا ہے، اور اس بات کو جاننا کہ فقیر ہم پر احسان کرتا ہے کہ ہماری خواہش کو قبول کرکے ہم کو پاک کرتا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ دینے والا ایسے فعل کرتا ہے جیسے کوئی ممنون شخص کیا کرتا ہے کیونکہ جو افعال اعضاء سے صادر ہوتے ہیں وہ جس طرح کے اخلاق کے ہوتے ہیں دل کو انھیں کا رنگ چڑھا دیتے ہیں، چنانچہ اس کے اسرار اس باب کے نصف اخیر میں مذکور ہوں گے، اور اس وجہ سے بعض اکابر صدقہ کو فقیر کے سامنے رکھ کر اپنے آپ کھڑے رہتے، اور فقیر سے التجا اس کے قبول کرنے کی کرتے، یہاں تک کہ خود اس کے سامنے سائلوں کی صورت بناتے اور فقیر کو اپنے پاس آنا اچھا نہ جانتے، بلکہ خود فقیر کے پاس جا کر دینے کو نہایت مناسب سمجھتے۔ اور بعض اکابر ہاتھ پر صدقہ رکھ کر فقیر کے سامنے ہتھیلی پھیلا دیتے تاکہ فقیر اس کو اٹھالے اور اوپر ہاتھ فقیر کا رہے اور حضرت عائشہ رضہ اور ام سلمہ رضہ جب کچھ خیرات کسی فقیر کے پاس بھیجتیں تو قاصد سے کہہ دیتیں کہ جو کچھ فقیر دعا کے کلمات کہے وہ یاد کر لینا، جب وہ آکر بیان کرتا تو وہی کلمات آپ بھی کہہ دیتیں اور فرماتیں کہ دعا کا بدلہ دعا اس لیے ہم نے کیا کہ ہمارا صدقہ بچا رہے، غرض کہ

[ع] وہی ہیں زیادہ نقصان والے قسم ہے رب کعبہ کی ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوذر رضہ ۱۲

اوّل کے لوگ فقیر سے دُعا کی توقع نہ رکھتے تھے اس لیے کہ دعا بھی ایک مکافات کا سا طور ہے، اور اگر کوئی اس کے لیے دعا کرتا تھا، اس کے بدلے میں ویسی ہی دُعا اس کے لیے خود کر دیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا ہی کیا ہے، پس ارباب دل اپنے دلوں کا علاج ایسے کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر کی رُو سے بجز ان اعمال کے جو تواضع اور ذلت پر دلالت کرتے ہیں اور فقیر کی طرف سے احسان کا ماننا ان سے معلوم ہوتا ہے اور کوئی علاج نہیں، اور باطن کے اعتبار سے ان امور کا جاننا جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں وہ تو عمل کی رو سے ہے اور یہ علم کی رو سے ہے اور دل کا علاج ایسی ہی تدبیر سے ہوتا ہے جو مرکب علم اور عمل دونوں سے ہو، اور زکوٰۃ میں من اور اذیٰ کے نہ ہونے کی شرط قائم مقام نماز کے اندر خشوع کرنے کے ہے، چنانچہ دونوں باتیں حدیث شریف سے ثابت ہیں، نماز کے باب میں ارشاد ہے [۱] لیس للمرء من صلوٰۃ الا ما عقل منہا۔ اور زکوٰۃ میں فرمایا [۲] لا یتقبل اللہ صدقۃ منان اور خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے [۳] لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ لیکن فقیہ کا فتویٰ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی اور آدمی اس سے بری الذمہ ہوا، گو اس میں یہ شرط مفقود ہو تو یہ دوسری بات ہے، ہم نے اس کی غرض کی طرف باب الصلوٰۃ میں اشارہ کیا ہے چھٹا ادب یہ ہے کہ اپنی دہش کو کم جانے، اس لیے کہ اگر بہت جانے گا تو عجب کرے گا، اور عجب مہلک چیزوں میں سے ہے اور اعمال کو باطل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [۴] ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا اور کہتے ہیں کہ طاعت جس قدر چھوٹی جانی جاوے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہو گی، اور معصیت کو جتنا بڑا جانو، خدائے تعالیٰ کے نزدیک چھوٹی ہو گی۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ خیرات کرنی بدوں تین چیزوں کے پوری نہیں ہوتی، اوّل اس کو چھوٹا جاننا، دوم جلد ادا کرنا، سوم چھپا کر دینا اور خیرات کو بڑا جاننا من اور اذیٰ کے سوا تیسری بات ہے اس لیے کہ اگر بالفرض اپنے مال کو مسجد یا سرائے کے بنانے میں صرف کرے تو ممکن ہے، کہ اس کو زیادہ اور بڑا سمجھے مگر اس صورت میں من اور اذیٰ ممکن نہیں بلکہ عجب اور بڑا جاننا سب عبادتوں میں چلتا ہے اور اس کی دوا علم اور عمل دونوں ہیں، علم تو اس طرح کہ یہ جانے کہ دسواں یا چالیسواں حصہ سب میں سے کم ہے۔ اور جو دو تین درجے خیرات کریں گے جن کو ہم وجوب زکوٰۃ کی وجہوں میں لکھ آئے ہیں، ان میں سے یہ بہت خسیس درجہ ہے، پس مناسب یہ ہے کہ اس خسیس درجہ پر قناعت کرنے سے حیا کرے نہ یہ کہ اپنی خیرات کو بڑا جانے، اور اگر اوپر کے درجہ میں ترقی کر جاوے یعنی اپنا کل مال یا اکثر خدا کی راہ میں دے ڈالے تو ایسے شخص کو سوچنا چاہیئے کہ مال میرے پاس کہاں سے آیا، اور کس چیز میں اسے صرف کرتا ہوں، کیونکہ مال تو خدائے تعالیٰ کا ہے اور اس کا احسان ہے کہ بندہ کو وہ مال دیا، پھر توفیق اس کے خرچ کرنے کی دی تو خدائے تعالیٰ کے حق میں اکثر دے کر بڑا جاننا نہ چاہیئے کہ وہ تو عین اسی کا ہے۔ اور اگر مال کو اس نظر سے دیا کہ ثواب آخرت لے، تو جس کے بدلہ میں بہت سے دوگنے چوگنے پاوے گا اس کو بڑا کیوں جانتا ہے اور عمل یہ ہے کہ صدقہ کو شرمندہ

---

[۱] آدمی کے واسطے نماز میں بہرہ نہیں بجز اس مقدار کے کہ سمجھے ۱۲ اس کی سند اسرار نماز کی فصل سوم میں گذری ۱۲ [۲] خدائے تعالیٰ احسان رکھنے والے کی خیرات قبول نہیں کرتا اس کی سند اوپر گذری ۱۲ [۳] مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ستا کر ۱۲ [۴] اور حنین کے دن جب اترائے تم اپنی بہتات پر، پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے ۱۲

ہو کر دیوے کہ بقیہ مال کو روک رکھا اور خدائے تعالیٰ کی چیز کو اس کی راہ میں اپنے سے بخل کیا، اور انکسار اور خجالت اسی صورت پر ہو جیسے کسی کے پاس کوئی امانت رکھ جاوے اور وہ شخص اس کے واپس دینے کے وقت کچھ تو پھیر دے اور کچھ اپنے پاس رہنے دے کیونکہ مال سب کا سب خدائے تعالیٰ کا ہے اور سب کا دے ڈالنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور سب کے دینے کا اس لیے بندہ کو حکم نہیں کیا کہ اس کے بخل کے باعث اس پر دشوار گذرتا، چنانچہ خود فرمایا فیحفکم تبخلوا - یعنی اگر مبالغہ کرے اور حکم دے کہ سب مال کو خرچ کر ڈالو تو تم بخل کرو اور رضا اور خوشی سے نہ دو ساتواں ادب یہ ہے کہ اپنے مال میں صدقہ کے لیے بہت عمدہ اور پاکیزہ اور جو اس کو زیادہ پسند ہو چھانٹے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی مال کو قبول کرتا ہے۔ اور جب مال صدقہ شبہہ کا ہوگا تو عجب نہیں کہ وہ اس کی ملک ہی نہ ہو تو اپنے موقع پر نہ ہوگا، اور ابان حضرت انسؓ سے راوی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشی ہے اس کو جو اپنے اس مال میں سے دیوے جس کو بدوں مصیبت کمایا ہو اور اگر مال صدقہ عمدہ سے نہ ہوگا تو یہ بھی بے ادبی ہے کہ اپنے یا اپنے گھر والوں اور خادم کے لیے تو اچھا رکھے اور خدائے تعالیٰ پر اوروں کو ترجیح دے۔ اگر بالفرض اپنے مہمان سے کوئی اسی طرح پیش آوے کہ خراب کھانا اس کے سامنے رکھ دے تو ظاہر ہے کہ مہمان اس کا دشمن ہو جاوے گا، اور یہ وہ صورت ہے کہ آدمی صدقہ دینے میں خدائے تعالیٰ کا خیال کرے اور جس صورت میں کہ اپنے نفس کے لیے اور ثواب اخروی کے لحاظ سے دیوے تب تو صاف بات ہے کہ کوئی عاقل دوسرے کو اپنے نفس پر ترجیح نہیں دیتا اور اس کا مال اسی قدر ہوگا جتنا کہ دے دے اور باقی رکھے یا کھا کر فنا کر دے، اور جس مال کو کھاتا ہے اس میں سردست کی ادائے حاجت ہے اور یہ عقل کی بات نہیں کہ سردست پر تو نگاہ رکھے اور ذخیرے کا دھیان نہ کرے ازیں جہت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باٰخذیه الا ان تغمضوا فیه ۖ یعنی ایسی چیز مت دو جس کو تم بدوں کراہت اور حیا کے نہ لو، اور یہی معنی اغماض کے ہیں غرض کہ ایسی چیز کو اپنے پروردگار کے لیے اختیار نہ کرو، اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک درم لاکھ درموں پر سبقت لے جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس درم کو اپنے نہایت عمدہ اور اچھے مال میں سے نکالتا ہے اس لیے یہ صدقہ رضامندی اور خوشی سے دیا جاتا ہے اور کبھی ایک لاکھ درہم ایسے مال میں سے دے دیتا ہے جس کو خود بُرا جانتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو محبوب جانتا ہے اس سے خدائے تعالیٰ کو ترجیح نہیں دیتا، اور اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے مذمت فرمائی جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز ٹھہرا دیں جس کو مکروہ جانتے ہو، چنانچہ فرمایا یجعلون للہ ما یکرھون وتصف السنتھم الکذب ان لھم الحسنیٰ لاجرم ان لھم النار ط اس آیت میں بعض قاریوں نے لا پر وقف کیا ہے ان لوگوں کی تکذیب کے لیے اور جرم سے جدا جملہ شروع کیا ہے، جرم کے معنی کسب کے ہیں، یعنی ان کی اس

ابن عدی و بزار بسند ضعیف ۱۲ ۔ اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیز جو اپنی کمائی میں سے اور جو ہم نے نکال دیا تم کو زمین میں سے اور نیت نہ رکھو، گندی چیز پر کہ خرچ کرو اور تم آپ وہ نہ لو گے مگر جو آنکھیں بند کر لو ۱۲ ۔ نسائی وحاکم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ۔ اور کرتے ہیں اللہ کا جو اپنا جی نہ چاہے اور بناتے ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کو خوبی ہے آپ ہی ثابت ہوا کہ ان کو آگ ہے ۱۲

حرکت نے کہ خدا کے لیے بکر وہ چیزوں کو ٹھہراتے ہیں ان کیلیے آگ کما دی **آٹھواں ادب** یہ ہے کہ اپنے صدقہ کے لیے ایسے لوگ ڈھونڈھے ہیں جن سے صدقہ کو رتبہ اور طہارت ہو جاوے یہ نہیں کہ آٹھوں قسموں میں جیسا ہو اس کو پہنچا دینا چاہیئے، بلکہ ان اشخاص میں چھ صفتوں کا لحاظ کرے، جس میں وہ صفات پاوے اس کو صدقہ دیوے۔ اوّل صفت یہ ہے، ایسے لوگ تلاش کرے جو پرہیزگار اور دنیا سے روگرداں، اور صرف آخرت کی تجارت میں مشغول ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ع] لا تاکل الا طعام تقی ولا یاکل طعامک الا تقی ۵ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پرہیزگار آدمی کھانے سے تقویٰ پر مدد لے گا۔ تو کھلانے والا اس کی طاعت میں اس کا شریک ہوگا، اس جہت سے کہ طاعت پر اس کی مدد کی، اور فرمایا کہ[ع] اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ، اور سلوک جو کچھ کرو ایمانداروں پر کرو، اور ایک روایت میں یوں ہے[ع] کہ اپنے کھانے کے لیے اس شخص کی ضیافت کرو جس سے تم کو محبت فی اللہ ہو، اور بعض علماء اپنا مال فقرائے صوفیہ کے سوا اور کسی کو نہ دیتے تھے، ان سے کسی نے کہا کہ اگر آپ یہ مال سب فقیروں کو دیا کریں تو اس سے بہتر ہو کہ ایک فرقہ خاص کو دیتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ نہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی ہمت خدائے تعالیٰ کے لیے ہے جب ان کو فاقہ ہوتا ہے تو ان کی ہمت پریشان ہو جاتی ہے، پس اگر ایک شخص کو میں صدقہ دے کر اس کی ہمت خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ ایک ہزار شخصوں کو دوں جن کی ہمت دنیا کی طرف ہو، پس یہ کلام حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے کسی نے نقل کیا، آپ نے اس کو مستحسن فرمایا اور ارشاد کیا کہ وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے اور میں نے بہت مدت سے اس سے بہتر کلام نہیں سُنا، پھر کہتے ہیں کہ ان بزرگ کے حال میں خلل آ گیا، اور قصد کیا کہ دوکان چھوڑ دیں، حضرت جنیدؒ نے ان کے پاس کچھ مال بھیج دیا اور فرمایا کہ اس سے اسباب خرید لو اور دوکان مت چھوڑو کہ تم جیسے آدمی کو تجارت مضر نہیں، یہ شخص بقال تھے مفلس جوان سے سودا خریدتے، ان سے دام نہیں لیا کرتے تھے دوم صفت یہ ہے کہ جس کو دے وہ خاص اہل علم میں سے ہو کہ اس کو دینے سے علم پر مدد کرنا ہوگا، اور علم بہت عبادتوں سے افضل ہے بشرطیکہ اس میں نیت درست ہو، حضرت ابن مبارک اپنا صدقہ خاص اہل علم کو دیا کرتے، کسی نے ان سے کہا کہ خوب ہو، اگر آپ خیرات کو عام کر دیں، آپ نے فرمایا کہ میں نبوت کے درجہ کے بعد کوئی درجہ علماء کے درجہ سے افضل نہیں جانتا، پس جب عالم کا دل اپنی کسی حالت میں مشغول ہوگا تو وہ علم کے لیے مہلت نہ پاوے گا نہ سیکھنے پر متوجہ ہوگا، اس لیے اس کو دنیا گویا علم کے لیے انکو فرصت نکال دیتی ہے، سوم صفت یہ ہے کہ وہ شخص اپنے تقویٰ میں سچا ہو اور علم توحید میں پکا، اور توحید اس طرح ہے کہ جب کسی سے مال لیوے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرے، اور جانے کہ یہ نعمت اسی کی طرف سے ہے، درمیانی شخص کا لحاظ نہ کرے، اور بندوں کا شکر خدائے تعالیٰ کی جناب میں یہی ہے کہ تمام نعمت کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے، اور لقمان نے اپنے لڑکے کو وصیت کی اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان میں دوسرے کو نعمت دینے والا مت ٹھہرانا اور دوسرے کی نعمت کو اپنے اوپر قرض شمار کرنا۔ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کے سوا دوسرے کا شکر ادا کرتا ہے تو اس نے

ع مت کھا بجز پرہیزگار کے کھانے کے اور نہ کھاوے تیرا کھانا کوئی سوا پرہیزگار کے ابوداؤد ترمذی مگر ان میں اوّل جملہ کی جگہ لا تصحب الا مومناً ہے ۱۲

ع ابن مبارک بروایت ابوسعید خدری اور کہا ہے کہ حدیث غریب ہے ۱۲ ع ابن مبارک از ضحاک مرسلاً ۱۲

گویا منعم کو پہچانا ہی نہیں، اور اس بات کا یقین نہیں کیا کہ درمیانی آدمی مغلوب اور اس کی تسخیر میں مسخر ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ہی نے اس پر دواعی کے لوازم مسلط کیے اور اسباب دینے کے مہیا کر دیے تب اس نے دیا، پس وہ دینے کے لیے مجبور ہے، اگر وہ چاہتا کہ نہ دیوے تو اس سے نہ ہو سکتا اس لیے کہ پیشتر خدائے تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈال دیا ہے کہ تیری دین و دنیا کی بہتری دینے میں ہے تو جب باعث قوی ہوتا ہے جب ہی ارادے میں پختگی آتی ہے اور قدرت ابھرتی ہے اس وقت بندے سے اس باعث قوی کی مخالفت بن نہیں پڑتی جس میں کچھ تردد نہیں ہوتا، اور باعثوں کا پیدا کرنے والا خدائے تعالیٰ ہے اور وہی ان کو قوت و زور دیتا ہے اور ان کے ضعف و تردد کو دور کرتا ہے اور ان کی خواہش کے مطابق قدرت کو ابھارتا ہے، پس جو شخص اس امر پر یقین کرے گا اس کی نظر بجز مسبب الاسباب کے اور طرف نہ ہوگی، اور اس جیسے بندے کا یقین دینے والے کے حق میں دوسروں کی تعریف اور شکر سے زیادہ مفید ہے اس لیے کہ وہ تو ایک زبان کی حرکت ہے اکثر اس کا نفع کم ہی ہوتا ہے، اور اس جیسے موحد کی اعانت بیکار نہیں جاتی۔ علاوہ ازیں جو شخص دینے کے باعث تعریف کرتا ہے اور دعائے خیر مانگتا ہے وہ نہ دینے کے سبب سے برائی بھی کرے گا اور بد دعا منہ سے نکالے گا، اس کا حال ایک سا نہیں رہے گا، اور مروی ہے[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فقیر کے پاس کچھ صدقہ بھیجا اور قاصد سے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ وہ کہے اسے یاد کر لینا، اس فقیر نے مال لے کر کہا کہ خدا کا شکر ہے جو اپنے ذکر کرنے والے کو نہیں بھولتا اور اپنے شکر کرنے والے کو تلف نہ کرے[2] پھر کہا کہ الٰہی اگر تو نے مجھ کو فراموش نہیں کیا تو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کر دے کہ تجھ کو نہ بھولیں، قاصد نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ اس کلام سے خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ یہی کہے گا تو اس فقیر کے حال کو دیکھو کہ اپنے التفات کو کیسا صرف خدائے تعالیٰ پر منحصر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا[3] کہ توبہ کر، اس نے کہا کہ میں صرف خدائے تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ اس نے حقدار کا حق جان لیا اور جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہتان سے براءت اتری[4] تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کھڑی ہو، اور سر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دو[5]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بخدا میں یہ نہ کروں گی اور نہ بجز خدا کے اور کسی کا شکر کروں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو جانے دو کچھ مت کہو، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دیا۔ الحمد للہ لا بحمدك ولا بحمد صاحبك اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا باوجودیکہ براءت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچا تھا اور چیزوں کو خدائے تعالیٰ کے سوا اور کی طرف سے جاننا کافروں کا وصف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[6] واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون اور جس شخص کا باطن درمیانی واسطوں

---

[1] اس حدیث کا مجھ کو پتہ نہیں ملا صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی ضعیف روایت میں یہ مضمون آیا ہے۔ [2] طبرانی بروایت اسود بن سریع بسند ضعیف۔ [3] ابوداؤد بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اس میں یہ ہے کہ میرے ماں باپ دونوں نے کہا کہ کھڑی ہو۔ [4] یعنی خدا تعالیٰ کا شکر ہے اس میں تمہارے ساتھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ منت نہیں۔ [5] طبرانی بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ [6] اور جب نام لیجیے اللہ کا اکیلا رک جاویں دل ان کے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب نام لیجیے اس کے سوا اوروں کا تب ہی وہ خوشیاں کرنے لگیں۔

کی طرف التفات کرنے سے صاف نہیں، اور درمیانی کو صرف واسطہ نہیں سمجھتا تو اس کا دل گویا کہ شرک خفی سے علیحدہ نہیں ہوا، اس کو چاہیئے کہ اللہ جل شانہٗ سے خوف کرے اور اپنی توحید کو شرک کی کدورتوں اور شبہوں سے صاف کرے۔ صفت چہارم یہ کہ وہ شخص مستور الحال ہو اور اپنی حاجت کو چھپاتا ہو شکایت و درد بہت نہ بیان کرتا ہو، یا یہ کہ صاحب مروت ہو جس کی نعمت جاتی رہی ہو اور عادت باقی رہ گئی ہو اور زندگی وضع کے نباہنے کے ساتھ کرتا ہو اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لایسئلون الناس الحافا یعنی سوال میں مبالغہ نہیں کرتے، اس وجہ سے کہ وہ لوگ اپنے یقین سے غنی ہیں اور صبر کے باعث عزت دار اور اس قسم کے لوگوں کی تلاش دینداروں کی معرفت ہر محلہ میں کانی چاہیئے، اور خیرات کرنے والوں کو وضعدار لوگوں کے باطن کا حال دریافت کرنا چاہیئے اس لیے کہ صدقہ کا ان لوگوں پر خرچ کرنا ان لوگوں کو دینے کی نسبت کہ جو علانیہ سوال کرتے ہیں، کئی گنا ثواب زیادہ رکھتا ہے۔ صفت پنجم یہ کہ وہ شخص صاحب عیال یا مرض میں گرفتار یا اور کسی سبب میں مبتلا ہو۔ اور اس کی مصداق یہ آیت ہے[۲] للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الارض یعنی جو لوگ طریق آخرت میں بسبب عیال کے یا تنگی روزی کے یا دل کی اصلاح کے گھر گئے ہوں کہ زمین میں جانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، اس وجہ سے کہ ان اسباب سے ان کے بازو ٹوٹے ہوئے اور ہاتھ پاؤں رُکے ہوئے ہوں۔ حضرت عمرؓ ایک گھر کے لوگوں کو ایک گلہ بکریوں وغیرہ کا دس یا اس سے زیادہ دیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عطا[۳] عیال کے موافق عنایت فرمایا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ جہد البلا یعنی حالت شاقہ سے کیا غرض ہے آپ نے فرمایا کہ عیال کی کثرت اور مال کی قلت۔ صفت ششم یہ ہے کہ وہ شخص قریبوں اور ذوی الارحام میں سے ہو کہ اس کے دینے میں صدقہ بھی ہوگا اور صلہ رحم بھی ہوگا، اور صلہ رحم میں جس قدر ثواب ہے وہ ظاہر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں ایک درم سے اپنے کسی بھائی کا صلہ رحم کروں تو میرے نزدیک بیس درم خیرات سے بہتر ہے اور بیس درم سے کروں تو سو درم خیرات سے مجھ کو زیادہ پسند ہے، اور اگر سو درم سے کروں تو میرے نزدیک ایک بردہ آزاد کرنے سے اچھا ہے اور جان کار شخصوں میں سے دوستوں اور اہل خیر کو مقدم دینا چاہیئے جیسے بیگانوں کی نسبت کر رشتہ دار مقدم ہیں۔ پس ان دقائق کا لحاظ رکھنا چاہیئے، غرض کہ صفات مطلوبہ یہی ہیں اور ان میں سے ہر صفت میں بہت سے درجے ہیں پس چاہیئے کہ سب سے اعلیٰ درجہ والے کی تلاش کرے اور اگر کوئی شخص ایسا مل جاوے جس میں ان صفات میں سے کئی ہوں تو بڑی دولت اور عمدہ نعمت ہے اور جس صورت میں کہ آدمی طلب اور تلاش میں محنت کرے اور مقصود کو حاصل کرے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا، اور اگر خطا ہو جاوے گی تب بھی ایک ثواب کہیں نہیں گیا اس لیے دو ثواب کی صورت یہ ہے کہ ایک بات تو سر دست حاصل ہوتی ہے یعنی نفس کو بخل کی صفت سے پاک کرنا اور دل میں محبت الٰہی

---

[۱] سمجھے ان کو غیر لوگ محفوظ ان کے نہ مانگنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے، نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر ۱۲ [۲] ان محتاجوں کے لیے جو لگ رہے ہیں اللہ کی راہ میں، چل پھر نہیں سکتے ملک میں ۱۲ [۳] ان لفظوں سے جو احیاء میں ہیں، ان کا پتہ نہیں ملا۔ مگر ابوداؤد نے بروایت عوف بن مالک روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنیمت آتی تو دو حصے شہریوں کو دیتے اور ایک حصہ جنگل والوں کو ۱۲

کا پختہ ہونا اور اس کی طاعت میں کوشش کرنی، اور دوسری بات انجام کو ہوتی ہے کہ لینے والا اس کے حق میں دعا اور ہمت کرے، کیونکہ نیک بختوں کے دلوں کے آثار سردست اور انجام کو ظاہر ہوا کرتے ہیں پس اگر زکوٰۃ دینے والوں کو عمدہ شخص ہاتھ لگ گیا اور اس کی کوشش پر ثواب ہوئی، تب تو دونوں باتیں حاصل ہوں گی، اور اگر کوشش خطا کر گئی تو اول بات حاصل ہو گی یعنی نفس کی طہارت بخل سے اور محبتِ الٰہی کی تائید ہو جاوے گی جن پر مدارِ شوق اللہ تعالیٰ کی لقا کا ہے اور دوسری بات حاصل نہ ہو گی۔ ہمت و دعا کا جو فائدہ مقصود تھا وہ حاصل نہ ہو گا، پس ثواب کی صورت دونا اجر ملنے سے یہاں اور دوسرے مقاموں میں یہی غرض ہے واللہ اعلم۔

تیسری فصل مستحقین زکوٰۃ، ان کا حق اور اسباب و آداب

استحقاق کی بحث

جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ کا مستحق وہی شخص ہے جو مسلمان اور آزاد ہو اور ہاشمی اور مطلبی نہ ہو، اور اس میں ایک صفت آٹھ صفتوں میں سے ہو، جو قرآن مجید میں مذکور ہیں آیت انما الصدقات اور زکوٰۃ کافر کو، اور غلام کو اور ہاشمی اور مطلبی کو نہ دینی چاہیئے مگر لڑکے اور دیوانہ کا ولی اگر ان کی طرف سے زکوٰۃ بے توان کو دینا درست ہے، اب آٹھوں قسموں کو جدا جدا یاد کر لینا چاہیئے پہلی قسم۔ فقیر ہیں اور فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو اور نہ کمانے پر قادر ہو۔ پس جس شخص کے پاس ایک روز کی غذا اور لباس ہو وہ فقیر نہیں بلکہ مسکین ہے اور اگر اس کے پاس آدھے دن کی غذا ہو تو وہ فقیر ہے، اور اگر قمیص تو رکھتا ہے مگر رومال اور موزہ اور پاجامہ نہ رکھتا ہو، اور قمیص کی اتنی قیمت نہیں ہے کہ اس سے سب چیزیں فقراء کے حال کے موافق لی جا سکیں تب بھی وہ فقیر ہے کیونکہ سردست اس کے پاس وہ اشیاء نہیں جن کی اس کو حاجت ہے اور ان کے حاصل کرنے سے عاجز ہے، غرض کہ فقیر میں اس بات کی قید لگانی ضرور نہیں کہ اس کے پاس سوائے مقدار ستر عورت کے لباس کے نہ ہو کیونکہ یہ قید مبالغہ ہے اور غالباً ایسا شخص نایاب بھی ہوا اور جس شخص کو عادت سوال کرنے کی ہو تو اس سے وہ زمرۂ فقراء سے خارج نہ ہو گا اس لیے کہ سوال کرنا کوئی کمائی کا پیشہ نہیں، ہاں جس صورت پر کمانے پر قادر ہو تو فقیری سے خارج ہو جاوے گا، پس اگر اوزار دل سے کمانے پر قادر ہو تو فقیر ہے ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ کے مال میں سے اوزار خرید دینے درست ہیں اور اگر ایسے پیشے پر قادر ہو جو اس کی مروت اور شان کے لائق نہ ہو تب بھی فقیر ہی متصور ہو گا، اور اگر وہ شخص فقیہ ہو اور کوئی پیشہ اس کو مانع فقہ سیکھنے کا ہو تو وہ بھی فقیر ہے اور اس کا قادر ہونا معتبر نہیں۔ اور اگر وہ شخص عابد ہو اور پیشہ کرنے سے عبادات اور وظیفوں معمولی کا حرج ہوتا ہو تو اس کو پیشہ کرنا چاہیئے اس لیے کہ صدقہ کی نسبت کر

ف کوشش کرنی الخ اس کے آگے اصل میں یہ جملہ ہے اور یہی صفات دلیل مضبوط ہو کر اس کو لقائے الٰہی عزوجل کی جانب مشتاق کرتے ہیں ۱۲ امیر علی

پیشہ کرنا بہتر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[۱] طلب الحلال فریضۃ بعد الایمان اس سے مقصود یہی ہے کہ کمانے میں کوشش کرنی چاہیے، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ شبہ کے ساتھ کمانا مانگنے سے بہتر ہے اور اگر اس کے پاس اس جہت سے خرچ نہ بچتا ہو کہ اپنے ماں باپ پر یا اس شخص پر نفقہ کرتا ہو جس کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے تو یہ کسب کی نسبت کر آسان ہے اس کو فقیر نہ کہیں گے۔ دوسری قسم مسکین ہیں مسکین اس کو کہتے ہیں جس کی آمدنی خرچ کو کافی نہ ہوتی ہو، تو ہو سکتا ہے کہ ہزار درم کا مالک ہو اور مسکین ہو، اور بعض اوقات کلہاڑی اور رسی کے سوا اور کچھ نہ رکھتا ہو، اور مسکین نہ ہو، اور مکان مختصر رہنے کا اور کپڑے اپنے حال کے مناسب رکھنے سے مسکینوں کے زمرہ سے خارج نہ ہوگا۔ اسی طرح اسباب خانہ داری، یعنی ان چیزوں کا ہونا جن کی حاجت ہوتی ہے مسکین ہونے سے خارج نہیں کرتا بشرطیکہ اس کے حال کے موافق اشیا ہوں۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں کا مالک ہونا مانع مسکینی نہیں، اور جس صورت میں کہ بجز کتابوں کے اور کسی چیز کا مالک نہ ہو تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں، اور کتابوں کا حال مثل کپڑوں اور گھر کی ضروری چیزوں کے ہے کہ ان کی بھی حاجت ہوتی ہے مگر کتاب کی حاجت کو سمجھنے میں احتیاط کرنی چاہیے اور جان لینا چاہیے کہ کتاب کی حاجت تین غرضوں کے لیے ہوتی ہے ایک پڑھانا دوسرے پڑھنا، تیسرے مطالعہ کرنا، اور سیر کی حاجت کا اعتبار نہیں مثلاً اشعار اور تاریخ اور اخبار کی کتابوں کا جمع کرنا یا اسی طرح کی کتابیں جو آخرت میں مفید نہ ہوں اور نہ دنیا میں کارآمد بجز سیر اور دل لگی کی ہوں تو اس قسم کی کتابیں کفارہ اور صدقہ فطر میں بیچ ڈالی جاویں، اور مسکین ہونے کو ایسی کتابیں مانع ہیں، اور پڑھانے کی حاجت اگر اس طرح ہو کہ اجرت پر پڑھاتا ہو جیسے معلم اور مؤدب اور مدرس ہوتے ہیں تو ان کے حق میں کتابیں مثل اوزاروں کے ہیں جیسے درزی وغیرہ پیشہ وروں کے آلات ہیں تو صدقہ فطر میں بیچنا نہ چاہیے، اور اگر فرض کفایہ کی بجاآوری کے لیے تعلیم دیتا ہو تب بھی نہ بیچی جاویں۔ اور اس صورت میں کتابوں کے ہونے سے مسکینیت اس پر سے دور نہ ہوگی کیونکہ تعلیم ایک حاجت ضروری ہے اور پڑھنے اور استفادہ کی حاجت مثلاً طب کی کتابیں اس غرض سے مہیا کرنی کہ اپنے آپ کا علاج کرے یا وعظ کی کتاب اس نظر سے رکھنی کہ ان میں مطالعہ کر کے نصیحت پذیر ہووے تو اس صورت میں اگر شہر میں کوئی طبیب اور واعظ ہو تب تو اس شخص کو ان کتابوں کی حاجت نہیں، اور اگر نہ ہو تب البتہ حاجت کی چیز ہے، اور مطالعہ کی کتاب میں یہ لحاظ رہے کہ ایسی کتاب نہ ہو جس کے مطالعہ کی برسوں تک حاجت نہ ہو بلکہ اس کی مدت قریب بقیاس یہ ہے کہ برس روز میں کبھی نہ کبھی اس کے مطالعہ کی نوبت آتی ہو، اور اگر ایسی کتاب ہو کہ برس کے اندر اس کی حاجت نہ پڑتی ہو تو اس کو زائد از حاجت جاننا چاہیے اس لیے کہ جس شخص کے پاس ایک روز کی غذا سے زیادہ بچتا ہے اس پر صدقہ فطر لازم آتا ہے۔ تو جب صدقہ فطر کے لیے ایک روز فرض کیا گیا ہے تو اسباب خانہ داری اور بدن کے کپڑوں کے لیے برس روز کا معین ہونا چاہیے، اور اسی نظر سے گرمی کے کپڑے جاڑوں میں نہیں پہنے جاتے، اور چونکہ کتابیں کپڑوں اور لوازم خانہ داری کے زیادہ مشابہ ہیں اسی لیے ان کے مطالعہ کے لیے بھی برس روز مقرر ہونا بہتر ہے، اور بعض اوقات ایک کتاب کے دو نسخے ہوتے ہیں تو اس وقت ایک کو زائد از حاجت

---

[۱] حلال کا طلب کرنا فرض ہے ایمان کے بعد رواہ بیہقی بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲

جاننا چاہیئے، اور اگر مالک کہے کہ ان میں سے ایک صحیح زیادہ ہے اور دوسرا خوبصورت زیادہ، اس لیے مجھے دونوں کی ضرورت ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ صحیح تر کو رہنے دو، اور خوبصورت کو بیچ دو، اور دید بازی اور رفاہیت طلبی سے ہاتھ اُٹھاؤ، اور ایک علم کی دو کتابیں ہوں، ایک بڑی ہو ایک مختصر تو اگر اس کا مقصود استفادہ ہو تو بڑی کو رہنے دو، اور اگر پڑھانے کی نیت ہو تو دونوں کی حاجت اس کو ہے اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک میں وہ فائدہ ہے جو دوسری میں نہیں، اور اسی طرح کی صورتیں بیشمار ہیں اور علم فقہ میں ان سے بحث نہیں کی جاتی، ہم نے ان کو اس لیے لکھا ہے کہ لوگ اس میں بہت مبتلا ہیں، اور دوسری وجہ یہ کہ اس کا لحاظ کتابوں کے سوا اور چیزوں میں بھی کریں کیونکہ سب کا لکھنا تو ممکن نہیں کہ ہر ایک چیز میں یہ نظر ہو سکتی ہے مثلاً اثاث البیت کی مقدار اور قسم کو دیکھیں، اور بدن کے کپڑوں پر غور کریں، اور گھر کی تنگی اور فراخی میں تامل کریں اور ان چیزوں کی کوئی حد معین نہیں، بلکہ فقیہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتا جاوے اور حد مقرر کرنے میں جو تخمین مناسب جانتا ہے اس کو مقرر کرتا ہے اور شبہات کے خطرے میں داخل ہوتا ہے اور پرہیزگار آدمی اس بات میں زیادہ محتاط کو اختیار کرتا ہے اور شک کی چیز کو چھوڑ کر بے کھٹکے بات عمل میں لاتا ہے، اور بیچ کے درجے جو اطراف متقابل اوصاف کے درمیان ہیں وہ بہت ہیں اور ان کا جائز ہونا یا ناجائز ہونا مشتبہ ہے اور ان سے بجز احتیاط کے اور کوئی صورت بچاؤ کی نہیں۔ تیسری قسم عامل ہیں یعنی قاضی و بادشاہ کے سوا جو عامل زکوٰۃ وصول کرتے ہیں وہ اس قسم میں داخل ہیں اور اس میں عریف اور کاتب اور مستوفی اور محافظ اور نقل نویس آ گئے، اور ان میں سے کسی کو اس کام کی معمولی مزدوری سے زیادہ نہ دینا چاہیئے، پس اگر آٹھواں حصہ زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کو دستور کے موافق اجرت دے کر کچھ بچ رہے تو اس کو باقی قسموں پر تقسیم کر دینا چاہیئے۔ اور اگر کم ہو تو جو مال مصلحتوں کے لیے رکھا رہتا ہے اس میں سے پورا کر لینا چاہیئے چوتھی قسم وہ لوگ ہیں جن کو مسلمان ہونے کے لیے تالیف کے طور پر دیا کرتے ہیں اور ایسے لوگ اپنی قوم کے سردار ہوتے ہیں ان کے دینے سے مسلمانی پر ان کا ثابت رہنا اور ان کے ہم جنسوں اور تابعین کی ترغیب مقصود ہے۔ پانچویں قسم مکاتب ہیں یعنی جن غلاموں کو ان کے آقاؤں نے کچھ مال کے عوض آزاد کرنے کو کہا ہو، پس مکاتب کا حصہ اس کے آقا کو دے دینا چاہیئے اور اگر خود مکاتب کو دے دے تب بھی درست ہے اور آقا اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے مکاتب کو نہ دے کیونکہ وہ ابھی اس کا غلام ہے، چھٹی قسم۔ قرضدار ہیں جنہوں نے امر طاعت خواہ مباح میں قرض لیا ہو، اور افلاس کے باعث ادا نہ ہوا، پس اگر معصیت میں قرض لیا ہو تو اس کو کچھ نہ دینا چاہیئے جب تک کہ توبہ نہ کرے۔ اور اگر تونگر کے ذمہ قرض ہو تو اس کا قرض ادا کرنا چاہیئے ہاں اگر اس نے کسی بہتری خلق خواہ فتنہ کے فرو کرنے کے لیے قرض لیا ہو تو ایسے قرض کے ادا کرنے کا مضائقہ نہیں، ساتویں قسم غازی ہیں جن کا وظیفہ راتبہ داروں کے دفتر میں کچھ نہ ہو تو ان کو زکوٰۃ میں سے ایک حصہ دینا چاہیئے، اگرچہ وہ مالدار ہوں، اس مراد سے کہ جہاد پر ان کی مدد ہو۔ آٹھویں قسم مسافر ہیں یعنی جو شخص اپنے شہر سے بارادہ سفر باہر نکلیں خواہ زکوٰۃ دینے والے کے شہر میں ان کا گذر ہو جاوے اور ان کا سفر معصیت کے لیے نہ ہو تو ایسے لوگ اگر مفلس ہوں تو ان کو دینا چاہیئے، اور اگر اپنے گھر پر مال رکھتے ہوں تو اس قدر دیوے کہ وہ اپنے مال تک پہنچ جاویں، اب اگر یہ کہو کہ یہ صفات ہشت گانہ معلوم کس طرح ہوں تو فقیر اور مسکین ہونا تو لینے والے کے قول سے معلوم ہوتا ہے اس سے اس امر کے گواہ نہ لیے جاویں نہ قسم لی جاوے، بلکہ اس کا صرف کہہ دینا کافی ہے کہ میں فقیر ہوں بشرطیکہ جھوٹ ہونے کا یقین نہ ہو۔ اور جہاد اور سفر آئندہ کی بات ہے پس جو کوئی کہے کہ میرا

ارادہ خواہ جہاد کا ہے اس کو اس کے کہنے کے مطابق دے دے اور اگر وہ اپنے قول کو پورا کرے تو اس کو جس قدر دیا ہو، واپس لے لے، باقی جو چار قسمیں رہیں ان میں سے گواہوں کا ہونا ضرور ہے غرضکہ استحقاق کی شرطیں اور اسباب یہ تھے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ امر کہ ان اقسام میں ہر ایک کو کس قدر دینا چاہیئے، اس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

مستحقین کے آداب

اور اس کے آداب پانچ ہیں۔ اوّل یہ کہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ کو مال دلوانا اور ول سے واجب کیا ہے تو اس لیے کہ مجھ کو اور فکر بجز ایک فکر کے نہ رہے، اور خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے ایک فکر ہونے کو عبادت مقرر فرمایا ہے، یعنی صرف ان کو خدائے پاک اور روزِ قیامت کی فکر رہے اور کوئی فکر دامن گیر نہ ہو، چنانچہ اس ارشاد میں یہی مراد ہے[ٹ] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۰ لیکن ازانجا کہ تقاضائے حکمتِ ازلی یہ ہوا کہ بندہ پر شہوتیں اور حاجتیں مسلّط کی جاویں اور وہ اس کی فکر کو پریشان کریں، اس لیے مقتضا کرم یوں ٹھہرا کہ بندہ پر نعمت پہنچائی جاوے کہ اس کی حاجتوں کو کافی ہو، بہمیں نظر مال بہت سے پیدا فرما کر اپنے بندوں کے ہاتھ میں ڈال دیئے تاکہ ان کی حاجتوں کے دفع کرنے کے وسیلے ہوں اور طاعتوں کے واسطے فرصت ملنے کا ذریعہ ٹھہریں، پس بعض لوگوں کو بہت سا مال دیا تاکہ ان کے حق میں امتحان اور فتنہ ہو، وہ لوگ گرداب خطر میں پڑیں، اور بعض کو جو اپنی محبت سے سرفراز فرمایا تو ان کو دنیا سے ایسا بچایا، جیسے کوئی غمگسار مشفق بیمار کو پرہیز کراتا ہے یعنی ان سے دنیا کے زوائد کو علیحدہ رکھا، اور مقدار حاجت کو مالداروں کے ہاتھ سے ان تک پہنچا دیا تاکہ کمانے کی فکر اور جوڑنے کی محنت اور حفاظت کا تردّد مالداروں کے ذمہ رہے اور اس کا فائدہ اور فقرا کو پہنچے کر یہ خدائے تعالیٰ کی عبادت ہی کے ہو رہیں اور موت کے بعد کے لیے تیاری کریں، دنیا کے زوائد ان کے اس مطلب کے مزاحم نہ ہوں اور نہ فاقہ اس تیاری سے ان کو روکے، اور یہ نہایت درجہ کی نعمت ہے اور فقیر کو شایان ہے کہ فقیری کی نعمت کی قدر پہچانے اور خوب دل میں ٹھانے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مجھ پر اس چیز میں زیادہ ہے جو مجھ سے علیحدہ رکھی ہے بہ نسبت اس فضل کے جو چیز کے مرحمت فرمانے میں کیا ہے، چنانچہ اس کی تحقیق اور تفصیل باب الفقر میں عنقریب مذکور ہوگی حاصل یہ کہ فقیر جو کچھ لیوے اس کو اپنے رزق اور طاعت پر مدد کے لیے لیوے، اور اس میں یہ نیت کرے کہ اس کی جہت سے خدائے تعالیٰ کی طاعت پر قوی ہو جاوے گا اور اگر یہ بات نہ ہو سکے تو اس مال کو ایسے مصارف میں خرچ کرے جو خدائے تعالیٰ نے مباح فرمائے ہیں، اگر اس سے خدائے تعالیٰ کی معصیت پر مدد لے گا تو اس کی نعمتوں کا ناشکر اور اس کی خفگی اور ناخوشی کا مستحق ہوگا۔ دوم یہ کہ دینے والے کا مشکور ہو، اور اس کے حق میں دعائے خیر کرے اور یہ شکر اور دعا ایسی طرح ہوں کہ اس کو درمیانی ہونے سے خارج نہ کر دیں بلکہ یہی سمجھے کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت پہنچنے کا طریق وہ شخص ہو گیا ہے اور چونکہ خدائے تعالیٰ نے اس کو ذریعہ اور واسطہ کر دیا ہے اس لیے اس کا واسطہ ہونا بے شک ہے اور اس طرح خیال کرنا اس

ٹ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی کو اپنی بندگی کو ۱۲

بات کا منافی نہیں کہ نعمت کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے معلوم کرے، چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد ہے[1] من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال پر ان کی تعریف بہت جگہ فرمائی ہے، حالانکہ اعمال پیدا کرنے والا اور ان کی قدرت کا ایجاد کرنے والا وہی ہے، مثلاً فرمایا نعم العبد انہ اواب ایوب اچھا بندہ ہے اور ہماری طرف رجوع کرنے والا ہے۔ اور سوا اس کے اور بہت سی آیتیں ہیں۔ اور لینے والا دعا میں یوں کہے کہ خدائے تعالیٰ پاک لوگوں کے دلوں میں تیرے دل کو پاک کرے، اور نیک لوگوں کے عمل کے ساتھ تیرے عمل کو صاف کرے، اور شہیدوں کی روح کے میل میں تیری روح پر رحمت بھیجے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] جو کوئی تمہارے ساتھ کچھ سلوک کرے تو تم اس کا تدارک کرو، اگر تم سے نہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا مانگو، یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ مکافات ہو گئی اور صحیح شکر یہ ہے کہ اگر عطا میں کچھ عیب ہو تو اس کو چھپا دے اور اس کی تحقیر اور مذمت نہ کرے اور دینے والے کو نہ دینے کا ننگ نہ دلادے جس صورت میں کہ وہ نہ دیوے۔ اور اگر وہ دیوے تو اس کے فعل کو اپنے نزدیک اور لوگوں کے سامنے بڑا جانے، کیونکہ دینے والے کا ادب اپنی دہش کو چھوٹا جاننا ہے اور لینے والے کا ادب یہ ہے کہ جو کوئی دے اس کا ممنون ہو اور اس کی دہش کو بڑا جانے اور ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے حق پر قائم رہے اور اس امر میں کچھ مخالفت نہیں اس لیے کہ اسباب چھوٹا جاننے اور بڑا جاننے کے جدا جدا ہیں، دینے والے کے حق میں چھوٹا جاننے کے اسباب کا لحاظ مفید ہے اور اس کے خلاف کرنا مضر ہے۔ اور لینے والے کا حال اس کے برعکس ہے اور یہ سب باتیں اس کے مخالف نہیں کہ نعمت کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے جانیں، ہاں جو کوئی درمیانی شخص کو واسطہ نہ جانے وہ جاہل ہے اور جو واسطہ کو اصل سمجھتا ہے برا ہے۔ سوم یہ کہ جو مال لینا چاہے اس کو پیشتر دیکھ لینا چاہیے۔ اگر وہ ناجائز اور حرام سے ہو تو اس سے پرہیز کرے۔ اللہ تعالیٰ اور کہیں سے پہنچادے گا کہ فرمایا[3] ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب یہ بات نہیں کہ جو شخص حرام سے احتراز کرے تو اس کو حلال مال نہیں پہنچے گا غرض کہ ترکوں اور لشکریوں اور سرکاری عملوں کے مال اور ان لوگوں کے جن کی اکثر کمائی حرام ہے نہ لیوے، لیکن اگر اس پر وقت تنگ ہو اور جو مال اس کو دیا جاتا ہو اس کا کوئی مالک معین نہ معلوم ہو تو ایسی صورت میں اس کو اپنی حاجت کے موافق لینا جائز ہے کہ شرع کا فتویٰ اس جیسی صورت میں یہی ہے کہ اس کو خیرات کر دے، جیسا کہ باب حلال و حرام میں آوے گا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ حلال سے عاجز ہو اور اگر ایسا مال لے گا تو زکوٰۃ کا لینے والا نہیں ہو گا اس لیے کہ یہ بیشبہ تو حرام ہے جس نے زکوٰۃ میں دیا اس کی طرف سے زکوٰۃ میں ہوا ہی نہیں۔ چہارم یہ کہ شک کی جگہوں سے احتراز کرے، اور جو کچھ لیوے اگر اس کی مقدار میں شبہ پڑے تو اس سے بچے، اور جس قدر مباح ہو اسی قدر لیوے، اور جب تک یہ معلوم نہ کر لے کہ مجھ میں استحقاق کی شرط موجود ہے تب تک نہ لیوے مثلاً اگر مکاتب ہونے یا قرض دار ہونے کی جہت سے زکوٰۃ لیتا ہو تو قرض کی مقدار سے زائد نہ لیوے اور اگر عامل ہونے کی جہت

---

[1] جو شخص لوگوں کا شکر نہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کرے گا ۱۲ ترمذی بروایت ابو سعید خدری ۱۲ [2] ابو داؤد و نسائی بروایت ابن عمر ۱۲ [3] اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے وہ کرے گا اس کا گذارہ اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال نہ ہو ۱۲

سے لیتا ہو تو اجرت مثل سے زیادہ نہ لیوے، اور اگر زیادہ دیا بھی جاوے تو اس سے انکار کرے، کیونکہ یہ مال کچھ دینے والے کا نہیں تاکہ وہ سلوک میں داخل ہو، اور اگر مسافر ہو تو توشہ اور منزل مقصود تک سواری کے کرایہ کی مقدار سے زیادہ نہ لیوے اور اگر غازی ہو تو بجز جہاد کی چیزوں کے جو خاص ان میں کام آویں مثلاً گھوڑے اور ہتھیار اور خرچ کے اور کچھ نہ لے، اور ان اشیاء کا اندازہ اس کے اجتہاد سے متعلق ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں اور یہی حال مسافر کے توشہ کا ہے اس صورت میں شبہ کی چیز چھوڑے اور یقینی بات اختیار کرے، اور اگر مسکین ہونے کی جہت سے لیتا ہو تو اوّل اپنے لوازم خانہ داری اور کپڑوں اور کتابوں میں تامل کرے کہ ان میں کون سی چیز کی خود کو حاجت نہیں اور کسی چیز کے نفیس ہونے کی ضرورت نہیں اس کو بیچ کر ہو سکتا ہو کہ کارروائی کے موافق دوسری چیز آجاوے اور کچھ دام بچ رہیں، اور یہ بات بھی فقیر کے اجتہاد سے متعلق ہے اس میں ایک طرف ظاہر ہوتی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مستحق ہے۔ اور ایک دوسری طرف اس کے مقابل ہوتی ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مستحق نہیں اور ان دو طرفوں کے بیچ میں بہت سے درجے متوسط ہیں جن میں شبہ پڑتا ہے اور کاجل کی کوٹھڑی کا سا حال ہے جس سے کہ غالباً دھبا لگنے سے نہ بچے اور اسباب میں اعتماد لینے والے کے قول پر ظاہر ہے اور تنگی برتنے اور فراخی برتنے میں محتاج کے بہت سے مقام ہیں کہ ان کے شمار نہیں ہو سکتے، پرہیزگار آدمی اپنی حاجتوں کا اندازہ تنگی کے ساتھ کیا کرتا ہے اور سہل انگار کا میل وسعت اور فراخی کی طرف ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے نفس کو بہت سی باتوں کی ضرورت سمجھا کرتا ہے اور یہ امر شریعت میں بُرا ہے بہر حال جب حاجت ثابت ہو جاوے تو چاہیئے کہ بہت سا مال نہ لے بلکہ اس قدر لے کہ لینے کے وقت سے ایک سال تک کافی ہو، یہ مدت بڑی سے بڑی ہے اس وجہ سے کہ برس کے مقرر ہونے سے آمدنی کے اسباب مقرر ہوتے ہیں۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عیال کے واسطے ایک سال کی غذا جمع فرمائی ہے[ل] تو بہتر ہے کہ فقیر اور مسکین کے لیئے بھی یہی حد مقرر ہو اور اگر ایک مہینے خواہ ایک روز کی حاجت پر بس کرے تو تقوٰے سے قریب تر ہے اور جو مقدار کہ زکوٰۃ اور صدقہ میں سے لینی چاہیئے، اس کے باب میں علماء کے مذاہب جُدا جُدا ہیں بعضے کمی میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن رات کی غذا پر کفایت کرنے کو واجب کر دیا ہے اور اپنی دلیل اس روایت کو کہتے ہیں جو سہل ابن حنظلیہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنا کے ہوتے ہوئے سوال کرنے سے منع فرمایا[ح] پھر غنا کو جو آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ صبح اور شام کا کھانا پاس ہو، اور دوسروں نے یہ کہا ہے کہ تونگری کی حد تک ہوسے اور تونگری کی حد زکوٰۃ کی نصاب تک لینا درست ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ صرف تونگروں پر واجب فرمائی ہے تو اس سے انہوں نے یہ نکالا کہ اپنے واسطے اور اپنے کنبے میں سے ہر شخص کے واسطے اس کو زکوٰۃ کی نصاب تک لینا درست ہے اور بعض لوگوں نے تونگری کی حد پچاس درم فرمائے ہیں اس لیئے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ل بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ح ابوداؤد و ابن حبان ۱۲

نے فرمایا ہے[1] من سال ولہ مال یغنیہ جاء یوم القیمۃ وفی وجہہ خموش قیل وما غناہ قال خمسون درھما او قیمتھا من الذھب اور کہتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی قوی نہیں اور بعض لوگوں نے تونگری کی حد چالیس درم فرمائی ہے اس وجہ سے کہ عطاء بن یسار سے منقطع روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] من سال ولہ اوقیۃ فقد الحف فی السوال۔ اور دوسرے علماء نے وسعت میں مبالغہ کر کے فرمایا ہے کہ فقیر کو اتنا لینا درست ہے کہ اس سے ایک زمین خرید لے جس سے تمام عمر کو بے فکر ہو جاوے یا اس سے کوئی مال تجارت خریدے کہ حاجت پوری ہو جاوے کیونکہ بے فکری اور غنا اسی کا نام ہے کہ تمام عمر کو ہو، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب دو تو غنی کر دو، یہاں تک کہ بعض کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محتاج ہو جاوے اس کو اتنا لینا درست ہے کہ پھر اس کا حال بدستور سابق ہو جاوے گو دس ہزار درم سے ہوتا ہو، ہاں جس صورت میں کہ فقیر حد اعتدال سے خارج ہو اس وقت البتہ درست نہیں اور جب حضرت ابو طلحہؓ اپنے باغ میں نماز پڑھتے تھے اور اس کی طرف دھیان بٹنے سے نماز میں حرج ہوا تو فرمایا کہ میں نے اس باغ کو صدقہ کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رشتہ داروں میں صدقہ کرو کہ تمہارے حق میں اچھا ہے آپ نے اس کو حضرت حسانؓ اور ابو قتادہؓ کو دے دیا تو ایک باغ خرما کا دو شخصوں کو بہت ہوا اور غنی کر دیا اور حضرت عمرؓ نے ایک اعرابی کو ایک اونٹنی مع اس کے مال و اسباب کے دے ڈالی تھی، ان روایتوں سے فقیر کو زیادہ لینا پایا جاتا ہے غرض کہ دونوں طرف کے دلائل یہ ہیں اور ہمارے نزدیک تقویٰ یہ ہے کہ کمی کے لیے مقدار ایک رات دن کی غذا او قیہ کا ہونا اسباب میں ہے کہ اتنا ہوتے ہوتے سوال نہ کرے، اور دروازوں پر نہ پھرے اور جو گداگری بری چیز ہے اس کا حکم اور ہے اس کو اس بحث سے کچھ سروکار نہیں بلکہ جو احتمال یہ نکالتے ہیں کہ اتنا لینا درست ہے کہ اس سے زمین خرید لے اور عمر بھر کو غنی ہو جاوے اس قلت کی بہ نسبت تو یہی اچھا ہے گو یہ بھی زیادتی بیجا کی طرف مائل ہے اعتدال سے قریب تر یہ ہے کہ برس روز کے لیے کافی ہو اور اس سے زیادہ میں خطرہ ہے اور کمی کی صورت میں تنگی ہے اور جس صورت میں کہ ان امور میں کوئی اندازہ نہیں، اسی لیے ان کے باب میں توقف کیا گیا ہے پس مجتہد کو یہی حق پہنچتا ہے کہ جیسا دیکھے ویسا حکم کرے پھر پرہیزگار سے کہہ دیا جاوے کہ تو اپنے دل سے فتویٰ لے گو اور لوگ تجھ کو کچھ کچھ فتوے دیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا تھا[3] کیونکہ گناہ دلوں پر غالب ہونے والا ہے، پس اگر لینے والا اپنے دل میں اس مال کی طرف سے خلش پاوے تو چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ سے ڈرے اور فتوے کے بہانے سے اس کی اجازت اپنے لیے نہ سمجھے کیونکہ علماء ظاہر کے فتوے ضرورتوں کی قید سے آزاد ہوتے ہیں اور ان میں تخمین اور شبہوں میں داخل ہونا بہت ہے اور دینداروں اور طریق آخرت کے سالکوں کی عادت شبہات سے احتراز

---

[1] ح جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کا فی ہو تو وہ قیامت میں اس حال میں آوے گا کہ اس کے چہرے پر کھرونٹ ہوں گے، کسی نے پوچھا کہ کافی ہونے کی مقدار کیا ہے فرمایا کہ پچاس درم یا ان کے مول کا ہونا ۱۲ اصحاب سنن کے بروایت کیا ہے اور حسن کہا ہے اور نسائی اور غلابی نے ضعیف ۱۲ [2] ح جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس ایک اوقیہ چالیس درم ہوں تو اس نے سوال میں اصرار کیا، ابوداؤد و نسائی از عطا بروایت مردی از بنی اسعد مرفوعاً پس حدیث منقطع نہیں ۱۲ [3] ح رہ اس کی سند باب دوم میں گذری ۱۲ [4] ح اس کی سند باب میں گذری ۱۲

کرنے کی ہوتی ہے پنجم یہ کہ صاحب مال سے پوچھے کہ تم پر زکوٰۃ کتنی واجب ہے اور جب اس کی مقدار معلوم ہو تو جو کچھ اپنے آپ ملا ہو اس کو دیکھے اگر یہ مقدار کل زکوٰۃ کے آٹھویں حصہ سے زائد ہو تو اس میں سے کچھ نہ لے اس لیے کہ یہ اور اس کے دو اور شریک مل کر صرف آٹھویں حصہ کے مستحق ہیں، پس آٹھویں حصہ میں دو اپنی قسم کے آدمیوں کا حصہ کم کر کے لیوے ورنہ کچھ نہ لے، اور یہ بات دریافت کرنی اکثر لوگوں پر واجب ہے کیونکہ خلق اس تقسیم کی رعایت نہیں کرتی خواہ جہالت کے باعث یا سہولت برتنے کی جہت سے البتہ جس صورت میں گمان غالب حرمت کے احتمال کا نہ ہو تو اس وقت ان جیسی باتوں کو دریافت نہ کرنا جائز ہے اور سوال نہ کرنے کے مواقع اور احتمال کے درجات باب الحلال والحرام میں انشاء اللہ مذکور ہوں گے۔

چوتھی فصل: نفلی صدقہ اور اس کا لینا دینا

احادیث میں صدقہ کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دو، اگرچہ ایک کھجور ہی ہو، اس لیے کہ وہ کسی قدر بھوکے کی تکلیف بند کرتا ہے اور گناہ کو ایسا بجھاتا ہے جیسا پانی آگ کو بجھاتا ہے اور فرمایا[1]۔ اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فان لم تجدوا فبکلمۃ طیبۃ۔ اور فرمایا[2] کہ جو بندہ مسلمان کہ اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ پاک کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اس کی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے اونٹ کے بچہ کو پالتا ہے یہاں تک کہ کھجور بڑھ کر احد کے برابر ہو جاتی ہے، اور حضرت ابو درداء رض کو فرمایا[3] کہ جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کر دو، پھر اپنے ہمسایہ کے گھر والوں کو دیکھو، اور اس میں سے ان کو پہنچاؤ اور فرمایا[4] ہے کہ جو بندہ صدقہ اچھا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے متروکہ میں برکت بھی خوب دیتا ہے۔ اور فرمایا[5]۔ کل امرء فی ظل صدقتہ حتی یقضی بین الناس۔ اور فرمایا[6]۔ الصدقۃ تسد سبعین بابًا اور فرمایا[7]۔ الصدقۃ تطفئ غضب الرب اور فرمایا[8]۔ کہ جو شخص کہ وسعت کے باعث دیتا ہے وہ ثواب میں اس سے افضل نہیں جو حاجت کے سبب سے قبول کرتا ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص مال لینے سے اپنی حاجت اس لیے دفع کرے کہ دین کے لیے فراغت مل جاوے تو وہ شخص دینے والے کے مساوی ہو گا جو اپنی وسعت سے بہ نیت اپنے دین کی آبادی کی کرتا ہے، اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ صدقہ کون سا افضل ہے، آپ نے فرمایا[9] کہ ایسے وقت میں افضل ہے جبکہ تندرست اور مال کا روکنے والا ہو، اور توقع بہت جینے کی رکھتا ہو، اور فاقہ سے ڈرتا ہو اور صدقہ دینے

---

[1] ابن مبارک بروایت عکرمہ مرسلاً واحمد بروایت عائشہ رض مرفوعاً ۱۲ ت بچو تم آگ سے اگرچہ ایک ٹکڑا خرما کا دے کر ہو اور اگر وہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی بات کہہ کر ہی بچو ۱۲ [2] بخاری و مسلم بروایت عدی بن حاتم ۱۲ [3] تعلیقاً و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [4] مسلم بروایت ابوذر رض اور یہ ارشاد بھی ابوذر رض کو ہوا تھا، احیاء میں جو ابوداؤد کو لکھا ہے غلطی ہوئی ۱۲ [5] ابن مبارک بروایت ابن شہاب مرسلاً ۱۲ ت ہر ایک شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا یہاں تک کہ لوگوں میں فیصلہ ہو ۱۲ [6] ابن حبان و حاکم بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ ت صدقہ ستر دروازے برائی کے بند کر دیتا ہے ۱۲ [7] ت اس کی سند اوپر گذری ۱۲

میں تاخیر نہ کرے یہاں تک کہ جان جب نرخرے میں آپہنچے تو کہنے لگے کہ اتنا فلانے کو، اور اتنا فلانے کو دینا حالانکہ مال اور کسی کا ہو چکا ہو (یعنی وارث کا ۱۲) اور ایک روز آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ[۱] صدقہ کرو ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے نفس پر خرچ کر، اس نے کہا کہ میرے پاس اور ایک ہے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر، عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہے، فرمایا کہ اس کو اپنی اولاد پر خرچ کر، عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہے، فرمایا کہ اس کو اپنے خادم پر خرچ کر، عرض کیا کہ میرے پاس اور ایک ہے، فرمایا کہ اس کی نگاہ تجھ کو زیادہ ہے یعنی جہاں اچھا موقع دیکھو، وہاں خرچ کرو۔ اور فرمایا[۲] کہ آل محمدؐ کے لیئے صدقہ حلال نہیں کہ وہ لوگوں کا میل ہے اور فرمایا کہ[۳] سائل کی حرمت ہٹادو اگر اتنے کھانے سے ہو جتنا پرند کا سر ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ[۴] اگر سائل سچ کہتا ہے تو جو کوئی اسے محروم پھیرے گا، اس کو فلاح نہ ہوگی، اور حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سائل کو اپنے گھر سے محروم پھیرتا ہے فرشتے اس گھر پر سات روز سایہ نہیں ڈالتے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو کام کسی کو سپرد نہ فرماتے تھے اپنے آپ ان کو کیا کرتے تھے، ایک یہ کہ رات کو وضو کا پانی اپنے آپ رکھتے اور اس کو ڈھانپ دیتے، دوسرے یہ کہ مسکین کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے۔ اور فرمایا[۵] کہ مسکین وہ نہیں ہے کہ اس کو ایک کھجور یا دو کھجوریں اور ایک لقمہ یا دو لقمے ہٹادیں بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال کرنے سے باز رہے اگر تم چاہو تو پڑھ دیکھو لا یسئلون الناس الحافاً یعنی نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر، اور فرمایا[۶] کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے جب تک کہ اس کپڑے کا مسکین کے بدن پر پیوند رہتا ہے اور آثار اسباب میں یہ ہے کہ عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے پچاس ہزار خیرات کیے حالانکہ ان کا کرتہ پیوند دار ہی رہا اور مجاہدؒ نے اس آیت میں[۷] یطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً علی حبہ کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس کی خواہش رکھتے ہیں، اور حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ الٰہی مال اور تونگری ایسے شخصوں کو دے جو ہم میں بہتر ہوں اور شاید وہ لوگ اس کو ہم میں حاجت مندوں کو پہنچادیں اور عبد العزیز بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ نماز آدمی کو آدھے راستے پر لے جاتی ہے اور روزہ بادشاہ کے دروازے تک پہنچاتا ہے اور صدقہ بادشاہ کے سامنے جا کھڑا کرتا ہے اور ابن ابی الجعدؓ کا قول ہے کہ صدقہ آدمی سے ستر خرابیوں کی قسمیں دور کرتا ہے، اور پوشیدہ دینا صدقہ کا ظاہر کی نسبت کر ستر گنا ہوتا ہے اور صدقہ ستر شیطانوں کے جبڑے چیر دیتا ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے ستر برس خدا تعالیٰ کی عبادت کی، پھر اس سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوا اور اس کا عمل باطل کر دیا گیا، پھر اس کا گذر ایک مسکین پر ہوا اور اس کو ایک روٹی صدقہ دی، اللہ تعالیٰ نے اس کی خطا معاف فرمائی اور ستر برس کے عمل پھر اس کے بحال کر دیئے۔ اور لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا کہ جب تو کوئی خطا کرے تو صدقہ دینا اور یحییٰ ابن معاذؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی دانہ وزن دنیا کے پہاڑوں کے برابر ہو جاوے بجز صدقہ کے دانہ کے یہ البتہ اتنا ہو جاتا ہے اور عبد العزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں کہ تین

---

[۱] ابن حبان اور ضعفاء طبرانی در اوسطہ بروایت انسؓ ۱۲ [۲] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرۃؓ ۱۲ [۳] ابوداؤد و نسائی بروایت ابوہریرۃؓ ۱۲ [۴] بروایت مطلب بن ربیعہ ۱۲ [۵] عقیلی بروایت عائشہؓ [۶] مثل حدیث بالا ۱۲ [۷] ابن ماجہ و دارقطنی بروایت ابن عباس ۱۲ [۸] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

چیزیں اوّل زمانہ میں جنت کے خزانوں میں سے کہا کرتے تھے، اوّل مرض کا چھپانا، دوم صدقہ کا چھپانا، سوم مصیبتوں کا چھپانا اور یہ روایت مسند میں بھی آئی ہے، اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اعمال نے ایک دوسرے پر فخر کیا، تو صدقہ نے کہا کہ میں تم سب سے افضل ہوں، اور عبداللہؓ شکر خیرات میں دیا کرتے اور کہتے کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں شکر سے محبت رکھتا ہوں۔ اور نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز خدائے تعالیٰ کے لیے ہو تو مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں کوئی عیب ہو، اور عبیداللہ بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگ سب دنوں سے بھوکے اور پیاسے اور ننگے اٹھیں گے، پس جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا کھلایا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو شکم سیر کرے گا اور جس نے اللہ کے لیے پانی پلایا ہوگا، اس کو سیراب کرے گا، اور جس نے اس کے واسطے کپڑا پہنایا ہوگا، اس کو کپڑا پہنا دے گا، اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو تونگر کر دیتا کہ کوئی تم میں فقیر نہ ہوتا مگر اس نے تم میں سے بعض کا امتحان بعض سے لیا ہے، اور شعبیؒ نے کہا ہے کہ جس کی حاجت فقیر کو مالدار کے صدقہ کی ہے، اگر مالدار اس کی نسبت کر اپنے آپ کو صدقہ کے ثواب کا زیادہ حاجت مند نہ جانے تو اس کا صدقہ بے کار ہے، اور یہ صدقہ اس کے منہ پر مارا جاوے گا اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو پانی صدقہ کیا جاتا ہے اور مسجد میں پلایا جاتا ہے، اگر اس میں سے تونگر پی لے تو ہم مضائقہ نہیں جانتے اس لیے کہ جس نے اس کو سبیل کیا ہے تو پیاسوں کے لیے کیا ہے کوئی ہوں اس کا مقصود خاص محتاجوں اور مسکینوں پر صدقہ کرنے کا نہیں، کہتے ہیں کہ ایک دلال ایک لونڈی ساتھ لیئے حضرت حسن بصریؒ کے پاس ہو گذرا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تو اس کے دام میں ایک یا دو درم پر بھی راضی ہے، اس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ تو جاؤ اللہ تعالیٰ تو حوروں کے باب میں ایک پیسے اور لقمہ پر راضی ہے۔

ظاہرہ اور پوشیدہ صدقہ

اخلاص کے طالبوں کا اس میں اختلاف ہے کہ دونوں میں سے بہتر کون سا ہے، بعض کا میل تو اس طرف ہے، پوشیدہ لینا افضل ہے اور بعض اس طرف جھکے ہیں کہ ظاہر لینا افضل ہے، اور ہم ان دونوں باتوں میں جو فوائد اور آفتیں پائی جاتی ہیں، اوّل ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں پھر امرِ حق کی تشریح کریں گے۔ جاننا چاہیئے کہ پوشیدہ لینے میں پانچ فائدے ہیں، اوّل یہ کہ لینے والے کا پردہ بنا رہتا ہے کہ ظاہر میں لینا پردہ مروّت کو پھاڑنا اور حاجت کا ظاہر ہو جانا اور سوال کرنے کی ہیئت سے خارج ہونا ہے اور یہ صورت سوال کرنے کی محبوب ہوتی ہے کہ اس سے بے خبروں کی نظر میں آدمی غنی معلوم ہوتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی دلآزار باتیں محفوظ رہیں گی، اور ظاہر لینے سے لوگ اس پر حسد کرتے ہیں یا اس کے لینے پر انکار کرتے ہیں، اس خیال سے کہ اس نے باوجود تونگری کے لے لیا، یا زیادہ لے لینے کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حسد اور گمان بد اور غیبت سب بڑے گناہوں میں سے ہے اور لوگوں کو ان گناہوں سے محفوظ رکھنا بہتر ہے، ابو ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نئے

ؑ ترمذی وحاکم بروایت ابن عباسؓ اور اس کی سند میں خالد بن ملان ضعیف ہے ۱۲، ؎ اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور بن باپ کے لڑکے کو اور قیدی کو ۱۲، ؎ ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کی حد کو جب تک نہ خرچ کرو کچھ ایک جس سے محبت رکھتے ہو ۱۲

کپڑے کا پہننا اس لیے ترک کرتا ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں میرے ہمسایوں میں اس سے حسد نہ پیدا ہو۔ اور کسی دوسرے زاہدؒ کا قول ہے کہ میں اکثر چیز کا استعمال اپنے بھائیوں کی خاطر چھوڑ دیتا ہوں کہ یوں نہ کہیں کہ اس کے پاس یہ کہاں سے آگئی، اور ابراہیم تیمیؒ سے مروی ہے کہ ان پر لوگوں نے نیا قمیص دیکھا، ان کے بعض بھائیوں نے پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا، فرمایا کہ میرے بھائی خشیمہ نے مجھے پہنایا ہے اور اگر میں یہ جانتا کہ اس امر کی اطلاع اس کے گھر والوں کو ہے تو ہرگز اس کو قبول نہ کرتا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ دینے والے کو عمل کے خفیہ کرنے پر اعانت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ دینے کے باب میں خفیہ کو علانیہ پر فضل ہے تو لینے والا اگر اسباب میں اعانت دینے والے کی کرے گا تو بہتر ہوگا کہ اچھی بات کی تکمیل پر اعانت کرنی بھی اچھی ہے اور پوشیدہ کرنا بدوں دونوں کے بن نہیں سکتا، اگر مسکین حال ظاہر کردے تو دینے والے کا حال معلوم ہو جاوے گا کسی شخص نے بعض علماء کو کوئی چیز ظاہر میں دی، انہوں نے نہ لی اور دوسرے شخص نے ایک چیز پوشیدہ دی تو لے لی کسی نے ان سے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ دوسرے شخص نے اپنی خیرات میں ادب اور قاعدہ کو ملحوظ رکھا کہ چھپا کر دیا، اس واسطے میں نے قبول کر لیا، اور اوّل شخص نے اپنے عمل میں بے ادبی کی اس لیے میں نے عطائے تو بلقائے تو مناسب جانا۔ اور کسی شخص نے ایک درویش صوفی کو کوئی چیز مجمع میں دی تو اس نے پھیر دی، اس شخص نے کہا کہ جو چیز تم کو اللہ نے دی اس کو کیوں پھیرتے ہو، درویش نے کہا کہ جو چیز خاص خدائے تعالیٰ کے لیے تھی، اس میں تو نے دوسرے کو شریک کر دیا اور صرف خدائے تعالیٰ کی نگاہ پر اکتفا نہ کی تو تیرا شریک میں نے تجھی کو ہٹا دیا۔ اور بعض عارفوں نے ایک چیز پوشیدہ قبول کر لی جن کو ظاہر میں واپس کر دی تھی، نذر کرنے والے نے ان سے ان کی وجہ پوچھی، فرمایا کہ ظاہر میں دینے کے باعث تو نے خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی، اس لیے میں نے نافرمانی پر تیری مدد نہ کی، اب جو تو نے اس کی اطاعت پوشیدہ دینے کے باعث کی تو اس نیکی پر تیری اعانت کی۔ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اگر میں جانتا کہ کوئی شخص دہش دے کر اس کا ذکر نہ کرے گا اور لوگوں سے نہ کہے گا تو اس کی دہش قبول کر لیتا۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ مسکین ذلّت اور خواری سے بچتا ہے کہ ظاہر کے لینے میں ذلّت ہوتی ہے۔ اور ایماندار کو نہیں چاہیئے کہ اپنے آپ کو بے عزت اور ذلیل کرے، بعض علماء کو خفیہ اگر کوئی کچھ دیتا تو لیتے اور ظاہر میں نہ لیتے اور کہتے کہ ظاہر لینے میں علم کی ذلّت اور علماء کی بے عزتی ہے تو میں ایسا نہیں کہ دنیا کے مال کو تو اونچا کر دوں، اور ان کے عوض علم اور علماء کو پست کر دوں۔ پانچواں فائدہ شرکت کے شبہ سے احتراز کرنا ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ جس شخص کے پاس کوئی ہدیہ آوے، اور اس کے یہاں کچھ لوگ ہوں تو وہ سب اس ہدیہ میں شریک ہوں، اور سونا چاندی ہوتے ہدیہ سے خارج نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ افضل ہدیہ جو آدمی اپنے بھائی کے پاس بھیجے، چاندی ہے یا اس کو کھانا کھلانا۔ پس اس حدیث میں چاندی کو بھی ہدیہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ مجمع میں ایک شخص خاص کو بدوں سب کی رضامندی کے کچھ دینا مکروہ ہے۔ اور رضامندی کا حال مشتبہ رہتا ہے اس لیے تنہائی میں دے دینا اس شبہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اب صدقہ کو برملا

---

[1] ع عقیلی و ابن حبان در ضعفا بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [2] ع ابن عدی بروایت ابن عمرؓ اور اس کو ضعیف کہا ہے

لینے اور اس کا ذکر دوسرے شخصوں سے کرنے میں چار فائدے ہیں، اول اخلاص اور صدق کا ہونا اور اپنے حال کو لوگوں کے دھوکا دینے سے بچانا اور ریا سے محفوظ رہنا ہے کہ جیسا واقع میں ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا، یہ بات نہیں کہ حقیقت میں کچھ ہے اور نمود کی وجہ سے اس کو ظاہر نہیں کرتا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جاہ و منزلت دور ہو جاتی ہے اور بندگی اور مسکنت ظاہر ہوتی ہے اور تکبر اور بے حاجت ہونے کے دعوے سے تبری پائی جاتی ہے اور لوگوں کی نظروں سے نفس گر جاتا ہے بعض عارفوں نے اپنے شاگرد کو فرمایا کہ لینے کو ہر حال میں ظاہر کرے کیونکہ جب تو ایسا کرے گا تو لوگ تیرے ساتھ دو قسموں پر ہو جاویں گے، ایک تو وہ ہوں گے جن کے دل سے تو گر جاوے گا۔ تو یہ تو مقصود ہی ہے اس وجہ سے کہ یہ امر دین کی سلامتی کے لیے نافع تر ہے اور اس سے نفس کی آفتیں بھی کم ہوتی ہیں اور ایک وہ ہوں گے جن کے دلوں میں تیری گنجائش ہوگی، اس نظر سے کہ تو نے ٹھیک ٹھیک اپنا حال ظاہر کر دیا اور وہ بات ہے کہ جس کو تمہارا بھائی چاہتا ہے کیونکہ اس کا مقصود ثواب کا زیادہ ملنا ہے تو جس صورت میں وہ تجھ سے محبت زیادہ کرے گا اور تعظیم بہت کرے گا تو اس کو ثواب قطعاً زیادہ ہوگا اور یہ ثواب تجھ کو بھی ہوگا کہ اس کے ثواب زیادہ دینے کا سبب تو ہی ہوا ہے، تیسرا فائدہ توحید کا شرک سے بچانا ہے اس لیے کہ عارف کی نظر بجز خدائے عزوجل کے اور طرف نہیں ہوتی، پوشیدہ اور ظاہر اس کے حق میں یکساں ہے تو اس حال کا مختلف ہونا توحید میں شرک ہے بعض اکابر کا قول ہے کہ جو شخص پوشیدہ لے لیتا تھا اور بظاہر ہٹا دیتا تھا اس کی دعا کا ہم اعتبار نہ کرتے تھے اور خلق کی طرف التفات کرنا خواہ وہ موجود ہوں یا غائب میں نقصان ہے، بلکہ چاہیئے کہ نظر واحد یکتا پر منحصر ہو کہتے ہیں کہ کوئی بزرگ اپنے سب مریدوں میں سے ایک طرف زیادہ مائل تھے۔ اور مریدوں کو یہ بات شاق معلوم ہوئی، ان بزرگ نے چاہا کہ ان لوگوں پر اس مرید کی فضیلت ظاہر کیا چاہیئے اس لیے ہر ایک مرید کو ایک ایک مرغی دی اور کہا کہ ہر ایک اپنی اپنی مرغی لے کر ایسی جگہ ذبح کر لاؤ، جہاں کوئی نہ دیکھے سب مرید چلے گئے اور اپنی اپنی مرغی ذبح کر لائے مگر وہ مرید مرغی زندہ لایا، ان سے جو بزرگ نے پوچھا تو کہا کہ ہم کو جیسا حکم تھا، اس کی تعمیل کر دی جب اس مرید سے پوچھا کہ تو نے اپنے ساتھیوں کی طرح کیوں نہ ذبح کی، اس نے کہا کہ مجھ کو کوئی ایسی جگہ نہ ملی، جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سب جگہ حاضر ناظر تھا، اس بزرگ نے ان لوگوں سے کہا کہ اس وجہ سے میں اس پر زیادہ مائل ہوں کہ وہ سوائے خدا کے اور طرف دھیان نہیں کرتا، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ظاہر کرنے میں سنت شکر کو ادا کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] واما بنعمۃ ربک فحدث اور نعمت کو چھپانا ناشکری میں نہ داخل ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے اور ان کو بخیل فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی نعمت کو چھپاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے[2]۔ الذین یبخلون و یامرون الناس بالبخل و یکتمون ما آتاھم اللہ من فضلہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام کرتا ہے تو یہ بھی پسند کرتا ہے کہ وہ نعمت اس پر دکھی جاوے اور ایک شخص نے کسی عارف کو کچھ چھپا کر دیا۔ عارف

---

[1] اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر ۱۲ [2] وہ جو بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخیلی اور چھپانے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے ۱۲ [3] بروایت عمران بن حصین ۱۲

نے اپنا ہاتھ اونچا کر دیا اور کہا کہ یہ دنیا کی چیز ہے اس میں ظاہر کر دینا افضل ہے، پوشیدہ کرنا آخرت کے کاموں میں افضل ہوتا ہے اور اسی لیے بعض اکابر نے فرمایا کہ جب تم کو کچھ مجمع میں دیا جاوے تو لے لو پھر اس کو تنہائی میں واپس کر دو۔ اور صدقہ کے باب میں شکر کی رغبت منقول ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ عز و جل اور شکر قائم مقام مکافات کا ہوتا ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی تمہارے ساتھ سلوک کرے تو اس کی مکافات کرو، اور اگر تم سے مکافات نہ ہو سکے تو اس کی تعریف اچھی طرح کرو اور اس کے لیے دعائے خیر مانگو کہ تم کو یقین ہو جاوے کہ مکافات کر چکے، اور جب کہ مہاجروں نے شکر کے باب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان لوگوں سے بہتر اور لوگ نہیں دیکھے کہ ہم ان کے پاس اترے تو انہوں نے اپنا مال ہم کو بانٹ دیا یہاں تک کہ اس کو خوف ہوا کہ کہیں تمام ثواب ہی نہ لے جاویں، آپ نے فرمایا[2] کہ ایسا نہیں تم نے جو ان کا شکر کیا اور تعریف کی یعنی اس سے ان کی مکافات ہو گئی۔ پس ان تمام فوائد کو تو تم معلوم کر چکے، اب یہ جاننا چاہئے کہ لوگوں کا اختلاف جو اس بات میں منقول ہے وہ مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے بلکہ حال میں اختلاف ہے پس تحقیق اس باب میں یہ ہے کہ ہم یہ حکم یقینی نہیں کرتے کہ پوشیدہ لینا ہر حال میں افضل ہے یا ظاہر میں لینا اچھا ہے بلکہ یہ بات نیتوں کے اختلاف کے باعث مختلف ہوتی ہے اور نیتیں احوال اور اشخاص کے اختلاف سے جدا جدا ہو جاتی ہیں، اس صورت میں اخلاص والے کو چاہئے کہ اپنے نفس کا نگران رہے اور مغالطہ میں نہ پڑے نہ طبیعت کے دھوکے فریب کھاوے نہ شیطان کے دام فریب میں آوے اور مکر و فریب پوشیدہ لینے کی وجوہات میں بہ نسبت ظاہر لینے کے زیادہ ہے باوجودیکہ اس کو دخل دونوں میں ہے پس خفیہ لینے میں تو فریب کو دخل اس لیے ہے کہ طبیعت خفیہ لینے پر راغب ہے اس نظر سے کہ اس صورت میں جاہ و منزلت محفوظ رہتی ہے لوگوں کی آنکھوں سے قدر نہیں گرتی کوئی مسکین کو بچشم حقارت اور دینے والے کو محسن اور منعم اس پر نہیں دیکھتا، یہ روگ طبیعت میں گڑا رہتا ہے اور نفس میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور شیطان اس کے ذریعہ سے فوائد کا اظہار کرتا ہے یہاں تک کہ جو پانچ فوائد ہم نے لکھے ہیں ان سب کی علت اس کے خفیہ لینے کی بیان کر دیتا ہے اور ان سب کی کسوٹی ایک ہی بات ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنے صدقہ لینے کا حال کھل جانے سے اتنا ہی رنج ہو جتنا کہ کوئی اس کا ہم جنس اور نظیر اگر خفیہ لیوے اور اس کا حال برملا ہو جاوے، اس سے رنج ہو، غرض کہ برملا ہونے کا رنج اپنے حال اور غیر کے حال کا یکساں ہو، اس لیے کہ اگر خفیہ لینے سے اس کا مقصود تھا کہ لوگ غیبت اور حسد میں مبتلا نہ ہوں اور بدگمانی نہ کریں، یا پردہ دری سے بچنا خواہ دینے والے کو خفیہ دینے کی رغبت دلانی یا علم کو ذلت سے بچانا منظور تھا تو یہ ساری باتیں دوسرے بھائی کے صدقہ لینے کا حال کھلنے سے بھی ہووے گی، اس صورت میں اگر اپنا حال برملا ہوتا تو ناگوار زیادہ ہوتا، اور دوسرے اپنے بھائی کا حال کھلنا اتنا گراں نہ ہو تو پھر یہ کہنا کہ میں خفیہ ان فوائد کے سبب لیتا ہوں، محض مغالطہ اور شیطان کا مکر ہے کہ علم کی ذلت ممنوع ہے کسی کا ہو یہ نہیں کہ خاص زید یا عمرو کے علم کی ذلت تو ناجائز ہے اور

[1] اس کی سند اور معنی تیسری فصل میں اوپر گذرے ۱۲ [2] تیسری فصل میں گذری ۱۲

بکر کی جائز ہو، اسی طرح غیبت اسی وجہ سے ممنوع ہے کہ کسی محفوظ آبرو کے درپے ہونا اس میں پایا جاتا ہے، یہ نہیں کہ زید کی آبرو کا تعرض ہو تو ناجائز ہو، اور بکر کی آبرو کا ہو تو جائز ہو، اور جو شخص اس بات کو اچھی طرح لحاظ رکھتا ہے اس سے شیطان اکثر ہار جاتا ہے ورنہ پھر تو یہ صورت ہوتی ہے کہ عمل بہت سا کرے اور اس میں سے تھوڑا نصیب ہو اور ظاہر لینے کی طرف طبیعت کو اس وجہ سے رغبت ہے کہ اس سے دینے والے کے دل کو خوشی ہوتی ہے اور اس کو ایسے افعال پر ابھارتی ہے اور دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت مشکور ہوتا ہے، اس کی تعظیم اور حال کی جستجو زیادہ چاہیئے۔ اور یہ بات دل میں مدفون رہتی ہے، اور شیطان دیندار پر اور کسی طرح اس خیانت کے نکالنے پر قادر نہیں ہوتا ہے مگر سنت کی آڑ میں اپنا داؤ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ شکر کا ادا کرنا سنت ہے اور خفیہ رکھنا ریا میں داخل ہے اور جو وجہیں ہم نے ظاہر کرنے کے باب میں لکھی ہیں، ان کو اس پر پیش کرتا ہے تاکہ ظاہر کرنے پر اس کو آمادہ کرے اور قصد باطنی اس کا وہی ہوتا ہے کہ دینے والا اپنی تعریف سے تو زیادہ خیر گیراں ہو اور دوسرے لوگوں کو شوقِ خدمت پیدا ہو، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ اپنے نفس کا میل شکر کی طرف اس صورت میں خیال کرے کہ اس شکر کی خبر نہ دینے والے کو پہنچے نہ ان لوگوں کو جن کو رغبت اس کے کچھ دینے کی ہو اور اس جماعت کے سامنے شکر کا خیال کرے جو ظاہر میں دینے کو برا جانتے ہوں، اور خفیہ دینے پر راغب ہوں، اور ان کی عادت یہ ہو کہ بجز خفیہ رکھنے والے کے اور کو نہ دیتے ہوں تو اگر یہ حالات اس کے نزدیک برابر ہوں تب تو جان لے کہ صدقہ کے ظاہر کرنے کا سبب شکر کی سنت ادا کرنی اور نعمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ سمجھ لے کہ یہ شیطان کا فریب اور مغالطہ دہی ہے پھر جب یہ معلوم ہو جاوے کہ باعث ظاہر کرنے کا شکر کی سنت کو ادا کرنا ہے تو چاہیئے کہ دینے والے کے حق ادا کرنے سے غافل نہ ہو، یعنی اس کو دیکھے، اگر وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جو شکر اور نعمت کے ظاہر کرنے کو پسند کرتے ہوں تو چاہیئے کہ اس کے صدقہ کو خفیہ رکھے اور شکر نہ کرے کیونکہ اس کا حق اس بات کو چاہتا ہے کہ ظلم پر اس کی اعانت نہ کرے اور اس کا طالب ہونا شکر پر ایک ظلم ہے تو اس پر اعانت نہ چاہیئے، اور جب اس کا حال یہ معلوم ہو کہ وہ شکر کو پسند نہیں کرتا، اور نہ اس کو صدقہ سے شکر مقصود ہے تو اس صورت میں اس کا شکر کرے اور اس کے صدقہ کو ظاہر کرے، اور اسی جہت سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے ایک شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا[1] کہ تم نے اس کی گردن مار دی، اگر وہ سنے گا تو فلاح نہ پاوے گا باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تعریف ان کے منہ پر کیا کرتے تھے، اس لیے کہ آپ کو ان کے یقین پر اعتماد تھا اور جانتے تھے کہ یہ تعریف ان کو مضر نہ ہوگی بلکہ ان کو خیر کی رغبت زیادہ کرے گی، مثلاً ایک شخص کو ارشاد فرمایا[2] کہ یہ جنگل والوں کا سردار ہے اور دوسرے کے حق میں ارشاد فرمایا[3] کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا کریم آوے تو اس کی تعظیم کرو اور ایک شخص کے کلام سنے تو آپ کو اچھے معلوم ہوتے اور فرمایا[4] ان من البیان سحر اور فرمایا[5] جب تم میں سے کوئی شخص

---

[1] بخاری و مسلم بروایت ابوبکرہ [2] ابن حبان بروایت قیس بن عاصم اور یہی شخص تھا جس کو آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جنگل والوں کا سردار ہے ۱۲ [3] ابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [4] بے شک کچھ بیان جادو ہوتا ہے بخاری بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ [5] دار قطنی بروایت ابن المسیب عن ابی ہریرہ رضؓ ۱۲

اپنے بھائی میں کوئی بہتری معلوم کرے تو چاہیئے کہ اس کو خبر کر دے کہ وہ خیر میں اور زیادہ رغبت کرے گا۔ اور فرمایا[12] اذا امدح المؤمن ربی الایمان فی قلبہ اور سفیانؒ ثوری فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچان لے، اس کو لوگوں کی تعریف مضر نہیں ہوتی، اور یوسف بن اسباط کو حضرت سفیانؒ نے فرمایا کہ جب میں تم کو کچھ مال دوں تو تمہاری نسبت کہ مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اس کو میں سمجھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر نعمت کی تم چاہو شکر کرو خواہ نہ کرو، غرض کہ جو شخص کہ اپنے دل کی خبر گیری کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ ان باریک باتوں کا لحاظ رکھے کیونکہ ان اعضا کے اعمال میں اگر یہ باریکیاں ملحوظ نہ رہیں تو وہ شیطان کی ہنسی اور اس کی خاطر خواہ ہوں گی کہ محنت بہت ہو اور نفع کم، اور اسی جیسے علم کے باب میں کہا کرتے ہیں کہ اس کا ایک مسئلہ سیکھنا برس روز کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ اس علم سے عمر بھر کی عبادت زندہ ہوتی ہے۔ اور اس علم کو نہ جاننے سے تمام زندگی کی عبادت مر جاتی ہے اور بے کار ہوتی ہے، حاصل یہ کہ مجمع میں لینا اور خفیہ پھیر دینا سب طریقوں میں عمدہ اور محفوظ تر ہے، اس کو چکنی باتوں سے دور نہ کرنا چاہیئے، ہاں اگر معرفت کامل ہو اور ظاہر و باطن آدمی کے نزدیک برابر ہو جاوے تو پھر خفیہ لینے کا بھی مضائقہ نہیں، لیکن ایسا شخص عنقا ہے کہ اس کا ذکر ہوتا ہے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ ہماری مدد کرے۔ اور توفیق عطا فرماوے۔

صدقہ افضل ہے یا زکوٰۃ

ابراہیم خواص اور حضرت جنید بغدادیؒ اور بعض اور بزرگوں کی تو یہ رائے تھی کہ صدقہ کے مال سے لینا بہ نسبت زکوٰۃ میں سے لینے سے افضل ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کے لینے میں مسکینوں کے لیئے مزاحمت اور تنگی کرنی ہے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات زکوٰۃ کے لینے کا استحقاق اپنے آپ میں پورا نہیں ہوتا یعنی جیسا وصف کلام مجید میں مذکور ہے وہ صفت خود میں نہیں ہوتی اور صدقہ کے مال میں گنجائش زیادہ ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا لینا چاہیئے نہ صدقہ کا، کیونکہ زکوٰۃ لینے سے لوگوں کو واجب ادا کرنے پر اعانت ہوتی ہے، اور سب مسکین زکوٰۃ کا لینا چھوڑ دیں تو سب گناہگار ہوں گے، اور ایک وجہ یہ کہ اس میں کسی کا احسان نہیں، وہ خدائے تعالیٰ کا حق واجب مالدار کے ذمّہ پر ہے کہ اس سے اس کے محتاج بندوں کی روزی ہوتی ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا لینا تو حاجت کے سبب سے ہے اور حاجت ہر شخص کی اس کو قطعاً معلوم ہوا کرتی ہے، اور صدقہ کا لینا دین کے باعث ہے کیونکہ غالب یہی ہے کہ دینے والا اسی کو دیتا ہے جس میں بہتری کا معتقد ہوتا ہے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ مساکین کی موافقت ذلت اور مسکنت میں بہت دخل رکھتی ہے اور تکبر سے دور تر ہے اس لیے کہ صدقہ کو تو آدمی کبھی ہدیہ کے طور پر بھی لے لیتا ہے تو صدقہ اور ہدیہ میں فرق نہیں رہتا۔ مگر زکوٰۃ کے لینے میں لینے والے کی حاجت اور ذلت پر تصریح ہوتی ہے اور اس باب میں قول حق یہ ہے کہ یہ امر ایک شخص کے حالات کے بموجب مختلف ہوا کرتا ہے، اور جس طرح کی حالت اس پر غالب ہو اور جو نیت ہو، اسی طرح کا حکم کیا جاتا ہے پس اگر کسی کو صفت استحقاق سے اپنے آپ کے موصوف ہونے میں شبہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کا لینا نہ چاہیئے، اور جس صورت میں کہ جانے بہ ظن

ح جب مومن کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کے دل میں ایمان بڑھتا ہے ۱۲ طبرانی بروایت ابوامامہ رضی اللہ عنہ ۱۲

مستحق ہوں، مثلاً اپنے ذمہ قرض رکھتا ہے جس کا روپیہ عمدہ طریقوں میں خرچ کیا ہے اور کوئی صورت اس کے ادا کی نہیں تو بے شک مستحق ہے تو اس طرح کا شخص اگر صدقہ اور زکوٰۃ میں اختیار دیا جاوے تو یہ سوچے کہ اگر میں یہ صدقہ نہ لوں گا تو مالک مال اس کو صدقہ نہ کرے گا، تب تو صدقہ ہی لے کیونکہ زکوٰۃ واجب کو مالک مستحقین کو ادا کرے گا تو اس صورت میں خیرات زیادہ بھی ہوگی، اور مسکینوں کو بھی زیادہ پہنچے گا۔ اور اگر مالک نے وہ مال بھی صدقہ ہی کی نیت سے رکھا ہے کچھ خاص کسی کے لینے ہی پر منحصر نہیں، اور زکوٰۃ کے لینے میں مساکین پر کچھ تنگی بھی نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں اختیار ہے خواہ صدقہ لیوے یا زکوٰۃ۔ ہر چند ان دونوں کے لینے میں حال ایک ہی سا ہے، مگر پھر بھی زکوٰۃ کا لینا نفس کے توڑنے اور ذلیل کرنے کے باب میں غالباً بہت زائد ہے۔ واللہ واعلم باب اسرار زکوٰۃ خدائے تعالیٰ کی عنایت سے ختم ہوا۔ اس کے بعد اسرار صوم کا باب مذکور ہوتا ہے۔

چھٹا باب روزہ اور اسکے اسرار و حکم

ارکان ہیں ایمان کے تے اشرف روزہ ❊ جس کو ہے احادیث میں نسبت بخدا
صائم کے لیے خاص ہے باب الریّان ❊ محسوب عبادت میں ہے سونا اس کا

واضح ہو کہ روزہ ایمان کا چہارم ہے، اس لیے کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ[1] الصوم نصف الصبر اور دوسری میں فرمایا[2] الصبر نصف الایمان۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ ایمان کے نصف کا نصف ہے یعنی چوتھائی ہے، اور چونکہ روزہ کو نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف اور سب ارکان اسلام میں سے ہے۔ تو اس خاصیت کے سبب اس کو اوروں پر فوقیت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ سب نیکیاں دس گنے ثواب سے سات سو گنے تک ہوں گی، مگر روزہ رکھنا کہ وہ خاص میرے واسطے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب ط یعنی صبر والوں کو ثواب ان کا بے حساب ملے گا، اور روزہ صبر کا آدھا ہے، تو اس صورت میں اس کا ثواب بھی قانون حساب سے باہر ہو گیا اور اس کی فضیلت میں یہی جاننا کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[3] والذی نفسی بیدہٖ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک یقول اللہ عز وجل انما یذر شھوتہ وطعامہ و شرابہ لاجلی فالصوم لی وانا اجزی اور فرمایا[4] للجنۃ باب یقال لہ الریان لا یدخلہ الا الصائمون

---

[1] روزہ صبر کا نصف ہے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضی ۱۲ [2] صبر ایمان کا آدھا ہے ۱۲ خطیب بروایت ابوسعید رضی ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی
[3] قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے مشک کی خوشبو سے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار اپنی خواہش اور کھانا پینا صرف میرے لیے چھوڑتا ہے تو روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا ۱۲ بخاری بروایت ابوہریرہ رضی ۱۲ [4] جنت کا ایک دروازہ ہے جس کو باب الریان کہتے ہیں اس میں بجز روزہ داروں کے اور کوئی نہ جاویگا اور روزہ دار کو اس کے روزہ کے عوض اللہ تعالیٰ کے دیدار کا وعدہ ہو چکا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت سہل بن سعد ۱۲

وھو موعود بلقاء اللہ تعالیٰ اور فرمایا[ع] الصائم فرحتان فرحۃ عند الافطار و فرحۃ عند لقائہ اور فرمایا[ع] ہر چیز کا ایک دروازہ ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے، اور فرمایا[ع] روزہ دار کا سونا عبادت ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے[ع] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطان باندھ دیے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے طالبِ خیر آگے بڑھ اور اے طالبِ شر بس کر، اور وکیع اس آیت کی تفسیر میں[ت] کلوا واشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ ۰ فرماتے ہیں کہ دو دن روزے کے ہیں اس لیے کہ ان میں کھانا اور پینا چھوڑ رکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے زہد اور روزہ کو مباہات میں یکجا فرمایا ہے، چنانچہ زہد کے باب میں ارشاد فرمایا[ع] کہ اللہ تعالیٰ . . . . . جوان عابد سے اپنے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اے جوان میرے لیے اپنی خواہش چھوڑنے والے اور میری رضا میں اپنی جوانی خرچ کرنے والے تو میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کوئی میرا فرشتہ ہو — اور روزہ دار کے باب میں فرمایا کہ[ع] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے فرشتو! میرے بندے کو دیکھو کہ اپنی شہوت اور لذت اور کھانا اور پینا میرے سبب سے چھوڑ دیا ہے، اور بعضوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے[ت] فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء کہ ان کا عمل روزہ تھا کہ صابروں کے حق میں فرمایا ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر کے لیے ثواب انڈیل کر ڈھیر لگا دیے جائیں گے کہ وہم و اندازہ میں نہ آسکے، اور ایسا ہی ہونا شایان ہے اس لیے کہ روزہ خدائے تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کی طرف منسوب ہونے سے اس کو شرف ہے، چند ساری عبادتیں اسی کے لیے ہیں، مگر روزے کو ایسا شرف ہے جیسا خانہ کعبہ کو ہے گو زمین بالکل خدائے تعالیٰ کے لیے ہے، اور یہ شرف دو وجہ سے ہے ۔ اول یہ کہ روزہ رکھنا چند چیزوں سے باز رہنا اور ترک کرنا بعض افعال کا ہے، اور یہ امر باطنی ہے اس میں کوئی عمل ایسا نہیں جو آنکھ سے سوجھے اور دوسری عبادتیں لوگوں کی نظرگاہ میں ہوتی ہیں اور روزے کو بجز خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ عمل باطن کا ہے صرف صبر کرنے سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ روزہ خدائے تعالیٰ کے دشمن پر دباؤ اور غالب ہوتا ہے کیونکہ شیطان کا وسیلہ شہوات میں جو کھانے پینے سے قوی ہوتی ہیں، اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ع] کہ شیطان آدمی میں خون کے چلنے کی جگہوں میں پھرتا ہے الیس اس کی راہوں کو بھوک سے تنگ کرو، اور بہمیں لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو فرمایا[ع] کہ جنت کے دروازے ہمیشہ کھٹکھٹایا کرو انہوں نے عرض کیا کہ کس چیز سے آپؐ نے فرمایا کہ بھوک سے اور بھوک کی فضیلت

---

[۱] روزہ دار کو دو خوشیاں ایک خوشی افطار کے وقت اور ایک اپنے رب کے دیدار کے وقت بخاری و مسلم بروایت ابوہریرۃ رضؓ ۱۲ [۲] ابن مبارک بروایت ابوداؤد [۳] ابو بروایت عبداللہ ابن ابی اوفی اور اس سند میں سلیمان ابن عمرو نخعی ہے ۱۲ [۴] ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم ۱۲ [۵] کھاؤ اور پیو رچ سے بدلہ اس کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں ۱۲ [۶] ابن عدی بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲ [۷] یہ حدیث مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [ت] تو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی اور بدلہ اس کا جو کرتے تھے ۱۲ [۹] بخاری و مسلم بروایت صفیہ مگر یہ جملہ آخر کا نہیں کہ اس کی راہوں کو بھوک سے تنگ کرو ۱۲ [ع] اس م

ص کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲

باب غذا کی کثرت حرص اور تدبیر میں جلد سوم میں مذکور ہوگی، پس چونکہ روزہ خاص کر شیطان کا بیخ کن اور اس کی راہوں کا بند کرنے والا اور اس کے راستوں کا تنگ کرنے والا ہے، اس وجہ سے مستحق اس کا ہوا کہ خاص خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کیونکہ دشمن خدا کی بیخ کنی میں خدائے تعالیٰ کی نصرت ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کو مدد کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اس کی نصرت کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم غرض کہ شروع کرنا کوشش کا بندے کی جانب سے ہے اور ہدایت کا عوض دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، چنانچہ فرماتا ہے[2] والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور فرمایا ہے[3] ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اور تغیر کے لیے شہوات کو توڑنے کا حکم اس لیے ہے کہ شہوات شیطانوں کی چراگاہ ہیں، پس جب تک یہ ہری بھری رہیں گی، ان کی آمد و رفت موقوف نہ ہوگی اور جب تک آتے جاتے رہیں گے تب تک بندے کو خدائے تعالیٰ کا جلال ظاہر نہ ہوگا، اور اس کی لقاء سے محجوب رہے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] - کہ اگر بنی آدمؑ کے دلوں پر شیاطین دورہ نہ کرتے رہتے تو وہ آسمان کے ملکوت کو دیکھنے لگتے غرض کہ اس جہت سے روزہ عبادت کا دروازہ اور سپر ہوا اور جب کہ اس کی فضیلت اس حد کو بڑھ گئی ہے تو ضرور ہوا کہ اس کی ظاہری اور باطنی شرطوں کو مع اس کے ارکان اور سنتوں کے بیان کیا جاوے اور یہ باتیں تین فصلوں میں بیان کی جاویں گی۔

فصل اوّل روزہ کے واجبات سُنن اور افطار کے لوازمات

واجبات ظاہریہ اور وہ چھ ہیں، اوّل ابتدائے ماہ رمضان کو معلوم کرنا، اور یہ بات یا تو چاند کے دکھائی دینے سے معلوم ہوتی ہے یا اگر آسمان صاف نہ ہو تو شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے سے، اور چاند کے دیکھنے سے یہ غرض ہے کہ علم اس کی رؤیت کا ہو جاوے، اور علم رویت ایک عادل شخص کے کہنے سے ہو جاتا ہے۔ اور عید فطر کا چاند بدوں دو عادل شخصوں کے کہنے کے ثابت نہیں ہوتا کہ عبادت کی احتیاط اسی کو مقتضی ہے۔ اور جس شخص نے چاند کی رؤیت ایک عادل آدمی سے سنی، اور اس کے کہنے کا اعتبار کیا اور غالب ظن اس کو یہی ہے کہ یہ شخص درست کہتا ہے تو اس کو روزہ رکھنا لازم ہوگا، اگرچہ قاضی اس کی روایت پر حکم نہ دیوے۔ پس ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اپنی عبادت کے باب میں اپنے ظن کے بموجب عمل کرے۔ اور جب چاند ایک شہر میں دیکھا جاوے اور دوسرے شہر میں نظر نہ آوے اور ان دونوں شہروں میں دو منزل سے کم تر فاصلہ ہو تو روزہ سب پر واجب ہوگا۔ اور اگر فاصلہ زیادہ ہو تو ہر شہر کا حکم جدا ہے، ایک کا وجوب دوسری جگہ تجاوز نہ کرے گا۔ دوم نیت ہے اور نیت ہر ایک شب کے لیے رات

---

[1] اگر تم مدد کرو گے اللہ کی، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں ۱۲ [2] اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سوجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ۱۲ [3] اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو اپنے بیچ ہے ۱۲ [4] احمد بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

سے تعیین اور جزم کے ساتھ چاہیئے۔ پس اگر تمام ماہِ رمضان کی نیت ایک ہی دفعہ کرے تو کافی نہ ہوگا، اس لیے ہم نے نیت میں قید ہر شب کی لگائی، اور اگر نیت دن کو کرے گا تو نہ رمضان کا روزہ نہ فرض بلکہ نفل کے سوا اور کچھ نہ ہوگا، اس واسطے ہم نے قید رات سے نیت کرنے کی لگائی، اور اگر نیت مطلق روزہ کی یا فرض مطلق کی کرے گا تو جائز نہ ہوگا، اسی غرض سے ہم نے کہا ہے کہ نیت تعیین کے ساتھ ہو کہ روزہ رمضان فرض خدائے عزوجل کا رکھتا ہوں، اگر شک کی رات میں یوں نیت کرے کہ کل اگر رمضان ہوگا تو روزہ رکھوں گا۔ تو نیت کافی نہ ہوگی، کیونکہ اس میں جزم یعنی یقین نہیں، ہاں اگر نیت ایک عادل شخص کے کہنے پر اعتبار کر کے کی ہے تو اس کی غلطی یا جھوٹ کے احتمال سے جزم باطل نہ ہوگا یا قرینہ حال کی ہمراہی میں نیت کی ہو، مثلاً شب آخر رمضان میں شک ہو تو یہ شک یقین کا مانع نہیں ہے یا نیت کو اجتہاد سے پشتی ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کسی گڑھی میں قید ہو اور اس کے گمان میں غالب یہی ہو کہ رمضان شروع ہو گیا اور اس کی رائے مقتضے اس امر کی ہو تو اس کا شک کرنا اس کی نیت کا مانع نہیں، اور جب کہ شک کی رات میں اس کو شک ہو تو پھر زبان سے نیت یقینی کرنی مفید نہیں، اس لیے کہ نیت کا محل تو دل ہے اس میں تو قصد یقینی شک کے ساتھ ممکن نہیں، مثلاً جیسے رمضان کے بیچ میں کہے کہ کل اگر رمضان ہوگا تو روزہ رکھوں گا کہ یہ شک اس کو مضر نہیں کیونکہ یہ شک صرف زبان پر ہے دل جو محل نیت ہے اس میں تردد نہیں، بلکہ اس میں یقین ہے اس بات کا کہ کل رمضان ہی ہوگا، اور اگر کوئی شخص رات کو نیت کر چکا اور بعد نیت کے کچھ کھانا کھایا تو اس کی نیت نہیں جانے کی۔ اور اگر عورت نے حالتِ حیض میں روزہ کی نیت کی اور فجر سے پہلے پاک ہو گئی تو اس کا روزہ درست ہوگا۔ تیسرا واجب یہ ہے کہ روزہ کی یاد ہوتے ہوئے جان کر کسی چیز کو پیٹ میں پہنچانے سے بندش کرے، اس سے یہ نکلا کہ اگر روزہ میں دانستہ کھاوے گا یا پیوے گا، یا ناک کی راہ سے کوئی چیز پیٹ میں چلی جاوے گی، یا حقنہ کراوے گا تو روزہ ٹوٹ جاوے گا۔ اور فصد کھلانے یا پچھنے لگوانے اور سرمہ ڈالنے اور کان میں سلائی ڈالنے سے نہیں ٹوٹے گا۔ اور پیشاب گاہ میں سلائی ڈالنا بھی روزے کا مفسد نہیں لیکن اگر اس میں ایسی چیز ٹپکاوے جو مثانہ میں پہنچ جاوے تو البتہ مفسد ہے۔ اور جو چیز بدوں قصد پیٹ میں چلی جاوے جیسے راستے کا غبار یا مکھی یا کلی کرنے کے وقت پانی چلا جاوے تو مفسد نہیں۔ لیکن اگر غرارہ کرنے میں جاوے گا تو مفسد ہوگا کہ قصور روزہ دار کا ہے۔ اور ہماری غرض دانستہ فعل کرنے سے یہی ہے کہ ایسے فعل کا مرتکب ہو، جس میں احتمال قوی روزے کے فاسد ہونے کا ہو۔ اور روزہ کے یاد ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ بھولنے والا اس سے مستثنیٰ ہو جاوے کیونکہ بھول کر یہ امور مفسد روزے کے نہیں، اور جو شخص جان بوجھ کر سحر کھائے یا افطار کرے، پھر معلوم ہو کہ صبح تھی یا دن باقی تھا تو اس پر قضا لازم ہوگی۔ اور اگر اپنے گمان اور اجتہاد کے حکم پر بدستور جمار ہے گا تو قضا لازم نہ آوے گی۔ اور ان دونوں وقتوں میں بدوں گمان اور اجتہاد کے کھانا نہ چاہیئے۔ چوتھا واجب جماع سے بند رہنا ہے اور اس کی حد یہ ہے کہ سر ذکر غائب ہو جاوے اور اگر بھول کر صحبت کرے گا تو مفسد نہ ہوگی، اور اگر رات کو صحبت کی یا خواب میں احتلام ہو گیا اور حالتِ ناپاکی میں صبح ہو گئی تو اس سے روزہ نہیں جاتا۔ اور اگر روزہ دار اپنی بی بی سے صحبت کرتا تھا کہ صبح ہو گئی اور فوراً یہ علیحدہ ہو گیا تو روزہ درست ہوگا۔ اور اگر بعد صبح کے توقف کرے گا اور علیحدہ نہ ہوگا تو کفارہ لازم آوے گا اور روزہ ٹوٹ جاوے گا۔ پانچواں واجب

منی نکالنے سے رُکا رہنا یعنی منی کو قصداً نہ جماع سے نکالے نہ بدوں جماع کے کہ قصداً اس کا نکالنا روزہ کا مفسد ہے۔ اور اپنی زوجہ کا بوسہ لینا اور پاس لٹانا روزے کا مفسد نہیں، جب تک کہ انزال نہ ہو، مگر یہ امور مکروہ ہیں، ہاں اگر روزہ دار بوڑھا ہو یا اپنی شہوت پر قابو رکھتا ہو تو بوس و کنار کا مضائقہ نہیں، پھر بھی اس کا نہ کرنا بہتر ہے۔ اور جس صورت میں کہ بوسہ سے انزال ہونے کا خوف کرتا تھا، پھر بوسہ لیا اور منی نکل پڑی تو روزہ جاتا رہے گا کہ اپنی طرف سے قصور کیا۔ چھٹا۔ واجب قے کرنے سے بندش کرنی ہے کہ اپنے آپ قے کرنا روزہ کا مفسد ہے اور اگر آپ سے ہو جاوے تو مفسد نہیں۔ اور اگر بلغم حلق میں سے یا سینے سے نکل جاوے تو روزہ فاسد نہ ہو گا، کیونکہ اس کی ضرورت میں سب مبتلا ہیں، ہاں اگر بلغم کے منہ میں پہنچنے کے بعد نگلے گا تو روزہ ٹوٹ جاوے گا۔

افطار

افطارِ صوم کے لیے چار باتیں لازم ہیں، قضا اور کفارہ اور فدیہ دینا اور باقی دن میں امساک کرنا روزہ داروں کی طرح سے، اور ہر ایک ان باتوں میں سے جُدا جُدا شخصوں کے لیے ہے۔ قضا ہر مسلمان عاقل بالغ پر واجب ہے۔ جو روزہ عذر کے باعث یا بلا عذر نہ رکھے، اس سے یہ نکلا کہ حائضہ عورت یا مرتد روزہ کی قضا کریں۔ لیکن کافر اور لڑکے اور مجنون پر قضا نہیں، اور رمضان کے روزوں کی قضا میں پیہم رکھنا بھی شرط نہیں جس طرح چاہے اکٹھے خواہ جدا جدا قضا رکھ دے۔ اور کفارہ روزہ کا بجز جماع کے اور باتوں سے واجب نہیں ہوتا۔ مثلاً کھانے اور پینے اور بدوں جماع کے منی نکالنے سے کفارہ واجب نہیں، اور کفارہ یہ ہے کہ ایک بردہ آزاد کرے، اور اگر نہ ہو سکے تو دو مہینے پیہم روزے رکھے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو ایک مد کھانا دے مد سو روپیہ کے سیر سے تین پاؤ ہوتا ہے اور امساک بقیہ دن میں ان لوگوں پر واجب ہے جنہوں نے افطار کرنے سے معصیت کی ہو یا افطار میں قصور ان کی طرف سے ہوا ہو۔ اور حائضہ اگر کچھ دن رہے پاک ہوئی ہو یا مسافر سفر سے افطار کی حالت میں دن سے آیا ہو تو ان دونوں پر بقیہ دن کا امساک واجب نہیں، اور اگر شک کے روز ایک عادل شخص چاند کی گواہی دے تو امساک واجب ہے۔ اور سفر میں روزہ رکھنا افطار کی نسبت کر افضل ہے، لیکن اگر مسافر کو تاب نہ ہو تو افطار بہتر ہے اور جب کہ اوّل سے مقیم تھا اور پھر سفر کیا تو جس روز سفر کو نکلے اس روز افطار نہ کرے اور نہ اس روز کہ سفر میں روزہ رکھ کر مکان پر روزہ سے پہنچ جاوے اور فدیہ حاملہ اور دودھ پلانے والی پر واجب ہے جبکہ یہ دونوں اپنی اولاد کے خوف سے افطار کرلیں، پس ہر روزہ کے عوض ایک مد گیہوں ایک مسکین کو دلویں اور روزہ کی قضا کریں اور نہایت بوڑھا شخص جب روزہ نہ رکھے تو ہر روز کے عوض ایک مد گیہوں دے دیا کرے۔

تیسرا بیان روزہ کی سنتیں

روزہ کی سنتیں چھ ہیں، اول سحر کو دیر کر کے کھانا، دوم خرما یا پانی سے نماز سے پیشتر افطار کرنا، سوم زوال کے بعد مسواک کا نہ کرنا، چہارم ماہِ رمضان میں خیرات کا کرنا، چنانچہ اس کی فضیلت باب الزکوٰۃ میں بیان کر دی گئی ہے۔ پنجم قرآن کا پڑھنا پڑھانا، ششم مسجد میں اعتکاف کرنا، خصوصاً آخر عشرہ میں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہی تھی کہ جب اخیر عشرہ آتا تو آپ[ا] بستر نہ کر دیتے اور کمر عبادت

[ا] بخاری و مسلم بروایت

پر چسپت کرتے اور خود بھی محنت کرتے اور گھر والوں سے بھی عبادت میں مشقت لیتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دس دنوں میں شب قدر ہے، اور غالباً وہ طاق راتوں میں سے اکیسویں اور تئیسویں اور پچیسویں اور ستائیسویں پر زیادہ شبہ ہے کہ شب قدر ہو اور اس عشرہ کا اعتکاف پیہم کرنا بہتر ہے پس اگر پیہم اعتکاف کی نذر یا نیت کی تو بدوں ضرورت مسجد میں سے نکلنے کے باعث پیہم ہونا جاتا رہے گا، مثلاً اگر بیمار کی عیادت یا ادائے شہادت یا جنازے کی شرکت یا زیارت یا تجدید طہارت کے نکلے گا تو پیہم ہونا جاتا رہے گا اور قضائے حاجت کے لیئے نکلنے سے نہیں جائے گا اور اس صورت میں اس کو درست ہے کہ وضو گھر پر کرے لیکن اور کسی کام میں مشغول نہ ہونا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدوں حاجت انسانی کے اور کسی بات کے واسطے نہ نکلتے تھے اور بیمار کا احوال صرف راستہ چلتے پوچھ لیتے تھے اور پیہم ہونا جماع سے جاتا رہتا ہے بوسہ سے نہیں جاتا اور مسجد میں خوشبو لگانے اور نکاح کرنے اور کھانے اور سونے اور طشت میں ہاتھ دھونے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی پیہم اعتکاف میں ضرورت پڑتی ہے اور کچھ بدن باہر نکلنے سے پیہم ہونا منقطع نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک حجرہ شریف میں جھکا دیتے تھے، اور حضرت عائشہؓ موئے مبارک میں کنگھی کر دیتی تھیں اور جب اعتکاف والا قضاء حاجت کے لیے باہر نکلے تو جب لوٹ کر آوے تو چاہیئے کہ از سر نو نیت اعتکاف کی کرے لیکن جب اول ہی میں پورے دس روز کی نیت کر چکا تو پھر کچھ ضرورت نہیں، تاہم تجدید افضل ہے۔

دوسری فصل روزہ کے اسرار

جاننا چاہیئے کہ روزہ کے تین درجے ہیں، ایک روزہ عوام کا ہے اور ایک روزہ خواص کا اور ایک اخص خواص کا، عوام کا روزہ یہ ہے کہ پیٹ اور شرم گاہ کو ان کی خواہش ادا کرنے سے روکا جاوے جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گذری اور خواص کا روزہ یہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء کو گناہ سے روکا جاوے اور اخص خواص کا روزہ اس طرح ہے کہ دل کو بری ہمتوں اور دنیوی فکروں سے دور رکھا جاوے اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اور چیزوں سے مطلقاً اس کو روک دیا جاوے۔ اس قسم کا روزہ خدائے تعالیٰ اور آخرت کے سوا اور چیزوں میں فکر کرنے سے اور دنیا میں فکر کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے، ہاں جو دنیا کہ دین کے لیئے مقصود ہوتی ہے، اس کا فکر اس روزہ کو افطار نہیں کرتا کیونکہ وہ زاد آخرت ہے دنیا میں سے نہیں، یہاں تک کہ اہل دل فرماتے ہیں کہ جس شخص کی ہمت دن کو اسباب میں مصروف ہو کہ افطار کی چیز کی تدبیر کر لینی چاہیئے تو اس پر خطا لکھی جاوے گی اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کم کیا اور اس کے رزق موعود پر یقین تھوڑا ہو، اور یہ رتبہ انبیاء اور صدیقین اور مقربین کا ہے اور ہم اس مرتبہ کی تفصیل میں تقریر قولی کو طول نہیں دیتے مگر عمل کی رو سے اس کی تحقیق بتاتے ہیں کہ وہ روزہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ تمام ہمت خدائے تعالیٰ

---

۱ ؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضؓ ۱۲ ۲ ؎ ابو داؤد و عائشہ رضؓ بسند ضعیف ۱۲ ۳ ؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضؓ ۱۲

کی طرف آدمی متوجہ ہو اور خدائے تعالیٰ کے غیر سے منہ پھیرے اور اس آیت کا مضمون اس پر چھا جاوے[1] قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون اور خواص کا روزہ یعنی نیک بخت لوگوں کا، جو اعضاء کو گناہوں سے باز رکھنے سے ہوتا ہے وہ چھ باتوں سے ہوتا ہے، اوّل نظر کا نیچے رکھنا اور جو باتیں بری اور مکروہ ہیں، ان کی طرف ان کو نہ جانے دینا اور جن چیزوں کے دیکھنے سے دل ہٹتا ہو اور خدائے تعالیٰ کی یاد سے غفلت ہوتی ہو، ان سے نظر کو روکنا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ نظر کرنا ایک زہر کا بجھا ہوا تیر ہے شیطان کے تیروں میں، جو کوئی اس خدائے تعالیٰ کے خوف سے ترک کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عنایت فرماوے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پاوے گا، اور حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا[3] خمس یفطر الصائم الکذب والغیبۃ والنمیمۃ والیمین الزور والنظر بشھوۃ دوم زبان کا بند رکھنا اور بے ہودہ بات اور جھوٹ اور غیبت اور چغلی اور فحش اور ظلم اور جھگڑے اور بات کاٹنے سے اور سکوت کو اس پر لازم کرنا اور ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں مصروف رکھنا کہ زبان کا روزہ ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ غیبت روزہ کی مفسد ہے، اس روایت کو ان سے بشیر بن حارث نے روایت کیا ہے اور لیث حضرت مجاہدؒ سے راوی ہیں کہ دو خصلتیں روزے کی مفسد ہیں، غیبت اور جھوٹ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ روزہ سپر ہے جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو فحش نہ بکے نہ جہالت کرے، اور اگر کوئی اس سے لڑائی کرے یا گالی دے تو چاہیئے کہ کہدے کہ میں روزہ دار ہوں، اور ایک حدیث میں آیا ہے[5] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو عورتوں نے روزہ رکھا اور بھوک اور پیاس کی ان کو آخر روز میں یہ شدت ہوئی کہ قریب بہ ہلاکت ہوگئیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں افطار کی اجازت کے لیے کسی کو بھیجا، آپؐ نے ان کے پاس ایک پیالہ بھیجا اور آدمی سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کہنا کہ جو کچھ تم نے کھایا ہو اس کو اس پیالہ میں قے کردو، ایک عورت نے نصف پیالہ خون تازہ اور گوشت تازہ سے بھر دیا اور دوسری نے بھی یہی چیزیں قے کیں، یہاں تک کہ ایک پیالہ لبالب ہوگیا، لوگوں نے اس سے تعجب کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں نے جو چیز اللہ کی حلال کی ہوئی تھی، اس سے روزہ رکھا اور جو ان پر خدائے تعالیٰ نے حرام کی تھی، اس سے افطار کیا ایک ان میں سے دوسری کے پاس بیٹھ گئی، ان دونوں نے لوگوں کی غیبت شروع کی۔ یہ گوشت پیالہ میں وہی ہے، جو ان دونوں نے لوگوں کا گوشت کھایا تھا۔ سوم بری بات کے سننے سے کانوں کو باز رکھنا اس واسطے کہ جن امور کا کہنا حرام ہے ان کا سننا بھی حرام ہے، اور یہاں جہت خدائے تعالیٰ نے سننے والوں اور حرام خوروں کو برابر ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے۔[6] سمّاعون للکذب اکّالون للسحت اور فرمایا[7] لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت

---

[1] کہہ اللہ پھر چھوڑ دے ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں ۱۲ [2] حاکم بروایت حذیفہؓ ۱۲ [3] پانچ چیزیں روزہ دار کا روزہ توڑ دیتی ہیں جھوٹ اور چغلی اور غیبت اور جھوٹی قسم اور شہوت سے دیکھنا ۱۲ ازدی در ضعفا از عمر بن جابان عن انسؓ اور احیاء میں جابرؓ سے مروی ہونا غلط ہے ۱۲ [4] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرۃؓ ۱۲ [5] احمد بروایت عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی سند میں ایک راوی ہے ۱۲ [6] بڑے جاسوس جھوٹ کہنے کو اور بڑے حرام کھانے والے ۱۲ [7] کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور عالم گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے ۱۲

پس غیبت کو سُن کر خاموش رہنا حرام ہے اور فرمایا انکم اذا مثلھم [1] اور اسی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المغتاب والمستمع شریکان فی الاثم [2] چہارم ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کو بری باتوں سے روکنا اور افطار کے وقت شکم کو شبہات سے باز رکھنا، کیونکہ اگر حلال سے دن بھر بند رہے اور حرام پر افطار کیا تو روزہ کچھ نہ ہوا، ایسے روزہ والے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک محل بنا دے اور ایک شہر کو منہدم کر دے اس لیے کہ حلال کھانے کی کثرت بھی مضر ہوتی ہے اور روزہ اس کی کمی کے لیے ہوتا ہے، اور جو شخص کہ بہت سی دوا کھانے کے ضرر سے ڈر کر زہر کھانا اختیار کرے وہ بے وقوف ہے اور حرام کھانا ایک زہر ہے جو دین کو ہلاک کرتا ہے اور حلال ایک دوا ہے کہ اس کو کمتر کھانا مفید اور زیادہ کھانا مضر ہے، روزے سے غرض حلال کی کمی سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش [3] اس میں بعضوں نے یہ کہا ہے کہ مراد اس شخص سے ہے جو حرام پر افطار کرے، اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو طعام حلال سے رکا رہے اور افطار لوگوں کے گوشت یعنی غیبت سے کرے جو حرام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شخص مقصود ہے جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے نہ بچائے، پنجم یہ کہ افطار کے وقت حلال غذا اتنی بہت نہ کھاوے کہ پیٹ تن جاوے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی ظرف اتنا برا نہیں جتنا شکم جو حلال سے پُر ہے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ روزہ سے آدمی شیطان کو کس طرح دبائے گا اور شہوت کو کیسے توڑے گا جس صورت میں کہ تمام دن کی بھوک پیاس کا تدارک افطار کے وقت کرلے گا۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کھانے کے اقسام روزہ میں زیادہ ہی ہوتے ہیں چنانچہ عادت ٹھہر گئی ہے کہ سب کھانوں کو رمضان کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں، اور رمضان میں اتنا کھا جاتے ہیں کہ ان دنوں میں کئی مہینے میں بھی نہ کھاویں، اور ظاہر ہے کہ روزہ سے مقصود پیٹ کا خالی رکھنا اور خواہش کا توڑنا ہے بایں غرض کہ نفس تقویٰ پر قوی ہو جاوے۔ اور جس صورت میں کہ صبح سے شام تک تو معدہ کو ٹالا، یہاں تک کہ اس کی خواہش جوش میں آئی اور رغبت قوی ہوئی پھر لذیذ چیزیں کھائیں اور خوب سیر کر دیا تو صاف بات ہے کہ اس کی لذت اور قوت دوبالا ہوگی اور وہ خواہشیں ابھریں گی۔ اور اگر بالفرض بے روزہ رہتا تو نہ ابھرتیں، غرضکہ روزہ کی روح اور اصل یہ ہے کہ جو قوتیں کہ برائیوں کی طرف کھینچنے کے وسیلے اور شیطان کی دوا ہیں، وہ ضعیف ہو جاویں، اور یہ بات بدوں کم کھانے کے میسر نہیں ہوتی، یعنی اتنی ہی غذا کھاوے جتنی بدوں روزہ رکھنے کی ہر شب میں معمول تھا اور جس صورت میں کہ دوپہر کی غذا اور شب کی غذا کو ایک ساتھ کھا لیا تو روزہ سے فائدہ نہ ہوگا، بلکہ مستحب یہ ہے کہ دن کو بہت نہ سووے تاکہ بھوک اور پیاس کو معلوم کرے اور قوتوں کے ضعیف ہونے پر آگاہ ہو اور کچھ ایک ضعف رات کو بھی بنا رہے تاکہ تہجد اور وظائف پر آسانی ہو، اور کیا عجب ہے کہ اس صورت میں شیطان اس کے دل کے گرد نہ پھٹکے اور وہ آسمان کے ملکوت دیکھ لے اور شب قدر اسی رات کا نام ہے جس میں کچھ ملکوت آدمی پر منکشف ہوں اور خدائے تعالیٰ کے قول

[1] بے شک تم بھی ان کے برابر ہوئے ۱۲ [2] طبرانی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] بہت روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس کے نہیں، نسائی در مکارم الاخلاق بروایت ابن مسعود ۱۲

سے بھی یہی مراد ہے کہ فرمایا انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر ث جو شخص اپنے دل اور سینے کے درمیان میں غذا کی آڑ کرے گا وہ اس سیر ملکوت سے محجوب رہے گا، اور جو آدمی اپنا معدہ خالی رکھے گا اس کو بھی حجاب دور ہونے کے لیے اسی قدر کافی نہیں جب تک کہ اپنی ہمت کو غیر اللہ سے خالی نہ کرے کہ تمام بات یہی ہے اور سب کی اصل غذا کی کمی ہے اور اس کا زیادہ بیان غذاؤں کے باب میں انشاء اللہ لکھا جاوے گا۔ ششم یہ کہ بعد افطار کے خوف و رجا سے وابستہ اور دور رہنا چاہیئے کیونکہ معلوم نہیں کہ اس کا روزہ مقبول ہو کر مقربین کے زمرہ میں اس کا شمار ہو اور یا روزہ نامنظور ہو اور خفگی کے مستحقوں میں منصور ہو، اور ہر عبادت کے فارغ ہونے پر اسی طرح کا حال ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ عید کے روز ان کا گذر کسی قوم پر ہوا جو ہنس رہی تھی، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کو اپنی مخلوقات کے لیے دوڑنے کا میدان مقرر فرمایا ہے کہ سب آدمی اس کی اطاعت کے لیے اندر دوڑیں تو کچھ لوگ آگے بڑھ کر اپنے مطلب کو پہنچ گئے اور کچھ لوگ پیچھے رہ کر ناامید ہوئے۔ پس جس روز میں کہ جلدی کرنے والے اپنے مطلوب کو پہنچے اور باطل والے محروم رہے اس روز میں ہنسی اور کھیل کرنے والے سے بڑا تعجب ہے بخدا اگر حقیقت حال واضح کر دی جاوے تو مقبول آدمی کو اتنا سرور ہو کہ اس کو کھیل سے باز رکھے، اور نامنظور کو اتنا غم ہو کہ اس کو ہنسی سے روک دے۔ اور احنف بن قیس سے کسی نے کہا کہ تم بوڑھے بزرگ شخص ہو اور روزہ تم کو ضعیف کر دیتا ہے، بہتر ہے کہ اس کے لیے کوئی اور سبیل کرو، فرمایا روزہ کو ایک بڑے لمبے سفر کے لیے تیار کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی طاعت پر صبر کرنا اس کے عذاب پر صبر کرنے کی نسبت بہت آسان ہے، بالجملہ روزہ میں چھ باتیں باطنی یہ تھیں جو مذکور ہوئیں۔ اب اگر یہ کہو کہ جو شخص شکم اور شرمگاہ کی شہوت سے باز رہنے پر کفایت کرتا ہے اور ان باتوں کو بجا نہیں لاتا تو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس کا روزہ درست ہے پس اس کے کیا معنی ہیں کہ فقہاء درست بتا دیں اور تم صحیح نہیں بتاتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر کے فقہاء ظاہر کی شرطوں کا اثبات ایسی دلیلوں سے کرتے ہیں جو باطنی شرطوں میں ہماری بیان کی ہوئی دلیلوں سے نہایت ضعیف ہیں۔ خصوصاً غیبت وغیرہ کے باب میں، مگر چونکہ فقہا ظاہری حکم ایسی چیز پر لگاتے ہیں جس میں غافل اور دنیا کے متوجہ لوگ بھی داخل ہو سکیں، اس لیے ان کو شروط ظاہری کے بموجب صحیح کہنا پڑا ہے، اور علمائے آخرت کی غرض صحت سے قبول ہونا ہے، اور قبول ہونے سے ان کی مراد مقصود کو پہنچنا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روزہ سے مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اخلاق میں جو ایک خلق صمدیت ہے یعنی بھوک اور پیاس وغیرہ کا نہ ہونا اس کو اپنی عادت کریں اور شہوات سے رکنے میں حتی الوسع فرشتوں کی اقتدا کریں کہ وہ شہوات سے پاک ہیں۔ اور انسان کا مرتبہ چوپاؤں کے مرتبہ سے تو اوپر ہے اس لیے کہ نور عقل سے اپنی شہوت کے توڑنے پر قادر ہے اور فرشتوں کے مرتبہ سے نیچے ہے، بایں وجہ کہ اس پر شہوات غالب ہیں اور ان کو دبانے میں مبتلا کیا گیا ہے اس لیے جب کبھی شہوات میں ڈوبتا ہے تو اسفل السافلین میں اتر جاتا ہے اور بہائم کے زمرہ میں لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت کہ شہوات کو اکھاڑتا ہے تو اعلیٰ علیین کی طرف ابھر کر

ث ہم نے اتارا شب قدر میں ۱۲

فرشتوں کے کنارہ سے جا لگتا ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں، اور جو کوئی ان کا اقتدا کرتا ہے اور ان کی سی عادتیں اختیار کرتا ہے، وہ بھی ان کی طرح خدائے تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے کہ قریب ہمشکل بھی قریب ہی ہوتا ہے اور یہ قریب مکان اور فاصلہ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ صفات کے لحاظ سے ہے۔ پس جب کہ روزہ کی اصل ارباب عقل اور اہل علم کے نزدیک یہ ٹھہری تو ایک غذا کے دیر کر دینے اور شام کو دونوں کو ایک ساتھ کھا لینے اور دن بھر اور شہوات میں ڈوبے رہنے سے کون سا فائدہ ہے۔ اور اگر اس جیسے روزہ سے بھی فائدہ ہوتا ہے تو اس حدیث شریف کے کیا معنی ہیں کہ کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش اور اسی وجہ سے حضرت ابو درداء رض نے فرمایا ہے کہ دانا آدمیوں کا سونا اور افطار کرنا کیا خوب ہے، بے وقوفوں کے روزہ اور بیداری کو کیا برا جانتے ہیں۔ اہل یقین اور تقویٰ کا ایک ذرہ مغالطہ والوں کی پہاڑوں کے برابر عبادت سے افضل اور غالب ہے، اور اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بہت سے روزہ دار افطار کرنے والے ہیں اور بہت سے افطار کرنے والے روزہ دار ہوتے ہیں، یعنی افطار کرنے والے روزہ دار وہ لوگ ہیں جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ اور روزہ دار افطار کرنے والے وہ ہیں کہ بھوکے پیاسے تو رہتے ہیں مگر اپنے اعضاء کو مقید نہیں رکھتے ہیں، اور روزہ کے معنی اور اس کی اصل کے سمجھنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو کوئی کھانے اور صحبت سے بچا رہے اور گناہوں کے ارتکاب سے روزہ کو افطار کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی وضو میں اپنے کسی عضو پر تین بار مسح کرے کہ ظاہر میں تو تین بار ہو گیا مگر اصل مقصود جو دھونا تھا وہ چھوڑ دیا تو اس کی نماز بباعث اس کی جہالت کے اسی پر واپس کی جاوے گی، اور جو شخص کہ کھانے سے افطار کرے اور اپنے اعضاء کو برائیوں سے باز رکھے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ وضو میں کوئی اپنے اعضاء کو ایک ایک بار دھوئے تو اس کی نماز انشاء اللہ مقبول ہو گی کہ اس نے اصل فرض کو ادا کیا گو فضیلت کا تارک ہو، اور جو شخص کھانے پینے سے بھی روزہ رکھے اور اعضاء سے بھی روزہ رکھے یعنی ان کو برائیوں سے روکے، اس کی مثال ایسی ہے کہ اپنے ہر ایک عضو کو تین بار دھووے تو یہ شخص اصل اور فضیلت دونوں کا جامع ہو گا جو مرتبہ کمال ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ع۲] ان الصوم امانۃ فلیحفظ احدکم امانتہ اور جب کہ آپ نے یہ آیت پڑھی، [ت۳] ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا تو اپنے دست مبارک کو اپنے کان اور آنکھ پر رکھ کر ارشاد فرمایا کہ کان سے سننا اور آنکھ سے دیکھنا امانت ہے، اور اگر سننا دیکھنا روزہ کی امانتوں میں سے نہ ہوتا، آپ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ اگر کوئی لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں، یعنی میں نے اپنی زبان کو امانت رکھا ہے، میں اس کی حفاظت کرتا ہوں، تیرے جواب دینے میں اس کو کیسے چھوڑ دوں، اور جب کہ معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے لیے ایک ظاہری اور ایک باطن اور ایک پوست ہے اور ایک مغز، اور اس کے پوست کے بہت سے درجے ہیں اور ہر درجے کے بہت سے طبقات ہیں تو اب تم کو اختیار ہے، چاہو مغز کو چھوڑ کر پوست پر قناعت کرو یا زمرہ اہل خرد میں داخل ہونا پسند کرو۔

ع اس کے معنی اور سند اوپر گذری ۱۲ ع۲ روزہ امانت ہے چاہیے کہ تم سے ہر کوئی اپنی امانت کی حفاظت کرے مثل حدیث بالا ۱۲ ت۳ اللہ تعالیٰ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو ۱۲

تیسری فصل۔ نفلی روزے اور فضیلت کے اعتبار سے ان کی ترتیب

واضح ہو کہ روزہ کا بہتر ہونا اچھے دنوں میں مؤکد ہوتا ہے اور عمدہ روزوں میں سے بعضے تو سال بھر میں پائے جاتے ہیں اور بعضے ہر مہینہ میں اور کچھ ہر ہفتہ میں۔ جو ایام کہ سال میں پاتے جاتے ہیں، وہ رمضان کے بعد روز عرفہ اور روز عاشورہ اور عشرۂ اوّل ذی الحجہ اور عشرۂ محرم ہیں، اور تمام ماہِ حرام روزہ کے لیے عمدہ اوقات ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں اس کثرت سے روزے رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ماہِ رمضان ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ بعد رمضان کے روزوں کے افضل روزے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماہِ محرم کے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ ابتداء سال ہے، اس کو نیکی سے معمور کرنا بہتر ہے اور توقع ہے کہ سال بھر اس کی برکت رہے، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ماہِ حرام کا ایک دن روزہ رکھنا اور دنوں کے تیس روزوں سے بہتر ہے، اور رمضان کا ایک دن کا روزہ ماہِ حرام کے تیس روزوں سے افضل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو کوئی ماہِ حرام میں تین دن روزے رکھے، یعنی جمعرات اور جمعہ اور ہفتہ تو اس کے لیے ہر ایک روزے کے عوض میں سات سو برس کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ جب شعبان کا نصف ہو جاوے تو رمضان تک پھر کوئی روزہ نہیں، اور اسی جہت سے رمضان سے پیشتر چند روز افطار کرنا مستحب ہے اور اگر شعبان کو رمضان سے ملا دے تب بھی جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایسا کیا ہے اور بہت دفعہ نہیں ملایا۔ اور رمضان کے استقبال کی نیت سے دو تین روز پیشتر روزہ رکھنا درست نہیں، لیکن اس صورت میں کہ وہ ایام اس کے معمولی دنوں کے روزوں سے مطابق آ پڑیں، اور بعض صحابہؓ نے تمام ماہِ رجب میں روزہ رکھنا مکروہ فرمایا۔ اس نظر سے کہ ماہِ رمضان کے مشابہ نہ ہو، غرضکہ بہتر مہینے ذی الحجہ اور محرم اور رجب اور شعبان ہیں۔ اور حرام مہینے ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب ہیں، تین ان میں سے پے در پے ہیں، اور رجب تنہا اور جدا ہے اور ان میں افضل ماہ ذی الحجہ ہے اس لیے کہ اس میں حج کا روزہ اور ایام معلومات اور معدودات ہیں، اور ماہِ ذیقعدہ حرام مہینوں میں سے ہے اور حج کے مہینوں میں سے بھی ہے، ـ ـ ـ ـ ـ ـ اور محرم اور رجب حج کے مہینوں میں نہیں ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی دن ایسے نہیں جن میں عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل یا محبوب تر ذی الحجہ کے دس روز کی نسبت کر ہو کہ ان میں سے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے، ان میں ایک رات کی بیداری شب قدر کے جاگنے کے مساوی ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ابو داؤد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [2] بخاری مسلم بروایت عائشہؓ ۱۲ [3] مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [4] طبرانی نے بروایت ابن عباسؓ اور الفاظ سے یہ مضمون روایت کیا ہے ۱۲ [5] ازدی در ضعفا بروایت انسؓ ۱۲ [6] ابو داؤد و ترمذی و نسائی بروایت ابوہریرہؓ و ام سلمہؓ ۱۲ [7] ابو داؤد بروایت عائشہؓ ۱۲ [8] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہؓ لیکن اس میں لوگوں نے عرض کی ۱۲ اخیر تک کا مضمون نہیں ۱۲ [9] بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲

کی راہ میں جہاد کرنا بھی ان کے عمل کے برابر نہیں، آپ نے فرمایا کہ جہاد بھی برابر نہیں، مگر اس صورت میں کہ اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹی جاویں اور ان کا خون بہا دیا جاوے، اور جو ایام کہ مہینے میں مقرر ہوتے ہیں، وہ مہینے کے شروع اور درمیان اور آخر کے ایام ہیں، اور مہینے کے درمیان کے روز ایام بیض ہیں یعنی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں، اور ہفتے کے دنوں میں دوشنبہ اور پنجشنبہ اور جمعہ ہے غرض کہ عمدہ ایام یہ ہیں، ان میں روزہ رکھنا اور کثرت سے خیرات کرنا مستحب ہے تاکہ ان اوقات کی برکت سے ان اعمال کا ثواب دوبالا ہو، باقی رہا ہمیشہ روزہ رکھنا، تو وہ ان سب دنوں کو شامل ہے، مع زیادتی کے لیکن سالکوں کے اسباب میں کئی مذہب ہیں۔ بعضے تو ہمیشہ روزہ رکھنے کو مکروہ جانتے ہیں، اس وجہ سے کہ احادیث میں ان کی کراہت پائی جاتی ہے اور صحیح یہ ہے۔ ایک تو یہ کہ عیدین اور ایام تشریق میں بھی افطار نہ کرے جس کا نام صوم دہر ہے۔ دوسرے یہ کہ افطار کے باب میں سنت سے اعراض کرے اور روزے کو اپنے اوپر لازم ٹھہرائے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی اجازتوں کی بجا آوری اچھی معلوم ہوتی ہے اور فرائض و واجبات کی تعمیل پسند ہے اور جس صورت میں کہ مدام روزہ رکھتے ہیں، ان دونوں خرابیوں میں سے کوئی سی بھی نہ ہو، اور آدمی اپنے نفس کی بہتری مدام روزہ رکھنے میں معلوم ہوتی ہے تو روزہ مدام رکھے کہ بہت سے صحابہؓ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسا کیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری مروی ہے کہ فرمایا[ا] من صام الدھر کلہ ضیقت علیہ جہنم ھکذا و عقد تسعین اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جہنم میں اس شخص کے لیے جگہ نہیں رہتی اور اس سے کم ایک اور درجہ ہے کہ آدھے دہر کے روزے رکھے یعنی ایک روزہ افطار کرے اور ایک روز روزہ رکھے اور یہ امر نفس پر سخت تر ہے اس سے نفس خوب دبتا ہے اور اس کی فضیلت میں احادیث وارد ہیں، اس لیے کہ ایسے روزوں میں بندہ ایک روز صبر کرتا ہے اور ایک روز شکر چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور زمین کے دفینے پیش کیے گئے ہیں میں نے ان کو واپس کر دیا اور کہا کہ ایک روز بھوکا رہوں گا اور ایک روز شکم سیر، جب میرا پیٹ بھرے گا تو تیری حمد کروں گا اور جب بھوکا ہوں گا تو تیری عاجزی کروں گا، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ افضل الصیام صوم اخی داؤد صلی اللہ علی نبینا و علیہ وسلم کان یصوم یوما و یفطر یوما اور اسی کی مؤید وہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روزہ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے تھے کہ میں اس سے بھی افضل چاہتا ہوں، آخر کو آپؐ نے فرمایا کہ ایک روز روزہ رکھ اور ایک روز افطار کر، انہوں نے کہا کہ میں اس سے افضل چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ اس سے افضل کوئی صورت نہیں، اور مروی ہے[ح] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہینے کے روزے پورے سوائے ماہ رمضان کے کبھی نہیں

[ا] جو شخص سب دہر کے روزے رکھے یعنی کبھی افطار نہ کرے تو اس پر دوزخ اس طرح تنگ ہو جاوے اور دست مبارک سے نوے کا عقد کر لیا یعنی انگشت شہادت کے سر کو انگوٹھے کی جڑ میں لگا دیا ۱۲ احمد و نسائی و ابن حبان و حاکم ۱۲ [ع] ترمذی بروایت ابوامامہ لیکن اس طرح ہے کہ میرے رب نے مجھ پر یہ امر پیش کیا ہے، مکہ کے بطحا کو میرے لیے سونا کر دے ۱۲ [ع] روزوں میں سے افضل میرے بھائی داؤد صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ ہے کہ ایک روز روزہ رکھتے تھے اور ایک روز افطار کرتے تھے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عمرؓ بخاری و مسلم بروایت عمرؓ ۱۲ [ح] بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضہ

رکھے، بلکہ کچھ دن ہر مہینے میں افطار کیا کرتے تھے، اور جس شخص سے آدھی عمر کے روزے بھی نہ ہو سکیں تو کچھ مضائقہ نہیں وہ تہائی عمر کے روزے رکھے، یعنی ایک دن روزہ رکھے اور دو روز افطار کرے، اور اگر تین دن اوّل مہینے میں اور تین دن ایام بیض کے اور تین آخر مہینے میں رکھ لیا کرے تو تہائی بھی ہو جاویں اور عمدہ دنوں میں بھی واقع ہوں، اور اگر دو شنبہ اور پنجشنبہ اور جمعہ کو روزہ رکھا کرے تو یہ بھی تہائی سے کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں، اور جب کہ فضیلت کے اوقات آویں تو کمال کی بات یہ ہے کہ آدمی روزہ کے معنی سمجھے اور جانے کہ روزہ کا مقصود دل کا صاف کرنا، اور ہمت کا خدائے تعالیٰ کے لیے فارغ کرنا ہے۔ اور جو شخص کہ باطن کی باریکیوں کو سمجھتا ہے اور اپنے حالات میں نظر کرتا رہتا ہے، پس بعض اوقات اس کا حال یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھے اور کبھی یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ افطار کرے اور کبھی اس کا حال اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ افطار کو روزے کے ساتھ ملاوے۔ اور جب آدمی روزے کے معنی سمجھ لے گا اور طریقِ آخرت کے چلنے میں دل کے مراقبہ سے اس کی حد ثابت ہو جاوے گی تو اس پر اس کے دل کی بہتری پوشیدہ نہ رہے گی اور دل کی بہتری کے لیے کوئی ترتیب دوامی ضروری نہ ٹھہرے گی اور یہی جہت مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے روزے رکھتے تھے کہ لوگ کہتے کہ اب افطار نہ کریں گے، اور افطار پیہم اتنا کرتے کہ لوگ کہتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے، اور رات کو اس قدر سوتے کہ یہ کہا جاتا کہ اب تہجد کو نہ اٹھیں گے اور شب بیداری اتنی کرتے کہ کہا جاتا کہ اب نہ سوویں گے،[1] اور جس قدر کہ نور نبوت سے آپ کو اوقات کے حقوق ادا کرنے کا حال معلوم ہوتا تھا، اسی قدر ان امور کو بجا لاتے تھے، اور بعض علماء نے چار روز سے زیادہ پیہم افطار کرنے کو مکروہ فرمایا ہے، اور چار روز کی قید عید کے روز اور ایام تشریق کے لحاظ سے لگائی ہے، اور فرمایا ہے کہ چار روز سے زیادہ افطار کرنا دل کو سخت کرتا ہے اور بری عادتیں پیدا کرتا ہے، اور شہوات کے دروازوں کو کھولتا ہے۔ اور واقع میں اکثر لوگوں کے حق میں افطار کی یہی تاثیر ہے، خصوصاً جو لوگ دن رات میں دو دفعہ کھاتے ہیں، ان کے حق میں بہت مضر پڑتا ہے، نفل روزوں کی ترتیب میں ہم کو اسی قدر بیان کرنا مقصود تھا۔ باب اسرارِ صوم خدائے تعالیٰ کی عنایت سے تمام ہوا۔ اس کے بعد اسرارِ حج کا ذکر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ توفیقِ رفیق فرماوے، وہی کافی اور مددگار ہے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وکل عبد مصطفےٰ۔

---

[1] بخاری ومسلم بروایت عائشہ رض وابن عباس رض لیکن ان میں ذکر شب بیداری نہیں، اور بخاری نے بروایت انس رض لکھا ہے کہ جب ہم کو منظور ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رات سے نماز پڑھتے دیکھیں تو نماز پڑھتے دیکھ لیتے، اور اگر سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو سوتے ہوئے دیکھ لیتے۔

ساتواں باب حج کے اسرار اور اس کی مہمات

رُباعی

احسن سفر کعبہ کی کر کچھ ہمت * ہے سعی رہ حرم سراسر رحمت
اتنا ہی یہاں شرف کہتے ہیں حسن * پاویگا لاکھ اگر کرے ایک طاعت

واضح ہو کہ ارکانِ اسلام میں سے حج عمر بھر کی عبادت کی خوبی کار کا انجام اور اسلام کی تمامی اور دین کا کمال ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی ؎ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ؎ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں؎ من مات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیا وان شاء نصرانیا ؎ تو ایسی بات کا کیا کہنا ہے جس کے نہ ہونے سے دین کا کمال نہ رہے اور اس کا چھوڑنے والا گمراہی میں یہود و نصاریٰ کے برابر ہو جاوے، اور جب کہ اس رکن کی عظمت اتنی ہے تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کی شرح اور اس کے ارکان اور سنن اور مستحبات اور فضائل اور اسرار کی تفصیل کی طرف عنانِ قلم کو پھیرا جاوے اور یہ سب امور انشاء اللہ تین فصلوں سے واضح ہو جاویں گے جن میں سے اول میں مکہ معظمہ اور کعبہ شریف کے فضائل وغیرہ کا ذکر ہوگا، اور دوسری میں ابتدائے سفر سے لوٹنے تک کے سب اعمالِ ظاہری بیان ہوں گے، اور تیسری میں اسرار خفیہ اور اعمالِ باطنی لکھے جاویں گے۔

فصل اوّل حج اور حرمین شریفین کے فضائل اور اُن مقامات کے لیے سفر

حج کی فضیلت اور سفرِ حج

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے؎ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق حضرت قتادہؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو حج کی اطلاع کر دو تو انہوں نے پکار کر کہا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے، اس کا حج کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آواز اولادِ آدم میں سے ان لوگوں کے کان میں پہنچا دی، جن کو

؎ آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی ۱۲ ؎ جو شخص مرے اور حج نہ کرے تو اگر چاہے یہودی مرے، چاہے نصرانی مرے ۱۲ ابن عدی بروایت ابوہریرہؓ و ترمذی ونحو آن بروایت علیؓ اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲ ؎ اور پکار دے لوگوں کو حج کے واسطے کہ آویں طرف تیری پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلتے راہوں دور سے ۱۲

قیامت تک اس کی مشیت وارادہ میں حج کرنا نصیب ہوگا، اور فرمایا[ث] لیشھدوا منافع لھم بعض مفسرین منافع سے یہ غرض کہتے ہیں کہ ایام حج کی تجارت اور ثواب آخرت ہے، اور بعض اکابر سلف نے جب یہ مضمون سنا تو فرمایا بخدا ان کی مغفرت ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو شیطان کا قول نقل فرمایا ہے لاقعدن[ت] لھم صراطك المستقیم ﴿ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد مکہ معظمہ کا راستہ ہے، شیطان اس پر بیٹھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس سے منع کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح] من حج البیت فلم یرفث ولم یفسق خرج ذنوبکم یوم ولدتہ امہ اور فرمایا کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن میں ذلیل تر اور زیادہ راندہ اور حقیر تر اور غضب ناک تر نہیں دیکھا گیا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ نزولِ رحمتِ الٰہی اور بڑے گناہوں کو خدائے تعالیٰ کا معاف فرمانا اس کی نظر سے گذرتا ہے کہ کہتے ہیں کہ بعض گناہ اس طرح کے ہیں اور بدوں عرفہ کے ٹھہرنے کے اور کوئی ان کا کفارہ نہیں، اور اس مضمون کو امام جعفر علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی مستند کیا ہے[ح] اور بعض مقرب اہل مکاشفہ نے ذکر کیا ہے کہ ابلیس ملعون ایک آدمی کی صورت میں ان کے سامنے آیا کہ دبلا بدن زرد رنگ چشم گریان پشت شکستہ ہے۔ انہوں نے پوچھا کس سبب سے روتا ہے؟ کہا کہ یہ وجہ ہے کہ حاجی بدوں تجارت کے اس کی طرف نکلے ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ اب تو وہ خدا ہی کو مقصود کر چکے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو محروم نہ فرمادے، مجھے یہی غم ہے، پھر انہوں نے پوچھا کہ تیرے جسم کے دبلے ہونے کی کیا وجہ ہے، اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑوں کا ہنہنانا اگر وہ میری راہ میں بولتے تو اچھا معلوم ہوتا۔ انہوں نے پوچھا کہ تیرا رنگ کیوں متغیر ہے، شیطان نے کہا کہ طاعت پر لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کرنے سے، اگر وہ ایک دوسرے کی پشتی گناہ پر مل کر کرتے تو مجھ کو زیادہ تر محبوب ہوتا، پوچھا کہ تیری کمر کیوں ٹوٹ گئی ہے، کہا کہ بندے کی اس دعا سے کہ الٰہی میں تجھ سے خاتمے کی بہتری چاہتا ہوں، تو میں یہ کہتا ہوں کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اگر اس شخص نے اپنے عمل سے عجب بھی کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی برائی سے واقف ہو جاوے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرہ کے ارادے سے نکلے اور مر جاوے تو اس کے لیے حج کرنے والے عمرہ کرنے والے کا ثواب قیامت تک جاری رہے گا، اور جو شخص حرمین شریفین میں سے ایک میں مر جاوے تو وہ نہ حساب کے لیے پیش ہوگا نہ اس سے حساب لیا جاوے گا کہ جنت میں داخل ہو، اور فرمایا[ح] حجۃ مبرورۃ خیر من الدنیا وما فیھا و حجۃ مبرورۃ لیس لھا جزاء الا الجنۃ اور فرمایا[ح] کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے خدائے تعالیٰ کے قاصد

ث کہ پہنچیں اپنی نفع کی جگہوں پر ۱۲ ث میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر ۱۲ ح جس شخص نے کہ حج کعبہ کیا اور عورت سے بے پروانہ ہوا اور نہ گناہ کیا تو وہ اپنے گناہوں سے نکل جاوے گا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا دن تھا ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ ح مالک عن طلحہ بن عبید اللہ بن کریز مرسلاً ۱۲ ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت ابوہریرہ رضؓ نصف اول روایت کیا ہے اور دارقطنی نے بروایت عائشہ رضؓ نصف ثانی اور دونوں ضعیف ہیں ۱۲ ح بخاری ومسلم نے بروایت ابوہریرہ رضؓ بلفظ الحج المبرور نصف ثانی روایت کیا ہے اور معنی یہ ہیں کہ حج مقبول دنیا وما فیہا سے بہتر ہے اور حج مقبول کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ۱۲ ح ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضؓ اگر اس میں یہ نہیں کہ اگر مانگیں تو ان کو دیتا ہے اور اگر سفارش ﴿

﴿ کریں تو قبول کرتا ہے اور بروایت ابن عمر رضؓ پہلا جملہ بھی ہے ۱۲

اور اس کے مہمان ہیں، اگر اس سے کچھ مانگتے ہیں تو ان کو دیتا ہے، اور اگر اس سے مغفرت چاہتے ہیں تو ان کی مغفرت کرتا ہے اور اگر دعا مانگتے ہیں تو قبول کرتا ہے اور اگر سفارش کرتے ہیں تو ان کی سفارش منظور فرماتا ہے، اور ایک حدیث میں جو بروایت اہل بیت علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند ہے، آیا ہے[۱] اعظم الناس ذنبا من وقف بعرفة فظن ان اللہ تعالیٰ لم یغفر لہ ؕ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس گھر پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں اترتی ہیں، ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے لیے اور بیس اس کو دیکھنے والوں کے لیے اور ایک حدیث میں ہے[۳] کہ خانہ کعبہ کا طواف بہت کیا کرو کہ وہ بڑی بزرگ چیزوں میں سے ہے جس کو تم قیامت کے روز اپنے نامۂ اعمال میں پاؤ گے اور اس کے برابر اور کوئی عمل غبطہ کے قابل نہ پاؤ گے اور یہیں جہت بدوں حج اور عمرہ کے اوّل ہی طواف کرنا مستحب ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے[۴] کہ جو شخص ننگے پاؤں ننگے بدن سات پھیرے کا طواف کرے تو ایسا ہے جیسے ایک بردہ آزاد کیا، اور جو کوئی سات پھیرے طواف کے مینہ برستے میں کرے، اس کے بیشتر گناہ بخش دیے جاویں گے۔ اور کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کا کوئی گناہ بخشتا ہے تو جو شخص اس بندے کی جگہ پر پہنچ جاتا ہے، اس کی بھی مغفرت فرما دیتا ہے، اور بعض سلف کا قول ہے کہ جب عرفہ کا روزہ جمعہ کے دن پڑتا ہے تو عرفات کے سب حاضرین کو اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے، اور عرفہ کو جمعہ کا پڑنا دنیا میں سب دنوں سے افضل ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع کیا اور آپؐ عرفات کے میدان ہی میں تھے کہ یہ آیت اتری الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً اہل کتاب نے کہا کہ یہ آیت اگر ہم پر اترتی تو جس روز اترتی ہم اسی روز عید مقرر کرتے۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری، یعنی عرفہ کے دن اور جمعہ کے روز[۵] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت پر اتری کہ آپؐ عرفات پر تشریف رکھتے تھے، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[۶] کہ اللھم اغفر للحاج ولمن استغفر لہ الحاج اور مروی ہے کہ علی ابن موفق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چند حج کیے کہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابن موفق تو نے میری طرف سے حج کیا، میں نے عرض کیا کہ ہاں، پھر فرمایا کہ تو نے میری طرف سے لبیک کہا، میں نے عرض کیا کہ ہاں، ارشاد فرمایا کہ اس کا بدلہ میں قیامت کو تجھ کو دوں گا کہ ابھی خلقت حساب کی سختی میں ہوگی، اور میں تیرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کر دوں گا۔ اور مجاہدؒ اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ جب حاجی مکہ معظمہ میں آتے ہیں تو فرشتے اونٹوں کے سواروں کو تو سلام کرتے ہیں اور گدھوں کے سواروں سے مصافحہ کرتے ہیں اور پیادہ لوگوں سے بغلگیر ہو کر ملتے ہیں، اور حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جو شخص رمضان کے بعد مرے یا

---

[۱] ابو منصور در مسند فردوس بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف اور معنی یہ ہیں کہ لوگوں میں بڑا گناہگار وہ ہے کہ عرفہ میں کھڑا ہو اور گمان کرے کہ خدا تعالیٰ نے اس کی مغفرت نہیں کی ۱۲ [۲] بیہقی در شعب الایمان ۱۲ [۳] ابن حاکم وبروایت ابن عمرؓ ۱۲ [۴] ترمذی نے بروایت ابن عمرؓ کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے ۱۲ [۵] بخاری ومسلم بروایت عمرؓ [۶] الٰہی مغفرت کر حاجیوں کی اور جس کے لیے حاجی مغفرت چاہیں ۱۲ حاکم بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲

غزوہ جہاد کے بعد یا حج کے بعد وہ شہید مرتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حاجیوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور ذی حجہ اور محرم اور صفر اور ربیع الاول کی بیسویں تک ہیں جس کے لیے وہ مغفرت کی درخواست کریں اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اور اکابر سلف کا یہ دستور تھا کہ غازیوں کو رخصت کرنے کو ساتھ جاتے تھے اور حاجیوں کو لینے کو جاتے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر بوسہ دیتے اور ان سے اپنے لیے دعا منگواتے اور پیشتر اس سے کہ وہ مرتکب گناہ ہوں، یہ باتیں کر گزرتے اور علی ابن موفق سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا، اور عرفہ کی شب کو منیٰ کی مسجد خیف میں ٹھہرا، میں نے خواب میں دیکھا کہ ۲ فرشتے آسمان سے سبز لباس پہنے ہوئے اترے اور ایک نے دوسرے کو عبداللہ کہہ کر پکارا، دوسرے نے کہا کہ لبیک۔ اوّل نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ اس سال میں ہمارے پروردگار کے گھر کتنے لوگوں نے حج کیا، دوسرے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، اوّل نے کہا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا ہے۔ اب تم کو یہ معلوم ہے کہ اتنوں میں سے کتنوں کا حج مقبول ہوا ہے، دوسرے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، اوّل نے کہا کہ ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج مقبول ہوا ہے، یہ کہہ کر وہ دونوں آسمان کی طرف پلٹ گئے، یہاں تک کہ میری نظر سے غائب ہو گئے، میں خوف زدہ جاگا اور نہایت شدت کا غم مجھ پر طاری ہوا اور مجھے اپنی فکر ہوئی اور دل میں کہا کہ جب چھ آدمیوں ہی کا حج مقبول ہوا ہے تو ان میں میں کہاں ہوں گا، جب میں عرفہ سے لوٹ کر آیا، اور مشعر حرام کے پاس رات کو رہا تو یہی فکر تھی کہ آدمی اس کثرت سے ہیں اور حج اتنے تھوڑے لوگوں کا مقبول ہوا ہے، اتنے میں مجھے نیند آ گئی، دیکھا تو وہی دونوں فرشتے اپنی پہلی صورت پر اترے اور ایک نے دوسرے کو پکار کر دہی تقریر سابق پھر سے کی، کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس رات میں ہمارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے، اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، کہا کہ اللہ جل شانہٗ نے چھ آدمیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ آدمی دیے یعنی ان کی سفارش ان کے حق میں مقبول ہو گی، ابن موفق کہتے ہیں کہ پھر جو میری آنکھ کھلی تو مجھ کو خوشی زائد از بیان تھی، اور ایک حکایت اپنی وہ اور کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا، اور جب سب ارکان ادا کر چکا تو مجھ کو ان لوگوں کا فکر ہوا جن کا حج مقبول نہ ہوا ہو گا۔ پس میں نے دعا مانگی کہ الٰہی میں نے اپنا حج اور اس کا ثواب اس شخص کو دیا جس کا حج مقبول نہ ہوا، وہ کہتے ہیں کہ رات کو میں نے رب العزت جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتا ہے کہ اے علی! تو میرے سامنے سخاوت جتاتا ہے، میں نے سخاوت اور سخیوں کو پیدا کیا، اور سب سخیوں اور بڑے کرم والوں سے زیادہ سخی اور جود والا میں ہوں اور مجھ کو جہان والے لوگوں کی نسبت کرم و جود کا استحقاق زیادہ تر ہے۔ میں نے جن لوگوں کا حج مقبول نہیں کیا ان کو ایسے لوگوں کو دے دیا، جن کا حج قبول کیا ہے۔ خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ؎ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس گھر کا حج ہر سال میں چھ لاکھ آدمی کریں گے، اور اگر کم ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بے شمار کامل کر دے گا، اور قیامت کو کعبہ کا حشر ایسی طرح ہو گا جیسے زفاف کے لیے دلہن ہوتی ہے، اور جن لوگوں نے اس کا حج کیا، وہ اس کے پردہ میں لٹکے ہوں گے اور گرد چلتے ہوں گے

؎ ترمذی بروایت ابن عباسؓ ۱۲

یہاں تک کہ کعبہ جنت میں داخل ہوگا اور یہ لوگ اس کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔[1] اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ حجرِ اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے، اور وہ قیامت میں اس طرح اُٹھے گا کہ اس کے دو آنکھیں ہوں گی اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ اس کے لیے گواہی دے گا۔ جس نے اس کو حق اور صدق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا۔[2] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہت بوسہ دیا کرتے تھے۔[3] اور مروی ہے آپ نے اس پر سجدہ کیا ہے۔ اور آپ سواری پر طواف کرتے تو اپنے عصا کے سرے کو بوسہ دیتے، اور حضرت عمرؓ نے اس کو بوسہ دیا، فرمایا[4] کہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ ضرر کرتا ہے نہ نفع پہنچاتا ہے۔ اگر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا، پھر آپ روئے، یہاں تک کہ رونے کی آواز بلند ہوئی پھر اپنے پیچھے پھر کر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پایا، ان سے کہا کہ ابوالحسن یہ وہ مقام ہے کہ یہاں آنسو بہائے جاویں اور دعائیں مقبول ہوویں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یا امیرالمؤمنین یہ پتھر ضرر اور نفع کرتا ہے آپ نے پوچھا کہ کس طرح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اولادِ آدمؑ کا عہد لیا تھا تو ایک نوشتہ لکھ کر اس پتھر کو کھلا دیا تھا، پس یہ ایمان دار کے لیے عہد کے پورا کرنے کی اور کافر پر عہد شکنی اور انکار کی گواہی دے گا۔ کہتے ہیں کہ بوسہ دینے کے وقت جو یہ کہتے ہیں اللھم ایمانا بك تصدیقا بکتابك ووفاء بعھدك[ع] اس سے وہی مراد ہے جو حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک دن کا روزہ رکھنا برابر ایک لاکھ روزے کے ہے۔ اور ایک درہم کا خیرات کرنا برابر لاکھ درہم خیرات کرنے کے ہے، اور اسی طرح ہر ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے مساوی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ سات پھیروں کا طواف ایک عمرہ کے برابر ہے اور تین عمرے ایک حج کے مساوی ہیں۔ ایک اور حدیث میں[5] ہے کہ عمرۃ فی رمضان کحجۃ معی اور فرمایا[6] انا اول من تنشق الارض عنه ثم اتی اھل البقیع فیحشرون معی ثم اتی اھل مکۃ فاحشر بین الحرمین

اور ایک حدیث میں[7] ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب افعالِ حج پورے کر چکے تو ان سے فرشتوں نے ملاقات کر کے کہا کہ اے آدمؑ تمہارا حج مقبول ہوا، ہم نے اس گھر کا حج تم سے دو ہزار برس پیشتر کیا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب میں اہلِ زمین کی طرف نظر کرتا ہے، اور سب سے پیشتر اہلِ حرم کی طرف نظر کرتا ہے، اور اہلِ حرم میں مسجد کعبہ کے لوگوں کو بیشتر دیکھتا ہے، پس جس کو طواف کرتے دیکھتا ہے اس کو بخش دیتا ہے اور جس کو نماز پڑھتے دیکھتا ہے اس کی مغفرت کرتا ہے، اور جس کو روبقبلہ کھڑا دیکھتا ہے اس کی مغفرت کرتا ہے، اور بعض اولیاء کو

---

[1] بخاری و مسلم بروایت حضرت عمرؓ مگر اس میں ذکر بہت کا نہیں ۱۲ [2] بزار و حاکم بروایت حضرت عمرؓ [3] مالک و حاکم بروایت عمرؓ ۔ الٰہی میں یہ فعل بجالاتا ہوں تیرے اوپر ایمان کے باعث اور تیری کتاب کی تصدیق کرنے اور تیرے عہد کو پورا کرنے کو ۱۲ [4] ایک عمرہ رمضان میرے ساتھ کے ایک حج کے برابر ہے مسلم بروایت ابن عباسؓ، میں شک کیا ہے اور حاکم نے بدون شک روایت کیا ہے ۱۲ [5] ان لوگوں میں سے میں اوّل ہوں جو زمین پھٹ کر نکلیں گے، پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا اور ان کا حشر میرے ساتھ ہوگا، پھر میں مکہ والوں کے پاس آؤں گا، پس میرا حشر دونوں حرم کے درمیان ہوگا ۱۲ ترمذی و ابن حبان بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [6] ارزقی اور تاریخ مکہ موقوفاً علی ابن عباس رضو ۱۲

مکاشفہ ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ سب گھاٹیاں جزیرۂ عباد ان کو سجدہ کرتی ہیں، اور جزیرہ مذکور جدہ کی طرف سجدہ کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ جب ہر روز آفتاب ڈوبتا ہے تو خانہ کعبہ کا طواف ایک ابدال ضرور کرتا ہے، اور کسی رات کی صبح ایسی نہیں کہ اس میں ایک اوتاد شخص کعبہ کا طواف نہ کرے، اور جب یہ بات نہ رہے گی تو زمین پر کعبہ کے اٹھ جانے کا سبب ہو گی لوگ صبح کو اٹھ کر دیکھیں گے کہ کعبہ اٹھ گیا، کچھ اس کا نشان نہ دیکھیں گے، اور جتنے قرآن دنیا میں ہوں گے صبح کو دیکھیں گے کہ ورق سادے سفید ہیں کوئی حرف ان میں نہیں پھر قرآن دلوں میں محو کر دیا جائے گا کہ اس کا ایک لفظ بھی یاد نہ رہے گا۔ پھر لوگ شعروں اور راگوں اور ایام جہالت کے اخبار کی طرف میل کریں گے، پھر دجال نکلے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر کر اس کو قتل کریں گے اور قیامت اس وقت ایسی قریب ہو گی جیسے پورے دنوں کی حاملہ کے بچہ پیدا ہونے کی عنقریب توقع ہوتی ہے، اور ایک حدیث[ع] میں ہے کہ اس گھر کا طواف بہت کر لو، پیشتر اس کے کہ اٹھا لیا جاوے کیونکہ دو دفعہ یہ ڈھایا گیا ہے اور تیسری بار میں یہ اٹھا لیا جاوے گا۔ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ع] کہ خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں دنیا کو خراب کرنا چاہوں گا تو اپنے گھر سے شروع کروں گا، اول اس کو خراب کر دوں گا، پھر اس کے بعد دنیا کو خراب کر دوں گا

وجوب حج اور اسکے صحیح ہونے کے شرائط نیز اس کے ارکان واجبات اور ممنوعات

علماء میں سے جو لوگ خوف کرنے والے اور احتیاط کرنے والے ہیں، وہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنے کو تین وجہوں سے برا سمجھتے ہیں۔ اول اکتا جانے اور خانہ کعبہ کے ساتھ مساوات ہو جانے کے خوف سے، کیونکہ یہ بات اکثر دل کی حرارت کو جو حرمت کے باب میں ہوتی ہے ذکر کرنے میں تاثیر کرتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ حاجیوں کو حج سے فراغت ہونے کے بعد مارتے اور کہتے کہ اے یمن والو اپنے یمن کو جاؤ، اور شام والو[ث] شام کو رخصت ہو، عراق والو عراق کی راہ لو۔ اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے قصد کیا کہ لوگوں کو طواف کی کثرت سے منع فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ لوگ کہیں اس گھر سے مانوس نہ ہو جاویں، یعنی پھر ان کو اس کی حرمت مساوات سے ہٹ جاوے گی۔ دوسری وجہ مقام کو برا جاننے کی یہ ہے کہ جدا ہونے سے شوق ابھرتا ہے اور پھر آنے کا سامان جمتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو مثابۃ للناس واھنا فرمایا ہے اور مثابہ کے معنی یہی ہیں کہ اس کی طرف بار بار آویں اور اپنی غرض اور حاجت پوری نہ کرنے پاویں۔ اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اگر تم کسی اور شہر میں ہو اور تمہارا دل کہ مشتاق ہو اور خانہ کعبہ سے متعلق رہے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تم مکہ میں رہ کر مقام سے اکتاؤ اور کسی اور شہر میں تمہارا دل ہو اور بعض سلف کا قول ہے کہ بہت سے آدمی خراسان میں ہیں کہ وہ خانہ کعبہ سے بہ نسبت اس کے طواف کرنے والوں کے قریب ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ کعبہ شریف خدائے تعالیٰ کے تقرب کے لیے ان کا طواف کرتا ہے۔ تیسری وجہ مکہ میں خطاؤں اور گناہوں کے مرتکب ہونے کا خوف ہے کہ اس میں خطرہ ہے اور ضرور ہے کہ جگہ کی بزرگی کی جہت سے خدائے تعالیٰ کے

ع ابن حبان وحاکم بروایت ابن عمرؓ ع اس کی کچھ اصل نہیں پائی گئی ۱۲

ث اجتماع کی جگہ لوگوں کی اور پناہ ۱۲

غصہ کا موجب ہو۔ وہیب بن ورد مکی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حطیم میں نماز پڑھتا تھا، میں نے سنا کہ دیوار کعبہ اور پردہ کے بیچ سے یہ آواز آتی ہے کہ اے جبرائیل میرے گرد طواف کرنے والے جو جہل کی باتیں اور لغو امور کرتے ہیں، ان امور سے مجھ کو رنج ہوتا ہے اس کی شکایت میں اول اللہ سے کرتا ہوں، پھر تم سے کرتا ہوں، اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آویں گے تو میں ایک پھر ری ایسی لونگا کہ میرا ایک ایک پتھر اس پہاڑ پر چلا جاوے گا جہاں سے جدا کیا گیا تھا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شہر مکہ کے سوا ایسا نہیں جس میں عمل سے پیشتر صرف قصد پر مواخذہ کیا جاوے، پھر یہ آیت پڑھی، ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم[1] یعنی یہ عذاب دینا صرف ارادہ کرنے پر فرمایا۔ اور کہتے ہیں کہ مکہ میں جیسی نیکیاں مضاعف ہوتی ہیں، ویسی برائیاں بھی مضاعف ہوتی ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے کہ مکہ میں غلہ خرید کر بند کر رکھنا اور گرانی کا منتظر رہنا حرم میں الحاد کرنے کی قسم میں سے ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جھوٹ بھی اس میں داخل ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اگر میں رکیہ میں ستر گناہ کروں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ مکہ میں ایک گناہ کروں۔ اور رکیہ مکہ اور طائف کے درمیان میں ایک منزل ہے۔ اور اسی خوف کی جہت سے بعض مقام کرنے والوں کی یہ نوبت ہوئی تھی کہ زمین حرم میں پاخانہ نہ پھرتے تھے، بلکہ پاخانہ پیشاب کے لیے زمین حل میں جاتے تھے اور بعض لوگ مہینہ بھر مکہ میں رہے، اور اپنے پہلو زمین پر نہ رکھے، اور مکہ معظمہ میں ٹھہرنے کی ممانعت کی جہت سے بعض علماء نے وہاں کے گھروں کا کرایہ مکروہ فرمایا ہے۔ اور تم یہ گمان مت کرنا کہ ٹھہرنے کا مکروہ ہونا جگہ کی فضیلت کے مساوی ہے، اس لیے کہ اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس جائے پاک کے حقوق ادا کرنے سے خلق کے لوگ قاصر ہیں۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مکہ میں مقام نہ کرنا بہتر ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ وہاں ٹھہر کر تقصیر کرنے اور اکتا جانے کی بہ نسبت نہ ٹھہرنا اچھا ہے، یہ نہیں کہ اس کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ٹھہرنے کی بہ نسبت بھی اچھا ہو، یہ امر کیسے ہو سکتا ہے یہ تو وہ مقام ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں لوٹ کر تشریف لائے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو خدا کی زمین میں بہتر ہے اور تمام جگہوں کی نسبت مجھ کو زیادہ محبوب ہے، اگر میں تجھ سے نکالا جاتا تو ہرگز نہ نکلتا۔ علاوہ ازیں خانہ کعبہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے، اور مکہ میں نیکیاں حسب مذکورۂ بالا مضاعف ہوتی ہیں، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اس میں نہ ٹھہرنے کی بہ نسبت مطلق افضل ہو، مدینہ منورہ کی فضیلت تمام شہروں پر بعد مکہ کے کوئی جگہ افضل مدینہ طیبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کہ اعمال اس میں بھی مضاعف ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ فی مسجدی ھٰذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام[2] اور اسی طرح مدینہ منورہ میں ہر ایک عمل ہزار کے برابر ہے، اور بعد مدینہ منورہ کے بیت المقدس ہے کہ اس میں ایک نماز پانسو نماز کے برابر ہے، اور یہی حال اور اعمال کا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] اور جو اس میں ارادہ کرے ٹیڑھی راہ چلنے کا شرارت سے پہلے ہم چکھا دیں گے ایک دکھ کی مار ۱۲ [ا] ترمذی و ابن حبان بروایت عبداللہ بن سعدی بن الحمرا ۱۲ [2] میری مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں کی ہزار نمازوں میں بہتر ہے سوائے مسجد کعبہ کے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ

راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا[1] کہ ایک نماز مدینہ کی مسجد میں دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور بیت المقدس میں ایک ہزار کے برابر، اور مسجد حرام میں ایک لاکھ کے برابر[2] اور فرمایا من یصبر علی لاوائھا وشدتھا احدا لکنت لہ شفیع یوم القیمۃ[3] اور فرمایا کہ جس سے ہوسکے مدینہ میں مرے، وہ ایسا ہی کرے، کیونکہ جو کوئی اس میں مرے گا، قیامت کو اس کا شفیع ہوں گا، اور بعد ان تینوں مقاموں کے اور جگہیں سب برابر ہیں بجز گھاٹیوں کے کہ ان میں دشمن کی نگاہبانی کے لیے ٹھہرنے میں فضیلت ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصی اور بعض علماء نے اس حدیث سے دلیل کر کے مقامات متبرکہ اور علماء اور صلحاء کی قبر پر جانے کو منع کیا، اور ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا استدلال درست ہو بلکہ زیارت قبور کی اجازت ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[5] کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا اور حدیث بالا مسجد کے باب میں آئی ہے مشاہد کا حکم ایسا نہیں، اس لیے کہ مسجدیں ان تین مسجدوں کے سوا ایک سی ہیں، اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں مسجد نہ ہو پھر دوسری مسجد میں جانے کے کیا معنی اور مشاہد سب یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کی زیارت کی برکت اسی قدر ہوتی ہے جتنی ان لوگوں کے درجے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتے ہیں ہاں اگر آدمی ایسے گاؤں میں ہو کہ جس میں مسجد نہ ہو تو اس کو جائز ہے کہ کسی گاؤں کی طرف سفر کرے جس میں مسجد ہو، اور بالکل اس میں جا رہے اگر چاہے پھر ہم کو معلوم نہیں کہ یہ کہنے والا انبیاء علیہ السلام مثل حضرات ابراہیمؑ وموسیٰؑ ویحییٰؑ وغیرہم کی قبروں پر جانے سے بھی منع کرے گا کہ نہیں اور منع کرنا تو نہایت درجہ کو محال ہے، پس جب ان قبروں پر جانا درست کہے گا تو اولیاء اور علماء اور صلحاء کی قبریں بھی انہیں قبروں کے حکم میں ہیں اور بعید نہیں کہ ان کی قبروں پر جانا سفر کی اغراض میں سے ہو جیسے علماء کی زیارت زندگی میں مقصود ہوتی ہے۔ یہ حال تو سفر کا ہے۔ اب مقام کا حال سنو کہ مرید کے لیے اگر سفر سے غرض علم کا حاصل کرنا نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنے مکان میں بیٹھا رہے بشرطیکہ وطن میں اس کا حال درست بنا رہے اور اگر سلامت نہ رہے تو ایسی جگہ تلاش کرے جس میں اس کو کوئی نہ جانے اور دین سلامت رہے۔ اور بفراغ دل عبادت میسر ہو کہ اس کے حق میں یہ مقام سب سے افضل ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[6] کہ شہر سب اللہ کے ہیں اور لوگ سب اس کے بندے ہیں، اس صورت میں جس جگہ میں تو نرمی اور آسانی دیکھے وہاں ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور ایک[7] حدیث میں ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز روزی ہو، اس کو لازم پکڑے اور جس کی معاش کسی چیز میں کر دی گئی ہو اس سے نہ ہٹے یہاں تک کہ وہ چیز اس پر بدل جاوے۔ اور ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ کو دیکھا کہ اپنا توشہ دان ڈھونڈھے

---

[1] یہ حدیث پوری ایک ساتھ مجھ کو نہیں ملی، ابن ماجہ نے اس کے ٹکڑے جدے جدے بروایت میمونہؓ وانسؓ روایت کیے ہیں کچھ اختلاف کے ساتھ ۱۲ [2] جو کوئی مدینہ کی سختی اور شدت پر صبر کرے گا تو میں قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ وابن ماجہ وابو سعید ۱۲ [3] ترمذی بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [4] سواریاں نہ کسی طرف جاویں مگر تین مسجدوں کی طرف، ایک مسجد حرام اور ایک میری مسجد یہ مسجد اور ایک مسجد اقصیٰ ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ وابو سعیدؓ ۱۲ [5] میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا پس زیارت کرو ان کی ۱۲ مسلم بروایت بریدہ بن خصیب ۱۲ [6] احمد طبرانی بروایت زبیر بسند ضعیف ۱۲

---

[7] ابن ماجہ نے بروایت انسؓ پہلا جملہ روایت کیا ہے، اور بروایت عائشہؓ دوسرا جملہ اور لفظوں سے ۱۲

پر اور پانی کا کوزہ ہاتھ میں لیے ہیں، میں نے پوچھا کہ اے عبداللہ کہاں کا ارادہ ہے، فرمایا کہ ایسے شہر کو جاتا ہوں، جہاں ایک درہم میں اپنا توشدان بھر لوں، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک گاؤں میں ارزانی سنی ہے اس میں ٹھہروں گا۔ راوی نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ آپ ایسا کرتے ہیں، فرمایا کہ ہاں جب تم کسی شہر میں ارزانی سنو تو اس کا قصد کر لو کہ اس سے تمہارا دین بھی سلامت رہے گا اور فکر کم کرنا پڑے گا۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ زمانہ خرابی کا ہے گمنام اس میں مامون نہیں رہ سکتے مشہوروں کا تو ذکر کیا ہے زمانہ تو نقل مقام کا ہے کہ آدمی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اپنے دین کو فتنوں سے بچائے پھرے۔ اور یہ بھی انہی کی حکایت ہے کہ فرمایا خدایا مجھے معلوم نہیں کہ کون سے شہر میں رہوں، لوگوں نے کہا کہ خراسان میں، فرمایا کہ مختلف مذہب اور تجویزیں خراب ہیں، لوگوں نے کہا کہ شام میں رہیے، فرمایا کہ وہاں شہرت ہو جاتی ہے، کسی نے کہا کہ عراق میں سکونت کیجیے، فرمایا کہ وہ ملک ظالموں کا ہے کہا گیا مکہ معظمہ میں رہیے کہا کہ دانائی اور بدن کو تحلیل کرتا ہے۔ اور ایک بار کسی مسافر شخص نے ان سے کہا کہ میں نے نیت کر لی کہ اب مکہ میں رہوں گا مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے، فرمایا کہ تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں، اول یہ کہ صفِ اوّل میں نماز مت پڑھنا، دوم کسی قریشی کی صحبت مت اختیار کرنا، سوم صدقہ ظاہر کر کے مت دینا۔ صفِ اوّل میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ آدمی مشہور ہو جاتا ہے یعنی جب پھر وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی تلاش ہوتی ہے۔ اس صورت میں عمل میں زینت اور بناوٹ مل جاتی ہے۔

حج کے واجب ہونے اور درست ہونے کی شرائط اور اس کے ارکان و واجبات و ممنوعات

واضح ہو کہ شرطیں چار طرح کی ہوتی ہیں، اوّل حج کے درست ہونے کی شرطیں ہیں اور وہ دو ہیں ایک وقت دوسرے مسلمان ہونا اس سے یہ نکلا کہ اگر لڑکا حج کرے تو اس کا حج درست ہے اگر وہ تمیز والا ہو تو احرام خود باندھے اور اگر چھوٹا ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے اور افعالِ حج کے طواف اور سعی وغیرہ سب اس کو کرائے، اور وقت حج کا شوال سے لے کر ذیحجہ کی دسویں تاریخ یعنی یوم نحر کی صبح صادق ہونے تک ہے، پس جو شخص اس مدت کے سوا اور دنوں میں احرام باندھے گا تو حج کا نہ ہوگا بلکہ عمرہ کا ہوگا اور عمرہ کا وقت تمام سال ہے مگر جو شخص منیٰ کے ایام میں مناسک حج ادا کرنے کا پابند ہو اس کو عمرہ کا احرام نہ کرنا چاہیے، اس[1] لیے عمرہ کرنے کے بعد پھر اس سے منیٰ کے اعمال نہ ہو سکیں گے دوم حج کے حج اسلام ہو جانے کی شرطیں، اور وہ پانچ ہیں، اول مسلمان ہونا، دوم آزاد ہونا، سوم بالغ ہونا چہارم عاقل ہونا، پنجم وقت کا ہونا، پس اگر لڑکا یا غلام احرام باندھے اور عرفہ میں لڑکا بالغ یا غلام آزاد ہو جاوے یا مزدلفہ میں ایسا ہو، اور صبح صادق سے پیشتر عرفہ کو چلا جاوے تو حج اسلام ہو جاوے گا اس لیے حج عرفات پر کھڑے ہونے کا نام ہے اور وہ حالت

---

[1] قولہ اس لیے کہ عمرہ الخ اصل میں یہ ہے لانہ یمکن من الاشتغالہ باعمال منی یعنی اس احرام کے بعد وہ ادائے عمرہ میں مشغول نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اعمال منی ادا کرنے میں مشغول ہے ۱۲ امیر علی

بالغ ہونے اور آزاد ہونے میں میسّر ہو گیا اور دونوں پر ذبح کرنا قصور کے جانور کا لازم نہ آوے گا۔ اور فرض عمرہ کی بھی یہی شرطیں ہیں سوائے وقت کے سوم حج کے نفل ہونے کی شرط آزاد اور بالغ کے حق میں یہ ہے کہ حج اسلام سے فارغ ہو کیونکہ حج اسلام مقدم ہے اس کے بعد اس حج کی قضا ہے جس کو عرفہ کے ٹھہرنے کے وقت فاسد کر دیا ہو۔ پھر نذر کا حج ہے دوسرے کی طرف سے نائب ہو کر حج کرے اس کا مرتبہ ہے، پھر حج نفل ہے یہ ترتیب اسی طرح ضروری ہے اور گو نیت اس کے خلاف ہو مگر حج اسی طرح ہو گا۔ اگر ایک شخص کے ذمہ حج اسلام ہے اور وہ حج نذر کی نیت سے یا دوسرے کی نیابت کر کے احرام باندھے تو اس کی نیت کا اعتبار نہ ہو گا، بلکہ حج اسلام ہو جاوے گا۔ چہارم حج کے لازم ہونے کی شرطیں ہیں اور وہ پانچ ہیں، بلوغ اور اسلام اور عقل اور آزادی اور قدرت اور جس شخص پر حج فرض لازم ہوتا ہے اسی پر فرض عمرہ بھی لازم ہوتا ہے۔ اور جو شخص زیارت یا تجارت کے لیے مکہ میں جانا چاہے اور لکڑی بیچنے والا نہ ہو تو ایک قول کے بموجب اس پر احرام باندھنا لازم ہے، پھر عمرہ یا حج کے اعمال کر کے احرام کھول ڈالے۔ اور قدرت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو خود اعمالِ حج کو بجا لانے کے لیے اس کے واسطے کتنی باتیں چاہییں۔ اول اپنا تندرست ہونا، دوم راستہ میں نرخ کی ارزانی اور خوف و خطرہ نہ ہو، خواہ تری کا ہو یا خشکی کا سوم مال اس قدر ہونا کہ جانے اور وطن میں لوٹ آنے کو کافی ہو، خواہ اس کے گھر والے ہوں یا نہ ہوں، اس لیے کہ وطن کا چھوڑنا آدمی کو سخت ناگوار ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ پر لازم ہے ان کے لیے بھی اتنے دنوں کا خرچ ہو اور اس قدر پاس ہو کہ اس سے اپنے فرض ادا کر دینے اور سواری کے لینے پر خواہ کرایہ کرنے پر قادر ہو خواہ سواری کا جانور علیحدہ ہو یا اگر پر تل کے جانور پر بیٹھ سکے تو اسی کی قدرت چاہیے، دوسری قسم قدرت کی اپاہج کے حق میں ہے کہ اتنا مال رکھتا ہو کہ اپنی طرف سے دوسرے شخص کو حج کرنے کو بھیجے کہ وہ اپنا حج اسلام کر کے دوسرے سال اس کی طرف سے حج کرے اور اس صورت میں خرچ سواری پر تل کے جانور کا کافی ہو گا اور اگر اپاہج آدمی کا لڑکا راستہ میں اس کی خدمت کرنے کو تیار ہو تو اس صورت میں وہ معذور نہ گنا جاوے گا، بلکہ قدرت والا ہو جاوے گا۔ اور اگر بیٹا اپنا مال باپ کے سامنے رکھ دے تو اس سے وہ قادر نہ ہو گا کیونکہ بدن کی خدمت میں بیٹے کی سعادت مندی ہے اور مال کے دینے میں باپ پر احسان ہے۔ اور جس شخص کو قدرت ہو جاوے اس پر حج کرنا واجب ہے اور تاخیر سے جانا اس کو درست ہے مگر تاخیر کرنے میں خطرہ ہے۔ اگر آخر عمر تک بھی حج نصیب ہو جاوے گا تو فرض ساقط ہو جاوے گا۔ لیکن اگر بعد لازم ہونے کے حج کرنے سے پیشتر مر جاؤ گے تو خدا کے سامنے حج کے نہ کرنے سے عاصی ہو کر جاوے گا اور حج اس کے ترکہ میں سے کرایا جاوے گا گو اس نے وصیت نہ کی ہو جیسے اور فرضوں کا حال ہے کہ وہ بھی بدوں وصیت کرنے پڑتے ہیں۔ اور اگر ایک سال میں اس کو قدرت ہوئی ہو، اور لوگوں کے ساتھ حج کو نہ نکلا، پھر اس کا مال لوگوں کے حج کرنے سے پیشتر جاتا رہا اور یہ شخص بھی مر گیا تو اس پر حج کا مؤاخذہ نہ ہو گا۔ اور جو شخص باوجود تونگری کے حج نہ کرے اور جانے تو اس کا معاملہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک نہایت سخت ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے قصد کیا کہ شہروں میں ایک پروانہ بھیج دوں کہ جو شخص حج کی قدرت پا کر نہ کرے اس پر کچھ جزیہ لگا دیا جاوے اور

سعید بن جبیرؒ اور ابراہیمؒ اور مجاہدؒ اور طاؤس سے مروی ہے کہ اگر ہم کو معلوم ہو کہ کسی شخص پر حج واجب تھا، اور وہ حج کرنے سے پیشتر مر گیا تو ہم اس پر نماز نہ پڑھیں گے۔ اور بعض اکابر کا ہمسایہ توانگر تھا مگر اس نے حج نہ کیا تھا اور مر گیا۔ ان بزرگ نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ جو شخص بدوں زکوٰۃ دینے اور بغیر حج کے مرتا ہے تو دنیا میں پھر آنے کی درخواست کرتا ہے، اور یہ آیت پڑھی، ربّ ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت[1] عمل صالح سے غرض آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حج کر دل اور ارکان حج کے جن کے بدوں حج درست نہیں، پانچ ہیں، اوّل احرام، دوم طواف، سوم طواف کے بعد صفا مروہ میں دوڑنا، چہارم عرفات میں ٹھہرنا۔ پانچویں ایک قول کے بموجب بال منڈانے، اور عمرہ کے ارکان بھی یہی ہیں سوا عرفات پر ٹھہرنے کے، اور حج کے واجبات جن کے چھوڑنے کا تدارک دم یعنی ذبح کرنا جانور قربانی کر دینا ہے، وہ چھ ہیں، اوّل میقات پر سے احرام کا باندھنا تو جو کوئی بدوں احرام میقات سے آگے بڑھ جاوے گا، اس پر ایک بکری ذبح کرنی لازم ہوگی، دوم جمرات کو کنکریاں مارنی ان جمروں کے ترک سے سب روایتوں کے بموجب دم لازم ہوتا ہے، سوم یوم عرفہ آفتاب کے ڈوبنے تک ٹھہرنا، چہارم رات کو مزدلفہ میں، پنجم منیٰ میں رات کو رہنا۔ ششم طواف وداع۔ ان چاروں کے چھوڑنے سے ایک روایت کے بموجب دم لازم آتا ہے۔ اور دوسری روایت کے بموجب دم دینا لازم نہیں، بلکہ مستحب ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ حج اور عمرہ کے ادا کرنے کے تین طور ہیں، اوّل افراد جو سب میں افضل ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ پیشتر صرف حج کرے اور جب فارغ ہو جاوے تو زمین حل میں جاکر احرام باندھے اور عمرہ کرے اور عمرہ کے احرام کے لیے حل میں سے بہتر جگہ جعرانہ ہے پھر تنعیم پھر حدیبیہ، اور افراد کرنے والے پر کوئی دم واجب نہیں لیکن اگر نفل کرے تو اختیار ہے۔ دوم قران، یعنی احرام میں حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کر کے کہے، لبیك بحجة وعمرة معًا[2] ایسے شخص کو اعمالِ حج کرنے کافی ہیں، انہیں میں عمرہ بھی آجاتا ہے جیسے غسل میں وضو آجاتی ہے۔ لیکن اگر طواف اور سعی عرفات کے ٹھہرنے سے پیشتر کرے گا تو سعی تو دونوں میں شمار ہوگی، اور طواف حج میں نہ گنا جاوے گا کیونکہ حج میں فرض طواف کی شرط یہ ہے کہ عرفات میں ٹھہرنے کے بعد ہو، اور قران والے پر ایک بکری کرنی لازم ہے لیکن اگر مکہ کا رہنے والا ہو تو اس پر دم نہیں ہے کہ اس نے اپنی میقات کو ترک نہیں کیا کیونکہ اسکی میقات مکہ ہے سوم تمتع ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ میقات پر سے احرام عمرہ کا باندھے اور مکہ میں حلال ہو کر احرام میں جو امور اس کو ممنوع ہو گئے تھے، حج کے وقت تک ان سے متمتع ہو، پھر حج کا احرام کرے اور بدوں پانچ باتوں کے تمتع نہیں ہوتا، اوّل شرط یہ ہے کہ مسجد حرام کے حاضرین میں سے نہ ہو، اور حاضر سے یہ غرض ہے کہ اس میں اور مسجد حرام میں اتنا فاصلہ نہ ہو، جس میں نماز قصر سے پڑھی جاوے یعنی سفر شرعی سے کمتر فاصلہ پر ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عمرہ کو حج سے پیشتر کرنے، تیسری یہ کہ عمرہ حج کے مہینوں میں ہو، چوتھی یہ کہ حج کی میقات تک لوٹ کر نہ جاوے، اور نہ حج احرام کے لیے اس جیسی

[1] اے رب مجھ کو پھر بھیجو، شاید کچھ میں بھلا کام کروں اس میں جو میں چھوڑ آیا ہوں ۱۲

[2] میں حاضر ہوں حج اور عمرہ ایک ساتھ کرنے کو ۱۲

مسافت تک لوٹے، پانچویں یہ کہ اس کا حج اور عمرہ ایک ہی شخص کی طرف سے ہوں۔ جب یہ پانچوں شرطیں پائی جاویں گی تو تمتع والا ہوگا اور اس پر ایک بکری کا دم لازم ہے، اور اگر بکری میسر نہ ہو تو تین روزے دسویں ذی الحجہ سے پیشتر متفرق خواہ ایک ساتھ ایام حج میں رکھ لے اور سات روزے اپنے وطن میں جاکر رکھ لے اور یہی حال ہے اگر قران کا دم میسر نہ ہو، یعنی اس کے عوض بھی دس روزے رکھے، اور افضل ان تینوں صورتوں میں افراد ہے پھر تمتع پھر قران، اور حج وعمرہ کے ممنوعات چھ ہیں، اول کرتہ اور پاجامہ اور موزہ اور عمامہ کا پہننا بلکہ تہمد اور چادر اور نعلین یعنی چپلیاں پہننی چاہئیں، اگر چپلیاں نہ ہوں تو جوتیاں پہنے اور اگر تہمد نہ ملے تو پاجامہ پہنے اور کمر میں پٹکا باندھنے کا اور کجاوہ کے سایہ میں بیٹھنے کا مضائقہ نہیں، مگر اپنے سر کو ڈھانپنا نہ چاہیئے کہ مرد کا احرام سر میں ہے اور عورت کو ہر ایک سِیا ہوا لباس پہننا درست ہے، بشرطیکہ اپنے منہ کو ایسی چیز سے نہ چھپائے جو چہرے پر لگے اس کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔ دوسرے خوشبو لگانا نہ چاہیئے کہ جس چیز کو عقلاً خوشبو جانتے ہیں اس سے پرہیز کرے۔ اگر خوشبو لگاوے گا یا سیاہ لباس پہنے گا تو اس پر بکری کا دم لازم آئے گا، تیسرے بال منڈانا اور کترانا اس سے بھی دم لازم آتا ہے۔ اور سرمہ لگانے اور حمام میں جانے اور فصد کھلوانے اور پچھنوں سے خون نکلوانے اور کنگھی کرنے کا مضائقہ نہیں، چوتھے عورت سے ہم بستر ہونا اور یہ صورت اگر ذبح اور حلق سے پیشتر کرے گا تو حج جاتا رہے گا اور بدنہ یعنی اونٹ یا گائے یا سات بکریاں ذبح کرنی لازم ہوں گی، اور اگر بعد ذبح اور سر منڈانے کے صحبت کرے گا تو بدنہ لازم آوے گا اور حج نہ جاوے گا، پانچویں صحبت کے لوازم مثل بوس وکنار اور اس صورت سے عورتوں سے ہاتھ لگانا کہ مذی وغیرہ نکل آئے حرام ہے اور اس میں ایک بکری لازم ہے، اور اسی طرح ہاتھ سے منی نکالنے کی صورت میں بکری دینی چاہیئے، اور احرام والے کو اپنا یا غیر کا نکاح کرنا حالت احرام میں حرام ہے اور اس میں دم نہیں ہے اور اس کا نکاح ہوتا ہی نہیں، چھٹے جنگل کے شکار کا مارنا کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، یا وہ حلال اور حرام جانور سے پیدا ہوا ہو، پس اگر احرام والا شکار مارے تو اس پر چوپایوں میں سے اسی صورت کا جانور لازم ہوگا جس کو مارا ہو، اور تری کا شکار حلال ہے اور اس میں کچھ بدلہ نہیں۔

اعمالِ حج کی ظاہری ترتیب

گھر سے نکل کر احرام تک کی شقیں

اور وہ آٹھ باتیں ہیں، اوّل مال سے متعلق ہے کہ ارادۂ سفر کے وقت اول توبہ کرے، اور جن لوگوں کے حق زبردستی لے لیئے ہوں، ان کو واپس کردے اور قرض خواہوں کے قرض چکادے اور جن لوگوں کا کھانا وغیرہ اپنے ذمہ ہو ان کا نفقہ پھرنے تک کے ایام کا مہیا کردے۔ اور جو امانت کسی کی ہو وہ اس کے حوالے کردے۔ اور مال میں سے حلال اور پاکیزہ اس قدر ساتھ لے کر جانے اور آنے کو کافی ہو، تنگی کی نوبت نہ آوے بلکہ ایسی طرح ہو کہ ضعفاء اور فقراء کے ساتھ بھی بشرطِ گنجائش سلوک کر سکے، اور اپنے نکلنے سے پیشتر کچھ خیرات کرے اور اپنے لیے ایک مضبوط جانور مول لے جو کمزور نہ ہو کرایہ کرے مگر کرایہ کی صورت میں مالک جانور سے سب چیزوں کا نام نہ لیوے جو لادنی

منظور ہوں خواہ تھوڑی ہوں یا بہت کہ اس کی رضامندی حاصل ہو جاوے، دوم سفر کے رفیق کے متعلق ہے کہ راہ کے لیے ایک ساتھ ایسا تلاش کرے جو نیک بخت اور خیر دوست خیر کا مددگار ہو کہ اگر یہ بھولے تو وہ یاد دلاوے اور اگر یہ ادا کرے تو وہ مدد کرے، اگر یہ نامردی کرے تو وہ شجاعت دلاوے، اگر عاجزی کرے تو قوت دلاوے اگر اس کا دل تنگ ہو تو وہ صبر پر آمادہ کرے، پھر اپنے رفیق جو سفر میں نہ جاویں، ان سے اور اپنے بھائیوں و ہمسایوں سے رخصت ہو اور ان کی دعا کا طالب ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں خیر و برکت کرتا ہے، اور رخصت ہونے میں سنت یہ ہے کہ استودع اللہ دینك وامانتك وخواتیم عملك[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر کو یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے فی حفظ اللہ وکنفہ وزودك اللہ التقوی وجنبك الردی وغفر ذنبك ووجهك للخیر اینما توجهت[2] سوم گھر سے نکلنے کے متعلق ہے، جب نکلنے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ اول دوگانہ نماز پڑھے، اول رکعت میں بعد الحمد کے سورہ کافرون، اور دوسری میں سورۂ اخلاص، اور سلام کے بعد اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اخلاص کامل اور نیت صادق سے دعا مانگے کہ الٰہی تو ہی سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور تو ہی ہمارے گھر اور مال اور اولاد اور یاروں میں نائب اور محافظ ہے، ہم کو اور ان کو ہر ایک آفت اور مصیبت سے بچانا اور الٰہی ہم اس سفر میں تجھ سے نیکی اور پرہیزگاری کی درخواست کرتے ہیں۔ اور ایسا عمل ہم سے ہووے جس سے تو راضی ہو، الٰہی ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ زمین کو ہمارے لیے طے کر دینا اور سفر کو ہم پر آسان کرنا، اور ہمارے سفر میں ہمارے بدن اور دین ہمارے اور مال کی سلامتی نصیب کرنا، اور اپنے گھر کی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت تک ہم کو پہنچانا۔ الٰہی ہم تجھ سے سفر کی سختی اور بری طرح لوٹنے اور گھر والوں اور مال اور اولاد اور یاروں کے برے حال میں دیکھنے سے پناہ مانگتے ہیں، الٰہی ہم کو اور ان کو اپنی حفاظت میں لے۔ اور ہم سے اور ان سے اپنی نعمت مت چھین، اور جو آرام ہم کو اور ان کو تو نے دے رکھا ہے، اس کو مت بدل۔ چہارم جب گھر کے دروازے تک پہنچے تو کہے بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ رب اعوذ بك ان اضل او یضل واذل او یذل وازل او یزل واظلم او یظلم واجهل او یجهل علی[3] الٰہی میں اکڑ کی راہ سے اترانے اور نمود اور شہرت کے لیے نہیں نکلا ہوں بلکہ تیرے غضب سے خوف کر کے تیری رضاجوئی کے لیے اور تیرے فرض کے ادا کرنے اور تیرے نبی کی سنت

---

[1] سونپتا ہوں اللہ کو دین تیرا اور امانت تیری اور آخر عمل تیرے یعنی خاتمہ بخیر ہو۔ ابوداؤد و ترمذی ونسائی بروایت ابن عمر رض ۱۲۔ [2] خدا کی حفاظت اور پناہ میں سونپا خدائے تعالیٰ تجھ کو توشہ تقویٰ دیوے اور تباہی سے بچاوے اور تیرے گناہ بخشے اور جدھر تو جاوے ادھر اللہ تعالیٰ خیر کو تیرے سامنے کرے ۱۲ طبرانی بروایت انس رض۔ [3] شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے، میں نے توکل کیا خدا پر، نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی اور قوت عبادت کرنے کی، مگر خدائے تعالیٰ کی مدد سے، اے رب میں تیری پناہ پکڑتا ہوں اس سے کہ گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں یا ذلیل ہوں یا ذلیل کیا جاؤں یا لغزش کروں یا لغزش کیا جاؤں یا ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے ۱۲

کی پیروی کرنے کو، اور تیرے دیدار کے شوق میں نکلا ہوں، اور جب چلے تو یہ دعا پڑھے، اللّٰھم[1] بك انتشرت وعلیك توکلت وبك اعتصمت والیك توجھت اللھم انت ثقتی وانت رجائی فاکفنی ما اھمنی ومالا اھتم بہ وما انت اعلم بہ منی عزجارك وجل ثناؤك ولا الہ غیرك اللھم زودنی التقوی واغفرلی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت اور جس منزل سے چلا کرے اس دعا کو پڑھ لیا کرے۔ پنجم سواری کے باب میں سنت یہ ہے کہ جب سوار ہو تو یوں کہے[2] بسم اللہ وباللہ واللہ اکبر توکلت علی اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اللھم انی وجھی الیك وفوضت امری کلہ الیك وتوکلت فی جمیع اموری علیك انت حسبی ونعم الوکیل اور سواری پر خوب اطمینان سے جم جائے اور سواری قابو میں ہو جائے تو سات بار کہے[1] سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور کہے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ اللھم انت الحامل علی الظھر وانت المستعان علی الامور ششم اترنے کے باب میں یہ مسنون ہے کہ جب تک دھوپ تیز نہ ہو جائے تب تک نہ اترے، اور بہت سارا رستہ رات کو طے کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر شب میں چلنا اختیار کرو کہ راستہ رات کو طے ہوتا ہے اتنا کہ دن کو نہیں ہوتا اور چاہیئے کہ رات کو کم سوئے تاکہ اس سے رات کے چلنے پر مدد ملے اور جب منزل معلوم ہونے لگے تو کہے[2] اللھم رب السموٰت السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین ورب البحار وما جرین اسئلك خیر ھذا المنزل وخیر اھلہ واعوذ بك من شر ھذا المنزل وشر ما فیہ اصرف عنی شر شرارھم اور جب منزل میں اترے تو دو رکعتیں نماز پڑھے پھر کہے اللھم انی اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما خلق اور جب رات کی تاریکی چھپائے تو کہے[3] یا ارض ربی وربك اللہ اعوذ باللہ من شرك وشر ما فیك وشر ما یدب علیك اعوذ باللہ من شر کل اسد واسود وحیۃ وعقرب ومن شر ساکن البلد ووالد وما ولد ولہ ما سکن فی اللیل والنھار وھو السمیع العلیم۔ ہفتم حفاظت کے باب میں یہ چاہیئے کہ دن کو اختیار کرے کہ قافلے سے اکیلا ہو کر نہ چلے کیونکہ عجیب نہیں کہ کوئی مار

---

[1] الٰہی تیری مدد سے میں چلا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تجھی پر چنگل مارا اور تیری طرف توجہ کی الٰہی تو ہی میرا اعتماد اور تو میری توقع ہے پس مجھ کو بچا اس چیز سے کہ مجھ کو پیش آئے اور جس چیز کا اہتمام مجھ سے نہ ہو سکے اور جس چیز کو تو زیادہ جانتا ہے مجھ سے عزیز ہے پناہ پکڑنے والا تیرا اور بڑی ہے تعریف تیری اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، الٰہی توشہ دے مجھ کو تقوے کا اور بخش دے میرے گناہ اور سامنے کر مجھ کو خیر کے جہاں میں جاؤں ۱۲ [2] شروع ہے اللہ کے نام سے اور اللہ سے اور اللہ بہت بڑا ہے، میں نے بھروسہ کیا اللہ پر اور نہیں طاقت اور نہیں قوت مگر مدد سے اللہ برتر اور عظمت والے کی جو اللہ نے چاہا وہ ہوا، اور جو اس نے نہ چاہا وہ نہ ہوا باقی بر صفحہ ۴۳۳۱۲

ڈالے یا راستہ بھول کر قافلے سے علیحدہ پڑ جائے، اور رات کو سوتے وقت ہوشیاری سے رہے اگر اول شب میں سوئے تو اپنے ہاتھ پھیلائے اور اگر آخر شب میں سوئے تو ہاتھ کسی قدر اٹھا رکھے اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر لیٹے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے سفروں[1] میں اسی طرح سویا کرتے تھے، کیونکہ اور طرح پر لیٹنے میں بعید نہیں کہ گہری نیند آجائے اور آفتاب نکل آئے اور اس کو خبر بھی نہ ہو اور نماز کا فوت ہو جانا حج کے ثواب سے اہم ہو جاتا ہے اور رات کو مستحب یہ ہے کہ دو[2] رفیق نوبت بنوبت حفاظت کریں کہ جب ایک سوئے تو دوسرا جاگتا رہے اور پہرا دے، اس طرح چوکی دینی مسنون ہے پس اگر رات کو یا دن کو کوئی دشمن یا درندہ اس پر قصد کرے تو چاہیے کہ آیۃ الکرسی اور شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو اور سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور یہ دعا اس کا ضمیمہ کرے[3] بسم اللہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ حسبی اللہ توکلت علی اللہ ماشاء اللہ لا یاتی بالخیرات الا ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۲) پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں دیا ہمارے یہ، اور ہم نہ تھے اس کے مقابل ہونے والے اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے، الٰہی میں نے اپنا منہ تیری طرف کیا، اور اپنا سب کام تجھ کو سونپا، اور اپنے امور میں تجھ پر بھروسہ کیا تو مجھ کو کافی اور ذمہ دار ہے[3] اور پاکی ہے اللہ کو اور حمد ہے اللہ کو اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے ۱۲ [4] شکر ہے اللہ کو جس نے ہم کو یہاں راہ دی اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ، الٰہی تو ہی سواری کی پشت پر لادنے والا ہے، اور تو ہی سب کاموں پر مدد چاہا گیا ۱۲ [5] ابو داؤد در موطا بروایت خالد بن معدان مرسلاً ۱۲ [6] اے پروردگار ساتوں آسمانوں کے اور اس چیز کے جس پر انہوں نے سایہ ڈالا، اور رب ساتوں زمینوں کے اور جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہیں، اور رب شیطانوں کے اور ان کے جن کو انہوں نے بہکایا ہے اور رب ہواؤں کے اور جس چیز کو وہ پراگندہ کرتی ہے، اور رب دریاؤں کے اور جس چیز کو وہ بہاتے ہیں، میں تجھ سے اس منزل کی خیر چاہتا ہوں، اور اس کے باشندوں کی بھلائی چاہتا ہوں، اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس منزل کی برائی سے اور جو چیز اس میں ہے ان کی برائی سے ان کے بروں کی برائی کو ٹال دے ۱۲ [7] الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے کلموں کے طفیل سے جن سے نیک اور بد تجاوز نہیں کرتے برائی سے ہر مخلوق خدا کی ۱۲ [8] اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے، پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی تیری برائی سے، اور جو چیز تجھ میں پیدا کی گئی ہے ان جانوروں کی برائی سے جو تجھ پر رینگتے ہیں پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی ہر شیر اور اژدہا سے سانپ سے بچھو کی برائی سے اور شہر کے رہنے والوں کے شر سے، اور باپ اور اولاد یعنی شیطان اور اس کی اولاد کی برائی سے اور اللہ ہی کا ہے جو لیٹ جاتا ہے رات میں اور دن میں اور ہے وہی جانتا ۱۲

[1] احمد ترمذی مسائل بروایت ابو قتادہ رضی ۱۲ [2] اول دعا کے الفاظ اوپر کی دعاؤں میں مذکور ہو گئے نہیں لاتا ہے بھلائیاں مگر اللہ ماشاء اللہ نہیں دور کرتا ہے برائی کو مگر اللہ خدا مجھ کو کافی اور کافی رہا ہے، سنا اللہ نے اس شخص کا قول جس نے دعا مانگی، نہیں اللہ کے پرے کوئی نہایت اور نہ اس کے ورے کوئی ٹھکانا، اللہ لکھ چکا کہ میں برتر ہوں گا، اور میرے رسول بے شک اللہ زور وار ہے زبردست میں نے قلعہ اختیار کیا ہے اللہ بزرگ کی مدد سے، اور مدد چاہی اس زندہ سے جو نہیں مرے گا، الٰہی ہماری حفاظت کر اپنی آنکھ سے جو نہیں سوتی، اور اس کو پناہ دے اپنی عزت کی جو طلب نہیں کی جاتی الٰہی ہم کو اپنی قدرت سے رحمت کر کہ ہم ہلاک نہ ہوں جب کہ تو ہمارا اعتماد اور توقع ہوا الٰہی ہم پر اپنے بندوں کے دلوں کو اور اپنی لونڈیوں کو دلوں کو رأفت اور رحمت کے ساتھ مہربان کر دے تو ارحم الراحمین ہے

اللہ حسبی وکفیٰ سمع اللہ لمن دعا لیس وراء اللہ منتھیٰ ولا دون اللہ ملجا کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز تحصنت باللہ العظیم واستعنت بالحی الذی لا یموت اللھم احرسنا بعینک التی لا تنام واکنفنا برکنک الذی لا یرام اللھم ارحمنا بقدرتک علینا فلا نھلک وانت ثقتنا ورجاءنا اللھم اعطف علینا قلوب عبادک وامائک برافۃ ورحمۃ انک انت ارحم الراحمین۔ اثنائے راستہ میں جب کسی اونچی جگہ پر چڑھے تو مستحب ہے کہ تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھے[1] اللھم لک الشرف علی کل شرف و لک الحمد علی کل حال اور جب بستی میں اترے تو سبحان اللہ کہے اور سفر میں اگر وحشت کا خوف دل پر آئے تو یوں کہے[2] سبحان اللہ الملک القدوس رب الملٰئکۃ والروح جللت السمٰوٰت بالعزۃ والجبروت۔

میقات سے دخول مکہ تک کے آداب

اول یہ کہ جب میقات پر پہنچے یعنی اس جگہ مشہور پر جہاں سے کہ لوگ احرام باندھتے ہیں تو احرام کی نیت سے غسل کرے اور بدن کو خوب صاف کرے، اور سر اور داڑھی میں کنگھی کرے اور ناخن ترشوائے اور مونچھیں کتروائے اور جو صفائی کی باتیں ہم طہارت میں لکھ آئے ہیں وہ سب اچھی طرح بجا لائے، دوم یہ کہ سلے ہوئے کپڑے اتار ڈالے اور احرام کے دو کپڑے پہنے، اس طرح کہ ایک سفید کپڑے کا تہ بند کرے اور دوسرے کو چادر کہ سفید کپڑا خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب کپڑوں سے بہتر اور محبوب ہے، اور اپنے کپڑوں اور بدن میں خوشبو لگاوے، اور اس کا کچھ مضائقہ نہیں کہ احرام کے بعد اس خوشبو کا جرم رہ جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگ میں مشک کی چمک جس کو آپ نے احرام سے پیشتر لگایا تھا بعد احرام کے لوگوں نے دیکھی ہے[3]۔ سوم یہ کہ بعد کپڑے پہننے کے اتنا صبر کرے کہ اگر سوار ہو تو سواری اٹھ کھڑی ہو، یا پیادہ ہو تو چلنا شروع کرے اس وقت احرام کی نیت کرے کہ حج کے لیے ہے یا عمرہ کے لیے، قران ہے یا افراد جس طرح منظور ہو وہ نیت کرے اور احرام ہو جانے کے لیے صرف دل سے ارادہ کافی ہے مگر مسنون یہ ہے کہ نیت میں لفظ لبیک بھی اضافہ کرے اور زبان سے یہ کہے[4] [5] لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک اور اگر زیادہ کہنا ہو تو یوں کہے لبیک وسعدیک والخیر

---

[1] الٰہی تجھی کو برتری ہے بلندی پر، اور تجھی کو حمد ہے ہر حال میں ۱۲ [2] پاکی بولتا ہوں اللہ بادشاہ نہایت پاک کی فرشتوں اور جبرئیل کے پروردگار کی آسمان چھپے ہوئے ہیں اس کی عزت اور جبروت سے ۱۲ [3] بخاری ومسلم بروایت عائشہ رض ۱۲ [4] میں حاضر ہوں بے شک الٰہی میں خدمت کو حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں، حمد اور نعمت تجھی کو ہے اور سلطنت تیری ہی ہے کوئی تیرا شریک نہیں ۱۲ صحاح ستہ ۱۲ [5] میں حاضر ہوں خدمت کو اور مستعد ہوں اور خیر بالکل تیرے قبضہ میں ہے، اور رغبت تیری طرف ہے، میں حاضر ہوں حج کے لیے حقیقت میں بندگی اور غلامی کی راہ سے، الٰہی رحمت بھیج محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ۱۲

کلہ بیدك والرغباء الیك لبیك لحجۃ حقا تعبدا اور اللّٰھم صلّ علی محمد وعلیٰ آل محمد چہارم جب احرام لبیک کہنے سے منعقد ہو چکے تو مستحب ہے کہ یہ کہے[1] اللّٰھم انی ارید الحج فیسرہ لی واعنی علی اداء فرضہ وتقبلہ منی اللّٰھم انی نویت اداء فریضتك فی الحج فاجعلنی من الذین استجابوا لك وآمنوا بوعدك واتبعوا امرك واجعلنی من وفدك الذین رضیت عنھم وارتضیت وقبلت منھم اللّٰھم فیسرلی اداء ما نویت من الحج اللّٰھم قد احرم لك لحمی وشعری ودمی وعصبی ومخی وعظامی وحرمت علی نفسی النساء والطیب ولبس المخیط ابتغاء وجھك والدار الآخرۃ اور احرام کے وقت سے اس پر وہ چھیوں باتیں جن کو ہم ممنوعاتِ حج میں اوپر ذکر کر چکے ہیں حرام ہو گئیں، پنجم احرام کے قائم رہنے کے لیے از سر نو لبیک کہنا مستحب ہے، خصوصاً رفیقوں سے ملاقات کے وقت اور لوگوں کے اجتماع کے وقت اور چڑھائی اور اترنے کے وقت اور سوار ہونے اور سواری سے نیچے آنے کے وقت پکار کر لبیک کہنا چاہیے اس طرح کہ نہ گلا پڑے نہ سانس رکے کیونکہ بہرے اور غائب کو تو پکارتا نہیں ہے کہ حاجت اتنے چلانے کی ہو چنانچہ حدیث میں بھی یہ مضمون وارد[2] ہے اور مسجد حرام اور مسجد خیف اور مسجد میقات میں لبیک کو بلند آواز سے کہنے کا مضائقہ نہیں کہ یہ تینوں مسجدیں ارکانِ حج کی جگہ ہیں مگر ان کے سوا اور مسجدوں میں بدوں آواز کے بلند کرنے کے لبیک کہنے کا مضائقہ نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی چیز تعجب میں ڈالتی تو فرماتے[3] لبیك ان العیش عیش الآخرۃ۔

طواف کے امور

اول یہ کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے ذی طوی میں غسل کرے، اور غسل مستحب مسنون حج میں نو ہیں پہلا احرام کے لیے میقات پر دوسرا مکہ میں جانے کو، تیسرا طواف قدوم کے لیے، چوتھا عرفات میں ٹھہرنے کو، پانچواں مزدلفہ میں ٹھہرنے کو، چھٹا طواف الزیارۃ کو، پھر تین غسل تینوں جمرات کے کنکریاں مارنے کے لیے ہیں اور جمرہ عقبہ کی کنکریوں کے لیے غسل نہیں، پھر طواف وداع کے لیے، اور امام شافعیؒ نے مذہب جدید میں طواف الزیارۃ اور طواف وداع کے لیے غسل نہیں تجویز فرمایا تو اس صورت میں سات ہی غسل رہتے ہیں۔

---

[1] الٰہی میں حج کیا چاہتا ہوں، پس تو اس کو مجھ پر آسان کر اور اس کا فرض ادا کرنے پر میری مدد کر اور اس کو مجھ سے قبول کر، الٰہی میں نے حج میں تیرے فرض کے ادا کرنے کی نیت کی، پس تو مجھ کو ان لوگوں میں سے کر کہ جنہوں نے تیرا حکم مانا اور تیرے وعدے پر یقین کیا اور تیرے امر کا اتباع کیا اور مجھ کو اپنے ان مہمانوں میں کر جن سے تو راضی اور خوش ہوا ان کے حج قبول کیے الٰہی میں نے حج کے ادا کرنے کی جو نیت کی ہے جو وہ میرے لیے آسان کر الٰہی تیرے لیے میرے گوشت اور بال اور خون اور پٹھے اور مغز اور ہڈیوں نے احرام کیا اور میں نے اپنے اوپر عورتوں اور خوشبو اور سیے کپڑے کو صرف تیری رضا اور دار آخرت کے لیے احرام کیا ۱۲ [2] بخاری ومسلم بروایت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] شافعی در مسند بروایت مجاہد مرسلاً ۱۲

مترجم کہتا ہے کہ غسل شمار میں دس ہوتے ہیں غالباً رمی جمار کے تین غسل لکھے ہیں دوم یہ کہ مکہ کے باہر جب حد حرم میں داخل ہو تو یوں کہے[1] اللھم ھذا حرمك وامنك فحرم لحمی ودمی وبشری علی النار وامنی من عذابك یوم تبعث عبادك واجعلنی من اولیائك واھل طاعتك سوم یہ کہ مکہ میں کدائی گھاٹی سے پانی کے سبیل کی طرف جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ کا بیچ چھوڑ کر اسی راہ کو اختیار فرمایا تھا، اس لیے آپ کا اقتدا اس باب میں کرنا بہتر ہے۔ اور جب مکہ سے نکلے تو کدی (بضم کاف) کی گھاٹی سے نکلے، یہ گھاٹی کچھ پست ہے اور پہلی اونچی ہے چہارم جب مکہ میں داخل ہو اور بنی جمح کی روم پر پہنچ جائے تو اس وقت اس کی نگاہ کعبہ پر پڑے گی، اس وقت یہ کہنا چاہیے[2] لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللھم انت السلام ومنك السلام وتبارك دار السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام اللھم ان ھذا بیتك عظمتہ وکرمتہ وشرفتہ اللھم فزدہ تعظیما وزدہ تشریفا وتکریما وزدہ مھابۃ وزد من حجہ برا وکرامۃ اللھم افتح لی ابواب رحمتك وادخلنی جنتك واعذنی من الشیطٰن الرجیم پنجم جب مسجد حرام میں داخل ہو تو بنی شیبہ کے دروازے سے جاوے اور یوں کہے[3] بسم اللہ وباللہ ومن اللہ والی اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جب کعبہ شریفہ سے قریب ہو تو کہے[4] الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك وعلی ابراھیم خلیلك وعلی جمیع انبیائك ورسلك اور ہاتھ اٹھا کر یہ کہے[5] اللھم انی اسئلك فی مقامی ھذا فی اول مناسکی ان تقبل توبتی وتجاوز عن خطیئتی وتضع عنی وزری الحمد للہ الذی بلغنی بیت الحرام الذی جعلہ مثابۃ للناس وامنا وجعلہ مبارکا وھدی للعالمین اللھم انی عبدك والبلد بلدك والحرم حرمك والبیت بیتك جئت اطلب رحمتك واسئلك مسئلۃ المضطر الخائف من عقوبتك الراجی لرحمتك الطالب مرضاتك ششم یہ کہ بعد اس کے حجر اسود کے پاس جا کر اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوئے اور بوسہ دے کر یہ کہے[6] اللھم امانتی ادیتھا و

---

[1] بخاری مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [2] نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے تو پاک ہے سب عیبوں سے اور سلامتی تیری جانب سے ہے اور تیرا گھر سلامتی کا مقام ہے تو صاحب برکت ہے اے بزرگی اور اکرام والے، الٰہی یہ تیرا گھر ہے تو اس کو بڑا کیا اور بزرگ کیا اور شرف دیا الٰہی پس اس کو عظمت میں زیادہ کر اور شرف دینے میں اور تکریم میں زیادہ کر، الٰہی میرے لیے اپنی جنت کے دروازے کھول دے اور مجھ کو اپنی جنت میں داخل کر اور شیطان مردود سے پناہ دے ۱۲ [3] شروع ہے اللہ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے اور اللہ کی جانب سے اور اللہ کی طرف سے اور اللہ کی راہ میں اور ہیبت میں اس کو بڑھا اور جو کوئی اس کا حج کرے اس کو نیکی میں اور کرامت میں زیادہ ۱۲ [4] تعریف ہے اللہ کو اور سلام اس کے بندوں کو جن کو اس نے پسند کیا، الٰہی رحمت بھیج اپنے بندے اور رسول محمدؐ پر اور اپنے خلیل ابراہیم پر اور اپنے تمام انبیاء اور رسولوں پر ۱۲ [5] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس مقام میں اپنے ابتدائے ارکان حج میں کہ تو میری توبہ قبول کر اور میری خطائے درگزر اور مجھ پر گناہوں کا بار اتار دے، شکر ہے اللہ کا جس نے مجھ کو اپنے حرمت والے گھر میں پہنچایا جس کو لوگوں کے اجتماع کی جگہ (باقی بر ص ۴۲۶)

میثاق وضیتہ اشھدلی بالموافاۃ اور اگر بوسہ دینا نہ ہو سکے تو اس کے سامنے کھڑا ہو کر یہی دعا پڑھ لے، پھر طواف کے سوا اور کسی چیز کی طرف میل نہ کرے اور اس طواف کا نام طواف القدوم ہے اور اگر لوگ فرض نماز پڑھتے ہوں تو اپنے آپ بھی جماعت میں شریک ہو جائے، پھر طواف کرے۔

بیانِ طواف کے امور

جب آدمی طواف قدوم یا اور کوئی طواف شروع کیا چاہے تو چاہیئے کہ چھ امور کا لحاظ رکھے اول یہ کہ نماز کی شرطوں کی رعایت کرے کہ بے وضو نہ ہو، اور کپڑا اور بدن اور طواف کی جگہ پاک ہوں اور برہنگی کو ڈھانپے، اس لیے کہ خانہ کعبہ کا طواف بھی نماز ہی ہے مگر خدائے تعالیٰ نے اس کے بیچ میں گفتگو کرنی مباح فرمائی ہے اور ابتدائے طواف کے بیشتر اضطباع کر لینا چاہیئے، اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی چادر کا بیچ داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر دونوں پلے بائیں مونڈھے پر کرلے، اس صورت میں ایک کنارہ تو پشت پر لٹکے گا اور ایک چھاتی پر اور ابتدائے طواف کے وقت سے لبیک کہنا موقوف کر دے اور طواف میں وہ دعائیں پڑھے جن کو ہم لکھتے ہیں، دوم یہ کہ جب اضطباع سے فارغ ہو چکے تو خانہ کعبہ کو بائیں طرف کرے، اور حجرِ اسود کے پاس تھوڑا سا اس سے ہٹ کر کھڑا ہو، تاکہ شروع طواف میں سارا بدن حجرِ اسود کے مقابل کو گذر جائے اور چاہیئے کہ اپنے درمیان اور کعبہ شریفہ کے درمیان میں تین قدم کی مقدار فاصلہ چھوڑ دے تاکہ خانہ کعبہ کے قریب بھی رہے کہ افضل ہے اور شاذروان پر طواف بھی نہ ہو کہ وہ خانہ کعبہ میں سے ہے، اور حجرِ اسود کے پاس شاذروان زمین سے ملی ہوئی ہے اس میں دھوکا پڑ جاتا ہے جو اس کے اوپر کو طواف کرتا ہے اس کا طواف درست نہیں کیونکہ وہ گویا اندر کعبہ کے طواف کرتا ہے اور حکم اس کے گرد باہر طواف کرنے کا ہے، واضح ہو کہ شاذروان دیوار کعبہ کا عرض ہے کہ نیو کے پاس سے چوڑا ہے پھر زمین سے اوپر دیوار جو بنائی گئی ہے تو کچھ عرض چھوڑ دیا گیا ہے اس چھوٹے ہوئے عرض کو شاذروان کہتے ہیں، اس پر طواف نہ کرنا چاہیئے۔
غرض کہ بموجب مذکورہ بالا حجرِ اسود کے پاس سے طواف شروع کرے، سوم یہ کہ ابتدائے طواف میں کہ حجرِ اسود سے ابھی نہ بڑھا ہو یہ کہے[۱] بسم اللہ واللہ اکبر اللھم ایمانا بک وتصدیقا بکتابک ووفاء بعھدک واتباعا بسنۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر طواف کرے اور حجرِ اسود سے بڑھتے ہی خانہ کعبہ کے مقابل پہنچے گا، اس وقت یہ کہے[۲] اللھم ھٰذا البیت بیتک وھٰذا الحرم حرمک وھٰذا الامن امنک وھٰذا مقام

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۶) اور پناہ بنایا اور اس کو لوگوں کے واسطے برکت والا اور ہدایت نیک کیا الٰہی میں تو تیرا بندہ ہوں اور یہ شہر تیرا شہر ہے اور حرم تیرا حرم ہے اور گھر تیرا گھر ہے میں تجھ سے اور تیری رحمت مانگنے آیا ہوں اور مضطر اور تیرے عذاب سے خوف زدہ اور تیری رحمت کے امید وار، تیری رضا کے خواہاں شخص کی طرح تجھ سے درخواست کرتا ہوں ۱۲ [۶] الٰہی میں نے اپنی امانت ادا کی اور اپنے عہد کو پورا کرنے کا گواہ رہیو ۱۲ [۱] شروع ہے اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے، الٰہی میں یہ طواف کرتا ہوں تیرے اوپر یقین کے باعث اور تیری کتاب کی تصدیق کرنے کو اور تیرے عہد کو پورا کرنے کے لیے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق کی پیروی کرنے کے واسطے ۱۲ [۲] الٰہی یہ گھر تیرا ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور یہ پناہ تیری پناہ ہے اور یہ مقام تیری پناہ پکڑنے والے کا ہے آگ سے ۱۲

العائذبك من النار اور مقام کے ذکر کے وقت آنکھ سے مقام ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ کردے[1] اللھم ان بیتك عظیم وجھك کریم وانت ارحم الراحمین فاعذنی من النار ومن الشیطٰن الرجیم وحرم لحمی ودمی علی النار وامنی من اھوال یوم القیٰمۃ واکفنی مؤنۃ الدنیا والاٰخرۃ پھر سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے یہاں تک کہ رکن عراقی پر پہنچ جائے اور اس وقت یوں کہے[2] اللھم انی اعوذبك من الشرك والشك والکفر والنفاق والشقاق وسوء الاخلاق وسوء المنظر فی الاھل والمال والولد اور جب میزاب پر پہنچے تو کہے[3] اللھم اظللنا تحت عرشك یوم لا ظل الا ظل عرشك اللھم اسقنی بکاس محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم شربۃ لا اظما بعدھا ابدا اور جب رکن شامی کے مقابل پہنچے تو کہے[4] اللھم اجعلہ حجا مبرورا وسعیا مشکورا وذنبا مغفورا وتجارۃ لن تبور یا عزیز یا غفور رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انك انت الاعز الاکرم اور جب رکن یمانی کے مقابل ہو تو کہے[5] اللھم انی اعوذبك من الکفر و اعوذبك من الفقر ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات واعوذبك من الخزی فی الدنیا و الاٰخرۃ اور رکن یمانی اور حجر اسود پر پہنچ جائے تو کہے[6] اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا برحمتك عذاب القبر وقنا عذاب النار اور جب حجر اسود پر پہنچ جاتے تو کہے[7] اللھم اغفرلی برحمتك اعوذ برب ھٰذا الحجر من الدین والفقر وضیق الصدر وعذاب القبر اور اس وقت ایک پھرا پورا ہوا اسی طرح سات پھیرے کرے اور ہر پھیرے میں یہ دعائیں مانگے، چہارم یہ کہ پہلے تین پھیروں میں رمل کرے اور باقی چار میں عادت کے موافق چلے۔ اور رمل کے معنی یہ ہیں کہ چلنے میں جلدی کرے اور قدم پاس پاس رکھے اور رمل کی چال دوڑنے سے کم ہوتی ہے اور معمولی طور پر چلنے سے زیادہ ہوتی ہے اور مقصود اضطباع اور رمل

---

[1] الٰہی یہ تیرا گھر بڑا عظمت والا ہے اور تیری ذات کریم ہے اور ارحم الراحمین ہے پس تو مجھ کو پناہ دے آگ سے اور شیطان مردود سے اور میرا گوشت اور خون آگ پر حرام کر اور مجھ کو قیامت کی دہشتوں سے امن دے اور دنیا اور آخرت کی مشقت سے مجھ کو بچا اور مجھ کو قیامت کی دہشتوں سے امن دے اور دنیا اور آخرت کی مشقت سے مجھ کو بچا ۱۲ [2] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شرک سے اور شک اور کفر اور نفاق اور خلاف اور بری عادتوں سے اور اپنے اہل اور مال اور اولاد کو برے حال میں دیکھنے سے ۱۲ [3] الٰہی مجھ کو اپنے عرش کے نیچے سایہ دے جس روز کہ کوئی سایہ نہ ہوگا سوائے تیرے عرش کے سایہ کے الٰہی تو مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے پیالہ سے ایسے گھونٹ پلا کر پھر میں کبھی پیاسا نہ ہوں ۱۲ [4] الٰہی تو اس حج کو قبول کر دے اور سعی مشکور اور گناہ بخشا ہوا اور تجارت جو کبھی نہ ٹوٹے اے عزت والے اے بخشنے والے اے رب میرے مغفرت کر اور رحم کر اور جن گناہوں کو تو جانتا ہے ان سے درگذر کر بے شک تو زیادہ کفر سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں فقر سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی اور مرنے فتنے سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں دنیا و آخرت میں رسوا ہونے سے [5] [6] الٰہی اے ہمارے پروردگار دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو اپنی رحمت سے قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے ۱۲ [7] الٰہی تو میری مغفرت کر اپنی رحمت سے میں پناہ مانگتا ہوں اس پتھر کے پروردگار سے قرض سے اور مفلسی سے اور سینے کی تنگی اور عذاب قبر سے ۱۲

سے بے خوف ہونا اور جواں مردی کا ظاہر کرنا ہے اور یہ امر پہلے اس لیے مقرر ہوا تھا کہ کفار اب امید نہ رکھیں۔ اور بعد کو یہ سنت[1] جاری ہو گئی اور رمل خانہ کعبہ کے قرب میں افضل ہے لیکن اگر اژدہام کی جہت سے قرب میں میسر نہ ہو تو فاصلہ سے رمل کرنا بہتر ہے لیکن مطاف کے کنارے پر پہنچ کر رمل کرلے اور تین پھیرے رمل کے ساتھ کر کے خانہ کعبہ کے قریب اژدہام میں مل جاتے اور چار پھیرے معمولی رفتار سے ادا کرے۔ اور اگر حجر اسود کا بوسہ ہر پھیرے میں ممکن ہو تو بہتر ہے اور اگر اژدہام کی وجہ سے نہ ہو سکے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ حجرِ اسود کی طرف کر کے ہاتھ کو بوسہ دے لے، اسی طرح رکن یمانی کا بوسہ دینا مستحب ہے۔ اور مروی[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکن یمانی کو بوسہ دیتے اور اپنا رخسار مبارک اس پر رکھتے اور جو شخص بوسہ دینے میں صرف حجرِ اسود پر اکتفا کرے اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ سے چھووے تو یہ صورت بہتر ہے کیونکہ اس کی روایت زیادہ مشہور ہے۔ پنجم جب طواف کے ساتوں پھیرے ختم ہو چکیں تو ملتزم پر آئے یعنی حجرِ اسود اور خانہ کعبہ کے درمیان میں کہ یہ مقام دعا کے قبول ہونے کا ہے، یہاں دیوار سے چمٹ جائے اور پردوں کو پکڑے اور اپنا پیٹ دیوار سے ملائے اور داہنا رخسار دیوار پر رکھے اور اپنے ہاتھ اور ہتھیلیاں اس پر پھیلا دے اور یوں کہے[3] یارب البیت العتیق اعتق رقبتی من النار واعذنی من الشیطٰن الرجیم واعذنی من کل سوء وقنعنی وبارك لی فیما اتیتنی اللھم ان ھٰذا البیت بیتك والعبد عبدك وھٰذا مقام العائذ بك من النار اللھم اجعلنی من اکرم وفدك علیك پھر اس مقام پر بہت سی خدائے تعالیٰ کی تعریف کرے اور آنحضرتؐ اور تمام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت درود بھیجے اور اپنے مطالب خاص کے لیے دعا مانگے اور گناہوں سے مغفرت کی درخواست کرے۔ بعض اکابر سلف اس مقام پر اپنے خادموں سے کہتے کہ میرے پاس سے علیحدہ ہو جاؤ تاکہ میں اپنے پروردگار کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کروں۔ ششم یہ کہ جب ملتزم سے فارغ ہو تو چاہیئے کہ مقام ابراہیمؑ کے پیچھے دوگانہ نماز پڑھے پہلی میں قل یا ایھا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور یہ دوگانہ طواف کا ہے زہری نے کہا ہے کہ سنت[4] ہمیشہ سے یوں ہے کہ ہر سات پھیروں پر دوگانہ پڑھے، اور اگر بہت سے طواف کیے اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھ لے تب بھی جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا[5] ہے اور سات پھیرے مل کر ایک طواف ہوتا ہے اور طواف

---

[1] ح رمل کا مسنون ہونا بخاری ومسلم میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے اور اضطباع کا مسنون ہونا ابوداؤد وحاکم نے بروایت حضرت عمرؓ روایت کیا ہے ۱۲ [2] ح بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ بوسہ دینا روایت کیا ہے اور دارقطنی اور حاکم نے بروایت ابن عباسؓ بوسہ دینا اور رخسار کا رکھنا روایت کیا ہے ۱۲ [3] ف اے رب اس قدیم گھر کے میری گردن آزاد کر آگ سے اور مجھ کو پناہ دے شیطان مردود سے اور مجھ کو پناہ دے ہر برائی سے اور مجھ کو قانع کر اس چیز پر کہ تو نے دی ہے اور جو کچھ تو نے مجھ کو دیا ہے اس میں مجھ کو برکت کر الٰہی یہ گھر تیرا ہے، اور بندہ تیرا غلام ہے، اور یہ مقام ہے تیری پناہ پکڑنے والے کا آگ سے، الٰہی تو مجھ کو اپنے پاس آنے والوں میں کے کریم تر لوگوں میں کر دے ۱۲ [4] ح بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے ۱۲ [5] ح ابن ابی حاتم بروایت ابن عمرؓ ۱۲

کے دوگانہ کے بعد یہ دعا پڑھے[ع] اللھم یسر لی الیسریٰ وجنبنی العسریٰ واغفرلی فی الاٰخرۃ والاولیٰ اللھم اعصمنی بالطافك حتی لا اعصیك واعنی علیٰ طاعتك بتوفیقك وجنبنی معاصیك واجعلنی ممن یحبك ویحب ملائكتك ورسلك ویحب عبادك الصالحین اللھم حببنی الیٰ ملائكتك ورسلك والیٰ عبادك الصالحین اللھم فكما ھدیتنی الی الاسلام فثبتنی علیہ بالطافك وولایتك واستعملنی طاعتك وطاعۃ رسولك واجرنی من معضلات الفتن پھر حجر اسود پر دوبارہ آوے اور اس کو بوسہ دے کر طواف کو ختم کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[ع] کہ جو کوئی خانہ کعبہ کا طواف سات پھیرے کرے اور دو رکعت نماز پڑھے تو ایسا ثواب ہے کہ جیسا بردہ کے آزاد کرنے کا ہوتا ہے، صورت طواف کرنے کی یہ تھی جو مذکور ہوئی اس سب میں شروط نماز کے بعد واجب یہ ہے کہ شمار پھیروں کے سارے کعبہ کے گرد سات پورے کر دے اور شروع حجر اسود سے کرے۔ اور خانہ کعبہ کو بائیں ہاتھ رکھے اور طواف مسجد کے اندر اور خانہ کعبہ کے باہر کرے نہ شاذروان کے اوپر ہو، اور نہ حطیم کے اندر کو اور سب پھیرے بہم کرے، ان میں جدائی معمولی سے زیادہ نہ کرے، اور اس کے سوا اور امور سنت اور مستحب ہیں۔

سعی بین الصفا والمروہ

جب طواف سے فارغ ہو چکے تو باب الصفا سے نکلے اور یہ دروازہ کعبہ کی اس دیوار کی سیدھ میں ہے جو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہے پس جب اس دروازے سے باہر نکلے اور صفا پر پہنچے جو ایک پہاڑ ہے اس کے چند زینوں پر چڑھے کہ قد آدم پہاڑ مذکور کے نیچے بنے ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اتنا چڑھے تھے کہ آپ کو کعبہ شریف نظر آنے لگا تھا۔ اور شروع سعی کا کوہ صفا کی جڑ سے کافی ہے اور اتنا چڑھنا مستحب ہے لیکن چونکہ بعض سیڑھیاں نئی بن گئی ہیں تو چاہیئے کہ ان کو اپنے پیچھے نہ چھوڑے اس لیے کہ اس قدر جگہ سعی میں رہ جائے گی، اور سعی کامل نہ ہوگی۔ مترجم کہتا ہے کہ اب کوہ صفا کی جڑ میں اتنی مٹی زیادہ ہو گئی ہے کہ جڑ میں سے بھی کعبہ نظر آتا ہے، اور ایک دو سیڑھیوں پر چڑھنے سے بھی پس اب احتمال سعی کے ناقص رہنے کا نہیں ہے۔ اگر سیڑھیوں پر نہ چڑھے۔ غرض کہ ابتدائے سعی صفا سے کرکے اس کے اور مروہ کے درمیان میں سات بار سعی کرے اور صفا پر چڑھنے کے

---

[۱] الٰہی آسان کر دے میرے لیے آسانی اور بچا مجھ کو سختی سے اور بخش دے مجھ کو پچھلے اور پہلے میں یعنی امور دارین کے گناہ الٰہی مجھ کو اپنے الطاف سے گناہوں سے بچا مجھ کو کہ میں تیری نافرمانی نہ کروں اور مجھ کو اپنی اطاعت پر اپنی توفیق کی مدد دے اور مجھ کو اپنی نافرمانیوں سے علیحدہ رکھ اور مجھ کو ان لوگوں میں سے کر جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں اور تیرے فرشتوں سے اور نیک بندوں سے محبت رکھتے ہیں اور مجھے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور نیک بندوں کا محبوب کر، الٰہی جس طرح تو نے مجھ کو..... ..... اسلام کی طرف ہدایت کی اسی طرح اپنے ولائت والطاف سے اس پر مجھ کو ثابت رکھ اور مجھ سے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا کام لے اور مجھ کو لاعلاج فتنوں سے پناہ دے ۱۲ [ع] ترمذی ونسائی وابن ماجہ بروایت ابن عمر رضہ ۱۲ [ع] مسلم بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲

وقت کعبہ کی طرف کو منہ کر کے کہے[۱] اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ المحامد کلھا علی جمیع نعم کلھا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ وصدق وعدہ ونصر عبدہ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکفرون لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العلمین فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموت والارض وعشیا وحین تظھرون یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتھا وکذلک تخرجون ومن ایاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ۔ اللھم انی اسئلک ایمانا دائما ویقینا صادقا وعلما نافعا وقلبا خاشعا ولسانا ذاکرا واسئلک العفو والعافیۃ والمعافاۃ الدائمۃ فی الدنیا والاخرۃ اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے، اور اللہ جلشانہ سے اس دعا کے بعد جو چاہے دعا مانگے پھر اتر کر سعی شروع کرے اور یہ کہتا جائے رب[۲] اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرام اللھم اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اور نرمی کے ساتھ چلے یہاں تک کہ سبز میل تک پہنچ جائے اور یہ میل صفا سے اترتے ہی ملتا ہے اور مسجد حرام کے کونے پر ہے جب کہ اس میں اور میل کی سیدھ میں چھ ہاتھ کا فاصلہ رہے جلد چلنا شروع کرے، یعنی رمل کی سی چال چلے یہاں تک کہ دوسرے میل سبز تک پہنچ جائے، پھر وہاں سے نرم چلنا شروع کرے، جب مروہ پر پہنچے تو اس کے زینوں پر چڑھے جیسا صفا پر چڑھا تھا اور وہی دعا مانگے جو صفا پر مانگی تھی، یہ ایک بار سعی ہوئی اور جب صفا پر دوسری بار آئے گا تو دو بار ہوگی، اسی طرح سات بار سعی کرے ہر سعی میں سبز میلوں کے درمیان میں رمل کرے اور آہستہ چلنے کی جگہ میں آہستہ چلے، جیسا اوپر ذکر ہوا اور ہر بار صفا اور مروہ پر چڑھے، جب سعی سے فارغ ہو جائے تو اب طواف قدوم اور سعی سے فارغ ہو گیا اور یہ دونوں باتیں سنت ہیں اور سعی کے لیے پاک ہونا مستحب ہے واجب نہیں بخلاف طواف کے کہ اس میں پاک ہونا واجب ہے۔ اور جب سعی کر چکے تو چاہیے کہ عرفات میں کھڑا ہونے کے بعد پھر سعی دوبارہ نہ کرے، بلکہ اسی سعی کو کہ کر چکا ہے رکن ہونے کو کافی سمجھے اس لیے کہ

---

[۱] اللہ اکبر اللہ اکبر کی تعریف ہے اللہ کو اس پر کہ ہم کو ہدایت کیا، تعریف ہے اللہ کو اس کی ساری خوبیوں کے ساتھ اس کی بالکل سب نعمتوں پر نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے، اسی کو حمد ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس کے قبضہ میں ہے بھلائی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور وہ واحد ہے، سچا کیا اپنے وعدہ کو اور مدد کی اپنے بندے کی یعنی فتح مکہ میں، اور عزت دی اپنے لشکر کو اور ہزیمت دی کافروں کے گروہوں کو تنہا اس نے غزہ خندق میں نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے خالص کر کے اس کے لیے بندگی اگرچہ برا جانیں کافر نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے خالص کر کے اس کے لیے تعریف ہے اللہ پروردگار عالم کو سو پاک اللہ کی یاد ہے جب شام کرو اور صبح کرو، اور اس کی خوبی ہے آسمان زمین اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو نکالتا ہے جیتا مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے اور جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے، اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے (باقی ۴۰۲)

سعی کی شرط یہ نہیں کہ وقوف عرفہ کے بعد ہو، بلکہ طواف زیارت میں قید بعد وقوف کے ہے، ہاں سعی میں یہ قید ہے، کہ طواف کے بعد ہو، خواہ کس طرح کا طواف کیوں نہ ہو۔

وقوف عرفات

اور جو امور اس سے پہلے چاہئیں ان کی کیفیت میں حاجی جس صورت میں کہ عرفہ کے روز عرفات پہنچ جائے تو طواف قدوم اور مکہ میں جانے کے لیے وقوف سے پہلے تیاری نہ کرے، بلکہ اول عرفات میں ٹھہرنے کو اختیار کرے، ہاں اگر عرفہ سے کچھ دنوں پیشتر پہنچے تب مکہ میں داخل ہو کر طواف قدوم کرے اور ساتویں ذی الحجہ تک احرام باندھے ہوئے مکہ میں ٹھہرا رہے، پھر امام اسی تاریخ میں ظہر کے بعد کعبہ شریف کے پاس خطبہ پڑھے اور لوگوں کو حکم دے کہ آٹھویں تاریخ منیٰ کے جانے کی تیاری کریں اور رات کو وہاں رہیں اور نویں کو صبح کو وہاں سے عرفات کو جائیں کہ بعد زوال کے وقوف عرفہ کا فرض ادا کریں، کیوں کہ وقوف کا وقت نویں کے زوال سے دسویں کی صبح صادق ہونے تک ہے، پس چاہیے کہ منیٰ کو لبیک کہتا ہوا نکلے اور مستحب یہ ہے کہ مکہ سے ارکان حج کے لیے تمامی حج تک اگر قدرت ہو تو پیادہ چلے اور مسجد ابراہیم علیہ السلام سے وقوف کی جگہ تک پیادہ چلنے کی بہت تاکید ہے اور افضل ہے، پس جب منیٰ میں پہنچے تو کہے[1] اللّٰھم ھٰذا منی فامنن بما مننت بہ علی اولیائك واھل طاعتك اور نویں رات کو منیٰ میں رہے اور یہ مقام منزل اور رات کے رہنے کا ہے، کوئی فعل حج اس وقت میں اس سے متعلق نہیں، جب عرفہ کی صبح ہو وے تو فجر کی نماز پڑھے اور کوہ ثبیرہ پر آفتاب نکلے تو آفتاب کو یہ کہتا ہوا چلے[2] اللّٰھم اجعلھا خیر غدوۃ غدوتھا قط واقربھا من رضوانك وابعدھا من سخطك اللّٰھم الیك غدوت وایاك رجوت وعلیك اعتمدت ووجھك اردت فاجعلنی ممن تباھی بہ الیوم من ھو خیر منی وافضل اور جب عرفات میں آوے تو اپنا خیمہ نمرہ میں جو مسجد کے قریب ہے کھڑا کرلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خیمہ اسی جگہ کھڑا کیا تھا اور نمرہ بطن عرفہ کا نام ہے جو موقف اور عرفہ کے اس طرف ہے اور وقوف کے لیے غسل کرنا چاہیئے، جب آفتاب ڈھل جاوے تو امام ایک خطبہ مختصر پڑھ کر بیٹھ جائے اور پھر دوسرا خطبہ شروع کرے اور مؤذن اذان دینے لگے اور اذان میں تکبیر ملائے اور تکبیر کے ختم ہونے پر امام بھی فارغ ہو جائے۔ پھر ظہر اور عصر ایک اذان اور دو تکبیروں سے پڑھے، اور نماز کو قصر کرے، بعد نماز کے موقف میں جائے اور عرفات میں ٹھہرے

(بقیہ صہ ۴۱۴) پھر اب تم انسان ہو پھیل پڑے، الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایمان دائمی اور یقین سچا اور علم مفید اور دل عاجزی کرنے والا اور زبان ذکر کرنے والی، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے عفو اور عافیت اور سلامتی دائمی دنیا اور آخرت میں ۱۲ [1] الٰہی یہ منی ہے پس تو میرے اوپر احسان کر اس نعمت کا جس سے تو نے اپنے دوستوں اور اہل جنت پر احسان کیا ۱۲ [2] اس کا ترجمہ پیشتر گزرا ۱۲ (صفحہ حاشیہ ہٰذا) [3] الٰہی اس صبح کو بہتر ان صبحوں سے کردے جو میں نے کی ہوں اور اس کو اپنی رضامندی سے قریب کر اور اپنے غصہ سے دور کر، میں نے تیری طرف صبح کی اور تجھی سے توقع کی اور تجھی پر اعتماد کیا اور تیری رضا کا ارادہ کیا، پس تو مجھ کو ان لوگوں میں سے کردے جن سے تو آج مجھ سے بہتر اور افضل لوگوں یعنی فرشتوں پر فخر کرے ۱۲ مسلم اور حدیث طویل جابر رضی اللہ عنہ ۱۲

اور عرفہ کی وادی میں نہ ٹھہرے اور مسجد ابراہیم کا اگلا حصہ تو عرفہ میں ہے اور پچھلا عرفات میں، تو جو کوئی اگلے حصہ میں ٹھہرے گا اس کو عرفات میں ٹھہرنا میسر نہ ہوگا اور عرفات کی جگہ مسجد میں ان بڑے پتھروں سے معلوم ہوتی ہے جو وہاں بچھا دیے گئے ہیں، اور افضل یہ ہے کہ امام قریب پتھروں کے پاس قبلہ رخ سوار ہوکر ٹھہرے اور تحمید اور تسبیح اور تہلیل اور خدائے تعالیٰ کی تعریف اور دعا اور توبہ بہت سی کرے، اور اس روز روزہ رکھے تاکہ تمام روز دعا پڑھنے پر قادر رہے، اور عرفہ کے روز لبیک کہنا موقوف نہ کرے، بلکہ مستحب یہ ہے کہ کبھی لبیک کہے اور کبھی دعا پر جھکے، اور چاہیے کہ عرفات کی طرف سے بدوں آفتاب کے ڈوبے ہوئے نہ چلے تاکہ رات اور دن عرفات ہی میں اکٹھی کرے۔ اور ایک یہ فائدہ ہے کہ اگر چاند میں غلطی ہوگئی ہوگی تو دوسرے روز کی شب میں ایک ساعت ٹھہرنا ہو سکے گا، غرض کہ احتیاط اسی کی مقتضی ہے، اور حج کے فوت ہونے سے بھی مامون رہے گا۔ اور جس شخص کو دسویں کی صبح تک کچھ بھی ٹھہرنا نصیب نہ ہو، اس کا حج جاتا رہا، اس کو چاہیئے کہ عمرہ کے اعمال کر کے احرام سے حلال ہو جائے اور پھر ایک دم حج کے جانے کے لیے دے اور دوسرے برس میں اس حج کی قضا کرے اور اس روز میں سب سے زیادہ ہمت دعائیں کرے کہ اس جیسی جگہ اور ایسے مجمع میں دعاؤں کے مقبول ہونے کی توقع ہے، اور جو دعا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکابر سلف سے عرفہ کے روز منقول ہے اس کا مانگنا بہتر[1] ہے تو یوں دعا مانگنی چاہیئے۔ لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لایموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر[2] اللھم اجعل فی قلبی نورًا وفی سمعی نورًا وفی بصری نورًا وفی لسانی نورًا اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری اللھم رب الحمد لک الحمد کما نقول وخیرمما نقول لک صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی والیک مآبی والیک ثوابی اللھم انی اعوذبک من وساوس الصدر وشتات الامر وعذاب القبر اللھم انی اعوذبک من شر ما یلج فی اللیل وشر ما یلج فی النھار ومن شر ما تھب بہ الریاح ومن شر بوائق الدھر اللھم انی اعوذبک من تحول

---

[1] دعائے عرفہ جو مصنف نے لکھی ہے اس کے بعض ٹکڑے مرفوع ہیں مگر مخصوص عرفہ میں نہیں، عرفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بروایت ترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ لا الٰہ الا اللہ سے کل شئ قدیر تک، اور بروایت علی رضہ اللھم لک الحمد کالذی نقول وخیرمما نقول سے لک رب تراثی تک ثابت ہے۔ اور مستغفری میں بروایت علی رضہ لا الٰہ الا اللہ سے یسرلی امری تک لکھا ہے۔ اور اللھم انی اعوذبک من وسواس الصدر سے بوائق الدھر تک اس کا ضمیمہ کیا ہے۔ اور طبرانی نے بروایت ابن عباسؓ اللھم انک تری مکانی سے اکرم المنظلین تک روایت کیا ہے اور ان دونوں کی اسناد ضعیف ہے ۱۲

[2] نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کو ہے خوبی اور سلطنت، زندہ کرتا ہے اور وہ زندہ ہے، نہیں مرتا، اس کے قبضہ میں ہے بھلائی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی کر دے میرے دل میں نور، اور میرے کان میں نور اور میری آنکھ میں نور اور میری زبان میں نور، الٰہی کھول دے میرا سینہ اور آسان کر میرے لیے میرا معاملہ الٰہی پروردگار حمد کی تجھ کو خوبی ہے جیسا ہم کہتے ہیں اور بہتر اس سے کہ ہم کہتے ہیں تیرے واسطے ہے میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اور تیری ہی طرف ہے میری بازگشت، اور تیرے ہی سپرد میرا ثواب دینا، الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سینہ کے وسوسے اور حال کی پراگندگی – باقی

عافیتك وفجاءۃ نقمتك وجمیع سخطك اللهم اهدنی بالهدی واغفرلی فی الاٰخرۃ والاولیٰ یاخیر مقصود
واسنی منزول به واکرم مسئول مالدیه اعطنی العشیة افضل مااعطیت احدا من خلقك وحجاج
بیتك یاارحم الراحمین، اللهم یارافع الدرجات ومنزل البرکات ویا فاطر الارضین والسمٰوٰت ضجت الیك
الاصوات بصنوف اللغات نسئلك الحاجات وحاجتی ان لا تنسانی فی دار البلاء اذا نسینی اهل الدنیا اللهم
انك تسمع کلامی وتری مکانی وتعلم سری وعلانیتی ولا یخفی علیك شئی من امری انا البائس الفقیر
المستغیث المستجیر الوجل المشفق المعترف بذنبه اسئلك مسئلة المسکین وابتهل الیك ابتهال
المذنب الذلیل وادعوك دعاك دعاء الخائف الضریر دعاء من خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته
وذل لك جسده ورغم لك انفه اللهم لاتجعلنی بدعائك رب شقیا وکن بی رءوفا رحیما یاخیر المسئولین
واکرم المعطین الٰهی من مدح لك نفسه فانی لائم نفسی والٰهی اخرست المعاصی بلسانی فمالی وسیلة
من عملی ولا شفیع سوی الامل الٰهی انی اعلم ان ذنوبی لم تبق لی عندك جاها ولا للاعتذار وجها ولکنك

(بقیہ حاشیہ ۴۴۳) اور قبر کے عذاب سے، الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں برائی سے اس چیز کی کہ داخل ہو رات میں برائی سے اس چیز کی کہ داخل ہو دن میں اور برائی سے اس چیز کی کہ اڑاتی ہیں اس کو ہوائیں، اور برائی سے زمانہ کی مہلکات کی، الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں تیری دی ہوئی تندرستی کے بدلنے سے اور تیرے اچانک انتقام لینے سے اور تیرے سب غصہ سے، الٰہی مجھ کو نیکی سے ہدایت کر، اور بخش دے میرے گناہ آخرت اور دنیا کے امور کے اے بہتر ان لوگوں کے جن کے پاس کوئی قصد کرے اور ان کے پاس کوئی اترے، اور کریم تر ان کے جن کے پاس کوئی چیز ان سے مانگے آج شام کو تو مجھ کو وہ نعمت عطا کر جو اپنی مخلوق میں سے اور اپنے گھر کے حاجیوں میں کسی کو تو نے دی جو اس سے افضل ہو اے ارحم الراحمین اے اللہ اے بلند کرنے والے درجوں کے، اے اتارنے والے برکتوں کے، بنانے والے زمینوں کے اور آسمانوں کے، فریاد کرتی ہیں تیرے سامنے آوازیں اقسام زبانوں سے، تجھ سے ہم حاجتیں مانگتے ہیں۔ اور میری حاجت یہ ہے کہ تو مجھ کو اس امتحان کے گھر میں مت بھولنا جب کہ مجھ کو دنیا والے بھول جائیں، الٰہی تو میرے کلام سنتا ہے اور میری جگہ دیکھتا ہے اور تو میرے باطن اور ظاہر کو دیکھتا ہے اور میرے حال میں سے کچھ تجھ سے چھپا نہیں ہے، الٰہی میں سختی زدہ مفلس فریادی پناہ چاہنے والا خائف ترساں اپنے گناہ کا اقرار کرنے والا ہوں، تجھ سے مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں اور تیرے سامنے گناہگار ذلیل کی سی زاری کرتا ہوں، اور تجھ کو خوف زدہ ضرر یافتہ کی طرح پکارتا ہوں، ایسے شخص کی طرح جس کی گردن تیرے لیے جھکی ہے اور اس کے آنسو تیرے لیے جاری ہوتے ہوں اور اس کا جسم تیرے واسطے ذلیل ہوا ہو، اور اس کی ناک تیرے سامنے خاک میں بھری ہو، الٰہی تو مجھ کو اپنے پکارنے میں اور دعا میں محروم مت کر اور مجھ پر رؤف اور مہربان ہو اے بہتر ان لوگوں کے جن سے کوئی مانگے اور اے زیادہ دینے والوں میں سے، الٰہی جو تیرے سامنے اپنی تعریف کیا کرے، میں تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوں، الٰہی گناہوں نے میری زبان بند کر دی، پس مجھ کو اپنے عمل کا وسیلہ نہیں اور نہ سوا توقع کے اور کوئی سفارش کرنے والا، الٰہی مجھے معلوم ہے کہ میرے گناہوں نے تیرے نزدیک میری قدر کچھ باقی نہیں رکھی اور نہ عذر کرنے کی کوئی صورت، لیکن تو زیادہ سخیوں سے زیادہ سخی ہے، الٰہی اگر میں اس کا اہل نہیں کہ تیری رحمت تک پہنچوں، تو تیری رحمت تو شایاں ہے کہ مجھ تک پہنچے، الٰہی تیری رحمت (باقی ۴۴۵)

اکرم الاکرمین الٰھی ان لم اکن اھلا ان ابلغ رحمتك فان رحمتك اھل ان تبلغنی و رحمتك وسعت کل شئی وانا شئی الٰھی ان ذنوبی وان کانت عظاما ولکنھا صغار فی جنب عفوك فاغفرھا لی یا کریم الٰھی انت انت وانا انا العواد الی الذنوب وانت العواد الی المغفرۃ الٰھی کنت لا ترحم الا اھل طاعتك فالی من یفزع المذنبون الٰھی تجنبت عن طاعتك عمداً وتوجھت الی معصیتك قصداً فسبحٰنك ما اعظم حجتك علی واکرم عفوك عنی فبوجوب حجتك علی وانقطاع حجتی عنك وفقری الیك و غناك عنی الا غفرت لی یا خیر من دعاہ داع وافضل من رجاہ راج بحرمۃ الاسلام وبذمۃ محمد علیہ السلام اتوسل الیك فاغفر لی جمیع ذنوبی واصرفنی عن موقفی ھذا مقضی الحوائج وھب لی ما

(بقیہ ص ۴۰۲) ہر چیز کو شامل ہے اور میں بھی چیز ہوں الٰہی اگرچہ میرے گناہ بڑے ہیں مگر تیرے عفو کے برابر میں چھوٹے ہیں، پس مغفرت کر دے میرے گناہوں کو، اے کریم تو تو ہی ہے اور میں میں ہی ہوں میں گناہوں کی طرف بار بار رجوع کرتا ہوں اور تو بار بار مغفرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ الٰہی اگر تو اپنے اطاعت والوں ہی کو رحم کرے گا تو گناہگار کس طرف ملتجی ہوں گے، الٰہی میں تیری اطاعت سے قصداً علیحدہ رہا اور تیری نافرمانی پر دانستہ متوجہ ہوا۔ پس تو پاک ہے تیری حجت مجھ پر کتنی بڑی ہے اور تیرا عفو کرنا مجھ کو کتنا زیادہ کرم ہے تو جس صورت میں کہ تیری حجت مجھ پر ضروری ہوئی، میری حجت تیرے سامنے جاتی رہی، اور میں تیرا محتاج ہوں اور تو مجھ سے بے پروا تو اب تو مجھ کو مغفرت ہی کر دے اے بہتر ان لوگوں کے جن کو کوئی دعا مانگنے والا پکارے اور افضل ان کے جن سے کوئی توقع رکھنے والا توقع رکھے اسلام کی حرمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ سے میں تیرے سامنے وسیلہ پکڑتا ہوں، پس تو میرے سب گناہ بخش دے اور مجھ کو اس کھڑے ہونے کی جگہ سے حاجتیں پوری کر کے لوٹا اور جو کچھ میں نے مانگا، وہ مجھ کو دیدے، اور جس چیز کی میں نے تمنا کی، اس میں میری توقع جما دے، الٰہی میں نے تجھ سے وہ دعا مانگی جو تو نے مجھ کو سکھلائی، پس مجھ کو اس توقع سے محروم نہ کر تو نے مجھ کو جتلائی۔ الٰہی تو نے آج رات کیا سلوک کرے گا ایسے بندے سے جو تیرے سامنے اپنے گناہ کا مقر ہے اور اپنی ذلت میں خشوع کرنے والا، اور اپنے گناہ سے مسکین، اور اپنے عمل سے تیرے سامنے تضرع کرنے والا اور ارتکاب معاصی سے تائب اور اپنی زیادتی سے مغفرت چاہنے والا اور اپنے عفو کے لیے زاری کرنے والا، اور اپنی حاجتوں کو پورا ہونے میں تیرا تلاش کرنے والا اور اپنے کھڑے ہونے کی جگہ میں تیری توقع کرنے والا باوجود اپنے بہت سے گناہوں کے، پس اے جائے پناہ ہر زندہ کے اور کارپرداز ہر ایماندار کے جو اچھا کرتا ہوں وہ تیری رحمت سے کامیاب ہوتا ہے، اور جو خطا کرتا ہے وہ اپنی خطا سے ہلاک ہوتا ہے، الٰہی ہم تیری طرف نکلے اور تیرے صحن میں قیام کیا اور تجھی سے توقع رکھی اور تیرے پاس کی چیز مانگی اور تیرے احسان کے در پے ہوئے اور تیری رحمت کی توقع کی۔ اور تیرے عذاب سے خوف کیا اور گناہوں کے بوجھوں سمیت تیری طرف بھاگے اور تیرے حرمت والے گھر کا حج کیا ہے اے وہ ذات جو سوال کرنے والوں کی حاجتوں کا مالک ہے اور چپکے رہنے والوں کے دل کی باتیں جانتا ہے، اے وہ شخص کہ اس کے ساتھ میں اور کوئی رب نہیں جس سے کچھ مانگیں اور نہ اس کے اوپر کوئی پیدا کرنے والا جس کا خوف کیا جائے، اور اے وہ شخص کہ اس کا کوئی وزیر نہیں جس کے پاس جائیں اور نہ اس کا کوئی دربان جس کو کچھ رشوت دیں اے وہ شخص کہ سوال کی کثرت پر تیرا جود و کرم ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اور حاجتوں کی کثرت پر تیرا فضل اور احسان ہی بڑھتا ہے ۱۲

سالت وحقق رجائی فیما تمنیت الٰھی دعوتك بالدعاء الذی علمنیه فلاتحرمنی الرجاء الذی عرفتنیه الٰھی ما انت صانع العشیته بعبد مقرلك بذنبه خاشع لك بذلة مسکین بجرمة متضرع الیك من عمله تائب الیك من اقتراف مستغفرلك من ظلمه مبتهل الیك فی العفوعنه طالب ایاك فی نجاح حوائجه راج الیك فی موقفه مع کثرة ذنوبه فیا ملجا کل حی وولی کل مومن من احسن فبرحمتك یفوذ ومن اخطا فبخطیئته یھلك اللھم الیك خرجنا وبفنائك انخنا وایاك املنا وما عندك طلبنا ولاحسانك تعرضنا برحمتك رجونا ومن عذابك اشفقنا والیك باثقال الذنوب ھربنا ولبیتك الحرام حججنا یا من یملك حوائج السائلین ویعلم ضمائر الصامتین یامن لیس معه رب یدعیٰ ویامن لیس فوقه خالق یخشی ویامن لیس له وزیر یؤتی ولاحاجب یرشی یا من لایزداد علی کثرة السوال الاجودا وکرما وعلی کثرة الحوائج الاتفضلا واحسانا اللھم[1] انك جعلت لکل ضیف قری ونحن اضیافك فاجعل قرٰی منك الجنة اللھم ان لکل وفد جائزة ولکل زائر کرامة ولکل سائل عطیة ولکل راج ثوابا ولکل ملتمس لما عندك جزاء ولکل مسترحم عندك رحمة ولکل راغب الیك زلفی ولکل متوسل الیك عفوا وقد وفدنا الی بیتك الحرام ووقفنا بھذه المشاعر العظام وشھدنا ھٰذه المشاھد الکرام رجاء لما

---

[1] الٰہی تو نے ہر مہمان کے لیے ایک دعوت ٹھہرائی ہے اور ہم تیرے مہمان ہیں تو ہماری دعوت اپنی طرف سے جنت میں کرے، الٰہی ہر آنے والے کے لیے ایک صلہ ہے اور ہر ملنے والے کے لیے ایک بزرگی ہے اور ہر سائل کے لیے ایک عطا ہے اور ہر متوقع کے واسطے ایک ثواب ہے اور تیرے پاس کی چیز مانگنے والے کو ایک عوض ہے اور تجھ سے ہر رحم چاہنے والے کو رحمت ہے اور تیری طرف رغبت کرنے والے کو ایک قرب ہے اور تیرے سامنے ہر وسیلہ جو کے لیے معافی ہے اور ہم تیرے حرمت والے گھر تک آئے اور ان مقاماتِ عظیم میں ٹھہرے ہوئے اور ان زیاراتِ متبرکہ میں حاضر ہوتے تیرے پاس کی چیز کی توقع سے، پس تو ہماری توقع کو بے کار مت کر، اے ہمارے معبود تو نے اتنی نعمتیں پے در پے دیں کہ نفس تیری نعمتوں کے پیہم ہونے سے چین پکڑ گیا اور تو نے سوزح کے مقام اتنے ظاہر کیے کہ خاموش چیزیں حجت پر گویا ہو گئیں اور تو نے احسانات ایسے پیاپے کئے کہ تیرے دوست تیرے حق سے قاصر رہنے کے معترف ہوئے، اور تو نے نشانیاں اتنی ظاہر کیں کہ آسمان اور زمین نے بزبانِ فصیح تیری دلیلیں بیان کیں اور تو نے اپنی قدرت سے دبا یا کہ ہر چیز تیری عزت کے سامنے دب گئی اور سب صورتیں تیری عظمت کے مقابل پست ہو گئیں، جب تیرے بندے برا کرتے ہیں تو تو حلم کرتا ہے اور تاخیر دیتا ہے، اور اگر وہ اچھا کرتے ہیں تو تو فضل کرتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ اور اگر نافرمانی کرتے ہیں تو تو پردہ پوشی کرتا ہے اور اگر خطا کرتے ہیں تو تو درگذر کرتا ہے اور بخشتا ہے، اور جو ہم دعا مانگتے ہیں تو تو قبول کرتا ہے اور جب پکارتے ہیں تو تو سنتا ہے، اور جب تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں تو تو نزدیک ہوتا ہے اور جب ہم تجھ سے پشت پھیرتے ہیں تو تو پکارتا ہے۔ اے معبود تو نے اپنی کتاب ظاہر میں محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ تو کہہ دے کافروں سے کہ اگر وہ باز آویں تو معاف ہوا ان کو جو ہو چکا اس صورت میں ان کا انکار کرنے کے بعد توحید کا اقرار کرنا تجھ کو خوش اور ہم تو تیری توحید کی گواہی عاجزی کے ساتھ دیتے ہیں اور محمدؐ کی رسالت کی شہادت اخلاص کے ساتھ (باقی ص ۴۰۵)

عندك فلا تخيب رجاءنا الٰهنا تابعت النعم حتى اطمأنت النفس بتتابع نعمك واظهرت العبر حتى نطقت الصوامت بحجتك وظاهرت المنن حتى اعترف اولياءك بالتقصير عن حقك واظهرت الاٰيات حتى افصحت السمٰوٰت والارضون باولئك وقهرت حتى خضع كل شئ بعزتك وعنت الوجوه بعظمتك اذا اساء عبادك حلمت وامهلت وان احسنوا تفضلت وقبلت وان عصوا سترت وان اذنبوا عفوت وغفرت واذا دعونا اجبت واذا نادينا سمعت واذا اقبلنا اليك قربت واذا ولينا عنك دعوت الٰهنا انك قلت فى كتابك المبين لمحمد خاتم النبيين قل للذين كفروا ان ينتهوا يغفرلهم ما قد سلف فارضاك عنهم الاقرار بكلمة التوحيد بعد الجحود وانا نشهد لك بالتوحيد مخبتين ولمحمد بالرسالة مخلصين فاغفرلنا بهذه الشهادة سوالف الاجرام لاتجعل حظنا فيه انقص من حظ من دخل فى الاسلام الٰهنا انك حب التقرب اليك بعتق ما ملكت ايماننا ونحن عبيدك وانت اولى بالتفضل فاعتقنا وانك امرتنا ان نتصدق على فقرائنا ونحن فقرائك وانت احق بالتطول فتصدق علينا ووصيتنا بالعفو عمن ظلمنا وقد ظلمنا انفسنا وانت احق بالكرم فاعف عنا ربنا فاغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا ربنا اٰتنا فى الدنيا حسنة وفى الاٰخرة حسنة وقنا برحمتك من عذاب النار اور دعائے خضر علیہ السلام بھی کثرت سے پڑھتا رہے اور وہ یہ ہے[1] يا من لايشغله شان عن شان ولاسمع عن سمع ولا تشتبه عليه الاصوات يا من لا تغلطه المسائل ولا تختلف عليه اللغات يا من لايبرمه الحاح الملحين ولاتضجره مسئلة السائلين اذقنا برد عفوك وحلاوة رحمتك اور اس کے سوا جو دعا اس کو معلوم ہو، پڑھے اور مترجم دانست میں دعائے حزب الاعظم بہت عمدہ ہے کہ ادعیہ قرآن وحدیث کو شامل ہے اور اپنے لیے اور ماں باپ کے لیے اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لیے دعائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۴) دیتے ہیں اور محمدؐ کی رسالت کے عوض گذشتہ گناہ ہمارے بخش دے اور ہمارا نصیب تو مسلموں کے نصیب سے کم مت کر، الٰہی ہم میں سے کوئی اگر اپنا مملوک آزاد کر کے تیرا تقرب حاصل کرے تو تجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے حالانکہ ہم تیرے غلام ہیں اور تو فضل کرنے کو اولیٰ ہے تو تو بھی ہم کو آزاد کر، اور تو نے ہم کو حکم کیا ہے کہ اپنے جنس کے محتاجوں پر ہم خیرات کریں اور ہم تیرے محتاج اور تو انعام کرنے کے شایان تر ہے، پس ہم پر خیرات کر، اور تو نے ہم کو حکم دیا کہ جو کوئی ہم پر ظلم کرے، ہم اس سے درگذر کریں اور ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تو کرم کا زیادہ مستحق ہے پس تو ہم سے درگذر فرما، اے رب ہمارے ہم کو مغفرت کر اور ہم پر رحم کر تو ہمارا آقا ہے، اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی، اور بچا ہم کو اپنی رحمت کے طفیل میں دوزخ کے عذاب سے ۱۲

[1] اے وہ شخص کہ نہیں روکتا ہے اس کو ایک حال دوسرے کے حال سے اور نہ ایک عرض کا سننا دوسرے کے سننے سے اور نہ مشتبہ ہوتی ہے اس پر آوازیں اے وہ شخص کہ نہیں دھوکا دیتے ہیں اس کو بہت سے سوال اور نہ مختلف ہوں اس کے نزدیک بہت سی زبانیں اے وہ شخص کہ نہیں تھکاتا اصرار ہٹ کرنے والوں کا اور نہیں تنگ کرتا اس کو سوال سائلوں کا چکھا ہم کو اپنے عفو کی سردی اور اپنی رحمت کی حلاوت ۱۲

مغفرت کرے اور دعا میں خوب الحاح کرے اور بہت بڑی رغبت سے مانگے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی چیز بڑی نہیں اور مطرب بن عبد اللہ نے عرفہ میں یہ کہا تھا کہ الٰہی تو میری جہت سے سب لوگوں کو نامنظور مت کرنا، اور بکر مزنی نے کہا ہے کہ ایک شخص نے ذکر کیا کہ جب میں نے عرفات والوں کو دیکھا تو یہ گمان کیا کہ اگر میں ان میں نہ ہوتا تو سب کی مغفرت ہو جاتی۔

وقوف کے بعد کے اعمال جن میں مزدلفہ کا قیام، جمرات پر کنکریاں مارنا، قربانی بالوں کا ترشوانا اور طواف کا ذکر ہے

جب آفتاب ڈوبنے کے بعد عرفات سے پھرے تو چاہیئے کہ وقار اور آرام کے ساتھ رہے، گھوڑے یا اونٹ کو دوڑائے نہیں جیسے بعض لوگوں کا دستور ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری کے گھوڑے اور اونٹ کے جھپٹانے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا اللہ سے ڈرو اور اچھی طرح چلو کہ نہ ضعیف آدمی کو کھوندو اور نہ مسلمان کو ایذا دو، اور جب مزدلفہ میں پہنچو تو اس کے لیے نہائے اس لیے کہ مزدلفہ حرم میں سے ہے اس جہت سے اس میں نہا کر داخل ہونا چاہیئے۔ اور اگر اس میں پیادہ ہو کر داخل ہو تو اور بھی افضل اور حرم کی عزت کے مناسب تر ہے اور راستہ میں لبیک پکار کر کہتا چلے، اور جب مزدلفہ میں پہنچے تو کہے[1] اللھم ان ھذا مزدلفة جمعت فیھا السنة مختلفة نسألک حوائج مؤتنفة فاجعلنی ممن دعاک فاستجبت لہ وتوکل علیک فکفیتہ پھر مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو تکبیروں سے اکٹھے پڑھے، اور عشاء کو قصر کرے اور دونوں فرضوں کے درمیان میں کوئی نفل نہ پڑھے مگر مغرب اور عشاء کی نفلیں اور وتر بعد دونوں فرضوں کے پڑھ لے، پہلے مغرب کی نفلیں پڑھے پھر عشاء کی جیسے فرض پڑھی تھی۔ اور اسی طرح جو شخص سفر میں نماز جمع کرے، وہ نفلوں کو ادا کرے کہ سفر میں نفلوں کا چھوڑ دینا ظاہری نقصان ہے اور ان کو ان کے اوقات پر ادا کرنے کا حکم دینا خالی از ضرر نہیں علاوہ ازیں فرض کے تابع نہ رہیں گے اور جدا پڑ جائیں گے۔ پس جس صورت میں کہ ایک تیمم سے فرائض کے ساتھ میں نوافل کا ادا کرنا درست ہے تو جمع کے لحاظ سے فرضوں کی تبعیت میں ان کا ادا کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ اور نوافل کا فرضوں سے بعض احکام میں جدا ہونا مثلاً ان کا ادا کرنا سواری پر جائز ہونا کچھ اس امر کا مانع نہیں، کیونکہ ہم تو اشارہ کر چکے کہ تبعیت اور حاجت کے باعث ان کو اسطرح ادا کرنا چاہیئے، پھر اس رات مزدلفہ میں رہے اور یہ رات کو رہنا حج کے اعمال میں سے ہے۔ اور اگر کوئی شخص آدھی رات پیشتر وہاں سے چلا جائے اور رات کو نہ رہے تو اس پر دم لازم ..... آئے گا اور رات کو درود و وظائف میں کاٹنا عمدہ ثواب

---

[1] نسائی و حاکم بروایت اسامة بن زید ۱۲ [2] الٰہی یہ مزدلفہ ہے اس میں سنت مختلف جمع ہے، ہم تجھ سے حاجتیں ازسرنو مانگتے ہیں پس تو مجھ کو ان لوگوں میں سے کر جنہوں نے تجھ سے دعا مانگی تو تو نے قبول کی، اور تجھ پر بھروسا کیا تو تو ان کا کارساز ہوا ۱۲

کی چیزوں میں سے ہے بشرطیکہ ہو سکے، پھر جب آدھی رات ہو جائے تو کوچ کی تیاری شروع کرے اور یہاں سے کنکریاں جمروں کے لیے اٹھالے کہ یہاں نرم پتھر ہیں۔ اور سنتر کنکریاں لیوے کہ بقدرِ حاجت اتنی ہی ہوں گی، اور اگر گر پڑنے کے احتمال سے زیادہ بھی لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور کنکریاں ہلکی ہونی چاہئیں کہ انگلی کی پور پر آسکیں، پھر نمازِ صبح اندھیرے میں پڑھے اور اپنی راہ لے، یہاں تک کہ جب مشعر الحرام پر پہنچے جو مزدلفہ کا آخر ہے تو وہاں ٹھہر جائے اور خوب روشنی ہو جانے تک دعا مانگے اور کہے[1] اللھم بحق المشعر الحرام والبیت الحرام والشھر الحرام والرکن والمقام ابلغ روح محمد منا التحیۃ والسلام وادخلنا دار السلام یا ذا الجلال والاکرام پھر وہاں سے آفتاب نکلنے سے پہلے چل دے، اور جب اس جگہ پہنچے جس کو وادیٔ محسّر کہتے ہیں تو مستحب ہے کہ سواری کو ہانکے یہاں تک کہ اس میدان کے عرض کو طے کر جائے۔ اور اگر پیادہ ہو تو قدم تیز کر کے چلے اور جب سے صبح دسویں کی ہو جائے لبیک میں تکبیر کو ملا دے یعنی کبھی لبیک کہے اور کبھی تکبیر، یہاں تک کہ منیٰ میں پہنچے اور جمرات آجائیں اور یہ شمار میں تین ہیں۔ پس پہلے اور دوسرے سے بڑھ جانا چاہیئے کہ دسویں کو ان کے ساتھ کوئی کام متعلق نہیں، اور جب جمرہ عقبہ پر پہنچے اور آفتاب بقدرِ نیزہ اونچا ہو تو جمرہ مذکور کو کنکریاں مارے۔ یہ جمرہ قبلہ رخ آدمیوں کے داہنی طرف راستہ میں پہاڑ کے نیچے ہے اور کنکریاں مارنے کی جگہ کچھ اونچی ہے اور کنکریوں کے پڑنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اور کنکریاں مارنے کی صورت یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور جمرہ کی طرف منہ کرے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، اور سات کنکریاں ہاتھ اٹھا کر مارے اور لبیک کے عوض تکبیر کہے اور ہر کنکر کے ساتھ یہ کہے[2] اللہ اکبر علی طاعۃ الرحمٰن ورغم الشیطٰن اللھم تصدیقا بکتابك واتباعا لسنۃ نبیك اور جب کنکریاں مار چکے تو لبیک اور تکبیر دونوں موقوف کر دے، مگر فرض نمازوں کے بعد دسویں کی ظہر سے تیرھویں کی صبح کے بعد تک کہتا رہے، اور تکبیر نماز کے بعد اس طرح ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر کبیرًا والحمد للہ کثیرًا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکٰفرون لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور اس روز دعا کے واسطے جمرہ کے پاس نہ ٹھہرے، بلکہ دعا اپنے مکان پر مانگے پھر اگر اس کے ساتھ ہدی ہو تو اس کو ذبح کرے، اور بہتر یہ ہے کہ خود اپنے آپ ذبح کرے اور یہ دعا پڑھے[3] بسم اللہ واللہ اکبر اللھم منك وبك والیك تقبل منی کما تقبلت من خلیلك ابراھیم اور قربانی کرنی اونٹ کی

---

[1] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الٰہی بطفیل مشعر الحرام اور خانہ کعبہ اور ماہ معظم اور رکن اور مقام کے روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہماری طرف سے تحفہ اور سلام پہنچا، اور ہم کو سلامتی کے گھر میں داخل کر اے بزرگی اور کرامت والے ۱۲ [2] اللہ بہت بڑا ہے، میں کنکر مارتا ہوں واسطے خدا کی اطاعت اور شیطان کی ذلت کے، اے اللہ تیری کتاب کی تصدیق کو اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کے لیے ۱۲ [3] شروع ہے اللہ کے نام سے، اور اللہ بہت بڑا ہے الٰہی قربانی تیری طرف سے عطا ہے اور تیرے ہی باعث سے ہے اور تیرے ہی طرف راجع ہے تو میری طرف سے اس کو قبول کر جیسے تو نے اپنے خلیل ابراہیمؑ کی طرف سے قبول فرمائی ۱۲

افضل ہے پھر گائے کی پھر بکری کی، اور ایک اونٹ یا گائے میں چھ شخصوں کے شریک ہونے کی بہ نسبت بکری افضل ہے اور بکری کی بہ نسبت دنبہ بہتر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] خیر الاضحیۃ الکبش الاقرن اور سفید رنگ، بھورے اور سیاہ کی نسبت بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفید دنبہ قربانی میں دو سیاہ رنگ دنبوں سے بہتر ہے اور ہدی اگر نفل ہو تو اس میں سے کھائے۔ اور جس جانور میں کوئی عیب ہو اس کی قربانی نہ کرے، اور عیب مانع قربانی کے یہ ہیں لنگڑا ہونا ناک یا کان کا کٹا ہونا، کان کا اوپر خواہ نیچے سے چرا ہوا ہونا، سینگوں کا ٹوٹا ہوا ہونا، اگلے پاؤں کا چھوٹا ہونا، خارشتی ہونا، کان کا اگلا یا پچھلا حصّہ سوراخ ہونا اور اتنا دبلا ہونا کہ ہڈیوں میں گودا نہ رہے، بعد اس کے بال منڈوائے، اور اس میں سنت یہ ہے کہ قبلہ رخ بیٹھے اور سر کے اگلے حصّہ سے شروع کرے اور داہنی طرف کے بال گدی تک کی اونچی ہڈی تک منڈوا دے پھر باقی کو منڈوا دے اور یہ کہے[2] اللھم اثبت لی بکل شعرۃ حسنۃ وامح عنی بھا سیئۃ و ارفع لی بھا عندك درجۃ اور عورت اپنے بالوں کو تھوڑا چھوٹا کر دے۔ اور گنجے کے لیے مستحب ہے کہ سر پر استرہ پھرا دے اور جب جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد بال منڈوائے تو پہلا حلال ہونا اب حاصل ہو گیا اور تمام ممنوعاتِ احرام سوائے عورتوں اور شکار کے اس کو حلال ہو گئے اب مکہ میں جا کر طواف کرے جس صورت سے کہ ہم نے لکھا ہے یہ طواف حج میں رکن ہے اور اس کو طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں، اور اس کے وقت کی ابتداء دسویں شب کے آدھے ہونے کے بعد سے ہے اور اس کا بہتر وقت دسویں تاریخ ہے اور آخر کی کوئی حد نہیں جب تک چاہے تاخیر کر دے، مگر جب تک یہ طواف نہ کرے گا تب تک کچھ ایک علاقہ احرام کا لگا رہے گا یعنی عورت اس کو حلال نہ ہو گی۔ اور جب طوافِ رکن کر لے گا تو اب پورا حلال ہے کہ عورت سے صحبت بھی حلال ہو گئی اور احرام بالکل دور ہوا اور صرف اب ایامِ تشریق میں جمروں کو کنکریاں مارنا اور رات کو منٰی میں رہنا باقی رہا، اور یہ دونوں امر احرام کے دور ہونے کے بعد حج کے اتباع کے طور پر واجب ہیں اور طواف زیارت کی صورت مع دوگانہ نماز کے ویسی ہی ہے جیسا ہم طواف قدوم میں لکھ چکے ہیں، پس جب دوگانہ نماز سے فارغ ہو تو اگر طواف قدوم کے بعد سعی صفا و مروہ کی نہ کی ہو تو اب طواف زیارت کے بعد اسی طرح کرے جیسا ہم لکھ آئے ہیں اور اگر سعی کر لی ہو تو وہی سعی رکن ہو گئی، اب دوبارہ نہ کرنی چاہیے۔ اور حلال ہونے کے تین سبب ہیں، کنکریوں کا مارنا اور سر منڈانا اور طواف رکن کرنا اور جب ان تین چیزوں میں سے دو ادا کر لے تو ایک حلال ہونا اس کو ہو جائے گا۔ اور ان تین چیزوں کو مع ذبح کے مقدم و مؤخر کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے کنکریاں مارے پھر ذبح کرے پھر سر منڈاتے پھر طواف کرے اور امام کے لیے مسنون یہ ہے کہ زوال کے بعد دسویں کو خطبہ پڑھے، اور یہ خطبہ[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وداع کا تھا غرضکہ حج میں چار خطبے ہیں اور یہ چاروں خطبے زوال کے بعد ہیں اور سب ایک ایک ہیں بجز عرفہ کے خطبہ کے کہ وہ دو ہیں اور دونوں

---

[1] بہتر قربانی سینگ دار مینڈھا ہے ۱۲ ابوداؤد بروایت عبادہ بن الصامت ۱۲ [2] الٰہی میرے لیے ہر بال کے لیے ایک نیکی ثابت کر اور ہر ایک بال کے عوض ایک خطا ہٹا دے اور اس کے عوض اپنے پاس ایک درجہ میرا اونچا کر ۱۲ [3] بخاری بروایت ابی بکرہ اور بروایت ابن عباسؓ تعلیقا اور اس کے بعد میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے رخصت ہوئے اسی لیے اس کا نام حجِ وداع ہوا ۱۲

کے درمیان میں کچھ دیر بیٹھنا ہے پھر جب طواف زیارت سے فارغ ہو چکے تو رات کے رہنے کے لیے اور کنکریاں مارنے کو منیٰ میں لوٹ آتے اور اس رات کو منیٰ میں رہے اور اس رات کا نام لیلۃ القر یعنی شب قرار ہے کیونکہ لوگ اس کی صبح کو منیٰ میں ٹھہرتے ہیں اور چلے نہیں جاتے۔ جب گیارھویں تاریخ کو دوپہر ڈھل جائے تو کنکریاں مارنے کے لیے نہائے اور پہلے جمرہ کا قصد کرے جو عرفات کی طرف سے اول ملتا ہے اور وہ عین سڑک پر ہے اس پر سات کنکریاں مارے اور جب اس سے آگے بڑھے تو تھوڑا سا راستہ سے علیحدہ ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ کی تحمید اور تہلیل اور تکبیر کر کے حضور دل اور اعضاء کی فروتنی کے ساتھ اتنی دیر دعا مانگے جتنی دیر میں سورۃ بقر پڑھتے ہیں، پھر درمیانی جمرہ کی طرف بڑھے اور اس کو بھی اول جمرہ کی طرح کنکریاں مارے اور ویسا ہی توقف کرے جیسا اول کیا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارے اور اب کوئی کام نہ کرے بلکہ اپنے اترنے کی جگہ میں آکر رات کو رہے۔ اور اس رات کو شب نفر اول کہتے ہیں، جب صبح ہو اور ظہر کی نماز ایام تشریق کے روز، دوم یعنی بارھویں تاریخ کی پڑھ چکے تو اس روز اکیس کنکریاں پہلے دن کی طرح تین جمروں پر مارے، اس کے بعد اختیار ہے چاہے مکہ کو لوٹ آئے۔ اگر آفتاب کے ڈوبنے سے پیشتر تک ٹھہرا رہے گا تو اس صورت میں اس کو باہر جانا جائز نہیں، بلکہ رات کو منیٰ میں ٹھہرے، اور تیرھویں کو اکیس کنکریاں بدستور سابق مارے۔ اور اگر رات کو نہ رہے گا اور کنکریاں نہ مارے گا تو دم دینا آئے گا اور اس کے گوشت کو صدقہ کر دے۔ اور جائز ہے کہ جن راتوں میں منیٰ میں شب باش ہو ان میں خانہ کعبہ کی زیارت کرے، لیکن اس شرط سے کہ رات کو منیٰ میں رہے پھر منیٰ میں رہتے ہوتے فرض نمازیں امام کے ساتھ مسجد خیف میں پڑھے کہ اس کا ثواب بہت بڑا ہے اور جب منیٰ سے مکہ کو جائے تو بہتر ہے کہ محصب میں ٹھہرے اور عصر اور مغرب اور عشاء وہاں پڑھے، اور تھوڑا سا سوئے کہ یہ سنت ہے۔ اور بہت سے صحابہؓ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کرے گا اس پر کچھ کفارہ دینا نہ آئے گا۔

عمرہ اور اس کے بعد کے اعمال

طواف وداع تک جو شخص حج سے پہلے یا پیچھے عمرہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ نہا کر احرام کے کپڑے پہنے جس صورت سے کہ حج میں مذکور ہوا اور عمرہ کے میقات سے عمرہ کا احرام کرے اس کے لیے افضل میقات جعرانہ ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان میں ایک جگہ ہے، بعد اس کے تنعیم ہے اس کے بعد حدیبیہ اور احرام کے وقت نیت عمرہ کی کر کے لبیک کہے اور مسجد عائشہ رضہ میں جا کر دو رکعتیں نماز پڑھے اور جو دل چاہے دعا مانگے، پھر لبیک کہتا ہوا مکہ میں آتے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو، مسجد کے اندر گھس کر لبیک کہنا موقوف کرے اور سات پھیرے طواف کر کے سات بار سعی صفا و مروہ کے درمیان کرے جیسے ہم پہلے ان دونوں کو لکھ چکے ہیں۔ اور سعی سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈائے اب عمرہ تمام ہو گیا، اور جو شخص مکہ میں ٹھہرا ہوا ہو، اس کو چاہیئے کہ عمرہ اور طواف بہت، اور خانہ کعبہ کی طرف بہت دیکھا کرے، اور جب خانہ کعبہ کے اندر جاتے تو چاہیئے کہ دو رکعتیں دونوں ستونوں کے درمیان پڑھے اگر یہ صورت افضل ہے۔ اور کعبہ کے اندر ننگے پاؤں وقار کے ساتھ

ح ابو داؤد بروایت طاؤس مرسلاً اور ابن عدی نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے وصل کر دیا ہے ۱۲

داخل ہو، کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ تم آج اپنے پروردگار کے گھر میں بھی گئے، انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ان قدموں کو اس قابل تو جانتا ہی نہیں کہ اپنے پروردگار کے گھر کے گرد طواف کروں اس قابل جانوں کہ ان سے اس گھر کو پامال کروں مجھے تو معلوم ہے یہ کہاں کہاں اور کس کس جگہ تک چلے ہیں اور چاہیئے کہ زمزم کثرت سے پیئے اور اگر ہو سکے تو اپنے ہاتھ سے کھینچ کر پیئے دوسرے کی مدد اس میں نہ ہو اور خوب سیراب ہو کر پیئے کہ کوکھیں چڑھ جائیں اور یہ دعا پڑھے[۱] اللھم اجعلہ شفاء من کل داء وسقم وارزقنی الاخلاص والیقین والمعافاۃ فی الدنیا والاٰخرۃ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۲] ماء زمزم لما شرب لہ یعنی جس مقصود کے لیے پیا جائے وہ حاصل ہوتا ہے اس لیے دعا مانگنی چاہیئے۔

حج وعمرہ کے بعد وداعی طواف

جب حج اور عمرہ کے بعد دل میں یہ آئے کہ وطن کو چلیئے تو چاہیئے کہ اپنے سب کام تمام کرے، اور سواری کس لے سب سے پیچھے خانہ کعبہ کی رخصت کو رہنے دے، اور اس سے رخصت ہونے کا طریق یہ ہے کہ حسب مذکورہ بالا سات پھیرے کا طواف کرے اور اس میں رمل اور اضطباع نہ کرے اور طواف سے فارغ ہو کر دو رکعتیں مقام کے پیچھے پڑھے، اور زمزم کا پانی پی کر ملتزم پر آئے اور دعا اور تضرع کرے اور یوں کہے[۳] اللھم ان البیت بیتک والعبد عبدک وابن امتک حملتنی علی ما سخرت لی من خلقک حتی سیرتنی فی بلادک وبلغتنی بنعمتک حتی اعنتنی علی قضاء مناسکک فان کنت رضیت عنی فازدد عنی رضی والا فمن الاٰن قبل تباعدی عن بیتک ھٰذا اوان انصرافی ان اذنت لی غیر مستبدل بک ولا ببیتک ولا راغب عنک ولا عن بیتک اللھم اصحبنی العافیۃ فی بدنی والعصمۃ فی دینی واحسن منقلبی وارزقنی طاعتک ابدا ما احییتنی واجمع لی خیر الدنیا والاٰخرۃ انک علی کل شیء قدیر اللھم لا تجعل ھٰذا اٰخر عھدی ببیتک الحرام وان جعلتہ اٰخر عھدی فعوضنی عنہ الجنۃ اور بہتر ہے کہ اپنی آنکھ خانہ کعبہ سے نہ پھیرے یہاں تک کہ اس سے آڑ ہو جائے۔

---

[۱] ابوداؤد بروایت عائشہ رضہ الٰہی تو اس پانی کو شفا کر ہر ایک کو درد اور بیماری سے، اور مجھ کو اخلاص اور یقین اور سلامتی دنیا اور آخرت میں نصیب کر ۱۲ [۲] زمزم کا پانی اس مطلب کے لیے جس کے لیے پیا جاوے ابن ماجہ بروایت جابر رض بسند ضعیف ۱۲ [۳] الٰہی بیشک یہ گھر تیرا گھر ہے اور بندہ تیرا بندہ ہے اور تیرے غلام کا بیٹا اور لونڈی کا پوت ہے، تو نے مجھ کو سوار کیا جس چیز پر کہ تو اپنی مخلوقات میں سے میرے لیے مسخر کیا، یہاں تک کہ تو نے مجھ کو اپنے شہروں میں پھرایا اور اپنی نعمت سے تو نے مجھ کو پہنچا دیا، یہاں تک کہ تو نے اپنے حج کے انعام ادا کرنے کی عنایت پر میری مدد کی۔ پس اگر تو مجھ سے راضی ہوا ہے تب تو مجھ سے رضا میں اور زیادہ کر ورنہ اب اپنے گھر سے میرے دور ہونے کے پیشتر مجھ پر احسان کر، یہ وقت میرے لوٹنے کا ہے، اگر تو مجھ کو اجازت دے ایسے حال میں کہ تیرے عوض میں دوسرے کو نہ اختیار کروں اور نہ تیرے گھر کے بدلے میں دوسرا گھر پسند کروں اور نہ تجھ سے منحرف ہوں اور نہ تیرے گھر سے ناخوش جاؤں، الٰہی میرے ہمراہ کر تندرستی میرے بدن میں اور حفاظت میرے دین میں اور اچھا کر میرا پھرنا اور مجھ کو نصیب کر اپنی بندگی جب تک تو مجھے زندہ رکھے اور جمع کر دے میرے لیے دنیا و آخرت کی خوبی کہ تو ہر چیز پر قادر ہے، الٰہی تو میری اس زیارت کو اخیر نوبت مت کرنا بلکہ پھر آنا اپنے گھر میں مجھ کو نصیب کرنا اور اگر اس کو اخیر نوبت کرے تو اس کے عوض مجھ کو جنت دینا ۱۲

زیارت مدینہ منورہ اور اُس کے آداب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[1] من زارنی بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی اور فرمایا[2] من وجد سعة ولم یقدم الی فقد جفانی اور فرمایا[3] من جاء فی زائرا لا یھمه الا زیارتی کان حقا علی اللہ سبحانه ان اکون له شفیعا پس جو شخص کہ زیارت مدینہ طیبہ کا قصد کرے اس کو چاہیے کہ راستہ میں درود بہت پڑھے، اور جب اس کی نگاہ مدینہ منورہ کی دیواروں اور درختوں پر پڑے تو کہے[4] اللھم ھذا حرم رسولك فاجعله لی وقایة من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب اور پتھریلی زمین کے درمیان غسل کرے اور خوشبو لگاوے اور اپنے عمدہ کپڑے پہنے۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں داخل ہو تو تواضع اور تعظیم کے ساتھ داخل ہو اور کہے[5] بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا پھر مسجد کا قصد کرے اور اس کے اندر جاکر منبر شریف کے پاس دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ستون منبر کو اپنے داہنے شانہ کے مقابل کرے، اور منہ اس ستون کی طرف ہو جس کے برابر صندوق ہے اور جو دائرہ کہ مسجد کے قبلہ میں ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہو کہ یہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہونے کی تھی جب تک کہ مسجد میں کچھ تبدیلی نہ ہوئی تھی اور اسباب میں کوشش کرے کہ جس قدر مسجد بڑھانے سے پیشتر تھی، اس میں نماز پڑھے، پھر قبر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آوے، اور آپؐ کے روئے مبارک کے بائیں کھڑا ہو، اس طرح کہ کعبہ کی طرف پشت کرے، اور قبر کی دیوار کی طرف منہ کرلے، اور جو ستون کہ اس دیوار کے کونے میں ہے، اس سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو اور قندیل کو اپنے سر پر کرلے، اور یہ مسنون نہیں کہ دیوار کو ہاتھ لگائے یا بوسہ دے، بلکہ دور کھڑا ہونا تعظیم کے ساتھ مناسب تر ہے۔ اور یہ کہے[6] السلام علیك یا رسول اللہ السلام علیك یا نبی اللہ السلام علیك یا امین اللہ السلام علیك یا حبیب اللہ السلام علیك یا صفوة اللہ السلام علیك یا خیرة اللہ

---

[1] ابن عدی وطبرانی ودارقطنی وبیہقی بروایت ابن عمرؓ اور بیہقی نے ضعیف کہا ہے ۱۲ [2] ابن عدی اور دارقطنی وابن حبان اور ضعفا وابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور ابن النجار نے تاریخ مدینہ میں بروایت انسؓ اس مضمون کو اور الفاظ میں روایت کیا ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو شخص گنجائش رکھتا ہو اور میرے پاس نہ آوے، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا ۱۲ [3] جو شخص میرے پاس زیارت کو آوے اور اس کو کوئی فکر بجز میری زیارت کے نہ ہو تو اللہ پاک پر حق ہے کہ میں اس کا شفیع ہوں ۱۲ طبرانی بروایت ابن عمر ۱۲ [4] الٰہی یہ تیرے رسولؐ کا حرم ہے پس تو اس کو میرے لیے آگ سے بچاؤ اور عذاب اور برے حساب سے امن کر ۱۲ [5] شروع اللہ کے نام سے اور ملت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور پر اے رب داخل کر اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور بنادے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد ۱۲ [6] سلام تم پر ہو اے رسولؐ خدا کے، اے نبی اللہ کے، امانت دار اللہ کے اے حبیب اللہ کے اے اللہ کے برگزیدہ اے اللہ کے پسند کیے ہوئے اے احمدؐ اے محمدؐ اے ابو القاسمؐ اے مٹانے والے کفر کے اے پیچھے آنے والے انبیاء کے اے اول اٹھنے والے قیامت کے اے خوش خبری دینے والے نیکیوں کے اے ڈرانے والے بدکاروں کے اے نہایت پاک اے پاک اے بزرگ تر اولاد آدمؑ اے رسولوں کے سردار اے نبیوں کے تمام کرنے والے اے پروردگار عالم کے پیغامبر اے کھینچنے والے خیر کے اے کھولنے والے نیکی کے اے نبی رحمت اے ہدایت کرنے والے امت کے اے لے چلنے والے ایمان والوں منہ ہاتھ پاؤں روشن کے سلام ہو تم پر اور تمہارے گھر والوں پر جو پاک ہیں

بقیہ ص ۴۱۲

السلام علیك یا احمد السلام علیك یا محمد السلام علیك یا ابا القاسم السلام علیك یا ماحی السلام علیك یا عاقب السلام علیك یا حاشر السلام علیك یا بشیر السلام علیك یا نذیر السلام علیك یا طھر السلام علیك یا طاھر السلام علیك یا اکرم ولد آدم السلام علیك یا سید المرسلین السلام علیك یا خاتم النبیین السلام علیك یا رسول رب العلمین السلام علیك یا قائد الخیر السلام علیك یا فاتح البر السلام علیك یا نبی الرحمۃ السلام علیك یا ھادی الامۃ السلام علیك یا قائد الغر المحجلین السلام علیك وعلیٰ اھل بیتك الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا السلام علیك وعلیٰ اصحابك الطیبین وعلیٰ ازواجك الطاھرات امھات المؤمنین جزاك اللہ عنا افضل ما جزیٰ نبیا عن قومہ ورسولا عن امتہ وصلی علیك کلما ذکرك الذاکرون وکلما غفل عنك الغافلون وصلی علیك فی الاولین والآخرین افضل واکمل واعلیٰ واجل واطیب واطھر ما صلی علیٰ احد من خلقہ کما استنقذنا بك من الضلالۃ وبصرنا بك من العمایۃ وھدانا بك من الجھالۃ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ واشھد انك عبدہ ورسولہ وامینہ وصفیہ وخیرتہ من خلقہ واشھد انك قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ و نصحت الامۃ وجاھدت عدوك وھدیت امتك وعبدت ربك حتی اتاك الیقین فصلی اللہ علیك وعلیٰ اھل بیتك الطیبین وسلم وشرف وکرم وعظم اور اگر کسی نے اپنا سلام کہنے کے لیے کہہ دیا ہو تو کہے[1] السلام علیك من فلان پھر ایک ہاتھ کی قدر ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر سلام پڑھے، اس لیے کہ آپؓ کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شانہ مبارک کے پاس ہے اور حضرت عمرؓ کا سر حضرت ابوبکرؓ کے شانہ کے پاس ہے اس لیے ایک ہاتھ اور ہٹ کر حضرت عمرؓ پر سلام بھیجے اور یہ کہے[2] السلام علیکما یا وزیری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمعاونین

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۲) اور ایمانداروں کی مائیں ہیں تم کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے وہ جزا دے جو افضل ہو اس بدلہ جو کسی نبی کو اس کی قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی امت کی طرف سے دیا ہو اور تم پر رحمت نازل کرے جس قدر کہ ذکر کرنے والے تمہارا ذکر کریں اور جس قدر کہ غافل تم سے غفلت کریں اور تم پر درود بھیجے اگلوں میں اور پچھلوں میں جو افضل اور کامل تر اور برتر اور بزرگ تر اور اطیب اور زیادہ پاک ہو اس درود سے جو کسی پر اس نے اپنی مخلوق میں سے بھیجا ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمکو تمہارے سبب سے گمراہی سے بچایا اور تمہاری بدولت نابینا سے بینا کیا اور تمہارے باعث جہالت سے ہم کو راہ بتایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے (وہ تنہا ہے اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ تم اس کے بندہ اور رسول ہو اور امانتدار ہو برگزیدہ اور ممتاز اس کی مخلوق میں سے ہو، اور گواہی دیتا ہوں کہ تم نے پیام الٰہی پہنچایا اور امانت کو ادا کیا اور امت کی خیر خواہی کی اور اپنے دشمن پر جہاد کیا اور اپنی امت کو ہدایت کیا، اور اپنے رب کی عبادت کی جب تک کہ آپ کو موت آئی پس اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اور آپ کے گھر والوں پاک پر اور سلام بھیجے اور شرافت اور کرامت اور عظمت عنایت فرمائے ۱۲ [1] صفحہ ہذا - اور آپ کو سلام پہنچے فلاں شخص کی طرف سے فلاں کی جگہ اس کا اور باپ کا نام لیوے ۱۲ [2] تم دونوں پر سلام ہووے رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کے وزیر اور ان کے مددگار دین کے برپا کرنے میں جب تک کہ آپ زندہ رہے اور بعد آپ کے بھی دونوں امور دین کی بجا آوری میں مصروف رہے اور اسباب میں آپ کی پیروی کرتے رہے اور آپ کی سنت کے بموجب بجا لاتے رہے پس تم دونوں کو اللہ تعالیٰ ایسی جزا دے کہ کسی نبی کے دو وزیروں کو اس کے دین کی طرف سے جو جزا دی ہو اس سے بہتر ہووے ۱۲

لہ علی القیام بالدین مادام حیا والقیا یمین فی امتہ بعدہ باموالدین تتبعات فی ذلک اثارہ دتقلات بسنتہ فجزا کما اللہ ماجزی وزیری نبی عن دینہ پھر ہٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے پاس قبر اور اس ستون کے درمیان میں، جو اب بنا ہوا ہے قبلہ رخ کھڑا ہو کر خدائے تعالیٰ کی تحمید اور تمجید کرے اور آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم پر درود کثرت سے بھیجے، اور کہے تو نے فرمایا ہے اور تیرا قول بجا ہے[ؒ] ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما الٰہی ہم نے تیرا ارشاد سنا اور تیرے امر کی اطاعت کی اور تیرے نبیؐ کے پاس آئے اور اس کو تیری جناب میں اپنے گناہوں کے باب میں جن کے بوجھ سے ہماری پیٹھ ٹوٹی جاتی ہے اپنا شفیع کیا، ہم اپنی لغزشوں سے تائب ہیں اور اپنی خطاؤں اور تقصیرات کے مقر، الٰہی پس ہماری توبہ قبول کر اور اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہمارے باب میں منظور فرما اور حق منزلت کی بدولت نبی کو جو تیرے پاس حاصل ہے ہم کو رتبہ بلند عنایت فرما پھر کہے[ٰ] اللھم اغفر للمھاجرین والانصار واغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان اللھم لاتجعلہ اٰخر العھد من قبر نبیک ومن حرمک یاارحم الراحمین پھر روضہ میں جائے یعنی درمیان قبر شریف اور منبر کے جو جگہ ہے، اس میں جا کر دو رکعتیں پڑھے اور جتنی ہو سکے بہت سی دعا مانگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ؐ] مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی اور منبر کے پاس دعا مانگے اور مستحب یہ ہے کہ اپنا ہاتھ نیچے کے رمانہ یعنی پایہ پر رکھے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کی حالت میں اپنا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے[ؒ] اور مستحب ہے کہ جمعرات کے روز جبل احد کو جاوے اور شہداء کی قبروں کی زیارت کرے یعنی صبح کی نماز مسجد نبویؐ میں پڑھ کر زیارت کو باہر جائے اور ظہر پھر مسجد شریف میں پڑھے تاکہ کوئی نماز فرض کی جماعت مسجد شریف میں فوت نہ ہونے پاوے۔ اور مستحب ہے کہ ہر روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کے بعد بقیع میں جاوے اور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرے، اور اسی میں قبر حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر علیہم السلام کی ہے ان کی زیارت سے مشرف ہو، اور حضرت فاطمہؓ کی مسجد میں نماز پڑھے اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی قبروں کی زیارت کرے کہ سب بقیع میں ہیں۔ اور مستحب ہے کہ ہر شنبہ کے روز مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[ؒ]

[ؒ] اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا، آئے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسولؐ ان کو بخشواتا تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان ۱۲ [ٰ] الٰہی مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما اور ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان سے گذر گئے ہیں بخش دے، الٰہی میری اس زیارت کو اپنے نبیؐ کی قبر سے اور اپنے حرم سے آخری نوبت مت کرنا اے ارحم الراحمین ۱۲ [ؐ] درمیان قبر اور میرے منبر کے ایک گلزار ہے جنت کے گلزاروں سے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ وعبدالرحمٰن بن زبیرؓ ۱۲ [ؒ] محمد بن حسین نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ آپ کے منبر کے رمانوں کا طول ایک بالشت اور دو انگشت تھا جن پر آپ ہاتھ رکھ لیتے تھے لیکن اس کی اصل اور کہیں مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [ؒ] نسائی وابن ماجہ بروایت سہل بن حنیف ۱۲

کہ جو کوئی اپنے گھر سے نکل کر مسجد قبا میں آوے اور اس میں نماز پڑھے تو اس کے لیے ایک عمرہ کے برابر ہوگا اور چاہ اریس کی زیارت کرے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا[۱] ہے یہ کنواں مسجد قبا کے متصل ہے اس کے پانی سے وضو کرے اور پیوے اور مسجد فتح میں جاوے جو خندق پر ہے اسی طرح سب مساجد اور زیارات کو جاوے اور کہتے ہیں کہ سب زیارات اور مسجدیں مدینہ پاک کی تیس ہیں اور وہاں کے باشندے ان کو جانتے ہیں، تو جس قدر پر جا سکے وہاں کا قصد کرے۔ اور اسی طرح جن کنوؤں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کیا کرتے تھے ان پر جاوے اور مطلب شفا کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک سمجھ کر ان کے پانی سے نہاوے اور پیوے اور وہ سات[۲] کنوئیں ہیں اور اگر باوجود حرمت حق ادا کرنے کے مدینہ منورہ میں ٹھہر سکے تو اس کا بہت بڑا ثواب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] لا یصبر علی لاوائہا وشدتہا احد الا کنت لہ شفیعا یوم القیمۃ اور فرمایا[۴] من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیمت فانہ لن یموت بہا احد الا کنت لہ شفیعا او شہیدا یوم القیمۃ پھر جب اپنے کاموں سے فارغ ہولے اور مدینہ سے نکلنے[۵] کا قصد کرے تو مستحب یہ ہے کہ قبر شریف کے پاس آوے اور دعائے زیارت حسب مذکورۂ بالا پھر پڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ پھر حضرت[۶] کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب کر اور اپنے سفر میں سلامت رہنے کی دعا مانگے، پھر چھوٹے روضہ میں دو[۷] رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جگہ مسجد کے اندر مقصورہ زیادہ ہونے کے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑا ہونے کا مقام ہے جب مسجد سے باہر نکلے تو اول بایاں پاؤں باہر رکھے پھر داہنا پاؤں باہر نکالے اور کہے[۸] اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد ولا تجعلہ آخر العہد بنبیک وحط اوزاری بزیارتہ واصحبنی فی سفری السلامۃ ویسر رجوعی الی اہلی ووطنی سالما یا ارحم الراحمین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاوروں کو جو کچھ مقدور ہو دیوے اور جو مسجدیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں ان کو تلاش کرے اور ان میں نماز پڑھے اور وہ بیس[۹] جگہ ہیں۔ **خاتمہ**: سفر سے لوٹنے کی سنتوں کے ذکر میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ یا حج وغیرہ سے لوٹتے تو ہر ایک زمین بلند پر تین بار اللہ اکبر کہتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر آئبون[۱۰] تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں وکل شیء[۱۱] ھالک الا وجہہ لہ الحکم والیہ ترجعون تو آدمی کو چاہیے کہ

---

[۱] اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۲] اور وہ یہ ہیں اریس، غارس، رومہ، عرس، بضاعہ، بیرحا، بیر حلی ۱۲ [۳] اس کا ترجمہ فصل اول میں اس باب کے گذری [۴] فصل اول میں اس باب کے گذری ۱۲ [۵] درود پڑھے یعنی زیارت کرنے کے بعد ۱۲ [۸] الٰہی رحمت بھیج محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اس زیارت کو اپنے نبی کی میری آخری نوبت مت کرنا اور ان کی زیارت کی بدولت میرے گناہ دور کر اور میرے سفر میں سلامتی کو ہمراہ کر اور مجھ کو اپنے اہل وطن میں پہنچا سلامتی کے ساتھ۔ آسان کر اے ارحم الراحمین ۱۲ [۱۰] ہم پھر آئے اللہ کی طرف رجوع کرتے توبہ کرتے سجدہ کرتے اپنے رب کے واسطے تعریف کرتے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور جماعتوں کو تنہا شکست دی ۱۲ [۱۱] ہر چیز فنا ہے سوا اس کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھرو گے ۱۲

سفر سے لوٹنے میں اس طریقہ مسنون[۱] کا استعمال کرے، اور جب اپنی بستی نظر آنے لگے تو سواری کو کچھ تیز چلادے اور کہے[۲] اللھم اجعل لنا بھا قرارا و رزقا حسنا پھر اپنے گھر کسی شخص کو خبر کے لیے بھیج دے تاکہ دفعتًا نہ جا پہنچے پہلے سے آنے کی اطلاع کر دینی سنت ہے[۳] اور اپنے گھر رات کو نہ آنا چاہیے، جب شہر میں داخل ہو تو اول مسجد میں جاوے اور دو رکعتیں پڑھے، کہ مسنون ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور جب[۴] اپنے گھر میں جاوے تو کہے[۵] توبا توبا لربنا او بالا یغادر علینا حوبا جب مکان میں رہنے لگے تو چاہیئے کہ جو انعام اللہ تعالیٰ نے اس پر کیے ہیں کہ اپنے گھر اور حرم کی زیارت، اور قبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت روزی فرمائی ان کو بھولے نہیں، اور ان سے غفلت کر کے اور کھیل اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ان انعاموں کا ناشکر نہ بنے کہ حج مقبول کی یہ پہچان نہیں، بلکہ اس کی علامت یہ ہے کہ حج سے جو واپس آوے تو دنیا میں زاہد اور آخرت میں راغب ہو، اور بعد زیارت بیت کے زیارت صاحب بیت کے لیے تیاری کرے۔

تیسری فصل حج کے مخفی آداب اور باطنی اعمال

حج کے دس مخفی آداب

ادب اول یہ ہے کہ نفقہ حلال کا ہو اور ہاتھ ایسی تجارت میں نہ لگا ہو جس سے دل بٹے اور ہمت پراگندہ ہو، بلکہ ہمت خاص خدائے تعالیٰ کے لیے ہو، اور دل محض اس کے ذکر اور اس کے اشعار کی تعظیم کی طرف راجع اور اطمینان رکھنے والا ہو، ایک حدیث میں طریق اہلبیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ جب آخر زمانہ ہوگا تو لوگ حج کو چار قسم کے ہو کر نکلیں گے۔ بادشاہ سیر و تماشا کو اور تونگر تجارت کو اور فقیر مانگنے کو اور قاری شہرت کو اس حدیث میں دنیا کی ان تمام غرضوں کی طرف اشارہ ہے جو حج میں مل سکیں، اور یہ سب امور ایسے ہیں کہ حج کی فضیلت کے مانع ہیں اور خاص لوگوں کے حج کے زمرہ سے خارج کر دیتے ہیں خصوصًا جب یہ صورتیں خاص حج ہی سے وابستہ ہوں مثلاً مزدوری لے کر غیر کے لیے حج کرے تو اس صورت میں آخرت کے کام پر دنیا کا طالب ہوگا اور پرہیزگار اور اہل دل اس امر کو برا جانتے ہیں، ہاں اگر کسی شخص کی نیت مکہ معظمہ میں رہنے کی ہو، اور اس کے پاس سامان وہاں تک پہنچنے کا نہ ہو تو اس نیت سے کچھ لینے کا مضائقہ نہیں غرضکہ دین کو ذریعہ وصول دنیا کا نہ کرے بلکہ

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت عمر رضہ اور کل شئ ہالک الخ کو نحال نے روایت کیا ہے باسناد حسید ۱۲ [۲] الٰہی تو میرے لیے اس میں ٹھہرنا اور اچھا رزق نصیب کر ۱۲ [۳] بخاری و مسلم میں یہ روایت جابر رضہ سے ہے کہ ہم ایک غزوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ پھرے جب مدینہ منورہ میں پہنچے، ہم نے اندر جانا چاہا، آپ نے فرمایا ٹھہرو، یہاں تک کہ شام ہو جائے تاکہ کنگھی کرنے والی کنگھی سے فراغت پائے۔ اور جس کا شوہر غائب تھا وہ سنور جائے ۱۲ [۴] باب اسرار نماز کی نویں فصل میں گذری ۱۲ [۵] توبہ کرتا ہوں میں اپنے پروردگار کی طرف سفر سے پھرنے کی حالت میں توبہ کہ نہ چھوڑے ہم پر کوئی گناہ ۱۲ [۶] ابو عثمان صابونی و خطیب بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔۔۔۔۔

دنیا کو ذریعہ دین حاصل کرنے کا بنا دے۔ اس صورت میں چاہیئے کہ نیت خانہ کعبہ کی زیارت کی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے اوپر سے فرض ادا ہونے میں مدد کرنے کی کرے۔ اور ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی جیسے معنوں پر محمول ہے کہ آپ نے فرمایا[۱] کہ اللہ تعالیٰ ایک حج کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اول جس نے اس کی وصیت کی ہو، دوم جس نے اس کو جاری کیا ہو، سوم جس نے اپنے بھائی کی طرف سے اس کو ادا کیا ہو، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ جب آدمی فرض اسلام اپنے ذمّہ سے ساقط کر چکے تو اب اس کو حج کے لیے اجرت لینی ناجائز اور حرام ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اور نہ اس امر کو اپنا پیشہ اور تجارت مقرر کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دین کے باعث سے دنیا دے دیتا ہے اور دنیا کے باعث سے دین عنایت نہیں کرتا اور اجرت جس طرح پر مباح ہے اس کی مثال حدیث شریف میں یوں مذکور[۲] ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے اور مزدوری لیتا ہے اس کی مثال حضرت موسیٰؑ کی ماں کی طرح ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھیں اور اس کی اجرت لیتی تھیں۔ تو جو شخص حج کرنے پر اجرت لینے میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ جیسا ہو تو اس کو اجرت لینے کا مضائقہ نہیں یعنی اس واسطے اجرت لیوے کہ حج پر اور خانہ کعبہ کی زیارت پر قادر ہو جاوے اور حج اس لیے نہ کرے کہ مزدوری ملے گی جیسے حضرت موسیٰؑ کی والدہ اجرت اس لیے لیتی تھیں کہ اپنے بچہ کو دودھ بھی پلا دیویں اور ان کا حال بھی لوگوں پر پوشیدہ رہے **ادب دوم** یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں کو چٹی دے کر مدد نہ پہنچاوے اور یہ لوگ مکّہ معظمہ کے امیروں اور عرب کے سرداروں میں سے ہوتے ہیں کہ راہوں میں بیٹھ کر مسجد حرام کے جانے سے روکتے ہیں، ایسے لوگوں کو مال کا دینا ظلم پر مدد کرنا اور اسباب ظلم کو ان کے لیے مہیا کرنا ہے تو گویا خود اپنی جان سے ان کی اعانت کی اس لیے اس چٹی سے بچے رہنے کے لیے کوئی تدبیر ضرور چاہیئے اور اگر نہ ہو سکے تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ حج نفل کو نہ کرنا اور راستہ میں سے لوٹ آنا ان ظالموں کی اعانت کرنے سے بہتر ہے کہ یہ ظلم ایک بدعتِ نو ایجاد ہے، اس کی اطاعت کرنے میں یہ خرابی ہے کہ وہ ایک دستور عام ہو جاتے گا اور اس کے قائم رہنے میں مسلمانوں کو ذلت اور خواری ہے کہ جزیہ دینا پڑتا ہے اور واقع میں جوان بزرگ نے فرمایا بہتر ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چٹی ہم سے بجبر لی جاتی ہے اور دینے میں ہم مضطر ہیں تو اس کے کچھ معنی نہیں کیونکہ اگر آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے یا راستہ سے لوٹ آوے تو اس سے کوئی کچھ نہیں لیتا بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس کو کھاتا پیتا دیکھتے ہیں اس سے زیادہ مانگتے ہیں۔ اگر فقراء کے لباس میں ہو تو کوئی نہیں طلب کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس اضطرار کی حالت کو خود اپنی طرف کھینچ لیا ہے **ادب سوم** توشہ زیادہ لینا اور بدوں تنگی اور اسراف کے بخوشی خاطر میانہ روی کے طور پر دینا اور خرچ کرنا، اور اسراف سے ہماری غرض یہ ہے کہ عمدہ کھانے کھاوے اور اقسام آسائش سے جو بہتر ہو مالداروں کی طرح اس کو اختیار کرے اور داد و دہش کی کثرت سے اسراف نہیں ہوتا کیونکہ کسی کا قول ہے کہ اسراف میں بہتری نہیں اور خیرات میں اسراف نہیں اور راہ حج میں توشہ کا دے دینا خدائے تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جس میں ایک درم سات سو کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی آدمی کے کرم میں سے ہے کہ سفر میں توشہ

[۱] بیہقی بروایت جابرؓ بسند ضعیف ۱۲ [۲] ابن عدی بروایت معاذ اور کہا کہ اسناد اچھی نہیں اور منکر ہے ۱۲

اچھا رکھے، اور فرمایا کرتے کہ حاجیوں میں سے افضل وہ ہے جس کی نیت سب سے خالص تر اور نفقہ پاکیزہ اور یقین بہتر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ فقیل یا رسول اللہ ما بر الحج فقال طیب الکلام واطعام الطعام[1] ادب چہارم فحش اور بدکاری اور لڑائی نہ کرنا چاہیے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ رفث میں سب طرح کے کلام لغو اور فحش داخل ہیں اور عورتوں سے باتیں اور چہل کرنی اور صحبت کی حالت اور اس کے لوازم کو ذکر کرنا بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ ان کے امور سے شوق ہم بستری کا ابھرتا ہے جو ممنوع ہے اور ممنوع بات کا شوق دلانے والی چیز بھی ممنوع ہو جاتی ہے اور فسوق خدائے تعالیٰ کی طاعت سے باہر نکلنا ہے کسی طرح کا ہو، اور جدال اس کو کہتے ہیں کہ خصومت اور بات کاٹنے میں یہاں تک مبالغہ کرے کہ کینہ کا موجب ہو اور ہمہ وقت ہمت میں پریشانی آجاوے اور حسن خلق کے مخالف پڑے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص حج میں فحش بکے اس کا حج خراب ہو جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھی طرح گفتگو کرنے اور کھانا کھلانے کو حج کے مقبول ہونے کے لیے اور بات کاٹنا طیب کلام کے مخالف ہے اس لیے ضرور ہوا کہ آدمی حج کی راہ میں اپنے ساتھی اور ساربان وغیرہ یاروں پر بہت اعتراض نہ کرے بلکہ جتنے بیت اللہ کے جانے والے ہوں سب سے دبا رہے اور حسن خلق کو اپنے اوپر لازم کر لے اور حسن خلق یہی نہیں ہے کہ کسی کو ایذا نہ دے بلکہ یہ ہے کہ اور کی ایذا برداشت کرے اور بعض کا قول ہے کہ سفر کو اسی لیے سفر کہتے ہیں کہ وہ آدمیوں کے اخلاق کو ظاہر کر دیتا ہے اور اسی جہت سے جب ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے ذکر کیا کہ میں فلاں شخص سے واقف ہوں تو آپ نے فرمایا کہ میری دانست میں تو اس سے واقف نہیں ادب پنجم یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو حج پیادہ کرے کہ نہایت افضل ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی موت کے قریب اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ بیٹو پیادہ حج کرنا کہ پیادہ حاجی کو ہر قدم پر حرم کے حسنات میں سے سات سو حسنات ملتے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ حرم کے حسنات کیا ہیں؟ فرمایا کہ نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر اور راستہ کی بہ نسبت اعمال حج میں اور مکہ سے عرفات تک پیادہ چلنا زیادہ تر مستحب ہے، اور اگر پیادہ چلنے کے ساتھ اپنے گھر ہی سے احرام بھی باندھ لے تو کہتے ہیں کہ یہ حج کا پورا کرنا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[3] واتموا الحج والعمرۃ للہ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے کہ سوار ہونا افضل ہے کہ اس میں خرچ پڑتا ہے اور نفس تنگ نہیں ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ایذا کم ہوتی ہے اور احتمال اپنے سلامت رہنے اور حج کے پورا ہونے کا زیادہ تر ہے، اور تحقیق کی رو سے اگر دیکھیں تو یہ امر پہلی بات کے مخالف نہیں بلکہ تفصیل وار کہنا چاہیے کہ جس شخص پر پا پیادہ چلنا سہل ہو اس کو پیادہ جانا افضل ہے، اگر پیادہ پا ہونے سے ضعیف ہو جاتے یا بدخلقی آجاوے یا عمل کرنے میں کوتاہی آجاوے تو اس صورت میں سوار ہونا بہتر ہے جیسے مسافر اور مریض کے حق میں روزہ رکھنا بہتر ہے بشرطیکہ ضعف اور بدخلقی کی نوبت

---

[1] حج مقبول کی جزا سوائے جنت کے اور کچھ نہیں، بس کسی نے آپ سے پوچھا کہ حج کا مقبول ہونا کیسا ہے، آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح بولنا اور کھانا کھلانا، احمد بروایت جابرؓ بسند ضعیف اور حاکم مختصراً باسناد صحیح ۱۲ [2] تو نہیں بے پردہ ہونا عورت سے گناہ کرنا، جھگڑا کرنا حج میں ۱۲ [3] اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے ۱۲

ان کو نہ آوے۔ اور بعض علماء نے کسی سے سوال کیا کہ عمرہ کو پیادہ جانا بہتر ہے یا ایک درم کو گدھا کرایہ کر لیا جائے، فرمایا کہ اگر درم دینا اس کو ناگوار تر ہو تب تو سواری کرایہ کرنی بہ نسبت پیادہ چلنے کے بہتر ہے۔ اور اگر تو انگروں کی طرح پیادہ چلنا شاق معلوم ہوتا ہو تو پیادہ جانا افضل ہے اس جواب میں گویا وہ مذہب اختیار کیا جس میں نفس پر مجاہدہ ہو، خیر یہ بھی ایک وجہ ہے لیکن افضل یہ ہے کہ پیادہ جاوے۔ اور جس قدر کرایہ میں خرچ ہوتا ہے وہ خیرات کر دے کہ یہ صورت اس سے بہتر ہے کہ کرایہ کرنے والے کو اس کے چوپایہ کے کام میں لینے کے عوض دے اور اگر اس کا نفس اس بات کو گوارہ نہ کرے کہ اپنے اوپر دوسری مشقت پیادہ چلنے اور خرچ کرنے کی لیوے تو پھر وہی صورت ہے جو بعض علماء نے ذکر کی **ادب ششم** یہ ہے کہ بجز پرتل کے جانور کے اور کسی جانور کے اوپر سوار نہ ہو اور محمل سے علیحدہ رہے ہاں جس صورت میں کہ کسی عذر کے باعث پرتل کے جانور پر سوار نہ ہو سکے تب محمل کا مضائقہ نہیں، اور پرتل پر سوار ہونے میں دو فائدے ہیں اول اونٹ کو آرام دینا کہ محمل سے اس کو ایذا ہوتی ہے دوسرے دولت وروں اور متکبروں کی ہیئت سے محفوظ رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے[1] بوجھ کے اونٹ پر حج کیا تھا اور آپ کے نیچے پرانا پالان اور پرانی چادر تھی جس کی قیمت چار درہم تھی اور طواف اسی سواری پر کیا تاکہ لوگ آپ کی سیرت اور عادت کو دیکھیں اور ارشاد فرمایا کہ[2] خذوا عنی مناسککم اور کہتے ہیں کہ یہ محمل حجاج کے ایجاد میں اس عہد کے علماء ان کو برا جانتے تھے، چنانچہ سفیان ثوریؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں کوفہ سے قادسیہ کو حج کے لیے نکلا، اور راہ میں بہت سے شہروں کے رفیق مل گئے، میں نے سب حاجیوں کو دیکھا کہ پرتل کے اونٹوں اور شلیتوں اور پالانوں پر سوار ہیں، ان سب میں بجز دو محملوں کے اور میں نے نہیں دیکھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ جب حاجیوں کے قافلہ میں حجاج کے ایجاد کیے ہوئے لباس اور محمل دیکھتے تو فرماتے کہ حاجی تھوڑے ہیں اور سوار بہت ہیں۔ پھر آپ نے ایک مسکین خستہ حال کو دیکھا کہ اس کے نیچے گون ہیں فرمایا کہ حاجیوں میں یہ شخص بہتر ہے **ادب ہفتم** یہ ہے کہ خستہ حال اور الجھے بال اور غبار آلودہ رہے زینت بہت نہ کرے اور نہ تفاخر اور کثرت مال جتانے کے لوازم پر مائل ہو تاکہ کہیں متکبروں اور آرام طلبوں کے دفتر میں داخل اور ضعفاء و مسکین اور خاص صالحین کے زمرہ سے خارج نہ ہو جاوے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضالہ بن عبید کی حدیث میں ژولیدہ موئی اور پیادہ پائی کے لیے امر فرمایا ہے[3] اور تن آسانی اور تنعم سے[4] منع فرمایا، اور ایک حدیث میں ارشاد ہے[5] کہ حاجی وہی ہے کہ بال الجھے ہوں اور بدن میں سے بو آتی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[6] کہ میرے گھر کی زیارت کرنے والوں کو دیکھو کہ چوڑی اور گہری گھاٹیوں سے ژولیدہ مو غبار آلودہ چلے آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا[7] ثم لیقضوا تفثهم۔ تفث کے معنی بال الجھنے اور غبار آلودہ ہونے کے ہیں، اور اس کے ختم کر دینے سے بال منڈوانا اور موچھیں اور ناخن کترانے مراد ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے لشکروں کے سرداروں

ح[1] ترمذی در شمائل ابن ماجہ بروایت انسؓ ۱۲ ح[2] سیکھو مجھ سے اپنے حج کے اعمال ۱۲ مسلم و نسائی بروایت جابرؓ ۱۲ ح[3] بغوی و طبرانی بروایت عبداللہ بن ابی حدادبسند ضعیف ۱۲ ح[4] ابو داؤد بروایت فضالہ بن عبید ۱۲ ح[5] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ اور ترمذی نے کہا کہ حدیث غریب ہے ۱۲ ح[6] حاکم بروایت ابوہریرہؓ اور اس میں من کل فج عمیق نہیں ۱۲ ح[7] پھر چاہئے کہ تمام کریں اپنا میل کچیل ۱۲

کو نامہ لکھا کہ پرانے کپڑے پہنا کرو اور سختی کی برداشت کی عادت ڈالو، اور کسی کا قول ہے کہ اہل یمن حاجیوں کے قافلہ کی زینت ہیں کیونکہ وہ لوگ انکسار اور ضعف کی حالت اور اکابر سلف کی سیرت پر ہیں۔ اور لباس کے باب میں سرخ سے علی الخصوص احتراز کرتے، اور جس میں شہرت ہو خواہ کسی طرح کا ہو اس سے عموماً اجتناب چاہیے کہ مروی ہے[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی سفر میں تھے آپ کے اصحاب ایک منزل میں اتر کر اونٹ چرانے لگے، آپ نے دیکھا کہ ایک اونٹ کے پالانوں پر سرخ چادریں پڑی ہیں، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرخی تم پر غالب ہو گئی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور ان چادروں کو اونٹ کی پشت پر سے اتار لیا، یہاں تک کہ بعض اونٹ بھاگ بھی گئے **ادب ہشتم** یہ ہے کہ چوپایہ کے ساتھ نرمی کرے، اور جو چیز اس کی طاقت سے زیادہ ہو، نہ لادے اور محمل بھی اس کی حد طاقت سے خارج ہے اور اس پر سونا اس کو تکلیف دیتا ہے اور گراں گذرتا ہے، اہل تقویٰ کا دستور تھا کہ اونٹوں پر سوتے نہ تھے، صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ جایا کرتے تھے، اور چوپاؤں پر بہت دیر نہ بیٹھتے تھے، اترتے چڑھتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] کہ اپنی سواریوں کی پشت کو چوکیاں مت بناؤ۔ اور مستحب ہے کہ صبح اور شام کو سواری کے آرام دینے کے لیے اتر پڑے کہ یہ امر[3] سنت ہے اور اسباب میں اکابر سلف سے بھی آثار وارد ہیں اور بعض بزرگ کرایہ اس شرط پر کرتے کہ سواری سے نہ اتریں گے، پھر اتر پڑتے تاکہ جانور کو آرام ملے۔ اور اس بات کا ثواب اپنے نامۂ اعمال میں ہو مالک کے اعمال میں نہ ملے۔ اور جو شخص کسی چوپایہ کو ایذا دے گا اور اس کی طاقت سے زیادہ لادے گا تو قیامت میں اس سے مطالبہ اس امر کا ہوگا۔ حضرت ابو درداءؓ نے اپنی موت کے وقت اپنے اونٹ سے کہا کہ مجھ سے اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑا مت کرنا میں نے تیری طاقت سے زیادہ کبھی تجھ پر نہیں لادا، حاصل یہ کہ ہر ایک جاندار چیز میں ثواب ہوتا ہے اس لیے چوپایہ کے حق کو اور کرایہ کرنے والے کے حق کو لحاظ رکھنا چاہیئے اور ایک ساعت کے اتر پڑنے میں چوپایہ کو بھی آرام مل جاتا ہے اور مالک کا دل بھی خوش ہوتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابن مبارکؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرا خط لے جائیے اور مکتوب الیہ کو پہنچا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اونٹ والے سے پوچھ لوں تو لے لوں گا۔ کہ میں نے اونٹ کرایہ کیا ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ خط کے لے جانے سے بھی احتیاط کی جس میں کچھ وزن نہیں ہوتا۔ اور تقویٰ کے باب میں احتیاط کا یہی طریق ہے کہ اگر کم کی راہ کھلتی ہے تو پھر بہت پر رفتہ رفتہ نوبت پہنچ جاتی ہے **ادب نہم** یہ کہ جانور کے ذبح کرنے سے تقرب کرے گو اس پر واجب نہ ہو، اور اس باب میں کوشش کرے کہ جانور نفیس اور موٹا ہو، اور اگر یہ قربانی نفل ہو تو خود اس میں سے کھاوے، اور اگر واجب ہو تو نہ کھاوے، بعض لوگوں نے **ومن یعظم شعائر اللہ**[5] کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم سے مراد عمدہ اور موٹی قربانی کرنے سے ہے اور ہدی کا لے چلنا بشرطیکہ کچھ دقت اور مشقت نہ ہو میقات پر سے افضل ہے۔ اور ہدی کے خریدنے میں دام گھٹانے کا فکر نہ کرے کہ اکابر سلف تین چیزوں کی گراں قیمت دیا کرتے اور کمی قیمت کے تردد کو ان میں برا جانتے، اول ہدی دوم قربانی سوم غلام لونڈی کے مول لینے میں، کیونکہ ان میں سے افضل وہی ہے جس کا دام زیادہ ہو اور مالک کے نزدیک نفیس تر ہو۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے حضرت

---

[1] ابوداؤد بروایت رافع بن خدیج ۱۲ [2] ابن حبان وحاکم بروایت معاذ بن انسؓ عن ابیہ ۱۲ [3] طبرانی در اوسط بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲

[5] اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کے نام لگی چیزوں کی ۱۲

حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک عمدہ نسل دار اونٹنی ہدی میں روانہ کی، لوگوں نے ان سے تین سو اشرفیوں کو مول لینی چاہی، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے باب میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو بیچ کر اس کے دام سے بہت سے اونٹ لے لوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اس کو ہدی میں روانہ کرو، اور یہ اس وجہ سے کہ عمدہ چیز کمتر ہی بہت سی چیزوں غیر نفیس سے بہتر ہے۔ اور تین سو اشرفیاں قیمت تمیس اونٹوں کی تھیں اور ان میں گوشت کی کثرت ہوتی مگر قربانی میں گوشت مقصود نہیں بلکہ نفس کو بخل کے عیب سے پاک وصاف کرنا اور زیور تعظیم الٰہی سے آراستہ کرنا مقصود ہے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم اور یہ بات قیمت کی نفاست سے ہوتی ہے شمار جانوروں کا کم ہو خواہ زیادہ۔ اور کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حج کی مقبولیت کیا ہے، آپ نے فرمایا[2] کہ لبیک پکار کر کہنا اور بدنہ کا نحر کرنا۔ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[3] ما من عمل آدمي يوم النحر احب الى الله عز وجل من اهراقه دما وانها تاتي يوم القيامة بقرونها واظلافها وان الدم تقع من الله عز وجل بمكان قبل ان تقع بالارض فطيبوا به نفسا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[4] لكم بكل صوفة من جلدها حسنة وكل قطرة من دمها حسنة وانها لتوضع في الميزان فابشروا **ادب دہم** یہ ہے کہ جو کچھ داد و دہش اور ہدی میں خرچ کرے، اس سے دل میں خوش ہو، اسی طرح اگر کچھ نقصان یا مصیبت مالی خواہ بدنی پہنچے تو اس سے دل خوش رہے کہ یہ علامتیں حج کے مقبول ہونے کی ہیں اس لیے کہ راہ حج میں مصیبت ہونی ایسی ہے جیسی راہ خدا میں ایک درم دینے سے سات سو کے برابر ہوتا ہے اس طریق میں سختی کا ہونا بمنزلہ جہاد کی راہ میں سختی پہنچنے کے ہے کہ جو ایذا اور نقصان پہنچے سب میں ثواب ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان میں سے کوئی تلف نہیں ہوتی، اور کہتے ہیں کہ قبول حج کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ جو گناہ پیشتر کرتا تھا ان کو چھوڑ دے اور نکمے یاروں کے بدلے میں نیک بختوں سے بھائی چارہ کرے، اور کھیل اور غفلت کی مجلسوں کے عوض ذکر اور ہوشیاری کے مجالس اختیار کرے۔

باطنی اعمال جن میں اخلاص نیت اور مقامات متبرکہ سے عبرت کا طریق ذکر ہے

واضح ہو کہ حج میں سب سے اول یہ سمجھنا ہے کہ دین میں اس کا رتبہ کیا ہے، پھر اس کی طرف شوق کا ہونا پھر ارادہ کرنا پھر جو حج کے موانع ہیں ان کو برطرف کرنا پھر احرام کا

---

[1] ابو داؤد ۱۲ [2] اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت نہ خون، لیکن ان کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب ۱۲ [3] ابن ماجہ و حاکم و بزار بروایت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [4] کوئی عمل آدمی کا نحر کے دن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر خون بہانے سے نہیں اور وہ قربانی قیامت کے روز اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ میزان اعمال میں آوے گی اور خون زمین پر گرنے سے پیشتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مرتبہ حاصل کر لیتا ہے پس اس سے جی میں خوش ہو ۱۲ ترمذی [5] تمہارے لیے ہر اون کے بال کے عوض اس کے چمڑے میں سے ایک نیکی اس کے خون میں سے نیکی ہے اور وہ میزان اعمال میں رکھے جائیں گے پس خوشخبری لو ۱۲ ابن ماجہ حاکم و بیہقی بروایت زید بن ارقم ۱۲

کپڑا مول لینا پھر توشہ کا خریدنا پھر سواری کا کرایہ کرنا پھر اپنے وطن سے باہر ہونا پھر جنگل میں چلنا پھر میقات پر سے لبیک کے ساتھ احرام باندھنا پھر مکہ میں داخل ہونا، پھر بموجب بیانِ گزشتہ افعالِ حج کو پورا کرنا ہے۔ اور ان باتوں میں سے ہر ایک ہیں یاد کرنے والوں کے لیے تذکرہ ہے اور عبرت حاصل کرنے والے کے لیے عبرت ہے اور مرید صادق کے واسطے تنبیہ اور دانا آدمی کے لیے تعریف اور اشارہ ہے۔ اب ہم ان کی کلیدوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب ان کا دروازہ کھل جاوے گا اور اس کے اسباب معلوم ہو جائیں گے تو ہر ایک حاجی کو بقدر اس کے دل کی صفائی اور باطن کی طہارت اور فہم کی کثرت کے ان کے اسرار معلوم ہو جائیں گے۔ اب ہر ایک کو بہ تفصیل سننا چاہیئے کہ جب تک آدمی شہوات سے پاک نہ ہو اور ضروری چیزوں پر اکتفا کر کے لذات سے باز نہ رہے۔ اور تمام حرکات و سکنات میں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو رہے تب تک خدا تعالیٰ تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی، اور اسی وجہ سے پہلے ملتوں کے لوگ خلق سے تنہا ہو کر راہب ہو گئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہے اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ انس حاصل کرنے کو خلق سے وحشت اختیار کی اور اسی کی خاطر موجودہ لذتوں کو چھوڑ کر کر آخرت کی طمع میں اپنے نفسوں پر سخت مجاہدے لازم کیے۔ اور خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی ثنا فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے[1] ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ پس جب یہ بات، پرانی پڑ گئی اور خلق شہوات کی پیروی پر متوجہ ہوئی اور عبادتِ الٰہی کے لیے خاص ہو رہنے کو چھوڑ کر عبادت میں سستی اختیار کی، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طریقِ آخرت کے زندہ کرنے اور پہلے رسولوں کے طریقہ پر چلنے کی تجدید کے لیے مبعوث فرمایا، ملتوں کے لوگوں نے آپؐ سے رہبانیت اور سیاحت کا حال پوچھا کہ آپؐ کے دین میں ہیں یا نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ[2] اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے عوض ہم کو دو چیزیں بدل دیں یعنی جہاد اور بلندی پر تکبیر کہنا۔ جس سے مراد حج ہے اور صالحین[3] کو جو کسی نے آپؐ سے پوچھا تو فرمایا کہ وہ لوگ روزہ دار ہیں۔ غرضکہ خدائے تعالیٰ نے اس امت پر انعام فرمایا کہ حج کو ان کے لیے رہبانیت کر دیا پھر خانہ کعبہ کو کتنے شرف عنایت فرمائے کہ اس کو اپنی ذات پاک کی طرف منسوب کیا اور اپنے بندوں کا مقصود اس کو ٹھہرایا اور اس کے گرد کی زمین کو اس کی عظمت اور شان کے لیے حرم بنایا اور عرفات کو ایسا کر دیا جیسے حرم کے سامنے میدان ہوتا ہے۔ پھر اس جگہ کی حرمت کی تاکید زیادہ کی کہ اس کے شکار اور درخت کو حرام کر دیا اور اس کو ایسا بنا دیا کہ جیسے بادشاہوں کا دربار ہوتا ہے کہ زیارت کرنے والے دور دراز راہوں سے ژولیدہ مو غبار آلود رب البیت کے لیے انکسار کرتے اور اس کے جلال و عزت کے سامنے خضوع و خشوع سے دبتے چلے آویں اور باوجود اس کے اس بات کے مقر ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے منزہ ہے کہ کوئی گھر اس کو گھیرے۔ یا کوئی شہر اس کو اپنے درمیان میں لیوے تاکہ اس بات سے ان کی غلامی اور بندگی بڑھ جاوے اور فرمانبرداری اور انقیاد کامل تر ہو جاوے اور اسی لیے بندوں پر حج میں وہ اعمال مقرر فرمائے جن کے ساتھ نفس مانوس نہ ہوں اور ان کی وجہوں

---

[1] یہ اس واسطے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے ۱۲ [2] ابو داؤد اور بروایت ابو العامہ ۱۲ [3] بیہقی بروایت ابو ہریرہ رضہ ۱۲

کو عقلیں نہ پاسکیں، مثلاً پتھروں پر کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کے درمیان چند بار آمد و رفت کرنا وغیرہ، اور ان جیسے اعمال سے کمال غلامی اور بندگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ دوسرے اعمال میں کچھ نہ کچھ نفس کا حظ ہے جیسے زکوٰۃ میں مثلاً دہش ہے اور اس کی علت معلوم ہے کہ بخل طبیعت میں نہ رہے اور عقل کو اس کی طرف رغبت ہے اور روزہ میں کسر شہوت ہے جو شیطان کا آلہ ہے اور دوسرے شغلوں سے باز رہ کر عبادت کے لیے فارغ ہو جانا ہے اور نماز میں سجدہ اور رکوع کرنا خدا تعالیٰ کے لیے تواضع کی صورت کے افعال کرنے سے انکسار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے نفسوں کو اُنس ہوتا ہے مگر سعی کے پھیروں اور کنکریوں کے پھینکنے اور دوسرے اسی طرح کے اعمال میں نہ تو نفس کو کچھ حظ ہے نہ طبیعت کو ان سے اُنس ہے نہ عقل ان کی وجہوں کی طرف راہ پاتی ہے۔ اس صورت میں ان اعمال کی بجا آوری کا باعث بجز تعمیل ارشاد اور کچھ نہیں کہ امر واجب الاتباع ہے اس کو ماننا چاہیے اس باب میں عقل کا تصرف بالائے طاق ہو جاتا ہے اور نفس اور طبیعت کو ان کے اُنس کے محل سے پھیرنا پڑتا ہے کیونکہ جتنی چیزوں کے معانی عقل سمجھ جاتی ہے تو ان کی طرف کچھ ایک طبیعت کی رغبت ہوتی ہے اور یہی رغبت اس امر پر پروردگار اور اس کی تعمیل پر ابھارتی ہے۔ اسی وجہ سے ایسے اوامر کی بجا آوری سے کمال غلامی اور اطاعت ظاہر نہیں ہوتی کہ لگاؤ میل طبیعت کا بھی رہتا ہے اور بایں ہمہ وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص حج کے باب میں ارشاد فرمایا تھا لبیك الحجة حقا تعبدا ورقا[خ] اور یہ الفاظ نماز اور روزہ وغیرہ میں ارشاد نہ فرمائے اور از انجا کہ خواہش حکمتِ الٰہی کی یہ ہوئی کہ خلق کی نجات کو ان کے ایسے اعمال سے وابستہ کرے، جو ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوں، اور یہ کہ نجات کی باگ شرع کے اختیار میں رہے تاکہ اپنے اعمال میں انقیاد کے طریق اور عبادت کی مقتضا پر تردد کریں، اسی لیے ضرور ہوا کہ جن اعمال کی وجہوں پر عقلوں کو راہ نہیں ملتی وہ تزکیۂ نفوس کے باب میں سب عبادتوں میں سے کامل تر ہوں کیونکہ نفسوں کو مقتضائے طبع اور اخلاق سے پھیرنا غلامی کا مقتضا ہے اور تم کو یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھ جاؤ گے کہ ان افعال عجیب سے نفسوں کا تعجب کرنا اسی سبب سے پیدا ہوا کہ ان کو عبادات کے اسرار سے غفلت ہے اور اس قدر بیان کرنا اصل حج کے سمجھانے کے لیے انشاء اللہ کافی ہے اور شوق اس بات کے سمجھنے اور ٹھان لینے کے بعد ابھرتا ہے کہ گھر خدائے عز و جل کا ہے اور اس نے اس کو بادشاہی دربار کی طرح بتایا ہے تو جو اس دربار کا قصد کرتا ہے وہ خداوند کریم کا قصد اور زیارت کرتا ہے۔ اور جو شخص دنیا میں اس گھر کا قصد کرتا ہے شوق یہ کر اس کی زیارت ضائع نہ ہو اور مقصود زیارت یعنی دیکھنا دیدارِ الٰہی کا میعاد معین میں نصیب ہو، اور اس وجہ سے کہ دنیا میں آنکھ کو بوجہ قصور اور فنا کے یہ استعداد نہیں کہ دیدارِ الٰہی کے نور کو قبول کرے اور اس کی تاب نہ لا سکے اور آخرت میں اس کو بقا کی مدد ملے گی اور تغیر و فنا سے محفوظ رہے گی اس لیے استعداد نظر اور دیدار کی ہو جاوے گی لیکن تاہم بوجہ خانہ کعبہ کے قصد کرنے اور اس کی طرف دیکھنے کے بموجب وعدہ خداوند کریم کے اس کو استحقاق رب البیت کے دیدار کا ہو جاوے گا۔ اب ظاہر ہے کہ شوق دیدارِ الٰہی اس کے سبب کا یعنی دیدارِ کعبہ کا شائق کر دے گا۔ علاوہ ازیں

خ اس کا ترجمہ اور سند باب زکوٰۃ میں گذری ۱۲

عاشق کو معشوق کی طرف منسوب چیز کی رغبت ہوا ہی کرتی ہے اور کعبہ خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب ہے تو بالضرور آدمی کو صرف اسی نسبت کے لحاظ سے اس کا مشتاق ہونا چاہیئے اور ثواب کثیر موعود کے حاصل کرنے کو قطع نظر کرنا چاہیئے اور ارادہ کے باب میں یہ جانے کہ میں نے اپنے گھر والوں اور وطن کے جدا ہونے کا اور شہوات اور لذات سے علیحدہ رہنے کا قصد اس غرض سے کیا ہے کہ زیارتِ خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوں پس اپنے دل میں خانہ کعبہ اور رب البیت کی قدر بہت بڑی سمجھے اور یہ جانے کہ میں نے ایک بڑے رفیع الشان امر کا ارادہ کیا ہے جس کا معاملہ خطرناک ہے اور جو کوئی بڑی بات کا طالب ہوتا ہے وہ بڑے خطرے میں پڑتا ہے۔ اور چاہیئے کہ اپنے ارادے کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے، اور ریا اور شہرت سے دور رکھے اور خوب دل میں ٹھان لے کہ ارادہ اور عمل میں سے بجز خالص کے اور مقبول نہ ہوگا۔ اور نہایت لغو اور بری بات ہے کہ آدمی قصد تو بادشاہ کے گھر اور حرم کا کرے اور مقصود اس کے سوا دوسرا ہو، اس لیے اپنے دل میں ارادہ کو اخلاص کے ساتھ درست کر لینا چاہیئے اور اخلاص کی صورت یہ ہے کہ جن باتوں میں ریا اور شہرت ہو اس سے کنارہ کرے پس ضرور ہوا کہ جو چیز اعلیٰ اور بہتر ہے اس کو ادنیٰ سے بدلنے سے احتراز کرے اور قطع علائق کے معنی یہ ہیں کہ حقوق حق داروں کے حوالہ کرے اور سب گناہوں سے توبہ خالص خدائے تعالیٰ کے لیے کرے اس لیے کہ جو مظلمہ ہے وہ ایک علاقہ ہے اور ایک علاقہ ایسا ہے جیسے کوئی قرض خواہ موجود ہو اور گریبان پکڑ کر یوں کہتا ہو کہ تو کہاں جاتا ہے کیا شاہنشاہ کے گھر کا ارادہ رکھتا ہے حالانکہ اس کے امر کو اپنے گھر میں بجا نہیں لاتا، اس کو حقیر جانتا ہے کہ تکمیل نہیں کرتا، کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ اس کے سامنے بندہ گنہگار کی طرح جاتا ہے تاکہ تجھے ہٹا دے اور قبول نہ کرے۔ اگر تجھے اپنی زیارت کے قبول ہونے کی رغبت ہے تو اس کے حکم کی تعمیل کر اور حقوق جو ظلم سے لیے ہوں واپس کر اور اوّل سب گناہوں سے توبہ کر اور اپنے دل کا علاقہ اور طرف التفات کرنے سے قطع کر تا تو اس کی طرف اپنے دل کے چہرے سے متوجہ ہو جس طرح کہ ظاہر حال سے تو اس کے گھر کا متوجہ ہے اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو اپنے سفر سے تجھ کو بجز اس کے کہ ابتدا میں رنج اور مشقت ہو اور انجام کو مردود ہونا اور نکالا جانا نصیب ہو اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔ اور وطن سے علاقہ کو اسی طرح منقطع کرے جیسے کوئی وہاں سے اٹھا جاتا ہو اور فرض کرے کہ پھر لوٹ کر نہ آؤں گا اور اپنے اہل و فرزند کے لیے وصیت لکھ دے کہ مسافر ہدف موت ہوتا ہے بجز اس شخص کے کہ خدا بچا دے۔ اور سفر کرنے کے لیے علاقوں کو قطع کرتے وقت یہ یاد کرے کہ سفر آخرت کے لیے بھی اسی طرح علائق چھوڑ جاویں گے اس لیے کہ یہ سفر عنقریب آگے چلا آتا ہے۔ اور سفر حج میں جو کچھ کرے اس سے آخرت کی آسانی کی طمع کرے کہ قرارگاہ اور بازگشت وہی ہے اسی لیے چاہیئے کہ سفرِ حج کی تیاری میں سفرِ آخرت کو نہ بھولے اور توشہ کو حلال جگہ سے ڈھونڈھنا چاہیئے۔ اور جب اپنے نفس میں یہ خواہش پاوے کہ کسی طرح خرچ بہت سا ہو اور باوجود سفر دور دراز کے بچ رہے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پیشتر اس میں خرابی اور تبدیلی نہ ہو تو چاہیئے کہ یاد کرے کہ سفرِ آخرت اس سفر کی نسبت کہیں دراز ہے اور اس کا توشہ تقویٰ ہے اور تقویٰ کے سوا جس چیز کو توشہ جانتا ہے وہ مرنے کے وقت سب پیچھے رہ جاوے گا اور اس سے دغا کرے گا جیسے پکا کھانا تازہ کہ سفر کے پہلے ہی منزل میں سڑ جاتا ہے اور پھر بھوک کے وقت آدمی حیران اور محتاج رہ جاتا ہے کہ کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی تو اس لیے ضرور ہوا کہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں ایسا

نہ ہو کہ اعمال جو آخرت کا توشہ ہیں موت کے بعد اپنے ساتھ نہ رہیں اور ریا اور شہرت کی آمیزش اور قصور کی کدورت سے خراب ہو جاویں اور سواری جس وقت سامنے آوے اس وقت اپنے دل میں خدائے تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرے کہ چوپایوں کو ہمارا مسخر کر دیا کہ ہم کو تکلیف نہ ہو اور مشقت ہلکی ہو جاوے اور یہ یاد کرے کہ دارِ آخرت کی سواری بھی ایک روز اسی طرح سامنے آجاوے گی یعنی جنازہ کی تیاری ہوگی کہ اس پر سوار ہو کر دارِ آخرت کا کوچ کرنا پڑے گا، غرض کہ حج کا حال کچھ ایک مشابہ سفرِ آخرت کے ہے تو ضرور نظر کر لینا چاہئیے کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہے کہ سفرِ آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفرِ آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم ہے کہ موت قریب سے اور اونٹ کی سواری سے پیشتر تابوت پر سوار ہو جائے اور تابوت کی سواری یقیناً ہو گی۔ اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشکوک امر ہے تو مشکوک سفر میں اختیار کرنا اور توشہ اور سواری سے مدد لینی یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے۔ اور احرام کی دونوں چادروں کی خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اس میں اپنے لپیٹنے کو یاد کرے کیونکہ احرام کی چادر اور تہمد تو اس وقت باندھے گا کہ خانہ کعبہ کے نزدیک ہوگا۔ اور کیا عجب ہے کہ یہ سفر پورا نہ ہو اور خدائے تعالیٰ سے ملاقات کفن میں لپٹے ہوئے ہونی بے شک ہے تو جس طرح کہ خدائے تعالیٰ کے گھر کی زیارت بدون مخالفت لباس اور ہیئت معمولی کے نہیں ہوئی اسی طرح خدائے تعالیٰ کی زیارت بھی مرنے کے بعد بجز اس صورت کے نہ ہو گی کہ دنیا کے لباس کے مخالف ہو۔ اور احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ بھی ہے کہ وہ سیا ہوا نہ ہو۔ اور نہ یہ شہر سے نکلنے میں یہ جانے کہ میں اہل وطن سے جدا ہو کر ایسے سفر میں خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو دنیا کے سفروں کے مشابہ نہیں، تو اس وقت اپنے دل میں یہ سوچنا چاہئیے کہ میں کیا ارادہ کرتا ہوں اور کہاں جاتا ہوں اور کس کی زیارت کو متوجہ ہوتا ہوں۔ اور یہ سمجھے کہ میں شاہنشاہ کی طرف اس کی زیارت کرنے والوں کے زمرہ میں متوجہ ہوتا ہوں جو خدا کے ساتھ حاضر ہوئے اور جن کو شوق دلایا گیا تو مشتاق ہو گئے، اور جن کو جانے کا حکم ہوا تو علاقوں کو قطع کر اور خلقت کو چھوڑ خدائے تعالیٰ کے گھر کی طرف جس کی شان عظیم اور قدر رفیع اور امر فخیم ہے، متوجہ ہوئے کہ رب البیت کی زیارت کے عوض اس کے گھر کی زیارت سے دل بہلا دیں یہاں تک کہ ان کو ان کی منتہائے آرزو میسر ہوئی اور اپنے مولیٰ کے دیدار سے اپنے مراد پا دیں اور اپنے دل میں توقع رسائی اور قبول کی کرے نہ اس طرح کہ اپنے اعمال پر بھروسہ ہو کہ ہم اتنی دور سے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرے۔ اور چونکہ اس نے اپنے گھر کے زیارت کرنے والوں کے حق میں وعدہ فرمایا ہے تو توقع کرے کہ وہ اپنے وعدہ کو سچا کرے گا، اور یہ توقع کرے کہ اگر میں خانہ کعبہ تک نہ پہنچا اور اثنائے راہ ہی میں طعمۂ اجل ہوا تو خدائے تعالیٰ سے ملاقات اس حال میں ہو گی کہ اس کے پاس جا رہا ہوں کیونکہ وہ خود فرماتا ہے[1] ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله اور جنگل میں گھس کر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں وہ احوال یاد کرے جو موت کے باعث دنیا سے نکل کر میقات قیامت تک ہوں گے، اس کے ہر ایک حال کو اس کی ہر کیفیت سے مناسبت کرے، مثلاً رہزنوں کے دہشت سے منکر نکیر کے سوال کی دہشت یاد کرے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ

---

[1] اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور رسول کی طرف، پھر آپکڑے اس کو موت، سو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ پر ۱۲

بچھو اور کیڑے دھیان کرے، اور اپنے گھر بار اور اقارب سے علیحدہ ہونے سے قبر کی دہشت اور سختی اور تنہائی سوچے، غرض کہ اپنے اعمال اور اقوال میں جو خوف کرے، اس کو قبر کے خوفوں کے لیے توشہ کرے اور میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ جانے کہ معنی یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی پکار پر یہ کہنا کہ میں حاضر ہوں تو اس وقت یہ توقع کرے کہ یہ جواب مقبول ہو اور خوف کرے کہ کہیں یہ نہ کہہ دیا جاوے کہ[۱] لا لبیك ولا سعدیك اس لیے ضرور ہوا کہ خوف و رجا کے درمیان متردد رہے اور اپنی تاب و طاقت سے علیحدہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر تکیہ رکھے اس لیے کہ لبیک کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ خطرہ کی جگہ ہے سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ ایکبار حضرت زین العابدین علیہ السلام نے حج کیا، جب آپ نے احرام باندھا اور سواری پر چڑھ بیٹھے، تو رنگ زرد ہو گیا اور لرزہ تمام بدن پر آگیا، اتنی طاقت نہ ہوئی کہ لبیک کہیں، کسی نے پوچھا کہ آپ لبیک کیوں نہیں کہتے، فرمایا کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ کو یوں نہ کہا جاوے لا لبیك ولا سعدیك پھر جب آپ نے لبیک کہا تو بے ہوش ہو کر سواری پر سے گر گئے اور حج کے پورا کرنے تک یہی کیفیت آپ کی رہی۔ اور احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان دارانی کے ساتھ تھا، جب انہوں نے احرام باندھا تو ایک میل تک اسی طرح چلے آئے اور لبیک نہ کہا، پھر ان کو غش آگیا اور افاقہ کے بعد فرمایا کہ اے احمد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ظالموں سے کہہ دو کہ میرا ذکر کم کریں کیونکہ ان میں سے جو مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کو لعنت کے ساتھ ذکر کرتا ہوں اے احمد میں نے ایسا سنا ہے کہ جو شخص بوجہ ناجائز حج کرتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۲] لا لبیك ولا سعدیك حتی ترد ما فی یدیك تو ہم بھی بے خوف نہیں اس سے کہ کہیں ان کو یہی نہ کہا جاوے اور لبیک کہنے والا جب میقات میں لبیک پکار کر کہے اس غرض سے کہ خدائے تعالیٰ کی پکار کا جواب دیتا ہوں کہ اس نے فرمایا ہے[۳] واذن فی الناس بالحج تو دھیان کرے کہ صور کے پھکنے سے لوگ اسی طرح پکارے جاویں گے، اور قبروں سے اٹھ کر میدان قیامت میں جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دیں گے اور ان کی بہت سی قسمیں ہوں گی، کوئی مقرب ہوں گے، کسی پر غصہ ہوگا، بعضے مقبول ہوں گے اور بعضے مردود، اور ابتداء میں خوف و رجاء کے درمیان کے متردد ہوں گے جیسے میقات میں حاجیوں کو تردد ہوتا ہے کہ معلوم نہیں حج کا پورا کرنا اور اس کا مقبول ہونا میسر ہوگا کہ نہیں اور مکہ میں داخل ہونے کے وقت یہ دھیان کرے کہ اب حرم مامون میں پہنچ گیا، اور خدائے تعالیٰ سے توقع کرے کہ اس میں داخل ہونے کی بدولت عذاب سے محفوظ رکھے گا اور اس بات کا خوف کرے کہ مبادا قرب کا اہل اگر میں نہ ہوا تو حرم میں آنے سے گنہگار اور مستحق غضب ٹھہروں گا مگر سب وقتوں میں رجا غالب ہونی چاہیئے کہ اس کا کرم عام ہے اور خانہ کعبہ کی شرافت نہایت بڑی اور آنے والے کے حق کی رعایت کیا ہی کرتے ہیں اور پناہ مانگنے والے اور دہائی دینے والے کی حرمت تلف نہیں کیا کرتے، اور کعبہ پر نظر کرنے کے وقت اس کی عظمت دل میں حاضر کرے اور فرض کرے کہ گویا رب البیت کو دیکھ رہا ہے اور توقع کرے کہ خدائے تعالیٰ نے جس طرح اپنے بیت عظیم کا دیکھنا روزی کیا ہے اسی طرح اپنی ذات پاک کی

---

[۱] نہ خدمت میں حاضر ہے اور نہ ہمارے لیے مستعد ہے ۱۲ [۲] نہ لبیک تیرا معتبر ہے اور نہ سعدیک جب تک کہ تو وہ چیز ہٹا نہ دیوے جو دوسروں کی تیرے قبضہ میں ہے ۱۲ [۳] اور پکار دے لوگوں کو حج کے واسطے ۱۲

طرف دیکھنا نصیب کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایسے مرتبہ پر پہنچایا اور اپنے پاس آنے والوں کے زمرہ میں داخل فرمایا اور اس وقت یہ بھی دھیان کرے کہ قیامت میں سب لوگ جنت کی طرف بتوقع اس میں داخل ہونے کے اسی طرح جھکیں گے، پھر ان کے دو فریق ہو جاویں گے جیسے حاجیوں کے دو فریق ہیں کہ بعض کا حج مقبول ہے اور بعض کا نامنظور، اور جو احوال حج میں پیش آوے، اس کو دیکھ کر امورِ آخرت کی یاد سے غفلت نہ کرنی چاہیئے اس لیے کہ حاجیوں کے سب حالات پر آخرت کے حالات دلالت کرتے ہیں اور کعبہ کے طواف کو نماز تصور کرنا چاہیئے، اسی لیے دل میں طواف کے وقت تعظیم اور خوف اور رجا اور محبت کو اس طرح حاضر کرنا چاہیئے جیسا کہ باب اسرار الصلوٰۃ میں مفصل لکھ آئے ہیں، واضح ہو کہ آدمی طواف کی جہت سے ان مقرب فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے جو عرش کے گرد جمع ہو کر طواف کرتے ہیں۔ اور تم یہ مت خیال کرنا کہ طواف سے مقصود یہ ہے کہ جسم خانہ کعبہ کا طواف کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ آدمی کا ذکر دل رب البیت کا طواف کرے، یہانتک کہ ذکر کا آغاز اور انجام اسی پر ہو جیسے طواف کی ابتداء اور انتہا بیت پر ہوتی ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ عمدہ طواف دل کا طواف گرد حضرت الوہیت کے ہے اور خانہ کعبہ عالم ظاہری میں اس دربار کا نمونہ ہے کیونکہ وہ عالم باطنی میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا جیسے عالم ظاہری میں بدن دل کا نمونہ ہے کہ دل عالم غیب میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا اور یہ بھی جان لو کہ عالم ظاہری عالم غیب کا نمونہ ہے اس شخص کے حق میں کہ اللہ تعالیٰ یہ دروازہ اس کے لیے کھول دے، اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس قول میں کہ بیت المعمور آسمان میں کعبہ کے مقابل ہے اور فرشتے اس کا طواف اسی طرح کرتے ہیں جیسے انسان کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اور چونکہ اکثر خلق کا رتبہ اس جیسے طواف سے قاصر ہے لہٰذا اپنے مقدور بھر ان فرشتوں کی مشابہت کے لیے ان کو حکم ہوا ۔ کہ جو کوئی کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہوگا۔ اور جو شخص فرشتوں کے سے طواف پر قادر ہے تو وہ ایسا شخص ہے کہ کہہ سکتے ہیں کہ کعبہ اس کی زیارت اور طواف کرتا ہے، چنانچہ بعض مکاشفہ والوں نے بعض اولیاء کا حال ایسا ہی دیکھا ہے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے وقت یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی اطاعت پر بیعت کرتا ہوں، اور اب ارادہ پختہ کرے کہ اس عہد کو پورا کروں گا کیونکہ جو شخص بیعت میں دغا کرتا ہے، مستحق غضب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا، کہ آپؐ نے فرمایا[۲] الحجر الاسود یمین اللہ عز وجل یصافح بہا خلقہ کما یصافح الرجل اخاہ[۲] اور پردۂ کعبہ کو پکڑنے اور ملتزم کو چمٹنے کے وقت یہ نیت کرے کہ بیت اور رب البیت کی محبت اور شوق میں قرب کا طالب ہوں، اور بدن کے لگنے کو برکت جانے اور یہ توقع کرے کہ جو عضو بدن کعبہ سے مل جاوے گا وہ آگ سے محفوظ رہے گا۔ اور پردہ پکڑنے میں یہ نیت ہو کہ طلب مغفرت اور درخواست امان میں الحاح کرتا ہوں جیسے کوئی خطاوار جس کا قصور کرتا ہے اس کے دامن میں لپٹتا ہے اور عفو قصور کے لیے اس کے سامنے انکسار کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرا ملجا اور ماوا بجز تیرے اور کہیں نہیں اور بدوں تیرے کرم اور عفو کے اور کہیں ٹھکانا نہیں اور اب میں تیرا دامن نہ چھوڑوں گا جب

ع ابو داؤد بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ ع حجر اسود اللہ عزوجل کا داہنا ہاتھ ہے زمین میں کہ اس سے اپنی مخلوقات سے مصافحہ کرتا ہے، جیسے آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے ۱۲ حدیث باب دوم میں گزری بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

تک کہ خطا معاف نہ کر دے اور آئندہ کو امن نہ دے دے اور سعی صفا اور مروہ کے درمیان خانہ کعبہ کے چوک کے اندر ایسی ہے کہ جیسے غلام بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس نظر سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے اور اس امید سے کہ نظر رحمت سے سرفراز ہووے یا جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو کہ بادشاہ میرے باب میں کیا حکم کرے گا، منظور فرماوے گا یا نامنظور، تو دربار کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہے اس امید سے کہ اول دفعہ میں اگر رحم نہ کرے گا تو دوسری بار میں مرحمت فرماوے گا، پس ہے ؎

دو بامد اوگر آید کسے بخدمت شاہ سوم ہر آئینہ در وے کند بہ لطف نگاہ

اور صفا اور مروہ کے درمیان آمد و رفت کرنے کے وقت یہ خیال کرے کہ میدانِ قیامت میں میزان کے دونوں پلوں کے بیچ میں اسی طرح پھرتا ہوگا، صفا کو حسنات کا پلہ سمجھے اور مروہ کو برائیوں کا، اور پھر خیال کرے کہ دونوں پلوں کے درمیان اسی طرح آتا جاتا ہوگا کہ دیکھیئے کون سا پلہ غالب رہتا ہے اور کون سا مغلوب، اور عذاب اور مغفرت میں تردد ہوگا کہ کس کا مستحق ہوتا ہوں۔ اور عرفات پر ٹھہرنے میں جب لوگوں کا اژدہام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا اختلاف اور مشاعر کی آمد و رفت میں ہر فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بقدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کرے کہ میدانِ قیامت میں بھی تمام امتیں معہ انبیائ کے اسی طرح اکٹھی ہوں گی، اور ہر امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی اور انبیاء کی شفاعت کی طمع کریں گی اور اس میدان میں قبولیت اور عدمِ قبولیت کے باب میں حیران رہیں گی، اور جب آدمی کو عرفہ کے میدان میں خیال گذرے تو چاہیئے کہ اپنے دل کو انکسار اور اللہ کی طرف رجوع کرنا لازم کرے تاکہ فلاح والوں اور مرحوم فرقہ کے ساتھ حشر ہو اور اس جگہ اپنی رجا کو قبول ہی سمجھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور رحمتِ الٰہی دربارِ جلال سے تمام خلق پر نازل ہوتی ہے اور اس کے آنے کا ذریعہ ولہائے عزیز زمین کے اوتادوں کے ہوتے ہیں۔ اور یہ میدان ابدال اور اوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ اور صالحین کے گروہ بھی اس میں ضرور ہوتے ہیں۔ پس جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر ان کے دل انکسار و زاری کرتے ہیں۔ اور ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیلاتے ہیں اور گردنیں اس کی طرف کو کھنچتی ہیں اور ایک ہمت کے ساتھ طلبِ رحمت کے لیے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان مت کرنا کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں اور ان کی کوشش بیکار ہو جاوے، بلکہ ان پر وہ رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے۔ اور اسی واسطے کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ خدائے تعالیٰ نے میری مغفرت نہیں کی۔ اور حج کا راز اور غایت مقصود یہی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہو اور جو ابدال و اوتاد کہ شہروں کے اطراف سے مجتمع ہوتے ہیں ان کے پاس ہونے کے سبب جمع ہمت میں سہارا ملے۔ غرض کہ رحمتِ الٰہی کے اتارنے کا طریق اس کے برابر اور کوئی نہیں کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر دل ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اور کنکروں کے پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بندگی کے ظاہر کرنے کے لیے امر کی اطاعت کرتا ہوں، اور صرف تعمیلِ ارشاد کے لیے اٹھتا ہوں بدوں اس کے کہ اس فعل میں کچھ عقل اور نفس کا حظ ہو۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپ کو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا تاکہ آپ کے حج میں کچھ شبہ ڈال دے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس کے دفع کرنے کو اور اس کی امید منقطع کرنے کو اس کے کنکریاں مارو۔

اب اگر یہ کہو کہ حضرت ابراہیمؑ پر تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اس کو دیکھا اس لیے اس کو مارا تھا، اور ہم پر تو شیطان ظاہر ہوتا نہیں پھر کنکریوں کے مارنے سے کیا غرض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ شیطان کی طرف سے ہے اور اسی نے اس کو تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ تمہارا ارادہ کنکریاں مارنے کا سست پڑ جاوے اور تمہارے خیال میں یہ آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جس میں کچھ فائدہ نہیں ایک کھیل کی سی صورت ہے اس میں مشغول ہوتے ہو، پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریاں مار کر اپنے نفس پر سے دفع کرو اور جانو کہ ہر چند ہم کنکریاں بظاہر پتھر پر مارتے ہیں لیکن واقع میں شیطان کے منہ پر مارتے ہیں اور اس کی پیٹھ توڑتے ہیں کیونکہ اس کی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حکم کی بجا آوری کریں جس کی تعمیل میں نفس اور عقل کو کچھ حظ نہیں، صرف اس کی تعظیم ملحوظ ہے۔ اور ہدی کے ذبح کرنے کے وقت یہ جانو کہ یہ فعل بسبب انتثال امر کے باعث تقرب ہے اسی لیے اس کو اور اس کے اجزا کو پورا دیکھ لینا چاہیئے اور یہ توقع کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر جزو کے عوض میں ہمارے ہر جز کو آگ سے آزاد کر دے گا، کیونکہ وہ اسی طرح ہوا ہے، پس جس قدر ہدی بڑی ہو گی اور اس کے اجزاء بہت ہوں گے اسی قدر آگ دوزخ سے رہائی کی صورت زیادہ متصور ہے۔ اور مدینہ منورہ کی دیوار ودر پر جب نگاہ پڑے تو یہ دھیان کرنا چاہیئے کہ یہ وہ شہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسند فرمایا اور اس کو آپ کا دار الہجرۃ بنایا، یہ وہ مکان ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور سنن مشروع فرمائے اور اس کے دشمن کے ساتھ جہاد کیا اور اس کے دین کو ظاہر کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی جوارِ رحمت میں بلایا پھر آپ کی قبر اس میں مقرر کی، اور آپؐ کے دو وزیروں کی قبر جو آپؐ کے بعد بجا آوری حق میں رہے اس میں ٹھہرائی، پھر اپنے دل میں تصور باندھ لو کہ آپؐ کے قدم مدینہ منورہ میں چلتے پھرتے پڑتے ہوں گے۔ اور کوئی پاؤں رکھنے کی جگہ ایسی نہیں جہاں آپؐ کے قدم مبارک نہ آئے ہوں، اس خیال کے بعد جو پاؤں رکھو، وہ وقار اور خوف کے ساتھ رکھو اور سوچو کہ مدینہ پاک میں آپؐ ہر گلی کوچہ میں نکلے ہوں گے۔ اور پھر رفتار میں آپؐ کی فروتنی اور وقار کا تصور کرو اور جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کس درجہ کی آپؐ کے دل میں ودیعت رکھی تھی۔ اور آپؐ کے ذکر کو کیسا اونچا کیا کہ اپنے ذکر کے ساتھ آپؐ کا ذکر ملا دیا۔ اور جو شخص آپؐ کی تعظیم نہ کرے گو آپؐ کی آواز پر اپنی آواز ہی اونچی کرنے سے کیوں نہ ہو، اس کے عمل باطل کر دیے، پھر یہ دھیان کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بڑا احسان کیا جنہوں نے آپؐ کی صحبت پائی اور مشاہدہ جمال اور استماع اقوال سے سعادت حاصل کی۔ اور اپنے حال پر نہایت افسوس کرو کہ یہ دولت ہم کو نہ ملی اور نہ آپؐ کے اصحابؓ کی صحبت نصیب ہوئی، پھر یہ دھیان کرو کہ ہم کو دنیا میں تو آپؐ کی زیارت روزی نہ ہوئی اور آخرت کے دیکھنے میں شبہ ہے شاید آپؐ کی زیارت نگاہِ حسرت ہی ہو کہ اعمالِ بد کے باعث ہم کو قبول نہ فرمائیں، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ع] ہے کہ کچھ لوگ میرے سامنے لائے جاویں گے اور وہ کہیں گے کہ یا محمدؐ یا محمدؐ میں کہوں گا کہ الٰہی یہ میرے اصحاب ہیں، حکم ہو گا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا نیا کام کیا، تب میں کہوں گا کہ

ع بخاری ومسلم بروایت انسؓ وابن مسعودؓ وغیرہما، مگر ان میں یا محمدؐ یا محمدؐ کہنا نہیں ہے ۱۲

الگ ہو اور دور رہو۔ پس اگر تم نے بھی آپ کی شریعت کی توقیر نہ کی ہو گی گو ایک ہی دقیقہ میں کیوں نہ ہو تم بھی اس جواب سے مامون نہیں ہو کہ تمہارے اور آپ کے درمیان میں دوری ہو جاوے اور آپ کے طریق سے علیحدہ پڑ جاؤ، اور باوجود اس کے زیادہ توقع یہی رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور آپ کے درمیان میں دوری نہ ڈالے کہ تم کو ایمان روزی کیا اور آپ کی زیارت کے لیے تم کو تمہارے وطن سے اٹھا کھڑا کیا، کوئی تجارت یا حظ دنیاوی تم کو مقصود نہ تھا۔ صرف آپ کی محبت، اور آپ کے آثار شریفہ کے دیکھنے کا شوق ہوا، اس لیے کہ جب آپ کا دیکھنا تم کو نصیب ہوا تو تمہارے نفس نے اسی پر قناعت کی کہ آپ کی قبر کی دیوار ہی نظر پڑ جاوے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ سامان تمہارے لیے کر دیے تو اب اس کی رحمت کے شایاں یہی ہے کہ تمہاری طرف نظر رحمت سے دیکھے۔ اور جب تم مسجد نبوی میں پہنچو، تو یہ دھیان کرو کہ یہ وہ جگہ ہے کہ اس کو خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں میں سے اول اور افضل لوگوں کے لیے تجویز کیا، اللہ تعالیٰ کے فرائض اول اسی مقام میں ادا ہوئے، یہی زمین ہے جس میں تمام مخلوق سے افضل لوگ حالتِ حیات میں بھی اور موت میں بھی جمع ہیں اس صورت میں ایسی جگہ کے داخل ہونے سے تم کو بڑی توقع کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم ہی کرے گا پھر مسجد میں خشوع اور تعظیم سے داخل ہو اور یہ خطۂ پاک اسی بات کے شایاں ہے کہ ہر ایماندار دل سے خشوع کا طالب ہو، چنانچہ ابو سلیمان نقل کرتے ہیں کہ حضرت اویس قرنیؓ نے حج کیا اور مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ جب مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ قبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ سنتے ہی غش کھا گئے اور جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ مجھ کو یہاں سے نکالو کہ مجھ کو وہ شہر اچھا معلوم نہیں ہوتا جس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاک کے اندر ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اسی طرح کھڑے ہو کر کرنی چاہیئے جیسے ہم لکھ آئے ہیں، اور آپ کی زیارت موت کے بعد اسی طرح کرو جیسے زندگی میں کرتے، اور آپ کی قبر شریف کے اتنا ہی قریب ہونا چاہیئے جیسے آپ کے جسم مبارک سے حالتِ حیات قریب ہوتے، اور جس طرح کہ آپ کی زندگی میں آپ کے جسم پاک کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے میں اختلاف تعظیم اور سوءِ ادب جانتے بلکہ دور سے کھڑے ہوئے آپ کی طرف کو مائل رہتے، اسی طرح اب بھی کرنا چاہیئے، کیونکہ زیارات کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا نصاریٰ اور یہود کی عادت ہے۔ اور جان لینا چاہیئے آنحضرتؐ کو تمہارے آنے اور کھڑے ہونے اور زیارت کرنے کا علم ہوتا ہے اور تمہارا درود وسلام آپؐ کی خدمتِ مبارک میں پہنچتا ہے، پس زیارت کے وقت تم آپ کی صورتِ کریم کو یوں خیال کرو کہ تمہارے سامنے لحد میں موجود ہے، اور پھر اپنے دل میں آپؐ کے مرتبۂ عظیم کو تصور کرو اور درود وسلام کا آپؐ کو پہنچنا اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے، وہ آپ کو آپ کی امت کے لوگوں کا سلام پہنچایا کرتا ہے، اور یہ بات اس شخص کے حق میں ہے جو آپؐ کی قبر شریف پر حاضر نہ ہوا ہو، تو جو شخص آپ کی زیارت کے شوق میں قبر کی زیارت پر اکتفا کرنے کے ارادہ سے وطن کو چھوڑا اور جنگلوں کو طے کر کے حضوری میں حاضر ہو گا، اس کا سلام کیسے نہ پہنچے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ع] من

[ع] جو شخص میرے اوپر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجے گا مسلم بروایت ابوہریرہؓ وابن عمرؓ ۱۲

صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرًا تو یہ بدلہ تو صرف زبان سے درود کہنے کا ہے، تو جس صورت میں کہ آپ کی زیارت کے لیے تمام بدن سے حاضر ہوا اس کا بدلہ کیسا کچھ ہوگا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر شریف کے پاس آؤ اور یہ خیال کرو کہ آپ منبر پر چڑھے کھڑے ہیں اور مہاجر اور انصار آپ کے گرد حلقہ کیے ہیں اور آپ ان کو اپنے خطبہ میں خدائے تعالیٰ کی طاعت پر ترغیب دلاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ قیامت میں تمہارے اور آپ کے درمیان میں جدائی نہ کرے، غرض کہ حج کے اعمال میں دل کا وظیفہ یہ ہے جو مذکور ہوا جب اعمالِ حج سے سب سے فارغ ہو چکے تو چاہیئے کہ اپنے دل پر رنج اور خوف کا الزام کرے اور یہ کہ معلوم نہیں کہ ہمارا حج مقبول ہوا اور محبوب لوگوں کے زمرہ میں رہے یا حج نامنظور ہوا اور نکالے ہوؤں میں ملائے گئے۔ اور یہ امر اپنے دل اور اعمال سے معلوم کرے یعنی حج کے بعد اگر اپنے دل کو پاوے کہ دنیا سے زیادہ کنارہ کرنے لگا اور انس باللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور اعمال شریعت کی میزان کے بموجب سنجیدہ سرزد ہوتے ہیں تو قبول ہونے کا اعتماد کرنا چاہیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی شخص کا حج قبول کرتا ہے جس کو دوست رکھتا ہے اور جس کو دوست رکھتا ہے اس کا متولی ہوتا ہے اور اپنی محبت کے آثار اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے دشمن ابلیس مردود کا دباؤ اس پر سے ہٹا دیتا ہے، تو جب اس طرح کی باتیں ظاہر ہوں گی تو معلوم ہوگا کہ حج مقبول ہوا۔ اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو عجب نہیں کہ اس سفر سے آدمی کو بجز مشقت اور سختی کے اور کچھ وصول نہ ہو۔ معاذ اللہ منہا باب اسرارِ حج تمام ہوا اس کے بعد باب آدابِ تلاوت مذکور ہوگا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ علی محمد مصطفیٰ۔

آٹھواں باب تلاوتِ قرآن عزیز

رباعی منظور اگر تجھے ہے قرب یزداں ❊ ترتیل سے دن رات پڑھا کر قرآں
دیکھ اقراء وارتق و رتل کی حدیث ❊ جو مرتبے قاری کے ہیں تجھ پر عیاں

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان بندوں پر یہ ہوا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو شرف بخشا اور اپنی کتابِ منزل سے ان کی گردنوں میں طوقِ منت ڈالا، یہ وہ کتاب ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے سے باطل اس پر حملہ نہیں کرتا اہل فکر کو اس سے گنجائش ہوگئی کہ اس کے قصے اور خبروں سے عبرت حاصل کریں اور اس میں تفصیل احکام اور تفریقِ حلال وحرام کی بخوبی ہے اس نظر سے سیدھے راستے اور طریقِ عمدہ کا چلنا اس سے واضح ہوگیا، حقیقت میں ضیا اور نور وہی ہے اور اسی کے باعث مغالطہ سے نجات ہوتی ہے اور اس میں ایمان و توحید دلی کو شفا ہے جبار وں میں سے جو اس کے مخالف ہوا اس کی کمر اللہ نے توڑی، اور جس نے اس کے سوا دوسری کتاب میں علم کو طلب کیا وہ حکمِ الٰہی سے گمراہ ہوا حبل متین اور نور مبین اور عروہ وثقیٰ اس کا نام اور قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر پر حاوی ہونا اس کا کام نہ اس کے عجائب و غرائب کی کوئی نہایت نہ اہل علم کے نزدیک اس کے فوائد کی کوئی حد و غایت تلاوت والوں کے نزدیک زیادہ پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی بلکہ ہر بار لذت جدید دیتی ہے اور اولین و آخرین کو وہی ہدایت کرتی ہے، یہ وہ کتاب ہے کہ جب اس کو

جنوں نے سُنا تو اپنی قوم کی طرف جلد رجوع کیا، اور اس طرح ان کو خوشخبری دی۔[ث] فقالوا انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد فآمنا بہ ولن نشرك بربنا احداً جو اس پر ایمان لایا وہی صاحبِ توفیق ہے اور جو اس کا قائل ہُوا وہی اہلِ تصدیق جس نے اس پر تمسک کیا اس کو ہدایت ملی، اور جس نے اس بموجب عمل کیا اس نے سعادت و فلاح پائی اور از انجا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باب میں ارشاد فرمایا[۲] انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اور دلوں اور مصاحف میں اس کے محفوظ رہنے کا سبب روزمرہ کی تلاوت اور اس کے آداب و شروط کی رعایت اور اس میں کے اعمالِ باطنی اور آدابِ ظاہری کی محافظت ہے، اسی نظر سے ان امور کا بیان کرنا ضروری ہوا، چار فصلوں میں یہ سب مقصود بیان ہو جائیں گے۔

پہلی فصل تلاوت کی فضیلت اور اس میں کوتاہی کا جرم

تلاوت کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۳] کہ جو شخص قرآن پڑھے، پھر یہ جانے کہ کسی کو مجھ سے زیادہ ملا ہوگا تو وہ اس چیز کو چھوٹا جانے گا جس کو خدائے تعالیٰ نے بڑا کیا ہے، اور فرمایا[۴] کہ قیامت کے روز کوئی شفیع خدائے تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے بڑھ کر مرتبہ میں نہیں نہ کوئی نبی ہے اور نہ فرشتہ اور نہ کوئی دوسرا شخص، اور فرمایا[۵] کہ اگر بالفرض قرآن مجید چمڑے میں ہو تو اس کو آگ نہ لگے گی، اور فرمایا[۶] افضل عبادۃ امتی تلاوۃ القرآن اور فرمایا[۷] کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کے پیدا کرنے کے ہزار برس پیشتر سورہ طٰہٰ اور یٰسٓ پڑھی، جب فرشتوں نے قرآن کو سُنا تو کہا کہ وہ امت خوش نصیب ہے جس پر یہ اترے گا، اور خوشحالی ہے ان دلوں کو جو اس کو یاد کریں گے اور ان زبانوں کو جو اس کو پڑھیں گے اور فرمایا[۸] خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، اور فرمایا[۹] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن کا پڑھنا مجھ سے سوال کرنے اور دعا مانگنے سے روکتا ہے میں اس کو شکر گذاروں کے ثواب سے بہتر عنایت کرتا ہوں، اور فرمایا[۱۰] کہ قیامت کے دن تین شخص مشک اسود کے ٹیلوں پر ہوں گے نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ ان سے حساب لیا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان کے معاملہ سے فراغت ہو، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے قرآن خدائے تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے پڑھا اور لوگوں کا امام ہوا اور وہ اس سے خوش رہے اور فرمایا[۱۱] اھل القرآن اھل اللہ وخاصتہ اور فرمایا[۱۲] کہ یہ دل لوہے کی طرح سے زنگ کھا جاتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان کی جلا کیا چیز ہے؟

[ث] پھر جنوں نے کہا ہم نے سنا ایک قرآن عجب، سمجھاتا ہے نیک راہ، پھر ہم اس پر یقین لائے، اور ہرگز نہ شریک بنادیں گے اپنے رب کا کسی کو ۱۲ [۲] ہم نے آپ پر اتاری ہے نصیحت اور ہم اس کے نگہبان ہیں ۱۲ [۳] طبرانی بروایت عبداللہ بن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ [۴] عبدالملک بن حبیب بروایت سعید بن سلیم مرسلاً ۱۲ [۵] طبرانی و ابن حبان در ضعفا بروایت سہل بن سعدؓ ۱۲ [۶] میری امت کی بہتر عبادت، قرآن ہے ابونعیم بروایت لقمان بن بشیر و انس بسند ضعیف ۱۲ [۷] دارمی بروایت ابوہریرہؓ بسند ضعیف [۸] تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے بخاری بروایت عثمان بن عفانؓ ۱۲ [۹] ترمذی و ابن شاہین بروایت ابوسعید ۱۲ [۱۰] یہ حدیث باب اسرار نماز کی فصل اول میں گذری ۱۲ [۱۱] قرآن والے اللہ والے اور اس کے خاص لوگ ہیں نسائی و ابن ماجہ ۱۲ [۱۲] بیہقی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲

فرمایا کہ قرآن کی تلاوت اور موت کو یاد کرنا۔ اور فرمایا[۱] اللہ اشد اذنا الی قاری القرآن من صاحب القینۃ قینتہ اور آثار اسباب میں یہ ہیں کہ حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کو پڑھو، اور یہ لٹکے ہوئے قرآن تم کو مغالطہ دیں یعنی اس پر بس مت کرو کہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں کرتا جو قرآن کا ظرف ہو، اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن کو تحصیل کرو کہ اس میں اگلوں پچھلوں کا علم ہے۔ اور یہ بھی انہی کا ارشاد ہے کہ قرآن کو پڑھو کہ تم کو اس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا، اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام دوسرا اور میم تیسرا۔ اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ تم میں سے جب کوئی اپنے نفس سے درخواست کرے تو قرآن ہی کی کرے اس لیے کہ اگر قرآن سے محبت رکھتا ہوگا، اور قرآن اس کو اچھا معلوم ہوتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہوگا اور اگر قرآن سے بغض رکھتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھتا ہوگا اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ہر ایک آیت جنت کا ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں کا چراغ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کے دونوں پہلو میں نبوت مندرج ہو جاتی ہے، اتنا فرق ہے کہ اس پر وحی نہیں آتی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر کے لوگوں پر وسیع ہو جاتا ہے اور اس کی خیر بہت ہو جاتی ہے اور فرشتے اس میں آتے ہیں اور شیطان اس سے نکل جاتے ہیں، اور جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہ گھر والوں پر تنگ ہو جاتا ہے اور اس کی خیر کم ہو جاتی ہے۔ اور فرشتے اس میں سے چلے جاتے ہیں اور شیطان آموجود ہوتے ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ الٰہی جن چیزوں سے تقرب کے طالب تیرا قرب حاصل کرتے ہیں، ان میں سے افضل کون سی چیز ہے، فرمایا کہ اے احمد سب سے افضل میرے کلام سے تقرب چاہنا ہے، میں نے عرض کیا کہ الٰہی سمجھنے کے ساتھ یا بدون سمجھے، حکم ہوا کہ دونوں طرح ہے، اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب آدمی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے سُنیں گے تو یہ معلوم ہوگا کہ گویا پہلے کبھی نہ سُنا تھا۔ اور فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کے حافظ کو چاہیے کہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ شخصوں تک کسی کی طرف اس کو حاجت نہ ہو، بلکہ خلق کے لوگ اس کے حاجت مند ہونے چاہئیں، اور بھی ان کا قول ہے کہ جو شخص قرآن کا حافظ ہے وہ اسلام کا علم بردار ہے، اس کو چاہیے کہ لہو اور سہو اور لغو والوں کے ساتھ ان امور میں مشغول نہ ہو کہ حق قرآن کی تعظیم اسی بات کو چاہتی ہے، اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے، اور عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد قرآن کھول کر سَو آیتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو تمام دنیا والوں کے عمل کے برابر ثواب عنایت فرماتا ہے اور مروی[۲] ہے کہ خالد بن عقبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے سامنے قرآن پڑھیے آپؐ نے آیت ان اللہ یامر

---

[۱] اللہ تعالیٰ سنتا ہے قاری کا قرآن بہ نسبت گانے والی لونڈی کے مالک کے اس کے راگ کو ۱۲ ابن ماجہ حبان وحاکم بروایت فضالہ علی بن عبید۔

[۲] بیہقی بروایت ابن عباسؓ مگر اس میں یہ قصہ ولید بن مغیرہ کا ہے نہ خالد بن عقبہ کا ۱۲

بالعدل والاحسان آخر تک پڑھی، اس نے عرض کیا کہ دوبارہ پڑھیئے، آپ نے دوبارہ پڑھی، اس نے کہا کہ اس میں تو حلاوت اور ملاحت ہے، اس کا نیچے کا حصہ مینہ سا برستا ہے اور اوپر کا حصہ بہت سا ثمرہ رکھتا ہے اور یہ آدمی کا قول نہیں ہے اور حضرت بصریؒ کا قول ہے کہ بخدا کہ قرآن سے بڑھ کر کوئی توانگری نہیں، اور نہ اس کے بعد کوئی احتیاج، اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ حشر کا آخر صبح کے وقت پڑھے اور اس روز مر جائے تو شہیدوں کی مہر اس کے لیے لگے گی۔ اور جو کوئی اس کو شام کو پڑھے، اور اس رات میں مرے اس کا بھی یہی حال ہے، اور قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسا نہیں جس سے تم کو انس ہو، اس نے اپنا ہاتھ قرآن مجید کی طرف بڑھا کر اس کو اپنی گود میں رکھ لیا، اور کہا کہ یہ انیس ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جن سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے اور بلغم دور کرتی ہے۔ اول مسواک کرنا۔ دوم روزہ رکھنا۔ سوم قرآن پڑھنا۔

غفلت سے تلاوت کی مذمت

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بہت لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، حالانکہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے۔ اور میسرہ نے کہا ہے، بدکار آدمی کے پیٹ میں قرآن مسافر اور بیکس ہے۔ اور ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ جب قرآن کے حافظ قرآن پڑھنے کے بعد خدا تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو دوزخ کے فرشتے بت پرستوں کی بہ نسبت ایسے ہی حافظوں کو جلد پکڑیں گے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے پھر اور گفتگو اس میں ملا دیتا ہے پھر پڑھنے لگتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھ کو ہمارے کلام سے کیا علاقہ۔ اور ابن رماح کا قول ہے کہ میں کلام مجید کو یاد کر کے پچھتایا۔ اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ قیامت میں قرآن والوں سے وہ سوال ہوگا جو انبیاء علیہم السلام سے ہوگا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حافظ قرآن کو بہت باتوں سے پہچاننا چاہیئے، اول رات کو جس وقت آدمی سوتے ہوں، دوم دن کو جس وقت آدمی قصور کرتے ہوں، سوم اس کے غم کرنے سے آدمیوں کی خوشی کے وقت، چہارم اس کے رونے سے جب کہ لوگ ہنستے ہوں۔ پنجم اس کے سکوت سے جب لوگ ادھر ادھر کی باتوں میں لگے ہوں۔ ششم اس کے خشوع سے جس وقت آدمی تکبر کرتے ہوں۔ اور حافظ قرآن کو چاہیئے کہ خاموشی اور نرمی زیادہ رکھتا ہے، جفاکار اور بات کاٹنے والا اور غل اور شور مچانے والا اور سخت نہ ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ اس امت کے اکثر منافق قاری ہوں گے، اور فرمایا[2] کہ قرآن کو اس وقت تک پڑھ کہ تجھ کو بری باتوں سے منع کرے اور جب قرآن کی قراءت تجھ کو مانع نہ ہو تو تو اس کی تلاوت نہیں کرتا، یعنی ایسا پڑھنا نہ پڑھنے میں داخل ہے، اور فرمایا[3] کہ جو شخص قرآن کے محرمات کو حلال جانے اس کو قرآن کے ساتھ انس نہیں ہوا۔ اور بعض سلف کا قول ہے کہ بندہ ایک سورۃ شروع کرتا ہے اور فرشتے اس پر دعائے رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ اس سورۃ کو تمام کرے، اور بعض بندہ سورۃ شروع کرتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو، کسی نے پوچھا کہ

---

[1] احمد بروایت عقبہ بن عامر اور اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے ۱۲ [2] طبرانی بروایت عبداللہ بن عمروؓ بسند ضعیف ۱۲ [3] ترمذی بروایت صہیب بسند ضعیف ۱۲

یہ سورت کس طرح ہوتی ہے، فرمایا کہ جب اس کے حلال کو حلال جانے گا اور حرام کو حرام تب اس پر رحمت بھیجتے ہیں ورنہ لعنت کرتے ہیں، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آدمی قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور نادانستہ اپنے آپ کو لعنت کرتا ہے یعنی کہتا ہے[۱] الالعنۃ اللہ علی الکاذبین اور خود جھوٹوں میں سے ہے، اور حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ تم نے قرآن کو منزلیں ٹھیرائی ہے اور رات کو اونٹ مقرر کیا ہے کہ اس پر سوار ہو کر اپنی منزلیں قطع کرتے ہو۔ اور جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ قرآن مجید کو اپنے پروردگار کا فرمان سمجھتے تھے کہ رات کو ان کے معنی سوچتے تھے اور دن کو ان کی تعمیل کیا کرتے تھے، اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ قرآن لوگوں پر اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ اس کے بموجب عمل کریں، لوگوں نے اس کے پڑھنے پڑھانے کو عمل ٹھیرا لیا ہے کہ ایک شخص شروع سے آخر تک قرآن پڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ ایک حرف بھی اس سے نہیں رہتا، مگر اس کے بموجب عمل نہیں کرتا۔ اور حضرت ابن عمرؓ اور جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ہماری اتنی عمر ہوئی، ہم میں سے کسی کو ایمان قرآن سے پیشتر مرحمت ہوتا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو اس سورت کے حلال اور حرام کو سیکھتا اور امر اور زجر سے واقف ہوتا اور جس مقام پر توقف چاہیئے اسکو جاننا پڑتا تھا، پھر ہم نے ایسے لوگ دیکھے کہ ان میں سے کسی کو قرآن ایمان سے پیشتر ملتا ہے کہ الحمد سے لے کر آخر تک پڑھ جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس میں امر اور زجر کی کون سی آیتیں ہیں اور توقف کس جا، مناسب ہے گھاس سی کاٹتا چلا جاتا ہے۔ اور توریت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی کہ اگر تو راہ میں ہوتا ہے اور کسی تیرے بھائی کا خط تیرے پاس آتا ہے تو راہ سے کنارہ چل کر بیٹھ جاتا ہے اور خط کو پڑھ کر ایک ایک حرف پڑھتا ہے کہ اس میں سے کوئی مطلب تجھ سے نہیں رہتا، اور میں نے جو تجھ پر اپنی کتاب اتاری تو دیکھ تیرے لیے کیسا قول کو مشرح فرمایا اور کس طرح ایک بات کو کئی کئی دفعہ ذکر کیا اس لیے کہ تو اس کے طول اور عرض کو سمجھے گا مگر تو اس سے روگردانی کرتا ہے، بھلا میں تیرے نزدیک کسی بھائی سے بھی گیا گذرا کہ اس کے خط کو غور سے پڑھا اور میری کتاب کو بے پروائی سے، اے میرے بندے اگر تیرا کوئی بھائی تیرے پاس آبیٹھتا ہے تو تو اس کی طرف تمام توجہ التفات کر کے ہمہ تن اس کی گفتگو سنتا ہے اور اگر کوئی بول اٹھتا ہے، یا کوئی اور کام تجھ کو پیش ہوتا ہے تو تو اس سے اشارہ کر دیتا ہے کہ ٹھیرو اور کیوں میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھ سے باتیں کرتا ہوں اور تو اپنے دل سے میری طرف سے روگردان کیا، میری قدرت اپنے نزدیک اپنے کسی بھائی کے برابر بھی نہیں کرتا۔

دوسری فصل تلاوت کے ظاہری آداب عشرہ

ادب اوّل:۔ قاری کے حال میں ہے کہ باوضو اور ادب اور وقار کی صورت پر ہو کھڑا ہو یا بیٹھا اور قبلہ رخ گردن جھکائے ہو نہ چار زانو پر، نہ تکیہ لگائے نہ تکبر کی صورت پر بیٹھا ہو اور تنہا اس طرح بیٹھے جیسے استاد کے سامنے بیٹھے

[۱] جان لو کہ خدا کی لعنت ہے ظالموں پر ۱۲ [۲] جان لو کہ خدا کی لعنت ہے جھوٹوں پر ۱۲ [۳] باب العلم کی چھٹی فصل میں گذری ۱۲

ہیں۔ اور سب حالتوں سے بہتر یہ ہے کہ قرآن کو نماز کے اندر کھڑا ہو کر مسجد میں پڑھے کہ یہ تلاوت افضل اعمال میں سے ہے
اور اگر کلام مجید کو بے وضو لیٹ کر پڑھے گا تب بھی ثواب تو ملے گا لیکن یہ ثواب نہ ہو گا جو وضو سے کھڑے ہو کر ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموٰت والارض
اس آیت میں تعریف سب حالتوں کی فرمائی، مگر قیام کو اول ذکر فرمایا، اس کے بعد قعود کو اس کے بعد لیٹنے کو حضرت علیؓ
نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نماز کے اندر کھڑا ہو کر کرے اس ہر حرف کے بدلہ میں سَو نیکیوں کا ثواب ہوگا،
اور جو شخص نماز کے اندر بیٹھ کر قرآن پڑھے اس کو ہر حرف پر پچاس نیکیوں کا ثواب ہوگا۔ اور جو شخص نماز میں نہ ہو اور وضو
سے قرآن پڑھے، پچیس کا ثواب پائے گا اور اگر بے وضو پڑھے گا تو دس نیکیاں ملیں گی اور رات کو اگر قیام ہو تو سب میں
بہتر ہے کہ رات کے وقت دل کو جمعیت خوب ہوتی ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سجدوں
کی کثرت دن کو ہوتی ہے اور زیادہ کھڑا رہنا رات کو۔ **ادب دوم** قرات کی مقدار کے باب میں کہ بہت اور تھوڑا پڑھنے
میں لوگوں کی عادت جدا جدا ہے کوئی دن رات میں ایک ختم کرتا ہے اور کوئی دو، بعض نے تین ختم تک پہنچا دی ہے۔ اور
بعض لوگ ایک مہینہ میں ایک ختم کرتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ مقدار قرأت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس
اشارہ کی طرف رجوع کیا جائے کہ[2] من قرء القراٰن فی اقل من ثلث لم یفقھہ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس
مقدار سے زیادہ پڑھنا تلاوت کما حقہٗ کا مانع ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب ایک شخص کو سنا کہ قرآن مجید کو بہت جلد
پڑھتا ہے تو فرمایا کہ اس شخص نے نہ تو پڑھا نہ چپکا رہا اور آنحضرت[3] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کو ارشاد
فرمایا کہ ایک ہفتہ میں ایک ختم کیا کرو۔ اور چند لوگ اصحاب میں سے ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ ایک ہفتہ میں ختم پڑھا کرتے
تھے، مثلاً حضرت عثمانؓ و زید بن ثابتؓ اور ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ سب کا یہی دستور تھا، غرض کہ ختم کے چار درجے
ہیں، ایک تو یہ کہ دن رات میں ختم کریں، اس کو تو کچھ لوگوں نے مکروہ جانا ہے اور ایک یہ کہ تیس پاروں سے ایک ہر روز
پڑھ کر مہینے میں ایک ختم کریں اور یہ قرأت گویا بہت ہی کم جیسے اول صورت بہت زیادہ تھی، اور ان دونوں کے درمیان
میں درجے میانہ ہیں، ایک تو یہ کہ ہفتہ میں ایک بار ختم کریں اور دوسرے یہ کہ ہفتہ میں دو بار، تاکہ تین دن کے قریب میں
ایک ختم ہو جائے، اور اس صورت میں منتخب یہ ہے کہ ایک ختم دن میں پڑھا کرے اور ایک رات کو، اور دن والے ختم
کو دوشنبہ کے روز صبح کی دو رکعتوں میں یا ان دونوں کے بعد تمام کیا کرے، اور رات کے ختم کو جمعہ کی شب میں مغرب کی
دو رکعتوں میں یا ان کے بعد تمام کرے تاکہ اول روز اور ابتداء شب میں دونوں ختم ہو جائیں اس غرض سے کہ اگر ختم
شب کو ہوتا ہے تو فرشتے صبح تک قاری پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، اور اگر دن کو ہوتا ہے تو شام تک یہی حال ہوتا ہے

---

[1] وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اور دھیان کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں ۱۲ [2] جس شخص نے
قرآن کو تین روز سے کم پڑھا اس نے اس کو نہیں سمجھا۔ اصحاب سنن بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت
ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

تو ابتداءِ روز و شب میں ختم سے یہ فائدہ ہے کہ فرشتوں کی برکت تمام دن اور رات کو حاوی ہو گی اور مقدار قراءت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر پڑھنے والا عابد ہو اور طریق آخرت کو عمل کے ذریعہ سے طے کرنا چاہتا ہے اور اس کو نہ چاہیئے کہ ایک ہفتہ میں دو ختموں سے کم کرے، اور اگر دل کے اعمال سے طے کرتا ہو یا علم کے پڑھانے میں مصروف رہتا ہو تو وہ اگر ایک ہفتہ میں ایک ہی ختم پر اکتفا کرے گا تب بھی مضائقہ نہیں۔ اور اگر قرآن کے معنی میں غور کرتا ہو تو اس کو ایک مہینہ میں ایک ہی ختم کافی ہے اس نظر سے کہ اس کو مکرر پڑھنے اور معانی سوچنے کی حاجت ہے **ادب سوم** تلاوت کی منزلوں کے باب میں کہ جو شخص ہفتہ میں ایک ختم کرے وہ قرآن مجید کی سات منزلیں کرلے کہ اصحابؓ نے بھی یہی منازل مقرر فرمائی ہیں، چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ شب جمعہ کو شروع سے لے کر سورۃ مائدہ کے اخیر تک پڑھتے اور شنبہ کی شب کو انعام سے ہود تک، اور یکشنبہ کی رات کو سورۃ یوسفؑ سے مریم تک، اور دوشنبہ کی شب کو طٰہٰ سے قصص تک، اور منگل کی رات کو عنکبوت سے صاد تک، اور بدھ کی رات کو زُمر سے سورہ رحمٰن تک، اور پنجشنبہ کی رات کو سورہ واقعہ سے آخر قرآن مجید تک پڑھتے اور حضرت ابن مسعودؓ بھی سات ہی منزلیں کرتے تھے مگر اس طرح نہ تھیں ان کی ترتیب جدا تھی۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن کی سات منزلیں ہیں اول منزل سورۃ فاتحہ کی تین سورتوں کی، دوسری پانچ کی، تیسری سات کی، چوتھی نو کی، پانچویں گیارہ کی، چھٹی تیرہ کی، ساتویں سورۃ قاف سے لے کر آخر تک کی، اب ان منازل کو فمی بشوق کہتے ہیں کہ ہر حرف شروع منزل کی سورۃ کا پہلا حرف ہے یعنی ف سے فاتحہ اور م سے مائدہ اور ی سے یونس اور ب سے بنی اسرائیل اور ش سے شعراء اور واؤ سے والصافات اور ق سے سورۃ قاف صحابہؓ نے اس طرح قرآن مجید کی منزلیں کی ہیں، اور اسی طرح پڑھا بھی کرتے تھے، اور اس باب میں ایک حدیث[2] بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اور یہ بات خمس اور عشر اور اجزا کے بننے سے پیشتر سے ہے اور یہ ساری چیزیں بعد کو ایجاد ہوئی ہیں **ادب چہارم** لکھنے کے باب میں مستحب ہے کہ قرآن مجید کو خوش خط اور صاف لکھے، اور سرخی سے نقطے اور علامتوں کے کرنے کا مضائقہ نہیں کہ اس میں زینت اور توضیح اور پڑھنے والوں کو غلط پڑھنے سے روکنا ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ قرآن مجید میں خمس اور عشر اور جز کو برا جانتے تھے۔ اور شعبیؒ اور ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ وہ بھی سرخی سے نقطے لگاتے اور اس پر اجرت لینے کو مکروہ جانتے تھے، اور کہتے تھے کہ قرآن کو صاف رکھو، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جو ان امور کو مکروہ کہا تو اس وجہ سے کہ کہیں رفتہ رفتہ اور زیادتیاں نہ بڑھ جائیں، اس لیے گو ان میں کچھ خرابی نہ تھی مگر اس راہ کے بند کرنے اور تغیر سے قرآن کے محفوظ رکھنے کو ایسا فرمایا۔ اور جس صورت میں کہ ان امور سے کوئی خرابی نہ ہوئی اور سب کے نزدیک یہ ٹھہرا کہ ان سے شناخت زیادہ ہو جاتی ہے تو اب ان کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں اور ان کا نو ایجاد ہونا اس مطلب کا مخل نہیں اس لیے کہ اکثر باتیں نو پیدا اچھی ہیں چنانچہ تراویح کی جماعت کو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اور یہ عمدہ ایجاد اور بدعت حسنہ ہے بری بدعت وہ ہے جو قدیم سنت کی ٹکر پر ہو اور سنت کو بدلے دیتی ہو۔ اور بعض اکابر کہا کرتے کہ میں نقطے دیے ہوئے قرآن مجید میں تلاوت کر لیتا

---

[1] ابو داؤد و ابن ماجہ بروایت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [2] ابو داؤد و نسائی و ترمذی ۱۲

ہوں مگر خود اس پر نقطے نہیں لگاتا ہوں، اوزاعیؒ یحییٰ بن کثیرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن مضمون میں اول صاف تھا پہلے پہل جو بات نئی پیدا ہوئی کہ ب اور ت پر نقطے دیے اور کہا کہ اس کا مضائقہ نہیں کہ یہ قرآن کا نور ہے پھر بعد اس کے آیتوں کی تمامی پر بڑے نقطے ایجاد کیے اور کہا کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں کہ اس سے آیتوں کا سرا معلوم ہوتا ہے، پھر بعد اس کے انجام و آغاز کے نشانات پیدا ہوئے۔ ابوبکر ہذلیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ مصحف میں اعراب لگانے کیسے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ قرآن پر اعراب کا کچھ مضائقہ نہیں اور خالد حذاء کہتے ہیں کہ میں ابن سیرینؒ کے پاس گیا اور ان کو دیکھا کہ اعراب دیے ہوئے قرآن میں تلاوت کرتے ہیں۔ حالانکہ اعراب کو بُرا جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعراب حجاج کے نکالے ہوئے ہیں۔ اور اس نے قاریوں کو بلوایا، سبھوں نے قرآن کے کلمات و حروف گنے اور اس کے حصے برابر کر کے تیس پاروں میں تقسیم کیا اور نصف و ربع وغیرہ میں تقسیم کی۔ - **ادب پنجم** کلام مجید کو اچھی طرح ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ ہم عنقریب بیان کریں گے کہ قراءت سے مقصود تفکر ہے پس جب اچھی طرح ٹھہر کر پڑھے گا تو تفکر پر مدد ملے گی، اور اسی جہت سے حضرت ام سلمہؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی صفت بیان کی تو کلمہ کلمہ کو جدا جدا بیان فرمایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اگر سورۂ بقر اور آلِ عمران ٹھہر کر پڑھوں اور ان کو سمجھتا جاؤں تو اس سے اچھا جانتا ہوں کہ سب قرآن کو جلد جلد پڑھ جاؤں، اور یہ بھی ان کا ارشاد ہے کہ میں اگر اذا زلزلت اور القارعۃ سمجھ کر پڑھوں تو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ سورہ بقر اور آل عمران کو گھسیٹ جاؤں، اور مجاہدؒ سے کسی نے پوچھا کہ وہ شخص نماز میں کھڑے ہوئے اور برابر ہی کھڑے رہے مگر ایک نے سورۂ بقر ہی پڑھی، اور دوسرے نے تمام قرآن پڑھا تو ثواب کس کو زیادہ ہوا، فرمایا کہ دونوں شخصوں کو برابر ثواب ہوا۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ ٹھہر کر پڑھنا اسی لیے مستحب نہیں ہے کہ اس کے معنی ہی سمجھے، کیونکہ اگر عجمی عربی نہ سمجھتا ہو وہ قرآن کے معنی کیسے سمجھے گا مگر پڑھنا ٹھہر کر اس کو بھی مستحب ہے، اس لیے کہ ٹھہر کر پڑھنے میں توقیر اور حرمت قرآن کی زیادہ ہے اور جلد پڑھنے کی نسبت اس کا اثر بھی دل میں زیادہ ہوتا ہے **ادب ششم** قراءت کے ساتھ رونا مستحب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ قرآن پڑھو اور گریہ کرو اور اگر رو نہ سکو تو رونی صورت بنالو، اور فرمایا[2] لیس منا من لم یتغن القراٰن اور صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خواب میں قرآن مجید پڑھا، آپؐ نے فرمایا کہ صالح یہ قراءت ہوئی ہے رونا کہاں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب تم سجدہ خدا تعالیٰ کا پڑھو تو سجدہ کرنے میں جلدی مت کرو جب تک کہ گریہ نہ کر لو، اگر تم میں سے کسی کی آنکھ سے آنسو نہ نکلے تو چاہیئے کہ اس کا دل زاری کرے اور بہ تکلف رونے کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے دل پر حزن موجود کرے کہ رونا غم سے ہی پیدا ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ قرآن حزن کے ساتھ اُترا ہے پس جب تم اس کو پڑھو تو حزن کیا کرو اور حزن کو دل میں موجود کرنے کی یہ صورت ہے کہ قرآن کی تہدید اور وعید اور عہد و میثاق کو سوچے اور پھر اس کے اوامر و نواہی

[1] ابن ماجہ بروایت سعد بن ابی وقاص ۱۲ [2] نہیں ہے ہم میں سے جو قرآن میں خوش الحانی نہ کرے ۱۲ بخاری بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

[3] ابویعلیٰ و ابونعیم اور حلیہ بروایت ابن عمرؓ بن ضعیف ۱۲

میں اپنی کوتاہی کو خیال کرے تو اس سے ضروری حزن اور غم آئے گا اگر اس تامل پر بھی صاف دل والوں کی طرح حزن اور گریہ دل میں نہ موجود ہو تو حزن و گریہ کے نہ ہونے کے لیے روو ے کہ یہ نہایت بڑی سختی ہے ادب ہفتم یہ ہے کہ آیات کے حقوق کا لحاظ رہے یعنی جب آیت سجدہ پر گذرے تو سجدہ کرے یا دوسرے سے سجدہ سنے تو جس وقت پڑھنے والا سجدہ کرے بشرطیکہ طہارت رکھتا ہو۔ اور قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں، اور سورۂ حج میں دو سجدہ ہیں اور سورہ ص میں سجدہ نہیں، اور ادنیٰ درجہ سجدۂ تلاوت کا یہ ہے کہ اپنی پیشانی زمین پر لگا دے، اور کامل سجدہ یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے اور سجدہ میں ایسی دعا مانگے جو مناسب آیتِ سجدہ ہو، پس مثلاً جب آیت یہ پڑھے[۱] خروا سجدا وسبحوا بحمد ربهم وهم لا يستكبرون تو سجدہ میں یہ مانگے[۲] اللهم اجعلني من الساجدين لوجهك المسبحين بحمدك واعوذبك ان اكون من المتكبرين عن امرك او على اوليائك اور جب یہ آیت پڑھے[۳] ويخرون للاذقان يبكون ويزيدهم خشوعا تو یوں دعا مانگے[۴] اللهم اجعلني من الباكين اليك الخاشعين لك اور اسی طرح ہر آیتِ سجدہ کے موافق سجدہ میں پڑھے دعا اور سجدہ تلاوت میں نماز کی شرطیں شرط ہیں یعنی ستر عورت اور قبلہ رو ہونا اور پاک ہونا کپڑے کا اور بدن کا حدث اور نجاست سے طاہر ہونا، اور جو شخص سجدے کے سننے کے وقت طہارت نہ رکھتا ہو وہ جس وقت طہارت کرے اس وقت سجدہ کرلے۔ اور بعضوں نے سجدۂ تلاوت کے کمال میں یہ کہا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر بنیت تحریمہ کے لیے اللہ اکبر کہے پھر سجدہ کرنے کے لیے اللہ اکبر کہے پھر سر اٹھانے کے لیے اللہ اکبر کہے، پھر سلام پھیرے اور بعض پڑھانے والوں نے سجدۂ تلاوت میں تشہد کو زیادہ کیا ہے اور اس کی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی بجز اس کے کہ نماز پر قیاس کیا ہو، اور اس سجدہ کا نماز پر قیاس کرنا بعید ہے کیونکہ یہ سجدہ کے لیے حکم ہونے کی جہت سے وارد ہوا ہے تو اس میں لفظ سجدہ ہی کا اتباع چاہیئے اور سجدہ میں جانے کے لیے اللہ اکبر کہنا البتہ شرع کے مناسب ہے اس کے سوا اور امور میں بعد معلوم ہوتا ہے پھر مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے سجدہ کرنے کے وقت سجدہ کرے خود اپنی تلاوت کا اقتدا کی حالت میں نہ کرے ادب ہشتم یہ ہے کہ جب تلاوت شروع کرے اس وقت کہے[۵] اعوذ بالله السميع العليم من الشيطن الرجيم اعوذبك من همزات الشياطين و اعوذبك رب ان يحضرون اور قل اعوذ برب الناس اور سورہ الحمد پڑھے اور ہر سورت کے تمام ہونے پر کہا جائے

---

[۱] اگر گر پڑیں سجدہ کو کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ بڑائی نہیں کرتے ۱۲ [۲] الٰہی تو مجھ کو اپنی ذات کے لیے سجدہ کرنے والوں میں اور اپنی حمد کے ساتھ پاکی بولنے والوں میں کر دے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں ہوں تیرے امر سے تکبر کرنے والا یا تیرے دوستوں پر بڑائی جتانے والا ۱۲ [۳] اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی ۱۲ [۴] الٰہی تو کر مجھ کو رونے والوں سے اپنے سامنے اور فروتنی کرنے والوں سے تیرے لیے ۱۲ [۵] پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سننے جاننے کی شیطان مردود سے اے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے خطروں سے اور پناہ مانگتا ہوں اے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں ۱۲

صدق اللہ تعالیٰ وبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم انفعنا بہ وبارک لنا فیہ الحمد للہ رب العلمین واستغفر اللہ الحی القیوم[1] اور اثنائے تلاوت میں جب آیت تسبیح پر گذرے تو سبحان اللہ واللہ اکبر کہے، اور جب دعا اور استغفار کی آیت آئے تو دعا اور استغفار کرے اور جب آیت رجا آئے تو اس کی درخواست کرے، اور خوف کی آیت پر گذرے تو پناہ مانگے، اس سوال و پناہ مانگنے وغیرہ کو زبان سے کہے خواہ دل میں کرے مثلاً یوں کہے[2] سبحان اللہ نعوذ باللہ اللھم ارحمنا حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپؐ نے سورۂ بقر شروع کی تو آپؐ کسی آیتِ رحمت پر نہ گذرے کہ دعا نہ مانگی ہو اور نہ کسی آیت عذاب پر کہ پناہ نہ مانگی ہو، اور نہ کسی آیتِ تنزیہ پر کہ سبحان اللہ نہ کہا ہو۔ اور جب تلاوت سے فارغ ہو تو وہ دعا پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم کے وقت فرمایا کرتے تھے اور وہ یہ ہے[3] اللھم ارحمنی بالقرآن واجعلہ لی اماما ونورا وھدی ورحمۃ اللھم ذکرنی منہ مانسیت وعلمنی منہ ماجھلت وارزقنی تلاوتہ اناء اللیل واطراف النھار واجعلہ لی حجۃ یارب العلمین **ادب نہم** قرأت کا پکار کر پڑھنا ہے اور اتنا پکار کر پڑھنا تو بے شک ضروری ہے کہ اپنی آواز آپ سُنے اس لیے کہ قرأت کے معنی یہ ہیں کہ آواز کو حروف سے پارہ پارہ کرے تو آواز کا ہونا ضروری ہے جس کے ٹکڑے ہوئیں اور ادنیٰ مرتبہ قرأت کا یہ ہے کہ اپنی آواز آپ سُنے اور اگر خود نہ سنے گا تو ایسی قرأت سے نماز نہ ہوگی اس لیے وہ داخل قرأت نہیں، باقی رہا اتنا پکار کر پڑھنا کہ دوسرا شخص سُنے تو وہ ایک طرح سے اچھا ہے اور ایک وجہ سے بُرا۔ اور آہستہ پڑھنے کے مستحب ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] آہستہ پڑھنے کی فضیلت پکار کر پڑھنے پر اتنی ہے جتنی خفیہ صدقہ دینے کی علانیہ خیرات کرنے پر ہے، اور ایک دوسری روایت ہے کہ قرآن کو پکار کر پڑھنے والا ایسا ہے جیسے علانیہ صدقہ دینے والا، اور اس کو آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے جیسے خفیہ خیرات کرنے والا، اور ایک حدیث میں عام ارشاد ہے کہ خفیہ عمل علانیہ عمل سے ستّر گنا زیادہ ہے، اور اسی طرح یہ ارشاد[5] خیر الرزق

---

[1] سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور پہنچایا اس کو ہم تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الٰہی تو اس سے ہم کو نفع دے اور اس میں ہمارے لیے برکت کر، سب تعریفیں اللہ کو ہیں کہ پروردگار عالموں کا، اور میں بخشش چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ زندہ اور توانا سے ۱۲

[2] ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی الٰہی ہم کو روزی دے ۱۲ الٰہی ہم پر رحم کر ۱۲ [3] مع اندک اختلاف از احیاء ۱۲ الٰہی مجھ پر رحم کر قرآن سے اور کردے اس کو میرے لیے امام اور نور اور ہدایت اور رحمت، الٰہی یاد کرا دے مجھ کو اس سے جو میں بھولا ہوں اور جتا دے مجھ کو اس سے جو میں نے نہ جانا ہو۔ اور نصیب کر مجھ کو اس کی تلاوت رات کی گھڑیوں میں اور دن کی طرفوں یعنی صبح اور شام میں۔ اور کر دے اس کو میرے لیے محبت اے پروردگار جہانوں کے ۱۲ ح ابو منصور مظفر بن حسین د

[4] بیہقی نور شعیب بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲ [5] بہتر رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو ۱۲ ابن حبان بروایت سعد بن ابی وقاصؓ ۱۲

ما یکفی وخیر الذکر الخفی اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کی قراءت میں ایک دوسرے کو پکار کر مت پڑھو، اور ایک رات سعید بن مسیبؓ نے مسجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عمر بن عبد العزیز کو نماز میں پکار کر کلام مجید پڑھتے سنا اور آپ خوش آواز تھے، حضرت سعید بن مسیبؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اس نمازی کے پاس جاؤ اور کہو کہ اپنی آواز کو پست کرو، غلام نے کہا کہ مسجد کچھ ہماری نہیں اور اس شخص کا بھی اس میں حق نماز پڑھنے کا ہے میں کیسے منع کروں آپ نے بآوازِ بلند کہا کہ اے نمازی اگر تجھ کو اپنی نماز سے خدا تعالیٰ مقصود ہے تو اپنی آواز پست کر، اور اگر خلق مقصود ہے تو وہ خدائے تعالیٰ کے یہاں تیرے کسی کام نہ آئے گی۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز چپ ہو گئے۔ اور رکعت کو مختصر پڑھا اور سلام پھیر اپنی جوتیاں لے کر مکان کو چلے آئے۔ اور وہ اس وقت مدینہ منورہ کے حاکم تھے اور پکار کر پڑھنے کے مستحب ہونے پر یہ روایت دال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چند اصحابؓ کو سنا کہ رات کی نماز میں قرآن پکار کر پڑھتے ہیں، آپ نے ان کے پڑھنے کو درست فرمایا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھ کر نماز پڑھے تو قرات پکار کر پڑھے کہ فرشتے اور اس کے مکان کے جنات اس کی قراءت سنتے ہیں اور وہی نماز وہ بھی پڑھتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحابؓ میں سے تین شخصوں پر گذرے جن کے حالات مختلف تھے۔ حضرت ابوبکرؓ پر گذرے تو ان کو دیکھا کہ بہت آہستہ پڑھ رہے تھے، آپ نے ان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جس سے میں مناجات کرتا ہوں وہ بے شک میری سنتا ہے، اور حضرت عمرؓ پر گزرے، وہ پکار پکار کر پڑھ رہے تھے، آپ نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا کہ میں سوتے شخصوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو جھڑکتا ہوں، اور حضرت بلالؓ پر گذرے کہ وہ چند آیتیں ایک سورۃ کی اور چند دوسری کی پڑھ رہے تھے، ان سے جو آپ نے سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں عمدہ کو عمدہ کے ساتھ ملا رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم سب نے خوب کیا اور بہتر کیا، جب خفیہ اور علانیہ دونوں کے پڑھنے میں احادیث وارد ہیں تو ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آہستہ پڑھنا ریا سے بعید تر ہے اور بناوٹ کو اس میں دخل نہیں تو جو شخص اپنے نفس پر ریا اور بناوٹ کا خوف رکھتا ہو اس کے حق میں آہستہ پڑھنا ہی بہتر ہے، اور اگر اس امر کا خوف نہ ہو اور نہ پکار کر پڑھنے سے کسی دوسرے کے پڑھنے میں خلل ہوتا ہے تو اس صورت میں پکار کر پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں عمل بہت ہے اور اس کا فائدہ غیر کو بھی پہنچتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جو چیز دوسرے کو بھی پہنچے وہ اس سے بہتر ہے کہ جو ایک ہی کو پہنچے، اور وجہ یہ ہے کہ پکار کر پڑھنا قاری کے دل کو ہشیار کرتا ہے اور اس کی ہمت کو قرآن میں فکر کرنے کے لیے جمع کر دیتا ہے اور اس کے کان کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور نیند کو دفع کر دیتا ہے اور پڑھنے کا مزہ زیادہ ہوتا ہے، اور تکان کم کرتا ہے اور یہ بھی امید ہوتی ہے کہ کوئی سوتا ہو، آواز کو سن کر جاگ پڑے تو اس کی شب بیداری

ابوداؤد از حدیث بیاضی مگر اس میں مغرب اور عشاء کے درمیان کی قید نہیں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا و ابو موسیٰ ۱۲ ابوبکر بزاز نصر مقدسی بروایت معاذ بن جبل اور یہ حدیث منکر اور منقطع ہے ۱۲ ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

کا باعث پڑھنے والا ہی ہوگا۔ اور بعض اوقات کوئی غافل بے کار آدمی اس کو دیکھ کر خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور بفحوائے آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد قاری کی کیفیت اس کے دل میں اثر کر جاتی ہے اور کچھ کرنے کا مشتاق ہو جاتا ہے پس اگر قاری کی ان نیتوں میں سے کوئی نیت ہو تو پکار کر پڑھنا اچھا ہے، اور اگر یہ سب نیتیں جمع ہو جائیں تو اجر بھی متضاعف ہوگا، کیونکہ نیتوں کی کثرت سے اعمال بڑھتے ہیں اور ان کا ثواب مضاعف ہوتا ہے، مثلاً ایک کام میں دس نیتیں ہوں تو اس میں دس ثواب ہوں گے اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن کو مصحف میں دیکھ کر پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس میں آنکھ کا کام مصحف کا دیکھنا اور ہاتھوں سے اٹھانا زیادہ ہے، اسی وجہ سے اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ دیکھ کر قرآن پڑھنا سات گنا ثواب رکھتا ہے اس لیے کہ مصحف کا دیکھنا بھی تو عبادت ہے، حضرت عثمانؓ اس کثرت سے مصحف میں تلاوت کرتے تھے کہ دو قرآن آپ کے پاس پھٹ گئے تھے، اور اکثر صحابہؓ کا یہی دستور تھا کہ دیکھ کر تلاوت کرتے تھے اور یہ برا سمجھتے تھے کہ کوئی دن ایسا گزرے جس میں مصحف کو نہ دیکھ لیں۔ مصر کے ایک فقیہ حضرت امام شافعیؒ کے پاس سحر کے وقت آئے اور آپ کے سامنے قرآن کھلا ہوا تھا، آپ نے اس فقیہ سے کہا کہ فقہ نے تم کو قرآن سے روک دیا، مجھ کو دیکھو کہ میں عشاء پڑھ کر قرآن اپنے سامنے رکھتا ہوں اور صبح تک اس کو بند نہیں کرتا ادب ششم قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنا اور قراءت کو سنوار کر ادا کرنا، مگر حروف کو اتنا نہ کھینچے کہ الفاظ بدل جائیں یا ان کے انتظام میں ابتری ہو جائے بلکہ ایک خوبی اور نیک نیت کے ساتھ پڑھے کہ سنت ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۱] زینوا القرآن باصواتکم اور فرمایا[۲] ما اذن اللہ بشیئ ما اذن نبیا ان یتغنّٰی بالقرآن اور فرمایا[۳] لیس منا من لم یتغنّٰی بالقرآن بعض اس حدیث سے یہ مراد رکھتے ہیں کہ استغنا مقصود ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد لہجہ کو سنوارنا اور الحان سے پڑھنا ہے اور لغت والوں کے نزدیک ثواب کے قریب پچھلے ہی معنی ہیں، اور مروی ہے[۴] کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کا انتظار کرتے تھے وہ دیر کر کے تشریف لائیں، آپؐ نے فرمایا کہ دیر کیوں ہوئی، آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں ایک شخص کی قرأت سنتی تھی کہ اس سے زیادہ خوش آواز میں نے نہیں سنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور تشریف لے جا کر دیر تک اس شخص کی تلاوت سن کر لوٹ آئے اور فرمایا کہ یہ شخص ابوحذیفہ کا مولا ہے خدا کا شکر ہے کہ جس نے میری امت میں ایسا شخص کیا، اور ایک رات[۵] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تلاوت سنی اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما تھے، بہت دیر تک کھڑے رہے پھر آنحضرت

---

[۱] ح قرآن کو آراستہ کرو اپنی آوازوں سے ابوداؤد و نسائی و حاکم بروایت براء ابن عازبؓ ۱۲ [۲] ح اللہ تعالیٰ نے اور کسی چیز کا اس قدر حکم نہیں دیا جتنا کہ قرآن کی خوش آوازی کے لیے کسی نبی کو حکم دیا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ اور یہ کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس قدر بھی خوش آواز پیغمبر کے عمدہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ نے توجہ سے سماعت فرمائی اس قدر کسی دوسری چیز کی سماعت نہیں فرمائی اور یہی معنی اقرب و اصح ہیں واللہ اعلم ۱۲ امیر علی ۱۲ [۳] ح یہ حدیث آداب تلاوت میں اوپر گزری ۱۲ [۴] ح ابن حبان بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲، [۵] ح احمد و نسائی بروایت عمر رضی اللہ عنہ ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ع] من اراد ان یقرأ القرآن غضا کما انزل فلیقرأہ علی قرأۃ ابن ام عبد ابن ام عبد[ع۲] اور ایک بار آپؐ نے حضرت ابن مسعودؓ کو فرمایا کہ قرآن مجھ کو سناؤ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپؐ تو اترا ہی ہے آپ ہی کو سناؤں، آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دوسرے سے سنوں، پس حضرت ابن مسعودؓ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشم مبارک سے آنسو بہاتے تھے، اور ایک بار[ع۳] آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا پڑھنا سُنا تو فرمایا کہ اس شخص کو آلِ داؤد کی مزامیر میں سے کچھ عنایت ہوا ہے، یہ خبر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو پہنچی، انہوں نے عرض کیا کہ یارسولُ اللہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپؐ سنتے ہیں تو میں آپؐ کے لیے اور بنا سنوار کر پڑھتا، اور قاری ہیثم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ہیثم تو ہی ہے جو قرآن کو اپنی آواز سے سنوارتا ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب جب جمع ہوتے تو اپنے مجمع میں سے ایک شخص سے کہتے کہ تم کوئی سورت قرآن کی پڑھو اور حضرت عمرؓ حضرت موسیٰ سے کہتے کہ ہم کو ہمارے رب کی یاد دلاؤ، حضرت ابوموسیٰؓ آپ کے سامنے یہاں تک قرآن پڑھتے کہ نماز کا وقت درمیانی ہونے کو آجاتا، اس وقت لوگ کہتے کہ یا امیرالمؤمنین الصلوٰۃ الصلوٰۃ تو آپ فرماتے کہ کیا ہم نماز میں نہیں ہیں یعنی یہ ارشاد تھا اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر کہ فرماتا ہے[ع۴] ولذکر اللہ اکبر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ع۵] کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب مجید میں سے ایک آیت سنے گا وہ اس کے لیے قیامت میں نور ہوگی، اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اور جب سننے والے کو اتنا ثواب ہو اور پڑھنے والا اس ثواب کا سبب ہے تو وہ بھی اس میں شریک ہوگا بشرطیکہ اس کا قصد ریا اور تکلف نہ ہو۔

تیسری فصل۔ تلاوت کے اعمال باطنی وہ بھی دس ہی ہیں

اوّل سمجھنا اصل کلام کا، یعنی کلام کی عظمت اور بزرگی کو جاننا اور خدائے تعالیٰ کے فضل واحسان کو خلق پر سمجھنا کہ اس نے عرش بریں سے اس کلام کو ایسے درجہ میں آتار دیا کہ خلق کی سمجھ میں آجائے۔ تو اب تامل کرنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی مہربانی خلق پر کتنی ہے کہ جو کلام کہ اس کی صفت قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قائم تھا، اس کے معانی کو خلق کی سمجھ میں پہنچادیا اور وہ صفت حروف واصوات کے پیچ میں پڑ کر کسی طرح خلق کو ظاہر ہوئی حالانکہ حروف واصوات بشر کے صفات ہیں، لیکن چونکہ بشر کو طاقت نہیں کہ بدوں ذریعہ اپنے صفات نفس کے خدا تعالیٰ کے صفات کو سمجھ سکے اس لیے

ع جو شخص چاہے کہ قرآن آہستہ اور اچھی آواز سے پڑھے جیسا اترا ہے تو اس کو چاہیئے کہ ابن مسعودؓ کی قرأت پر پڑھے ۱۲ ع۲ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ ع۳ بخاری ومسلم بروایت ابوموسیٰ ۱۲ ع۴ اور البتہ اللہ کی یاد بہت بڑی ہے ۱۲ ع۵ نے بروایت ابوہریرۃؓ ان دونوں کو روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور انقطاع ہے ۱۲

ان حروف واصوات کے پیرایہ میں اس صفت کو کر دیا ، اگر بالفرض کلامِ الٰہی کے کنہ جلال حروف کے پیرایہ میں چھپی نہ ہوتی تو عرش بھی اس کلام کے سننے پر نہ ٹھہرتا ، نہ خاک کو تاب اس کے سننے کی ہوتی ۔ بلکہ اس کی عظمت اور اشعہ نور سے عرش فرش تک سب متفرق ہو جاتے ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ ثابت نہ رکھتا تو ان کو اس کے کلام کے سننے کی تاب نہ ہوتی ، جیسے پہاڑ کو اس کی ادنیٰ تجلی کی طاقت نہ ہوتی اور ریزہ ریزہ ہو گیا ۔ اور کلام کی عظمت کا سمجھنا بدوں ایسی مثالوں کے ممکن نہیں جو خلق کی فہم کی حد تک ہوں ، اور اس نظر سے بعض عارفوں نے اس عظمت کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ کلام الٰہی میں سے لوح محفوظ میں ہر حرف کوہ قاف سے بڑا ہے اور سب فرشتے اگر اس بات پر متفق ہوں کہ اس کے ایک حرف کو اٹھائیں تو ان کو اس کی طاقت نہ ہو ۔ یہاں تک کہ اسرافیل علیہ السلام جو لوح محفوظ کے فرشتے ہیں آکر اٹھا لیتے ہیں ، اور ان کا اٹھانا بھی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے نہ ان کے زور وطاقت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے اٹھانے کی طاقت دے دی ہے اور اس میں ان کو مصروف رکھا ہے اور باوجود کلام کے عالی درجہ ہونے کے اس کے معانی فہم انسان میں پہنچیں اور آدمی کم رتبہ ہو کر اس کے سمجھنے میں ثابت رہے اس کے لیے ایک حکیم نے نہایت پاکیزہ وجہ بیان کی ہے اور ایک مثال لکھی ہے جس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ وہ یہ ہے کہ اس نے کسی بادشاہ سے استدعا کی کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعت اختیار کرو ، بادشاہ نے اس حکیم سے چند باتیں پوچھیں ، ان کا جواب حکیم نے ایسا دیا جو بادشاہ کی سمجھ میں آ سکے ۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ بھلا بتاؤ یہ کہ جو کلام انبیاء لاتے ہیں اس کو تم دعوے کرتے ہو کہ آدمیوں کے کلام نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے ، پھر اس کلام کو آدمی کیسے سمجھتے ہیں ؟ حکیم نے جواب دیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کسی چوپائے یا پرند کو سمجھانا چاہتے ہیں مثلاً آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یا سامنے منہ کرنا یا پشت پھیرنا وغیرہ ان کو معلوم ہے کہ چوپایوں کی سمجھ اس بات سے قاصر ہے کہ جو کلام ہمارے نور عقل سے حسن ترتیب اور انتظام نادر کے ساتھ سرزد ہوتا ہے اس کو سمجھ لیں تو بالضرور ان کو بہائم کے درجہ کی طرف اترنا پڑتا ہے اور اپنے مقصود کو ان کے اندر ایسی آوازوں سے پہنچاتے ہیں جو بہائم کی سمجھ کے مناسب ہوں مثلاً ٹخ ٹخ کرنا ، سیٹی بجانا اور اسی کے قریب دوسری آوازیں جن کو جانور سمجھ سکیں ۔ اسی طرح آدمی بھی کلام الٰہی کو اس کی ماہیت اور کمال صفات کے ساتھ سمجھنے سے عاجز ہیں تو انبیاء بھی ان کے ساتھ وہی چال چلے جو آدمی چوپایوں کے ساتھ برتتے ہیں یعنی اس کلام پاک کو ایسے الفاظ حروف میں بیان کیا جس سے آدمی اس کی حکمت کو سمجھ جائیں جیسے جانور سیٹی وغیرہ سے ان کے مطالب کو سمجھ لیتے ہیں اور چونکہ حکمت کے معانی ان حروف اصوات میں پوشیدہ رہتے ہیں ۔ اسی جہت سے ان معانی کی شرافت اور عظمت کے سبب سے کلام کی عظمت کی جاتی ہے تو گویا آواز حکمت کا جسم اور مکان ہے اور حکمت آواز کے لیے روح اور جان پس جیسے آدمیوں کے جسم روح ہونے کے باعث مکرم اور معزز ہوتے ہیں اسی طرح کلام کے اصوات وحروف بھی ان حکمتوں کی جہت سے جو ان کے ضمن ہونے کی ہیں مشرف ومقصود ہوتے ہیں اور کلام منزلت بلند اور درجہ رفیع رکھتا ہے غلبہ میں زبردست حق وباطل میں حکم جاری کرنے والا حاکم عادل اور گواہ پسندیدہ ہے ۔ اسی سے امر ہوتا ہے اور یہی نہی کرتا ہے باطل کو یہ تاب نہیں کہ حکمت کے کلام کے سامنے ٹھہرے جیسے سایہ آفتاب کی شعاع کے سامنے نہیں ٹھہرتا ۔ اور انسانوں کو یہ طاقت نہیں کہ حکمت کی تہ کے پار ہو جائیں جیسے ان کو یہ مقدور نہیں

کہ اپنی آنکھوں کو جسمِ آفتاب کے پار کر دیں، لیکن آفتاب کی روشنی سے ان کو اسی قدر ملتا ہے کہ جس سے ان کی آنکھوں میں نور آجائے اور صرف اپنی حاجات کو معلوم کر لیں، غرض کلام کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی بادشاہ ہے جس کا چہرہ معلوم نہیں ہوتا اور اس کا حکم جاری ہے یا آفتاب ہے کہ اس کی روشنی ظاہر ہے اور اس کا عنصر پوشیدہ ہے یا ستارہ روشن ہے کہ بعض اوقات جس شخص کو اس کی چال سے واقفیت نہیں اس کو بھی اس سے راہ مل جاتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کلام نہایت نفیس خزانوں کی کلید ہے اور وہ آبِ حیات ہے کہ جس نے اس میں سے پیا وہ زندہ جاوید ہوا اور ایسی دوا ہے کہ جس نے اس کو نوش جان کیا کبھی بیمار نہ ہوا۔ غرضکہ یہ امر جو حکیم نے بیان کیا ہے معنی کلام کے سمجھانے کے لیے ایک شمہ ہے اور اس سے زیادہ بیان کرنا علم معاملہ کے مناسب نہیں اسی لیے اس قدر پر اقتصار کیا جاتا ہے **دوم** کلام کرنے والے کی عظمت کہ قاری کو تلاوتِ قرآن کے شروع کرنے کے وقت اپنے دل میں متکلم کی عظمت ظاہر کرنی چاہیئے اور یہ جانے کہ جو کچھ میں پڑھتا ہوں یہ آدمی کا کلام نہیں اور یہ کہ کلام مجید کی تلاوت میں بہت سا خطر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] لا یمسہ الا المطہرون اور جس طرح کہ ظاہر جلد قرآن کی اور اس کے ورق اس بات سے محفوظ ہیں کہ آدمی کی جلد بدون طہارت اس کو لگے اسی طرح اس کے اندر کے معنی بھی بباعث اس عزت و بزرگی کے دل کے اندر بد دل ہر طرح کی ناپاکی سے پاک ہونے کے اور نور تعظیم و توقیر سے منور ہونے کے نہیں آسکتے۔ اور جس طرح ہر ایک ہاتھ جلد مصحف کے چھونے کا شایاں نہیں، اسی طرح اس کے حروف کی تلاوت کو بھی ہر ایک زبان لیاقت نہیں رکھتی، اور نہ ہر ایک دل کو اس کے معانی کے حاصل کرنے کی قابلیت ہے اور اسی جیسی تعظیم کی جہت سے عکرمہ بن ابی جہل جب قرآن مجید کو کھولتے تو بے ہوش ہو جاتے اور کہتے کہ یہ کلام میرے پروردگار کا ہے، یہ کلام میرے رب کا ہے۔ **خلاصہ** یہ کہ کلام کی عظمت سے متکلم کی عظمت ہوتی ہے، اور متکلم کی عظمت دل میں نہیں آتی جب تک کہ اس کے صفات اور بزرگی اور افعال میں فکر نہ کریں، پس جب کہ قاری کے دل میں عرش اور کرسی اور آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں یعنی جن اور انسان اور حیوانات اور درخت آئیں اور جانے کہ ان سب کا پیدا کرنے والا اور ان پر قدرت رکھنے والا اور ان کو روزی دینے والا واحد و یکتا ہے اور سب کے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اس کے فضلِ رحمت اور عذاب و سطوت میں متردد ہیں، اگر وہ انعام کرے گا تو اپنے فضل سے اور اگر عذاب کرے گا تو اپنے عدل سے، اور اسی کا یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ بہشت کے لیے ہیں اور مجھ کو پرواہ نہیں اور یہ لوگ دوزخ کے واسطے ہیں اور مجھ کو پرواہ نہیں، اور یہ نہایت عظمت اور بزرگی ہے کہ کسی چیز کی پرواہ نہ ہو تو ایسی باتوں کے سوچنے سے متکلم کی عظمت دل میں آتی ہے پھر کلام کی تعظیم اس میں جاگزیں ہوتی ہے **سوم** دل کا حاضر ہونا اور حدیث نفس کا نہ ہونا، بعض مفسرین نے یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ[2] کی تفسیر میں کہا ہے کہ قوت سے مراد کوشش اور اجتہاد ہے اور کتاب کو کوشش سے لینے کے یہ معنی ہیں کہ اس کو پڑھنے کے وقت اسی کے لیے ہو رہے اور ہمت کو اس میں صرف کر دے دوسری چیز میں صرف ہمت نہ کرے۔ اور بعض اکابر سے کسی نے پوچھا کہ جب تم قرآن مجید پڑھتے ہو تو تم اپنے نفس میں کسی چیز کی بات کرتے ہو یا کہ نہیں

[1] اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک رہتے ہیں ۱۲ [2] یحییٰ اٹھالے کتاب زور سے ۱۲

فرمایا کہ بھلا قرآن سے زیادہ مجھے کوئی چیز پیاری ہے جس کی بات میں اپنے جی میں کروں، اور بعض اکابر سلف کا دستور تھا کہ جب کوئی سورت پڑھتے اور اس میں دل حاضر نہ ہوتا تو اس کو دوبارہ پڑھتے، اور یہ صفت حضور دل کی پہلی صفت یعنی کلام کی تعظیم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس کلام کو آدمی پڑھتا ہے، اگر اس کی تعظیم کرے گا تو اس سے اُنس حاصل کرے گا، اور بشارت کا خواہاں ہوگا اور اس سے غافل نہ ہوگا۔ اور قرآن مجید میں وہی چیزیں ہیں جن میں اُنس ہو اور دل لگے بشرطیکہ پڑھنے والا اس کا اہل ہو، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جو قرآن پڑھے وہ دوسری چیزیں فکر کرنے سے اس کا طالب ہو، قرآن تو خود سیرگاہ اور تماشا کا مقام ہے جو شخص سیر کے مقاموں کا تماشا کرتا ہوگا وہ ان کے سوا اور چیزوں میں فکر نہ کرے گا، چنانچہ کہتے ہیں کہ قرآن کے کلام میں، میدان اور بستان اور مقصورے اور عروسیں اور دیبا اور گلزار اور سرائیں ہیں اس طرح کہ میم اس کے میدان ہیں اور قرآن کے بستان اور ح اس کے حجرے اور جن سورتوں کے شروع میں سبحان یا تسبیح ہے اور ہ اس کی عروسیں ہیں اور ساتوں حٰم اس کا دیبا ہیں اور مفصل سورتیں اس کی گلزار ہیں اور ان کے سوا سرائیں ہیں۔ پس جس وقت قاری میدانوں میں داخل ہو اور بوستانوں میں داخل ہو اور بوستان کے میوے توڑے اور حجروں میں گھسے اور عروسوں کو دیکھے اور دیبا پہنے اور گلزار کی گلگشت کرے اور سرایوں کی کوٹھڑیوں میں ٹھیرے تو یہ باتیں اس کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دیں گی، انہیں میں ڈوبا رہے گا اس کا دل علٰحدہ نہ ہوگا نہ فکر مٹے گا چہارم قرأت میں تامل کرنا، یہ امر حضور دل کے سوا ہے کہ بعض اوقات تلاوت کرنے والا قرآن کے سوا دوسری چیز میں تو فکر نہیں کرتا مگر صرف قرآن اپنی زبان سے پڑھتا ہے اس کو سمجھتا نہیں حالانکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور تامل کرنا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو ٹھیر کر پڑھنا مسنون ہوا ہے کہ اگر ظاہر میں ٹھیر کر پڑھے گا تو دل میں سوچتا اور سمجھتا جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس عبادت میں سمجھ نہ ہو نہ اس میں برکت ہوتی ہے اور نہ جس تلاوت میں تامل ہو اس میں بہتری ہوتی ہے۔ اور اگر تلاوت کرنے والا بدوں دوبارہ پڑھنے کے معنی میں تامل نہ کر سکے تو چاہیئے کہ دوبارہ پڑھے لیکن امام کے پیچھے ایسا نہ چاہیئے کیونکہ اگر یہ ایک آیت کو سوچتا رہے گا اور امام دوسری آیت میں مشغول ہو جائے گا تو برا کرے گا اور اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص اس کے کان میں بات کہے اور یہ ایک ہی لفظ سے تعجب کرنے لگے اور اس میں باقی گفتگو کچھ نہ سمجھے اور یہی حال ہے اگر امام رکوع میں ہو اور یہ اس کی پڑھی ہوئی آیت میں فکر کر رہا ہو بلکہ جس رکن میں جائے اور جو کچھ پڑھے اسی کو سوچے، دوسری بات سوچنا داخل وسواس ہے، چنانچہ عامر بن عبد قیس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو نماز میں وسواس ہوا کرتا ہے لوگوں نے کہا کہ دنیا کے معاملات کا وسوسہ ہوتا ہے، فرمایا کہ دنیا کے وسوسوں سے تو میں اپنے حق میں اس کو بہتر جانتا ہوں کہ نیزوں کی بھالیں میرے آر پار کر دی جائیں، بلکہ وہ صورت یہ ہے کہ میرا دل اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے میں لگ جاتا ہے اور یہ سوچنے لگتا ہے، کہ یہاں سے کیسے پھروں تو دیکھو کہ انہوں نے اس کو بھی وسواس جانا اور واقع میں اس اعتبار سے وسواس ہے کہ جس رکن میں آدمی ہو اس کو سمجھنے نہیں دیتا، اور شیطان ایسے لوگوں پر بدوں اس صورت کے قابو نہیں پاتا کہ ان کو کسی دینی ضرورت میں مشغول کر دے اور جو افضل بات ہے اس سے روک دے، اور جب یہ معاملہ حضرت حسن بصریؒ کے سامنے مذکور ہوا تو فرمایا کہ اگر تم ان کا یہ حال سچ کہتے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان نہیں کیا، اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

ح؎ ابو ذر ہروی بروایت ابوہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲

علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور بیس دفعہ اس کو دہرایا اور اتنی دفعہ پڑھنے کی یہی وجہ تھی کہ آپ اس کے معانی میں فکر کرتے تھے۔ اور حضرت ابوذرؓ سے یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات ہم کو نماز پڑھائی اور تمام رات ایک ہی آیت کو مکرر پڑھتے رہے، اور وہ یہ آیت ہے[1] ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم اور تمیم داری نے ایک رات اس آیت میں بسر کردی۔ ام[2] حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين امنوا وعملوا الصلحت سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون ۰ اور سعید بن جبیر نے اس آیت کو پڑھتے پڑھتے صبح کردی[3] وامتازوا اليوم ايها المجرمون اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں ایک سورۃ شروع کرتا ہوں اس میں بعض بات ایسی مشاہدہ کرتا ہوں کہ صبح تک کھڑا رہتا ہوں، وہ سورت پوری نہیں ہوتی، اور بعض اکابر یہ فرمایا کرتے کہ جتنی آیتیں میں نہیں سمجھتا اور ان میں میرا دل نہیں ہوتا اس میں ثواب نہیں جانتا، اور ابو سلیمان دارانی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت پڑھتا ہوں اور چار پانچ شبیں اسی میں بسر ہو جاتی ہیں اور اگر میں خود اس میں فکر کرنا چھوڑوں تو دوسری آیت کی نوبت ہی نہ آئے اور بعض اکابر سلف سے منقول ہے کہ وہ سورۃ ہود میں چھ ماہ رہے اسی کو مکرر پڑھا کیے اور اس میں فکر کرنے سے فرصت نہ ملی، اور بعض عارف فرماتے ہیں کہ میرا ختم تو ایک ہفتہ وار ہے اور ایک ہر مہینہ میں اور ایک ہر سال میں، اور ایک وہ ہے کہ تیس برس سے میں نے شروع کیا ہے ابھی تک اس سے فارغ نہیں ہوا یعنی جس قدر فکر اور تفتیش زیادہ ہوا اسی قدر مدت ختم کی بڑھتی ہے، اور یہ بھی ان بزرگ کا قول تھا کہ میں نے اپنے نفس کو مزدور کے قائم مقام کر رکھا ہے اسی لیے میں روزینہ پر بھی کام کرتا ہوں اور ہفتہ وار بھی اور مشاہرہ اور سالانہ کے اعتبار سے بھی پس سمجھ بفہم ہے یعنی ہر آیت میں جو مضمون اس کے لائق ہو اس کو نکالے کیونکہ قرآن میں ذکر اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال کا اور ذکر انبیاء کے احوال اور ان کے مکذبین کے حالات کا ہے اور یہ امر کہ وہ کس طرح ہلاک کر دیے گئے اور ذکر خدا تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا اور ذکر جنت اور دوزخ کا ہے، صفات کی آیتیں یہ ہیں کہ مثلاً ارشاد ہے[4] ليس كمثله شئ وهو السميع البصير اور فرمایا[5] الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر پس ان اسماء اور صفات کے معنوں میں تامل کرے تاکہ ان کے اسرار واضح ہوں کہ ہر ایک کے اندر بہت معانی مدفون ہیں اور بجز توفیق یافتہ شخصوں کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتے۔ اور اسی کی طرف حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا اپنے اس قول میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات مجھ کو خفیہ ایسی نہیں بتائی کہ لوگوں سے چھپا رکھی ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو سمجھ اپنی کتاب کی عنایت کر دیتا ہے پس اس فہم کی طلب کا حریص ہونا

ح نسائی وابن ماجہ ۱۲ [1] اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ بندے تیرے ہیں، اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا[2] کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کریں گے ان کو برابر ان کے جو یقین لائے اور کیے بھلے کام ایک سا ان کا جینا اور مرنا برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں[3] اور تم الگ ہو جاؤ گنہگار و ۱۲ [4] نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی، اور وہی ہے سنتا دیکھتا ۱۲ [5] وہ بادشاہ ہے عیب سے سلامت امن دیتا پناہ دیتا زبردست دباؤ والا، صاحب بڑائی کا ۱۲

چاہیے جس کو حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اولین و آخرین کے علم کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ قرآن مجید کے علم کی بحث کرے، اور علوم قرآن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے اندر ہیں کہ اکثر لوگوں کو ان میں سے وہی باتیں دریافت ہوئیں ہیں جو ان کے فہم کے لائق ہیں ان کی تہ کو نہیں پہنچے اور افعال اللہ تعالیٰ کے یہ ہیں کہ آسمان اور زمین وغیرہ کا پیدا کرنا اور مارنا اور جلانا وغیرہ تو تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ ان افعال سے خدا تعالیٰ کے اسماء اور صفات سمجھے، اس لیے کہ فعل فاعل پر دلالت کیا کرتا ہے، اور فعل کی عظمت سے اس کے فاعل کی عظمت معلوم ہوتی ہے اس لیے یہ چاہیے کہ فعل میں فاعل کا مشاہدہ کرے صرف فعل ہی کا لحاظ نہ رکھے کہ جو کوئی حق کو پہچانتا ہے وہ اس کو ہر چیز میں دیکھتا ہے کیونکہ ہر چیز اسی سے ہے، اسی کی ذات سے قائم اور اسی کی ملک تو واقع میں ہمہ اوست کا سا مضمون ہے اور جو شخص اپنی دیکھی ہوئی ہر چیز میں اس کو نہیں دیکھتا اس نے گویا اس کو پہچانا ہی نہیں، اور جس نے اس کو پہچان لیا ہے اس نے یہ جان لیا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے ہر چیز باطل ہے اور بجز اس کی ذات کے ہر ایک چیز فانی ہے یہ نہیں کہ ثانی الحال باطل ہو جائے گی، بلکہ اگر اس کے وجود کو اس کی ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو بالفعل باطل ہے ہاں اگر اس کے وجود کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے باعث اور اس کی قدرت کی جہت سے موجود ہے۔ تب البتہ اس کی تبعیت کے طور پر ثبات ہوگا۔ اور مستقل ہو کر تو صرف باطل ہے اور یہ امر علم مکاشفہ کا آغاز ہے اور اسی وجہ سے تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے یہ ارشاد پڑھے[1] افرأیتم ما تحرثون[2] افرأیتم ما تمنون[3] افرأیتم الماء الذی تشربون[4] افرأیتم النار التی تورون تو اپنی نظر کو آگ اور پانی اور کھیتی اور منی پر کوتاہ نہ کرے بلکہ ان کا سب حال سوچے مثلاً منی میں تامل کرے کہ وہ نطفہ ایک ہی اجزا کا تھا اس کی ہڈیاں اور گوشت اور رگیں اور پٹھے کیسے بنے اور اعضا مختلف شکلوں کے سر اور ہاتھ اور پاؤں اور جگر اور دل وغیرہ کس طرح ہو گئے، پھر اس میں صفات عمدہ سننے دیکھنے عقل وغیرہ کے اور برے اخلاق مثل غضب اور شہوت اور کفر اور جہالت اور انبیاء کا جھٹلانا اور جدال کرنا کیونکر پیدا ہوئے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[5] اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین تو ان عجائب میں تامل کرے ان سے ایک اور عجب العجائب کی طرف ترقی کر جائے اور یہ وہ صفت ہے کہ جس سے یہ عجائب اور ہوئے ہیں غرض کہ مدام جب فعل کو دیکھے اس سے فاعل کی طرف نظر کرے اور انبیاء کا احوال جب سنے کہ وہ کس طرح جھٹلائے گئے اور ایذا دیے گئے اور ان میں سے بعض جان سے مارے گئے تو اس سے خدا تعالیٰ کی بے پروائی سمجھے کہ اس کو نہ رسولوں کی حاجت ہے نہ ان کی جن کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے، اور اگر وہ سب کو ہلاک کر دے تو اس سلطنت میں کچھ اثر نہ ہوگا۔ اور جب انبیاء کی مدد کا حال انجام کو سنے تو یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اگر وہ سب کو ہلاک کرتا ہے اور مکذبین کا حال مثل عاد و ثمود کے جب سنے کہ ان پر کیا گذرا تو اس سے خدا تعالیٰ کی سطوت اور انتقام سے ڈرے اور

---

[1] بھلا دیکھو جو بوتے ہو ۱۲ [2] بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو ۱۲ [3] بھلا دیکھو جو پانی تم پیتے ہو ۱۲ [4] بھلا دیکھو تو آگ جو سلگاتے ہو ۱۲

[5] کیا دیکھا نہیں آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا ایک بوند سے پھر بھی وہ ہو گیا جھگڑتا بولتا ۱۲

اپنے نفس کے باب میں ان حالات سے عبرت حاصل کرے کہ اگر میں غفلت کروں گا اور بے ادبی کروں گا اور اس مہلت چند روزہ پر بھولوں گا تو کیا عجب ہے کہ مجھ پر بھی ایسا ہی عذاب ہو اور وہی حکم نفاذ پاوے اور ایسا ہی سوچنا اس وقت چاہیئے کہ جنت اور دوزخ کا وصف سنے یا اور کوئی قرآن میں کا حال گوش زد ہو، اس لیے کہ جتنی باتیں اس سے سمجھی جاتی ہیں ان کا بالاستیعاب لکھنا ناممکن ہے اس وجہ سے کہ کوئی ان کی حد نہیں ہر بندہ کو جس قدر نصیب ہوا ہے اس قدر ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[1] ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اور ایک جا ارشاد فرمایا[2] قل لو کان البحر مدادا لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا اور اس کی انتہا نہ ہونے کی جہت سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں، اور ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کے سمجھنے کے طور تنبیہ کر دی ہے تاکہ اس کی راہ کھلے ورنہ اس کے پورا بیان کرنے کی طمع نہیں ہو سکتی، اور جو شخص قرآن مجید کے مضامین میں ادنیٰ درجہ کی سمجھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ ان لوگوں میں داخل ہوگا جن کے باب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[3] ومنہم من یستمع الیک حتی اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفا اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبہم اور پھر وہ موانع ہیں جن کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور بعضوں کا قول ہے کہ آدمی مرید نہیں ہوتا جب تک کہ جس چیز کو چاہے قرآن میں نہ پالے اور نقصان کو فائدہ سے تمیز نہ کرے اور مولیٰ کے سبب سے بندوں سے بے پروا نہ ہو جائے **ششم** فہم کے موانع سے یکسر خالی ہونا کہ اکثر لوگ جو قرآن کے معانی سمجھنے سے باز رہے اس کا سبب یہی ہے کہ شیطان نے ان کے دلوں پر اسباب اور حجاب ایسے ڈال دیے ہیں کہ قرآن کے عجائب ان کو نہیں سوجھتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی الملکوت اور معنی قرآن کے بھی ملکوت میں داخل اور جو چیز حواس سے غائب ہے - اور بدون نور عقل کے نہیں معلوم ہوتی وہ ملکوت میں سے ہے اور قرآن کے معانی ایسے ہی ہیں اور سمجھنے کے حجاب چار ہیں۔
پہلا یہ کہ ہمت اس بات کی طرف مصروف ہو کہ حروف کو مخرج سے نکالنا چاہیئے اور اس بات کا متولی ایک شیطان ہے جو قاریوں پر معین ہے اس لیے کہ ان کو معانی سمجھنے سے قرآن کے اور طرف پھیر دے تو وہ قاریوں کو اسی بات پر آمادہ کرتا ہے کہ حروف کو مکرر سہ کرر ادا کریں اور ان کے خیال میں بسا دیتا ہے کہ ابھی یہ حرف اپنے مخرج سے نہیں نکلا تو جس صورت میں کہ قاری کو تامل صرف حروف کے مخارج ہی پر منحصر ہو تو اس کو قرآن کے معانی کہاں واضح ہوں گے اور جو شخص شیطان

---

[1] اور نہ ہرا نہ سوکھا جو نہیں کھلی کتاب میں ۱۲ [2] تو کہہ کہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں، بے شک دریا تمام ہو جاوے اور ابھی نہ تمام ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا اس کی مدد کو ۱۲ [3] اور بعض ان میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں ان کو جن کو علم ملا کیا تھا اس شخص نے ابھی وہی ہیں جن کے دل پر مہر کی ہے اللہ نے ۱۲ [4] اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں میں گھومتے نہ ہوتے تو آدمی ملکوت کو دیکھتے ۱۲ احمد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

کے اس جیسے دھوکہ میں آجاتا ہے وہ اس کا بڑا ہی مسخرہ بنتا ہے، دوسرا یہ کہ کسی مذہب کو سُن کر اس کا مقلد ہو گیا۔ اور اس کی تعریف کرتا ہو، اور اس کے دل میں اس کی پچ صرف سنی ہوئی بات کے اتباع سے جم گئی ہو، یہ نہیں کہ بصیرت اور مشاہدہ سے دیکھ کر اس کی پچ کرتا ہو، ایسے شخص کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے اعتقاد کی زنجیر میں مقید رہتا ہے کہ وہ اس کو ٹلنے نہیں دیتی اسی لیے اس کے دل میں بجز اس کے اعتقاد کے اور چیز حلول نہیں کرتی اس کی نظر صرف اپنی سنی ہوئی بات پر موقوف ہوتی ہے اور اگر کوئی چمک دور سے نصیب ہو جاتی ہے اور کچھ معنی اس کے اعتقاد کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں تو شیطانِ تقلید اس پر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات تیرے دل میں کیسے گذری، یہ تو تیرے اکابر کے عقیدے کے خلاف ہے، پس وہ شخص ان معنوں کو شیطان کا فریب جان کر اس سے دوری کرتا ہے اور اس جیسے معانی سے احتراز کرتا ہے اور اسی وجہ سے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ علم حجاب ہے اور علم سے ان کا مقصود ان عقائد کا علم ہے جس پر اکثر لوگ تقلید کی جہت سے چلے جاتے ہیں یا مذہب کے متعصبوں نے کلمات جدل لکھ کر ان کو سکھلا دیے ہیں ورنہ علمِ تحقیقی جو کشف اور نورِ بصیرت کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ کس طرح حجاب ہو سکتا ہے منتہائے مطلوب تو وہی ہے اور یہ تقلید کبھی باطل ہوتی ہے اور اس صورت میں مانع فہم ہے جیسے کوئی عرش پر مستوی ہونے کے باب میں جگہ پکڑنا اور ٹھیرنا اعتقاد کرے، پس اگر صفت قدوسیت میں اس کے دل میں یہ بات گزرے کہ جتنی باتیں خلق پر ہو سکتی ہیں وہ سب اُن سے پاک ہیں تو اس کے دل میں تقلید اس بات کو جمنے نہ دے گی۔ اور اگر بالفرض جم جائے تب تو اس سے دوسرا کشف اور تیسرا اور چوتھا ہوتا چلا جائے گا مگر مقلد اس امر کو اپنے دل سے بوجہ اپنی تقلید باطل کے جلد دور کر دیتا ہے اور بعض اوقات تقلید حق ہوتی ہے اور وہ بھی فہم اور کشف کی مانع ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جس میں حق کے اعتقاد کرنے کا خلق کو حکم ہوتا ہے اس کے بہت سے مراتب اور درجے ہیں اور اس کا ایک مبدا ظاہری ہوتا ہے اور ایک تہ باطنی، اور جب طبیعت ظاہر پر جم جاتی ہے تو باطن کی تہ تک پہنچنے کی مانع ہوا کرتی ہے جیسا کہ علم ظاہر اور باطن کے فرق بیان کرنے میں ہم نے باب قواعد العقائد میں ذکر کیا ہے۔ تیسرا حجاب یہ ہے کہ کسی گناہ پر مصر ہو یا کبر کے ساتھ موصوف یا دنیا کی خواہش میں کچھ مبتلا ہو کہ یہ چیزیں کچھ دل کی تاریکی اور زنگ کی موجب ہوتی ہیں اور ان کا حال ایسا ہے جیسے آئینہ پر زنگ لگ جاتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک عکس اس میں نہیں پڑتا، اسی طرح دل پر اگر یہ چیزیں رہتی ہیں تو امر حق کی تجلی اس میں صاف نہیں ہوتی اور حجاب دل کے لیے سب میں بڑا ہے اور اسی سے اکثر لوگ محجوب ہو گئے اور جس قدر کہ شہوت کا انبوہ دل پر زیادہ ہوگا اسی قدر معانیٔ قرآن پر زیادہ حجاب اس کی طرف سے ہوگا، اور جس قدر دنیا کا بوجھ دل پر ہلکا ہوگا، اسی قدر معانی کی تجلی نزدیک آجائے گی اس لیے کہ دل مثل آئینہ کے ہے اور شہوت مثل زنگ کے اور معانی قرآن مثل ان صورتوں کے ہیں جن کا عکس آئینہ میں پڑتا ہے اور دل سے ریاضت یعنی شہوات کو دور کرنا ایسا ہے جیسے صیقل گر آئینہ کو جلا کر دیتا ہے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میری امت دینار و درم کو بڑا جانے گی، تو اس میں سے اسلام کی ہیبت جاتی رہے گی اور جب اچھی بات کا امر کرنا اور بری بات سے منع کرنا چھوڑ دیں تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائیں گے، حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ علمِ قرآن سے محروم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فہم اور تذکرہ میں انابت کو شرط فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے[1] تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ اور فرمایا[2] وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا

---

[1] سوجھانے کو اور یاد دلانے کو اس بندے کو جو رجوع رکھے ۱۲ [2] اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ۱۲

من ینیب اور فرمایا[۱] انما یتذکر اولوالالباب تو جو کوئی دنیا کے دھوکے کو آخرت کی نعمت پر اختیار کرے وہ صاحبانِ عقل سے نہیں، اور اسی وجہ سے اسرارِ قرآن منکشف نہیں ہوتے **چوتھا** حجاب یہ ہے کہ کوئی تفسیر بظاہر پڑھ لی ہو اور یہ اعتقاد کر لیا ہو کہ جو کچھ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے کلماتِ قرآن کی تفسیر بیان کی ہے درست ہے ان کے بیان کے سوا کلمات کے اور کچھ معنی نہیں، جو ان کے سوا معانی کہے وہ قرآن کو اپنی عقل سے بیان کرتا ہے جس کی شان میں یہ وارد ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ سے تلاش کرے تو یہ بھی ایک حجاب ہے اور چوتھی فصل میں ہم یہ بیان کریں گے کہ رائے سے تفسیر کرنے کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ یہ امر حضرت علیؓ کے ارشاد کے خلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو قرآن میں سمجھ عنایت کر دیتا ہے اور یہ کہ اگر معنی ظاہری اور منقول ہی ہوا کرتے ہیں تو آدمی ان میں اختلاف ہی کیوں کرتے **ہفتم** خاص کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ قرآن میں کے ہر خطاب میں فرض کرلے کہ میں ہی مقصود ہوں، یعنی اگر امر و نہی سنے تو فرض کرے کہ حکم مجھ کو ہوا ہے اور مجھی کو منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر وعدہ اور وعید سنے، ان کو اپنے حق میں فرض کرے۔ اور اگر پہلے لوگوں اور انبیاء کے قصے سنے تو جانے کہ قصے مقصود نہیں بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنی مقصود ہے، اور یہ غرض ہے کہ ان کے درمیان میں جو کچھ اپنی حاجت کی بات ہو اس کو اختیار کرلینا چاہیئے کیونکہ قرآن مجید کے جتنے قصے ہیں ان کے مضامین سے کچھ نہ کچھ فائدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت کے حق میں ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[۲] ما یثبت به فؤادك تو تلاوت کرنے والے کا فرض کر لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جو نبیوں کا حال اور ایذا پر ان کا صبر کرنا اور خدا تعالیٰ کی مدد کے انتظار میں دین پر جمع کرنا بیان فرمایا اس سے ہمارے دل کا ثابت رکھنا چاہتا ہے اور اس فرض کرنے اور تخصیص وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے نہیں اترا بلکہ وہ تمام عالموں کے لیے شفاء اور ہدایت اور نور اور رحمت ہے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو نعمتِ کتاب کا شکر کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے[۳] واذکروا نعمة الله علیکم وما انزل علیکم من الکتب والحکمة یعظکم به اور فرمایا[۴] ولقد انزلنا الیکم کتابا فیه ذکرکم افلا تعقلون اور فرمایا[۵] وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم اور فرمایا[۶] کذلك یضرب الله للناس امثالهم اور فرمایا[۷] واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم اور فرمایا[۸] هذا بصائر للناس وهدی ورحمة لقوم یوقنون اور فرمایا[۹] هذا بیان للناس وهدی وموعظة للمتقین اور جب کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ خطاب سے لوگ مقصود ہیں۔ اور قاری بھی انہیں میں سے ہے تو بے شک خطاب میں شریک ہوگا اس لیے اس کو فرض کرنا

---

[۱] وہی سمجھتے ہیں جن کو کہ عقل ہے ۱۲ [۲] جس سے ثابت کرے تیرا دل ۱۲ [۳] اور یاد کرو احسان اللہ کا جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر اتاری کتاب اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھاوے ۱۲ [۴] ہم نے اتاری ہے تم کو کتاب کہ اس میں تمہارا نام ہے کیا تم کو بوجھ نہیں ہے ۱۲ [۵] اور تجھ کو اتاری ہم نے یہ یادداشت کہ کھول لوگوں کے پاس جو اترا ان کی طرف ۱۲ [۶] یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو ان کے احوال ۱۲ [۷] چلو اسی افضل بات پر جو اتری تم کو تمہارے رب سے ۱۲ [۸] یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور راہ کی اور مہر ہے ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں ۱۲ [۹] یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ڈر والوں کو ۱۲

چاہیئے کہ اس خطاب سے میں مقصود ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] اوحی الی ھذا القراٰن لانذرکم بہ ومن بلغ محمد بن کعب قرشی کہتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن پہنچا تو گویا خدا تعالیٰ نے اس سے کلام کیا، اور تلاوت کرنے والا جب اپنے آپ کو مخاطب سمجھے تو اپنا عمل صرف سرسری پڑھ لینا مقرر نہ کرے بلکہ اس کو اس طرح پڑھے جیسے غلام اپنے آقا کا پروانہ پڑھے، جس میں اس نے لکھا ہو کہ اس کو سوچ سمجھ کر اس کے بموجب کاربند ہونا اور اسی جہت سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہمارے رب کی طرف سے خطوط عہد و پیمان کے ساتھ آئے ہیں کہ ان کو نمازوں میں اہم سمجھے اور تنہائیوں میں ان پر واقف ہوں اور طاعات میں ان کی تعمیل کریں۔ اور حضرت مالک بن دینار کہا کرتے کہ اے قرآن والو! قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے، قرآن مومن کے حق میں بہار ہے جیسے زمین کے حق میں مینہ بہار ہوا کرتا ہے، اور قتادہؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے قرآن کی ہمنشینی کی وہ یا فائدہ ہی لے کر اٹھا یا گھٹی کھا کر کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظلمین الا خسارا **ہشتم** متاثر ہونا یعنی جس طرح آئینہ میں مختلف مضامین کی آتی جائیں اسی طرح دل میں مختلف آثار ہوتے جائیں، اور جس مضمون کو حزن و خوف سے اور رجا کے لیے سمجھے اسی حالت اور کیفیت سے دل موصوف ہوتا جائے اور جب کہ آدمی کی معرفت کامل ہو گئی تو اس کے دل پر اکثر خوف غالب رہے گا کیونکہ آیات قرآنی میں تضییق بہت ہے مثلاً ذکر رحمت و مغفرت کو ایسی شرطوں سے وابستہ پاؤ گے کہ عارف ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہو دیکھو مغفرت کے باب میں چار شرطیں مذکور فرمائیں[3] وانی لغفار لمن تاب واٰمن وعمل صالحا ثم اھتدیٰ اور فرمایا[4] والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر اس میں بھی چار شرطیں ارشاد فرمائیں اور جس جگہ مختصر فرمایا وہاں ایک شرط ایسی لگا دی ہے کہ وہ سب کی جامع ہو، مثلاً فرمایا[5] ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین کہ رحمت کے لیے احسان کی شرط لگا دی ہے کہ وہ سب کی جامع ہو، اسی طرح اگر کوئی قرآن کو اول سے آخر تک ڈھونڈھے تو ایسے ہی مضامین بہت پاوے گا اور جو شخص اس بات کو سمجھ لے گا اس کو شایاں یہی ہے کہ اس کا حال خوف اور حزن کا ہو اور اسی وجہ سے حضرت حسنؒ بصری نے فرمایا ہے کہ جو بندہ آج قرآن پڑھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے اس کا حزن بہت ہو جاتا ہے اور خوشی کم اور رونا زیادہ ہوتا ہے اور ہنسنا تھوڑا اور رنج اور شغل کثرت سے ہو جاتا ہے اور راحت اور بیکار رہنا قلیل اور وہیب بن الورد کہتے ہیں کہ ہم نے ان حدیثوں اور وعظ کی باتوں میں نظر کی، مگر قرآن کی تلاوت اور تدبر سے زیادہ کسی چیز کو نہ پایا۔ جس سے دل نرم ہو اور حزن کو خوب کھینچ لاوے، الغرض کہ بندہ کا تلاوت سے متاثر ہونا یہ ہے کہ جو آیت پڑھے اس کی صفت کے ساتھ موصوف ہو جائے، مثلاً آیت وعید پر، اور جہاں کہ مغفرت کو بہت شرطوں پر وابستہ

---

[1] مجھ کو اترا ہے قرآن تاکہ تم کو اس سے خبردار کروں اور جس کو یہ پہنچے ۱۲ [2] وہ شفا اور مہر ہے ایمان والوں کے لیے اور گنہگاروں کو بھی بڑھتا ہے نقصان ۱۲ [3] اور میری بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے ۱۲ [4] قسم اترتے دن کی مقرر انسانوں پر ٹوٹا ہے مگر جو یقین لائے اور کیے بھلے کام اور آپس میں تاکید کی سچے دین اور تحمل کی ۱۲ [5] بے شک مہر اللہ کی نزدیک ہے نیکی والوں سے ۱۲

کیا ہے، خوف سے اتنا گھلے کہ گویا مر جائے گا اور جگہ وسعت رحمت اور وعدہ مغفرت ہو وہاں اتنا خوش ہو کہ گویا خوشی سے اڑ جائے گا اور خدا تعالیٰ کی صفات اور اسماء کے ذکر کے وقت اپنی گردن اس کے جلال کے سامنے خضوع کرنے اور اس کی عظمت کو معلوم کرنے کی جہت سے جھکا دے، اور جب ذکر آئے اور ان کے وہ قول پڑھے جو اللہ پر محال ہیں مثلاً ان کا یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ صاحب اولاد ہے یا بی بی رکھتا ہے تو اپنی آواز پست کر دے اور ان کی گفتگو کی قباحت سے دل میں شرمندہ ہو کر منکسر ہو اور جنت کی صفت کے وقت باطن میں اس کا شوق ابھرے اور دوزخ کے حال معلوم ہونے پر اس کے خوف کے مارے بدن تھرا اٹھے، اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو ارشاد[1] فرمایا کہ قرآن مجھ کو سناؤ، تو حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ نساء شروع کی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف[2] اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا تو دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اب بس کرو، اور یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اس حالت کے مشاہدہ میں آپؐ کا دل بالکل مستغرق ہوا اور خوف کرنے والوں میں بعض اس طرح کے تھے کہ وعید کی آیتوں پر بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے، اور بعض ایسے بھی گذرے کہ آیتوں کے سننے میں انتقال کر گئے ہیں، حاصل یہ کہ اس طرح کے احوال سے تلاوت کرنے والا صرف نقال نہیں رہتا مثلاً جب کہے[3] انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم اور دل میں خوف نہ ہو تو یہ پڑھنا صرف کلام کا نقل کرنا ہوا اور جب پڑھے[4] علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر اور توکل اور انابت کی حالت نہ ہو تو یہ کہنا زبانی حکایت ہوگی، اور جب پڑھے[5] ولنصبرن علیٰ ما اٰذیتمونا تو چاہئیے کہ اس کا حال صبر خواہ عزیمت ہو تاکہ اس آیت کے پڑھنے کی کیفیت و حلاوت پائے اور اگر ان صفات سے موصوف نہ ہوگا اور ان حالات میں اس کا دل بدلتا رہے گا تو تلاوت سے اس کو صرف زبان کی حرکت کا فائدہ ہوگا اور اپنے نفس کو صریح لعنت کرے گا، ان آیتوں کے پڑھنے[6] سے الا لعنۃ اللہ علی الظلمین۔ اور[7] کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون[8] اور وھم فی غفلۃ معرضون اور[9] فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا اور[10] ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون اور سوائے ان کے اور اسی طرح کی آیتوں کے پڑھنے سے اپنے آپ کو لعن طعن کرے گا۔ اور اس آیت کا مصداق بنے گا[11] ومنھم امیون لا یعلمون

---

[1] یہ حدیث اس باب کی دوسری فصل میں گذری ۱۲ [2] پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے امت میں سے احوال کہنے والا، اور بلاویں گے ہم ہر امت میں تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا ۱۲ [3] میں ڈرتا ہوں اگر حکم اپنے رب کا نہ مانوں ایک بڑے دن کے عذاب سے ۱۲ [4] اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے پھر نا ۱۲ [5] اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو ۱۲ [6] سن لو کر لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر ۱۲ [7] بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو ۱۲ [8] اور بے خبر ٹلاتے ہیں ۱۲ [9] سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا ۱۲ [10] اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف ۱۲ [11] اور ایک ان میں بن پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھ لیں اپنی آرزوئیں ۱۲

الکتاب الا امانی یعنی صرف تلاوت ہی جانتے ہیں اور اس آیت کے معنوں میں داخل ہوگا[ث۱] وکاین من ایۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون اس لیے کہ ان علامتوں کا بیان اچھی طرح قرآن مجید میں ہے۔ اور جب پڑھنے والا ان سے گذر جائے اور متاثر نہ ہو تو ان سے روگردان ہوگا اور یہی وجہ کسی نے کہا ہے کہ جو شخص اخلاقِ قرآنی سے متصف نہیں ہوتا، وہ جس وقت کلام اللہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پکار کر فرماتا ہے کہ تجھ کو میرے کلام سے کیا علاقہ تو تو مجھ سے روگردان ہے، اگر تو میری طرف رجوع نہیں کرتا تو میرے کلام کو مت پڑھ، اور گنہگار آدمی جو قرآن کو مکرر پڑھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پروانہ کو دن بھر میں کئی دفعہ پڑھ لیا کرے اور اس میں حکم ہو کہ ہمارے ملک کو آباد کرو مگر وہ اس کے اجاڑنے میں مشغول ہو اور اس کے پروانہ کو صرف پڑھ لینے پر اکتفا کرے اور تعمیل الٹی کرے۔ اگر وہ پروانہ نہ پڑھتا اور حکم کے خلاف کرتا تو اس میں بادشاہی پروانہ کی حقارت اور غضب سلطانی کا استحقاق غالباً کم ہوتا اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس کی حرکت نہایت نازیبا ہے اور اسی وجہ سے یوسف بن اسباط نے فرمایا ہے کہ میں قرآن کے پڑھنے کا قصد کرتا ہوں، مگر جب اس کے مضامین یاد کرتا ہوں تو غضب الٰہی سے ڈر جاتا ہوں اور قرآن کی تلاوت کو چھوڑ کر توبہ و استغفار کی تسبیح پڑھنے لگتا ہوں۔ اور جو شخص کہ قرآن پر عمل کرنے سے اعراض کرتا ہے وہ اس آیت کے مطابق ہے[ث۲] فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۳] کہ قرآن کو اس وقت تک پڑھو کہ تمہارے دل مانوس رہیں اور جلدیں نرم رہیں۔ اور جب یہ حال نہ رہے تو پڑھنا موقوف کرو اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے پاس سے اٹھ کھڑے ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ث۴] الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں قرآن کا خوش آواز وہ ہے کہ جب اس کو پڑھتے ہوئے سنو تو جان لو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور فرمایا کہ قرآن کسی کے منہ سے اچھا نہیں معلوم ہوتا جیسا اس شخص کے منہ سے بھلا معلوم ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے پس قرآن اسی غرض سے پڑھا کرتے ہیں کہ دل پر یہ احوال کھنچ آئیں اور اس کے بموجب عمل کیا جائے ورنہ صرف الفاظ پر زبان ہلانے میں کیا محنت ہے اور اسی واسطے بعض قاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد کو قرآن سنایا، پھر میں دوبارہ ان کی خدمت میں گیا کہ دوبارہ سناؤں، انہوں نے مجھ کو جھڑک دیا اور فرمایا کہ میرے سامنے پڑھنے کو تو نے عمل ٹھہرا لیا، جا خدا کے سامنے پڑھ اور دیکھ کہ تجھ کو حکم کرتا ہے اور کیا سمجھاتا ہے اور یہی وجہ اصحاب کا شغل احوال اور اعمال میں ہوتا تھا چنانچہ آنحضرت

[ث۱] اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان و زمین میں جن پر وہ نکلتے ہیں اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے ۱۲ [ث۲] پھر پھینک دیا اس کو پیٹھ کے پیچھے، اور خرید اس کے بدلے مول تھوڑا سا کیا بری خرید کرتے ہیں ۱۲ [ح۳] بخاری و مسلم بروایت جندب بن عبد اللہ حجاج مگر ان میں جلد کے نرم ہونے کی قید نہیں ۱۲ [ث۴] ایسے لوگ کہ جب نام آئے اللہ کا ڈر جائیں دل ان کے۔ اور جب پڑھے ان پر اس کا کلام زیادہ آئے ان کو ایمان، اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف جب ہوئی تو بیس ہزار[ا] صحابی آپ نے چھوڑے مگر ان میں سے کل سے صرف چھ[ع] شخصوں نے قرآن یاد کیا تھا[ع] اس میں سے بھی دو میں اختلاف ہے، اکثر صحابہؓ ایک سورت کو یاد کیا کرتے تھے اور جو شخص کہ سورۂ بقر اور انعام یاد کر لیتا تھا وہ ان میں عالم ہوتا تھا[ع] اور جب ایک شخص قرآن سیکھنے کو آیا اور اس آیت پر پہنچا[ت] فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ تو کہا مجھے کافی ہے اور چلا آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا[ح] کہ یہ شخص اس حال میں پھر اکہ فقیہ ہے اور واقع میں محبوب اور کمیاب ہے وہی حالت ہے جو اللہ تعالیٰ ایماندار کے دل پر آیت سمجھنے کے بعد مرحمت فرماتا ہے اور صرف زبان کی حرکت مفید کم ہے بلکہ جو شخص زبان سے تلاوت کرے اور عمل سے روگرداں رہے وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس آیت کا مصداق ہو[ت] ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیٰمۃ اعمٰی قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا قال کذٰلک اتتک اٰیاتنا فنسیتہا وکذٰلک الیوم تنسی۔ یعنی آیتوں کو تو نے ویسے ہی چھوڑ دیا؛ ان میں تامل نہ کیا اور نہ ان کی کچھ پروا کی کیونکہ جو شخص کسی کام میں تقصیر کرتا ہے اس کو کہا کرتے ہیں کہ وہ اس کو بھول گیا۔ اور تلاوت کما حقہٗ اس کو کہتے ہیں کہ اس میں زبان اور عقل اور دل شریک ہوں زبان کا کام اس میں حرفوں کا صحیح کرنا اور ٹھیر کر پڑھنا ہے اور عقل کا کام معانی کا بیان کرنا اور دل کا کام حکم ماننے اور جھڑکی قبول کرنے سے متاثر ہونا۔ تو گویا زبان واعظ ہے اور عقل مترجم اور دل نصیحت قبول کرنے والا۔ نہم ترقی کرنی یعنی تلاوت میں یہاں تک ترقی کرے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ سے سنے نہ اپنے آپ سے کیونکہ پڑھنے کے تین درجے ہیں سب میں ادنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو فرض کرے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا پڑھتا ہوں اور وہ میری طرف دیکھتا ہے اور میرے پڑھنے کو سنتا ہے تو اس صورت میں اس کی حالت سوال اور تملّق اور انکسار اور عاجزی

ح ابن ماجہ بروایت جابر بسند ضعیف ۱۲ ح ابوعبداللہ حاکم بموجب بیان ابوالقاسم الشافعیؒ در فضائل قرآن ۱۲ ع ۵ شاید اس قدر عدد مدینہ منورہ میں ہوگا ورنہ ابی زرعہ رازیؒ کے قول کے بموجب حضرت کے بعد ایک لاکھ چودہ ہزار اصحابؓ رہے تھے جنہوں نے آپؐ سے کچھ سنا تھا اور روایت کیا ع ۵ بخاری ومسلم میں بروایت انسؓ آیا ہے کہ قرآن کو چار شخصوں نے آپ کے عہد میں یاد کیا تھا اور وہ سب انصار تھے ابی ابن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ اور زیدؓ اور ابوزیدؓ اور ابن ابی شیبہ نے بروایت شعبیؒ مرسلاً ابوداؤد اور سعید بن عبید کو زیادہ کیا ہے اور بخاری ومسلم میں بروایت ابن عمرؓ بجائے زیدؓ وابوزیدؓ کے عبداللہ بن مسعودؓ اور سالم مولی حذیفہؓ ہیں ۱۲ ع ۵ ابن الانباری نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس امر کو بیان کیا ہے بسند ضعیف اور ترمذی نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور ایک نوجوان کو اس کا سردار کیا جس کو سورہ بقر یاد تھی ۱۲ ت سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا۔ ح ابوداؤد ونسائی وحاکم بروایت عبداللہ بن عمرؓ ۱۲ ت جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی، اور لائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا، وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھایا تو نے اندھا، اور میں تھا دیکھتا، فرمایا تو نہیں پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے ۱۲

ہو گی، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے دل سے مشاہدہ کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور اپنے الطاف سے اس کو خطاب کرتا ہے اور اپنے انعام و احسان سے اس سے بھید کہتا ہے۔ ایسی صورت میں تلاوت کرنے والے کا مقام حیا اور تعظیم سننا اور سمجھنا ہو گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں متکلم کو دیکھے اور کلمات میں صفات پر دھیان کرے۔ یعنی یہ اپنے نفس کو دیکھے، نہ اپنی قراءت پر لحاظ کرے اور نہ اپنے منعم علیہ ہونے کے اعتبار سے اپنے اوپر انعام کے متعلق ہونے کا دھیان کرے، بلکہ اپنی ہمت اور فکر کو کلام کرنے والے پر منحصر اور موقوف کر دے، اس طرح کہ گویا متکلم کے مشاہدہ میں غیر کی طرف سے کچھ خبر نہیں یہ درجہ مقربوں کا ہے اور اس سے پیشتر کے درجہ اصحاب الیمین کے ہیں اور جو قراءت ان تینوں درجوں کے سوا ہو وہ غافلوں کا درجہ ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے درجہ سوم کو اس طرح ارشاد فرمایا کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنی مخلوق کے لیے تجلی فرمائی مگر خلق کے لوگ اس کو نہیں دیکھتے۔ اور ایک بار آپ کو نماز میں ایسی حالت ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب افاقہ ہوا تو کسی نے اس حالت کی کیفیت پوچھی، آپ نے فرمایا کہ میں آیت کو بار بار دل میں پڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ اس کو میں نے متکلم سے سنا، پس اس کی قدرت کے معائنہ کے لیے میرا جسم نہ ٹھہرا، اس جیسے درجے میں حلاوت اور مناجات کی لذت بہت ہوتی ہے اور اسی جہت سے بعض حکماء نے کہا ہے کہ میں قرآن پڑھا کرتا تھا مگر اس کی حلاوت نہ پاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس طرح پڑھا کہ گویا حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کرتے ہیں اور میں سن رہا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور مرتبہ عنایت فرمایا کہ اب میں اس کو متکلم سے سنتا ہوں اور مجھ کو وہ حظ اور حلاوت نصیب ہے کہ مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ اور حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ اگر دل پاک ہو جائیں تو قرآن کی قراءت سے سیر نہ ہوں اور یہ اس لیے فرمایا کہ دل طہارت کی وجہ سے کلام میں متکلم کے مشاہدہ کی طرف ترقی کرتے ہیں اور یہی وجہ ثابت بنانیؒ نے فرمایا ہے کہ بیس برس تو میں نے قرآن میں مشقت ہی اٹھائی مگر بیس برس کے بعد اس سے مجھ کو دولت حلاوت ملی اور آدمی متکلم ہی کو مشاہدہ کرے اور اس کے سوا پر نظر ڈالے تو ان اشاروں کی تعمیل کرنے والا ہو گا ففروا الی اللہ[ل] ولا تجعلوا مع اللہ الٰھا اخر[ل] حاصل یہ کہ جو شخص ہر چیز میں خدا تعالیٰ پر نظر نہ کرے وہ اس کے غیر پر التفات کرنے والا ہو گا۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا اور ہر چیز کی طرف ملتفت ہو گا، اس کے التفات میں کسی قدر شرک خفی ہو گا اور توحید خالص اس کو کہتے ہیں کہ ہر چیز میں سوائے خدا تعالیٰ کے اور کچھ نہ دیکھے دھم منقطع ہونا اپنی طاقت و قوت سے یعنی اپنے نفس پر چشم رضا اور تزکیہ التفات کرنے سے قطع نظر رکھے۔ مثلاً جب صالحین کے لیے وعدہ اور تعریف کی آیتیں پڑھے تو اس وقت اپنے آپ کو ان میں نہ سمجھے بلکہ اہل یقین اور صدیقین کے لیے وہ مدارج خیال کرے اور اس بات کا شائق ہو کہ اللہ تعالیٰ ان میں مجھ کو بھی شامل کرے اور جب عتاب و خفگی کی آیت اور گنہگاروں و تقصیر والوں کی برائی پڑھے تو اس میں سے اپنے نفس کو مشاہدہ کرے اور یہی فرض کرے کہ یہ خطاب میرے ہی نفس کو ہے تاکہ اس کو خوف پیدا ہو اور اسی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے کہ الٰہی میں تجھ سے اپنے ظلم اور کفر سے مغفرت چاہتا ہوں، لوگوں

[ل] سو بھاگو اللہ کی طرف ۱۲ [ل] اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنے کا ۱۲

نے ان سے پوچھا کہ ظلم تو معلوم ہے کفر سے آپ مغفرت کیسی چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الانسان لظلوم کفار یعنی اسی کفر سے مغفرت چاہتا ہوں جس کا ثبوت آدمی میں آیت سے یقینی ہے اور یوسف ابن اسباطؒ سے کسی نے پوچھا کہ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو کیا دعا مانگتے ہو، فرمایا دعا کیا مانگوں، اپنی تقصیر کی معافی ستر بار چاہتا ہوں، پس جس صورت میں کہ قرأت میں اپنے نفس کو تقصیر کی صورت پر دیکھے گا تو یہ دیکھنا اس کے قرب کا موجب ہوگا اس لیے کہ جو شخص قرب میں دوری کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے لیے خوف مرحمت ہوتا ہے اور یہ خوف اس کو قرب کے ایک درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو اول درجہ سے اعلیٰ ہو اور جو شخص دوری میں قرب کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خوف سے مامونی دی جاتی ہے جو انجام کو اس کو اور درجہ پر جو دوری میں اول سے نیچے ہوتا ہے پہنچا دیتی ہے اور جس صورت میں اپنے نفس کو بچشم رضا دیکھے گا تو خود اس کے نفس ہی کا حجاب اس میں اور اسرار میں ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں دیکھتا ہاں جس صورت میں کہ اپنے نفس کی طرف التفات چھوڑ دیتا ہے اور بجز خدا تعالیٰ کے قرأت میں اور کوئی چیز مشاہدہ نہیں کرتا تب البتہ اس کو اسرار عالم ملکوت کے واضح ہوتے ہیں، سلیمان بن ابی سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ ابن ثوبانؒ نے ایک روز اپنے بھائی سے اقرار کیا کہ میں تمہارے پاس افطار کروں گا پھر اس کے پاس نہ جا سکے یہاں تک کہ صبح ہو گئی دن نکلے ان کے بھائی نے کہا کہ تم نے میرے پاس افطار کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر تشریف نہ لائے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں تم سے وعدہ نہ کر لیتا تو جس بات سے تمہارے پاس نہ آسکا تم سے نہ کہتا، صورت یہ ہوئی کہ جب میں عشاء پڑھ چکا تو دل نے کہا کہ تمہارے پاس آنے سے پیشتر وتر بھی پڑھ لوں کہ شاید موت پھر فرصت نہ دے، جب میں وتر کی دعا پڑھنے لگا تو میرے سامنے ایک سبز باغیچہ کر دیا گیا جس میں طرح طرح کے پھول جنت کے تھے۔ میں ان کو صبح تک دیکھتا رہا اس لیے فرصت آنے کی نہ ہوئی، اور اس قسم کے مکاشفات اسی وقت ہوتے ہیں کہ آدمی اپنے نفس سے اور اس کی خواہشوں کا دھیان کرنے سے قطع نظر کر لے، پھر یہ مکاشفات کشف والے احوال کے بموجب خاص ہو جایا کرتے ہیں۔ مثلاً جب آیات رجا پڑھتا ہے اور اس کے حال پر بشارت غالب ہوتی ہے تو اس کو جنت کی صورت منکشف ہوتی ہے اور اس کو ایسی طرح مشاہدہ کرتا ہے کہ گویا آنکھ سے ظاہر میں دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اس پر خوف غالب ہوتا ہے تو دوزخ اس پر منکشف ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے عذاب طرح طرح کے اس کو معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کلام نرم اور لطیف اور سخت اور درشت اور مملو از رجا اور پُر از خوف سب طرح کے ہیں کیونکہ جیسے اوصاف متکلم کے ہیں ویسے ہی کلام میں مضامین ہیں اور اس کے اوصاف میں سے رحمت اور لطف اور انتقام اور گرفت ہیں۔ پس یہی صفات کلمات میں پائے جاتے ہیں تو جس طرح کے کلمات اور صفات کا مشاہدہ ہوگا، دل کا حال بھی بدلے گا، اسی کے موافق ایسی بات کے منکشف ہونے کے لائق ہو جائے گا جو اس کے حال کے مناسب ہو کیونکہ یہ تو محال ہے کہ سننے والے کا حال ایک ہی رہے اور کلام بدلتا جائے، اس لیے کہ کلام میں متکلم کی صفات کا اثر موجود ہو، کوئی جز اس کا راضی کا کلام ہے اور کوئی غضب والے کا اور کوئی انعام دینے والے کا اور کوئی انتقام لینے والے کا اور بعض جابر متکبر کا جو پروا نہیں کرتا اور بعض شفقت والے مہربان کا جو بے کار نہیں چھوڑتا تو ضرور ہے کہ سننے والے کا حال بھی بدلے۔

ؒ بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا ۱۲

چوتھی فصل، قرآن فہمی میں عقلی گھوڑے دوڑانا اور بغیر نقل اسلاف اس کی تفسیر کرنا

شاید تم یہ کہو کہ تم نے سابق میں اسرارِ قرآن کے سمجھنے اور جو معانی قرآنی صافی دلوں کو واضح ہوتے ہیں۔ ان کے باب میں بڑی تاکید کی ہے، یہ بات مستحب کیسے ہو سکتی ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[۱] من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار اور اسی وجہ سے جو لوگ ظاہر تفسیر کو جانتے ہیں، وہ اہل تصوف پر تشنیع کرتے ہیں اس باب میں کہ جن کلمات کی تاویل حضرت ابن عباسؓ وغیرہ مفسرین سے منقول نہیں وہ لوگ اپنی طرف سے تصوف کے طور پر بیان کرتے ہیں بلکہ علاوہ تشنیع کے اس تاویل کو کفر کہتے ہیں۔ پس اگر اہل تفسیر کا قول صحیح ہو تو قرآن کے سمجھنے سے بجز اس کے کیا غرض ہے کہ اس کی تفسیر کو یاد کر لینا چاہیے اور اگر ان کا قول صحیح ہو تو حدیث مذکورہ بالا کے کیا معنی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی وہی ہیں جس کا بیان ظاہر تفسیر کرتی ہے تو وہ لوگ اپنے نفس کی انتہا سے خبر دیتے ہیں اور اپنا حال بیان کرنے میں درست کہتے ہیں مگر اور لوگوں کو جو اپنے ہی درجہ اور مقام پر لانے کا حکم کرتے ہیں اس بات میں غلطی پر ہیں کیونکہ حدیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ اہل فہم کو قرآن کے معانی سے گنجائش ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کسی بندے کو سمجھ اپنی کتاب کی عنایت فرماتا ہے اگر قرآن کے معنی سوائے ترجمہ منقول کے اور کچھ نہیں ہیں تو پھر اس سمجھ سے کیا مراد ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[۲] کہ قرآن کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ایک حد ہے اور ایک مطلع اور یہ روایت حضرت ابن مسعودؓ سے بھی موقوفاً مروی ہے اور یہ صحابی تفسیر کے عالموں میں سے ہیں۔ پس ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع کے کیا معنی ہیں، اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں اس سے کیا مراد ہے ظاہر تفسیر الحمد کی تو بہت تھوڑی سی ہے۔ اور حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا ہے کہ آدمی فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کی کئی صورتیں یاد نہ کرے۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے لیے ساٹھ ہزار فہم یعنی معنی ہیں اور جس قدر سمجھنے سے باقی رہ گئے ہیں وہ اور بھی زیادہ ہیں اور کسی دوسرے کا قول ہے کہ قرآن ستر ہزار دو سو علم پر حاوی ہے اس لیے ہر کلمہ کے لیے ایک علم ہے اور چونکہ ہر ایک کے لیے ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع ہے چوگنے ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس[۳] بار مکرر پڑھا اس کے معنی ہی کے سمجھنے کے لیے پڑھا ورنہ اس کا ترجمہ اور تفسیر ظاہری ہے اس کی تکرار کی کیا حاجت تھی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کا فرمانا کہ جو کوئی اگلوں پچھلوں کا علم چاہے قرآن کی بحث کرے۔ یہ بھی صرف ظاہر تفسیر سے حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال و صفات میں تمام علوم داخل ہیں اور قرآن میں اس کی ذات اور افعال و صفات کا بیان ہے اور ان علوم کی کچھ انتہا نہیں۔ اور قرآن مجید میں ان کی طرف مجملاً اشارہ کر دیا ہے اور ان کی تفصیل میں غور کرنا قرآن مجید کے سمجھنے پر منحصر ہے صرف ظاہری تفسیر سے تفصیل

---

[۱] یہ حدیث مع ترجمہ باب العلم کی تیسری فصل میں گذری ۱۲ [۲] یہ حدیث باب قواعد العقائد میں گذری ۱۲ [۳] اس سے پہلی فصل میں گذری ۱۲

طرف اشارہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ جو باتیں کہ ناظرین پر مشکل پڑتی ہیں خواہ نظریات اور معقولات میں لوگوں کا اختلاف ہے قرآن مجید کی میں ان سب کی طرف رموز اور اشارات ہیں کہ ان کو بجز اہل فہم کے اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا، اس صورت میں ظاہر الفاظ کا ترجمہ اور تفسیر ان امور کے لیے کیسے کافی ہوں گے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اقرءوا القرآن والتمسوا غرائبہ[1] اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حدیث[2] منقول ہے اس میں ارشاد فرمایا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو نبی برحق کر کے بھیجا ہے تاکہ میری امت اپنے اصل دین و جماعت کو چھوڑ کر بہتر فرقے ہو جائے گی کہ کل فرقے گمراہ اور بہکانے والے ہوں گے۔ اور دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ جب یہ صورت پیش ہو تو تم اپنے اوپر قرآن مجید کو لازم پکڑنا کہ اس میں جو تم سے پہلے ہو گیا ہے اس کا حال بھی ہے جو تم سے بعد ہوگا اس کا بھی اور جو معاملات تم میں ہیں ان کا حکم بھی اس میں موجود ہے جو شخص جابروں میں سے اس کے خلاف کرے گا اس کو خدا تعالیٰ توڑ دے گا۔ اور جو شخص اس کے سوا دوسری چیز میں علم کا طالب ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے گا وہ اللہ تعالیٰ کی حبل المتین اور اس کا نور مبین اور شفائے مفید ہے جس نے اس کو پکڑا وہ محفوظ رہا جو اس کا تابع ہوا اس کو نجات ملی نہ وہ ٹیڑھا ہو کہ وہ درست ہووے اور نہ مائل ہو کہ اس کی راستی کی حاجت پڑے۔ اس کے عجائب کبھی منقطع نہیں ہوتے، اور نہ بہت سا پڑھنے سے پرانا ہوتا ہے آخر تک اور حضرت حذیفہؓ کی حدیث[3] میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد ان کو اپنی امت کے اختلافات اور بھٹنے کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں اس وقت کو پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے بموجب عمل کرنا کہ نکاس کی صورت وہی ہے میں نے تین بار یہی سوال کیا، آپ نے یہی فرمایا کہ کتاب اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا کہ نجات اسی میں ہے اور حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو سمجھ جاتا ہے وہ جملہ علوم کو بیان کر دیتا ہے اس سے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن مجید تمام علوم کلی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا[4] کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کی سمجھ ہے، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[5] ففہمنٰھا سلیمان وکلا اتینا حکما وعلما اس آیت میں جو چیزیں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں کو عنایت کی اس کا نام علم و حکم رکھا اور جس بات کو خاص حضرت سلیمانؑ نے سمجھا اس کا نام فہم فرمایا اور اس کو حکم اور علم پر مقدم کیا غرضکہ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے معنی سمجھنے میں بہت بڑی گنجائش ہے اور ظاہر تفسیر قرآنی میں جو منقول ہے وہ اس کے مضامین معلوم کرنے کی انتہا نہیں ہے کہ اس سے آگے نہ بڑھ سکیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا من فسر القرآن برایہ الخ اور اپنی رائے سے تفسیر بیان کرنے کو منع فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں قرآن میں اپنی رائے سے

---

[1] بیہقی در شعب بروایت ابوہریرہ رضؓ بلفظ اعربوا بجائے اقرؤا بسند ضعیف اور معنی یہ ہیں کہ قرآن کو پڑھو اور اس کے غرائب کو ڈھونڈھو ۱۲

[2] ترمذی میں کچھ ایک اختلاف الفاظ سے یہ روایت آئی ہے اور کہا ہے کہ غریب ہے اور اسناد اس کی مجہول ۱۲ [3] ابوداؤد و نسائی در کبری ۱۲

[4] اور جس کو سمجھ ملی اس کو بہت خوبی ملی ۱۲ [5] پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ ۱۲

کچھ کہوں تو کون سی زمین مجھے اٹھا دے اور کون آسمان مجھے چھپا دے اور سوائے ان کے اور احادیث و آثار جو تفسیر بالرائے کہنے کی ممانعت میں وارد ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا یہ کہ ان سے غرض یہ ہو کہ تفسیر کے باب میں نقل اور سننے پر کفایت کرنی چاہیئے اور استنباط اپنی عقل سے اور جداگانہ معنی سمجھنے نہ چاہییں یا کوئی اور غرض اس کے سوا ہو اور یہ غرض ہونی کہ قرآن کے متعلق کوئی سوا سنی ہوئی باتوں کے اور کچھ نہ کہے کئی وجہوں سے قطعًا باطل ہے، وجہ اول یہ ہے کہ سننے میں یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوا ہو یا آپ کی طرف منسوب ہو، حالانکہ یہ امر قرآن کے تھوڑے ہی حصہ میں پایا جاتا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اپنی طرف سے کہتے ہیں وہ نہ مانی جائے اور اس کو بھی کہہ دیا جائے کہ یہ تفسیر رائے سے ہے کیونکہ انہوں نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ایسا ہی ان کے سوا اور اصحاب کی تفسیر کا حال جانو، دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ اور مفسرین نے بعض آیتوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور مختلف قول فرمائے ہیں کہ وہ کسی طرح ایک دوسرے سے متفق نہیں ہو سکتے اور ان سب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا محال ہے اور اگر بالفرض کوئی قول آپ سے سنا ہوا ہوتا تو باقی اقوال متروک ہو جاتے۔ اس سے قطعًا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مفسر نے معنی وہ کہے ہیں جو اس کو استنباط سے سوجھے ہیں یہاں تک کہ حروفِ مقطعات کے باب میں جو سورتوں کے شروع میں ہیں، سات قول مختلف کہتے ہیں مثلاً الٓمٓ میں بعض کہتے ہیں کہ یہ حروف الرحمٰن میں کے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد اللہ ہے اور ل سے لطیف اور میم سے رحیم۔ اور بعض اس کے سوا کہتے ہیں اور ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں تو سب مسموع کیسے ہو سکتے ہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا کی اور فرمایا[ح] اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل پس اگر قرآن کی طرح تاویل بھی مسموع اور محفوظ ہے تو حضرت ابن عباسؓ کو اس کے لیے خاص کرنے کے کیا معنی ہوں گے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۲] لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم اس آیت میں اہل علم کے لیے استنباط ثابت کیا اور ظاہر ہے کہ استنباط سنی ہوئی چیز کے سوا ہے اور جتنے آثار کہ ہم نے پیشتر قرآن کے سمجھنے میں نقل کیے ہیں، وہ سب اس خیال کے خلاف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ معنی قرآن میں سننے کی قید لگانی باطل ہے بلکہ ہر عالم کو جائز ہے کہ قرآن میں سے اپنی فہم اور عقل کے موافق استنباط کرے، باقی رہی ممانعت تو اس کو دو صورتوں پر محمول کر سکتے ہیں۔ اول یہ کہ آدمی کی کسی چیز میں ایک رائے ہے اور اس کی طرف میل طبعی رکھتا ہے پھر قرآن کے معنی اپنی رائے اور خواہش کے مطابق کہے تاکہ اس کا مطلب درست ٹھہرائے اور اگر اس کی یہ رائے نہ ہوتی تو قرآن میں سے یہ معنی اس کو معلوم نہ ہوتے، اور یہ امر کبھی تو علم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی بدعت کے درست کرنے کو قرآن کی بعض آیات سے حجت کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ آیت سے یہ مراد نہیں مگر اپنے مقابل کو دھوکا دیتا ہے اور کبھی یہ نہیں جانتا ہوتا کہ آیت سے یہ مراد نہیں مگر چونکہ آیت محتمل کئی وجہ کی ہوتی ہے تو اس کی رائے اسی طرف کو ڈھلتی ہے جو اس کی غرض

ح الٰہی اس کو دین میں سمجھ دے اور معنی قرآن سکھا دے اس کی سند باب العلم کی دوسری فصل میں گذری ۱۲، ۲ تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کے ۱۲

کے مطابق ہو، اور اسی جانب کو اپنی عقل اور خواہش سے ترجیح دے لیتا ہے تو ایک صورت رائے تفسیر کرنے کی یہ ہے یعنی اس تفسیر کا باعث اس کی رائے ہی پڑتی ہے اگر رائے نہ ہوتی تو یہ تفسیر بھی اس کے نزدیک غالب نہ ٹھیرتی، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا ایک صحیح مطلب ہوتا ہے اور اس کے لیے قرآن سے دلیل تلاش کرتا ہے اور حجت ایسی آیت کو کر دیتا ہے کہ اس کو معلوم ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود نہیں مثلاً اگر کوئی پچھلی رات میں لوگوں سے استغفار کرنے کو کہتا ہو، اور اپنی حجت اس حدیث کو پیش کرے[1] تسحروا فان فی السحور برکۃ اور کہے کہ تسحر سے مراد ذکر کرنے سے ہے حالانکہ جانتا ہے کہ اس سے غرض سحری کھانے سے ہے یا کوئی شخص کسی سخت دل کو مجاہدے کے لیے کہتا ہو، اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] اذھب الیٰ فرعون انہ طغیٰ اور اس سے اشارہ دل کی طرف کرے اور کہے کہ فرعون سے مراد دل ہی ہے تو یہ بھی رائے سے تفسیر کرنا ہے اس جنس کی تفسیر کو بعض واعظ اپنے صحیح مقصودوں میں استعمال کرتے ہیں اس نظر سے کہ کلام درست ہو جائے اور سننے والوں کو ترغیب ہو تو گو ان کی نیت صحیح ہوتی ہے مگر اس طرح کی تفسیر ممنوع ہے اور کبھی اس تفسیر کو فرقہ باطلہ اپنے خراب مطالب میں لوگوں سے دھوکا دینے اور ان کو اپنے مذہب میں کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور قرآن کے معنی اپنی رائے اور مذہب کے مطابق کہہ دیتے ہیں حالانکہ قطعاً جانتے ہیں کہ یہ معنی مراد نہیں، غرضیکہ ایک صورت تو رائے سے تفسیر کے منع کی یہ ہوئی جو مذکور ہوئی یعنی رائے سے مراد وہ رائے ہے جو فاسد اور موافق خواہش نفس کے ہو یہ نہیں کہ اجتہاد صحیح بھی اس میں داخل ہو، اور ہر چند رائے کا لفظ صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہے مگر کبھی رائے خاص اسی کو کہتے ہیں جو موافق خواہش کے ہو، دوسری صورت رائے سے تفسیر کے منع ہونے کی یہ ہے کہ ظاہر الفاظ عربی کے خیال سے تفسیر قرآن کی طرف مبادرت کرے اور اس میں سنا سنایا کچھ نہ ہو، نہ قرآن کے غریب لفظوں سے واقف ہو نہ اس کے الفاظ مبہم اور مبدل سے ماہر نہ اختصار اور حذف و اضمار پر آگاہ نہ اس کی تقدیم و تاخیر کے قاعدہ سے خبردار ہو، پس جو شخص ظاہر معانی قرآنی سے اچھی طرح واقفیت نہ رکھتا ہوگا اور صرف عربی سمجھنے پر اکتفا کر کے معانی کے استنباط پر مبادرت کرنے لگے گا وہ بے شک بہت غلطیاں کرے گا اور رائے سے تفسیر کہنے والوں کے زمرہ میں داخل ہوگا کیونکہ ظاہر معنی کے جاننے کے لیے نقل اور سماع پہلے چاہیئے تاکہ غلطی کے مقامات سے محفوظ رہے پھر تفسیر ظاہری پختہ ہونے کے بعد البتہ فہم اور استنباط کی گنجائش زیادہ ہو جاتی ہے اور جو الفاظ غریب کہ بدوں سننے کے سمجھ میں نہیں آتے وہ بہت سے اقسام ہیں۔ ہم ان میں سے کسی قدر کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں تاکہ ان سے اوروں کا حال واضح ہو اور معلوم ہو جائے کہ ابتداءً میں تفسیر ظاہر کے یاد کرنے میں سستی درست نہیں اور یہ کہ بدون ظاہر کے پختہ کرنے کے باطنی اسرار تک پہنچنے کی طمع نہیں ہو سکتی اور جو شخص کہ اسرار قرآنی کے سمجھنے کا دعویٰ کرے اور تفسیر ظاہری میں پختگی حاصل نہ کی ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی مکان کے شہ نشین تک پہنچنے کا دعوے کرے اور دروازہ میں قدم نہ رکھا ہو یا یہ دعوے کرے کہ میں ترکیوں کے کلام کے مطلب سمجھ لیتا ہوں، حالانکہ زبان ترکی کے مقاصد نہ سمجھتا ہو، کیونکہ تفسیر ظاہری قائم مقام لغت کی تعلیم کے ہے جو سمجھنے کے لیے ضرور ہے اور جن چیزوں میں سننا ضروری ہے وہ بہت سی ہیں۔ اول حذف اور اضمار سے

---

[1] باب العلم کی تیسری فصل میں گذری ۱۲ [2] جا فرعون کے پاس کہ اس نے سر اٹھایا ۱۲

مختصر کر دینا جیسے واٰتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بہا میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اونٹنی سوجھانے کو ہم نے ثمود کو دی، انہوں نے اپنے نفسوں پر اس کے مار ڈالنے سے ظلم کیا، ظاہر الفاظ عربی کا دیکھنے والا یہ گمان کرے گا کہ اونٹنی بینا تھی اندھی نہ تھی، اور یہ نہیں جانے گا کہ انہوں نے ظلم کیا اور اپنے اوپر کیا یا غیر پر اور اس ارشاد خداوندی واشربوا فی قلوبہم العجل بکفرھم میں حُب کا لفظ محذوف ہے یعنی گوسالہ کی دوستی ان کے دلوں میں پلا دی گئی - اور اذا لاذقناك ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات میں یہ مراد ہے کہ ہم تجھ کو زندوں کے عذاب کا دونا اور مردوں کے عذاب کا دونا چکھادیں گے - یہاں عذاب کو حذف کر دیا ہے اور زندوں اور مُردوں کی جگہ حیات اور ممات کو بولا ہے، یہ حذف وتبدل لغت فصیح میں درست ہے اور واسئل القریۃ التی کنا فیہا میں لفظ اہل محذوف اور پوشیدہ ہے یعنی سوال کر واس گاؤں کے باشندوں سے جس میں ہم تھے اور ثقلت فی السمٰوٰت والارض میں ثقلت کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں یعنی قیامت آسمان و زمین والوں پر پوشیدہ ہے اور جب کوئی چیز مخفی رہتی ہے تو بھاری پڑ جاتی ہے اس لیے لفظ کی تبدیلی ہوگئی اور اہل کا لفظ حذف کر دیا گیا اور تجعلون رزقکم انکم تکذبون میں شکر کا لفظ محذوف ہے یعنی اپنی روزی دینے کا شکر کرتے ہو کہ جھٹلاتے ہو اور واٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلك میں السنۃ محذوف ہے یعنی دے ہم کو جو اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور انا انزلناہ فی لیلۃ القدر - ضمیر غائب قرآن کی طرف ہے حالانکہ اس کا ذکر پیشتر نہیں ہوا اسی طرح حتیٰ توارت بالحجاب میں ضمیر آفتاب کی طرف ہے جو پیشتر مذکور نہیں اور والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ میں یہ مراد ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں ما نعبدھم الخ یقولون کو یہاں سے حذف کر دیا ہے اور اس آیت میں فما لھؤلاء القوم لایکادون یفقہون حدیثا ما اصابك من حسنۃ فمن اللہ وما اصابك من سیئۃ فمن نفسك سے یہ مراد ہے کہ وہ سمجھتے نہیں اپنے اس قول کو ما اصابك من حسنۃ الخ اور اگر یہ مراد نہ ہو تو اس آیت کا مضمون اس ارشاد کے مخالف ہو جائے گا قل کل من عند اللہ حالانکہ اس سے ظاہراً مذہب قدریہ فرقہ کا سمجھ میں آتا ہے، دوم لفظ بدلا ہوا منقول ہونا جیسے وطور سینین میں سیناء کی جگہ سینین ہے اور سلام علی الیاسین بجائے الیاس کے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ادریس ہیں کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں سلام علی ادراسین ہے - سوم لفظ کا مکرر ہونا جو ظاہر میں کلام کے اتصال کو قطع کرتا ہے جیسے اس آیت میں وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن کہ اس کے معنی میں ان یتبعون مکرر آیا ہے اور اس آیت میں قال الملاء الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن اٰمن منھم کہ اس میں ایک لام اور ایک ضمیر مکرر ہے اور مراد ہیں اٰمن من الذین استضعفوا سے ہے - چہارم - مقدم اور مؤخر ہو جانا الفاظ کا اور یہ مقام غلطی کرنے

ؕ سو کیا حال ہے ان لوگوں کا لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ۱۲ ؕ تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے ۱۲ ؕ اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں شریک پکارنے والے اللہ کے سوا کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں خیال کے ۱۲ ؕ کہنے لگے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی قوم میں سے غریب لوگوں کو جو ان میں یقین رکھتے تھے ۱۲

کا ہے کہ اگر آدمی سمجھ نہ لے تو غلطی کرتا ہے جیسے اس آیت میں[1] ولولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی
کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لولا کلمۃ، واجل مسمی لکان لزاما اور اگر یوں نہ ہو تو اجل کو منصوب ہونا چاہیئے جیسے لزاماً ہے
اور[2] یسئلونک کانک حفی عنہا میں معنی اس طرح ہیں کہ یسئلونک عنہا کانک حفی بہا اور[3] لھم درجات عند
ربھم ومغفرۃ ورزق کریم کما اخرجک ربک من بیتک بالحق میں کما اخرجک الخ جملہ سابق قل الانفال
للہ والرسول سے مرتبط ہے، یعنی غنیمت کے مال تمہارے لیے اس لیے ہوتے کہ تم اپنے نکلنے سے راضی ہو اور کافر
ناراض ہیں پس حکم تقویٰ وغیرہ کا جملہ معترضہ کلام کے بیچ میں آگیا ہے اور اسی طرح کی آیت یہ ہے[4] حتی تؤمنوا باللہ وحدہ
الاقول ابرٰھیم لابیہ لاستغفرن لک۔ پنجم لفظ کا مبہم ہونا یعنی کوئی کلمہ یا حرف بہت سے معنوں میں مشترک ہو جیسے
شے اور قرین اور امت و روح وغیرہ اور کلمات مشترک کی مثال ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[5] ضرب اللہ مثلا عبداً
مملوکا لا یقدر علی شیء میں شیٔ سے مراد عدل اور راستی کے لیے حکم کرنا ہے اور[6] فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء
میں، صفات ربوبیت مراد ہیں یعنی وہ علوم جن کا پوچھنا عارف کو حلال نہیں جب تک کہ زمانہ استحقاق و قابلیت کو شروع
نہ کرلے اور[7] ام خلقوا من غیر شیء ام ھم الخالقون میں شیٔ سے غرض خالق ہے اور اس کے ظاہر الفاظ سے کبھی
یہ وہم ہوتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ شیٔ ہی سے پیدا ہوتی ہے اور لفظ قرین کے مشترک
ہونے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[8] وقال قرینہ ھذا مالدی عتید اس میں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس
پر موکل ہے اور اس آیت میں[9] وقال قرینہ ربنا ما اطغیتہ قرین سے غرض شیطان ہے اور لفظ امت عربی میں آٹھ طرح
پر مستعمل ہے۔ اول یعنی جماعت جیسے اس آیت میں[10] وجد علیہ امۃ من الناس یسقون دوم نبیوں کے پیرو جیسے یوں کہیں
کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیں۔ سوم وہ آدمی کہ خیر کا جامع اور پیشوا ہو جیسے اس آیت میں[11] ان ابراھیم کان امۃ قانتا
للہ حنیفا چہارم دین جیسے انا وجدنا اباءنا علی امۃ میں پنجم وقت اور زمانہ جیسے الی امۃ معدودۃ اور وادکر بعد
امۃ۔ ششم قد کے معنوں میں، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حسن الامۃ یعنی خوش قد ہے۔ ہفتم وہ شخص کہ کسی دین میں یکتا ہو کوئی

---

[1] اور کبھی نہ ہوتی ایک بات نکل گئی تیرے رب سے اور اگر نہ ہوتا وعدہ ٹھیرایا تو مقرر ہوتا بھیٹنا ۱۲ [2] مجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا
کہ تو اس کا متلاشی ہے ۱۲ [3] ان کو درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی آبرو کی جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے
گھر سے درست کام پر ۱۲ [4] تو کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا ۱۲ [5] جب تک تم یقین لاؤ اللہ اکیلے پر مگر ایک کہنا ابراہیمؑ کا اپنے
باپ کو میں مانگوں گا معافی تیری ۱۲ [6] اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایک بندے پر آیا مال نہیں مقدار رکھا کسی چیز پر ۱۲ [7] بتائی اللہ
نے ایک مثال دو مرد ہیں ایک گونگا کچھ کام نہیں کر سکتا ۱۲ [8] پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز ۱۲
[9] کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے ۱۲ [10] اور بولا اس کے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر ۱۲
[11] بولا اس کا ساتھی اے رب ہمارے میں نے اس کو شرارت میں نہیں ڈالا ۱۲ [12] پائے اس پر جمع ہو رہے لوگ پانی پلاتے ۱۲
[13] اصل ابراہیمؑ تھا راہ ڈالنے والا حکم بردار اللہ کا ایک طرف کا ۱۲ [14] ہم نے پائے اپنے باپ دادے ایک راہ پر ۱۲

اس کا شریک اس میں نہ ہو جیسے[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن عمرو بن نفیل کو لشکر کے ساتھ بھیجتے ہوئے فرمایا تھا اُمّۃ واحدۃ یعنی امت کا یگانہ اور یکتا ہے۔ ہشتم ماں کے معنوں میں آیا ہے جیسے کہیں ھٰذہ امۃ زید یہ زید کی ماں ہے اور لفظ روح بھی قرآن میں کئی معنوں میں آیا ہے مگر ان کے ذکر سے ہم طول کلام نہیں کرتے اور حروف میں ابہام کی مثال یہ آیت ہے فاثرن بہ نقعًا فوسطن بہ جمعًا یعنی پھر اٹھاتے ہیں اس میں گرد پھر بیٹھ جاتے ہیں اس وقت فوج میں، اس میں اول ضمیر بہ کی سموں کی طرف ہے جو اوپر والعادیات ضبحًا میں مذکور ہے یعنی قسم ہے دوڑتے گھوڑوں ہانپتے کی جو سموں سے گرد اٹھائیں اور دوسری یہ کنایہ غارت سے ہے جو مغیرات صبحًا میں ہے۔ یعنی صبح کو دھاڑ دینے اور فوج مشرکین دھاڑ ڈالنے کی قسم ہے اور[۲] فانزلنا الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات میں ضمیر اول ابر کی طرف ہے اور دوسری پانی کی طرف، اور اس طرح کے ابہام قرآن مجید میں بے شمار ہیں۔ ششم رفتہ رفتہ بیان کرنا مثلاً شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن میں قرآن کا اترنا رمضان میں فرمایا ہے مگر اس سے یہ ظاہر نہ ہوا کہ رات کو اترا یا دن کو، پھر انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبٰرکۃ سے رات کو اترنا ثابت ہوا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ کون سی شب میں اترا، پھر انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر سے وہ عقدہ بھی حل ہوگیا، حالانکہ ظاہر الفاظ آیات ان میں اختلاف کا گمان ہوتا ہے۔ غرضکہ یہ امور اس طرح کے ہیں کہ بدون نقل اور سننے کے اور کوئی بات ان کو کافی نہیں، اور قرآن مجید اول سے لے کر آخر تک اس قسم کی باتوں سے خالی نہیں اس لیے کہ وہ لغت عربی میں اترا ہے تو جتنی قسمیں ایجاز اور تطویل اور اضمار اور حذف اور ابدال اور تقدیم اور تاخیر کی عرب کے کلام میں ہیں ان سب پر قرآن بھی حاوی ہے تاکہ ان کا ملتزم ٹھہرے اور عاجز کر دے۔ پس اگر کوئی شخص ظاہر الفاظ عربی کو سمجھ کر قرآن کی تفسیر پر مبادرت کرے اور سننے اور نقل سے اعانت ان امور میں نہ لیوے تو وہ ان لوگوں میں داخل ہوگا جو قرآن کو اپنی رائے سے تفسیر کرتے ہیں۔ مثلاً امت کے معنی مشہور سمجھ کر اس کی طبیعت اور رائے اسی کی طرف مائل ہو اور جب دوسری جگہ اس لفظ کو سنے تو اس کی رائے اسی طرف جائے جو مشہور معنی سن رکھے ہیں اور اس کے معنی کی کثرت کی تلاش نہ کرے کہ کتنے مسموع ہیں تو یہ البتہ ممنوع ہونے کی صورت ہے نہ اسرار قرآنی کو سمجھنا جیسا پیشتر مذکور ہوا، حاصل یہ کہ جب اس طرح کے امور سننے سے معلوم ہو جائیں گے تو ظاہر کی تفسیر یعنی الفاظ کا ترجمہ معلوم ہو جائے گا اور ترجمہ جاننا معانی کے حقائق کے سمجھنے میں کافی نہیں۔ اور حقائق معانی اور لفظی ترجمہ میں فرق ایک مثال سے سمجھ میں آئے گا مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اس کا ظاہری ترجمہ تو یہ ہے کہ تو نے نہیں پھینکا جب پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے

---

[۱] پھر ہم نے اتارا اس سے پانی پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل ۱۲ [۲] مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن ۱۲ [۳] ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ۱۲ [۴] ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں ۱۲ [۵] لشکر کے ساتھ الخ اصل کا مطلب یہ ہے آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے حق میں فرمایا کہ وہ اکیلا ایک امت اٹھایا جائے گا۔ یعنی قیامت میں وہی شخص دین توحید ابراہیم پر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک سے کچھ دن پہلے انتقال کر گئے، انہیں کے بیٹے سعید بن زید ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے کبار صحابہ میں شمار ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی کے بیٹے ہیں ۱۲

پھینکا اور معنی حقیقی اس کے باریک ہیں اس لیے کہ اس میں پھینکنے کا ثبوت اور نفی دونوں ہیں اور ظاہر میں اجتماع ضدین کی سی صورت ہے جب تک کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ پھینکنا اور اعتبار سے ہے اور نہ پھینکنا اور جہت سے۔ اور جس اعتبار سے کہ نہیں پھینکا ہے اس سے خدا تعالیٰ نے پھینکا ہے اور اسی طرح یہ آیت ہے قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم کے اس میں جب قتل کی نسبت مسلمانوں کی طرف ہے تو اللہ تعالیٰ کا فروں کو عذاب دینے والا کس طرح ہے اور اگر یہ کہو کہ خدا تعالیٰ اس وجہ سے عذاب دینے والا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کو کفار کے قتل کے لیے وہی ہلاتا ہے تو پھر مسلمانوں کو قتال کے لیے امر کرنے کے کیا معنی؟ پس ان معنوں کی حقیقت علوم مکاشفات کے ایک بڑے سمندر سے معلوم ہوتی ہے، ترجمہ ظاہر الفاظ اس میں کارآمد نہیں، بلکہ اس کے معلوم کرنے کا طریق یہ ہے کہ پہلے یہ جانے کہ آدمی کے افعال اس کی قدرت حادثہ سے وابستہ ہیں، اور یہ قدرت خداوند کریم کی قدرت سے مرتبط ہے۔ اسی طرح بہت سے باریک علموں کے واضح ہونے کے بعد یہ منکشف ہوگا کہ واقع میں وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی درست و بجا ہے۔ اور اگر بالفرض ان معنوں کے اسرار دریافت کرنے اور ان کے مقدمات و لواحق کے باہم مرتبط ہونے میں تمام عمر صرف کر دی جائے تو غالباً اس کے سب لواحق پورے ہونے کے پیشتر ہی عمر تمام ہو جائے اور کوئی کلمہ قرآن مجید کا ایسا نہیں جس کی تحقیق میں ان جیسے امور کی ضرورت نہ ہوتی ہو مگر علم میں پکے لوگوں کو اس کے اسرار اس قدر معلوم ہوتے ہیں جس قدر ان کے علم میں کثرت اور دلوں میں صفائی اور تامل کرنے کی رغبت میں زیادتی اور طلب میں خلوص ہوتا ہے اور ہر شخص کو ترقی کرنے میں ایک حد ہوتی ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ پر ترقی کر سکتا ہے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ سارے مدارج طے کر جائے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے[1] قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی اگر سمندر سیاہی بنے اور درخت سب قلم ہو جائیں تب بھی اسرار کلمات الٰہی کے تحریر نہ ہو سکیں گے۔ اور اسی وجہ سے لوگ اسرار کی سمجھ میں مختلف ہوتے ہیں باوجودیکہ ترجمہ ظاہری سب جانتے ہیں مگر تفسیر ظاہری اسرار کے فہم میں کافی نہیں اور اسرار کے سمجھنے کی مثال یہ ہے جو بعض اہل دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کی حالت میں اس دعا سے سمجھے ہیں[2] اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ یعنی جب آپ کو حکم ہوا کہ سجدہ سے قرب حاصل کرو، آپ نے سجدہ میں قرب پایا۔ اور صفات الٰہی کی طرف نظر کر کے بعض صفات کے ساتھ بعض سے پناہ مانگی یعنی رضا کے ساتھ سخط سے پناہ مانگی اور یہ دونوں وصف ہیں اسی طرح معافات اور عقوبت دونوں صفات ہیں کہ اول کی بدولت دوم سے پناہ مانگی پھر آپ کا قرب زیادہ ہوا اور پہلا قرب بھی اسی میں مندرج ہو گیا تب آپ نے صفات سے ذات کی طرف ترقی کی اور فرمایا کہ اعوذ بک منک

لڑو ان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو ہاتھوں تمہارے ۱۲ ع ۵ نسائی اور کبریٰ بروایت زید بن حارثہ و اسماء بنت ابی بکر رض ۱۲ [1] تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں بے شک دریا تمام ہو جائے اور ابھی نہ تمام ہوں میرے رب کی باتیں۔ [2] پناہ پکڑتا ہوں تیری رضا کی تیرے غصہ سے اور پناہ پکڑتا ہوں تیرے عفو کرنے عذاب سے پناہ پکڑتا ہوں تیری ذات کی تجھ سے میں تعریف نہیں کر سکتا تو ایسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ۱۲

یعنی تیری ذات کی پناہ پکڑتا ہوں تجھ سے، پھر آپ کا قرب آشنا زیادہ ہوا کہ آپ کو شرم آئی کہ بساط قرب پر ہو کر پناہ مانگتا ہوں اسی وقت ثناء تعریف کی طرف جھکے، اور فرمایا لا احصی ثناء علیك یعنی میں تیری تعریف نہیں احاطہ کر سکتا، پھر آپ نے جانا کہ یہ بھی قصور ہے کہ ثنا کو اپنی طرف منسوب کیا تب فرمایا انت کما اثنیت علی نفسك تو ایسا ہے جیسا تو خود اپنی ذات کی ثنا کرے غرض کہ اہل دل کے لیے اس طرح کے رموز واضح ہوا کرتے ہیں، پھر ان رموزوں کی اور تہہیں ہیں یعنی قرب کے معنوں کو سمجھنا اور قرب خاص سجدہ میں ہونا اور ایک صفت کے ذریعہ سے دوسری سے پناہ مانگنا اور اس سے اس کی ذات کی پناہ پکڑنا وغیرہ اور اس کے اسرار بہت ہیں، ظاہر لفظوں کے ترجمہ سے معلوم نہیں ہوتے اور ترجمۂ ظاہری کے مخالف بھی نہیں بلکہ ان سے اس کی تکمیل اور مغز ہی ہوتی ہے اور معانی باطنی سمجھنے سے ہماری مراد یہی ہے، یہ مراد نہیں کہ وہ معانی ترجمۂ ظاہری کے مخالف ہوں۔ باب آداب تلاوت تمام ہوا والحمد للہ اولاً و اخراً والصلوٰۃ علی کل عبد مصطفیٰ والسلام علی من اتبع الهدیٰ اس کے بعد باب ذکر اور دعاؤں کا مذکور ہوتا ہے۔

نواں باب ذکر اور دعاؤں کی تفصیل

رباعی

ادعونی استجب ہے جب قول خدا ❊ احسن جو کہی بندہ کرے ہے بیجا
دشمن بھی تو اس در سے نہیں ہے محروم ❊ دیکھو کہ پذیرا ہوئی شیطان کی دعا

ازانجا کہ بعد تلاوتِ قرآن مجید کے کوئی عبارت زبانی اس سے بہتر نہیں کہ خدا تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور خالص دعاؤں سے اپنے مطالب اس کی جناب میں عرض کیے جائیں۔ لہٰذا بیان کرنا ذکر اور دعا کی فضیلت اور ان کے آداب و شرائط کا ضروری ہے، اور یہ باتیں پانچ فصلوں میں مذکور ہوں گی۔

فصل اول آیات و احادیث و آثار سے ذکر کی فضیلت اور فوائد

مطلق ذکر کی فضیلت میں آیات ربانی اس باب میں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[1] فاذکرونی اذکرکم ثابت بنانی نے کہا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو کس وقت یاد کرتا ہے۔ لوگ ان سے ڈر گئے اور پوچھا کہ آپ یہ کیسے جانتے ہیں، فرمایا کہ جب میں اس کو یاد کرتا ہوں، وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور فرمایا[2] اذکروا اللہ ذکراً کثیراً اور فرمایا[3] فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھداکم

---

[1] تو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو ۱۲ [2] یاد کرو اللہ تعالیٰ کی بہت سی یاد ۱۲ [3] پھر جب طواف کو چلو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا ۱۲

اور فرمایا[ث] فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا اور فرمایا[۲ث] الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم فاذا[۳ث] قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما و قعودا وعلی جنوبکم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے کہ رات کو اور دن کو خشکی اور تری میں حضر اور سفر میں تونگری اور مفلسی میں بیماری اور صحت میں باطن اور ظاہر میں ذکر کرتے رہو، اور منافقوں کی مذمت میں ارشاد فرمایا[۴ث] ولا یذکرون اللہ الا قلیلا اور فرمایا[۵ث] اذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین اور فرمایا[۶ث] ولذکر اللہ اکبر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جتنا تم خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہو، اس سے خدا تعالیٰ کا تم کو یاد کرنا بڑا ہے اور دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کا ذکر اور تمام عبادتوں سے زیادہ ہے اور ان کے سوا اور بہت سی آیات ہیں۔ اور احادیث اس باب میں یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ غافلوں کے بیچ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا سوکھے اور ٹوٹے ہوئے درختوں کے درمیان سبز درخت ہوتا ہے اور فرمایا[۸ح] ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل فی الفارین اور فرمایا[۹ح] ذاکر اللہ فی الغافلین کالحی بین الاموات اور فرمایا[۱۰ح] کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب تک کہ وہ مجھ کو یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے رہیں۔ اور فرمایا[۱۱ح] کہ آدمی کا کوئی عمل عذابِ الٰہی سے بچانے والا ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ راہِ خدا میں جہاد بھی نہیں مگر اس صورت میں کہ اپنی تلوار سے اتنا مارے کہ ٹوٹ جائے پھر اس سے مارے کہ ٹوٹ جائے پھر اس سے ضربیں لگاوے کہ ٹوٹ جائے۔ اور فرمایا[۱۲ح] کہ جس کسی کو یہ پسند ہو کہ جنت کے گلزاروں میں چرے، اس کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر بہت کرے اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اعمال میں سے کون سا افضل ہے آپؐ نے فرمایا[۱۳ح] کہ افضل یہ ہے کہ ایسے حال میں مرو کہ ذکر اللہ سے تر زبان ہو اور فرمایا[۱۴ح] کہ صبح اور شام خدا تعالیٰ کے ذکر سے تر زبان رہو تاکہ صبح اور شام کو ایسے ہو جاؤ کہ تمہارے اوپر کوئی خطا نہ ہو۔ اور فرمایا[۱۵ح] کہ صبح اور شام کو خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا راہِ خدا میں تلواروں کے توڑنے اور پانی بہانے کی

ث پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو جیسے یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے زیادہ یاد ۱۲ [۲ث] جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ۱۲ [۳ث] پھر جب نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے ۱۲ [۴ث] اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر کم ۱۲ [۵ث] اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا اور پکار سے کم آواز بولنے میں صبح اور شام کے وقتوں میں اور مت رہ بے خبر ۱۲ [۶ث] اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی ۱۲ ح ابو نعیم در حلیہ و بیہقی در شعب بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲ [۸ح] اللہ کا ذکر کرنے والا غافلوں میں مثال لڑنے والوں کے ہے بھاگنے والوں میں ۱۲ بزاز و طبرانی در اوسط مگر اس میں ہے بجائے المقاتل کے ۱۲ [۹ح] اللہ کا ذکر کرنے والا غافلوں میں مثال زندہ کے ہے مردوں میں ۱۲ بخاری و مسلم میں یہ مضمون اور الفاظ سے ادا کیا ہے ۱۲ [۱۰ح] ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہؓ حاکم بروایت ابو درداءؓ ۱۲ [۱۱ح] طبرانی بروایت معاذؓ ۱۲ [۱۲ح] ابن ابی شیبہ و طبرانی بروایت معاذؓ بسند ضعیف ۱۲ [۱۳ح] ابن حبان و طبرانی و بیہقی بروایت معاذؓ ۱۲ [۱۴ح] ابو القاسم اصفہانی در ترغیب و ترہیب ۱۲ [۱۵ح] ابن عبد البر در تمہید بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲

طرح مال کے دینے سے افضل ہے اور فرمایا[۲] کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جب بندہ مجھ کو اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، یعنی میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ اور جب مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کے مجمع سے بہتر میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف کو آہستہ چلتا ہے تو میں اس کی طرف جھپٹتا ہوں یعنی جلد دعا قبول کرتا ہوں۔ اور فرمایا[۳] کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا اس روز کہ بجز اس کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کے خوف سے رویا ہو۔ اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۴] کہ بھلا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جو تمہارے اعمال میں بہتر ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک بہت ستھری اور تمہارے درجات میں سب سے اونچی، اور تمہارے حق میں سونے اور چاندی کے دینے سے بہتر اور تمہارے لیے اس امر سے بھی بہتر ہو کہ تم اپنے دشمنوں سے دوچار ہو ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرنا۔ اور فرمایا[۵] کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کسی کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روک دے گا اس کو وہ چیز دوں گا کہ جو کچھ مانگنے والوں کو دیتا ہوں اس سے بہتر ہو اور آثار اسباب میں یہ ہیں کہ فضیل کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدمؑ تو مجھ کو ایک ساعت صبح کے بعد اور ایک ساعت عصر کے بعد یاد کر لیا کر، میں تجھ کو ان دونوں کے درمیان میں کفایت کروں گا۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس بندہ کے دل پر مطلع ہو کر میں دیکھ لیتا ہوں کہ میرے ذکر سے تمسک کرنا اس پر غالب ہے تو میں اس کے انتظام کا ذمہ دار ہوتا ہوں اور اس کا ہم نشین اور ہم کلام اور انیس ہو جاتا ہوں، اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ ذکر دو ہیں، ایک خدا تعالیٰ کو اپنے جی میں یاد کرنا کہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہ ہو، یہ نہایت عمدہ ہے اور اس کا ثواب بہت بڑا ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا اس وقت یاد کرنا ہے کہ وہ محروم کرے۔ اور مروی ہے کہ دنیا سے سب نفس پیاسے نکلیں گے بجز اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کے، اور معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنت کے لوگ کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے بجز اس ساعت کے جو ان پر آئی ہو اور انہوں نے اس میں ذکر خدا نہ کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ذکر کی مجالس کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا[۶] کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس کے لوگوں یعنی ملاء اعلیٰ میں کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے[۷] کہ جو لوگ اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اس ذکر سے بجز اس کی رضا کے اور کچھ ان کا مقصود نہیں ہوتا تو ان کو ایک منادی آسمان سے پکارتا ہے

[۲] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۳] احمد و ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو درداءؓ ۱۲ [۴] بخاری در تاریخ و بیہقی در شعب و بروایت عمر بن الخطابؓ ۱۲ [۵] مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۶] احمد و طبرانی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [۷] ترمذی و ابو ہریرہؓ ۱۲

کہ اُٹھو تمہاری مغفرت ہوگئی۔ اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں، اور فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کا ذکر نہ کریں گے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجیں گے تو قیامت کو ان کے لیے حسرت ہوگی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ الہیٰ جب تو مجھ کو دیکھے کہ میں ذکر کرنے والوں کی مجلس سے غافلوں کی مجلس کی طرف بڑھا جاتا ہوں تو ان تک پہنچنے سے پہلے میری ٹانگ توڑ دے کہ یہ بھی منجملہ تیرے احسانوں کے ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ع] کہ نیک مجلس ایماندار کی بخش لاکھ بُری مجلسوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اور حضرت ابوہریرۃ رضہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے اہل زمین کے ان گھروں کو جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوا ہوگا۔ ایسے دیکھیں گے جیسے ستارے دیکھے جاتے ہیں۔ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ اکٹھے ہو کر خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو شیطان اور دنیا الگ ہو جاتے ہیں، اور شیطان دنیا سے کہتا ہے کہ دیکھتی ہے یہ کیا کرتے ہیں تو دنیا کہتی ہے کہ کر لینے دے یہ جب جدے ہوں گے میں ان کی گردنیں پکڑ کر تیری طرف لے آؤں گی۔ اور حضرت ابوہریرہ رضہ[ع] ایک بار بازار میں گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ تم یہاں ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے لوگوں نے بازار کو ترک کر دیا اور مسجد کو روانہ ہوئے، وہاں کچھ مال نہ دیکھا، حضرت ابوہریرہ رضہ سے آکر کہا کہ ہم نے تو کوئی میراث بٹتے نہ دیکھی، آپ نے پوچھا کہ پھر کیا دیکھا، انہوں نے کہا کہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میراث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی تو ہے۔ اور اعمش بن ابی صالح سے اور وہ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ع] کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے نامہ اعمال کے لکھنے والوں کے سوا زمین میں ذکر کے حلقے ڈھونڈھتے رہتے ہیں، جب کسی قوم کو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مطلوب کی طرف چلو سب فرشتے وہاں آتے ہیں اور آسمان دنیا تک ذکر کرنے والوں کو گھیر لیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیا کرتے چھوڑا، وہ عرض کرتے .... ہیں کہ ہم نے اس حال میں چھوڑا کہ تیری حمد اور بڑائی اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بھلا انہوں نے مجھے دیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نہیں، اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا ہو، فرشتے کہتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو زیادہ تر تیری تسبیح اور تحمید کریں۔ پھر پوچھتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دوزخ سے۔ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے، عرض کرتے ہیں کہ نہیں، فرماتا ہے کہ اگر اس کو دیکھیں تو کیسی ہو، عرض کرتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو اس سے زیادہ تر گریز اور نفرت کریں۔ پھر پوچھتا ہے کہ وہ کیا مانگتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جنت کے سائل ہیں، فرماتا ہے کہ انہوں نے کیا اس کو دیکھا ہے، عرض کرتے ہیں کہ نہیں، فرماتا ہے کہ اگر دیکھ لیں تو کیا ہو، عرض کرتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو اس کے زیادہ تر حریص ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ الہیٰ ان میں فلاں شخص تھا وہ ان کے ارادے سے نہیں آیا تھا بلکہ اپنے کسی کام کو آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے طفیل

ع ابومنصور بروایت اسد ابن دواعہ مرسلاً ۱۲ ع طبرانی در معجم صغیر بسند مجہول اور منقطع ۱۲ ع ترمذی نے اسی طرح روایت کیا ہے اور بخاری و مسلم میں صرف بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲

میں محروم نہیں ہوتا۔

کلمۂ طیبہ کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے اور مجھ سے پیشتر انبیاء نے کہا ہے[1] افضل ما قلت انا والنبیون من قبلی اس میں سے افضل یہ قول ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اور فرمایا کہ جو کوئی ہر روز سو بار کہے[2] لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر اس کے لیے دس بردے آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور سو نیکیاں اس کے واسطے لکھی جائیں گی، اور سو برائیاں اس کی دور کی جائیں گی، اور اس روز شیطان سے شام تک اس کو پناہ رہے گی، اور اس کے عمل سے بڑھ کر اور کسی کا عمل نہیں بجز اس شخص کے کہ دس سے زیادہ یہ کلمے پڑھے، اور فرمایا[3] کہ جو شخص وضو اچھی طرح کر کے اپنی آنکھ آسمان کی طرف اٹھاوے اور کہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھل جائیں گے جونسے میں سے چاہے اندر چلا جائے اور فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو قبروں سے اٹھنے میں گویا کہ میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ نفخ صور کے وقت اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں[4] الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور اور حضرت ابوہریرہؓ کو ارشاد فرمایا[5] کہ اے ابوہریرہؓ جو نیکی تم کرو گے وہ قیامت کے دن وزن کی جائے گی مگر اس بات کی گواہی دینی کہ لا الٰہ الا اللہ اس کے لیے ترازو نہیں رکھی جائے گی، اس لیے کہ اگر یہ کلمہ اس شخص کے پلّے میں رکھا جائے گا جس نے اس کو صدق کے ساتھ کہا ہو، اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ان کے درمیان کی چیزیں دوسرے پلّہ میں رکھی جائیں گی تو ان سب سے لا الٰہ الا اللہ ہی جھکتا رہے گا۔ اور فرمایا[6] کہ اگر صدق دل کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہنے والا بقدر زمین کے گناہ لاوے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔ اور فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ جو شخص مرنے کو ہو اس کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت تلقین کرو کہ وہ گناہوں کو ڈھا دیتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مرنے والوں کے لیے ہے زندوں کے لیے کیا صورت ہے، فرمایا کہ ان کے حق میں زیادہ تر ڈھاتی ہے۔ اور فرمایا من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصًا دخل الجنۃ کہ تم سب جنت میں بےشک

---

[1] ترمذی بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲ [2] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ معنی جملہ لا الٰہ الا اللہ الخ کے باب الحج میں گذرے ۱۲ [3] ابوداؤد بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ [4] ابویعلیٰ وطبرانی وبیہقی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ [5] شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے غم بےشک ہمارا رب بخشتا ہے قبول کرتا ۱۲ [6] اس حدیث کا آخر جملہ مستغفری نے دعوات میں روایت کیا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کو وصیت کرنا ثابت نہیں اور نسائی نے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کا اٹھ جانا لا الٰہ الا اللہ سے روایت کیا ہے بروایت ابوسعیدؓ ۱۲ [7] احیاء میں جو الفاظ ہیں ان سے یہ حدیث غریب ہے ترمذی نے اور الفاظ سے اس مضمون کو روایت کیا ہے بروایت انسؓ ۱۲ [8] ابومنصور از مسند فردوس وابویعلیٰ بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ [9] جس شخص نے اخلاص سے کہا لا الٰہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہوگا ۱۲ طبرانی بروایت زید بن ارقم بسند ضعیف ۱۲ [10] بخاری نے بروایت ابوہریرہؓ اور حاکم نے بروایت ابوامامہ اور ابوالشیخ نے بروایت حکم بن عمر اس حدیث کے جملے روایت کیے ہیں ۱۲

جاؤ گے مگر جو شخص بانکار پیش آئے اور اللہ تعالیٰ سے ایسا بدلے جیسے اونٹ اپنے مالک سے بدل جاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا سے بانکار کون پیش آتا ہے فرمایا کہ جو لا الٰہ الا اللہ نہ کہے پس لا الٰہ الا اللہ کہنے کی کثرت کرو بیشتر اس سے کہ تم میں اور اس کلمہ میں آڑ کر دی جاوے کیونکہ یہ کلمہ توحید اور کلمہ اخلاق اور کلمہ تقویٰ اور کلمہ طیبہ اور دعوۃ الحق اور عروۂ وثقیٰ ہے اور جنت کا دام بھی وہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں تو احسان لا الٰہ الا اللہ کا کہنا ہے اور آخرت میں جنت ہے اور اسی طرح لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی زیادہ کہا گیا ہے اور حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی دس بار کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اس کو ایک بردے کے آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک دن میں دو سو دفعہ کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اس سے نہ تو وہ سبقت لے جائے گا جو اس سے پہلے تھا اور نہ اس کو وہ پائے گا جو اس کے بعد ہوگا مگر جو کوئی اس کے عمل سے افضل کرے گا وہ البتہ اس سے پیشی لے جائے گا، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بازار میں کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس لاکھ برائیاں دور ہوں گی، اور ایک مکان اس کے لیے جنت میں بنایا جائے گا۔ اور مروی ہے کہ بندہ جب لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ کلمہ اس کے نامۂ اعمال کی طرف آتا ہے تو جس خطا پر گذرتا ہے اس کو مٹاتا جاتا ہے یہانتک کہ جب کوئی اپنی طرف کی نیکی دکھتا ہے تو اس کے پہلو میں بیٹھ جاتا ہے اور حدیث صحیح میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر تو ایسا ہے کہ جیسے چار بردے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے آزاد کیے اور نیز حدیث صحیح میں حضرت عبادہؓ بن الصامت سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہر رات جاگے۔ پھر کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر کہے الٰہی مجھے بخش دے تو اس کی مغفرت ہو جائے گی یا دعا مانگے گا تو دعا قبول ہو گی۔ اگر وضو کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز قبول ہو گی۔

سبحان اللہ الحمد للہ اور باقی اذکار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ تینتیس بار

ح اور کیا بدلہ ہے نیکی کے سوا ۱۲ ح جنہوں نے بھلائی کی ان کو ہے بھلائی اور بڑھتی ۱۲ ح حاکم شرط شیخین ۱۲ ح احمد و حاکم ۱۲ ح ابو یعلی بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ ح بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ ح بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ ح مستغفری دعوات بروایت ابن عمرؓ اور کہا ہے کہ غریب ہے اور احمد نے بروایت ابن عمرؓ بسند صحیح روایت کیا ہے کہ یہ وصیت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لڑکے کو کی تھی ۱۲

الحمد للہ اور تینتیس۳۳ بار اللہ اکبر کہے، اور سو پورا کرنے کو لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر کہے کہ اس کے گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، جو شخص دن میں سو بار سبحان اللہ والحمد للہ کہے اس کے گناہ دور ہو جائیں گے گو سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔ اور مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کہ مجھ سے دنیا نے پشت پھیری اور میں تنگ دست ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ تو فرشتوں کی نماز اور خلق کی تسبیح کیوں نہیں پڑھتا اس سے تو لوگوں کو روزی ملتی ہے، اس نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ صبح صادق کے طلوع سے فجر کی نماز پڑھنے تک کے اندر سو بار سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ پڑھ لیا کر، دنیا تیرے پاس خوار و ذلیل ہو کر آئے گی، اور اللہ تعالیٰ ہر کلمہ سے اس دعا کے ایک فرشتہ پیدا کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح قیامت تک کرتا رہے گا اور اس کا ثواب تجھ کو ملے گا۔ اور فرمایا[۱] کہ جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان بھر دیتا ہے، جب دوسری دفعہ الحمد للہ کہتا ہے تو ساتویں آسمان سے لے کر سب سے نیچے کی زمین تک پر کر دیتا ہے۔ پھر جب تیسری بار الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مانگ تجھ کو ملے گا۔ اور رفاعہ زرقی رضہ سے مروی[۲] ہے کہ ہم ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب آپ نے رکوع سے اپنا سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو ایک شخص نے آپ کے پیچھے سے کہا ربنا لک الحمد حمدًا کثیرًا طیبًا[۳] مبارکًا فیہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ کون بولا تھا، اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تھا، آپ نے فرمایا کہ میں نے کچھ اوپر تینتیس۳۳ فرشتوں کو دیکھا کہ اس کلام کی طرف جھپٹتے تھے کہ اس کو کون پہلے لکھے۔ اور فرمایا[۴] کہ باقیات الصالحات یہ ہیں لا الٰہ الا اللہ وسبحان اللہ واللہ اکبر والحمد للہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اور فرمایا[۵] کہ اگر زمین کے اوپر کوئی شخص کہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وسبحان اللہ والحمد للہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، اس کو ابن عمر رضہ نے روایت کیا ہے، اور نعمان بن بشیر رضہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[۶] کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال اور تسبیح اور تہلیل اور تحمید کا ذکر کرتے ہیں تو یہ کلمات عرش کے گرد پھرتے ہیں اور شہد کی مکھی کا سا بھنبھناہٹ ان کا ہوتا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کا ذکر پروردگار کے پاس کرتے ہیں۔ کیا تم میں سے کسی کو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا رہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۷] کہ اگر میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے جس پر سورج نکلتا ہے، یعنی دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر زیادہ ہے

---

[۱] ان الفاظ سے جو احیاء میں ہیں غریب ہے ہم کو اس کا پتہ نہیں ملا ۱۲ [۲] بخاری ۱۲ [۳] اے ہمارے پروردگار تجھی کو تعریف ہے بہت اور پاکیزہ اور جس میں برکت یا اخلاص کی ہو ۱۲ [۴] نسائی وحاکم بروایت ابوسعید ۱۲ [۵] حاکم بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ [۶] ابن ماجہ وحاکم ۱۲ [۷] مسلم بردو روایت ۱۲

اور فرمایا کہ یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور فرمایا[۱] کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسند کلام یہ چار کلمات ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہ جونسی سے شروع کروگے کچھ تم کو خلل نہ کرے گا۔ اس روایت کو سمرہ بن جندبؓ نے روایت کیا ہے اور ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا[۲] کرتے تھے کہ طہارت نصف ایمان ہے اور الحمد للہ کہنا میزان بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ واللہ اکبر آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں اور نماز نور ہے اور خیرات کرنا برہان ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن تیرے نفع یا نقصان کے لیے حجت ہے آدمی صبح کو اٹھ کر یا تو اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں پھر اس کو ہلاک کر دیتے ہیں یا اپنے نفس کو خریدتے ہیں اور اس کو آزاد کرتے ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ دو کلمے زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم اور حضرت ابو ہریرہ رضہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا کلام محبوب تر ہے آپؐ نے فرمایا کہ جو کلام اس نے اپنے فرشتوں کے لیے چن رکھا ہے یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم اور حضرت ابو ہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام میں سے ان کلمات کو چھانٹ لیا ہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پس جب بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کے لیے بیس[۴] نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور بیس برائیاں اُس سے دور کی جاتی ہیں اور جب اللہ اکبر کہتا ہے تب بھی اسی طرح ہوتا ہے اور آخر تک کلمات کو ذکر فرما دیا کہ ہر ایک کے کہنے میں ویسا ہی حال ہے۔ اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۶] کہ جو کوئی سبحان اللہ وبحمدہ کہے، اس کے لیے ایک درخت جنت میں لگایا جائے گا۔ اور حضرت ابو ذرؓ سے مروی[۷] ہے کہ فقراء صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ دولت مند ثواب لے گئے وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں۔ اور اپنے بچے ہوئے مالوں سے خیرات کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے کیا تمہارے لیے کوئی چیز نہیں بنائی جس سے تم صدقہ کرو۔ تمہارے واسطے ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ اور الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر تہلیل صدقہ ہے اور ہر ایک تکبیر صدقہ ہے۔ اچھی بات کے لیے امر کرنا صدقہ ہے، بری بات سے منع کرنا صدقہ ہے۔ تم میں سے کوئی اپنی بی بی کے منہ میں لقمہ دے تو یہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔ اور تمہارے لیے اپنی بی بی سے ہم بستر ہونے میں صدقہ ہے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کو اپنی شہوت کے پورا کرنے میں بھی ثواب ہے، آپؐ نے فرمایا کہ بھلا یہ تو کہو کہ اگر شہوت کو حرام میں صرف کرتا تو گناہ ہوتا ہے کہ نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ بے شک گناہ ہوتا آپؐ نے فرمایا کہ اسی طرح اگر حلال میں صرف کرے گا تو

---

[۱] مسلم بروایت سمرہؓ ۱۲ [۲] مسلم ۱۲ [۳] بخاری ومسلم ۱۲ [۴] مسلم مگر سبحان اللہ العظیم نہیں ہے ۱۲ [۵] النسائی بروایت ابو سعیدؓ وابو ہریرہؓ لیکن ان کی روایت میں تیسؓ ہے بجائے بیسؓ کے ۱۲ [ع] قولہ سب آدمی الخ اصل مطلب یہ کہ سب آدمی صبح کو خرید و فروخت کرتے ہیں پھر بعض تو اس طرح سے کہ ہلاک کرتے ہیں اور بعض اس طرح کہ آزاد کر لیتے ہیں ۱۲ [۶] ترمذی ۱۲ [۷] مسلم ۱۲

اس کو ثواب ہوگا اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں[1] کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، مالدار ثواب میں ہم سے بڑھ گئے کہ جو ہم کہتے ہیں اس کو وہ بھی کہتے ہیں اور وہ خرچ کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے، آپؐ نے فرمایا کہ میں تجھ کو ایسا عمل نہ بتادوں کہ جب تو اس کو کرے تو جو تجھ سے اول ہوا اس کو جا لے اور جو تیرے بعد ہو اس پر فائق ہو بجز اس شخص کے کہ تیرے قول کے موافق کہے، وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس[۳۳] بار سبحان اللہ اور اسی قدر الحمد للہ اور چونتیس[۳۴] بار اللہ اکبر کر لیا کر۔ اور بُسَیرہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] کہ اے عورتو اپنے اوپر سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ اور سبوح قدوس کہنا لازم کر لو کہ اس سے غفلت نہ کرو اور عدد کے شمار عقد انامل سے کیا کرو کہ انگلیوں کی پوریں قیامت کے روز شہادت دیں گی اور بولیں گی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں[3] کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ سبحان اللہ کہنے کو شمار کرتے جاتے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[4] کہ بندہ جب کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ سچ کہتا ہے کہ کوئی معبود میرے سوا نہیں اور میں سب سے زیادہ بڑا ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا کہ کوئی میرے سوا نہیں، میں یہ کہتا ہوں کوئی میرا شریک نہیں۔ اور جب وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ درست کہتا ہے۔ گناہ سے بچنے کی طاقت اور طاعت کے لیے قوت بجز میرے اور کسی طرح نہیں، اور جو شخص ان کلمات کو مرنے کے وقت کہے تو اس کو دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ اور مصعب بن سعدؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[5] کہ تم میں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر روز ایک ہزار نیکیاں کما لیا کرے، لوگوں نے عرض کیا کہ کیسے ہو، آپؐ نے فرمایا کہ سو بار سبحان اللہ کہہ لیا کرے اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزار برائیاں اس سے دور کی جائیں گی، اور فرمایا[6] کہ اے عبداللہ بن قیس حضرت ابو موسیٰ کو خطاب فرما کر کہا کہ کیا میں تجھ کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلا دوں، انہوں نے عرض کیا کہ ارشاد فرمایئے فرمایا کہ کہو لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا کہنا جنت کے خزانوں میں سے عرش کے نیچے کا ایک عمل ہے جب بندہ اس کو کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ اسلام لایا اور فرمانبردار ہوا۔ اور فرمایا کہ جو شخص صبح کو یہ کہہ لیا کرے[7] کہ رضیت باللہ ربًّا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و رسولاً تو ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو قیامت کے روز راضی کردے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی اس دعا کو پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس سے راضی

---

[1] ابن ماجہ و ابوالشیخ در ثواب بروایت ابو درداءؓ ۱۲ [2] ابوداؤد و ترمذی و حاکم ۱۲ [3] ابوداؤد و نسائی و ترمذی ۱۲ [4] ترمذی و نسائی در الیوم واللیلۃ و حاکم ۱۲ [5] ترمذی ۱۲ [6] نسائی در یوم و لیلۃ و حاکم ۱۲ [7] مثل حدیث بالا ۱۲ [8] میں راضی ہوا اللہ سے اس کو اپنا رب جاننے میں اور اسلام کو دین، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبیؐ اور رسولؐ ماننے میں ۱۲ ابوداؤد و نسائی و حاکم بروایت خادم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲

ہوتا ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنے گھر سے نکلتا ہے اور بسم اللہ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تو ہدایت کیا گیا۔ اور جب کہتا ہے کہ توکلت علی اللہ تو فرشتہ کہتا ہے کہ تو کفایت کیا گیا۔ اور جب کہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تو فرشتہ کہتا ہے کہ تو حفاظت کیا گیا، پھر اس کے پاس سے شیطان علیحدہ ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر تمہارا بس نہ چلے گا کہ یہ ہدایت اور کفایت اور حفاظت میں داخل ہوا، اب اگر یہ کہو کہ یہ کیا بات ہے کہ ذکر الٰہی باوجود زبان پر ہلکا ہونے اور تھوڑی مشقت کے ایسا ہو گیا کہ یہ سب عبادت کی نسبت کہ مفید تر اور افضل ہو گیا حالانکہ عبادات میں محنت بہت ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس امر کی تحقیق تو بدوں علم مکاشفہ کے اور جگہ زیبا نہیں، مگر جس قدر کا ذکر کرنا علم معاملہ میں گوارا کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جس ذکر سے تاثیر اور نفع ہوا کرتا ہے وہ حضور دل کے ساتھ ہمیشہ کو ذکر کرنا ہے اور زبان سے ذکر کرنا اور دل کا غافل ہونا بہت کم نافع ہے ؎

زبان در ذکر و دل در فکر خانہ　٭　چہ حاصل زین نماز پنجگانہ

اور یہی بات احادیث سے بھی معلوم[1] ہوتی ہے اور کسی لحظہ میں ذکر دل کا حاضر ہونا اور پھر دنیا میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ سے غافل ہونا بھی کم تر مفید ہے بلکہ حضور دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہمیشہ یا اکثر اوقات سب عباد توں پر مقدم ہے بلکہ اسی سے سب عبادتوں پر شرف ہے اور وہی عملی عبادتوں کی علت غائی ہے اور اس کی انتہاء یہ ہے کہ انس و محبت اس کے بوجب ہو جائیں اور انہیں کے باعث سے فکر سرزد ہو اور مطلوب بھی یہی انس و محبت ہوتی ہے جو باعثِ ذکر ہو کیونکہ اپنے ابتدائے حال میں بھی تکلیف اپنے دل اور زبان وسواسوں سے روک کر خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف کرتا ہے، اور اگر بتوفیق الٰہی اس پر مداومت کرتا ہے تو اس سے مانوس ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں مذکور کی محبت جمتی ہے اور اس بات سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ امر تو عادت میں بھی مشاہدہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے ایک غائب کا ذکر کرو اور اس کی خصلتوں کو مکرر سہ کرر اس کو سناؤ تو وہ اس سے محبت کرے گا بلکہ کبھی صفت اور کثرتِ ذکر ہی سے عاشق ہو جاتا ہے۔ پھر جب ابتدا میں تکلیف ذکر سے عاشق ہو جاتا ہے تو انجام کو کثرتِ ذکر پر مجبور ہو جاتا ہے اس طرح کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کیا کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز کا ذکر بہت کرتا ہے گو تکلیف سے ہو، وہ اسی شے کو محبوب جانتا ہے، اسی طرح ذکرِ الٰہی اول میں تکلف کے ساتھ بھی اس امر کا ثمرہ دیتا ہے کہ مذکور کے ساتھ یعنی خدا تعالیٰ سے آدمی کو انس و محبت ہو جائے اور انجام کو یہ صورت ہوتی ہے کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا، تو جو چیز اول میں موجب تکلف تھی وہ موجب محبت ہو جاتی ہے اور جو چیز ثمر تھی وہ علت ٹھیرتی ہے اور یہی معنی ہیں اس قول کے جو بعض اکابر سے مروی ہے کہ میں نے بیس برس قرآن پر محبت ہی کھینچی، پھر بیس برس اس سے دولت ملی۔ اور یہ دولت بجز انس و محبت کے اور کسی چیز سے صادر نہیں ہوتی اور انس و محبت جبھی حاصل ہوتی ہے کہ بہت مدت تک تکلیف مشقت اٹھائی جائے یہاں تک کہ تکلیف کا امر سرشتی ہو جائے اور اس امر کو بعید نہ جانو کہ

---

[1] ترمذی و حاکم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند سقیم ۱۲

دیکھتے ہی ہو کہ آدمی بعض اوقات کسی چیز کے کھانے میں تکلف کرتا ہے اور اول بدمزگی کے باعث اس کو برا جانتا ہے۔ اور زبردستی نگلتا ہے مگر اس پر مداومت کرنے سے اس کی طبیعت کے موافق پڑجاتی ہے یہاں تک کہ پھر اس سے صبر نہیں کرتا غرض کہ آدمی کا نفس متحمل ہوتا ہے جس طرح کی عادت ڈالو ویسا ہی عادی ہو جاتا ہے اور جو چیز اس سے اول تکلیف کرائے خیر کو وہ اس کے لیے سرشت ہو جاتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انس حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے ماسوا سے منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے سوا وہ چیزیں ہیں کہ مرنے کے وقت ان سے جدا ہو جائے گا مثلاً گھر کے لوگ اور مال اور اولاد اور حکومت قبر میں کوئی ساتھ نہ ہو گی اور بجز ذکرِ الٰہی کے اور کچھ نہ رہے گا۔ پس اگر ذکر الٰہی سے انس رکھتا ہوگا تب تو اس سے منقطع ہو گا۔ اور جو علائق کہ اس سے روکتے تھے ان کے برطرف ہونے سے لذت پائے گا، کیونکہ دنیا کی زندگی میں حاجتوں کی ضرورتیں ذکر اللہ سے روکتی ہیں اور موت کے بعد کوئی مانع نہ رہے گا تو اس وقت اس میں اور اس کے محبوب میں تخلیہ کر دیا جائے گا۔ اس صورت میں اس کا حال بہت بہتر ہو گا اور اس قید خانہ سے چھوٹ جائے گا جس میں اپنے انس کی چیز سے رُکا ہوا تھا۔ اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈال دیا ہے کہ تم جس چیز کو چاہو محبوب کر لو، مگر اس کو تمہیں چھوڑنا پڑے گا۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دنیا کے متعلق ہوں اس لیے کہ مرنے سے آدمی کے حق میں یہی چیزیں جاتی رہتی ہیں کہ جتنی چیزیں زمین پر ہیں سب فانی ہیں، صرف ذات پاک پروردگار کی باقی ہے اور دنیا کا اس کے حق میں موت کے باعث فنا ہونا اس وقت تک رہے گا کہ وہ شخص مدتِ مکتوب کے پورا ہونے پر واقع میں فنا ہو جائے اور اس انس سے بندہ اپنی موت کے بعد لذت پاتا رہے گا، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے جوار میں نازل ہو کر ذکر سے بقا کی طرف ترقی کر جائے اور یہ امر قبروں میں سے اٹھنے اور سینوں کے اندر کی باتیں معلوم ہونے کے بعد ہوگا اور اس دلیل سے کہ مرنا عدم ہے اس کے ساتھ ذکر کیسے رہ سکتا ہے، موت کے بعد ذکر الٰہی کے ساتھ رہنے سے انکار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ مرنے سے آدمی ایسا معدوم نہیں ہوتا کہ ذکر کا مانع ہو بلکہ اس کا معدوم ہونا صرف دنیا اور عالم ظاہری سے ہے عالم ملکوت سے معدوم نہیں ہوتا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں کہ[ع] ان القبر اما حفرۃ من النار۔ او روضۃ من ریاض الجنۃ اور اس حدیث میں[ع] ارواح الشھداء فی حواصل طیور خضر۔ اسی بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اور اس ارشاد میں[ع] بھی اشارہ ہے جو آپؐ نے جنگِ بدر کے مشرک مقتولوں کو ہر ایک کا نام لے کر فرمایا کہ اے فلاں اے فلاں جو کچھ تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا اس کو تم نے سچ پایا کہ نہیں مجھ سے تو جو کچھ میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا اس کو میں نے سچا پایا۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ کے اس قول کو سُن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کیسے سنیں، اور کیونکر جواب دیں وہ تو مر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میرے کلام کو ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر یہی

ع قبر یا ایک گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے یا گلزار ہے جنت کے گلزاروں میں سے ۱۲ ترمذی بروایت ابوسعیدؓ لیکن دونوں میں تقدیم و تاخیر ہے ۱۲ ع شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں ۱۲ مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ ع مسلم بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

فرق ہے کہ ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں اور یہ روایت حدیث صحیح میں ہے۔ یہ ارشاد آپؐ کا مشرکین کے باب میں ہے اور ایمانداروں کے لیے آپؐ نے فرمایا ہے کہ ان کی روحیں سبز جانوروں کے پوٹوں میں عرش کے نیچے لٹکتی ہیں اور یہ حالت اور جو کیفیت کہ ان الفاظ سے پائی جاتی ہے، ذکر الٰہی کے مخاطب نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم ان لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون اور ذکر الٰہی کے شرف کی جہت سے رتبہ شہادت بڑا ٹھیرا اس لیے کہ مقصود خاتمہ ہے اور ہماری غرض خاتمہ سے دنیا کا رخصت ہونا اور اللہ کے سامنے ایسے حال میں آنا ہے کہ دل خدا تعالیٰ میں ڈوبا ہوا اور اس کے سوا سے منقطع ہو، پس اگر کوئی بندہ اس بات پر قادر ہو کہ اپنی ہمت کو خدا تعالیٰ میں مستغرق کر دے تو اس سے اس حالت پر مرنا بجز صف جنگ کے اور طرح پر نہ ہو سکے گا کیونکہ صف جنگ میں اپنی جان اور مال اور اولاد بلکہ تمام دنیا سے طمع باقی رہتی ہے اس لیے کہ ان چیزوں کو زندگی کے لیے چاہا کرتا ہے، اور حب محبت الٰہی اور اس کی رضا جوئی میں اس کے دل پر زندگی بے قدر ہو گئی تو ان چیزوں کی بھی قدر نہ رہے گی، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے لیے ہو رہنے کی اور کوئی صورت نہیں اور بہمیں سبب شہادت کا معاملہ بہت بڑا ٹھیرا اور اس کے فضائل بے شمار وارد ہوئے، مثلاً جب احد کی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لڑکے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ اے جابرؓ میں تجھے ایک بشارت دیتا ہوں، انہوں نے عرض کیا کہ بہتر خدا تعالیٰ آپ کو خیر کی بشارت دے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کر کے اپنے سامنے بٹھلایا اس طرح کہ اس میں اور خدا تعالیٰ میں کوئی پردہ نہ تھا، پھر فرمایا کہ اے میرے بندے جو کچھ چاہے مجھ سے تمنا کر، میں تجھ کو دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا کہ الٰہی میری یہ تمنا ہے کہ مجھ کو دنیا میں دوبارہ بھیج دے تاکہ میں تیری راہ میں اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں پھر سے مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسباب میں تو میرا حکم پہلے ہو چکا ہے کہ لوگ دنیا میں پلٹ کر نہ جائیں۔ پھر قتل اس جیسی حالت پر مرنے کا باعث ہے۔ کیونکہ اگر مارا نہ جائے اور مدت تک زندہ رہے تو کیا عجب ہے کہ دنیا کی شہوات اس کی طرف لوٹ آئیں اور اس کے دل پر جو ذکر الٰہی کا غلبہ ہے اس پر غالب ہو جائیں اور بہمیں جہت معرفت والے خاتمہ کے معاملہ سے بہت خوف کرتے رہتے ہیں کیونکہ دل ہر چند ذکر الٰہی کو لازم رکھتا ہو، مگر تاہم بدلتا رہتا ہے اور کچھ نہ کچھ التفات دنیا کی شہوات کی طرف رکھتا ہے اور قصور اور سستی عارضی سے خالی نہیں ہوتا، پس اگر معاذ اللہ آخر حال میں اس کے دل میں دنیا کا معاملہ صورت پکڑ کر چھا جائے اور دنیا سے اسی حالت میں کوچ کر جائے تو قریب قیاس

خ ابن ماجہ بروایت کعب بن مالکؓ ۱۲ ؎ اور تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مرے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں ان میں سے پیچھے اس واسطے نہ ڈر ہے ان پر نہ ان کو غم ۱۲ ع ؎ روایت الخ ۱۲ کا اصل مطلب یہ کہ حدیث صحیح میں یہ حدیث موجود ہے اور صحیح کا اطلاق صحیح بخاری میں اور اکثر صحیح مسلم پر ہوتا ہے، چنانچہ حدیث صحیح مسلم میں ہے ۱۲

یہی ہے کہ اسی معاملہ کا غلبہ اس کے دل پر باقی رہے۔ اور مرنے کے بعد اس کا مشتاق ہو کر دنیا میں پھر سے آنے کی تمنا کرے اور یہ تمنا اسی جہت سے ہوتی ہے کہ آخرت کا بہرہ کم ہوتا ہے کیونکہ آدمی کی موت اس حال پر ہوتی ہے جس پر زندگی کرتا ہے اور حشر اس پر ہوتا ہے جس پر مرتا ہے اس صورت میں اس خطرہ سے زیادہ بچاؤ کی صورت شہادت کا خاتمہ ہے بشرطیکہ شہید کی غرض مال کا حاصل کرنا یا بہادری میں مشہور ہو جانا وغیرہ نہ ہو جن کا ذکر حدیث[۱] میں آیا ہے کہ ایسے شہید دوزخ میں جائیں گے بلکہ قصد اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا بول بالا ہونے کا ہو اور یہی حالت ہے جو اس آیت میں مذکور ہے[۲] ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ اور اسی طرح کا شخص دنیا کو آخرت کے عوض میں بیچتا ہے۔ اور شہید کا حال کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی مراد کے موافق ہے اس لیے کہ اس کا مقصود بجز اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہیں اور ہر ایک مقصود معبود ہوتا ہے اور ہر معبود الٰہ ہے تو شہید اپنی زبان حال سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے کہ اس کے سوا اس کا معبود نہیں، اور جو شخص کہ یہ کلمہ اپنی زبان سے کہے اور اس کا حال اس کلمہ کے موافق نہ ہو تو اس کا معاملہ مشیت ایزدی میں ہے اور اس کے حق میں خطرہ سے مامونی نہیں، اور بوجہ مذکورہ سابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ کے کہنے کو سب ذکروں پر فضیلت دی ہے[۳] اور بعض جا تو مطلق اس کے کہنے کو ذکر کیا ہے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو پھر بعض جا صدق اور اخلاص کو اضافہ کر کے ارشاد فرمایا، چنانچہ فرمایا[۴] من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصا۔ اور اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ حال بموجب قول زبانی کے ہوئے۔ ہم خدا تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ خاتمہ میں ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو حال اور قال اور ظاہر و باطن میں لا الٰہ الا اللہ والے ہوں تاکہ ہم دنیا کو ایسی طرح چھوڑیں کہ اس کی طرف ذرا دھیان نہ ہو، بلکہ اس سے دق ہو اور خدا تعالیٰ کی لقاء کے خواہاں، کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی لقاء کو چاہتا ہے اللہ اس کی لقا چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنا برا جانتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی صورت دیکھنا برا جانتا ہے غرض کہ یہ ذکر کے معانی کے وہ اشارات ہیں کہ ان سے زیادہ علم معاملہ میں بیان نہیں ہو سکتا۔

دوسری فصل دعا و استغفار اور درود شریف کے آداب و فضائل

دعا کی فضیلت اور اس کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۵] واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی اور فرمایا ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ابوموسیٰ ۱۲ [۲] اللہ نے خرید کی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ہے ۱۲
[۳] ترمذی و ابن ماجہ و نسائی و حاکم بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [۴] جس نے کہا لا الٰہ الا اللہ اخلاص کے ساتھ ۱۲ [۵] اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو نزدیک ہوں پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے پس چاہیے کہ حکم مانیں میرا [۶] پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے ۱۲

المعتدین اور فرمایا[۱] قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ اور فرمایا[۲] وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین اور احادیث اس کے فضل میں یہ ہیں کہ نعمان بن بشیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[۳] الدعاء ھو العبادۃ[۴] پھر آپ نے ادعونی استجب لکم کو آخر آیت تک پڑھا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے الدعاء مخ العبادۃ[۵]۔ اور حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا[۶] کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بزرگتر نہیں۔ اور فرمایا کہ بندہ دعا سے ایک نہ ایک تین باتوں میں سے جانے نہیں دیتا۔ یا تو اس کا گناہ بخشا جاتا ہے یا کوئی بہتری سردست مل جاتی ہے یا کوئی چیز اس کے لیے ذخیرہ کر دی جاتی ہے۔ اور حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ نیکی کرنے کے ساتھ دعا اس قدر کافی ہے جیسے کھانے کے ساتھ نمک کی مقدار ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۷] کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو کہ اس کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کوئی مانگے۔ اور بہتر بن عبادت کشادگی کا منتظر رہنا ہے۔ اور دعا کے آداب دس ہیں **ادب اول** یہ ہے کہ دعا کے لیے اوقات شریف کو تاکتا رہے جیسے سال میں سے عرفہ کا روز، اور مہینوں میں رمضان کا مہینہ اور ہفتہ میں جمعہ کا روز اور رات کی ساعتوں میں سحر کا وقت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۸] وبالاسحار ھم یستغفرون۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۹] کہ اللہ تعالیٰ ہر شب میں جب تہائی پچھلی رات رہتی ہے، آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا مانگے اور میں قبول کر دوں، اور کوئی ہے مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں، اور کوئی ہے مجھ سے مغفرت کا خواہاں ہو پس میں اس کو بخش دوں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو اپنی اولاد سے کہا تھا کہ سوف استغفر لکم ربی یعنی میں تمہارے لیے اپنے رب سے عنقریب درخواستِ مغفرت کروں گا، تو اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ سحر کے وقت دعا کریں گے، چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ پچھلے تڑکے اُٹھے اور دعا مانگی، اور ان کی اولاد ان کے پیچھے آمین کہتی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی بھیجی کہ میں نے ان کا قصور معاف کیا اور ان کو پیغمبر کر دیا۔

ادب دوم یہ ہے کہ عمدہ حالات کو غنیمت جانے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب راہِ خدا میں فوجیں دشمنوں سے بھڑتی ہیں، اور مینہ کے برسنے کے وقت، اور فرض نماز کے لیے تکبیر کے وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں پس ان وقتوں میں دعا مانگنا غنیمت جانو۔ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نمازیں بہترین ساعات میں مقرر ہوتی ہیں تو ان کے بعد

---

[۱] اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جو اس کو پکارو گے سو اسی کے ہیں نام خاصے ۱۲ [۲] اور کہتا ہے رب تمہارا مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو، بے شک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری عبادت سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر ۱۲ [۳] ترمذی وابن ماجہ بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [۴] دعا مانگنا عبادت ہے ۱۲ اصحاب سنن وحاکم ۱۲ [۵] دعا عبادت کا مغز ہے ۱۲ ترمذی بروایت انسؓ اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲ [۶] ترمذی وابن ماجہ وحاکم ۱۲ [۷] ابو منصور در مسند فردوس بسند ضعیف ۱۲ [۸] ترمذی بروایت ابن مسعودؓ اور اس کی اسناد میں حماد بن واقد ضعیف ہے ۱۲ [۹] اور صبح کے وقتوں میں وہ معافی مانگتے ہیں ۱۲

دعا مانگنا اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۱] ہے کہ اذان اور تکبیر کے بیچ میں دعا رد نہیں ہوتی۔ اور فرمایا[۲] کہ روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی اور واقع میں اوقات کے بہتر ہونے سے حالات بھی بہتر ہوتے ہیں مثلاً سحر کا وقت دل کی صفائی اور اخلاص اور تشویش میں ڈالنے والی چیزوں سے خالی ہونے کا وقت ہے۔ اور عرفہ اور جمعہ کا روز ہمتوں کے جمع ہونے اور خدا تعالیٰ کی رحمت اتارنے کے لیے دلوں کے متفق ہونے کا وقت ہے اور وقتوں کی عمدگی کا ایک سبب یہ ہے کہ حالات اس سے عمدہ ہوتے ہیں باقی اسرار جو اس میں ہیں ان پر بشر کو واقفیت نہیں اور سجدہ کی حالت بھی دعا کے قبول ہونے کے مناسب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ سب حالتوں سے زیادہ بندہ اپنے رب سے قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، پس سجدہ میں دعا کی کثرت کرو۔ اور حضرت ابن عباس رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[۴] کہ مجھ کو قرآن کا پڑھنا حالتِ رکوع اور سجدہ میں منع کر دیا گیا، پس رکوع میں تعظیم اللہ تعالیٰ کی کیا کرو اور سجدہ میں دعا کے لیے خوب کوشش کرو کہ یہ حالت اس بات کی شایاں ہے کہ تمہاری دعا قبول ہو۔ **ادب سوم** یہ ہے کہ دعا قبلہ رخ ہو کر مانگے، اور اپنے ہاتھ اتنے اونچے کرے کہ بغلوں کی سفیدی معلوم ہونے لگے۔ جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں[۵] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ کے موقف میں تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کر دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا۔ اور سلمان رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۶] کہ تمہارا رب حیا والا کریم ہے۔ جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے تو وہ حیا کرتا ہے اس سے کہ وہ ان کو خالی پھیر دے۔ اور حضرت انس رض روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت[۷] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی معلوم ہونے لگتی اور دعا میں اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ نہ کرتے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رض روایت[۸] کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص پر گذرے کہ وہ دعا مانگتا تھا اور اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک انگلی پر اکتفا کر۔ اور حضرت ابو درداء رض فرماتے ہیں کہ ان ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھاؤ پہلے اس سے کہ زنجیروں میں جکڑے جائیں، پھر دعا کے آخر میں چاہیئے کہ دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیرے۔ حضرت عمر رض فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت[۹] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب اپنے ہاتھوں کو دعا میں پھیلاتے تو ان کو نہ ہٹاتے جب تک کہ اپنے چہرہ مبارک پر نہ پھیر لیتے اور حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا مانگتے تھے تو دونوں ہتھیلیاں ملا لیتے۔ اور ان کا اندر کا رُخ اپنے منہ کی طرف کو رکھتے، یہ صورت ہاتھوں کی ہوئی، اور چاہیئے کہ دعا میں اپنی نگاہ آسمان کی

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۱۲ [۲] ابوداؤد و نسائی و ترمذی بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [۳] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ ۱۲

[۴] مسلم ۱۲ [۵] مسلم ۱۲ [۶] نسائی بروایت اسامہ بن زید اور مسلم میں بروایت جابر رض ہے مگر اس میں دعا کا ذکر نہیں ہے کہ غروب تک کھڑے رہے ۱۲

[۷] ابوداؤد و ترمذی و حاکم ۱۲ [۸] بخاری و مسلم مگر یہ صورت دعائے استسقاء میں ہے اور مسلم نے دعا میں یہ حدیث روایت کی ہے مگر اشارہ کا نہ کرنا اسمیں مذکور نہیں ۱۲ [۹] ترمذی و حاکم و ابن ماجہ ۱۲ [۱۰] ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث غریب ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے ۱۲ [۱۱] طبرانی اور کبیر بسند ضعیف ۱۲

طرف کو نہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ چاہیئے کہ لوگ اپنی نگاہیں دعا کے اندر آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ **ادب چہارم** آواز کا پست کرنا اور آہستہ اور پکار کے پڑھنے کے درمیان میں کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضہ روایت کرتے ہیں[2] کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب آئے، جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور آواز خوب بلند کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو جس شخص کو تم پکارتے ہو، وہ نہ بہرا ہے نہ غائب ہے بلکہ وہ تمہارے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان ہے۔ اور حضرت عائشہ رضہ نے ولا تجہر بصلوٰتک ولا تخافت بھا[3] میں فرمایا ہے[4] کہ مقصود یہ ہے کہ اپنی دعا میں جہر واخفامت کر۔ اور خداوند کریم نے اپنے نبی زکریا علیہ السلام کی اسبات میں تعریف فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا اذ نادیٰ ربہ نداءً خفیا اور فرمایا ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین **ادب پنجم** یہ ہے کہ دعا میں قافیہ کا تکلف نہ کرے اس لیے کہ دعا مانگنے کا حال تضرع اور انکسار کرنے والے کا سا ہونا چاہیئے اور اس کو تکلف مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[5] کہ عنقریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ دعا میں حد سے تجاوز کریں گے اور بعض لوگوں نے ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ انہ لا یحب المعتدین کی تفسیر میں فرمایا کہ معتدین کے معنی تکلف کرنے والے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ دعوات ماثورہ کے سوا اور کچھ نہ مانگے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ دعا مانگنے میں حد سے تجاوز کر جائے اور ایسی چیز مانگنے کے لیے جو مقتضائے مصلحت نہ ہو کہ ہر کوئی اچھی طرح دعا مانگنا بھی نہیں جانتا اور اسی سے حضرت معاذ بن جبل رضہ سے حدیث یا انہیں کا قول مروی ہے کہ علماء کی حاجت جنت میں بھی ہوگی جس وقت کہ جنت والوں سے کہا جاوے گا کہ تمنا کرو تو ان کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ تمنا کس طرح کریں یہانتک کہ علماء سے سیکھ کر تمنا کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا میں سجع سے دور رہو تم میں سے کسی کو یہی کہنا کافی ہے اللّٰھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذ بک من النار وما قرب الیھا من قول وعمل اور حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ عنقریب ایسے آئیں گے کہ دعا اور طہارت میں حد سے تجاوز کریں گے۔ اور بعض اکابر سلف کا گزر ایک واعظ پر ہوا کہ وہ دعا میں قافیہ بندی کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا خدا تعالیٰ کے سامنے بلاغت جتاتے ہو گواہ

---

[1] مسلم نے بروایت ابو ہریرہ رضہ نماز کی دعا میں یہ حدیث روایت کی ہے ۱۲ [2] بخاری ومسلم وابو داؤد ۱۲ [3] اور تو نہ پکار اپنی نماز میں نہ چپکے پڑھ ۱۲ [4] بخاری ومسلم ۱۲ [5] جب پکارتا ہے اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے اس کو خوش نہیں آتے خدا سے بڑھنے والے ۱۲ [6] ابو داؤد وابن ماجہ وحاکم بروایت عبد اللہ بن مغفل ۱۲ [7] ان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے البتہ بخاری نے حضرت ابن عباس رضہ کا قول سجع سے احتراز میں نقل کیا ہے اور حاکم نے بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کیا ہے کہ اے عائشہ رضہ دعائیں کامل مانگا کر اور اس میں واسئلک الجنۃ الخ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ الٰہی میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جو قول اور عمل کہ اس کے قریب کر دیں ان کی درخواست کرتا ہوں، اور دوزخ سے اور ان قول وعمل سے جو اس کے قریب کریں تیری پناہ پکڑتا ہوں ۱۲
[8] اوپر گذری ۱۲

رہو کہ میں نے حبیب عجمی کو دعا مانگتے دیکھا ہے جن کی دعا کی برکت مشہور ہے وہ اپنی دعا میں اس سے زیادہ نہیں فرماتے اللھم اجعلنا جیدا ین اللھم لا تفضحنا یوم القیامۃ اللھم وفقنا للخیر[1] اور آدمی ہر طرف سے آپ کے پیچھے دعا مانگتے تھے۔ اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ ذلت اور عاجزی کی زبان سے دعا مانگو نہ فصاحت اور بلاغت کی زبان سے، اور کہتے ہیں کہ علماء اور ابدال میں کوئی دعا میں سات جملوں سے زیادہ نہیں بڑھاتے تھے اور اس کا مشاہدہ سورہ بقر کا آخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا کسی جگہ اس سے زیادہ نہیں بتائی جتنی اس رکوع میں ہے اور جاننا چاہیئے کہ مراد قافیہ سے کلام کا تکلف سے کہنا ہے کہ یہ امر انکسار اور ذلت کے مناسب نہیں اور مطلق قافیہ سے غرض نہیں کہ یہ تو جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان میں بھی موجود ہے کہ کلمات مقفّٰی ہیں مگر وہ تکلف اور بناوٹ کے ساتھ نہیں آمد کے طور پر ہیں۔ جیسے اس دعا میں[2] اسئلك الامن یوم الوعید والجنۃ یوم الخلود مع المقربین الشھود والرکع السجود الموفین بالعھود انك رحیم ودود وانك ما ترید اور اس کے سوا اور دعائیں اس قسم کی ہیں۔ پس چاہیئے کہ جو دعائیں حدیث میں منقول ہوں انہی پر اکتفا کرے، یا زبان تضرع اور خشوع سے بدون قافیہ اور تکلف کے دعا کرے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک عاجزی ہی پسند ہے۔

ادب ششم تضرع اور خشوع کرنا رغبت اور خوف رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[3] انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا و رھبا اور فرمایا ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کو مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کا تضرع سنے۔

ادب ہفتم یہ کہ دعا قطعی طور پر کرنے اور قبول ہونے کا یقین کرے اور اس باب میں سچی توقع کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[5] جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو چاہیئے کہ یہ نہ کہے کہ الٰہی تو بخش دے اگر چاہے اور تو مجھ پر رحم کر اگر چاہے بلکہ قطعی درخواست کرے کہ مجھ کو بخش دے اور رحم کر، کیونکہ اس پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو چاہیئے کہ رغبت بہت کرے، کیونکہ خدا تعالیٰ کو کوئی چیز بڑی نہیں معلوم ہوتی اور فرمایا[6] کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی طرح دعا مانگو کہ تم کو قبول ہونے کا یقین ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتا، اور ابو سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کی خرابی سے واقف ہو کر دعا سے باز نہ رہو، اور یہ مت جانو کہ ہم برے ہیں ہماری دعا قبول نہ ہو گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خلق میں سب سے برے یعنی شیطان ملعون کی بھی دعا قبول فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن میں

---

[1] الٰہی ہم کو خلص بے میل کر دے الٰہی ہم کو روز قیامت میں رسوا مت کرنا، الٰہی ہم کو خیر کی توفیق عنایت کر ۱۲ [2] اس کا ترجمہ اور سند تیسری فصل میں دعائے ابن عباسؓ کے درمیان مذکور ہو گا ۱۲ [3] وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے ۱۲ [4] ابو منصور بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ [5] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔

[6] مسلم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اندک زیادتی ۱۲

[7] ترمذی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کہا ہے غریب ہے ۱۲

موجود ہے[1] قال رب انظرنی الیٰ یوم یبعثون قال فانک من المنظرین۔

ادب ہشتم یہ ہے کہ دعا میں مبالغہ کرے یعنی عمدہ حالات میں اس کی مداومت کرے اور تین بار دعا کے الفاظ کہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا مانگتے تو تین بار مانگتے۔ اور اگر سوال کرتے تو تین دفعہ کرتے۔ اور چاہیئے کہ دعا کے قبول ہونے میں یہ نہ سمجھے کہ دیر ہو گئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[2،3] کہ تم میں سے کسی کی دعا جب قبول ہو گی کہ جلدی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے دعا مانگی اور قبول نہ ہوئی۔ اور جب دعا مانگو تو اللہ سے بہت چیز مانگو کہ تم کریم سے مانگتے ہو۔ اور بعض کا قول ہے کہ میں بیس برس سے ایک حاجت طلب کرتا ہوں اور وہ قبول نہیں ہوتی مگر مجھ کو اس کے قبول ہونے کی توقع ہے وہ یہ کہ میں نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ مجھ کو بے فائدہ چیز کے چھوڑنے کی توفیق عنایت کرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ جب کوئی تم میں سے اپنے پروردگار سے کچھ سوال کرے، اور معلوم ہو کہ قبول ہو گیا تو یہ کہے[5] الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصلحت اور جس کے لیے قبول میں کچھ دیر ہو جائے تو کہے[6] الحمد للہ علیٰ کل حال۔

ادب نہم یہ کہ دعا کو خدائے تعالیٰ کے ذکر سے شروع کرے، اول ہی سوال نہ کرنے لگے، سلمہ بن الاکوع فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی نہیں سُنا کہ آپ نے دعا شروع کی ہو اور پہلے یہ کلمات نہ کہہ لیے ہوں[7] سبحان ربی العلی الاعلی الوھاب اور ابوسفیان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کچھ حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہے اس کو چاہیئے کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے، پھر اپنی حاجت مانگے، پھر خاتمہ درود شریف پر کر دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دونوں درودوں کو قبول کرتا ہے تو وہ اس بات سے بزرگ ہے کہ درودوں کے بیچ کے مطلب کو چھوڑے۔ اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے حاجت مانگو تو ابتداءً میرے اوپر درود پڑھنے سے کرو کہ اللہ تعالیٰ کا کام اس امر کا مقتضی نہیں کہ اس سے کوئی دو حاجتیں مانگے تو ایک پوری کر دے اور دوسری کو نہ کرے، روایت کیا اس کو ابوطالب مکیؒ نے[8]۔

ادب دہم متعلق باطن سے ہے اور قبول ہونے کے باب میں اصل وہی ہے۔ یعنی توبہ کرنا اور حقداروں کے حقوق ان کو پہنچا کر تمام ہمت سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا کہ قبول کرنے میں سبب قریب یہی ہے، کعب احبارؓ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں لوگوں میں ایک سخت قحط پڑا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مینہ کے لیے دعا کرنے کو نکلے مگر مینہ نہ برسا، پھر آپ تین دن باہر تشریف لے گئے اور بارش نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی

---

[1] ح بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک مردے جیویں، فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے ۱۲ [2] ح بخاری و مسلم ۱۲ [3] ح بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲
[4] ح بیہقی در دعوات بروایت ابوہریرہ رضہ [5] سے شکر ہے اس خدا کا جس کی نعمت سے پوری ہوتی ہیں نیکیاں ۱۲ [6] سے شکر ہے خدا کا ہر حال پر ۱۲
[5] ح احمد و حاکم ۱۲ [7] سے پاک ہے میرا رب برتری دینے والا ۱۲ [8] ح مجھ کو یہ روایت مرفوعاً نہیں ملی، بلکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے ۱۲

بھیجی کہ میں تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی دعا قبول نہ کروں گا کہ تم میں چغل خور ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ الہٰی وہ کون شخص ہے ہم کو بتادے کہ اس کو اپنے درمیان سے ہم نکال دیں، حکم ہوا کہ اے موسیٰ چغلی سے میں تم کو منع کرتا ہوں، اور میں ہی پھر چغلی کھاؤں، آپ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم سب چغلی سے توبہ کرو، سبھوں نے توبہ کی اس وقت مینہ برسا اور سعید بن جبیر رضہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے کسی بادشاہ کے زمانہ میں قحط پڑا اور لوگوں نے مینہ کی دعا مانگی، اس بادشاہ نے یہ کہا کہ یا تو خدا تعالیٰ ہم پر مینہ برسادے ورنہ ہم اس کو ستائیں گے، لوگوں نے اس کو کہا کہ تم اس کو کس طرح ستا سکتے ہو۔ وہ تو آسمان میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس کے اولیاء اور طاعت والوں کو مار ڈالوں گا۔ یہی باعث اس کی ایذا کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مینہ برسادیا۔ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بار سات برس کی خشکی ہوئی یہاں تک کہ مردار اور لڑکوں کو کھاگئے اور پہاڑوں میں جاجاکر روتے اور تضرع کیا کرتے تھے، پس اللہ تعالےٰ نے ان کے پیغمبروں پر وحی نازل کی کہ اگر بالفرض تم میری طرف اتنا چلوگے کہ تمہارے گھٹنے تک گھس جائیں اور تمہارے ہاتھ آسمان کے بادلوں کو لگ جائیں، اور دعا کرتے کرتے زبانیں تھک جائیں۔ تب بھی میں کسی دعا مانگنے والے کی دعا قبول نہ کروں گا نہ کسی رونے والے پر ترس کروں گا جب تک کہ حقداروں کے حقوق ان کو نہ پہنچادوگے، جب سب اس امر کے بموجب کاربند ہوئے تو اسی روز مینہ برسا۔ اور حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قحط پڑا اور کئی دفعہ مینہ کے لیے باہر نکلے، اور مینہ نہ برسا اور ان کے پیغمبر پر وحی ہوئی کہ ان سے کہہ دو کہ تم میری طرف ناپاک بدنوں سے نکلتے ہو اور وہی ہاتھ میرے سامنے پھیلاتے ہو جن سے بہت سے خون کیے اور اپنے پیٹوں کو حرام سے بھر رکھا ہے، اب میرا غصہ تم پر بہت زیادہ ہو گیا ہے اور دوری کے سوا تم کو اور کچھ مجھ سے ہرگز نہ ملے گا۔ اور ابوالصدیق ناجی کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بار مینہ کے لیے دعا کرنے کو نکلے، دیکھا تو ایک چیونٹی اپنی کمر کے بل پڑی اور پاؤں آسمان کی طرف کو کرکے کہہ رہی ہے کہ الہٰی ہم بھی تیری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور ہم کو تیری روزی سے کسی طرح بے پروائی نہیں۔ ہم کو دوسروں کے گناہوں کے عوض میں ہلاک مت کر، حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ لوٹ چلو، تم کو مینہ تمہارے سوا دوسرے حیوانوں کی دعا سے ملے گا۔ اور اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ لوگ مینہ کے لیے دعا کرنے کو نکلے، ان میں بلال بن سعد نے کھڑے ہوکر خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا کہ اے گروہ حاضرین تم کو اپنے خطاوار ہونے کا اقرار ہے کہ نہیں انہوں نے کہا کہ بے شک اقرار ہے پھر بلال بن سعدؓ نے کہا کہ الہٰی ہم نے سنا کہ تو نے اپنی کتاب مجید میں فرمایا ہے ما علی المحسنین من سبیل یعنی نیک کاروں پر کچھ الزام نہیں اور ہم تو اپنی برائی کا اقرار کرچکے ہیں، پس تیری مغفرت ہم جیسوں کے لیے ہے، الہٰی ہم کو مغفرت کر، اور ہم پر رحم کر مینہ برسا، یہ کہہ کر اپنے ہاتھ اٹھاتے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور پانی برسا۔ اور مالک بن دینار سے لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے مینہ کی دعا کیجئے، انہوں نے فرمایا کہ تم مینہ میں دیر سمجھتے ہو اور میں پتھروں میں دیر جانتا ہوں۔ یعنی خطائیں ہماری اس قابل ہیں کہ پتھر برسیں۔ اور مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مینہ کے لیے دعا کرنے کو نکلے، جنگل میں پہنچے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ جس شخص نے تم میں سے گناہ کیا ہو، وہ لوٹ جاوے، اس کہنے پر سب لوگ لوٹ گئے، صرف ایک شخص اس جنگل میں رہ گیا، آپ نے اس کو فرمایا کہ کیا تو نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس نے عرض کیا کہ

میں اور تو کچھ گناہ نہیں جانتا مگر یہ البتہ ہوا ہے کہ میں ایک روز نماز پڑھتا تھا اور پاس کو ایک عورت گذری، میں نے اس کو اپنی آنکھ سے دیکھا، جب وہ چلی گئی تو میں نے آنکھ میں انگلی ڈال کر نکال لی اور اس عورت کے پیچھے پھینک دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو فرمایا کہ تو دعا کر اور میں آمین کہتا جاؤں۔ اس شخص نے دعا مانگی۔ اسی وقت آسمان بادلوں سے چھپ گیا اور خوب پانی پڑا۔ اور یحییٰ غسانی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں خشک سالی ہوئی، لوگوں نے اپنے علماء میں سے تین شخص چھانٹے اور ان کے ساتھ دعا کے لیے نکلے، ان میں سے ایک نے کہا کہ الٰہی تو نے توریت میں فرمایا ہے کہ جو ہم پر ظلم کرے اسکو ہم معاف کر دیں گے الٰہی ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو تو ہم کو معاف کر اور دوسرے نے کہا کہ الٰہی تو نے توریت میں فرمایا ہے کہ ہم اپنے غلاموں کو آزاد کریں الٰہی ہم بھی تیرے غلام میں سو تو ہم کو آزاد کر اور تیسرے نے کہا کہ الٰہی تو نے توریت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہمارے دروازوں پر مسکین آکھڑے ہوں ہم کو محروم نہ پھیریں الٰہی ہم تیرے مساکین ہیں اور تیرے دروازے پر کھڑے ہیں ہماری دعا کو تو نامنظور مت کر اس کے بعد ان پر مینہ برسا۔ اور عطا سلمیٰ کہتے ہیں کہ ایک سال ایسی خشک سالی ہوئی، ہم مینہ کی دعا کے لیے نکلے، باہر دیکھا تو سعدون مجنون قبرستان میں ہیں، انہوں نے مجھ کو دیکھ کر کہا کہ کیا دن قیامت کا ہے یا قبروں سے لوگ نکل پڑے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں بلکہ مینہ نہیں برستا، اس لیے دعا کو نکلے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اے عطا کون سے دلوں سے دعا مانگتے ہو زمینی سے یا آسمانی سے، میں نے کہا کہ آسمانی سے، انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں اے عطا کھوٹے سکوں والوں سے کہہ دو کہ کھوٹے دام نہ چلاویں کہ پرکھیا بڑا بینا ہے، پھر انہوں نے اپنی آنکھ سے آسمان کو دیکھ کر کہا کہ الٰہی وسیدی ومولائی اپنے شہروں کو اپنے بندوں کے گناہوں سے ہلاک مت کر بلکہ بطفیل اپنے اسمائے مکنون اور اپنی نعمائے مخزون کے ہم کو کثرت سے شیریں پانی عنایت فرما جس سے تو بندوں کو زندہ کرے۔ اور شہروں کو سیراب فرماوے تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ عطا کہتے ہیں کہ سعدون نے یہ تمام دعا نہ کی تھی کہ آسمان سے رعد کی صدا بلند ہوئی اور بجلی چمکی اور پانی موسلا دھار گرنے لگا۔ سعدون وہاں سے یہ کہتے ہوئے چل دیئے **قطعہ** زاہد اور اہل عبادت کو ہے واقع میں فلاح ٭ کیونکہ مالک کے لیے کرتے ہیں فاقے پیہم ٭ چشم بیدار رہیں ان کی نہیں ہے خواب کو دخل ٭ یاد محبوب میں رہتی ہیں وہ شب بھر خرم ٭ ہیں عبادت میں خدا کی وہ یہانتک مصروف۔ ان کو نسبت بجنوں کرتا ہے سارا عالم ٭ اور ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال مدینہ منورہ میں آیا کہ خشکی بہت تھی، لوگ دعا کے لیے نکلے، میں بھی ان کے ساتھ نکلا۔ اتفاقاً ایک غلام حبشی آیا کہ ایک موٹی چادر کا تہمد کیے تھا۔ اور دوسری اپنے شانے پر ڈال رکھی تھی، وہ میرے برابر بیٹھ گیا۔ میں نے سُنا کہ اس نے یوں کہا ہے۔ الٰہی گناہوں کی کثرت سے اور اعمالِ بد کی جہت سے تیرے نزدیک یہ صورتیں ذلیل ہو گئی ہیں اور تو نے مینہ کو آسمان سے روک دیا ہے کہ اس سے اپنے بندوں کی تادیب کرے، پس حلم ووقار والے اور اے وہ شخص کہ تیرے بندے تیری طرف سے نیکی اور احسان کے سوا اور کچھ نہیں جانتے، تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو ان کو اسی وقت اسی گھڑی پانی دے، وہ لڑکا یہی کہتا رہا کہ ابھی اور اسی وقت دے، یہانتک کہ آسمان بادلوں میں چھپ گیا اور ہر طرف مینہ تھی کہ جس پر دوسرا شخص ہم سے آگے بڑھ گیا اور وہی اس کا کفیل ہوا۔ ہم تک نوبت نہ پہنچی، پھر میں نے ان سے اس قصہ کو آیا۔ ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ میں پھر فضیل کے پاس گیا، انہوں نے مجھ کو کہا کہ تم اداس معلوم ہوتے ہو، میں نے کہا کہ ایک بات نقل کیا، وہ چیخ مار کر بے ہوش گر پڑے اور مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مینہ کی دعا کے لیے حضرت عباسؓ کو ساتھ لے گئے

جب حضرت عمرؓ دعا سے فارغ ہوئے تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ الٰہی کوئی بلا آسمان سے بدوں گناہ کے نہیں اُتری اور نہ کبھی بدوں توبہ کے ٹلی، اور لوگوں نے میری قرابت تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کر کے تیرے سامنے کر دیا ہے اور یہ ہمارے ہاتھ گناہوں کے ساتھ تیری طرف پھیلے ہیں، اور ہماری پیشانی کے بال توبہ سے تیری طرف کھنچے ہوئے ہیں اور تو وہ نگہبان ہے کہ بھٹکے ہوؤں سے بے خبر نہیں رہتا اور نہ شکستہ حال کو تلف کے موقع میں چھوڑے، اب چھوٹے تضرع کرتے ہیں اور بڑے روتے ہیں اور دہائی کی آوازیں بلند ہوئیں اور تو باطن اور سب سے خفیہ امر کو جانتا ہے، الٰہی پس اپنی فریاد رسی کی بدولت ان کو پانی دے پیشتر اس کے وہ ناامید ہو کر تباہ ہو جائیں کہ تیری رحمت سے بجز کافروں کے اور کوئی ناامید نہیں ہوتا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے یہ کلام پورا نہیں کیا تھا کہ پہاڑ جیسا بادل گھر آیا اور برسنے لگا۔

درود شریف کے فضائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اور مروی[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز تشریف لائے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر بشارت معلوم ہوتی تھی، آپ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ تم کیا اس بات سے راضی نہیں کہ جو کوئی تمہاری امت میں سے تم پر درود بھیجے تو میں اس پر دس بار رحمت بھیجوں، اور جو تم پر تمہاری امت میں سلام بھیجے تو میں اس پر دس بار سلام بھیجوں، اور ایک حدیث[3] میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجے اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں جب تک کہ مجھ پر درود پڑھے، پس چاہے کوئی بندہ تھوڑا درود پڑھے یا بہت مرتبہ پڑھے، اور فرمایا[4] کہ مجھ سے قریب تر آدمیوں میں سے وہ ہوگا جو ان میں سے درود مجھ پر پڑھتا ہوگا۔ اور فرمایا[5] کہ ایماندار کو اتنا ہی بخل بہت ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے اور فرمایا[6] کہ جمعہ کے روز مجھ پر درود کثرت سے پڑھو، اور فرمایا[7] کہ جو شخص میری امت میں سے مجھ پر درود بھیجے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جائیں گی، اور فرمایا[8] کہ جو شخص اذان اور تکبیر سُن کر یہ دعا پڑھے اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ صل علیٰ عبدک ورسولک واعطہ الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ والشفاعۃ یوم القیامۃ اس کے لیے میری شفاعت ضرور ہوگی۔ اور فرمایا[9] جو شخص کہ مجھ پر لکھنے میں درود پڑھے تو فرشتے اس کے لیے ہمیشہ مغفرت چاہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا، اور فرمایا[10] کہ زمین میں کچھ فرشتے پھرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ اور فرمایا[11] کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر واپس بھیج دیتا ہے تاکہ میں اس

---

[1] اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسولؐ پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر ۱۲ [2] نسائی وابن حبان بروایت ابوطلحہ [3] طبرانی در اوسط وابن ماجہ بروایت عامر بن ربیعہ [4] ترمذی بروایت ابن مسعودؓ ابن حبان [5] نسائی وابن حبان وترمذی بروایت حسین ابن علی عن ابیہ [6] ابوداؤد ونسائی و حاکم بروایت اوس بن اوس ۱۲ [7] نسائی در یوم واللیلۃ بروایت عمیر [8] بخاری بروایت جابر مگر اس میں تکبیر کا ذکر نہیں اور دعا میں صل علیٰ محمد عبدک ورسولک اور الشفاعۃ نہیں۔ ابن وہب کی روایت میں بسند ضعیف یہ الفاظ بھی ہیں ۱۲ [9] طبرانی اور مستغفری بروایت ابوہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲ [10] اس کی سند باب الحج کے آخر میں گذری ۱۲ [11] ابوداؤد بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

کے سلام کا جواب دوں اور اصحابؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپؐ پر درود کس طرح بھیجیں، آپؐ نے فرمایا کہ یوں کہو اللھم صل علی محمد عبدك وعلیٰ اٰله وازواجه وذریته کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم وبارك علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انك حمید مجید[1] اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے بعد لوگوں نے حضرت عمرؓ کو سُنا کہ رو رو کر یہ کہتے تھے یارسول اللہ آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں ایک[2] خرما کے درخت کا کندہ تھا جس پر آپؐ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو آپؐ نے ممبر بنوایا تھا تاکہ آواز سب کو سُنا دیں، اس کندہ نے آپؐ کے فراق میں نالہ کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو وہ چپ ہوگیا۔ اب آپؐ کی امت کو تو بطریق اولیٰ آپؐ کے فراق میں زاری کرنا زیبا ہے، یارسول اللہ آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ کا مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس درجہ کو پہنچا کہ آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دی، چنانچہ ارشاد فرمایا[3] ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (یاد رسول اللہ) آپ پر میرے ماں باپ تصدق ہوں، آپؐ کا مرتبہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس درجہ کو پہنچا کہ اس نے آپؐ کے قصور معاف کرنے کا حال آپؐ سے کہہ دیا پیشتر اس سے کہ قصور کا حال آپؐ کو بتا دے، چنانچہ فرمایا[4] عفا اللہ عنك لم اذنت لھم یارسول اللہ آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپؐ کا مرتبہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہوا کہ آپؐ کو سب نبیوں کے آخر میں مبعوث فرمایا اور سب سے پیشتر آپؐ کا ذکر اپنی کتاب میں کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا[5] واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنك[6] ومن نوح وابرٰھیم وموسیٰ وعیسیٰ الاٰیۃ یارسول اللہ آپؐ پر میرے ماں باپ تصدق ہوں آپؐ کا رتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہے کہ دوزخ کے لوگ دوزخ کے طبقات میں عذاب میں مبتلا بہ تمنا کریں گے، کاش ہم نے آپؐ کی اطاعت کی ہوتی، چنانچہ ان کا حال قرآن مجید میں اس طرح موجود ہے[7] یقولون یالیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسول۔ یارسول اللہ آپؐ پر میرے ماں باپ تصدق ہوں، اگر حضرت موسیٰ بن عمران کو اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر عنایت کیا تھا جس میں نہریں پھوٹتی تھیں تو وہ کچھ آپ کی انگلیوں سے عجیب تر نہ تھا جن میں سے پانی کے فوارے بہے۔ رحمتِ خدا آپ پر ہو یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر تصدق ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا عنایت فرمائی جس کی چال صبح وشام کو ایک ایک مہینے کے برابر تھی تو یہ کچھ آپؐ کے براق سے عجیب تر نہ تھی جس پر آپ نے ساتوں آسمان تک سیر کر کے اسی رات نماز صبح ابطح میں[8] پڑھی آپ پر رحمتِ خدا ہو یارسول اللہ آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو معجز مردہ کے

---

[1] الٰہی رحمت بھیج محمدؐ اپنے بندے پر اور اس کی آل وازواج پر اور اولاد پر جیسے تو نے رحمت کی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر، اور برکت کر محمدؐ اور اُس کی ازواج واولاد پر جیسے تو نے برکت کی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو تعریف کیا ہوا بزرگی والا ہے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابو حمید ساعدی [2] یہ حدیث بجمیعت مجموعی غریب ہے مگر اس کے اکثر ٹکڑے اور طریقوں سے معروف ہیں چنانچہ ہر ایک ٹکڑے کو جدا جدا لکھا جاتا ہے ۱۲ [3] بخاری بروایت جابرؓ وابن عمرؓ ۱۲ [4] جس نے اللہ کا حکم مانا اس نے حکم مانا رسولؐ کا ۱۲ [5] اللہ بخشے والا تجھ کو کیوں رخصت دی تو نے ان کو ۱۲ [6] اور جب لیا ہم نے نبیوں سے اقرار اور تجھ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور عیسیٰؑ سے ۱۲ [7] پر کہیں گے کس طرح ہم نے کہا مانا ہوتا رسولؐ کا [8] بخاری ومسلم بروایت انسؓ وغیرہ ۱۲

زندہ کرنے کا عطا فرمایا تھا تو اس سے عجیب نہیں کہ زہریلی ہوئی بکری بھنی ہوئی آپ سے[1] بولی اور اس کے دست نے عرض کیا
کہ مجھ کو نہ کھائیے کہ مجھ میں زہر ہے۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر تصدق ہوں۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے لیے دعا
مانگی تھی[2]۔ رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا اگر آپ ہمارے لیے ایسی ہی دعا فرماتے تو ہم سب ہلاک ہو جاتے حالانکہ
پشت آپ کی روندی گئی، چہرہ آپ کا مجروح ہوا، سامنے کے دانت آپ کے ٹوٹے، مگر آپ نے کلمہ خیر ہی فرمایا اور یہ کہا اللھم
اغفر لقومی فانھم لایعلمون۔ یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ کی کم سنی اور تھوڑی سی عمر میں اتنے لوگ تابع
ہو گئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اتنے نہ ہوئے باوجودیکہ ان کا سن بہت تھا اور بہت زندگی پائی، اور آپ پر بہت لوگ
ایمان لائے۔ اور ان پر تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اگر بالفرض آپ اپنے
پاس بجز اپنی برابر کے اور کسی کو نہ بٹھاتے تو ہم کو ہمنشینی کہاں نصیب ہوتی اور اگر آپ اپنے ہمسر سے نکاح کرتے تو ہم دولت
مناکحت سے محروم رہتے، اور اگر آپ اپنے جیسے شخص کے ساتھ کھانا کھاتے تو ہم کو ساتھ کھانے کا شرف کب میسر ہوتا، مگر
بخدا آپ نے ہم سے ہمنشینی اور مناکحت کی اور ساتھ کھلایا اور صوف پہنا اور[12] دراز گوش پر سوار ہوئے اور اپنے پیچھے دوسرے
کو سوار کیا اور اپنے کھانے کو زمین پر رکھا اور اپنی انگلیاں چاٹیں[2] اور یہ سب باتیں اپنے فروتنی کے لیے کیں، خدائے تعالیٰ
آپ پر رحمت کرے اور سلام بھیجے۔ اور بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں حدیث لکھا کرتا تھا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر صلوٰۃ کہہ لیتا تھا مگر سلام نہ کہتا تھا۔ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تو مجھ پر
صلوٰۃ پوری کیوں نہیں کہتا۔ اس کے بعد جب میں نے لکھا آپ پر صلوٰۃ وسلام کہہ لیا۔ اور ابوالحسن شافعی کہتے ہیں کہ میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ امام شافعیؒ نے جو اپنے رسالہ میں کہا ہے وصلی
اللہ علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون۔ اس کو آپ کی طرف سے کیا عوض ملا۔ آپ نے
فرمایا کہ یہ عوض ہماری طرف سے ملا کہ میدان قیامت میں حساب کے لیے کھڑا نہ کیا جاوے گا۔

استغفار کے فضائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم۔ علقمہ اور اسود فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ

---

[1] بخاری ومسلم نے بروایت انسؓ آپ کا رات کو تشریف لیجانا روایت کیا ہے اس میں ذکر نماز صبح کی ابطح میں پڑھنے کا نہیں [2] ابوداؤد بروایت جابرؓ بسند منقطع [3] اے رب نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا ۱۲۔ ح یہ حالات جنگ احد میں ہوئے بخاری ومسلم نے بروایت سہل بن سعد روایت کیا ہے ۱۲۔ ح الٰہی بخش دے میری قوم کو کہ وہ جانتے نہیں بیہقی اور دلائل النبوۃ اور صحیحین میں یہ مقولہ آپ نے ایک ہی کا ذکر فرمایا ہے ۱۲ ح ابوداؤد اور طیالسی بروایت سہل بن سعد ۱۲ ح۔ بخاری ومسلم بروایت اسامہ بن زید ۱۲ ح بخاری بروایت کعب بن مالک ۱۲ ت اور اللہ تعالیٰ رحمت بھیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس قدر ذکر کریں ان کو ذکر کرنے والے اور بھولیں ان کی یاد کو بھولنے والے ۱۲ ت اور وہ لوگ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی ۱۲

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں دو آیتیں ہیں کہ جو بندہ گناہ کرے اور ان کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے، ایک یہ آیت جو اوپر گذری، اور دوسری یہ ہےؔ من یعمل سوء او یظلم نفسه ثم یستغفر الله یجد الله غفورًا رحیمًا اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہےؔ فسبح بحمدك واستغفره انه کان توابا اور فرمایاؔ والمستغفرین بالاسحار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ فرمایا کرتے تھےؔ سبحانك اللهم وبحمدك اللهم اغفر لی انك انت، انت التواب الرحیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیںؔ کہ جو شخص استغفار کی کثرت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر رنج سے کشادگی اور ہر تنگی سے نکاسی کی صورت کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ اس کو خیال بھی نہ ہو۔ اور فرمایا کہ میں دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں باوجودیکہؔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے تھے، اس پر بھی آپؐ استغفار اور توبہ کیا کرتے تھے۔ اور ایک حدیثؔ میں ارشاد فرمایا کہ میرے دل پر میل آجاتا ہے یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے ہر دن میں سَو مرتبہ مغفرت چاہتا ہوں اور فرمایاؔ کہ جو شخص اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تین بار یوں کہے استغفر الله العظیم الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا گو سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں یا عالج کی ریت کے شمار کے برابر یا درختوں کے پتوں کے موافق یا دنیا کے دنوں کے عدد کے مطابق ہوں اور ایک دوسری حدیثؔ میں ارشاد ہے کہ جو شخص یہ کہے گا اس کے گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ صف جنگ سے بھاگنے والا ہو۔ اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں پر سخت زبان تھا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو خوف ہے کہ کہیں میری زبان مجھ کو دوزخ میں نہ داخل کرے، آپؐ نے فرمایا کہ تم استغفار سے غافل کیوں ہو، میں تو دن میں سَو بار استغفار پڑھتا ہوں، اور حضرت عائشہؓؔ فرماتی ہیں کہ قصہ بہتان میں مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو کسی گناہ کی مرتکب ہو تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست اور توبہ کر کیونکہ گناہ سے توبہ ندامت اور استغفار ہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغفار میں یہ فرمایا کرتے تھےؔ اللهم اغفر لی خطیئتی وجهلی واسرافی فی امری وما انت اعلم به منی اللهم اغفر لی جدی وهزلی وخطائی وعمدی وکل ذلك عندی اللهم اغفر لی ما قدمت

ؔ جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشواوے، پاوے اللہ کو بخشتا مہربان ۱۲ ؔ اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ کو بخشوا اس سے، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے ۱۲ ؔ اور معافی مانگنے والے صبح کے وقت ہیں ۱۲ ؔ الٰہی تو پاک ہے اور تیری پاکی بوتا ہوں تعریف کے ساتھ، الٰہی تو مجھ کو بخش دے بیشک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۱۲ ؔ ابوداؤد و نسائی و حاکم بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ؔ استغفار کرتا ہوں۔ اور طبرانی نے دعا میں مثل احیاء کے روایت کیا ہے ۱۲ ؔ یہ تمثیلاً کہا گیا مگر درحقیقت وہ ذات ہر گناہ سے پاک ہے اور گناہ سے پاک ہونا اور گناہ معاف ہونا مترادف ہیں خود آنحضرت کا استغفار فرمانا ہدایت امت اور اظہار فروتنی پر مبنی تھا ۱۲ ؔ مسلم بروایت ؔ ترمذی بروایت ابوسعیدؓ اور کہا ہے کہ غریب ہے اور بخاری نے تاریخ میں اس کو نقل کیا ہے مگر اس میں بستر پر لیٹنے کے وقت اور تین کی قید نہیں ۱۲ ؔ اور میں مغفرت چاہتا ہوں خدائے برتر سے کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں سوائے اس زندہ توانا کے ۱۲ ؔ موضعی بیابان ۱۲ صراح ؔ ابوداؤد و ترمذی بروایت زید مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حاکم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ ؔ ابن ماجہ و حاکم ۱۲ ؔ بخاری اور مسلم مگر اس میں کیونکہ توبہ سے آخر تک کا مضمون نہیں ہے ۱۲ ؔ الٰہی بخش دے میری خطا اور (باقی صفحہ ۵۳۱)

وما تاخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شیء قدیر

اور حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں ایسا آدمی تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ کو جس قدر اس سے مجھ کو فائدہ دینا منظور ہوتا تھا اس قدر نفع پہنچا تا تھا۔ اور جب کوئی آپؐ کے اصحابؓ میں سے مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس کو قسم کھلا لیتا تھا۔ جب وہ قسم کھا لیتا تو میں یقین کر لیتا تھا۔ اور مجھے ایک بار ابو بکر صدیق رضؓ نے حدیث بیان کی، اور انہوں نے سچ فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جو بندہ گناہ کرے، پھر طہارت اچھی کر کے کھڑا ہو اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی والذین اذا فعلوا فاحشة آخر تک، اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایماندار جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرے اور اپنی حرکت سے باز آوے اور استغفار پڑھے، تب دل اس کا اس نقطہ سے صاف ہو جاتا ہے ورنہ گناہ زیادہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتے بڑھتے اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور اسی سیاہی کے چھا جانے کا نام ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون اور یہ بھی انہیں سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کا درجہ جنت میں اونچا کرے گا کہ الٰہی یہ مرتبہ مجھ کو کیسے عنایت ہوا، حکم ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی بدولت ملا جس نے تیرے لیے استغفار پڑھا، اور حضرت عائشہ رضؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللھم اجعلنی من الذین اذا احسنوا استبشروا واذا اساؤا استغفروا۔ اور فرمایا کہ جب کوئی بندہ گناہ کرے اور کہے اللھم اغفرلی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے گناہ کیا، پھر معلوم کیا کہ میرا کوئی رب ہے جو گناہ پر مواخذہ کرتا ہے اور خطا کو معاف کرتا ہے اے بندے جو چاہے سو کر میں نے تجھے بخش دیا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو استغفار کرتا رہتا ہے، وہ گناہ پر مصر نہیں کہلاتا اگرچہ ایک روز میں ستر بار اسی گناہ کو کرے۔ اور فرمایا کہ ایک آدمی نے کبھی گناہ نہیں کیا تھا، آسمان کی طرف نظر کر کے کہا، میرا ایک رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے، اے میرے رب مجھے بخش دے، اللہ جلشانہ نے فرمایا کہ میں نے بخشدیا۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے گناہ کیا، پھر جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر مطلع ہے تو اس کا گناہ بخشا جاوے

(بقیہ ۴۸۸) یہ سب میرے پاس موجود ہیں، الٰہی بخش دے مجھ کو جو میں نے پہلے کیا اور جو پیچھے کیا اور جو چھپا کر کیا اور جو ظاہر کیا اور جو تو زیادہ جانتا ہے مجھ سے تو ہی آگے کرنے والا ہے رحمت میں تو ہی پیچھے کرنے والا، اور تو ہر چیز پر قادر ہے، بخاری و مسلم بروایت ابو موسیٰ ۱۲۔

[۱] اصحاب سنن ۱۲ [۲] ترمذی و ابن ماجہ و حاکم ۱۲ [۳] کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے ۱۲ [۴] بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [۵] الٰہی کر دے مجھ کو ان لوگوں میں سے کہ جب اچھی بات کریں تو خوش وقت ہوں اور جب بری کریں تو مغفرت پائیں ۱۲ [۶] بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [۷] ابو داؤد و ترمذی بروایت ابوبکرؓ اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے اسناد قوی ہیں ۱۲ [۸] ابن ابی الدنیا بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲ [۹] طبرانی اوسط بروایت ابن مسعود رضؓ بسند ضعیف ۱۲

گا، گو وہ مغفرت کی درخواست نہ کرے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے کل بندے خطاوار ہیں مگر جس کو میں معاف کردوں پس تم مجھ سے مغفرت چاہو، میں مغفرت کروں گا۔ اور جو شخص اس بات کا یقین کرے کہ مجھے اس کے بخشش دینے پر قدرت ہے تو میں اس کو بخشش دوں گا اور کچھ پروا نہ کروں گا۔ اور فرمایا کہ جو شخص کہ کہے[1] سبحانك ظلمت نفسی وعملت سوءً فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت اس کے گناہ بخشے جاویں گے اگرچہ چیونٹی کے نال جیسے ہوں۔ اور مروی[2] ہے کہ افضل استغفاروں میں سے یہ کلمات ہیں اللھم انت ربی وانا عبدك خلقتنی وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شر ما صنعت ابؤلك بنعمتك علی وابوءعلی نفسی بذنبی فقد ظلمت نفسی واعترفت بذنبی واغفرلی ذنوبی ما تقدمت منها وما اخرت لا یغفر الذنب جمیعًا الا انت۔ آثار خالد بن معدان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں سے مجھ کو زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو میری محبت کے باعث آپس میں محبت رکھتے ہیں اور ان کے دل مسجدوں سے وابستہ ہیں اور تڑکے سے اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں زمین والوں کو سزا دینی چاہتا ہوں تو وہ یاد آجاتے ہیں اس لیے ان کے طفیل میں زمین والوں کو جانے دیتا ہوں، اور عذاب کو ان پر سے ہٹا لیتا ہوں۔ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید تم کو تمہارا مرض اور دوا دونوں بتاتا ہے، تمہارا روگ تو گناہ اور دوا استغفار۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہ تباہ ہوتا ہے اس سے تعجب کہ نجات اس کے ساتھ ہے پھر کیسے ہلاک ہو جاتا ہے، لوگوں نے پوچھا کہ نجات کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ استغفار ہے۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے دل میں استغفار نہیں ڈالا کہ اس کو عذاب دینا چاہتا ہو یعنی جس کو عذاب دینا منظور نہیں اس کو استغفار کا الہام کر دیتا ہے، اور فضیلؒ کا قول ہے کہ بندے کے استغفر اللہ کہنے کے یہ معنی ہیں کہ مجھ کو معاف کردے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ بندہ گناہ اور نعمت کے درمیان ہے ان دونوں چیزوں کی اصلاح بجز استغفار اور شکر کے نہیں۔ اور ربیع بن خثیم کہتے ہیں کہ تم میں سے کوئی یوں مت کہے کہ[3] استغفر اللہ اتوب الیه کہ یہ گناہ اور جھوٹ ہوگا اور اگر اس کے بموجب کاربند نہ ہوگے بلکہ یوں کہا کرو[4] اللھم اغفرلی وتب علی اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ استغفار بدوں گناہ ترک کرنے کے جھوٹوں کی توبہ ہے۔ اور رابعہ عدویہؒ نے کہا ہے کہ ہم لوگوں کے استغفار کے لیے بہت سا استغفار چاہیے یعنی دل غافل سے استغفار کرنا بھی ایک گناہ اور ہنسی ہے اس کے لیے اور استغفار کرنا چاہیے اور بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ جو

---

[1] تو پاک ہے میں نے ظلم کیا اپنی جان پر، اور برا کام کیا پس تو مجھ کو بخش دے کہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا ۱۲ بیہقی در دعوات بروایت علیؓ مگر اس میں لا الٰہ الا انت اس کے شروع میں زیادہ ہے اور اس کے اسناد میں ابن لہیعہ ہے ۱۲ [2] بخاری نے بروایت شداد بن اوس سید الاستغفار کے وہ کلمات روایت کیے ہیں کہ جو مصنف نے چوتھی فصل میں اسی باب میں لکھے ہیں۔ ان میں علی نفسی اور لقد ظلمت نفسی اعترفت بذنبی اور ذنوبی ما قدمت منها وما اخرت اور جمیعا نہیں اور اس کے معنی یہ ہیں، الٰہی تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں تو نے مجھ کو پیدا کیا اور میں تیرے عہد اور وعدے پر ہوں اپنے مقدور بھر پناہ مانگتا ہوں تجھ سے برے فعل سے، اقرار کرتا ہوں تیرے لیے تیری نعمت کا اپنے اوپر اور اقرار کرتا ہوں اپنے نفس پر اپنے گناہوں کا کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اپنے گناہ کا مقر ہوا ہوں پس بخش دے مجھ کو میرے گناہ جو ہیں ان میں پہلے کئے ہوئے ہوں اور پیچھے کئے ہوئے ہوں اور سب گناہوں کو اور تیرے سوا کوئی نہیں بخشنے والا ۱۲ [3] میں بخشش چاہتا ہوں اللہ سے اور توبہ کرتا ہوں اس کی طرف ۱۲ [4] الٰہی بخش دے مجھ کو اور توبہ کی توفیق عنایت فرما ۱۲

کوئی ندامت سے پیشتر استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہنسی کرتا ہے اور اس کو اس بات کا علم نہیں۔ اور ایک اعرابی کو کسی نے سنا کہ کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا کہہ رہا تھا کہ الٰہی باوجود گناہ پر اصرار کرنے کے میرا استغفار کہنا ملامت ہے اور تیرے عفو کی وسعت کو معلوم کر کے میرا استغفار سے چپ رہنا بھی عاجزی ہے، تجھ کو ہر چند میری پروا نہیں مگر تو مجھ پر نعمتیں اور احسان کر کے میرا دوست بنتا ہے اور میری یہ شامت ہے کہ باوجود تیری طرف محتاج ہونے کے گناہ کر کر تیرا دشمن بنتا ہوں اے وہ شخص کہ وعدہ کرتا ہے اور عذاب سے ڈراتا ہے تو معاف فرماتا ہے تو میرے بڑے گناہ کو اپنی بڑی عفو میں داخل کر دے اے ارحم الراحمین۔ اور ابو عبد اللہ وراق کہتے ہیں کہ اگر تیرے اوپر قطروں کا شمار اور سمندر کے جھاگ کے برابر گناہ ہوں تو جب تو اپنے رب سے یہ دعا اخلاص کے ساتھ مانگے گا، انشاء اللہ تعالیٰ وہ گناہ تجھ سے دور ہو جائیں گے، دعا یہ ہے۔ ع
استغفرك من كل ذنب تبت اليك منه ثم عدت فيه استغفرك لك من كل امر وعدتك بين نفسه ثم لم اف لك به واستغفرك من كل عمل اردت به وجهك فخالطه غيرك واستغفرك من كل نعمة انعمت بها على فاستعنت بها على معصيتك واستغفرك يا عالم الغيب والشهادة من كل ذنب اتيت في ضياء النهار وسواد الليل في ملاء وخلاء وسر وعلانية يا حليم۔ اور کہتے ہیں کہ یہ استغفار حضرت آدم علیہ السلام کا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔

تیسری فصل ادعیہ ماثورہ جو صبح و شام اور نمازوں کے بعد پڑھنی مستحب ہیں

پہلی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرف جو فجر کی سنتوں کے بعد آپ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تھا میں آپ کی خدمت میں شام کو آیا، اس وقت آپ میری خالہ میمونہؓ کے گھر تشریف رکھتے تھے، پھر آپ شب کو اٹھ کر نماز پڑھتے رہے، جب صبح کی سنتیں پڑھ چکے تو یہ دعا پڑھی ع۔ اللهم انی اسئلك رحمة من عندك تهدى بها قلبى وتجمع بها شملى وتلم بها شعثى وترد بها

ع الٰہی میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں ہر ایک گناہ سے کہ میں نے اس سے تیرے سامنے توبہ کی ہو اور پھر اس کو دوبارہ کیا ہو، اور تیری مغفرت چاہتا ہوں ایسی چیز کہ اس کا وعدہ میں نے تجھ سے اپنی جی سے کیا ہو، پھر وہ تیرے لیے پورا نہ کیا ہو، اور تجھ سے بخشوایا چاہتا ہوں وہ عمل جن سے میں نے تیری رضا کا ارادہ کیا ہو پھر اس میں دوسرا مل گیا ہو، اور تجھ سے بخشش چاہتا ہوں ہر نعمت سے جو تو نے مجھ کو دی ہو اور میں نے اس سے تیری نافرمانی پر مدد لی ہو اور میں بخشش چاہتا ہوں تجھ سے اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے ہر گناہ سے جس کا میں مرتکب ہوں دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں، مجمع اور تنہائی میں، باطن اور ظاہر میں اے حلم کرنے والے ۱۲ ع ترمذی مگر اس میں بھیجنا حضرت عباسؓ کا حضرت ابن عباسؓ کو اور آپ کا میمونہ کے گھر میں ہونا مذکور نہیں، البتہ طبرانی نے یہ سب امور روایت کئے ہیں ۱۲ ترجمہ دعائے ابن عباسؓ طبی ۳ الٰہی میں تجھ سے تیرے پاس کی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے تو میرے دل کو ہدایت کرے اور میرے امور متفرق کو جمع کرے اور میری پریشانی کو دور کرے اور میری الفت کو پھیر دے اور میرے دین کی اصلاح کرے اور (باقی صفحہ ۵۳۲)

الغنی وتصلح بہا دینی وتحفظ بہا غائبی وترفع بہا شاہدی وتزکی بہا عملی وتبیض بہا وجہی وتلہمنی بہا رشدی وتعصمنی بہا من کل سوء اللہم اعطنی ایمانا صادقا ویقینا لیس بعدہ کفر ورحمۃ انال بہا شرف کرامتک فی الدنیا والآخرۃ اللہم انی اسئلک الفوز عند القضاء ومنازل الشہداء وعیش السعداء والنصر علی الاعداء ومرافقۃ الانبیاء اللہم انی انزل بک حاجتی وان ضعف رائی وقلت حیلتی وقصر عملی وافتقرت الی رحمتک فاسئلک یا قاضی الامور ویا شافی الصدور کما تجیر بین البحور ان تجیرنی من عذاب السعیر ومن دعوۃ الثبور ومن فتنۃ القبور اللہم ما قصر عنہ رائی وضعف عنہ عملی ولم تبلغہ نیتی وامنیتی من خیر وعدتہ احدا من عبادک او خیر انت معطیہ احدا من خلقک فانی ارغب الیک فیہ واسئلک یا رب العلمین اللہم اجعلنا ہادین مہتدین غیر ضالین ولا مضلین حربا لاعدائک وسلما لاولیائک نحب بحبک من اطاعک من خلقک ونعادی بعداوتک من خالفک من خلقک اللہم ہذا الدعاء وعلیک الاجابۃ وہذا الجہد وعلیک التکلان وانا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یا ذا الحبل الشدید والامر الرشید اسئلک الامن یوم الوعید والجنۃ یوم الخلود مع المقربین الشہود والرکع السجود والموفین بالعہود انک رحیم ودود وانت تفعل ما ترید سبحان الذی تعطف بالعز وقال بہ سبحان الذی لبس المجد وتکرم بہ سبحان الذی

(بقیہ صہ ۵۳۳) میرے غائب شخص کی حفاظت کرے اور میرے حاضر کو بلند کرے اور میرے عمل کو ستھرا کرے اور میرے منہ کو سفید کرے اور اس کے سبب سے مجھ کو میری راہ یابی دلا دے اور تمام برائیوں سے مجھ کو بچا دے، الہٰی تو مجھ کو سچا ایمان عنایت کر، اور ایسا یقین جس کے بعد کفر نہ ہو، اور وہ رحمت جس کے سبب سے تیری شرافت کرامت حاصل کروں دنیا و آخرت میں، الہٰی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کامیاب رہنے قضا کے وقت اور شہیدوں کے مراتب کا، اور نیک بختوں کی زندگی کا، اور دشمنوں پر غالب رہنے کا اور انبیاء کے ساتھ رہنے کا۔ الہٰی میں تیرے پاس اپنی حاجت لاتا ہوں اگرچہ میری تدبیر ضعیف ہے اور حیلہ کمتر اور عمل کوتاہ، اور میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے امور کے حاکم، اور اے شفا دینے والے سینوں کے جس طرح علیحدگی رکھتا ہے تو سمندروں میں، اسی طرح مجھ کو علیحدہ رکھ دوزخ کے عذاب سے، اور ہلاک ہونے کی پکار سے، اور قبروں کے فتنہ سے، الہٰی جس بات سے میری تجویز قاصر ہوئی ہو اور عمل ضعیف ہوا ہو اور اس کو میری نیت اور آرزو نہ پہنچی ہو، یعنی کوئی بہتر بات کہ جس کا تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کو وعدہ کیا ہو، یا کوئی بہتری اپنی خلق میں سے تو کسی کو دینے والا ہو تو اس خیر میں بھی تیری طرف راغب ہوں اور تجھ سے اس کا سوال کرتا ہوں یارب العلمین۔ الہٰی کر دے ہم کو ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ اور گمراہ نہ ہونے والے اور نہ گمراہ کرنے والے تیرے دشمنوں سے اور صلح کرنے والے تیرے دوستوں سے محبت کریں تیری محبت کے باعث اس شخص سے جو تیری مخلوق میں اور تیری اطاعت کرے اور عداوت کریں تیری عداوت اس سے جو تیری خلق میں سے تیرے خلاف کرے، الہٰی یہ دعا ہے اور قبول کرنا تیرا کام ہے اور یہ کوشش ہے اور بھروسہ تجھ پر ہے، اور ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے اور نہیں طاقت گناہ سے باز رہنے کی اور نہیں قوت عبادت کرنے کی مگر اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے سبب سے ہے۔ اے مالک مضبوط رسی کے یعنی دین یا قرآن کے اور مروت کے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مامون رہنا وعید دوزخ کے روز میں اور جنت کا طالب ہوں میں ہمیشگی کے دن میں مقرب شاہدوں رکوع کرنے والوں سجدہ کرنے والوں، عہد پورا (باقی بر صہ ۵۳۵)

لا ینبغی التسبیح الا لہ سبحان ذی الفضل والنعم سبحان ذی القدرۃ والکرم سبحان الذی احصٰی کل شیء بعلمہ اللھم اجعل لی نورًا فی قلبی ونورًا فی قبری ونورًا فی سمعی ونورًا فی بصری ونورًا فی شعری ونورًا فی بشری ونورًا فی لحمی ونورًا فی دمی ونورًا فی عظامی ونورًا من بین یدی ونورًا من خلفی ونورًا عن یمینی ونورًا عن شمالی ونورًا من فوقی ونورًا من تحتی اللھم زدنی نورًا واعطنی نورًا واجعل لی نورًا۔ دوسری دعا حضرت عائشہ رضؓ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا کہ تم یہ کلمات جو تمام دعاؤں کے جامع اور معنی کے پورے اور مہمات دارین اور جمیع حاجات کو شامل ہیں، اپنے اوپر لازم کرلو اور کہا کرو[۲] اللھم انی اسئلک من الخیر کلہ عاجلہ واٰجلہ ما علمت منہ وما لم اعلم واعوذ بک من الشر کلہ عاجلہ واٰجلہ ما علمت منہ وما لم اعلم اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذ بک من النار وما قرب الیھا من قول وعمل اسئلک من الخیر ما سئلک عبدک ورسولک محمد صلی اللہ علیہ وسلم واستعیذک مما استعاذک منہ عبدک ورسولک محمد صلی اللہ علیہ وسلم واسئلک ما قضیت لی من امر ان تجعل عاقبتہ رشدا برحمتک یا ارحم الراحمین۔ تیسری دعا حضرت فاطمۃ الزہراء رضؓ کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ تجھ کو کیا چیز مانع ہے میری وصیت سننے سے، میں یہ کہتا ہوں کہ یوں کہا کر[۳] یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔ چوتھی دعا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تعلیم فرمایا کہ اس طرح کہیں[۴] اللھم انی اسئلک بمحمد نبیک وابراہیم خلیلک وموسٰی نجیک وعیسٰی کلمتک وروحک وبکلام

(بقیہ ص۴۹۲) کرنے والوں کے ساتھ بے شک تو مہروالا محبوب ہے، تو کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ پاکی بیان کرتا ہوں اس شخص کی جس نے چادر بنایا عزت کو، اور حکم کیا اس سے، پاک ہے وہ ذات جس نے بزرگی کو لباس بنایا اور اس سے بزرگ ہوا، پاک ہے وہ ذات کہ بجز اس کے اور کسی کے لیے پاکی بیان نہ کرنا چاہیے، پاک ہے صاحب فضل اور نعمت کا، پاک ہے صاحب قدرت اور کرم کا، پاک ہے جس نے گھیر لیا سب چیزوں کو اپنے علم سے۔ الٰہی کردے میرے لیے نور دل میں، اور نور میری قبر میں، اور نور میرے کان میں اور آنکھ میں اور بال میں اور کھال میں اور گوشت میں اور خون میں اور ہڈیوں میں، اور روشنی میرے سامنے اور میرے پیچھے اور میرے داہنے اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے، الٰہی زیادہ کر تو مجھ کو نور میں، اور دے مجھ کو نور، یعنی بالکل مجھ کو اعضائے ظاہر و باطنی کے ساتھ ایسا کردے کہ حق کی جھلک اور امور خیر کی روشنی مجھ میں ہو جاوے۔

[۲] ابن ماجہ وحاکم بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲ ترجمہ دعائے حضرت عائشہ رضؓ ص۲ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بالکل خیر کو حال کی اور آئندہ کی جو میں نے اس میں سے جانی ہو اور جو نہ جانی ہو، اور میں تیری پناہ پکڑتا ہوں تمام برائی سے حال کی اور آئندہ کی جو میں نے جانی ہو اور نہ جانی ہو، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں جنت کا اور جو چیز جنت کے قریب کردے قول اور عمل سے، اور تیری پناہ پکڑتا ہوں دوزخ سے اور جو اس کے نزدیک کردے قول اور عمل سے، اور تجھ سے وہ بہتری مانگتا ہوں جس کو تیرے بندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے مانگی ہو۔ اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ان امور سے جن سے تیرے بندے اور تیرے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے پناہ مانگی۔ اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس بات کا تو حکم میرے لیے کرے، اس کے انجام کو میرے حق میں اچھا کرنا اپنی رحمت سے اے ارحم الراحمین ۱۲ [۳] نسائی در یوم ولیلہ وحاکم بروایت انس رضؓ ترجمہ دعائے حضرت فاطمہ رضؓ ص۴ اے زندہ اے توانا تیرے رحمت سے فریاد چاہتا ہوں مجھ کو ایک پلک مارنے کے وقت میں میرے نفس کے سپرد مت کر اور میرا سب (باقی ص۴۹۶)

موسیٰ وانجیل عیسیٰ وزبور داؤد وفرقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین وبکل وحی اوحیتہ اوقضاء فقضیتہ اوسائل اعطیتہ اوغنی اغنیتہ اوفقیر اغنیتہ اوضال ھدیتہ واسئلک باسمائک الذی انزلتہ علی موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم واسئلک باسمک الذی تثبت بہ ارزاق العباد واسئلک باسمک الذی وضعتہ علی الارض فاستقرت واسئلک باسمک وضعتہ علی السمٰوٰت فاستعلت واسئلک باسمک الذی وضعتہ علی الجبال فارست واسئلک باسمک الذی استقل بہ عرشک واسئلک باسمک الطھر الطاھر الاحد الصمد الوتر المنزل فی کتابک من لدنک من الفوز المبین واسئلک باسمک الذی وضعتہ علی النھار فاستنار وعلی اللیل فاظلم وبعظمتک وکبریائک وبنور وجھک الکریم ان ترزقنی القرآن والعلم بہ وتخلطہ بلحمی ودمی وسمعی وبصری تستعمل بہ جسدی وبحولک وقوتک فانہ لاحول ولا قوۃ الا بک یا ارحم الراحمین۔ پانچویں دعا حضرت بریدہ سلمیٰ رضؓ کی ہے، مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرمایا[۱] کہ اے بریدہ کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھا دوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسی شخص کو سکھایا کرتا ہے جس کے ساتھ اس کی بہتری کرنی منظور ہوتی ہے، پھر وہ ان کو کبھی نہیں بھولتا، حضرت بریدہ نے عرض کیا کہ بہتر آپ سکھا دیجیئے، آپ نے فرمایا کہو[۲] اللھم انی ضعیف فقوی برضاک ضعفی وخذ الی الخیر بناصیتی واجعل الاسلام منتھی رضائی اللھم انی ضعیف فقونی وانی ذلیل فاعزنی وانی فقیر فاغننی۔

(بقیہ صہ ۵۳۵) حال درست کر دے ۱۲ ؎ ابوالشیخ ابن حبان بروایت عبدالملک بن ہارون عیسیٰ عن ابیہ ترجمہ دعا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی، الٰہی تجھ سے سوال کرتا ہوں بذریعہ محمدؐ تیرے نبی کے اور ابراہیمؑ تیرے خلیل کے اور موسیٰؑ تیری سرگوشی کرنے والے کے اور عیسیٰؑ تیرے کلمہ اور روح کے طفیل موسیٰ کے کلام اور عیسیٰ کی انجیل اور داؤد کی زبور اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن کے اور بوسیلہ ہر ایک وحی کے جس کو تو نے ہر ایک انبیاء پر بھیجا ہو یا حکم جو تو نے دیا ہو یا کسی سائل کو عطا کیا ہو یا کسی توانگر کو خوش کیا ہو یا کسی فقیر کو غنی کیا ہو یا کسی گمراہ کو ہدایت کیا ہو، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں بذریعہ اس نام کے تیرے جس کو تو نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا، اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں بذریعہ تیرے اس نام کے جس سے بندوں کے رزق ثابت رہے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے اس نام سے جس کو تو نے زمین پر رکھا تو وہ ٹھہر گئی۔ اور تجھ سے مانگتا ہو بطفیل تیرے اس نام کے جس کو تو نے آسمان پر رکھا تو وہ اونچے ہو گئے۔ اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اس نام کی بدولت جس سے تیرا عرش ٹھہرا ہوا ہے اور سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے نام پاک وصاف تنہا بے پروا طاق کے جو تیری کتاب میں تیرے پاس سے صریح مراد سے اترا ہے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے اس نام کے ذریعہ سے جس کو تو نے دن پر رکھا تو روشن ہو گیا اور رات پر رکھا تو تاریک ہو گئی۔ اور تیری عظمت اور تیری بڑائی کے طفیل سے اور تیری ذات کریم کے ذریعہ سے یہ سوال ہے کہ مجھ کو قرآن اور اس کا علم نصیب کر اور اس کو میرے گوشت اور خون اور کان اور آنکھ میں مخلوط کر دے۔ اور اس کے مطابق میرے جسم سے کام لے اپنی طاقت اور قوت کے سبب سے کہ طاقت گناہ سے بچنے اور عبادت کرنے کی بجز تیرے اور کسی سے نہیں اے ارحم الراحمین [۱] حاکم بروایت بریدہ سلمیٰ [۲] ترجمہ دعا حضرت بریدہ سلمیٰ رضؓ الٰہی میں ناتوان ہوں تو میری ناتوانی کو اس رضا میں قوت دے اور مجھ کو بہتری کی طرف چوٹی پکڑ کے کھینچ لے اور اسلام کو میری انتہائی رضامندی کر دے۔ الٰہی میں ناتوان ہوں تو مجھ کو قوت دے اور میں ذلیل ہوں تو مجھ کو عزت دے اور میں فقیر ہوں تو مجھ کو توانگر کر دے۔ [۳] ابن درلیوم اللیلۃ بروایت ابن عباسؓ ۱۲

چھٹی دعا حضرت قبیصہؓ کی ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، مجھ کو چند کلمات ایسے سکھا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مجھ کو نفع دیوے اس لیے کہ میری عمر زیادہ ہوئی اور بہت سے اعمال کہ میں ان کو کیا کرتا تھا اب میں ان سے تھک گیا، آپؐ نے فرمایا کہ دنیا کے لیے تو جب صبح کی نماز پڑھ چکو تین مرتبہ کہو سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کہ جب تم ان کو کہو گے تو غم اور جذام اور برص اور فالج سے مامون رہو گے اور اپنی آخرت کے لیے یہ پڑھا کرو[1]، اللھم اھدنی من عندك وافض علی من فضلك وانشر علی من رحمتك وانزل علی من برکاتك، پھر آپ نے فرمایا کہ جو بندہ ان کو برابر پڑھے گا اور ترک نہ کرے گا اس کے لیے جنت کے چار دروازے کھولے جائیں گے کہ جن میں سے چاہے اندر چلا جائے۔ ساتویں دعا حضرت ابو درداءؓ کی ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ تمہارا گھر جل گیا۔ اس وقت کہ ان کے محلہ میں آگ لگی تھی، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا، تین مرتبہ ان سے یہی کہا گیا اور انہوں نے یہی جواب دیا کہ خدا تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا، پھر ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ جب آگ تمہارے گھر کے پاس آئی تو بجھ گئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ آپ کے دونوں قولوں میں سے کون سا عجیب تر ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ان کلمات کو رات میں یا دن میں کہے گا، اس کو کوئی چیز ضرر نہ کرے گی، اور میں نے ان کو پڑھ لیا تھا اس لیے مجھے یقین تھا کہ میرا نقصان نہ ہوگا، وہ کلمات یہ ہیں، اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیك توکلت[2] وانت رب العرش العظیم لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن اعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شئی علما واحصٰی کل شئی عددا اللھم انی اعوذ بك من شر نفسی ومن شر کل دابۃ انت اخذت بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم۔ آٹھویں دعا حضرت ابراہیم خلیل علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے کہ آپ صبح کو اس کو پڑھا کرتے تھے[3] اللھم ھذا خلق جدید فافتحہ علی بطاعتك واختمہ لی بمغفرتك ورضوانك وارزقنی فیہ حسنۃ تقبلھا منی وزکھا وضعفھا لی وما

---

[1] ترجمہ دعائے حضرت قبیصہؓ:۔ پہلے ترجمہ کا ٹکڑا کئی بار گذر چکا، دوسرا ٹکڑا جو آخرت کے لیے ہے اس کا ترجمہ یہ ہے، الٰہی تو مجھ کو اپنے پاس سے ہدایت کر اور میرے اوپر اپنے فضل میں سے کچھ جاری کر اور اپنی کچھ رحمت میرے اوپر پھیلا، اور کچھ اپنے برکات میں سے مجھ پر اتار ۱۲ ؁ طبرانی بروایت ابو داؤد بسند ضعیف ۱۲ [2] ترجمہ دعائے حضرت ابو درداءؓ الٰہی تو میرا پروردگار ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تو مالک ہے بڑے عرش کا، نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی اور قوت عبادت کرنے کی مگر اللہ برتر عظمت والے کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہوا جو نہ چاہا نہیں ہوا میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر علم سے محیط ہے، اور ہر چیز کو شمار سے گن رکھا ہے، الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کی برائی سے اور ہر چلنے والے کی برائی سے کہ جس کی چوٹی تیرے قابو میں ہے، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے ۱۲ [3] ترجمہ دعائے حضرت ابراہیم خلیل اللہ الٰہی صبح نئی مخلوق ہے پس اس کو مجھ پر اپنی اطاعت سے کھول، اور اس کو میرے لیے اپنی مغفرت اور رضا پر تمام کر اور اس میں مجھ کو ایسی نیکی نصیب کر جس کو تو مجھ سے قبول کرے اور اس نیکی کو میرے لیے پاکیزہ کر اور دونا کر، اور جو برائی میں اس میں کروں اس کو تو مجھے معاف کر دے کہ تو معاف کرنے والا مہر کرنے والا محبت رکھنے والا سخی ہے ۱۲

عملت فیه من سیئة فاغفرلی انك غفور رحیم ودود کریم۔ اور آپ نے فرمایا کہ جو کوئی صبح کو اُٹھ کر یہ دعا پڑھ لے تو اس نے اس روز کا شکر ادا کیا۔ نویں دعا حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے اللھم[۱] اصبحت لا استطیع دفع ما اکرہ ولا املك نفع ما ارجو واصبح الامر بید غیری واصبحت مرتھنا بعملی فلا فقیرا فقر منی اللھم لاتشمت بی عدوی ولاتسؤلی صدیقی ولا تجعل مصیبتی فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر ھمی ولا تسلط علی من لا یرحمنی یاحی یاقیوم دسویں دعا حضرت خضر علیہ السلام کی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام جب حج کے دنوں میں ہر سال ملتے تو جدا اس وقت ہوتے کہ یہ دعا پڑھ لیا کرتے بسم[۲] اللہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ الخیر کله بید اللہ ما شاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ جو کوئی اس دعا کو صبح کو اٹھ کر تین دفعہ پڑھ لیا کرے وہ جلنے اور ڈوبنے اور چوری سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ گیارھویں دعا حضرت معروف کرخیؒ کی ہے، محمد بن حسان کہتے ہیں کہ مجھ سے آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو دس کلمات سکھائے دیتا ہوں۔ پانچ دنیا کے لیے اور پانچ آخرت کے لیے، جو کوئی ان کو پڑھ کر خدائے تعالیٰ سے دعا مانگے گا، اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ پائے گا، میں نے عرض کیا کہ آپ ان کو میرے لیے لکھ دیجئے۔ حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ لکھوں گا نہیں، بلکہ تیرے سامنے کئی بار پڑھ دوں گا جیسے بکر بن خنیسؒ میرے سامنے کئی مرتبہ پڑھتے تھے وہ یہ ہیں حسبی[۳] اللہ لدینی حسبی اللہ لدنیای حسبی اللہ الکریم لما ھمنی حسبی اللہ الحکیم القوی لمن بغی علی حسبی اللہ الشدید لمن کادنی بسوء حسبی اللہ الرحیم عند الموت حسبی اللہ الرؤف عند المسألة فی القبر حسبی اللہ الکریم عند الحساب حسبی اللہ اللطیف عند المیزان حسبی اللہ القدیر عند الصراط حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیه توکلت وھو رب العرش العظیم اور حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ جو کوئی ہر روز سات بار اس آیت کو پڑھے، فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیه توکلت وھو رب العرش العظیم

---

[۱] ترجمہ دعائے حضرت عیسیٰؑ الٰہی میں ایسا ہوں کہ جو بات مجھے معلوم ہوتی ہے اس کو ٹال دیتا ہوں، اور جو توقع کرتا ہوں اس سے منتفع ہونے پر قابو نہیں رکھتا اور معاملہ دوسرے شخص کے اختیار میں ہے اور میں اپنے عمل میں پھنسا ہوں، پس محتاج مجھ سے زیادہ حاجت مند نہیں، الٰہی مت ہنسا مجھ پر میرے دشمن کو اور نہ برا کر میرے سبب سے میرے دوست کو اور مت کر میری مصیبت میرے دین میں اور مت کر دنیا کو زیادہ سے زیادہ مقصود میرا اور مجھ پر مت قابو دے ایسے شخص کو جو مجھ پر رحم نہ کریں اے زندہ اے توانا ۱۲ [۲] ترجمہ دعائے حضرت خضرؑ شروع ہے اللہ کے نام سے جو چاہا اللہ نے قوت نہیں مگر اللہ کی دی ہوئی جو چاہا اللہ کا ہر ایک نعمت اللہ کے پاس سے ہے جو چاہا اللہ کا خیر بالکل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو چاہا اللہ کا نہیں پھیرتا ہے برائی کو سوائے خدا کے کوئی ۱۲ [۳] ترجمہ دعائے معروف کرخیؒ اللہ مجھ کو کافی ہے میرے دین کے واسطے مجھ کو بس ہے میری دنیا کے لیے اللہ کریم مجھ کو کافی ہے اس چیز کے لیے جس نے مجھ کو تردد میں ڈالا، کافی ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ بردبار قوت والا اس شخص کے لیے جو مجھ پر سرکشی کرے۔ اللہ تعالیٰ شدت والا مجھ کو بس ہے اس شخص کے لیے جو مجھ کو بدی پہنچانے کی تدبیر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ رحم والا مجھ کو موت کے وقت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب رافت مجھ کو کافی ہے قبر میں سوال کرنے کے وقت۔ اللہ کریم مجھ کو بس ہے حساب کے وقت، اللہ لطیف مجھ کو کافی ہے میزان کے پاس۔ اللہ تعالیٰ قدیر مجھ کو بس ہے پل صراط پر، اللہ مجھ کو کافی ہے کسی کی بزرگی نہیں اس کے سوا اس پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہ صاحب ہے بڑے تخت کا ۱۲

اللہ تعالیٰ اس کے آخرت کے امر مہم کو کفایت کرے گا، خواہ وہ اس قول میں سچا ہو یا جھوٹا۔ یعنی خواہ توکل رکھتا ہو یا نہیں۔

بارہویں دعا عتبہ غلام کی ہے کہ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا تو فرمایا کہ میں اس دعا کے باعث جنت میں داخل ہوا[1] اَللّٰھُمَّ یا ھادی المضلین و یا ارحم المذنبین و مقبل عثرات العاثرین ارحم عبدك ذا الخطر العظیم والمسلمین کلھم اجمعین فاجعلنا مع الاحیاء المرزوقین الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء و الصالحین آمین یا رب العلمین۔ تیرہویں دعا حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ منظور کرے تو انہوں نے سات بار خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس وقت کعبہ بنا ہوا نہ تھا، بلکہ ایک سرخ ٹیلا تھا۔ پھر انہوں نے دو رکعتیں نماز پڑھی، پھر یہ دعا پڑھی، اَللّٰھُمَّ[2] انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤالی وتعلم ما فی نفسی فاغفر لی ذنوبی اَللّٰھُمَّ انی اسئلك ایمانا یباشر قلبی ویقینا صادقا حتی اعلم انه لن یصیبنی الا ما کتبته علی فارضنی بما قسمته لی یا ذوالجلال والاکرام۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ میں نے تم کو معاف کر دیا، اور جو کوئی تمہاری اولاد میں سے اسی دعا کو پڑھ کر مجھ سے دعا مانگے گا، میں اسے بخش دوں گا اور اس کا غم اور رنج دور کر دوں گا اور مفلسی کو اس کی دونوں آنکھوں سے نکال دوں گا۔ اور ہر تاجر سے زیادہ اس کو نفع دوں گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی، گو وہ اس کو نہ چاہے۔ چودھویں دعا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ ہر روز اپنی بڑائی کرتا ہے اور فرماتا ہے[4] انی انا اللہ رب العلمین انی انا اللہ لا الٰہ الا انا الحی القیوم انی انا اللہ لا الٰہ الا انا العلی العظیم انی انا اللہ لا الٰہ الا انا لم الد

---

[1] ترجمہ دعائے حضرت عتبہ رضؓ اے اللہ! اے راہ بتانے والے گمراہوں کے اور مہر کرنے والے گنہگاروں کے اور معاف کرنے والے لغزشوں اور خطاؤں کے، رحم کر اپنے بندہ پر جس کو بڑا خطرہ ہے، اور رحم کر سب مسلمانوں پر اور ہم کو ان زندوں کے ساتھ کر دے جن کو رزق ملتا ہے اور تو نے ان پر انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک بختوں کے ساتھ اس دعا کو قبول کر اے رب العلمین ۱۲ [2] ترجمہ دعائے حضرت آدم علیہ السلام اے اللہ تو جانتا ہے میرے باطن اور میرے ظاہر کو، پس قبول کر میرا عذر اور تو جانتا ہے میری حاجت، پس عطا کر مجھ کو میری مانگ، اور تو جانتا ہے جو بات میرے دل میں ہے تو بخشدے مجھ کو میرے گناہ، الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسا ایمان کہ میرے دل کے ساتھ رہے اور ایسا یقین صادق کہ میں جانوں کہ ہرگز کوئی مصیبت نہ آوے گی مگر جو تو نے مجھ پر لکھ دی پھر تو راضی کر مجھ کو اس چیز سے جو تو نے میرے لیے مقرر کی ہے اے بزرگی اور اکرام والے ۱۲ [3] اس حدیث کا ٹھکانہ مجھے نہیں ملا ۱۲ [4] ترجمہ دعائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا تعالیٰ جلشانہ فرماتا ہے بے شک میں ہی ہوں اللہ پروردگار سارے جہان کا، بے شک میں ہی ہوں اللہ کوئی معبود نہیں سوائے میرے کہ زندہ توانا ہوں، بے شک میں معبود ہوں کوئی معبود نہیں سوائے میرے کہ برتر عظمت والا ہوں، بے شک میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں سوائے میرے، نہ مجھ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا بے شک میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں سوائے میرے کہ میں معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہوں۔ بے شک میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں بجز میرے، اور ہر چیز نئے سرے سے ایجاد کرنے والا ہوں، اور میری ہی طرف ہر چیز رجوع کرے گی، عزت والا حکمت والا ہوں، بہت مہربان رحم والا ہوں، انصاف کے دن کا مالک ہوں، نیکی اور بدی کا پیدا کرنے والا ہوں، جنت اور دوزخ کا پیدا کرنے والا ہوں یکتا صفات میں اور ذات یکتا بے پروا ایسا نہ کوئی بی بی ہے نہ لڑکا، اکیلا طاق، جاننے والا پوشیدہ

(باقی بر صفحہ ۵۰۰)

ولد اولد انی انا اللہ لا الہ الا انا العفو الغفور انی انا اللہ لا الہ الا انا مبدئ کل شئ وانی یعود العزیز الحکیم الرحمن الرحیم ملک یوم الدین خالق الخیر والشر خالق الجنۃ والنار الواحد الاحد الصمد والصمد الذی لم یتخذ صاحبۃ ولا ولد الفرد الوتر عالم الغیب والشہادۃ الملک القدوس السلام المؤمن المہیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری المصور الکبیر المتعال المقتدر القہار الحکیم الکریم اہل الثناء والمجد عالم السر واخفی القادر الرزاق فوق الخلق والخلیقۃ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر کلمہ کے پیشتر انی انا اللہ لا الہ الا انا مذکور فرمایا جیسے ہم نے شروع کے چند اسماء میں لکھا ہے پس کوئی ان اسماء کے ذریعہ سے دعا مانگے اس کو چاہیئے کہ ہر جگہ انک انت اللہ لا الہ الا انت کہے انی کی جگہ انک اور انا کی جگہ انت، اور جو کوئی ان اسماء سے دعا مانگے گا، وہ سجدہ کرنے والوں اور خشوع کرنے والوں میں لکھا جائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے پڑوس میں قیامت کے روز رہیں گے ۔ اور اس کو آسمان اور زمین کے عابدوں کا ثواب ملے گا۔

پندرھویں دعا ابی المعتمر سلیمان تیمیؒ کی اور ان کی تسبیحات ہیں ۔ مروی ہے کہ یونس بن عبیدہؒ نے ان لوگوں میں سے جو روم میں شہید ہوئے تھے، ایک شہید کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے اعمال میں سے وہاں کونسا زیادہ افضل پایا، انہوں نے فرمایا کہ ابی المعتمر کی تسبیحوں کی قدر خدائے تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہے اور وہ یہ ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ عدد ما خلق وعدد ما ھو خالق وزنۃ ما خلق ماھو خالق وملا ما خلق وملاء ماھو خالق وملأ السمٰوٰت وملا ارضیہ ومثل ذٰلک واضعاف ذٰلک وعدد خلقہ وزنۃ عرشہ ومنتہی رحمتہ ومداد کلماتہ ومبلغ رضا حتی یرضی واذا رضی وعدد ما ذکرہ بہ خلقہ فی جمیع ما مضی وعدد ما ھم ذاکروہ فیما بقی فی کل سنۃ وشہر وجمعۃ ویوم ولیلۃ وساعۃ

(بقیہ ۵۳۹) اور ظاہر کا بادشاہ حقیقی نہایت پاک ہے بے عیب امان دینے والا نگہبان زبردست بگڑے کاموں کا درست کرنے والا، بزرگ پیدا کرنے والا عدم سے وجود میں لانے والا، بہت بڑا عالی شان قدرت والا غالب بڑا کرم والا، لائق تعریف اور مجد کا جاننے والا راز اور اس سے زیادہ چھپی بات کا، قابو رکھنے والا، رزق دینے والا، خلق اور اہل خلق سے برتر ۱۲ سلہ ترجمہ دعائے حضرت ابی المعتمر سلیمانؒ پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی، اور سب خوبیاں اللہ کی ہیں اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی اور نہ قوت اطاعت کی مگر اللہ کی دی ہوئی موافق شمار ان چیزوں کے جو اس نے پیدا کی ہیں اور جن کو وہ پیدا کرنے والا ہے اور موافق وزن ان اشیاء کے جو اس نے پیدا کیں اور جن کو وہ پیدا کرنے والا ہے اور مقدار پر ہی ان چیزوں کی جو اس نے پیدا کیں اور جن کو وہ پیدا کرنے والا ہے ۔ اور مقدار پر ہی اس کے آسمانوں کے اور بھرتی بقدر اس کی زمینوں کی اور اس کے برابر اور اس سے بہت گنتی پر بقدر گنتی اس کے خلق کے اور مقدار وزن اس کے عرش کے اور انتہاء اس کی رحمت کے اور سیاہی اس کے کلموں کے اور اس کے رضا کے انجام کے یہاں تک کہ وہ خوش ہو، اور جس وقت وہ راضی ہوا، اور بقدر شمار ان الفاظ کے جس سے اس کی مخلوق نے اس کو یاد کیا ہے سارے زمانہ ماضی میں اور جس نے کہ وہ اس کے یاد کرنے کے زمانہ آئندہ میں ہر سال اور ہر مہینے اور ہر ہفتے دن و رات میں اور ہر ایک گھڑی سانس اور دم میں اور کسی زمانہ آئندہ میں ایک رات سے لے کر دوسری رات تک دنیا کی مدت اور آخرت کی مدت سے اور اس سے زیادہ کر، نہ اس کی ابتداء علیحدہ ہو اور نہ اس کی انتہاء تمام ہو۔ ۱۲

من ساعاته ثم ونفس من الانفاس وابدًا من الاباد من الابد الى الابد ابد الدنيا وابد الآخرة واكثر من ذلك لا ينقطع اولاه ولا ينفد اخراه۔ سولہویں دعا حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی ہے، ابراہیم بن بشار ان کے خادم روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہمؒ ہر جمعہ کو یہ دعا پڑھا کرتے تھے، مرحبا[1] بيوم المزيد والصبح الجديد والكاتب والشهيد يومنا هذا يوم عيد اكتب لنا ما يقول بسم الله الحميد المجيد الرفيع الودود الفعال فى خلقه ما يريد اصبحت بالله مؤمنًا وبلقائه مصدقًا وبحجته معترفًا ومن ذنبي مستغفرا ولربوبية الله خاضعا ولسوى الله فى الالهية جاحدا والى الله فقيرا وعلى الله متوكلا والى الله منيبًا اشهد الله واشهد ملائكته وانبيائه ورسله وحملة عرشه ومن هو خالقه بانه هو الله الذى لا اله الا هو وحده لا شريك له وان محمدًا عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم تسليمًا وان الجنة حق وان النار حق والحوض حق والشفاعة حق ومنكرًا ونكيرًا حق ووعدك حق ولقائك حق والساعة آتية لا ريب فيها وان الله يبعث من فى القبور على ذلك احيى واليه اموت وعليه ابعث ان شاء الله اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك اللهم من شر ما صنعت ومن شر كل ذى شر اللهم انى قد ظلمت نفسى فاغفر لى ذنوبي فانه لا يغفر الذنوب الا انت واهدنى لاحسن الاخلاق فانه لا يهدى باحسنها الا انت واصرف عنى سيئها فانه لا يصرف سيئها الا انت لبيك سعديك والخير كله بيديك انا بك واليك استغفرك واتوب اليك آمنت اللهم بما ارسلت من رسول وآمنت اللهم بما انزلت من كتاب وصلى الله على محمد النبى الامى وعلى آله وسلم تسليمًا كثيرًا خاتم كلامى ومفتاحه وعلى انبيائه ورسله اجمعين آمين يا رب العلمين اللهم اوردنا حوض محمد واسقنا بكاسه شربا رويًا سائغًا هنيئًا لا نظمأ بعده ابدا واحشرنا فى

---

[1] ترجمہ دعائے مغفرت حضرت ابراہیم بن ادہمؒ مرحبا ہے اس زیادتی ثواب کے دن کو اور نئی صبح کو اور اعمال کے لکھنے والے اور ان کے گواہ کو ہمارا روز عید کا روز ہے لکھ ہمارے لیے جو ہم کہتے ہیں، شروع ہے اللہ کے نام سے جو خوبیوں والا اور شرافت والا اور بلند مرتبہ محبت والا اپنی مخلوق میں جو چاہے سو کرنے والا ہے۔ میں نے صبح کی اس طور پر کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے دیدار کی تصدیق کرتا ہوں، اور اس کی حجت کا معترف ہوں اور اپنے گناہوں سے معافی مانگنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے سامنے فروتنی کرتا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ کے سوا معبود ہونے کا منکر ہوں، اور اللہ کا محتاج اور اسی پر بھروسہ کرنے والا اور اسی کی طرف رجوع کرنے والا ہوں، میں اللہ کو گواہ کرکے کہتا ہوں اور اس کے فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں اور عرش کے اٹھانے والوں کو، اور جن کو اس نے پیدا کیا، اور جن کو وہ پیدا کرنے والا ہے، گواہ کرتا ہوں میں اس بات کا کہ وہی معبود ہے کوئی بندگی کے لائق نہیں اس کے سوا، تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اور اس بات کا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور اس کا کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور حوض سچ ہے اور شفاعت سچ ہے۔ اور منکر نکیر حق ہیں اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تیرا دیدار حق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، اور اللہ تعالیٰ قبروں کے لوگوں کو اٹھائے گا۔ اسی گواہی پر میں زندہ ہوں اور اسی پر مروں گا اور اسی پر اٹھوں گا اگر خدا نے چاہا، الٰہی تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد پر قائم ہوں اور تیرے وعدہ اپنے مقدور بھر میں تجھ سے الٰہی پناہ مانگتا ہوں میں برائی سے ان خطاؤں کی جو میں نے کیں اور برائی سے ہر بدی والے کے، الٰہی میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا پس (باقی صـ۵۴۲)

نامرتہ غیر خزایا ولا ناکثین للعھد ولا مرتابین ولا مفتونین ولا مغضوب علینا ولا الضالین اللھم اعصمنی من فتن الدنیا ووفقنی لما تحب وترضیٰ واصلح لی شانی کلہ وثبتنی بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ولا تضلنی وان کنت ظالما سبحانک سبحانک یا علی یا عظیم یا ربی یا رحیم یا عظیم یا جبار سبحان من سبحت لہ السمٰوٰت باکنافھا وسبحان من سبحت لہ الجبال باصدائھا وسبحان من سبحت لہ البحار بامواجھا وسبحان من سبحت لہ الحیتان بلغاتھا وسبحان من سبحت لہ النجوم فی السماء بابراجھا وسبحان من سبحت لہ الشجر باصولھا وثمارھا وسبحان من سبحت لہ السمٰوٰت السبع والارضون السبع ومن فیھن ومن علیھن سبحان من سبح لہ کل شئ من مخلوقاتہ تبارکت وتعالیت سبحانک سبحانک یا حی یا قیوم یا علیم یا حلیم سبحانک لا الٰہ الا انت وحدک لا شریک لک تحی وتمیت وانت حی لا یموت بیدک الخیر وانت علیٰ کل شئ قدیر۔

نبی کریم علیہ السلام اور صحابہ علیہم الرضوان سے منقول دعائیں

ہم ان کے اسناد مذکور نہ کریں گے اور یہ دعائیں ابو طالب مکی اور ابن خزیمہ اور ابن منذر رحمہ اللہ کے مجموعوں سے انتخاب کی گئی ہیں، آخرت کے چاہنے والے کو مستحب ہے کہ جب صبح کو اٹھے تو اس کا کچھ وظیفہ دعا ہو، چنانچہ اس کا ذکر باب الاوراد میں آتا

(بقیہ صفحہ ۵۴۱) تو بخشدے مجھ کو میرے گناہ، کوئی تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا اور مجھ کو راہ دکھا اچھی عادتوں کی راہ اور کوئی نہیں بتاتا اور مجھ سے بری عادتوں کو ٹال دے کہ تیرے سوا بری عادتوں کو کوئی نہیں ٹالتا میں خدمت میں حاضر ہوں اور طاعت کے لیے مستعدی ہوں اور خیر بالکل تیرے ہاتھوں میں ہے میں تجھ سے ہوں اور تیری طرف رجوع کرنے والا اور تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں الٰہی میں ایمان لایا رسولوں پر جو تو نے بھیجے اور کتابوں پر جو تو نے اتاریں۔ اور خدائے تعالیٰ رحمت کرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ناخواندہ پر، اور ان کی اولاد پر بہت سا سلام بھیجے میرے کلام انجام اور انداز میں اور اپنے سب انبیاؤں پر اور رسولوں پر ایسا ہی کر اے رب العلمین، الٰہی ہم کو وارد کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوض پر اور ہم کو ان کے جام سے شربت پلا جو سیراب کرنے والا اور پچنے والا ہو کہ اس کے بعد کبھی ہم پیاسے نہ ہوں اور ہم کو اس کی جماعت میں اٹھا ایسی صورت سے کہ ہم نہ رسوا ہوں نہ عہد شکنی کریں نہ دین میں شک کریں نہ فتنہ میں مبتلا ہوں نہ ہم پر غصہ ہو نہ ہم گمراہ ہوں الٰہی مجھ کو دنیا کے فتنوں سے بچا اور ان باتوں کی توفیق دے جن سے تو خوش ہو اور راضی رہے اور میرا بالکل حال درست کر اور مجھ کو مضبوط قول پر دنیا کی زندگی اور آخرت میں قائم رکھ اور مجھ کو گمراہ مت کر، اگرچہ ظالم ہوں میں۔ پاک ہے تو عالیشان اے عظمت والے اے پیدا کرنے والے اے رحم والے اے عزت والے اے بگڑوں کو درست کرنے والے میں پاکی بیان کرتا ہوں اس شخص کی جس کی پاکی آسمان مع اپنے اطراف کے بیان کرتے ہیں اور میں پاکی بیان کرتا ہوں اس شخص کی جس کی پاکی پہاڑ اور ان کی گونج کرتی ہے اور میں پاکی بیان کرتا ہوں اس کی جس کی پاکی دریا مع اپنی موجوں کے بیان کرتے ہیں اور میں پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی مچھلیاں اپنی زبان سے بیان کرتی ہیں اور میں پاکی بیان کرتا ہوں اس کی جس کے ستارے آسمانوں کے مع برجوں کے بیان کرتے ہیں اور میں پاکی بیان کرتا ہوں اس کی جس کی پاکی درخت مع اپنی جڑوں اور پھلوں کے بیان کرتے ہیں اور میں پاکی بیان کرتا ہوں اسکی جس کی ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو ان کے بیچ میں ہیں اور جو ان کے اوپر ہیں بیان کرتے ہیں پاک ہے وہ ذات جس کے لیے ہر چیز نے اس کی مخلوقات میں سے پاکی بیان کی تو برکت والا اور بزرگ ہے (باقی صفحہ ۵۴۳)

ہے پس تم کو اگر آخرت کی کھیتی منظور ہے اور جن دعاؤں سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی ہے ان میں آپ کی پیروی چاہتے ہیں تو اپنی دعاؤں کے . . . . . شروع میں نماز کے بعد یوں کہا کرو[ح ا] سبحان ربي الاعلى الوهاب لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير اور تین بار کہو[ح ۲] رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا اور یہ کہو[ح ۳] اللهم فاطر السموٰت والارض عالم الغيب والشهادة رب كل شئ ومليكه اشهد ان لا اله الا انت اعوذ بك من شر نفسي وشر الشيطان وشركه اور کہو[ح ۴] اللهم اني اسئلك العفو والعافية في ديني ودنياي واهلي ومالي اللهم استر عوراتي وامن روعاتي واقلني عثراتي احفظني من بين يدي ومن خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي واعوذ بك ان اغتال من تحتي[ح ۵] اللهم لا تؤمني مكرك ولا تولني غيرك ولا تنزع عني سترك ولا تنسني ذكرك ولا تجعلني من الغافلين اور تین بار سید الاستغفار پڑھو[ح ۶] اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علي وابوء بذنبي فاغفر لي فانه لا يغفر الذنوب الا انت اور تین بار یہ کہو[ح ۷] اللهم عافني في بدني وعافني في سمعي وعافني في بصري لا اله الا انت اور کہو[ح ۸] اللهم اني اسئلك الرضى بعد القضاء وبرد العيش بعد الموت والنظر الى وجهك وشوقا الى لقائك من غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة واعوذ بك من ان اظلم او يظلم او اعتدي او يعتدى علي او اكسب خطيئة

(بقیہ صفحہ ۵۰۲) اور تو پاک ہے تو پاک ہے اے زندہ اے قائم رکھنے والے اے علم والے اے حکم والے تو پاک ہے کوئی معبود نہیں تیرے سوا تو اکیلا ہے، کوئی تیرا شریک نہیں تو جلاتا ہے اور تو ہی مارتا ہے تو زندہ ہے کہ نہیں مرتا ہے تیرے قابو میں ہے بہتری اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۱۲ ترجمہ اوراد فصل چہارم باب نہم

ح ا پاکی بیان کرتا ہوں اپنے رب بلند مرتبہ سب سے بڑے بہت دینے والے کی ۱۲ ح کوئی معبود نہیں سوائے خدائے تعالیٰ کے، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کو سلطنت ہے اور اس کی خوبی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲ ح راضی ہوں میں اللہ کے رب ہونے اور اسلام سے دین میں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے میں ۱۲

ح اے اللہ بنانے والے زمینوں اور آسمانوں کے جاننے والے ظاہر اور پوشیدہ کے پروردگار ہر چیز کے اور اس کے مالک میں گواہی دیتا ہوں کوئی معبود نہیں سوائے تیرے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کے پھندوں سے ۱۲ ح الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں معاف کرنے کا اور سب آفتوں سے سلامت رکھنے کا اپنے دنیا و دین میں گھر والوں میں اور مال میں، الٰہی ڈھانپ میرے عیبوں کو اور امن دے میرے خوفوں کو اور معاف کر مجھ کو میری لغزشیں اور حفاظت کر مجھ کو میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے اور اوپر سے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ بے خبر ہلاک ہو جاؤں میں اپنے نیچے سے ۱۲ ح الٰہی مت نڈر کر مجھ کو اپنے عذاب سے اور مت سپرد کر مجھ کو اپنے سوا دوسرے کے اور مت دور کر مجھ پر سے اپنا پردہ اور مت بھلا مجھ کو اپنی ذات سے اور مت کر مجھ کو غافلوں سے ۱۲ ح الٰہی تو میرا پروردگار ہے کوئی معبود نہیں تیرے سوا تو نے ہم کو پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور وعدے پر ہوں اپنے مقدور کے موافق میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اپنے کام کی برائیوں سے میں اپنے اوپر تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں تو مجھ کو بخش دے کہ گناہوں کو تیرے سوا اور کوئی نہیں بخشتا ۱۲ ح الٰہی مجھ کو عافیت دے میرے بدن میں کان میں اور میری آنکھ میں کوئی معبود نہیں سوائے تیرے ۱۲ ح الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں راضی رہنے کا تیرے حکم کے بعد اور موت کے بعد خنک زندگی کا اور تیرے منہ کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تیرے دیدار کے شوق کا بدوں سختی کسی ضرر دینے والی چیز کے اور بدوں فتنے گمراہ کرنے والے کے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے یا میں حد سے بڑھ جاؤں اور میرے اوپر کوئی حد سے زیادہ زیادتی کی جاوے یا کوئی ایسے قصور یا گناہ کا مرتکب ہوں کہ تو اس کو نہ بخشے ۱۲

او ذنبا لا تغفرہ ۱ اللّٰھم انی اسئلک الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد واسئلک شکر نعمتک وحسن عبادتک واسئلک قلبا سلیما وخلقا مستقیما ولسانا صادقا وعملا مقبولا واسئلک من خیر ما تعلم واعوذ بک من شر ما تعلم واستغفرک بما تعلم فانک تعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللّٰھم اغفر ۵ لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت فانک انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شیء قدیر وعلی کل غیب شھید اللّٰھم ۲ انی اسئلک ایمانا لا یرتد ونعیما لا ینفد وقرۃ عین الابد ومرافقۃ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اعلیٰ جنۃ الخلد اللّٰھم ۳ انی اسئلک الطیبات وفعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین واسئلک حبک وحب من احبک وحب کل عمل یقرب الی حبک وان تتوب علی و تغفرلی وترحمنی واذا اردت بقوم فتنۃ فاقبضنی الیک غیر مفتون اللّٰھم ۴ بعلمک الغیب علی الخلق احینی ما کانت الحیوٰۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی واسئلک خشیتک فی الغیب والشھادۃ وکلمۃ العدل فی الرضاء و الغضب والقصد فی الغنی والفقر ولذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک واعوذ بک من ضراء مضرۃ وفتنۃ مضلۃ اللّٰھم

ح الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مستقل رہنا معاملہ میں مضبوط رہنا ہدایت پر اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں شکر کرنے کا تیری نعمت پر، اور عبادت کرنے کا اچھی طرح پر اور تجھ سے چاہتا ہوں دل سلیم اور عادت راست اور زبان صادق اور عمل مقبول، اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بہتری ان باتوں کی جو تو جانتا ہے۔ اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں برائی سے ان امور کی کہ جو تجھ کو معلوم ہیں اور تجھ سے معافی مانگتا ہوں ان گناہوں کی جو تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیب کی باتوں کو زیادہ جاننے والا ہے ۱۲ ح یہ قول اس باب کی دوسری فصل میں گذرا ۱۲ ح بخاری مسلم بروایت مغیرہ بن شعبہ ۱۲ ح فصل اول باب الذکر میں گذری ۱۲ ح ابو داؤد ترمذی وحاکم بروایت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن ابی بکر صدیق ۱۲ ح ابو داؤد ونسائی بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ح ابو منصور دیلمی بروایت ابن عباسؓ مگر اس میں تولنی غیرک نہیں اور اسناد ضعیف ہے ۱۲ ح بخاری بروایت شداد بن اوس ۱۲ ح ابو داؤد ونسائی بروایت ابی بکرؓ اور نسائی نے کہا ہے کہ جعفر بن میمون اس میں ضعیف ہے ۱۲ ح احمد وحاکم بروایت زید بن ثابت ۱۲ ح ترمذی ونسائی وحاکم بروایت شداد بن اوس ۱۲

۱ الٰہی تو بخشدے مجھ کو جو گناہ میں نے آگے کئے اور جو پیچھے کیے اور جو چھپا کر کیے اور جو ظاہر کیے کہ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اپنی رحمت میں اور تو ہی پیچھے کرنے والا اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے، اور ہر پوشیدہ بات پر موجود ہے ۱۲ ۲ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسا ایمان کہ منحرف نہ ہو اور ایسی نعمت کہ تمام نہ ہو اور آنکھ کی ٹھنڈک ہمیشہ کی اور ساتھ رہنا تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے اوپر کی جنت خلد میں ۱۲ ۳ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں پاکیزہ چیزیں اور کرنا نیکیوں کا اور چھوڑنا برائیوں کا اور دوستی مسکینوں کی اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ کو دوست رکھے اور دوستی ہر ایک کام کی جو تیری دوستی کے قریب کرے۔ اور یہ کہ مجھ کو توفیق دے توبہ کی اور مجھ کو بخشدے اور مجھ پر رحم کرے اور جب تو کسی قوم پر فتنہ چاہے تو مجھ کو اپنے پاس سے اٹھالے بدوں فتنہ میں مبتلا ہونے کے ۱۲ ۴ الٰہی بسبب اپنی غیب دانی اور خلق پر قادر ہونے کے مجھ کو زندہ رکھ جب تک کہ میرے حق میں زندگی بہتر ہے اور مجھ کو وفات دے جبکہ میرے لیے وفات اچھی ہو، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرا خوف باطن میں اور ظاہر میں اور کلمہ حق کہنا خوشی میں اور غصہ میں اور میانہ روی تونگری اور مفلسی میں اور تیرے منہ کی طرف دیکھنے کی لذت اور تیرے دیدار کا شوق اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اور ضرر دینے والی چیز کے نقصان سے اور گمراہ کرنے والے فتنہ سے یعنی مال وجاہ سے، الٰہی ہم کو آراستہ کر ایمان کی زینت سے اور کر ہم کو ہدایت کرنے والے اور خود راہ پانے والے ۱۲

ثابتا بزينة ايماننا واجعلنا هداة مهتدين - [1] اللهم اقسم لنا من خشيتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك ومن طاعتك ما تبلغنا به جنتك ومن اليقين ما تهون به علينا مصائب الدنيا اللهم املأ وجوهنا منك حياء وقلوبنا منك فرقا واسكن فى نفوسنا من عظمتك ما تذلل جوارحنا لخدمتك واجعلك اللهم احب الينا ممن سواك واجعلنا اخشى لك ممن سواك [3] اللهم اجعل اول يومنا هذا صلاحا واوسطه فلاحا واخره نجاحا اللهم اجعل اوله رحمة واوسطه نعمة و اخره مكرمة ومغفرة [4] الحمد لله الذى تواضع كل شئ لعظمته وذل كل شئ لعزته وخضع كل شئ لملكه واستسلم كل شئ لقدرته والحمد لله الذى سكن كل شئ لهيبته واظهر كل شئ بحكمته وتصاغر كل شئ لكبريائه [5] اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وازواج محمد وذريته وبارك على محمد وعلى آله وازواجه وذريته كما باركت على ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد [6] اللهم صل على محمد عبدك ورسولك ونبيك النبى الامى رسولك الامين واعطه المقام المحمود الذى وعدته يوم الدين [7] اللهم اجعلنا من اولياءك المتقين وحزبك المفلحين وعبادك الصالحين واستعملنا لمرضاتك عنا ووفقنا لمحابك منا وصرفنا بحسن اختيارك لنا نسئلك جوامع الخير وفواتحه وخواتمه و نعوذبك من جوامع الشر وفواتحه وخواتمه اللهم بقدرتك على تب على انك انت التواب الرحيم وبحلمك عنى اعف عنى انك انت الغفار الحليم وبعلمك بى ارفق بى انك انت ارحم الراحمين وبملكك لى ملكنى نفسى ولا تسلطها على

---

[1] الٰہی تو نصیب کر مجھ کو اپنا خوف اس قدر کہ حائل ہو جائے تو ہم میں اور ہماری نافرمانیوں میں اور اپنی اطاعت میں سے اس قدر کہ اس سے تو ہم کو اپنی جنت میں پہنچادے اور یقین سے اس قدر کہ اس کے باعث آسان کردے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں ۱۲ [2] الٰہی تو بھر دے چہرہ ہمارے اپنی ذات سے حیا کرنے سے، اور ہمارے دلوں کو اپنی ذات سے خوف کرنے سے اور ہمارے نفسوں میں اپنی عظمت اتنی ٹھہرا دے کہ اس کے سبب سے تو ہمارے اعضا کو اپنی خدمت کے لیے فرمانبردار کردے اور اے اللہ تو اپنی ذات کو ہمارے نزدیک اپنے ماسوا سے زیادہ محبوب کردے اور ہم کو ایسا کردے اوروں کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ خوف کریں ۱۲ [3] الٰہی کردے ہمارے اس دن کے شروع بہتری اور اس کے درمیان کو کامیابی اور اس کے آخر کو نجات، الٰہی کردے اوّل کو رحمت اور درمیان کو نعمت اور آخر کو عزت اور مغفرت ۱۲ [4] سب تعریفیں ہیں اسی اللہ کی جس کی عظمت کے سامنے ہر چیز دب گئی اور اس کی عزت کے مقابل ہر چیز ذلیل ہے اور اس کی سلطنت کے سامنے ہر چیز عاجز ہے اور اس کی قدرت کے آگے ہر چیز فرمانبردار ہے اور سب خوبیاں ہیں اس کی ہیبت کے سامنے سب چیزیں ساکن ہیں اور جس نے ہر ایک چیز کو اپنی حکمت سے ظاہر کیا اور جس کی بڑائی کے آگے ہر چیز چھوٹی ہو گئی [5] الٰہی رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر اور ازواج پر، ذریات پر اور برکت کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل و ازواج اور ذریت پر جیسے تو نے برکت کی ابراہیمؑ پر جہان میں بے شک تو خوبی والا بزرگی والا ہے ۱۲ [6] الٰہی رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بندے اور رسولؐ اور نبی ناخواندہ اور اپنے رسول امانتدار پر اور ان کو وہ مقام خوبی والا عنایت کر جو تو نے ان سے قیامت کے روز وعدہ کیا ہے ۱۲ [7] الٰہی ہم کو کر دے اپنے متقی دوستوں میں اور اپنے گروہ فلاح پانے والوں میں اور اپنے نیک بندوں میں اور ہم سے ایسے کام لے جن سے تو ہم سے راضی ہو اور ہم کو ان امور کی تکلیف دے جو تجھ کو ہم سے اچھے معلوم ہوں اور ہم کو اچھی طرح پسند کر کے پھیرنا ۱۲ ت اس باب کی دوسری فصل میں گزری ہے ۱۲ ت نسائی وحاکم بروایت ابن مسعودؓ مگر اس میں وقرۃ عین لا ینفد نہیں نسائی اسئلک نعیما لا ینفد وقرۃ عین الابد عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں ۱۲ ت ترمذی بروایت معاذ مگر اس میں نہیں طبرانی نے البتہ (باقی ص۵۴۵)

انك انت الملك الجبار سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت عملت سوءا وظلمت نفسی فاغفر لی ذنبی انك انت ربی انه لا یغفر الذنوب الا انت[1] اللهم الهمنی رشدی وقنی شر نفسی[2] اللهم ارزقنی حلالا لا تعاقبنی علیه وقنعنی بما رزقتنی واستعملنی به صالحا تقبله منی[3] اللهم انی اسئلك العفو والعافیة وحسن الیقین والمعافاة فی الدنیا والاخرة[4] یا من لا تضره الذنوب ولا تنقصه المغفرة[5] هب لی ما لا یضرك واعطنی ما لا ینقصك ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصلحین انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین واکتب لنا فی هذه الدنیا حسنة وفی الاخرة ربنا علیك توکلنا والیك انبنا والیك المصیر ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین ربنا لا تجعلنا فتنة للذین کفروا واغفر لنا ربنا انك انت العزیز الحکیم ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا

(بقیہ صفحہ ۵۴۵) اسی طرح روایت کیا ہے ۱۲ تخ نسائی وحاکم بروایت عمار بن یاسرؓ ۱۲ تخ ترمذی وحاکم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ تخ اس کی اصل مجھ کو معلوم نہیں عبد بن حمید اور منتخب وطبرانی بروایت ابن ابی اوفی ۱۲ تخ طبرانی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف اور اس میں الحمد للہ الذی واسکن کل شئی سے آخر تک نہیں ہے ۱۲ تخ بحیثیت مجموعی مجھ کو اس طرح پر نہیں ملی البتہ بخاری کی روایت میں اللهم صل علی محمد عبدک ورسولک ۱۲ ؎ یعنی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کامل بہتریوں اور ان کے آغازوں اور انجاموں کو اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے پوری برائیوں اور ان کے آغازوں اور انجاموں سے ۱۲ ؎ الٰہی یہ باعث مجھ پر اپنے قادر ہونے کی مجھ کو توفیق توبہ کی عنایت کر کہ تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان اور بہ سبب اپنے علم کے جو مجھ سے فرماتا ہے میری خطا سے درگذر کر کہ تو ہی بخشنے والا بردبار ہے اور چونکہ تجھ کو میرا حال معلوم ہے اس لیے تو میرے ساتھ نرمی کر کہ تو سب رحم والوں سے زیادہ مہر والا ہے اور بوجہ مجھ پر اپنی ملکیت کے میرے نفس کو میرے قابو میں کر دے۔ اس کو مجھ پر غالب مت کر کہ بے شک تو بادشاہ اور بگڑے کا سنوارنے والا ہے ۱۲۔

[1] الٰہی میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں تیری خوبیوں کے ساتھ، کوئی معبود نہیں سوائے تیرے، جس نے برا کام کیا اور اپنی جان پر ظلم کیا، پس بخش دے میرے گناہ کہ تو میرا پروردگار ہے اور بیشک تیرے سوا اور کوئی گناہ نہیں بخشتا ۱۲ [2] الٰہی میرے دل میں ڈال دے میری راہ پانی اور مجھ کو بچا میرے نفس کی برائی سے ۱۲ [3] الٰہی مجھ کو ایسی حلال روزی دے جس پر تو مجھ کو عذاب نہ کرے اور مجھ کو قانع کر دے اس چیز پر جو تو نے مجھ کو دی ہے اور مجھ سے اس کے ہونے کا ایسا نیک کام لے جس کو تو قبول کرتا ہے ۱۲ [4] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں درگذر کرنے اور سلامتی کا اور خوبی یقین کی اور معافی دنیا و آخرت میں ۱۲ [5] اے وہ شخص کہ نہیں ضرر کرتے ہیں اس کو گناہ اور نہ ناقص کرے مغفرت ان کو بخشدے مجھ کو وہ باتیں جو تیرا ضرر نہ کریں اور ڈال دے مجھ کو وہ بات کہ تیرا نقصان نہ کرے، اے رب دہانے کھولدے ہم پر صبر کے اور ہم کو وفات دے مسلمان، تو ہے میرا کارساز دنیا و آخرت میں، موت دے مجھ کو مسلمان اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں، تو ہے ہمارا تھامنے والا، سو بخش ہم کو اور مہر کر ہم پر، اور تو سب سے زیادہ بخشنے والا ہے اور لکھ دے ہمارے واسطے دنیا میں نیکی اور آخرت میں اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف پھر آنا ہے، اے رب ہم پر نہ آزما زور اس ظالم قوم کا، اے رب ہم پر نہ آزما کافروں کو اور ہم کو معاف کر اے رب ہمارے تو ہے زبردست حکمت والا، اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ ہمارے قدم اور مدد دے ہم کو منکر قوم پر اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے بنا ہمارے کام کا بناؤ اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے، اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو (باقی صفحہ ۵۴۷)

بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رّحیم ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیّٔ لنا من امرنا رشداً ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفّر عنا سیّاٰتنا وتوفنا مع الابرار ربنا واٰتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین[۱] رب اغفر لی ولوالدیّ وارحمنا کما ربیانی صغیرا واغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمٰت الاحیاء منھم والاموات رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم وانت الاعز الاکرم وانت خیر الراحمین وخیر الغافرین وانا للّٰہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین واٰلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً۔ وہ دعائیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز سے پناہ مانگی ہے اللّٰھم انی اعوذبک من الجبن واعوذبک من ان اردّ الی ارذل العمر واعوذبک من فتنۃ الدنیا واعوذبک من عذاب القبر[۲] اللھم انی

(بقیہ ص۵۰۶) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لائے اے رب ہمارے اب بخش گناہ ہمارے اور اتار ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ اے رب ہمارے دے ہم کو جو وعدہ دیا تو نے رسولوں کے ہاتھ، اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن تحقیق تو خلاف نہیں کرتا وعدہ، اپنے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں، اے رب ہمارے نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تو نے ہم سے اگلوں پر، اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں اور درگذر کر ہم سے اور بخش دے ہم کو، اور رحم کر ہم پر، تو ہمارا صاحب ہے، تو مدد کر ہماری قوم کافر پر ۱۲ [۱] اے رب مغفرت کر میری اور میرے ماں باپ کی، اور مہر کر ان دونوں پر جیسے ان دونوں نے مجھ کو چھوٹے سے کو پالا، مغفرت کر ایماندار مردوں اور عورتوں کی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی جو زندہ ہیں انہیں سے اور جو مر گئے ۱۲ [۲] اے رب میری مغفرت کر، اور مہر کر اور درگذر کر ان خطاؤں سے جو تجھ کو معلوم ہیں، تو سب سے زبردست اور کریم اور تو مہر کرنے والوں سے بہتر ہے، اور بخشنے والوں میں کا عمدہ ہے اور ہم اور کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ طاقت گناہ سے بچنے کی، اور قوت عبادت کرنے کی، مگر اللہ بزرگ و برتر کی دی ہوئی۔ اور کافی ہے ہم کو اللہ، اور اچھا مددگار ہے۔ اور رحمت بھیجے اللہ ہمارے سردار محمد خاتم الانبیاء اور ان کی آل اور اصحابؓ پر، اور بہت سا سلام بھیجے ۱۲ [۳] اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۴] اس کی سند فصل دوم میں گذری ۱۲ [۵] ترمذی بروایت ابن عمران ابن حصین ۱۲ [۶] حاکم نے بروایت ابن عباسؓ اور الفاظ اسی کے قریب روایت کیے ہیں ۱۲ [۷] نسائی اور یوم واللیلہ وابن ماجہ بروایت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [۸] ابو منصور در مسند فردوس بروایت علی بسند ضعیف ۱۲ [۹] ابوداؤد و ابن ماجہ ساعدی ۱۲ [۱۰] احمد بروایت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲

[۱] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں نامردی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ ہٹایا جاؤں خوار تر زندگی تک، اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنہ سے، اور میں تیری پناہ پکڑتا ہوں قبر کے عذاب سے ۱۲ [۲] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں لالچ سے کہ دل کے زنگ آلود ہونے پہنچا دے اور ایسے لالچ سے کہ توقع ہو اور ایسے لالچ سے جہاں توقع نہیں ۱۲

اعوذبك من طمع يهدى الى زيغ ومن طمع فى غير مطمع ومن طمع حيث لا مطمع [۱] اللهم انى اعوذبك من علم لا ينفع وقلب لا يخشع ودعاء لا يسمع ونفس لا تشبع واعوذبك من الجوع فانه بئس الضجيع ومن الخيانة فانه بئست البطانة ومن الكسل والبخل والجبن ومن الهرم ومن ان ارد الى ارذل العمر ومن فتنة الدجال وعذاب القبر ومن فتنة الاحياء والممات اللهم انا نسئلك قلوبا اواهة مخبتة منيبة فى سبيلك اللهم انى اسئلك عزائم مغفرتك وموجبات رحمتك والسلامة من كل اثم والغنيمة من كل بر والفوز بالجنة والنجات من النار [۲] اللهم انى اعوذبك من التردى واعوذبك من الغم والغرق والهدم واعوذبك من ان اموت فى سبيلك مدبرا واعوذبك من ان اموت بطلب الدنيا [۳] اللهم انى اعوذبك من شر ما علمت ومن شر ما لم اعلم اللهم اجنبنى منكرات الاخلاق والاعمال والادواء والاهواء [۴] اللهم انى اعوذبك من جهد البلاء ودرك الشقاء وسوء القضاء وشماتة الاعداء [۵] اللهم انى اعوذبك من الكفر والدين والفقر واعوذبك من عذاب جهنم واعوذبك من فتنة الدجال [۶] اللهم انى اعوذبك من شر سمعى وبصرى وشر لسانى وقلبى وشر منيى [۷] اللهم انى اعوذبك من جار السوء فى دار المقامة فان جار البادية يتحول [۸] اللهم انى اعوذبك من القسوة والغفلة والذلة والمسكنة واعوذبك من الكفر والفقر والفسوق

---

[۱] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے کہ مفید نہ ہو اور ایسے دل سے کہ خشوع نہ ہو اور ایسی دعا سے کہ جس میں شنوائی نہ ہو اور ایسے نفس سے کہ سیر نہ ہو اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کہ وہ بری بخواب ہے اور خیانت سے کہ وہ بری مصاحب ہے اور سستی اور بخل اور نامردی سے اور زیادہ بوڑھا ہونے سے، اور اس سے کہ میں پہنچ جاؤں خوار زندگی کو، اور دجال کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی موت کے فتنہ سے الٰہی ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں دل نرم عاجزی کرنے والے تیری راہ میں رجوع کرنے والے، الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں لوازم تیری مغفرت کے اور اسباب تیری رحمت کے اور سلامتی ہر ایک گناہ سے اور غنیمت ہر ایک نیکی سے اور مراد پانا جنت سے اور رہائی پانا دوزخ سے ۱۲ [۲] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں گر کر مرنے سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں غم سے اور ڈوبنے سے اور دیوار گر پڑنے سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ مروں تیری راہ میں پشت پھیر کر اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ مروں دنیا کی طلب کے لیے ۱۲ [۳] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے جو میں نے جانی اور اس چیز کی برائی سے جو میں نے نہیں جانی، الٰہی بچا مجھ کو بری عادتوں اور کاموں اور دردوں اور خواہشوں سے ۱۲ [۴] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں مصیبت کی سختی سے اور بدبختی کے پانے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے سے ۱۲ [۵] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور قرض مفلسی سے اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے جہنم کے عذاب سے، اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے دجال کے فتنے سے ۱۲ [۶] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اپنے کان اور آنکھ کی برائی اور اپنی زبان اور دل کی برائی سے اور اپنی منی کی برائی سے یعنی زنا سے ۱۲ [۷] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں برے ہمسایہ کی سکونت سے مکان میں کیونکہ سفر کا ہمسایہ بدل جاتا ہے ۱۲ [۸] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سنگدلی سے، اور اطاعت میں غافل ہونے اور فقر و فاقہ اور ذلت اور محتاجی سے، اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے کفر سے اور فقیری اور بدکاری اور حق کی مخالفت اور منافق ہونے اور بری عادتوں سے شہرت اور نمود سے، اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے بہرا ہونے اور گونگا ہونے اور اندھا ہونے اور دیوانی اور جذام اور برص اور برے بدلے سے دوسرے مرضوں سے ۱۲

والشقاق والنفاق وسوء الاخلاق والسمعة والرياء واعوذبك من الصمم والبكم والعمى والجنون والجذام والبرص و سيئ الاسقام اللهم[1] انی اعوذبك من زوال نعمتك ومن تحول عافيتك ومن فجاءة نقمتك ومن جميع سخطك اللهم[2] انی اعوذبك من عذاب النار وفتنة النار وعذاب القبر وفتنة القبر وشر فتنة الغنى وشر فتنة الفقر و شر فتنة المسيح الدجال واعوذبك من المغرم والاثم اللهم[15] انی اعوذبك من نفس لا تشبع وقلب لا يخشع و صلوٰة لا تنفع ودعوة لا تستجاب واعوذبك من شر العمر وفتنة الصدر اللهم[16] انی اعوذبك من غلبة الدين وغلبة العدو وشماتة الاعداء -

مخصوص مواقع کی دعائیں

جب تم صبح کو اٹھو، اذان سنو، تم کو مستحب ہے کہ جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں اس طرح مؤذن کا جواب دو - اور نیز باب الطہارت میں ہم پاخانہ میں جانے اور باہر آنے کی دعائیں اور وضو کی دعائیں لکھ چکے ہیں، ان کو جب موقع ہو پڑھنا چاہیئے پھر جب مسجد کو چلو تو کہو اللھم اجعل فی قلبی نورًا وفی لسانی نورًا واجعل فی سمعی نورًا واجعل فی بصری نورًا واجعل خلفی نورًا وامامی نورًا واجعل من فوقی نورًا اللھم اعطنی نورًا اور یہ بھی کہو اللھم انی اسئلك بحق السائلین علیك بحق ممشای ھذا الیك فانی لم اخرج شرا ولا بطرًا ولا ریاء ولا سمعة خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك فاسئلك ان تنقذنی من النار وان تغفر لی ذنوبی انه لا یغفر الذنوب الا انت اور جب گھر سے کسی کام کو نکلے تو کہے بسم اللہ رب اعوذبك

ل[1] الہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے جاتے رہنے سے اور تیری دی ہوئی عافیت کے بدل جانے سے اور ناگہانی تیرے عذاب سے اور تیرے تمام غضبوں سے ۱۲ ل[2] الہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب اور قبر کے فتنہ سے اور توانگری کے فتنہ کی برائی سے اور کانے دجال کے فتنہ کی برائی سے اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے قرض سے اور گناہ سے ۱۲ ل[3] بخاری بروایت سعد بن وقاص ۱۲ ح[4] احمد وحاکم بروایت معاذؓ اور کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ ح[5] حاکم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ ح[6] ابو داؤد ونسائی وحاکم بروایت کعب بن عجرہ اور اس میں اعوذبک من ان اموت لطلب الدنیا ہے ح[7] احیاء میں جو الفاظ ہیں اکثر نسخوں میں یہی ہیں مگر مسلم میں بروایت عائشہؓ عملت اور لم اعمل آیا ہے - اور ابن ابی ضحاک نے ایک حدیث مرسل میں شر ما علم وشر مالم اعلم روایت کیا ہے ۱۲ ح[8] بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ ح[9] نسائی وحاکم بروایت ابوسعید خدریؓ ۱۲ ح[10] ابوداؤد ونسائی وترمذی وحاکم بروایت شکل بن حمید ۱۲ ح[11] نسائی وحاکم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح[12] حاکم بروایت انسؓ ۱۲ ح[13] بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ح[14] بخاری ومسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ ل[15] الہی میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس نفس سے کہ سیر نہ ہو اور اس دل سے کہ ڈرے اور اس نماز سے کہ فائدہ نہ دے اور اس دعا سے کہ قبول نہ کی جائے اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے زندگی کی برائی اور سینہ کے فتنہ یعنی عقائد سے ۱۲ ل[16] الہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قرض زیادہ ہونے اور دشمن کے غلبہ ہونے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے ۱۲ ح[17] مسلم بروایت زید بن ارقم ۱۲ ح[18] نسائی وحاکم بروایت عبداللہ بن عمرؓ ۱۲ ح[19] بخاری ومسلم بروایت ابن عباس ۱۲ ح[20] ابن ماجہ بروایت ابوسعید خدریؓ ۱۲ ح[21] اصحاب سنن بروایت ام سلمہؓ اور ابن ماجہ بروایت ابوہریرہؓ مگر اس میں الرحمٰن الرحیم نہیں صرف بسم اللہ ہے اور اس کی سند میں ضعف ۱۲

ان اظلم او اظلم او اجہل او یجہل علی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لاحول ولا قوۃ الا باللہ التکلان علی اللہ[1] اور جب مسجد کے دروازے کے پاس پہنچ کر اس کے اندر داخل ہونا چاہو تو کہو[2] اللھم صل علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وسلم اللھم اغفرلی جمیع ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک ۔ اور داخل ہونے میں اپنا داہنا پاؤں پہلے رکھو اور اگر مسجد میں کسی کو بیع وشرا کرتے دیکھو تو کہو کہ خدائے تعالیٰ تیری تجارت میں[2] نفع نہ دیوے اور اگر کسی کو مسجد میں[3] دیکھو کہ اپنی کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈ رہا ہو تو کہو کہ خدا تعالیٰ کرے کہ نہ ملے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کی اجازت فرمائی ہے ۔ اور جب صبح کی دو رکعتیں پڑھ چکو تو کہو بسم اللہ اللھم انی اسئلک رحمۃ من عندک یھدی بھا قلبی آخر دعا تک[4] چنانچہ ہم اس کو تیسری فصل میں حضرت ابن عباس رضہ سے لکھ آئے ہیں ، اور جب رکوع کرو تو رکوع میں کہو[5] اللھم لک رکعت ذٰلک خشعت وبک اٰمنت ولک اسلمت وعلیک توکلت انت ربی خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظمی وعصبی ما استقلت بہ قدمی للہ رب العلمین اور اگر چاہو یوں کہو سبحان ربی العظیم تین بار کہو سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاؤ تو کہو سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ما بینھما وملأ ما شئت من شئ بعد اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد وکلنا لک عبد لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد اور جب سجدہ کرو تو کہو[6] اللھم لک سجدت وبک اٰمنت ذٰلک اسلمت سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ فتبارک اللہ احسن الخالقین[7] سجد لک سوادی وجبک ذومن بک فوادی ابوء بنعمتک علی وابؤ بذنبی وھٰذا ما جنیت علی نفسی فاغفر لی فانہ[8] لا یغفر الذنوب الا انت یا یہ کہو تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ ۔ اور جب نماز سے فارغ ہو تو کہو[9] اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام اور جو دعائیں ہم لکھ چکے ہیں پھر ان سب کو پڑھو ، اور جب کسی مجلس سے اٹھو اور کوئی ایسی دعا پڑھنی چاہو کہ مجلس کی بیہودہ باتوں کا کفارہ ہو جائے تو کہو[10] سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک عملت سوء وظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت اور جب بازار میں داخل ہو تو کہو[11] لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شئ قدیر بسم[12] اللہ انی اسئلک خیر ھٰذہ السوق وخیر ما فیھا اللھم انی اعوذبک من شرھا ومن شر ما فیھا اللھم انی اعوذبک ان اصیب فیھا یمینا فاجرۃ او صفقۃ خاسرۃ اور جب تمہارے اوپر قرض ہو تو کہو[12] اللھم اکفنی

---

[1] ترمذی وابن ماجہ بروایت فاطمۃ الزہرا رضہ [2] تجارت کے باب میں ترمذی نے بیان کیا ہے ۱۲ [3] اور گم شدہ چیز کے باب میں مسلم نے بروایت ابو ہریرہ رضہ یہی مضمون نقل کیا ہے ۱۲ [4] ترمذی ۱۲ [5] مسلم بروایت علی المرتضیٰ رضہ ۱۲ [6] ابو داؤد وترمذی وابن ماجہ بروایت ابن مسعود رضہ [7] مسلم بروایت عائشہ رضہ [8] مسلم بروایت ابو سعید خدری رضہ وابن ابی اوفیٰ ۱۲ [9] مسلم بروایت علی مرتضیٰ ۱۲ [10] حاکم بروایت ابن مسعود رضہ ۱۲ [11] ابو داؤد وترمذی بروایت ابن مسعود رضہ ۱۲ [12] مسلم بروایت ابو طالب ۱۲ [13] نسائی در یوم ولیلہ وحاکم بروایت رافع بن خدیج ۱۲ [14] حاکم بروایت عمر فاروق رضہ ۱۲ [15] حاکم بروایت ... ۱۲ [16] ترمذی وحاکم بروایت علی مرتضیٰ رضہ ۱۲

بجلالك عن حرامك واغننی بفضلك عن من سواك اور نیا کپڑا پہنو تو کہو[1] اللھم کسوتنی ھذا الثوب فلك الحمد اسئلك من خیره وخیر ما صنع له واعوذ بك من شره وشر ما صنع له اور جب کوئی شگون ایسا دیکھے جو تم کو برا معلوم ہو تو کہو[2] اللھم لا یأتی بالحسنات ولا یذھب بالسیئات الا انت لا حول ولا قوة الا باللہ۔ اور جب چاند دیکھو تو کہو[3] اللھم اھله علینا بالامن والایمان والبر والسلامة والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی ربی وربك اللہ اور کہو[4] ھلال رشد وخیر امنت بخالقك[5] اللھم انی اسئلك خیر ھذا الشھر وخیر القدر واعوذ بك من شر یوم الحشر اور تین بار اس دعا سے پہلے اللہ اکبر بھی کہہ لے، اور جب آندھی چلے تو کہو[6] اللھم انی اسئلك خیر ھذه الریح وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت به و اعوذ بك من شرھا وشر ما فیھا وشر ما ارسلت به اور جب کسی کے مرنے کی خبر سنو تو کہو انا للہ وانا الیه راجعون وانا الی ربنا لمنقلبون اللھم اکتبه فی المحسنین واجعل کتابه فی علیین واخلفه علی عقبه فی الغابرین اللھم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده واغفر لنا وله اور صدقہ دینے کے وقت کہو ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم اور نقصان ہونے کے وقت کہو[7] عسی ربنا ان یبدلنا خیرا منھا انا الی ربنا راغبون اور کاموں کے شروع کرنے کے وقت کہو[8] ربنا اتنا من لدنك رحمة وھیئ لنا من امرنا رشدا رب اشرح لی صدری ویسر لی امری اور آسمان پر نظر کرنے کے وقت کہو[9] ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانك فقنا عذاب النار تبارك الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا اور جب رعد کی گرج سنو تو کہو[10] سبحان من یسبح الرعد بحمده والملائكة من خیفته۔ اور اگر بجلی زیادہ تڑپتے دیکھو تو کہو[11] اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلکنا بعذابك وعافنا قبل ذلك اور جب آسمان سے پانی برسے تو کہو[12] اللھم سقیا ھنیئا وصیبا نافعا اللھم اجعله سبب الرحمة ولا تجعله سبب عذاب اور غصہ ہو تو کہو[13] اللھم اغفر لی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من الشیطن الرجیم اور جب کسی قوم سے ڈرو تو کہو[14] اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذ بك

---

[1] ابوداؤد و ترمذی و نسائی بروایت ابوسعید خدری رض ۱۲ [2] بیہقی در دعوات بروایت عروہ بن عامر مرسلاً و ابن سنی در یوم و لیلہ بروایت عقبہ بن عامر رض ۱۲ [3] دارمی بروایت ابن عمر رض ۱۲ [4] ابوداؤد بروایت قتادہ مگر اس میں ہلال خیر و رشد آمنت بالذی خلقک ہے تین بار ۱۲ [5] ابن شیبہ و احمد بروایت عبادۃ بن الصامت ۱۲ [6] ابوداؤد بروایت قتادہ مرسلاً ۱۲ [7] ترمذی و نسائی در یوم و لیلۃ بروایت ابی بن کعب ۱۲ [8] ابن سنی در یوم و لیلۃ بروایت ابن عباس رض مگر اس میں فاغفر لنا ولہ نہیں ہے ۱۲ [9] اے رب قبول کر ہم سے تو ہی ہے اصل سنتا جانتا ۱۲ [10] شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں ۱۲ [11] اے رب ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کا بناؤ اے رب کشادہ کر سینہ میرا اور آسان کر میرا کام ۱۲ [12] اے رب ہمارے تو نے یہ عیب نہیں بنایا تو پاک ہے عیب سے، سو ہم کو بچانا دوزخ کے عذاب سے، بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں چراغ اور چاند اجالا کرنے والا ۱۲ [13] مالک در موطا عن عبد اللہ بن الزبیر موقوفا ۱۲ [14] ترمذی و نسائی در یوم و لیلۃ بروایت ابن عمر رض ۱۲ [15] بخاری نے بروایت عائشہ رض اللھم اجعله نافعا نقل کیا ہے ۱۲ [16] نسائی در یوم و لیلہ بروایت سعید بن المسیب رض مرسلاً ۱۲ [17] ابن سنی در یوم و لیلہ بروایت عائشہ رض بہ سند ضعیف ۱۲

من شرورھم اور جب جہاد کرو تو کہو اللھم انت عضدی ونصیری وبہ اقاتل۔ اور جب کان بولے تو کہو اللھم صل علی محمد ذکر اللہ من ذکر فی الخیر۔ اور جب دیکھو کہ تمہاری دعا قبول ہوئی تو کہو الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات اور جو دعا مقبول ہونے میں دیر ہو جائے تو کہو الحمد للہ علی کل حال۔ اور جب مغرب کی اذان سنو تو کہو اللھم ھذا اقبال لیلک وادبار نھارک واصوات دعائک وحضور صلوٰتک اسئلک ان تغفرلی۔ اور جب تم کو کوئی تردد پیش آوے تو کہو اللھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی عملک عدل فی قضائک اسئلک بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احداً من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء غمی وذھاب حزنی وھمی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کسی کو غم پیش آئے تو یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تردد کو رفع کرتا ہے اور اس غم کی جگہ خوشی بدل دیتا ہے۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اس دعا کو سیکھ نہ لیں، آپ نے فرمایا کہ بے شک جو کوئی اس کو سنے اس کو یاد کر لینا چاہیئے اور جب کوئی درد اپنے جسم میں یا کسی دوسرے کے جسم میں پاؤ تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتر سے جھاڑ دو کہ آپ کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص آپ کے سامنے کسی زخم وغیرہ کی شکایت کرتا تو آپ اپنی انگشتِ سبابہ زمین پر رکھتے پھر اس کو اٹھاتے اور یہ فرماتے بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا یشفی بہ سقیمنا باذن ربنا۔ اور جب اپنے جسم میں کسی جگہ درد پاؤ تو درد کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو اور تین بار بسم اللہ کہو اور سات بار کہو اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر۔ اور جب تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہو لا الہ الا اللہ العلی الحکیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السمٰوٰت السبع ورب العرش الکریم۔ اور جب سونے کا ارادہ کرو تو وضو کرو داہنے ہاتھ کو سر تلے رکھو اور قبلہ رخ ہو جاؤ پھر چونتیس بار اللہ اکبر اور تینتیس بار سبحان اللہ اور اسی قدر الحمد للہ کہہ کر یہ کہو اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک اللھم انی لا استطیع ان ابلغ ثناء علیک ولو حرصت ولکن انت کما اثنیت علی نفسک اللھم باسمک احیی وامُوت اللھم رب السمٰوٰت ورب الارض ورب کل شئی وملیکہ فالق الحب والنوی ومنزل التوراۃ والانجیل والفرقان اعوذ بک من شر کل ذی شر کل دابۃ انت اٰخذ بناصیتھا انت الاول فلیس قبلک شئی وانت الآخر فلیس بعدک شئی وانت الظاھر فلیس فوقک شئی

[1] ابو داؤد ونسائی دیوم ولیلہ بروایت ابو موسیٰ ۱۲ [2] ابو داؤد وترمذی ونسائی بروایت انسؓ ۱۲ [3] طبرانی وابن سنی بروایت ابو رافع بسند ضعیف ۱۲
[4] حدیث اوپر گذری ۱۲ [5] ابو داؤد وترمذی وحاکم بروایت ام سلمہؓ اور اس میں حضورصلوٰتک نہیں خرائطی نے مکارم الاخلاق میں یہ لفظ بھی روایت کیا ہے ۱۲
[6] احمد وابن حبان وحاکم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [7] بخاری ومسلم بروایت عائشہؓ [8] مسلم بروایت عمر بن العاص ۱۲ [9] بخاری ومسلم ابن عباسؓ
[10] بخاری ومسلم بروایت علی مرتضیٰؓ ۱۲ [11] نسائی دریوم ولیلہ بروایت علی مرتضیٰؓ اور اس کی سند منقطع ہے ۱۲ [12] بخاری بروایت حذیفہؓ ومسلم ۱۲ بروایت براء بن عازبؓ ۱۲ [13] مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

وانت الباطن فليس دونك شئ اقض عنی الدين واغننی من الفقر [1] اللهم انك خلقت نفسی وانت تتوفاها لك
مماتها ومحياها اللهم ان امتها فاغفر لها وان احييتها فاحفظها [2] اللهم انی اسئلك العافية فی الدنيا والآخرة
باسمك ربی وضعت جنبی فاغفر لی ذنبی [3] اللهم قنی عذابك يوم تجمع عبادك [4] اللهم اسلمت نفسی فوضت
امری اليك والجأت ظهری اليك رغبة ورهبة اليك لاملجا ولامنجاء منك الا اليك آمنت بكتابك الذی
انزلت ونبيك الذی ارسلت۔

اور یہ دعا سب دعاؤں کے آخر میں پڑھنی چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے اور اس کے پیشتر یہ پڑھ لینا چاہیے [5] اللهم ايقظنی فی احب الساعات اليك واستعملنی باحب الاعمال اليك تقربنی اليك زلفی وتبعدنی من سخطك بعدا اسئلك فتعطينی واستغفرك فتغفر لی وادعوك فتستجيب لی۔ اور صبح کو جب نیند سے جاگو تو یوں کہو [6] الحمد لله الذی احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور [7] اصبحنا واصبح الملك لله والعظمة والسلطان لله والعزة والقدرة لله اصبحنا علی فطرة الاسلام وكلمة الاخلاص وعلی دين نبينا محمد صلی الله عليه وسلم وملة ابينا ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين [9] اللهم بك اصبحنا وبك امسينا وبك نحيی وبك نموت واليك المصير [10] اللهم انا نسئلك ان تبعثنا فی هذا اليوم الی كل خير ونعوذ بك ان نجترح فيه سوء او نجره الی مسلم فانك قلت وهو الذی يتوفكم بالليل ويعلم ما جرحتم بالنهار ثم يبعثكم فيه ليقضی اجل مسمی [11] اللهم فالق الاصباح وجاعل الليل سكنا والشمس والقمر حسبانا اسئلك خير يوم وخير ما فيه واعوذ بك من شره وشر ما فيه بسم الله ما شاء الله لا قوة الا بالله ما شاء الله كل نعمة من الله ما شاء الله الخير كله بيد الله ما شاء الله لا يصرف السوء الا الله [12] رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد صلی الله عليه وسلم نبيا عليك توكلنا واليك انبنا واليك المصير۔ اور شام کو بھی یہی دعا پڑھو، مگر اصبح کی جگہ امسی کہو اور اس کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھو اعوذ بكلمات الله التامات واسمائه من شر ما ذرا وبرا ومن شر كل ذی شر ومن شر كل دابة انت آخذ بناصيتها ان ربی علی صراط مستقيم۔ اور جب آئینہ دیکھو تو یہ کہو الحمد لله الذی سوی خلقی فعدله

---

[1] مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [2] نسائی در یوم ولیلہ بروایت عبداللہ بن عمروؓ ۱۲ اور بخاری نے بروایت ابو ہریرہؓ باسمک ربی وضعت جنبی ذلک ارفعہا ان سکت نفسی فارحمہا وان ارسلتہا فاحفظہا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین نقل کیا ہے ۱۲ [3] ترمذی در شمائل بروایت براء بن عازبؓ ۱۲ [4] بخاری ومسلم بروایت براء بن عازبؓ ۱۲ [5] یہ قول حبیب طولانی کا مشہور ہے اور ابو منصور نے مسند فردوس میں ابن عباسؓ سے بسند ضعیف اول جملہ نقل کیا ہے جس کے ساتھ اور الفاظ ہیں ۱۲ [6] بخاری بروایت حذیفہؓ و مسلم بروایت ۱۲ [7] طبرانی نے اوسط میں بروایت عائشہؓ اور رویانی نے بروایت ابن ابی اوفیٰ اسی طرح کے الفاظ نقل کیے ہیں بسند ضعیف اور مسلم میں بروایت ابن مسعودؓ واصبحنا واصبح الملک لله ہے ۱۲ [8] نسائی در یوم ولیلہ بروایت عبدالرحمٰن ابزی ۱۲ [9] اصحاب سنن بروایت ابو ہریرہؓ مگر اس میں مصیر کی جگہ نشور ہے اور ابن سنی نے مصیر نقل کیا ۱۲ [10] ترمذی نے آخر میں حدیث بروایت ابو بکرؓ وان نقترف علی انفسنا سوءا او نجرہ الی مسلم نقل کیا ہے شروع کے الفاظ جو احیاء میں ہیں مجھے نہیں ملے ۱۲ [11] یہ حدیث دو حدیثوں سے مرکب ہے جیسا فانک ابو منصور کی حدیث کا ٹکڑا ہے اور باقی کو (باقی ص ۵۵۴)

وکرم صورۃ وجھی وحسنھا وجعلنی من المسلمین اور جب کوئی خادم یا غلام یا کوئی جانور خریدو تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھو، اللھم انی اسئلک خیرہ وخیر ماجبل علیہ واعوذبک من شرہ وشر ماجبل علیہ۔ اور جب نکاح کی مبارک باد دو تو یوں کہو بارک اللہ فیک وبارک علیک وجمع بینکما فی خیر اور جب قرض ادا کرو تو جس کو دو اس کو کہو بارک اللہ لک فی اھلک ومالک۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرض کا عوض یہ ہے کہ قرض دینے والے کا مشکور ہو اور ادا کردے، غرضیکہ یہ دعائیں ہیں کہ طالب آخرت کو ان کا یاد کرلینا ضرور ہے اور ان کے سوا دعائیں سفر اور نماز اور وضو کی ہم باب اور باب الطہارۃ اور باب نماز میں لکھ چکے ہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ دعا سے کیا فائدہ ہے حکم الٰہی کو تو کسی طرح ٹال ہی نہیں سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا سے بلا کا ٹلنا بھی حکم الٰہی ہے دعا بلا کے ٹلنے کا سبب اور رحمت کے کھینچنے کا باعث ہوتی ہے جیسے ڈھال تیر کے روکنے کا سبب ہے اور پانی سبزہ کے نکلنے کا باعث، پس جس طرح ڈھال تیر کو ٹال دیتی ہے اور دونوں میں مقابلہ ہوتا ہے اسی طرح دعا اور بلا کا مقابلہ ہوتا ہے اور حکم الٰہی کے ماننے سے یہ ضرور نہیں کہ آدمی ہتھیار نہ باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے خذوا حذرکم یا بیج ڈالنے کے بعد زمین کو پانی نہ دے اور یہ کہے کہ اگر تقدیر میں بیج کا جمنا ہوگا تو جم جائے گا ورنہ نہ جمے گا۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ مسببات کا اسباب سے وابستہ ہونا یہ حکم اول ہے جس کے لیے ارشاد فرمایا ہے کلمح البصر وھو اقرب اور اس کا نام قضا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ایک ایک سبب پر مسبب کا مرتب ہونا جانا، دوسرا حکم ہے جو قدر کہلاتا ہے اور جس ذات نے کہ خیر کو مقدم فرمایا ہے کسی سبب پر منحصر رکھا ہے اور شر کو جو بنایا ہے تو اس کے دور کرنے کا ایک سبب رکھ دیا ہے اس صورت میں جس شخص کی بصیرت کھلی ہوئی ہے اس کے نزدیک ان باتوں میں کچھ مخالفت نہیں، علاوہ ازیں دعا میں جو فائدہ ہے اس کو ہم ذکر کرکے دعا میں لکھ چکے ہیں کہ دعا سے خدا تعالیٰ کے ساتھ دل کی حضوری ہو سکتی ہے جو منتہائے عبادات ہے اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے اور خلق کا یہی معاملہ ہے کہ ان کا دل ذکر الٰہی کی طرف مائل جب ہی ہوتا ہے کہ جب ان کو کوئی حاجت یا مصیبت پڑے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذا مسہ الشر فذو دعاء عریض پس دعا کی ضرورت تو حاجت کے لیے ہے اور دعا دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع اور مسکنت کے ساتھ پھیر دیتی ہے اور اسی کے ذریعہ سے ذکر حاصل ہوتا ہے جو اشرف عبادات ہے، یہی وجہ ہے کہ بلا انبیاء اور اولیاء پر اور افضل شخصوں پر زیادہ ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ دل کو تضرع اور حاجت کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتی ہے اور اس کی یاد سے غافل ہونے کی مانع ہے۔ اور تونگری اکثر تکبر کا باعث ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ اذکار اور دعاؤں میں سے

(بقیہ صفحہ ۵۵۲) دارقطنی نے افراد میں اور الفاظ میں نقل کیا ہے ۱۲ ح ابن عدی اور کامل بروایت ابن عباسؓ اور اس میں الخیر کلہ کی جگہ لا یسوق الخیر اللہ ہے اور کہا ہے کہ اس اسناد سے یہ حدیث منکر ہے ۱۲ ح فصل اول میں گذری ہے ۱۲ ح احمد نے بروایت عبدالرحمٰن بن خنبس کو اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲ ح طبرانی در اوسط وابن سنی در یوم ولیلہ بروایت انس بہ سند ضعیف ۱۲ ح ابوداؤد وابن ماجہ بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲ ح ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح نسائی بروایت عبداللہ بن ابی ربیعہ ۱۲ ح اور ساتھ لو اپنا بچاؤ ۱۲ ح جیسے پلک نگاہ کی یا اس سے قریب ۱۲

ح فصل اول میں گذری ہے ۱۲ ح اور جب لگے ان کو برائی تو دعائیں کرے چوڑی ۱۲ ح آدمی سرکشی کرتا ہے اس سے کہ دیکھے آپ کو محفوظ ۱۲

یہاں ہم کو اسی قدر بیان کرنا منظور تھا، باقی دعائیں کھانے اور سفر اور بیمار پرسی وغیرہ کی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اپنے مقام پر مذکور ہوں گی۔ باب نہم تمام ہوا۔ اب باب الاوراد خدائے تعالیٰ کی عنایت سے شروع ہوتا ہے، اسی پر اس جلد کا خاتمہ ہے، والحمد للہ اوّلاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ کل عبد مصطفےٰ۔

دسواں باب اوراد و ظائف کے اوقات اور شب بیداری

رُباعی

احسن غفلت میں کٹی ہے دن رات ٭ لا تعلم ان ما مضی لیس بآت

کھوتا ہے خرافات میں کیوں عمر عزیز ٭ فاعبد مولاک فی جمیع الاوقات

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے لیے زمین کو تابع کیا ہے تو اس غرض سے نہیں کہ اس کے اونچے مکانوں میں رہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو فرودگاہ جانیں، اور اس میں ایسا توشہ حاصل کریں جو ان کو ان کے وطن اصلی کے سفر میں کام آوے اور عمل اور فضل کے تحفے دنیا میں سے اپنے لیے ذخیرہ کریں اور اس کے پھندوں اور مہلک مقاموں سے بچے رہیں اور جان لیں کہ عمران کو ایسے لیے جاتی ہے جیسے کشتی اپنے سواروں کو لے جاتی ہے کہ اس عالم میں آدمی سب مسافر ہیں۔ اُن کی اول منزل پالنے میں ہوتی ہے اور آخر لحد میں، اور وطن سب کا یا جنت ہے یا دوزخ، اور عمر سفر کا فاصلہ ہے کہ برس اس کی مرحلے ہیں اور مہینے فرسنگ ہیں اور دن میل ہیں اور سانس قدم ہیں اور طاعت اس سفر کی پونجی ہے اور اوقات رأس المال ہیں۔ اور شہوات اور غرضیں اس طریق کے راہزن ہیں اور یہاں کا نفع یہ ہے کہ دارالسلام میں بڑی سلطنت اور پائدار نعمت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے دیدار سے کامیاب ہو اور ٹوٹا یہ ہے کہ طوق اور قید اور عذاب شدید دوزخ کے طبقات کے ساتھ خدائے تعالیٰ سے دوری میسر ہو، اس صورت میں جو شخص اپنی ایک سانس سے بھی غفلت کرے، یہاں تک کہ اس میں کوئی اطاعت باعث قربِ الٰہی نہ ہو تو وہ قیامت کے روز اتنا خسارہ اٹھائے گا کہ اس کی کچھ حد نہیں اور اسی بڑے خطر اور ہولناک امر کے لیے توفیق والوں نے مستعد ہو کر لذاتِ نفسانی کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور بقیہ عمر کو غنیمت جانا اور دن اور رات کو ذکر الٰہی میں بسر کرنے کے لیے اور ہر ایک وقت میں جدا جدا وظیفہ مقرر کیا تاکہ خدائے تعالیٰ کے قرب کے طالب ہوں اور دارالقرار کی طرف ساعی اس جہت سے طریقِ آخرت کے علم میں ضرور ہے کہ وظائف کی تقسیم کی تفصیل بیان کی جائے اور جو عبادات کہ ان کی تشریح پہلے ہو چکی۔ ان کو مقادیر اوقات پر بانٹ دیا جائے اور یہ امر دو فصلوں سے واضح ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی فصل اوراد کی فضیلت و ترتیب و احکام

اوراد پر مواظبت

اللہ تعالیٰ کی طرف کا طریق ہے اور دردوں کی فضیلت بھی اس میں مذکور ہوگی، جاننا چاہیئے کہ نورِ بصیرت سے دیکھنے والوں نے جان لیا ہے کہ نجات کی صورت بدوں اللہ تعالیٰ کی لقا کے نہیں اور لقا کی سبیل اس کے سوا کوئی نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محب اور عارف ہو اور اسی حال پر مرے اور محبت اور انس بدوں محبوب کے ذکر مدامی کے میسر نہیں ہوتا اور نہ معرفت بدوں اس کی ذات اور صفات و افعال میں فکر دائمی کے حاصل ہو اور سوا اس کے افعال کے اور کچھ موجود نہیں اور دوام فکر و ذکر جب میسر ہوتا ہے کہ دنیا اور اس کی شہوات کو رخصت کر دے اور اس سے بجز اس مقدار کے کہ زندگی کے لیے ضرور ہو، علیحدگی اختیار کرے۔ اور یہ سب باتیں اس وقت ہوتی ہیں کہ آدمی اپنے تمام رات دن کے اوقات کو ذکر اور فکر میں ڈوبا رکھے اور ازانجا کہ نفس کی سرشت میں ہے کہ ایک طرح پر ذکر اور فکر کرنے سے تھک جاتا ہے اور ایک ڈھنگ پر صبر نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا جب تک کہ بندہ نہ تھکے تو نفس کے اس امر سرشتی کی رعایت سے ضرور ہوا کہ ہر وقت میں نئے ڈھنگ کا ورد اس کے لیے مقرر کیا جاوے تاکہ اس تبدیل اطوار سے اس کی لذت زیادہ ہو، اور رغبت بڑھنے اور دوام رغبت کے سبب سے مواظبت بھی ہمیشہ کو ہو جاوے اسی سبب سے اوراد کی تقسیم مختلف طور پر کی گئی ہے، غرضیکہ ذکر اور فکر تمام اوقات خواہ اکثر کو حاوی ہونا چاہیئے کیونکہ نفس اپنی طبیعت سے دنیا کی لذتوں کی طرف مائل ہے، پس اگر آدمی اپنے نصف اوقات دنیا کی تدبیرات اور اس کی مباح خواہشوں میں مصروف اور نصف اوقات عبادت کے لیے رکھے تو چونکہ پہلے نصف میں میل طبعی کی جہت سے ترجیح موجود ہے تو برابر ہے دونوں کی کیب رہی گو دیر کی رد سے برابر ہیں لیکن ایک طرف میل طبعی ہونے کی ترجیح ہے کیونکہ دنیا کے کاموں پر ظاہر و باطن موافق ہوتے ہیں اور دل دنیا کی تلاش میں خوب صاف اور مجرد رہتا ہے اور عبادات کی طرف دل کا پھیرنا بناوٹ اور زبردستی سے ہوتا ہے تو عبادات میں دل کا اخلاص اور حاضر ہونا کبھی میسر ہو جاتا ہے اس لیے جو شخص جنت میں بے حساب جانا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے سارے اوقات طاعت میں مصروف رکھے اور جو کوئی اپنے حسنات کے پلہ کا بھاری رہنا چاہے وہ اپنے اکثر اوقات کو طاعت میں لگائے رکھے اور جو کوئی کچھ اعمال نیک کرے اور کچھ برے تو اس کا معاملہ خطرناک ہے تاہم خدائے تعالیٰ کے کرم سے امید منقطع نہیں اور معاف ہونے کی توقع ہے کہ کیا عجب ہے کہ وہ اپنے جود و کرم سے اس کو بخش دے۔ اور رات دن کے اوقات کو ذکر اور فکر میں مصروف رکھنا نورِ بصیرت سے دیکھنے والوں کو تو منکشف ہو جاتا ہے لیکن اگر تم اہل بصیرت سے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا خطاب اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھ لو اور نورِ ایمان سے خیال کر لو کہ اس سے کیا سمجھا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باوجودیکہ وہ سب بندوں سے مقرب تر اور درجے میں سب سے برتر ہیں، یہ ارشاد

فرماتا ہے[۱] ان لک فی النھار سبحا طویلا واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ اور فرمایا[۲] واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا اور فرمایا[۳] وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن اللیل فسبحہ وادبار السجود اور فرمایا[۴] وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن اللیل فسبحہ وادبار النجوم۔ اور فرمایا[۵] ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا[۶] اور فرمایا[۷] ومن اٰناء اللیل فسبح واطراف النھار لعلک ترضٰی اور فرمایا[۸] واقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات پھر اس باب میں تامل کرو کہ جو بندے اللہ تعالیٰ کے کامیاب ہیں ان کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بیان فرمائی ہے، مثلاً ارشاد ہے[۹] امن ھو قانت اٰناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاٰخرۃ ویرجوا رحمۃ ربہ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ اور فرمایا[۹] تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا اور فرمایا[۱۰] والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما اور فرمایا[۱۱] کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون اور فرمایا[۱۲] فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوٰت والارض وعشیا وحین تظھرون۔ یعنی شام و صبح کو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو، اور فرمایا[۱۳] ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ پس ان آیات میں تامل کرنے سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کا راستہ اوقات کی نگرانی اور ان کو وردوں سے مدام بھرپور رکھنا ہے، اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۱۴] کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے زیادہ تر محبوب وہ ہیں جو سورج اور چاند اور سایوں کو ذکرِ الٰہی کے لیے دیکھتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[۱۵] الشمس والقمر بحسبان اور فرمایا[۱۶] الم تر الٰی ربک کیف مد

---

[۱] البتہ تجھ کو دن میں رہتا ہے لیا ذکراؤ پڑھ نام رب اپنے کا اور چھوڑ اس کی طرف سب سے الگ ہو کر ۱۲ [۲] اور یاد کر نام رب اپنے کا صبح اور شام اور کچھ رات میں سجدے کر اس کو اور پاکی بول اس کی بڑی رات سے ۱۲ [۳] اور پاکی بول خوبیاں اپنے رب کی پہلے سورج نکلنے اور پہلے ڈوبنے سے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدے کے ۱۲ [۴] اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیٹھ دیتے وقت تاروں کے ۱۲ [۵] البتہ اٹھنا رات کا سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات ۱۲ [۶] اور کچھ گھڑیوں میں رات کی نماز دونوں سرے دن کی حدوں پر شاید تو راضی ہوگا ۱۲ [۷] اور کھڑی کر نماز دونوں سرے دن اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو ۱۲ [۸] بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہے گھڑیوں رات کے سجدے کرتا ہے اور کھڑا خطرہ رکھتا ہے آخرت کا، اور امید رکھتا ہے اپنے رب کے مہر کی، تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ ۱۲ [۹] الگ رہتی ہیں انکی کروٹیں اپنے سونے کی جگہوں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے ۱۲ [۱۰] اور جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں یا کھڑے ۱۲ [۱۱] وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقت بھی معافی مانگتے ۱۲ [۱۲] سو پاک اللہ کی ذات ہے جب شام کرو اور صبح کرو اس کی خوبی ہے آسمان اور زمین میں اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو ۱۲ [۱۳] اور نہ ہانک ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کی رضا ۱۲ [۱۴] طرانی و حاکم بروایت ابن ابی اوفیٰ ۱۲ [۱۵] سورج اور چاند ایک حساب ہے ۱۲ [۱۶] تو نے نہ دیکھا اپنے رب کی طرف کیسی لمبی کی پرچھائیں، اور اگر چاہتا ان کو ٹھہرا دیتا، پھر ہم نے ٹھہرایا سورج اس کا راہ بتانے والا پھر ہم نے سمیٹا اپنی طرف سہج سہج کر ۱۲

الظل ولو شاء لجعله ساکنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا ثم قبضناه الینا قبضا یسیرا اور فرمایا[۱] والقمر قدرناه منازل
اور فرمایا[۲] هو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمت البر والبحر۔ پس یہ گمان مت کرو کہ آفتاب اور چاند کی رفتار
منتظم اور مرتب اور حساب دار ہونے اور سایہ اور روشنی اور ستاروں کے پیدا کرنے سے یہ غرض ہے کہ ان سے دنیا کے امور پر
مدد لی جائے بلکہ ان کو اس لیے بنایا ہے کہ ان سے اوقات کی مقداریں پہچان کر ان میں اطاعت بجالاؤ۔ اور دار آخرت کی تجارت
میں لگو، چنانچہ یہ مضمون اس آیت سے سمجھا جاتا ہے[۳] هو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن اراد ان یذکر او اراد
شکورا یعنی رات اور دن کو ایک دوسرے کی نیابت کرنے کو بنایا تاکہ اگر دونوں میں ایک میں کچھ عبادت رہ جائے تو اس کا بدل
دوسرے میں ہو سکے، اور بیان فرمادیا کہ یہ امر ذکر و شکر کے لیے ہے نہ کسی اور کام کے لیے۔ اور فرمایا[۴] وجعلنا اللیل والنهار ایتین
فمحونا ایة اللیل وجعلنا ایة النهار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب اور
فضل سے مطلوب ثواب اور مغفرت ہی ہے۔

وظائف کے اوقات اور ترتیب

جاننا چاہیئے کہ دن کے ورد سات ہیں اور رات کے چار، اب ہر ایک کی فضیلت اور ترتیب وغیرہ کو تفصیل وار
سننا چاہیئے۔ دن کے وظیفوں میں سے پہلے کا وقت صبح صادق کے طلوع سے طلوع آفتاب کے وقت تک ہے اور یہ وقت شریف
ہے، اس کی شرافت ان وجہوں سے معلوم ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی، چنانچہ فرمایا والصبح اذا تنفس اور
اپنی مدح میں مذکور فرمایا فالق الاصباح اور فرمایا قل اعوذ برب الفلق اور اس وقت میں سایہ کو سمیٹنے سے اظہار قدرت کیا،
چنانچہ فرمایا ثم قبضنه الینا قبضا یسیرا۔ اور یہی وقت ہے کہ آفتاب کے پھیلنے سے رات کا سایہ سمٹ جاتا ہے اور لوگوں
کو اس وقت تسبیح کے لیے ارشاد فرمایا، یعنی یہ فرمایا فسبحان الله حین تمسون وحین تصبحون اور فرمایا فسبح
بحمد ربك قبل طلوع الشمس اور فرمایا ومن اناء اللیل فسبح واطراف لعلك ترضی اور فرمایا واذکر اسم ربك
بکرة واصیلا۔ اور دن کے اوراد کی ترتیب اس طرح ہے کہ شروع اپنے جاگنے سے کرے، یعنی جس وقت جاگے، ابتداء ذکر الہٰی
سے کرکے کہے الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور۔ آخر دعاؤں تک جو ہم پہلے باب میں جاگنے کے بعد
پڑھنے کے ذکر میں لکھ آئے ہیں اور اثنائے دعا میں کپڑے پہنے ...... میں نیت ستر عورت کی حکم خدا کے بموجب
اور ان سے عبادت پر مدد لینے کی کرے، اس کے سوا اور قصد ریا اور تکبر وغیرہ کا نہ کرے، پھر اگر حاجت ہو تو پاخانہ میں جاوے اور
اپنا بایاں پاؤں پہلے پاخانہ کے اندر رکھے، اور وہ دعائیں جو باب الطهارة میں پاخانہ میں جانے اور نکلنے کی ذکر کر چکے ہیں پڑھے،
مسنون طور پر مسواک کرے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے اور وضو سب سنتوں اور دعاؤں کے ساتھ کرے جن کا بیان طہارت میں

---

[۱] اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں ۱۲ [۲] اور اسی نے بنادیے تم کو تارے کہ ان سے راہ پاؤ اندھیروں میں جنگل اور دریاؤں کے ۱۲ [۳] اور وہی جس نے بنائی رات اور دن نشانی اس کے واسطے جو چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا ۱۲ [۴] اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے، پھر مٹایا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب ۱۲

گزر چکا ہے کیونکہ ہم پہلے فرداً فرداً عبادت کو اس لیے لکھ آئے ہیں کہ اس باب میں صرف ان کے مرکب کرنے اور آگے پیچھے ادا کرنے کو ذکر کریں۔ اور جب وضو سے فارغ ہو تو دو رکعتیں فجر کی سنتوں کی اپنے گھر میں ادا کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور سنتوں کے بعد خواہ ان کو گھر میں پڑھے یا مسجد میں وہ دعا پڑھے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور پیشتر ہم لکھ آئے ہیں یعنی اللھم انی اسئلک رحمۃ من عندک تھدی بھا قلبی آخر دعا تک۔ پھر گھر سے مسجد کو چلے اور اس دعا سے غافل نہ ہو جو مسجد کو چلتے وقت ہم لکھ چکے ہیں۔ اور نماز کے لیے جھپٹ کر نہ چلے بلکہ آہستہ تسکین اور وقار کے ساتھ چلے کہ حدیث میں اسی طرح وارد ہے[2]، اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں نہ ڈالے، اور مسجد کے اندر داہنا پاؤں پہلے رکھ کے جاوے اور مسجد میں جانے کی دعا یاد کر کے پڑھے[3] پھر مسجد میں صف اول میں جگہ تلاش کرے بشرطیکہ گنجائش ہو، اور لوگوں کی گردنیں نہ پھاندے نہ کسی کو تکلیف دے جیسے کہ جمعہ کے باب میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر اگر سنتیں فجر کی گھر میں نہ پڑھی ہوں تو مسجد میں ادا کرکے ان کی بعد کی دعا میں مشغول ہو جاوے اور اگر سنتیں پڑھ چکا ہو تو مسجد میں دوگانہ تحیت پڑھ کر جماعت کا منتظر بیٹھ جاوے اور جماعت کے لیے مستحب اندھیرے سے ادا کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو تاریکی میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور جماعت کو کسی وقت کی نہ چھوڑنا چاہیے۔ اور خاص کر صبح اور عشا کی جماعت، ہرگز نہ چھوڑے کہ ان دونوں میں ثواب زیادہ ہے چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے نماز صبح کے باب میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی وضو کر کے مسجد میں جاوے کہ اس میں نماز پڑھے تو اس کو ہر قدم پر ایک نیکی کا ثواب ہوگا اور ایک برائی اس کی دور کی جائے گی، اور نیکی کا ثواب دس گنا ملا کرتا ہے۔ پھر اگر نماز پڑھ کر آفتاب کے نکلنے پر لوٹے گا تو جتنے بال اس کے بدن میں ہوں گے، اس قدر نیکیاں اس کے لیے لکھی جائیں گی، اور ایک حج مقبول کا ثواب لے کر پھرے گا۔ اور اگر اس قدر اور بیٹھے کہ نماز چاشت بھی پڑھ لے تو ہر رکعت کے عوض دس لاکھ نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص نماز کو مسجد میں جماعت سے پڑھے تو اس کو بھی اسی قدر ثواب ہے اور ایک عمرہ مقبول لے کر پھرے گا[4] اور اکابر سلف کی عادت تھی کہ مسجد میں صبح ہونے سے پیشتر جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک تابعیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں مسجد میں صبح صادق ہونے سے پیشتر گیا، دیکھا تو حضرت ابوہریرہؓ مجھ سے پہلے پہنچ چکے ہیں، انہوں نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ بھتیجے اپنے گھر سے اس وقت کس مطلب کو نکلے، میں نے عرض کیا کہ صبح کی نماز کے لیے، فرمایا کہ تم کو مژدہ ہو کہ ہم ایسے نکلنے اور مسجد میں بیٹھنے کو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں جہاد کے برابر سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے[5] کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، اس وقت میں سوتا تھا اور حضرت فاطمہؓ بھی خواب میں تھیں، آپؐ نے فرمایا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، ہماری جانیں خدائے تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جب وہ ہم کو اٹھانا چاہتا ہے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آپؐ وہاں سے لوٹ گئے اور میں نے سنا کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ ران مبارک پر مارا اور کہا۔ وکان الانسان اکثر شیءٍ جدلا۔ یعنی ہے انسان سب چیز سے

---

[1] بخاری ومسلم بروایت ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲ [2] بخاری ومسلم بروایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲ [3] بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ [4] اس عبارت سے جو حیا ہیں ہے مجھ کو اس حدیث کی سند نہیں ملی ۱۲ [a] دیکھو فصل پنجم باب نہم ۱۲ [5] بخاری ومسلم ۱۲

زیادہ جھگڑنے کو۔ پھر فجر کی سنتوں اور ان کی بعد کی دعا کے پیچھے استغفار اور تسبیح میں مشغول رہنا چاہیئے جب تک کہ تکبیر ہو یعنی ستر بار یوں کہے استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ اور سو بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ پھر نماز فرض تمام ظاہری اور باطنی آداب کی رعایت سے پڑھے، چنانچہ اس کا ذکر اب نماز میں ہم لکھ آئے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہو تو مسجد میں بیٹھ کر آفتاب کے نکلنے تک ذکرِ الٰہی بموجب ترتیب آئندہ کرتا رہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس جگہ میں میں نماز پڑھوں اور اس میں میرا بیٹھا رہنا اور نماز سے لے کر آفتاب نکلنے تک ذکرِ الٰہی کرنا مجھ کو اس بات سے محبوب تر ہے کہ چار بردے آزاد کر دوں۔ اور مروی ہے[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تھے تو نماز کی جگہ میں آفتاب نکلنے تک بیٹھے رہتے تھے۔ اور بعض روایت میں ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور اس کی فضیلت میں بہت کچھ وارد ہوا ہے۔ اور حضرت حسن رضؓ سے مروی[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروردگار کی رحمت میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم فجر کی نماز کے بعد ایک ساعت اور عصر کی نماز کے بعد ایک ساعت میرا ذکر کرنے میں تجھ کو ان دونوں وقتوں کے درمیان میں کافی ہے اور جب اس بیٹھنے اور ذکر کی فضیلت معلوم ہو چکی تو چاہیئے کہ آفتاب نکلنے تک بیٹھا رہے اور بات نہ کرے بلکہ آفتاب کے طلوع تک چار طرح کا وظیفہ رکھے، اول دعائیں، دوم ذکر جس کو تسبیح پر پڑھے، سوم قرآن کی تلاوت، چہارم فکر کرنا۔ دعائیں تو نماز سے فارغ ہوتے ہی شروع کر دے اور کہے اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد اللھم[3] انت السلام ومنك السلام والیك یعود السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ پھر دعا وہ شروع کرے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع کیا کرتے تھے، یعنی یہ کہے[4] سبحان ربی الاعلی الوھاب لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر لا الٰہ الا اللہ اھل النعمة والفضل والثناء الحسن لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون۔ پھر وہ دعائیں پڑھے جن کو ہم تیسری اور چوتھی فصل میں باب نہم میں لکھ آئے ہیں اور اگر ہو سکے تو وہ سب پڑھے،

---

[1] ابو داؤد بروایت انسؓ ۱۲ [2] مسلم بروایت جابر بن سمرہ مگر اس میں دو رکعتوں کا ذکر نہیں اور ترمذی نے بروایت انسؓ نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز صبح جماعت سے پڑھ کر بیٹھا ذکرِ خدا کرتا رہے یہاں تک کہ آفتاب نکلے پھر دو رکعتیں پڑھے تو اس کو ثواب ایک حج اور عمرہ کامل کا ہو گا ۱۲ [3] ابن مبارک مرسلاً ۱۲ [4] الٰہی تو عیب سے پاک ہے اور گناہوں سے سلامت رہنا ہمارے معبود سلامتی تیری ہی طرف پھرتی ہے زندہ رکھ تو ہم کو ہمارے معبود سلامتی کے ساتھ اور داخل کر ہم کو سلامتی کے مقام میں یعنی جنت میں، صاحب برکت ہے تو اے بزرگی اور بڑائی والے ۱۲ [5] پاک ہے میرا پروردگار بزرگ اور برتر زیادہ دینے والا، نہیں ہے کوئی معبود سوائے واحد یکتا کے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اسی کو ملک اور اسی کو حمد ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور زندہ ہے کہ نہیں مرتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں خیر ہے اور وہ ہر خیر پر قادر ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ نعمت اور فضل والے اور اچھی تعریف والے کے کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے۔ اور ہم اس کے سوا اور کی عبادت نہیں کرتے۔ بندگی اسی کو اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں اگرچہ برا جانیں کافر ۔ ۱۲

ورنہ ان میں سے اس قدر یاد کرے جس قدر کو دیکھے کہ میرے حال کے موافق اور دل کو نرم کرنے والی اور زبان پر ہلکی زیادہ ہیں اور ذکر کے کلمات وہ ہیں جن کے مکرر پڑھنے میں بہت سے فضائل وارد ہیں اور ہم نے طول کلام کی جہت سے ان کو نہیں لکھا، ان کے مکرر پڑھنے کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ ہر کلمہ کو تین بار یا سات بار پڑھے، اور اکثر یہ ہے کہ سو دفعہ یا ستر مرتبہ پڑھے اور اوسط درجہ یہ ہے کہ اس پر مداومت ہو سکتی ہے اور کاموں میں سے بہتر وہی ہے جو ہمیشہ کو نبھ سکے اگرچہ تھوڑا ہو۔ اور جس وظیفہ کی کثیر پر مداومت نہ ہو سکے تو اس کا قلیل مع مداومت کے بہتر ہے، اور اس کی تاثیر بھی دل پر زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت بہت کے جو ہمیشہ نہ ہو سکے۔ ناغہ کے ساتھ ہو اور تھوڑا وظیفہ جو دائمی ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کے قطرے زمین پر پے در پے ٹپکتے ہیں کہ ان سے زمین میں گڑھا پڑ جاتا ہے اگرچہ وہاں پتھر ہی ہو، اور بہت سا وظیفہ جو ناغہ کے ساتھ ہو وہ ایسا ہے جیسے یکبارگی یا کئی دفعہ کر کے دیر دیر کے بعد گرا دیا جائے کہ اس کی تاثیر کچھ نہ معلوم ہو گی اور یہ کلمات دس ہیں اول[1] لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر۔ دوم[2] سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سوم[3] سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح چہارم[4] سبحان اللہ العظیم وبحمدہ پنجم[5] استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واسألہ التوبۃ ششم[6] اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ہفتم[7] لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین ہشتم[8] بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم نہم[9] اللھم صل علی محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی وعلی الہ وصحبہ وسلم دہم[10] اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون۔ تو یہ دس کلمات دس دس بار پڑھے جاویں تو سو مرتبہ ہو جاویں اور یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک ہی کلمہ کو سو بار پڑھیں اس لیے کہ ان کلمات میں سے ہر ایک کے لیے ثواب اور فضیلت علیحدہ ہے اور دل کو ہر ایک سے ایک طرح کی تنبیہ اور لذت ہے اور ایک کلمہ سے دوسرے کی طرف انتقال کرنے میں نفس کو بھی گونہ راحت اور اکتانے سے امن ہے اور قرأتِ قرآن میں مستحب یہ ہے کہ وہ آیتیں پڑھے جن کے فضائل احادیث میں وارد ہیں یعنی سور الحمد اور آیۃ الکرسی اور امن الرسول سے آخر سورہ بقر

---

[1] ح بزار بروایت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ۱۲ [2] ح نسائی وحاکم بروایت ابو سعید خدریؓ ۱۲ [3] ح اس کے مکرر پڑھنے کی سند مجھ کو نہیں ملی مسلم نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے کہ ان کلمات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع اور سجدہ میں فرمایا کرتے تھے ۱۲ [4] ح بخاری بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [5] ح ترمذی بروایت ابو سعید و مستغفری بروایت معاذؓ [6] ح اس کے مکرر پڑھنے میں کوئی سند مجھ کو نہیں ملی بلکہ نماز کے قومہ میں اس کا پڑھنا ثابت ہے ۱۲ [7] ح مستغفری اور دعوت وخطیب بروایت علی مرتضیٰ ۱۲ [8] ح اصحاب سنن وحاکم بروایت عثمان غنیؓ ۱۲ [9] ح ابو القاسم محمد بن عبدالواحد نے اس صیغہ کو فضائل قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور تکرار ورد بلا شبہ ثابت ہے ۱۲ [10] ح ترمذی بروایت مفضل بن یسار ۱۲ [11] ح سورہ فاتحہ کی فضیلت بخاری میں بروایت ابی سعید بن المعلیٰ اور آیۃ الکرسی کی مسلم میں بروایت ابی بن کعب اور بخاری میں ابو ہریرہؓ اور آخر سورۂ بقرہ کی صحیحین میں بروایت ابی مسعودؓ موجود ہے اور شہد اللہ الآیۃ کا فضل ابن حبان نے بروایت ابن مسعودؓ نقل کیا ہے اور اس کی سند میں عمر بن المختار ہے مگر مستغفری نے دعوات میں بروایت علی مرتضیٰؓ فضل سے آیت کا لفظ الاسلام (باقی ص ۵۶۲)

تک، اور یہ آیت شهد الله انه لا اله الا هو اور دو آیتیں قل اللهم مالك الملك تؤتى الملك من تشاء سے بغیر حساب تک اور لقد جاءكم رسول من انفسكم آخر سورۃ تک اور لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق آخر سورہ فتحنا تک، اور قل الحمد لله الذى لم يتخذ ولدا آخر سورہ بنی اسرائیل تک اور پانچ آیتیں سورۂ حدید کے اول کی اور هو الله الذى لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة سے آخر سورۂ حشر تک پڑھے اور اگر مسبعات عشر پڑھے یعنی وہ دس چیزیں جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم تیمیؒ کو بطور تحفہ تعلیم کیں اور ان کو وصیت کی کہ ان کلمات کو ہر صبح و شام سات سات بار پڑھا کرنا تو اس صورت میں ثواب پورا ملے اور سب دعاؤں کا ثواب اس کو حاصل ہو جاوے، چنانچہ کرز بن وبرہؒ جو ابدال میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک میرا بھائی شام سے آیا اور مجھ کو ایک تحفہ دیا اور کہا کہ اس کو قبول کرو کہ یہ بہت عمدہ تحفہ ہے میں نے ان سے کہا کہ بھائی تم کو یہ تحفہ کس نے دیا ہے، انہوں نے کہا کہ مجھ کو ابراہیمؒ تیمی نے دیا ہے میں نے کہا کہ تم نے ابراہیم سے نہ پوچھا کہ ان کو کس نے دیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابراہیم سے یہ سوال کیا تھا، ابراہیم نے جواب دیا کہ میں صحنِ کعبہ میں بیٹھا تھا اور تہلیل اور تسبیح اور تمجید میں مشغول تھا کہ اس اثنا میں ایک شخص نے میرے پاس آکر سلام کیا اور میری داہنی طرف بیٹھ گیا، میں نے اپنی عمر میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہ دیکھا تھا اور نہ اس کے کپڑوں سے عمدہ کپڑے اور نہ اس قدر سفید اور خوشبودار دیکھے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے بندۂ خدا تم کون ہو اور کہاں سے تشریف لائے ہو، انہوں نے فرمایا کہ میں خضر ہوں، میں نے پوچھا آپ میرے پاس کس غرض سے آئے، فرمایا کہ تجھ سے سلام علیک کرنے آیا اور تجھ سے مجھ کو محبت فی اللہ ہے، اور میرے پاس ایک تحفہ ہے، اس کو میں تجھے دینا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ آفتاب نکلنے اور زمین پر پھیلنے سے پیشتر اور غروب ہونے سے پہلے سورۂ الحمد اور معوذتین اور اخلاص اور کافرون اور آیۃ الکرسی سات سات بار پڑھنا پھر سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر سات بار اور درود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سات بار اور استغفار[1] اپنے لیے اور اپنے والدین اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے سات بار پھر یہ دعا سات بار[2] اللهم

(بقیہ ص ۵۱۶) تک روایت کیا ہے اور اسی حدیث میں اللهم مالك الملك بھی بغیر حساب تک مروی ہے اور لقد جاءکم رسول الآیۃ کا فضل طبرانی نے دعا میں بروایت النسؓ بسند ضعیف نقل کیا ہے۔ اور لقد صدق اللہ رسولہ کے فضل کی کوئی سند مجھ کو نہیں ملی مگر سورہ فتحنا کا فضل ابن حبان نے بروایت ابی بن کعبؓ نقل کیا ہے وہ بھی موضوع ہے۔ اور آخر بنی اسرائیل فضل احمد و طبرانی سے بروایت معاذ بن انس بسند ضعیف مروی ہے اور پانچ آیتوں حدید کا فضل ابو القاسم محمد بن عبد الواحد نے بروایت علی مرتضیٰؓ نقل کیا ہے۔ اور سورہ حشر کی تین آخر آیتوں کی فضیلت ترمذی نے بروایت معقل بن یسار نقل کی ہے ۱۲

[1] یعنی یوں پڑھے اللهم اغفر لى ولوالدى وللمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات الاحياء منهم والاموات برحمتك يا ارحم الراحمين ۱۲ [2] الٰہی تو مجھ سے اور ان سے سر دست اور آئندہ کو دین اور دنیا اور آخرت میں وہ معاملہ کر جس کے تو لائق ہے اور ہم سے اے ہمارے آقا وہ معاملہ نہ کر جس کے ہم شایاں ہیں کہ تو بخشنے والا بردبار سخی کریم مہربان رحمت والا ہے ۱۲

افعل بی عاجلاً و اٰجلاً فی الدین والدنیا والاٰخرۃ ما انت لہ اھل ولا تفعل بنا یا مولینا ما نحن لہ اھل
انک غفور حلیم جواد کریم رؤف رحیم ۔ اور خبردار ان کو کسی صبح اور شام میں ترک نہ کرنا، میں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ
آپ مجھ کو بتا دیں کہ یہ عطا آپ کو کس نے بخشی، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرحمت فرمائی ہے[1]۔
میں نے کہا کہ مجھ کو اس کے ثواب سے مطلع فرمایئے، فرمایا کہ جب تم کو زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو تو اس کا ثواب
پوچھ لینا کہ وہ ارشاد فرمائیں گے ۔ ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ گویا فرشتے میرے پاس آئے ہیں اور
مجھ کو اٹھا کر لے گئے ہیں، یہاں تک کہ جنت میں داخل کیا اور وہاں عجیب و غریب اشیاء دیکھیں ۔ پھر میں نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ
سب سامان کس کے لیے ہیں، انہوں نے کہا کہ جو کوئی تیرا سا عمل کرے اس کے لیے ہے ۔ اور ابراہیم تیمیؒ نے بہت سی چیزیں جو جنت
میں دیکھی تھیں ان کا بیان بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ میں نے وہاں کا میوہ کھایا اور پانی پیا پھر میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تشریف لائے، آپ کے ساتھ ستر پیغمبر اور ستر صفیں فرشتوں کی تھیں کہ ہر صف اس قدر تھی جیسے پورب اور پچھم کا فاصلہ ہے آپ
نے مجھ کو سلام سے مشرف فرمایا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا ۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے خضر علیہ السلام نے
کہا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث آپ سے سنی ہے آپ نے فرمایا کہ خضر نے درست کہا اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ سب حق ہوتا ہے
زمین کے لوگوں میں عالم وہی ہے اور ابدال کا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہے جو زمین میں ہیں ۔ پھر میں نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہ جو شخص یہ عمل کرے اور جیسا میں نے اپنے خواب میں دیکھا نہ دیکھے تو جو چیزیں مجھے ملی ہیں ان میں سے اس کو بھی کچھ
مرحمت ہو گا کہ نہیں، آپ نے فرمایا قسم ہے مجھ کو اس ذات کی جس نے مجھ کو نبی برحق بھیجا ہے کہ اس کا عامل اگرچہ مجھ کو نہ دیکھے اور نہ
جنت کو دیکھے مگر اتنا ثواب اس کو ملے گا کہ اس کے تمام گناہ کبیرہ جو اس نے کیے ہوں گے بخشے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ اس پر
سے اپنا غصہ اور خفگی اٹھا لے گا اور بائیں طرف والے فرشتے کو حکم فرمائے گا کہ سال بھر تک اس کی کچھ برائی نہ لکھے اور قسم ہے مجھ کو اس
ذات کی جس نے مجھ کو نبی برحق بھیجا ہے اس پر عمل وہی کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے سعید پیدا کیا ہے اور اس کو وہی ترک کرے گا،
جس کو اس نے بدبخت بنایا ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ ابراہیم تیمیؒ نے چار مہینہ تک نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا تو شاید اسی خواب کے بعد
کا حال ہو گا غرضکہ قراءت کا وظیفہ یہ تھا جو مذکور ہوا، اگر اس پر اپنی معمولی منزل بھی پڑھ لے یا اسی قدر پر اکتفا کرے، دونوں صورتیں
اچھی ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ذکر اور دعا سب کا ثواب ہے بشرطیکہ تامل کے ساتھ پڑھے جس طرح کہ تلاوت کے ذکر میں ہم اس
کے آداب اور فضائل کا ذکر کر چکے ہیں اور فکر کو بھی اپنا ایک معمول کر لینا چاہیے اور جس چیز میں فکر کرے اس کی تفصیل اور فکر کی
کیفیت جلد چہارم کے باب تفکر میں مذکور ہو گی لیکن مجموع فکر دو قسموں میں آجاتی ہیں اول یہ کہ ایسی چیز ذہن میں فکر کرے جو
علم معاملہ میں اس کو مفید ہوں مثلاً اپنے نفس سے گذشتہ تقصیروں کا حساب لے اور جو روز اس کے سامنے ہو، اس کے
وظائف کی ترتیب کرے اور جتنے امور خیر کے مانع ہوں ان کو دفع کرے اور اپنی خطا یاد کرے اور جن باتوں سے عمل میں خلل

[1] اس کی کچھ اصل نہیں حدیث میں خضر علیہ السلام کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا عدم ملاقات ثابت نہیں اور نہ ان کی
زندگی اور موت کا کچھ ذکر پایا جاتا ہے ۱۲

پڑتا ہے ان کو سوچے تاکہ عمل میں اصلاح ہو، اور اپنے دل میں خود اپنے اعمال کے باب میں مسلمانوں سے معاملہ کرنے میں عمدہ نیتوں کو حاضر کرے۔ دوسری قسم فکر کی یہ ہے کہ ان چیزوں میں فکر کرے جو علمِ مکاشفہ میں نافع ہوں مثلاً خدائے تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں میں اور ان کے پے درپے آنے کی فکر محکم کرے تاکہ ان کی معرفت زیادہ حاصل ہو اور ان کا بہت سا شکر بن پڑے، یا اس کی سزاؤں اور عقوبتوں میں فکر کرے کہ اس سے معبود کی قدرت کی معرفت بڑھے اور عقوبات وانتقامات سے زیادہ خوف کرے، اور ان امور میں سے ہر ایک کے بہت سے شعبے ہیں کہ بعض لوگوں کو ان میں فکر کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی، کہ ان کو خوب اچھی طرح جلد چہارم میں ہم لکھیں گے اور جب فکر کرنا میسر ہو جاوے تو یہ اشرف عبادت ہے کیونکہ ان میں ذکرِ الٰہی بھی ہے، اور دو باتیں زیادہ ہیں ایک تو معرفت کا زیادہ ہونا کیونکہ فکر معرفت اور کشفِ کلید ہے، دوم محبت کا زیادہ ہونا اس لیے کہ دل محبت اسی کی کرتا ہے جس کی عظمت کا معتقد ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی عظمت بدوں اس کے صفات اور عجائباتِ افعال اور قدرت کی معرفت کے منکشف نہیں ہوتی تو یہ سلسلہ اس طرح ہوتا ہے کہ فکر سے معرفت اور معرفت سے تعظیم اور تعظیم سے محبت اور ہر چند ذکر بھی انس کا موجب ہوتا ہے، اور انس ایک قسم کی محبت ہے مگر وہ محبت جس کا سبب معرفت ہوتی ہے۔ وہ انس کی نسبت کہ بہت قوی اور دیرپا اور نہایت بڑی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کی خوبصورتی آنکھ سے دیکھے اور اس کے حسنِ اخلاق اور افعال اور خصائلِ حمیدہ پر تجربہ سے مطلع ہو کر عاشق ہو جائے، اور دوسرا شخص ایک غائب آدمی کا حسن وجمال چند بار مجملاً سنے اور خوبصورتی کی باتیں مفصل اس کو معلوم بھی نہ ہوئی ہوں کہ اس کا فریفتہ ہو جاوے تو پہلے شخص کے عشق کے دوسرے کی محبت سے وہی نسبت ہوگی جیسے عارف کی محبت کو ذاکر غیر عارف کے انس سے نسبت ہے کیونکہ مثل مشہور ہے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ عارف کی محبت ایسی ہے جیسے دیکھنے والے کی ہوتی ہے اور ذاکر کی محبت مثل سننے والے کی محبت کی ہے، یعنی جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دل اور زبان سے مداومت رکھتے ہیں اور صرف ایمان تقلیدی سے جو کچھ کہ رسول لائے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں، ان کے پاس خدائے تعالیٰ کے محاسن صفات میں سے چند امور مجمل ہی ہیں جن پر اس کا اعتقاد دوسروں کے بتلانے سے ہو گیا ہے، اور جو لوگ عارف ہیں انہوں نے اس جمال وجلالِ الٰہی کو چشمِ بصیرت سے مشاہدہ کیا ہے، جو ظاہری بینائی سے قوی تر ہے اور کسی کو یہ بات میسر نہیں ہوتی کہ اس کے جلال وجمال کی ماہیت پر واقف ہو جائیں اس لیے کہ یہ امر تو خلق میں سے کسی کی تاب نہیں جو معلوم کر سکے، لیکن ہر شخص اس قدر مشاہدہ کرتا ہے جس قدر کہ اس کے لیے حجاب دور ہوتا ہے۔ اور جمال حضرت الوہیت کی کچھ انتہا نہیں اور نہ اس کے حجابوں کی تعداد، ہاں جن حجابوں کو نور کہنا زیبا ہے اور جن تک سالک پہنچ کر جاننے لگتا ہے کہ میں اصل تک پہنچ گیا، ان کی تعداد ستر حجاب ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ اللہ تعالیٰ کے ستر پردے نور کے ہیں، اگر وہ ان کو اٹھا دے تو اس کے چہرے کے انوار جس جس کو اس کی بینائی پہنچے پھونک دیں یعنی تمام خلق کو جلا دیں، اور یہ حجاب بھی ایک دوسرے کے بعد ترتیب وار ہیں اور اس کے نور آپس میں ایسے مختلف ہیں جیسے آفتاب اور چاند اور ستاروں کے نور ہیں اور ابتدا میں سب سے چھوٹا نور ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس سے زیادہ

[1] یہ حدیث باب دوم قواعد عقائد میں گذری ہے ۱۲

پھر اس سے زیادہ، اور اسی بناء پر بعض صوفیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درجات کے معنی بیان کیے ہیں جوان کو ترقی کرنے میں ظاہر ہوئے ہیں، انہوں نے تفسیر فلما جن علیه اللیل رأی کوکبا۔ کی یہ کہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر یہ امر مشتبہ ہوگیا تو آپ ایک نور کے حجاب پر پہنچے جو اوروں سے کم تھا، اسی جہت سے اس کو ستارہ سے تعبیر فرمایا۔ اور اس آیت میں ستارہ سے مراد یہ ستارے رات کے چمکتے ہونے نہیں، اس لیے کہ ان کو تو عوام میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ رب ہونا ان اجسام کو لائق نہیں، بلکہ دیکھتے ہی ان کے خیال میں یہ بات آجاتی ہے۔ پس جس چیز کو عوام خدا نہ جانیں اس کو خلیل اللہ کس طرح خدا کہہ دیتے، اور ان حجابوں کو جو نور کہا تو اس سے یہ روشنی مراد نہیں جو آنکھ سے سوجھتی ہے بلکہ اس سے نور کے معنی وہ مراد ہیں جو اس آیت میں مقصود ہیں[1] اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔ الآیۃ۔ اب ہم ان باتوں سے عنانِ قلم پھیرتے ہیں کہ یہ علم معاملہ سے خارج ہیں۔ اور ان کی حقیقتوں تک پہنچنا بدوں کشف کے جو فکر صاف کے بعد ہوتا ہے، میسر نہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہیں جن پر یہ دروازہ مفتوح ہوتا ہے جمہور خلق کو انہیں امور میں فکر میسر ہوتا ہے جو علم معاملہ میں مفید ہوں۔ اور اس فکر کا فائدہ بھی بہت ہے، اگر یہی میسر ہوجائے غرض کہ طالب آخرت کو چاہیئے کہ ان چاروں چیزوں یعنی دعا اور ذکر اور قرأت اور فکر کا وظیفہ صبح کی نماز کے بعد کرے بلکہ ہر وقت میں نماز معمول سے فارغ ہونے کے بعد اس کا وظیفہ کرے کہ نماز کے بعد کوئی وظیفہ ان چاروں سے بڑھ کر نہیں۔ اور ان امور پر قادر ہونے کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے ہتھیار اور سپر لیوے یعنی روزہ وہ سپر ہے جس سے شیطان کی راہیں تنگ ہوتی ہیں اور یہی بڑا دشمن، اور خیر کی راہ سے روکنے والا ہے۔ اور صبح صادق ہونے کے بعد سوا فجر کی دو سنتوں اور دوگانہ فرض کے آفتاب نکلنے تک اور کوئی نماز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس وقت میں ذکر میں مشغول رہا کرتے تھے[2]، اور یہی بہتر ہے کہ ذکر اس وقت میں کرے۔ لیکن اگر فرضوں سے پیشتر اس کو نیند کا غلبہ ہو، اور نیند بدوں نماز کے نہ ٹلے تو اس کے دفع کرنے کو اگر نماز پڑھے گا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا وقت دن کے وظیفہ کا آفتاب نکلنے سے چاشت کے وقت تک ہے اور چاشت سے ہماری مراد یہ ہے کہ آفتاب نکلنے سے زوال کے وقت تک کا نصف ہو جائے، اور یہ وقت اگر دن کو بارہ گھنٹہ کا فرض کریں تو تین گھنٹے دن چڑھے ہو جائے گا یعنی چار پہر میں سے ایک پہر گذرے گا، اس ایک پہر میں دو وظیفے زائد ہیں، اول نمازِ چاشت اور اس کا حال باب اسرار نماز میں ذکر کر چکے ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعتیں اشراق کے وقت پڑھے، یعنی جب آفتاب زمین پر پھیل جاوے اور مقدار نصف نیزہ کے بلند ہو جاوے اور چار یا چھ یا آٹھ نفل اس وقت پڑھے جب آفتاب کی دھوپ سے ریت گرم ہو جائے اور پاؤں کو پسینہ آنے لگے، یعنی پہر دن چڑھے۔ پس دو رکعتوں کا وقت تو وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں مراد لیا ہے[3] بالعشی والاشراق۔ کیونکہ یہی وقت آفتاب کے چمکنے اور زمین کے بخارات اور غبارات کے مقابلے سے اونچا ہو کر اس کا نور کامل ظاہر ہونے کا ہے بخار و غبار اس کے کامل نور کے مانع تھے، اور چار رکعتوں کا وقت چاشت کبریٰ ہے جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے اور فرمایا[4] والضحیٰ واللیل اذا سجی اور آنحضرت

---

[1] پھر جب اندھیری آئی اس پر رات، دیکھا ایک تارا ۱۲ [2] اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، کہاوت اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ ۱۲ [3] مسلم کی حدیث میں بروایت انسؓ اس طرح کا ارشاد ہے ۱۲ [4] پاکی بولتی ہیں شام اور صبح کو ۱۲ [5] قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے ۱۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے، دیکھا تو وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے ہیں، آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ خبردار ہو کر اوابین کی نماز کا وقت ہے کہ پاؤں جلنے لگیں، اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس کو ایک نماز پر اکتفا کرنی ہو اور چاشت و اشراق دونوں نہ پڑھے تو چاشت کا وقت بہت افضل ہے۔ گو اصل ثواب اس طرح بھی مل جاتا ہے کہ آفتاب کے نصف نیزہ کی قدر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے کسی قدر پیشتر تک میں پڑھ لے کہ وہ مکروہ وقتوں کے بیچ میں اس نماز کا وقت ہے اور اس تمام وقت کو چاشت ہی کہتے ہیں، مگر افضل وقت وہی پہر دن چڑھے ہے اور گویا...... اشراق کا دوگانہ اس وقت ہوتا ہے کہ مکروہ وقت آفتاب کے نکلنے کا گذر کر نماز کی اجازت کا وقت شروع ہو جاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[ع] کہ آفتاب کے نکلنے کے ساتھ شیطان کا سینگ بھی نکلتا ہے، جب آفتاب اونچا ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے علٰحدہ ہو جاتا ہے اور کمتر مرتبہ آفتاب کے ابھرنے کا یہ ہے کہ زمین کے بخاروں اور غباروں کے اوپر ہو جائے اور یہ امر تخمین اور انداز سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا ظیفہ اس وقت میں یہ ہے کہ جو عمدہ کام لوگوں کے متعلق ہوں اور ان کی عادت صبح کو کرنے کی ہووے وہ اس وقت بجا لاوے، مثلاً کسی بیمار کو پوچھنا اور جنازے کے ساتھ جانا اور نیکی اور تقویٰ پر مدد کرنی اور مجلس علم میں حاضر ہونا اور کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنی یا اور ایسے ہی امور خیر کرے اور اگر ان امور میں سے کوئی کرنے کو نہ ہو تو انہیں چاروں وظیفوں کی طرف رجوع کرے یعنی دعاؤں اور ذکر اور قرأت اور فکر میں لگے، اور اگر چاہے تو نماز نفل میں مصروف ہو کہ صبح صادق ہونے کے بعد وہ مکروہ تھی، مگر اس وقت مکروہ نہیں ہے تو اس وقت کے وظیفوں میں نماز پانچواں وظیفہ ہو جائے گی، مگر فرض صبح کے بعد کل نمازیں جن کا کوئی سبب نہ ہو، مکروہ ہیں اور صبح صادق ہونے کے بعد مستحب یہ ہے کہ صرف دوگانہ بحیثیت مسجد دو سنتوں پر اکتفا کرے اور نفلیں نہ پڑھنے لگے، بلکہ وہ چاروں وظیفے ادا کرے جو اوپر مذکور ہوئے۔

تیسرا وقت دن کے وظیفوں کا چاشت سے لے کر زوال تک ہے اور چاشت سے ہماری مراد وہی چوتھائی دن کا چڑھنا اور اس سے تھوڑا سا پیشتر کا وقت ہے اس طرح کہ ہر تین گھنٹوں کے بعد نماز کا حکم ہے مثلاً تین گھنٹے بعد طلوع کے گذریں تو اس وقت ان کے گذرنے سے پیشتر نماز چاشت ہے اور جب تین گھنٹے اور گذریں تو ظہر ہے اور جب تین اور گذریں تو عصر ہے اور جب تین اور ہوں تو مغرب ہے اور چاشت کا مرتبہ طلوع اور زوال کے درمیان میں ایسا ہے جیسے زوال اور غروب کے درمیان میں عصر کا مرتبہ ہے، اتنا فرق ہے کہ چاشت فرض نہیں، اس وجہ سے کہ یہ وقت اس طرح کا ہے کہ لوگ اس میں اپنے کاموں پر جھکے ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان پر آسانی رکھی گئی کہ یہ نماز فرض نہ ہوئی، اور اس وقت کا وظیفہ بھی وہی چاروں امور مذکور ہیں، اور دو باتیں زائد ہیں، اول کمائی میں مشغول ہونا اور معیشت کی تدبیر کرنی اور بازار میں جانا۔ اگر یہ شخص سوداگر ہے، تو چاہیئے کہ صدق اور ایمانداری سے تجارت کرے، اور اگر کوئی پیشہ ور ہے تو خلق کی خیر خواہی اور شفقت مد نظر رکھے اور اپنے سب کاموں میں خدائے تعالیٰ کا ذکر نہ بھولے، اور جب ہر روز کمانے پہ قادر ہو تو اتنی کمائی پر اکتفا کرے جو اس روز کی حاجت کی قدر ہو

[ع] طبرانی بروایت زید بن ارقمؓ اور اس میں بلند آواز سے فرمانے کا نہیں ۱۲ [ع] اس کی اسناد باب اسرار نماز کی فصل ساتویں میں گذری ۱۲

جب اتنا مل جائے کہ اس روز کی قوت کو کافی ہو تو چاہیئے کہ اپنے پروردگار کے گھر میں جاکر اپنی آخرت کے لیے توشہ حاصل کرے، کیونکہ آخرت کے توشہ کی ضرورت ہے اور اس سے نفع لینا دائمی ہے، ایسی چیز کو حاصل کرنا اس زیادہ طلبی سے اہم ہے جو بسر دست کی حاجت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایماندار آدمی تین باتوں میں سے ایک نہ ایک کرتا ملتا ہے یا تو مسجد میں نماز وغیرہ سے اس کو آباد کرتا ہوگا یا اپنے گھر میں لوگوں سے کنارہ کیے ہوگا، یا کسی اپنی حاجت ضروری میں مصروف ملے گا۔ اور ایسے شخص بہت کم ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ ضروری چیز کی مقدار کیا ہے، اکثر لوگ جن چیزوں سے ان کو ضرر بھی ہوتا ہے ان کو بھی یہی ٹھہرا لیتے ہیں کہ ان سے ہم کو مفر نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور بری باتوں کے لیے حکم کرتا ہے تو اسی کے کہنے کو پذیرا کر کے جو نہیں کھاتے اس کو بھی محتاج ہونے کے ڈر سے جوڑ رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے، جو اس سے روگردانی کرتے ہیں اور ذرا راغب نہیں ہوتے۔ دوسرا وظیفہ اس وقت کا دوپہر کا سونا ہے اور وہ سنت ہے اس نظر سے کہ اس سے رات کے جاگنے پر مدد ملے جیسے کہ سحر کھانا اس لیے مسنون ہے کہ دن کے روزے پر اس سے مدد لیوے، پس اگر رات کو نہ اٹھتا ہو لیکن دن کو اگر نہیں سوتا تو کوئی امر خیر نہیں کرتا بلکہ غالباً غفلت والوں میں بیٹھ کر گپ ہانکتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے حق میں سونا ہی اچھا ہے بشرطیکہ اس کی دل لگی اذکار و وظائف مذکورہ سے نہ ہوتی ہو کیوں کہ سوتے میں سکوت اور سلامتی تو ہے۔ اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں سکوت اور سونا ان کے سب عملوں سے افضل ہوگا۔ اور بہت سے عابد اس طرح ہیں کہ ان کا عمدہ حال سونے کی حالت ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ عبادت میں اخلاص نہ کرتے ہوں بلکہ عبادت سے نمود منظور ہو تو جب عابد کا یہ حال ہوگا تو غافل بدکار کا سونا کیسے اچھا نہ ہوگا۔ حضرت سفیانؒ ثوری فرماتے ہیں کہ سلف کے اکابر سونے کے لیے فارغ ہوتے تو طلب سلامتی کے واسطے اس کو اچھا جانتے، غرض کہ دن کو سلامتی کی طلب اور شب بیداری کی نیت سے سونا ثواب ہے، مگر چاہیئے کہ زوال سے اتنا پیشتر جاگے کہ نماز کی تیاری کرے، یعنی وضو کر کے مسجد میں نماز کے وقت سے پیشتر جاوے کہ یہ عمدہ اعمال میں سے ہے، اور اگر دن کو نہ سوئے، اور نہ کمائی میں مشغول ہو، بلکہ نماز اور ذکر میں مصروف رہے تو کیا کہنا ہے کہ دن کے اوقات میں سے عبادت کا افضل وقت یہی ہے، اس لیے کہ اس وقت لوگ اپنے پروردگار سے غافل ہوتے ہیں اور دنیا کے ترددات میں مبتلا رہتے ہیں۔ تو جو دل اپنے رب کا کام ایسے وقت میں کرے کہ اور بندے اس کے دروازے سے علیحدہ ہوں، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پاک کرے اور اپنے قرب و معرفت کے لیے پسند فرمائے اور اس وقت تک کی عبادت کا ثواب رات کی عبادت کے ثواب کے مثل ہے کہ وہ وقت بھی لوگوں کے سونے کی وجہ سے غفلت کا ہے، اور یہ وقت خواہش نفسانی کی پیروی اور ترددات دنیاوی میں مبتلا ہو کر غافل رہنے کا ہے اور یہ عبادت دن کی وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ[ث] کے دو معنوں میں سے ایک کے مطابق ہوتی ہے کہ اس سے ایک غرض ہے کہ رات دن کو فصل میں ایک دوسرے کے بعد لاتا ہے۔ اور دوسری غرض یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کا نائب کیا کہ آدمی سے جو ایک میں رہ جائے، اس کا تدارک دوسری میں کرلے تو رات کی عبادت کا تدارک اس وقت میں ہو جاتا ہے جو اسی

ث اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے ۱۲

وقت کے مشابہ ہے، چوتھا وقت دن کے وظیفوں کا زوال سے لے کر ظہر کے فرائض اور سنتوں سے فارغ ہونے تک ہے اور یہ وقت دن کے سب وقتوں سے چھوٹا اور افضل ہے، پس جب زوال سے پیشتر وضو کر کے مسجد میں موجود ہو جائے تو جس وقت دوپہر ڈھلے اور مؤذن اذان کہنی شروع کرے تو اس کی اذان کے جواب تک صبر کرے، پھر اذان اور تکبیر کے درمیان کے وقت کو عبادت میں صرف کرنے کے لیے کھڑا ہو کہ وقت اظہار کا یہی ہے جو ارشاد خداوندی وحین تظہرون میں مراد ہے، اور اس وقت میں چار رکعتیں پڑھے کہ ان میں سلام نہ پھیرے اور ان کی تمام نفل نمازوں میں بھی یہی ایک نماز ہے کہ بعض علماء اس کو ایک سلام سے پڑھنے کو کہتے ہیں مگر اس روایت پر طعن کیا گیا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو بھی اوروں کے نوافل کی طرح دو دو پڑھے اور احادیث صحیحہ[1] میں اسی طرح وارد ہے۔ اور چاہیے کہ ان رکعات کو لمبی لمبی پڑھے کہ اس وقت میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں چنانچہ اس باب میں ہم نے حدیث نماز نفل کی فصل میں بیان کی ہے، اور چاہیے کہ ان میں سے سورۂ بقر پڑھے یا دو سورتیں سو سو آیتوں کی، یا چار سورتیں مفصل سے بڑی اور سو آیت کی سورتوں سے چھوٹی پڑھے کہ ان گھڑیوں میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھا معلوم ہوتا تھا کہ ان گھڑیوں میں آپ کا کوئی عمل اوپر جاوے۔ پھر یہ چار رکعتیں بڑی بڑی بطور مذکور پڑھنے کے بعد خواہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں پڑھنے کے بعد ظہر کے فرض جماعت سے پڑھے غرضکہ چار سنتیں پیشتر کی چھوڑے نہیں، جس طرح بن سکے، پڑھ کر فرض پڑھے اور بعد فرضوں کے دو رکعتیں پڑھے پھر چار پڑھے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ذکر کیا ہے کہ فرضوں کے بعد اتنی ہی رکعتیں بدوں فاصلہ کے پڑھی جائیں، اور مستحب ہے کہ ان نفلوں میں آیۃ الکرسی اور سورۂ بقر کی تمام آیتیں جن کو ہم اول وقت کے وظیفہ میں لکھ آئے ہیں تاکہ ان کا پڑھنا دعا اور ذکر اور قرات اور نماز اور تمجید اور تسبیح کو مع وقت کی شرافت کے شامل ہو۔ پانچواں وقت دن کے وظیفوں کا ظہر کے بعد سے عصر تک ہے۔ اس وقت میں یہ مستحب ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ذکر اور نماز یا اور کسی چیز میں مشغول ہو، اور عصر کی نماز کے انتظار میں معتکف رہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا عمدہ اعمال میں سے ہے اور یہ امر پہلے اکابر کا دستور ہے جو کوئی اس وقت ظہر و عصر کے درمیان مسجد میں داخل ہوتا تو نمازیوں کی تلاوت کی گونج مکھی کی آواز کی طرح سنتا۔ پس اگر گھر رہنے سے دین کی سلامتی اور فکر میں جمعیت زیادہ ہو تو اس صورت میں اس کے حق میں گھر پر چلا جانا افضل ہے، غرضکہ یہ وقت بھی لوگوں کی غفلت کا ہے اس کو عمل خیر میں بسر کرنا ایسا ہے جیسا تھوڑے وقت میں عمدہ کام کرنا اور جو شخص زوال سے پیشتر سو چکا ہو اس کو اس وقت سونا مکروہ ہے اس لیے کہ دن کو دوبار سونا اچھا نہیں، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تین باتوں پر اللہ تعالیٰ بہت غصہ کرتا ہے، اول ہنسنا بدوں تعجب کے، دوم کھانا بدوں بھوک کے، سوم دن کو سونا بدوں شب بیداری کے، اور سونے کی مقدار معتدل یہ ہے کہ رات دن کے چوبیس[۲۴] گھنٹے ہوتے ہیں ان میں آٹھ گھنٹے رات دن دونوں میں سونے میں صرف کرے اور اگر رات کو آٹھ گھنٹے سو چکا تو پھر دن کو سونے کے کچھ معنی نہیں، ہاں اگر رات کو کم سویا ہو تو دن کو اتنا اور سو لے کہ دونوں وقت کا سونا آٹھ گھنٹے ہو جائے، کیونکہ آدمی کو یہی کافی ہے کہ اگر ساٹھ برس کی عمر ہو تو بیس[۲۰] برس عمر میں سے

خ[1] ابوداؤد و ابن حبان بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ خ[2] ابوداؤد و ابن ماجہ بروایت ابو ایوب ۱۲

کم ہوجائیں اور جس صورت میں کہ آٹھ گھنٹے کل رات اور دن کی تہائی ہے تو ظاہر ہے کہ عمر کی تہائی کم ہوگئی، لیکن ازانجا کہ سونا روح کی غذا ہے جیسے کھانا بدن کی غذا ہے۔ اور ذکر اور علم دل کی تو اس لیے سونے کو بالکل منقطع کردینا ممکن نہیں اور درمیانی مقدار اس کی آٹھ گھنٹے ہیں اور اس سے کم کرنا بعض اوقات بدن کو مضطر کردیتا ہے۔ ہاں اگر کوئی جاگنے کی عادت ڈالے تو ہوسکتا ہے کہ رفتہ رفتہ اس کا خوگر ہوجائے اور اضطراب بھی نہ ہونے پائے اور یہ وقت زیادہ لمبے وقتوں میں سے ہے اور بندوں کو اس سے نفع زیادہ ہے اور آصال کا جو ذکر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا۔ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا وظلالھم بالغدو والآصال ان میں سے ایک یہ وقت ہے اور جس صورت میں کہ جمادات اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہوں تو کیسے ہوسکتا ہے کہ بندہ باوجود عقل کے انواع عبادات سے غافل رہے۔ چھٹا وقت اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جیسے عصر کا وقت داخل ہوتا ہے۔ اور سورۂ عصر میں اسی وقت کی قسم اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے ایک معنی والعصر کے یہی ہیں۔ اور عشیا وحین تظھرون میں عشی سے دو تفسیروں میں سے ایک کے بموجب یہی وقت مراد ہے، اور ایسا ہی بالعشی و الاشراق میں سمجھنا چاہیے اور اس وقت میں بجز چار رکعتوں کے درمیان اذان اور تکبیر عصر کے جیسے ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعتیں نفلیں اور کوئی نماز نہیں، ان چار رکعت نفل کے بعد فرض پڑھے اور چاروں وظیفوں مذکورہ سابق میں مصروف ہو، یہانتک کہ آفتاب دیواروں کی منڈیروں پر چلا جائے اور زرد پڑجائے اور چونکہ اس وقت میں نماز ممنوع ہے تو بہتر ہے کہ تلاوتِ قرآن کرے اور تامل اور سمجھنے کے ساتھ پڑھے کہ وہ ذکر اور دعا اور فکر سب کو شامل ہے کہ ایک تلاوت میں تینوں باتیں وہ بھی آجائیں گی، تو گویا چاروں وظیفوں کا ثواب حاصل ہوگا۔ ساتواں وقت دن کے وظیفوں کا آفتاب کے زرد پڑجانے کے وقت سے شروع ہے، یعنی جس وقت آفتاب زمین کے اتنا قریب ہوجاوے کہ زمین پر کے بخار اور غبار اس کے نور کی آڑ ہوجائیں اور روشنی میں زردی آجاوے اس وقت سے ساتواں وقت ہے، اور جس طرح کہ پہلا وقت صبح صادق سے آفتاب نکلنے تک تھا، اسی کے مثل یہ وقت ہے کہ غروب سے پیشتر ہے اور وہ طلوع کے بعد تھا اور یہی وقت مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون اور اطراف جو اس ارشاد میں واقع ہے فسبح و اطراف النھار تو دوسری طرف دن کی یہی وقت ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اکابر سلف اول روز کی نسبت آخر روز کی زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ لوگ اول روز دنیا کے لیے رکھتے تھے اور آخر کو آخرت کے لیے، غرض کہ اس وقت میں تسبیح اور استغفار تو بالکل منتخب ہے اور جو باتیں ہم نے اول وقت میں لکھی ہیں وہ عموماً مستحب ہیں مثلاً یوں کہنا چاہیے استغفر اللہ الذی لاالٰہ الا ھو الحی القیوم واسالہ التوبۃ اور سبحان ربی العظیم وبحمدہ اور یہ تسبیح اور استغفار کا کہنا اس آیت سے نکالا گیا ہے واستغفر لذنبک وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار اور استغفار میں وہ نام اللہ تعالیٰ کے لینے اچھے ہیں جو قرآن مجید میں ہیں جیسے یوں کہنا استغفر اللہ انہ کان غفارا[۱] استغفر اللہ انہ کان توابا

[۱] سو پاک اللہ کی ذات آنا جب شام کرو یا صبح کرو ۱۲ [۲] سو پاکی بول اور دن کی حدوں پر ۱۲ [۳] اور بخشا اپنا گناہ اور پرپاکی بول اور اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو ۱۲ [۴] اور بخشوا اپنا گناہ اور پرپاکی بول اور اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو ۱۲ [۵] مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے کہ وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے ۱۲ [۶] مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے کہ وہ معاف کرنے والا ہے ۱۲

ربِّ[1] اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔ فاغفر[2] لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین۔ واغفر[3] لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین۔
اور آفتاب کے غروب سے پیشتر سورۂ والشمس اور سورۂ واللیل اور معوذتین پڑھنا مستحب ہے اور آفتاب ایسی طرح ڈوبے کہ استغفار پڑھ رہا ہو، پھر جب اذان سنے تو یوں کہے اللھم ھٰذا اقبال لیلك وادبار نہارك آخر تک جیسے پہلے مذکور ہوا، پھر مؤذن کا جواب دے اور مغرب کی نماز میں مشغول ہو اور آفتاب کے غروب ہونے پر دن کے اوقات تمام ہو جاتے ہیں۔ اب بندے کو اپنے حالات کا ملاحظہ کر کے اپنے نفس کا حساب کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے طریق میں سے ایک منزل قطع ہو گئی اگر وہ روز گذشتہ کے برابر ہو تو اس کو خسارہ رہا اور اگر گذشتہ دن کی نسبت یہ برا ہوا تو ملعون ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس روز میں کہ میں خیر کے اعتبار سے زیادہ نہ ہوں اس میں مجھے برکت نہ ہو جیو اس میں اگر اپنے نفس کو دیکھے کہ تمام دن خیر کی کثرت میں رہا اور تکلف سے بری اور علیحدہ رہا تو یہ ایک مژدہ ہے خدائے تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے توفیق دی اور اپنے طریق پر قائم رکھا اور اگر دوسری حالت معلوم ہو، یعنی دن میں کچھ خیر اچھی طرح نہ بن پڑی ہو تو پھر رات دن کا نائب ہے۔ چاہیئے کہ جو کچھ قصور دن کو ہوا ہو اس کے تدارک کا قصد کرے کہ نیکیوں سے برائیاں جاتی رہتی ہیں اور خدائے تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے جسم کو تندرست رکھا اور رات بھر کی زندگی باقی رکھی کہ اس میں تدارک خطا کا ہو سکتا ہے اور آفتاب کے غروب ہونے پر اپنے دل میں دھیان کرے کہ زندگی کے روز کا بھی ایک آخر ہے کہ اس میں آفتاب حیات ایسا غروب ہو گا کہ پھر کبھی نہ نکلے گا، اور اس وقت تدارک اور عذر کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ زندگی کے چند روز ہیں وہ بیشک گذر جائیں گے، موت کا دن ان کے گذرنے پر آموجود ہو گا سچ ہے

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　٭　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

رات کے وظائف کے اوقات

اور وہ پانچ ہیں، اوّل وقت کا شروع آفتاب کے غروب ہونے سے ہے، اور اس کا آخر سرخی شفق کی دور ہونے پر جس کے جانے کے بعد عشا کا وقت آجاتا ہے۔ اس وقت کا وظیفہ یہ ہے کہ مغرب کی نماز پڑھے اور پھر نوافل عشاء تک پڑھتا رہے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم کھائی ہے چنانچہ فرمایا فلا[4] اقسم بالشفق اور اس وقت میں نماز پڑھنی ناشئۃ اللیل ہے کیونکہ رات کی ابتدا اس ساعات میں واقع ہوتی ہے اور آیت ومن[5] اناء اللیل فسبح میں جو آناء آیا ہے اس میں سے ایک پارہ یہ ہے۔ اور صلوٰۃ اوابین بھی اسی وقت کی نماز ہے، اور آیت تتجافیٰ[6] جنوبھم عن المضاجع سے بھی یہی نماز مراد ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے اور ابن ابی زیاد نے اس روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اسناد کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں کسی شخص نے اس آیت کے حال سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز مراد ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ مغرب اور عشا کے درمیان کی نماز اپنے اوپر لازم کرو کہ وہ دن کے لغویات کو دور کرتی اور اس کے انجام کو اچھا کرتی ہے

---

[1] اے پروردگار معاف کر اور تو مہر کرنے والا ہے ۱۲ [2] پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر مہر والا ہے ۱۲ [3] سو ہم کو معاف کر اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے ۱۲ [4] باب علم کی فصل اول میں گذری مگر خیر کی جگہ علم فرمایا ہے ۱۲ [5] سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی ۱۲ [6] اور کچھ گھڑیوں رات کی پس پاکی بول ۱۲ [7] علیحدہ رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنی سونے کی جگہ سے ۱۲ [8] شیخ ابو منصور در مسند فردوس بروایت اسمٰعیل بن ابی زیاد ۱۲

اور حضرت انسؓ سے کسی نے اس وقت میں سونے کے لیے پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کر کہ یہ ساعت وہ ہے جو تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع میں مراد ہے اور اس وقت کی عبادت کی فضیلت ہم عنقریب دوسری فصل میں ذکر کریں گے، یہاں اس قدر لکھتے ہیں کہ اس وقت ترتیب وظیفہ اس طرح کرنی چاہیئے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ اول میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص ہو، اور ان میں نہ کوئی گفتگو حائل ہو نہ اور کوئی کام، بلکہ فرضوں کے ہی متصل پڑھ لے ان دو کے بعد چار رکعتیں دراز پڑھے، پھر سرخی شفق کی غائب ہونے تک جو کچھ بن پڑے پڑھ لے، اور اگر مسجد گھر سے نزدیک ہو اور عشاء کے انتظار میں بیٹھے رہنے کا ارادہ نہ ہو تو ان نوافل کا گھر پر پڑھنے کا مضائقہ نہیں، اور اگر عشاء کا انتظار کرنا منظور ہو تب مسجد میں پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ نمود اور تکلف سے بچا ہوا ہو دوسرا وقت عشاء کے وقت کی ابتداء سے لوگوں کے سونے کے وقت تک ہے اور یہ وقت اندھیرے کے مستحکم ہونے کا آغاز ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم کھائی ہے چنانچہ فرمایا واللیل وما وسق یعنی قسم ہے رات کی اور اندھیرے کی جو اس میں جمع ہوتا ہے، اور فرمایا اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل یعنی نماز پڑھ آفتاب کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک۔ اور تاریکی اس وقت زیادہ ہو کر مستحکم ہو جاتی ہے اور اس وقت کے وظائف کی ترتیب تین باتوں کی رعایت سے ہوتی ہے۔ اول یہ کہ عشاء کے فرضوں کے سوا دس رکعتیں پڑھے، چار تو فرضوں سے پیشتر تاکہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت خالی نہ رہ جائے، اور چھ فرضوں کے بعد کہ اول دو رکعتیں ہوں اور پھر چار رکعتیں، اور ان میں قرآن میں سے مخصوص آیتیں پڑھے کہ ان کا آخر وتر ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے،[1] کہ آپ نے رات کو زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ اور ہوشیار آدمی تو شروع شب میں ان رکعات کے اوقات ٹھہرا لیتے ہیں اور قوی آخر شب کے اوقات اختیار کرتے ہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ اول شب اختیار کی جاوے کیونکہ کیا عجب ہے کہ پچھلے کو آنکھ نہ کھلے یا نماز کا پڑھنا بھاری پڑ جائے۔ ہاں جس صورت میں کہ پچھلے کو اٹھنا عادت ہو جاوے تو البتہ آخر شب میں ان رکعات کا پڑھنا افضل ہے، پھر اس نماز میں مقدار تین سو آیتوں کی ان خاص سورتوں میں سے پڑھنی چاہیئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر[2] پڑھا کرتے تھے، مثلاً سورۂ یٰسین اور الم سجدہ اور دخان اور ملک اور زمر اور واقعہ، اور اگر نماز مذکور نہ پڑھے تو سونے سے پیشتر ان سب سورتوں کی خواہ بعض کی قرأت ترک نہ کرے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ہر شب پڑھا کرتے تھے، تین حدیثوں میں مروی ہے ان میں مشہور تر[3] میں سورۂ الم سجدہ اور ملک اور زمر اور واقعہ ہیں۔ اور ایک روایت میں زمر اور بنی اسرائیل ہے اور ایک میں یہ ہے کہ آپ[4] مسبحات یعنی حدید اور حشر اور صف اور جمعہ اور تغابن ہر شب پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک ہزار آیتوں سے بہتر ہے اور علماء مسبحات کو چھ[5] قرار دیتے ہیں اور سورۂ اعلیٰ کو اول کی پانچ پر زیادہ کرتے ہیں اس وجہ سے کہ حدیث[6] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبح اسم ربک الاعلیٰ کو محبوب جانتے تھے اور

---

[1] ابوداؤد بروایت عائشہؓ ۱۲ [2] کثرت سے پڑھنا مجھ کو ثابت نہیں ہوا، مگر ترمذی نے بروایت جابرؓ اور عائشہؓ ان سورتوں کا پڑھنا سوائے یٰسین کے سونے سے پیشتر نقل کیا ہے ۱۲ [3] ترمذی بروایت جابرؓ اور اس میں ذکر واقعہ اور زمر کا نہیں ۱۲ [4] ترمذی بروایت عائشہؓ ۱۲ [5] ابوداؤد و ترمذی و نسائی و کبری بروایت عرباض بن ساریہ ۱۲ [6] احمد و بزار بروایت علی مرتضیٰؓ بسند ضعیف ۱۲

وتر کی تین رکعتوں میں تین سورتیں، سبح اسم اور کافرون اور اخلاص[۱] پڑھا کرتے تھے اور وتروں سے فارغ ہو کر سبحان الملک القدوس تین بار ارشاد فرماتے۔ سوم وتر کا پڑھنا کہ سونے سے پہلے پڑھ لینی چاہئیں بشرطیکہ تہجد کی عادت نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ[۲] بدوں وتر پڑھے نہ سوؤں۔ اور اگر تہجد کی عادت ہو تو تاخیر وتر کرنا افضل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہیں اور جب صبح ہو جانے کا تجھ کو خوف ہو تو ایک رکعت سے اس کو طاق کر دے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی[۴] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وتر اول شب میں پڑھے اور درمیان میں اور آخر میں بھی، اور آپ کے وتر کی نوبت سحر تک پہنچی تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وتر تین طرح پر ہیں، چاہو تو وتر اول شب میں پڑھ لو پھر تہجد کی دو رکعتیں پڑھو، یعنی یہ تہجد اپنے پیشتر کے وتر سے مل کر طاق ہو جائے گا۔ اور چاہو وتر ایک رکعت سے پڑھو پھر جب آنکھ کھلے تو اس میں دوسری رکعت ملا کر جفت کر دو، پھر آخر شب میں وتر پڑھو اور چاہو سب سے پیچھے وتر پڑھو تاکہ آخر نماز وتر ہو جائے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اس میں سے اول اور تیسرے طور کا تو مضائقہ نہیں مگر دوسرے قول کے بموجب کے وتر کے توڑنے میں ممانعت آئی[۵] ہے اس کو توڑنا نہ چاہیئے۔ اور ایک مطلق روایت بھی ہے کہ[۶] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شب میں دو وتر نہیں، اور جس کو اپنے جاگنے میں تردد ہو تو اس کے لیے ایک سہل تدبیر ہے جس کو بعض علماء نے مستحسن جانا ہے، وہ یہ ہے کہ وتر کے بعد سوتے وقت اپنے بستر پر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو یہ دونوں رکعتیں پڑھتے[۷] اول میں اذا زلزلت اور دوسری الہٰکم التکاثر۔ کیونکہ ان دونوں سورتوں میں خوف دہانی اور وعید ہے اور ایک روایت میں تکاثر کی جگہ قل یا ایھا الکافرون ہے کہ اس میں دن کی عبادت سے بہتری اور عبادت کا محض خدائے تعالیٰ کے لیے کرنا ہے، غرضیکہ ان دونوں رکعتوں کو اگر پھر آنکھ کھلے تو کہا گیا ہے یہ دونوں رکعتیں قائم مقام ایک رکعت کے ہو جائیں گی اور پیشتر کے وتروں سے مل کر گویا جفت ٹھہریں گی۔ اس صورت میں نماز تہجد کے بعد وتر کی ایک رکعت از سرِ نو پڑھ لینی چاہیئے اور اس امر کو ابوطالب مکیؒ نے مستحسن جانا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں تین عمل ہیں، ایک زندگی کی توقع کم سمجھنی، دوسرے وتروں کا ہو جانا، تیسرے آخر شب میں وتر کا ہونا۔ اور یہ ان کا قول تو درست ہے مگر اس میں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اگر یہ رکعتیں پہلے وتروں کو جفت کرتی ہیں تو یہی حال ان کا ہونا چاہیئے، گو آنکھ نہ کھلے اور وتر باطل ہو جانے چاہئیں اس کے کیا معنی کہ اگر آنکھ کھلے تب تو وتر کو جفت کریں اور اگر آنکھ نہ کھلے تو نہ کریں ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان دو رکعتوں سے پیشتر وتر پڑھے ہیں اور پھر آخر شب میں وتر کو دوبارہ پڑھا ہے تب البتہ معلوم ہو گا کہ یہ دونوں رکعتیں ظاہر میں جفت ہیں اور باطن میں طاق۔ تو نہ جاگنے کی صورت میں مع وتر وتر خیال کر لیے جائیں اور جاگنے کی صورت میں جفت پھر وتر کے سلام کے بعد یہ کہنا مستحب ہے سبحان الملک القدوس رب

---

[۱] ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ بروایت ابی ابن کعب ۱۲ [۲] بخاری ومسلم ۱۲ [۳] بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [۴] بخاری ومسلم ۱۲ [۵] بخاری نے قول عبداللہ بن عمرؓ کا اور بیہقی نے قول ابن عباسؓ کا اس باب میں نقل کیا ہے ۱۲ [۶] ابوداؤد وترمذی ونسائی بروایت طلق بن علی ۱۲ [۷] باب اسرار نماز کے نوافل میں گزری ۱۲ [۸] پاکی بیان کرتا ہوں بادشاہ نہایت پاک فرشتوں اور جبرائیلؑ کے پروردگار کی الٰہی تو نے آسمانوں اور زمین کو عظمت سے ڈھانپ لیا اور جبروت سے اور عزت والا ہے تو قدرت سے اور دبایا ہے تو نے بندوں کو موت سے ۱۲

رب الملئکۃ والروح جللت السمٰوٰت والارض بالعظمۃ والجبروت و تعززت بالقدرۃ وقھرت العباد بالموت۔ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر نمازیں فرضوں کے سوا وفات شریف تک بیٹھ کر ہوتی تھیں[ا] اور آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھنے والے کو کھڑے ہونے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ہے۔ اور لیٹنے والے کو بیٹھنے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفل کا لیٹ کر پڑھنا بھی درست ہے تنبیہ وقت رات کے وظیفوں کا سونا ہے۔ اور سونے کو وظیفہ جاننا کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ اگر سونے کے آداب مرعی ہیں تو اس کا شمار بھی عبادت ہی ہیں ہے، چنانچہ مروی[۳] ہے کہ بندہ جب طہارت پر سووے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اپنے بیدار ہونے تک نماز پڑھنے والا لکھا جائے گا یا اس کے لباس و بدن میں فرشتہ آجائے گا کہ اگر سونے میں حرکت کرکے خدائے تعالیٰ کا ذکر کرے گا تو فرشتہ اس کے لیے دعائے خیر کرے گا اور خدائے تعالیٰ سے اس کے لیے دعائے مغفرت چاہے گا، اور حدیث[۴] میں ہے کہ جب بندہ طہارت کے ساتھ سوتا ہے تو اس کی روح عرش تک اٹھائی جاتی ہے یہ عام بندوں کے حق میں ہے تو علماء اور صاف دل والوں کے لیے کیوں نہ ہو گا کہ ان کو سونے میں اسرار معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[۵] کہ عالم کا سونا عبادت ہے اور اس کا سانس لینا تسبیح ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا کہ تم شب بیداری میں کیا کرتے ہو، انہوں نے فرمایا کہ میں تمام رات جاگتا ہوں اور کچھ بھی نہیں سوتا، اور قرآن کو بتدریج پڑھتا رہتا ہوں یعنی لگاتار نہیں پڑھتا تھوڑا سا پارہ ایک بار پڑھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ذرا سا پڑھ لیا اور علیٰ ہذا القیاس حضرت معاذ بن جبل رضؓ نے فرمایا کہ میں اول تو سوتا ہوں پھر جاگتا ہوں اور اپنے سونے میں ثواب کی نیت وہی کر لیتا ہوں جو جاگنے میں کرتا ہوں، پھر دونوں حضرات نے یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو فرمایا[۶] کہ معاذ رضؓ تم سے زیادہ فقیہ ہے، اور سونے کے آداب دس ہیں اول طہارت اور مسواک کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۷] کہ جب بندہ طہارت کے ساتھ سوتا ہے تو اس کی روح کو عرش تک لے جاتے ہیں اس وجہ سے اس کا خواب سچا ہوتا ہے۔ اور اگر طہارت پر نہیں سوتا تو اس کی روح وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے اس وقت جو خواب دیکھتا ہے وہ پراگندہ ہوتا ہے سچ نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں طہارت سے مراد ظاہر و باطن دونوں کی طہارت ہے۔ اور غیب کے حجابوں کے برطرف ہونے میں باطن ہی کی طہارت مؤثر ہے دوم یہ کہ مسواک اور وضو کا پانی اپنے سرہانے رکھ لے اور رات کو اٹھنے کی نیت کرے، اور جب آنکھ کھلے جبھی مسواک کرے۔ بعض اکابر سلف کی جتنے بار رات کو آنکھ کھلتی مسواک کر لیتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی[۸] ہے کہ آپ تمام رات میں کئی دفعہ مسواک کرتے۔ ہر سونے کے وقت اور ہر جاگنے کے وقت، اور اگر اکابر کو پانی وضو کا نہ ملتا تھا تو صرف اعضا کو پانی سے مسح کر لیتے تھے اور اگر پانی اس قدر بھی نہ

[ا] بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضؓ ۱۲ [۲] بخاری بروایت عمران بن حصین ۱۲ [۳] ابن حبان بن بروایت ابن عمر رضؓ ۱۲ [۴] ابن مبارک در زہد موقوفاً ابی الدرداء رضؓ ۱۲
[۵] یہ حدیث فقیہ باب الصوم میں گذری مگر عالم کی جگہ صائم ہے ۱۲ [۶] بخاری و مسلم بروایت ابو موسیٰ مگر اس میں حضرت کی خدمت میں عرض کرنا اور آپ کا ارشاد معاذ رضؓ کے فقیہ ہونے کا نہیں، طبرانی نے بڑھا دیا ہے کہ اس صورت میں افضل ہیں ۱۲ [۷] طبرانی در اوسط بروایت علی مرتضیٰ بسند ضعیف ۱۲
[۸] باب اسرار طہارت میں گذری ۱۲

ملنا تو قبلہ رخ بیٹھ کر ذکر اور دعا اور خدائے تعالیٰ کی نعمتوں اور قدرت کے تفکر میں مشغول ہونا چاہیے کہ یہی قائم مقام تہجد کے ہو جائے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے بستر پر آوے اور اس کی نیت یہ ہو کہ رات سے اٹھ کر نماز پڑھوں گا پھر صبح تک اس کی آنکھ نہ کھلی تو جو کچھ اس نے نیت کی تھی وہ اس کے لیے لکھی جائے گی یعنی تہجد پڑھنے کا ثواب ملے گا اور اس کا سو جانا خدائے تعالیٰ کا صدقہ اس کے حق میں ہوگا یہ معلوم رہے کہ جس کسی کو کچھ وصیت کرنی ہو وہ جب بھی سووے اپنی وصیت لکھ کر سرہانے رکھ لے اس لیے کہ سونے میں قبض روح کا خوف ہے اور جو کوئی بدل وصیت مر جاتا ہے اس کو عالم برزخ میں بولنے کی اجازت قیامت تک نہیں ہوتی، مردے اس کی زیارت کو آتے ہیں، اور باتیں کرتے ہیں مگر وہ نہیں بولتا تو آپس میں کہتے ہیں کہ یہ مسکین بدول وصیت کے مرا ہے اور ناگہانی موت کے خوف سے وصیت کر دینی مستحب ہے اور موت ناگہانی مردے کے حق میں تخفیف ہے مگر جو شخص کہ موت کے لیے تیار نہ ہو اور لوگوں کے حق میں پشت در تار رکھتا ہو اس کے حق میں تخفیف نہیں۔ چہارم یہ کہ ہر ایک گناہ سے توبہ کر کے سب مسلمانوں سے صاف دل ہو کر سووے تو نہ کسی کے ستانے کا ذکر اپنے جی میں کرے نہ اٹھنے کے بعد کسی گناہ کا ارادہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۱] کہ جو شخص اپنے بستر پر لیٹے اور کسی کے ستانے کی نیت نہ رکھتا ہو، نہ کسی پر کینہ رکھتا ہو تو جو کچھ اس نے گناہ کیا ہوگا وہ بخشا جائے گا۔ پنجم یہ کہ عمدہ بچھونے بچھانے سے آرام طلب نہ ہو، بلکہ بچھونے کو ترک کرے یا اس کے باب میں میانہ روی اختیار کرے۔ بعض اکابر سلف بچھونا بچھانا مکروہ جانتے تھے اور سونے کے لیے اس کو تکلف سمجھتے تھے اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم سونے کے لیے زمین پر کچھ اپنے نیچے نہ ڈالتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم خاک ہی سے پیدا ہوئے اور اسی میں جائیں گے۔ اور اس امر کو اپنے دلوں کی نرمی اور نفسوں کی تواضع میں زیادہ مؤثر جانتے تھے۔ پس اگر کسی شخص کا دل اس مشقت کو گوارا نہ کرے تو اوسط درجہ کا بچھونا بچھائے۔ ششم یہ کہ جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو تب تک نہ سووے اور نیند کو زبردستی اپنے اوپر نہ لائے ہاں جس صورت میں کہ آخر شب کو اٹھنے کے لیے سونے سے مدد چاہے تو البتہ بہ تکلف سو رہنے کا مضائقہ نہیں، اکابر سلف کا سونا غلبۂ نیند کی حالت میں ہوا کرتا تھا اور کھانا فاقہ کی صورت میں اور بولنا ضرورت کے وقت میں، اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف فرمایا۔[ح۱] کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون اور اگر نیند اتنی غالب ہو کہ نماز اور ذکر کی مانع ہو اور یہ نہ جانے کہ کیا کر رہا ہے، تو چاہیئے کہ سو رہے جب تک کہ اپنا قول سمجھنے لگے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھ کر اونگھنے کو مکروہ جانتے تھے اور ایک حدیث[ح۲] میں ہے کہ رات میں سختی مت کھینچو، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا[ح۳] کہ فلاں عورت رات کو نماز پڑھتی ہے جب اس پر نیند غالب ہوتی ہے تو ایک رسی میں لٹک جاتی ہے، آپ نے اس امر سے ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی رات میں جس قدر ہو سکے، نماز پڑھے اور جب اس کو نیند کا غلبہ ہو تو سو رہے۔ اور فرمایا کہ عمل[ح۴] میں سے اسی قدر کرو جس کی

[ح۱] نسائی و ابن ماجہ بروایت ابوداؤد ۱۲ [ح۲] ابن ابی الدنیا بروایت انس رض بسند ضعیف ۱۲ [ت۳] وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے ۱۲
[ح۴] ابو منصور اور مسند فردوس بروایت انس رض بسند ضعیف ۱۲ [ح۵] بخاری و مسلم بروایت انس رض ۱۲ [ح۶] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲

طاقت رکھتے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر گز نہیں تھکتا جب تک تم نہ تھکو، اور فرمایا[ا] کہ اس دین میں سے بہتر وہ ہے جو آسان تر ہو، اور کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص نماز پڑھتا ہے اور سوتا نہیں اور روزے رکھتا ہے تو افطار نہیں کرتا، آپؐ نے فرمایا کہ میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، یہ میرا طریق ہے، جو اس طریق سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں، اور فرمایا کہ اس دین سے مقابلہ نہ کرو یہ مضبوط ہے اور جو کوئی اس سے مقابلہ کرے گا یعنی بتکلف اپنی طاقت سے زیادہ کام کا التزام اپنے ذمہ کرے گا تو دین ہی اس پر غالب آئے گا بس اپنے نفس کے نزدیک عبادتِ الٰہی کو برا نہ ٹھہراؤ ہفتم یہ کہ قبلہ رُخ ہو کر سوئے اور قبلہ رخ ہونا دو طرح ہے۔ ایک تو ایسی طرح جیسے مرنے والا لٹایا جاتا ہے یعنی چت لیٹے کہ منہ اور تلوے قبلہ کی طرف رہیں اور دوسری طرح لحد میں کی صورت ہے کہ داہنی کروٹ پر لیٹ کر منہ اور سامنے کا حصہ بدن کا قبلہ کی طرف کو کرے ہشتم یہ کہ سونے کے وقت دعا مانگے اور کہے باسمك ربي وضعت جنبي وبك ارفعه آخر دعاؤں ماثورہ تک جو ہم باب نہم میں لکھ آئے ہیں۔ اور مستحب ہے کہ سونے کے وقت خاص آیتیں پڑھے مثلاً آیۃ الکرسی اور آخر سورۂ بقر اور[۲] والهكم الله واحد لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم ان في خلق السمٰوٰت و الارض واختلاف الليل والنهار والفلك التي تجري في البحر بما ينفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحيا به الارض بعد موتها وبث فيها من كل دآبة وتصريف الريح والسحاب المسخر بين السماء والارض لاٰيٰت لقوم يعقلون ٥ کہتے ہیں کہ جو کوئی اس آیت کو سوتے وقت پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ اس کو کلام مجید یاد کرائے کہ کبھی نہ بھولے اور سورۂ اعراف میں سے یہ آیتیں پڑھے، ان ربكم الله الذي خلق السمٰوٰت والارض في ستة ايام ثم استوى على العرش يغشي الليل النهار يطلبه حثيثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارك الله رب العٰلمين ادعوا ربكم تضرعا وخفية انه لا يحب المعتدين ولا تفسدوا في الارض بعد اصلاحها وادعوه خوفا وطمعا ان رحمة الله قريب من المحسنين اور قل ادعوا الله سے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر تک کہ ان کے پڑھنے سے ایک فرشتہ اس کے لباس میں داخل ہو کر اس کی حفاظت

[ا] یہ حدیث باب العمل میں گذری ۱۲ ح بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ ح بخاری نے بروایت ابو ہریرہؓ اور الفاظ نقل کیے ہیں اور بیہقی نے بروایت جابرؓ دوسرے الفاظ اور احیاء کے الفاظ ان دونوں روایتوں کے الفاظ سے مختلف ہیں ۱۲ [۲] اور تمہارا رب اکیلا ہے اور کسی کو بندگی نہیں اس کے سوا، بڑا مہربان ہے رحم والا آسمان اور زمین کو بنانا اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی جو لے کر چلتی ہے دریا میں جو چیزیں کام آویں لوگوں کو، اور وہ جو اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر جلایا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بکھیرے ان میں ہر قسم کے چارپائے، اور پھرنا ہواؤں کا۔ اور ابر جو حکم خدا کا تابع ہے درمیان آسمان و زمین کے ان میں نمونے ہیں عقلمند لوگوں کو ۱۲ [۵] تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر بیٹھا تخت پر ڈھانپتا ہے رات پر دن اس کے واسطے آتا ہے اور سورج اور چاند اور تارے کام لگے اس کے حکم میں کہ اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا بڑی برکت اللہ کی جو صاحب ہے سارے جہان کا۔ پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے اور مت خرابی مچاؤ زمین میں اس کے سنوارنے پیچھے اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے، بیشک اللہ نزدیک ہے نیکی کرنے والوں کے ۱۲

کرتا ہے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اور معوّذتین کو پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر اور تمام بدن پر پھیر لے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل اسی طرح مروی ہے[1] اور دس آیتیں سورۂ کہف کے شروع کی اور دس آیتیں اس کے آخر کی پڑھ لے، یہ آیتیں رات کو آنکھ کھلنے کے لیے ہیں کہ تہجد کے وقت جاگ اٹھے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ جس شخص کی عقل کامل ہو، وہ بدوں سورۂ بقرہ کی دو آخر کی آیتوں کے پڑھے سو رہے، اور پچیس پچیس بار یہ کہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، تاکہ چاروں کلمات مل کر سو بار ہو جاویں نہم یہ کہ سونے کے وقت یہ دھیان کرے کہ سونا ایک طرح کی وفات ہے اور جاگنا ایک طرح کا جی اٹھنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا[2] اور فرمایا ھو الذی یتوفاکم باللیل[3]۔ غرضکہ سونے کو وفات کے نام سے ذکر فرمایا اور جس طرح کہ جاگنے والے کو سونے میں وہ مشاہدات منکشف ہوتے ہیں جو اس کے حالات کے مناسب نہیں ہوتے۔ اسی طرح مرنے کے بعد جو شخص اٹھتا ہے وہ ایسی چیزیں دیکھتا ہے کہ کبھی اس کے دل میں نہ گذری ہوں اور نہ حس سے محسوس ہوئی ہوں اور زندگی اور موت کے درمیان میں سونا ایسا ہے جیسے دنیا و آخرت کے درمیان میں برزخ ہے۔ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا کہ بیٹا اگر تجھ کو موت میں شک ہے تو سونا مت، جیسے تو سو جاتا ہے ویسے ہی مر جائے گا۔ اور اگر تجھ کو مرنے کے بعد جی اٹھنے میں تردد ہے تو سو کر جاگیو مت کہ جیسے سونے کے بعد جاگتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد جی اٹھے گا۔ اور کعب احبارؓ نے فرمایا کہ جب تو سوئے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ اور منہ قبلہ کی طرف کو کر، سونا بھی ایک مرنا ہے، اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[4] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سوتے تو اپنا رخسار مبارک داہنے ہاتھ پر رکھ لیتے اور جانتے کہ اسی رات میں وفات پاؤں گا اور سب سے آخر دعا آپ کی اس وقت یہ ہوتی اللھم رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم ربنا ورب کل شئی وملیکہ آخر دعا تک جو ہم نے باب الدعوات میں مذکور کی ہے غرض کہ بندے کا حق یہ ہے کہ سوتے وقت اپنے دل کو ٹٹولے کہ کس بات پر سوتا ہے اور اس وقت دل پر کیا چیز غالب ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ملنے کی محبت غالب ہے یا دنیا کی محبت زیادہ ہے۔ اور بعد اس کے یقین کرلے کہ میری موت بھی اسی حال پر ہوگی جو دل پر غالب ہے اور اسی پر حشر ہوگا کہ آدمی جس شخص اور جس چیز سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ رہتا ہے دہم جاگنے کے وقت دعا پڑھنا تو جب کبھی جاگے اور کروٹ لے اس وقت وہ دعا پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا کرتے تھے[5] لا الٰہ الا اللہ الواحد القھار رب السمٰوٰت والارض وما بینھما العزیز الغفار۔ اور اس بات میں کوشش کرے کہ سونے کے وقت بھی سب سے پیچھے دل پر خدا تعالیٰ کا ذکر جاری رہے اور جاگنے کے وقت بھی سب سے اوّل ذکر اللہ دل پر جاری ہو کہ یہ محبت کی پہچان ہے، اور ان دونوں حالتوں میں دل اسی چیز کے ساتھ رہے گا جو اس پر غالب ہو، چاہے آزما دیکھے کہ یہ علامت محبت دل کے اندر سے معلوم ہوا کرتی

---

[1] بخاری ومسلم بروایت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [2] اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا جو نہیں مریں ان کی نیند میں ۱۲ [3] اور وہی ہے کہ تم کو پھیر لیتا ہے رات کو ۱۲ [4] یہ حدیث باب الدعا میں گذری مگر رخسار کا ہاتھ پر رکھنا بروایت عائشہؓ نہیں ہے بلکہ بروایت حفصہؓ ہے چنانچہ پیشتر مذکور ہوا ۱۲ [5] ابن السنی وابو نعیم بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲

ہے اور یہ ذکر اسی لیے مستحب ہوئے ہیں کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف کشش ہو پس جب آنکھ کھلے اور اٹھنا چاہے تو کہے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ آخر دعا تک جو ہم جاگنے کی دعاؤں میں لکھ آئے ہیں چوتھا وقت رات کے وظیفوں کا آدھی رات گذر جانے سے شروع ہوتا ہے اور اس کی انتہا اس وقت تک ہے کہ رات کا چھٹا حصہ باقی رہ جائے اس وقت میں آدمی کو تہجد کے لیے اٹھنا چاہئیے کیونکہ تہجد وہی ہے جو بعد ہجو یعنی خواب کے ہو اور سونا آدھی رات تک ہوگیا، اور یہ وقت دن کے اوقات میں سے مشابہ ہے کہ وہ بھی دن کے بیچا بیچ میں ہے اور یہ رات کے ٹھیک درمیان میں اور اسکی قسم اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے چنانچہ واللیل اذا سجی یعنی قسم ہے رات کی جب ٹھہر جاوے اور اس کا ٹھہرنا اور آرام اسی وقت میں ہوتا ہے کہ کوئی آنکھ اس وقت جاگتی نہیں بجز اس ذات پاک کی آنکھ کے جس کو اونگھ اور نیند کچھ نہیں اور بعضوں نے یہ معنی کیے ہیں کہ قسم ہے رات کی جب کھنچ آوے اور لمبی ہو اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سجٰی کے معنی ہیں تاریک ہو، بہر حال اس وقت کی فضیلت میں کچھ شک نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ رات کے اجزا میں سے کون سا جزو ہے جس میں دعا زیادہ سنی جاتی ہے اور مستحق قبولیت ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا[1] کہ رات کا درمیانی حصہ۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی میں چاہتا ہوں کہ تیری عبادت کروں۔ پس سب سے بہتر وقت اس کے لیے کون سا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی بھیجی کہ اے داؤد، نہ اول شب میں اٹھ نہ آخر میں، کیونکہ جو اول شب میں جاگتا ہے وہ آخر شب میں سو رہتا ہے اور جو آخر میں جاگتا ہے وہ اول میں نہیں جاگتا، اس صورت میں تو رات کے ٹھیک درمیان میں عبادت کر تاکہ تو میرے ساتھ تنہا ہو اور میں تیرے ساتھ تنہا ہوں، اور تیری حاجتوں کو پورا کروں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ رات کا کون سا حصہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا[2] کہ نصف شب آخرین بہتر ہے اور آخر شب کے باب میں احادیث[3] میں آیا ہے کہ عرش جھومتا ہے اور جنات عدن سے ہوائیں پھیلتی ہیں، اور آسمان دنیا پر جناب باری تعالیٰ کا نزول اور اجلال ہوتا ہے اور سوا اس کے اور بہت سے فضائل وارد ہیں اور اس وقت کے وظیفہ کی ترتیب یہ ہے کہ جب جاگنے کی دعاؤں سے فارغ ہو تو بموجب بیان سابق برعایت آداب وسنن وضو کرے اور اس کی دعائیں پڑھتا جائے، پھر اپنی جانماز پہ آکر قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو، اور یہ کہے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا پھر دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد للہ اور دس بار لا الہ الا اللہ پھر کہے اللہ اکبر ذو الملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ والجلال والقدرۃ۔ پھر یہ کلمات کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ تہجد کے وقت ان کو پڑھا کرتے تھے[4] اللھم لک الحمد انت نور السموٰت والارض ولک الحمد انت قیام السموٰت والارض ومن فیھن ومن علیھن

---

[1] ابو داؤد و ترمذی بروایت عمر بن عنبسہ [2] احمد بن حبان بروایت ابوذر و عمر بن عنبسہ [3] بیان نزول باری تعالیٰ پہلے گذر چکا ہے اور باقی فضائل آثار میں آئے ہیں محمد بن نصر بروایت سعید جریری نقل کیے ہیں [4] بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ مگر اس میں اموات الارض والحمد انت زین السموٰت والارض ومن علیھن اور منک الحق نہیں۔ الٰہی سب تعریفیں تجھ کو ہیں تو ہی روشن کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور تجھی کو تعریف ہے تو ہی خوبی آسمانی اور زمین کی، اور تجھی کو حمد ہے، تو ہی زینت آسمانوں اور زمین کا اور تجھی کو تعریف ہے، تو ہی قائم رکھنے والا زمین اور آسمانوں کو اور جو کچھ (باقی صفحہ ۵۳۶)

انت الحق ومنك الحق ولقاءك حق والجنة حق والنار حق والنشور حق والنبیون حق ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم حق اللھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت انت المقدم وانت المؤخر لا الٰہ الا انت اللھم اٰت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولٰھا اللھم اھدنی لاحسن الاعمال فانہ لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لایصرف عنی سیئھا الا انت اسئلک مسئلۃ البائس المسکین وادعوک دعاء المفتقر الذلیل فلا تجعلنی بدعاء رب شقیا وکن بی رءُوفا رحیما یا خیر المسئولین واکرم المعطین۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھتے اور نماز شروع کرتے تو یہ فرماتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔ پھر نماز شروع کرے اور دو رکعتیں چھوٹی پڑھے پھر دو دو رکعتیں بڑی پڑھے، اور اگر وتر پہلے نہ پڑھے ہوں تو وتر پر خاتمہ کرے۔ اور مستحب ہے کہ جب دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے تو ہر سلام کے بعد سو دفعہ سبحان اللہ کہے تاکہ آرام مل جاوے اور نماز کا سرور زیادہ ہو اور صحیح روایت میں آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز شب اول دوگانہ خفیف پڑھا، پھر دوگانہ لمبا ادا کیا، پھر تیسرا دوگانہ دوسرے کی نسبت کم اور چوتھا تیسرے کی نسبت کم، اور اسی طرح ادا فرمائے، یہاں تک کہ تیرہ رکعتیں ہو گئیں۔ اور حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت صلعم نماز تہجد میں قرأت آواز سے پڑھتے تھے یا آہستہ، آپ نے فرمایا کہ کبھی آواز سے آواز سے اور کبھی آہستہ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں اور جب تجھ کو صبح ہو جانے کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۵) ان کے اندر ہے اور جو ان کے اوپر ہے تو سچا ہے اور سچ تجھ ہی سے ہے اور تیرا دیدار حق ہے اور اٹھنا حق ہے اور انبیاء حق ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہیں، اس میں تیرے لیے فرمانبردار ہوا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری مدد کے ساتھ اعدائے دین سے جھگڑا کیا اور تیری طرف فریاد لایا، پس بخش دے مجھ کو وہ گناہ جو میں نے پہلے کیے اور جو خفیہ کیا اور جو ظاہر کیا اور جو تو زیادہ جانتا ہے ان کو مجھ سے تو ہے آگے بڑھانے والا مغفرت میں اور تو ہے پیچھے ہٹانے والا کوئی نہیں معبود سوائے تیرے ۱۲ ح الٰہی دے میرے نفس کو اس کا تقویٰ، اور اس کو پاک کر، تو ہے اس کا والی اور آقا ۱۲ احمد بروایت عائشہؓ ح الٰہی ہدایت کر مجھ کو عمدہ ترین اعمال کی کہ تیرے سوا عمدہ تر اعمال کی ہدایت کوئی نہیں کرتا اور پرے ہٹا دے مجھ سے برے افعال، کوئی نہیں ہٹا دے گا مجھ سے میرے اعمال کو کوئی سوا تیرے ۱۲ مسلم بروایت علی مرتضیٰؓ اور اس میں اعمال کی جگہ اخلاق ہے ۱۲ ح میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے سختی زدہ مسکین سوال کرے اور تجھ کو پکارتا ہوں جیسے فقیر ذلیل پکارے، پس تو مجھ کو اپنے پکارنے میں محروم مت فرما اور مجھ پر مہربانی اور رحم والا رہ بہتر ان کے جن کو کوئی پکارے اور اے زیادہ بخشش دینے والوں کے ۱۲ طبرانی در صغیر بروایت ابن عباسؓ کہ آپ نے یہ دعا عرفہ کی شام کو مانگی ۱۲ ح مسلم ۱۲ ح اے پروردگار جبریل اور میکائیل کے اور اسرافیل کے، بنانے والے آسمانوں اور زمین کے جاننے والے پوشیدہ اور ظاہر کے تو حکم کرے گا اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے، راہ دکھا مجھ کو حق بات کی کہ اس میں اختلاف ہو گیا، سوا اپنے حکم سے جب تک تو ہدایت کرتا ہے جس کو چاہے ہدایت راہ راست کی طرف لاح مسلم بروایت ابن خالد جہنی ۱۲ ح ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ اوپر گذری ۱۲

خوف ہو تو ایک رکعت کا وتر ادا کرو۔ اور فرمایا کہ مغرب کی نماز دن کی نمازوں کو طاق کر دیتی ہے تو رات کی نماز کو طاق کر دو۔[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو زیادہ سے زیادہ رکعتیں تہجد کی پڑھنی ثابت ہوئی ہیں وہ تیرہ ہیں[2] کہ آپ ان رکعات میں قرآن مجید کا معمولی ورد خواہ مخصوص سورتوں میں سے جو آپ کے اوپر ہلکی ہوتیں، پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ مخصوص سورتیں بھی ورد ہی کے حکم میں تھیں اور جب تک کہ قریب رات کا چھٹا حصہ پچھلا نہ آجاتا تب تک آپ یہ رکعتیں پڑھتے رہتے پانچواں وقت رات کے وظیفوں کا رات کا چھٹا حصہ پچھلا ہے جس کا نام وقت سحر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وبالاسحارھم یستغفرون یعنی سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ اس کے معنی بعض یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں کیونکہ نماز میں استغفار ہوتا ہے اور یہ وقت فجر کے وقت کے قریب ہے جس وقت کہ رات کے فرشتوں کے لوٹ جانے اور دن کے فرشتوں کے آنے کا وقت ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ حضرت سلمان نے اپنے بھائی ابو درداء کو بتایا جس شب وہ حضرت ابو درداء رض کی ملاقات کو تشریف لائے تھے۔ یہ قصہ ایک بڑی حدیث میں مذکور ہے اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب رات ہوگئی تو حضرت ابو درداء رض نماز کو چلے حضرت سلمان رض نے فرمایا کہ سو رہو، وہ سو گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کر چلے، انہوں نے فرمایا کہ سو رہو، وہ سو رہے، جب صبح کا وقت قریب ہوا، اس وقت حضرت سلمان نے ان کو فرمایا کہ اب اٹھ کر نماز پڑھو، پھر دونوں نے تہجد پڑھا، اور حضرت سلمان نے ان کو فرمایا کہ تمہارے اوپر کچھ حق تو تمہارے نفس کا ہے اور کچھ مہمان کا اور کچھ تمہاری بیوی کا، تو سب حقداروں کا حق ادا کرنا چاہیے، اور اس کہنے کی وجہ یہ تھی، کہ حضرت ابو درداء رض کی بی بی نے حضرت سلمان سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے بھائی رات بھر نہیں سوتے، پھر صبح کو دونوں صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کی گفتگو خدمت مبارک میں عرض کی، آپ نے فرمایا کہ سلمان رض نے درست کہا، غرض کہ یہ پانچواں وقت ہے اس میں سحر کھانی مستحب ہے یعنی اگر صبح صادق ہو جانے کا خوف ہو تو اس وقت میں کھائے اور وظیفہ اس وقت اور چوتھے وقت کا نماز ہی ہے اور صبح صادق ہو جائے تو اب رات کے وظیفوں کا خاتمہ ہوا دن کے اوقات شروع ہو گئے تو اس وقت اٹھ کر فجر کی سنتیں پڑھے اور یہی معنی ہیں اس آیت کے فسبحہ وادبار النجوم یعنی اس کی پاکی بول اور ستاروں کے پیٹھ دے پیچھے پھر یہ آیت پڑھے شھد اللہ انہ لا الہ الا اللہ ھو والملائکۃ واولو العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم[3] پھر یہ کہے وانا اشھد بما اشھد اللہ بہ والملائکۃ واولو العلم من خلقہ واستودع اللہ ھذہ الشھادۃ وھی لی عند اللہ ودیعۃ واسالہ حفظھا حتی یتوفانی علیھا اللھم احطط بھا عنی وزرا واجعل لی بھا عندک ذخرا واحفظھا علی وتوفنی علیھا حتی القاک بھا غیر مبدل تبدیلا۔[4] بالغرض کہ اوقات کی ترتیب عابدوں

---

[1] احمد بروایت ابن عمر رض ۱۲ [2] بخاری بروایت ابو ہریرہ ۱۲ [3] اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے، وہی حاکم انصاف ہے، کسی کو بزرگی نہیں سوائے اس کے زبردست ہے حکمت والا ہے ۱۲ [4] اور میں گواہی دیتا ہوں جس بات کی گواہی دی اللہ نے اپنی ذات کے لیے اور گواہی دی اس کے فرشتوں نے اور علم والوں نے اس کی مخلوق سے اور میں سپرد کرتا ہوں اللہ کو یہ گواہی اور وہ میرے لیے اللہ کے پاس امانت ہے، اور میں اللہ سے سوال کرتا ہوں اس کی حفاظت کا، یہاں تک کہ مارے مجھ اس پر، الٰہی اس گواہی سے میرے گناہ مجھ سے دور کر اور میرے لیے اس کے سبب سے اپنے پاس ذخیرہ کر اور اس کو مجھ پر حفاظت کر اور اس پر مجھ کو موت دے یہاں تک کہ میں تجھ سے گواہی کے ساتھ ملوں اور اس میں کچھ تبدیلی نہ ہو۔

کے لیے یہ بھی جو مذکور ہوئی اور اکابر سلف ان باتوں کے سوا ہر روز چار باتیں اور بھی مستحب جانتے تھے، روزہ رکھنا اور صدقہ دینا اگرچہ کم ہی ہو اور بیمار کو پوچھنا اور جنازے پر حاضر ہونا کہ حدیث شریف[1] میں ہے کہ جو کوئی ان چار باتوں کو ایک دن میں کرے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا، اور اگر اتفاق سے ان چیزوں میں سے کچھ میسر ہوں اور کچھ نہ ہوں تو اس کو ثواب سب باتوں کا نیت کے بموجب ملے گا۔ اور پہلے لوگ اس بات کو برا جانتے تھے کہ سارا دن گذر جائے اور کچھ خیرات نہ کریں گو ایک خرما یا پیاز یا روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں آدمی اپنے صدقہ کے سایہ تلے رہے گا جب تک کہ آدمیوں میں حکم اخیر ہو۔ ایک حدیث[2] میں ارشاد فرمایا کہ آگ سے بچو، اگر خرمے کا ایک ٹکڑا ہی دے کر ہو، اور حضرت عائشہ رضہ نے ایک سائل کو صرف ایک انگور دیا، اس نے لیا وہاں جو لوگ موجود تھے سبھوں نے ایک دوسرے کی طرف تاکنا شروع کیا حضرت عائشہ رضہ نے ان کو فرمایا کہ تم کو کیا ہوا ہے اس انگور میں بہت سے ذروں کا وزن بھی ہے یعنی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ایک ذرہ کے برابر خیر کرے گا وہ دیکھ لے گا تو اس میں تو بہت سے ذرے ہیں۔ اور اکابر سلف سائل کا پھیر دینا اچھا نہ جانتے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریف ایسی ہی تھی، ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی نے کچھ مانگا اور آپ نے انکار کر دیا ہو، ہاں اگر اس کے دینے پر آپ کو قدرت نہ ہوتی تو چپ ہو جاتے تھے[3]، ایک اور حدیث[4] میں ہے کہ ابن آدم صبح کرتا ہے اس حال میں کہ اس کے بدن کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ ہوتا ہے اور بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں پس اچھی بات کے لیے تیرا کہنا صدقہ ہے اور بری بات سے منع کرنا صدقہ ہے اور ضعیف کی طرف سے کفیل ہونا صدقہ ہے اور راستہ بتانا صدقہ ہے اور ایذا کی چیز کا دور کرنا راستے میں صدقہ ہے، یہاں تک کہ سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کہنے کو بھی ذکر فرمایا، پھر فرمایا کہ دو[5] رکعتیں چاشت کی صدقہ ہیں ان سب کو ادا کرنا یا یوں فرمایا کہ یہ سب اپنے لیے جمع کرنی چاہیئیں۔

حالات کے اختلافات کے سبب معمولات میں تبدیلی

جاننا چاہیئے کہ جو شخص آخرت کی کھیتی کرنی چاہتا ہے اور طریق آخرت اختیار کرتا ہے وہ چھ حال سے خالی نہیں، یا عابد ہوگا یا عالم یا طالب علم یا حاکم یا اہل حرفہ یا موحد کہ واحد پاک میں مستغرق رہے اس کے سوائے کی طرف التفات نہ کرے۔ اب ان سب کے معمولی وظائف جدا جدا ہیں۔ تفصیل سننا چاہیئے، اول عابد یعنی وہ شخص کہ محض عبادت کے لیے ہو رہے اس کے سوا کوئی کام اس کو نہ ہو، اور اگر عبادت کو چھوڑ دے تو نکما بیٹھا رہے اس لیے اوقات وظائف کی ترتیب وہی ہے جو ہم نے دن رات کے اوقات میں ذکر کی اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس کے وظائف میں اندر کے اختلاف اس طرح کہ اپنے اکثر اوقات کو صرف نماز میں یا تلاوت میں یا سبحان اللہ کہنے میں مستغرق کر دے کہ صحابہ رضہ میں بعض کا وظیفہ ایک دن میں بارہ ہزار دفعہ تسبیح کا تھا اور بعض ان میں سے ایسے تھے کہ تیس ہزار بار سبحان اللہ کہتے تھے اور بعضوں کا معمول تین سو رکعتوں سے لے کر چار سو اور ہزار رکعت کا تھا اور کم سے کم رکعتیں جو ان سے

---

[1] مسلم بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲ [2] باب زکوٰۃ میں گذری ۱۲ [3] باب زکوٰۃ میں گذری ۱۲ [4] مسلم بروایت جابر رضہ ۱۲ [5] مسلم بروایت ابوذر رضہ ۱۲

مروی ہیں وہ دن رات میں ہزار رکعتیں پڑھتے تھے، اور بعضوں کا وظیفہ کثرت سے قرآن پڑھنے کا تھا کہ کوئی ایک روز میں ختم کرتا تھا اور کسی سے دن میں دو ختم مروی ہیں اور بعض ایسے تھے کہ ایک دن یا تمام رات ایک ہی آیت کی فکر میں گذار دیتے تھے اور اسی کو بار بار پڑھتے جاتے تھے، اور کرز بن دبرہ مکہ معظمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک روز میں ستر طواف سات پھیروں کے کیا کرتے اسی طرح ہر شب میں ستر طواف کرتے تھے اور باوجود اس کے دن رات میں دو ختم قرآن مجید کے بھی کر لیتے تھے، اب اگر اس کا حساب لگاؤ تو دن رات کے طوافوں میں قریب پچاس کوس کے تو مسافت پڑتی ہے اور ہر سات پھیروں کے بعد دو رکعتیں طواف کی جمع کرنے سے دو سو اسی رکعتیں ہوتی ہیں اور دو ختم قرآن کے ہوئے تو بہت بڑی مشقت ہوئی۔ اب اگر یہ کہو کہ ان وظائف میں سے اکثر اوقات کس وظیفہ میں صرف کرنے بہتر ہیں تو اس کا حال یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہو کر قرآن مع تامل اور سمجھ کے پڑھنا سب باتوں کو شامل ہے لیکن چونکہ مواظبت کرنی مشکل ہے اس لیے ہر شخص کے حال کے لحاظ سے بہتر وظیفہ مختلف ہو گا، اور غرض وظیفوں سے دل کا تزکیہ اور پاک کرنا اور زیور ذکر الٰہی سے اس کو آراستہ کرنا اور ذکر سے اس کو پرچانا ہے تو طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل پر غور کرے اور جس بات کا اثر اس میں زیادہ ہو اسی پر مواظبت کرے اور جب اس سے دل کو تھکن اور اکتا معلوم کرے تو دوسرا وظیفہ بدل لے اور اسی واسطے اکثر خلق کے حق میں ان امور خیر کا مختلف اوقات میں بموجب تفصیل گذشتہ کے بانٹنا اور قسم سے دوسری قسم کو بدلتے رہنا ہی ہم کو اچھا معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اکتا جانا سرشت انسانی پر غالب ہے اور ہر ایک شخص کے حالات اس باب میں بھی مختلف ہیں مگر جب وظائف کی غرض اور اصل معلوم ہو گئی تو جس وظیفہ سے اصل غرض حاصل ہوتی ہو اسی کو اس وقت اختیار کرنا چاہیئے مثلاً اگر کوئی تسبیح سنے اور اس کی تاثیر اپنے دل میں پائے تو اس کی تکرار پر مواظبت کرے جب تک اس کی تاثیر ہو۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم بعض ابدال کی نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک رات دریا کے کنارے نماز پڑھتے تھے کہ ایک آواز بلند تسبیح کی سنی اور کسی کو نہ دیکھا، تب کہا کہ تو کون ہے کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور جسم نہیں دیکھتا، اس نے کہا میں فرشتہ ہوں اور اس دریا پر معین ہوں، جب سے میں پیدا ہوا ہوں اسی تسبیح سے خدائے تعالیٰ کی پاکی بولتا ہوں، پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے، کہا مہلہیال، ان ابدال نے پھر پوچھا کہ اس تسبیح کے پڑھنے والے کا ثواب کیا ہے اب فرشتے نے کہا کہ جو کوئی اس کو سو بار پڑھ لے وہ مرنے سے پیشتر اپنی جگہ جنت میں دیکھ لیتا ہے یا اس کو دکھلا دی جاتی ہے اور وہ تسبیح یہ تھی سبحان الله العلی الدیان سبحان الشدید الارکان سبحان من یذهب باللیل ویاتی بالنهار سبحان من لایشغله شان عن شان سبحان الله الحنان المنان سبحان الله المسبح فی کل مکان[1]۔ پس یہ تسبیح یا اور ایسی ہی اگر طالب پڑھے اور دل میں اس کی تاثیر پاوے تو اس کا التزام کرے اور جس چیز سے دل میں اثر ہو اور خیر کا دروازہ اس کے منہ پر اس سے کھلتا ہو اسی پر مواظبت کرے دوم عالم جو فتویٰ دینے اور پڑھانے اور تصنیف کرنے سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہو تو اس کے اوراد کی ترتیب عابد کے وظائف

---

[1] پاکی بیان کرتا ہوں میں اللہ برتر جزا دینے والے کی پاکی بیان کرتا ہوں اللہ مضبوط طرفوں والے کی پاکی بیان کرتا ہوں میں اس کی جو رات کو لے جاتا ہے اور دن کو لاتا ہے، پاکی بیان کرتا ہوں میں اس کی جس کو ایک کام دوسرے سے نہیں روکتا، پاکی بولتا ہوں اللہ شفقت کرنے والے کی، پاکی کہتا ہوں اللہ کی جو ہر جگہ میں پاک بیان کیا جاتا ہے ۱۲

سے مختلف ہے کیونکہ عالم کو کتابوں کا مطالعہ کرنا اور تصنیف کرنا اور پڑھانا ضروری چیزیں ہیں اور ان کے لیے وقت درکار ہے پس اگر وہ اپنے سارے اوقات انہیں امور میں مستغرق کر دے تو فرائض و سنن کے بعد اور کوئی چیز اس سے بڑھ کر نہیں اور باب العلم میں جو ہم نے پڑھنے پڑھانے کی فضیلت ذکر کی ہے وہ اس کی دلیل ہے اور کیسے نہ ہو کہ علم میں تو ذکرِ الٰہی کی مواظبت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم کے قول میں تامل کرنا ہی ہوتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور طریقِ آخرت بتانا اسی سے ہوتا ہے۔ اکثر مسائل ایسے ہیں کہ ان میں سے طالب علم ایک سیکھ کر اپنی عمر بھر کی عبادت کی اصلاح کر لیتا ہے اور اگر اس کو نہ سیکھتا تو سعی رائگاں جاتی، اور ہماری غرض اس علم سے جو عبادت پر مقدم ہے وہ علم ہے، جو لوگوں کو آخرت کی ترغیب دلوے اور دنیا میں ان کو زاہد کر دے اور جب اس کو سلوک طریقِ آخرت کی مدد کے لیے سیکھیں تو اس باب میں اس کا ممد ہو اور وہ علوم مراد نہیں ہیں جن سے مال وجاہ اور لوگوں کے درمیان مقبول ہونے کی خواہش زیادہ ہو، اور عالم کے حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ اپنے اوقات کو کاموں کے لیے بانٹ دے کیونکہ سارے اوقات تعلیم میں بسر کرنے کی تاب طبیعت کو نہ ہوگی۔ اس صورت میں تقسیم اوقات یوں مناسب ہے کہ صبح سے آفتاب نکلنے تک تو ذکر اور وظائف کے لیے کر دے جیسے ہم نے دن کے اوقات میں پہلے وقت کا حال لکھا ہے اور طلوع کے بعد سے دوپہر تک پڑھانے میں صرف کرے بشرطیکہ کوئی شخص آخرت کے لیے پڑھنا چاہتا ہو، اور اگر ایسا طالب علم نہ ہو تو اس وقت کو فکر میں بسر کرے اور وہ چیزیں سوچے جو علوم دینی میں سے اس پر مشکل ہوں اس لیے کہ ذکر کرنے کے اور دنیا کے تردّدات میں مشغول ہونے سے پیشتر دل کی صفائی مشکلات کے سمجھنے پر ممد ہوا کرتی ہے اور دوپہر سے عصر تک تصنیف اور کتاب بینی میں صرف کرے اور اس کو بجز کھانے اور پاخانہ اور فرض نماز اور دن کو تھوڑا سا سونے کے اوقات کے اور کسی وقت میں ترک نہ کرے اور دن کا سونا بھی ایسی صورت ہے کہ دن بڑا ہو اور عصر سے آفتاب کے زرد ہونے تک جو کوئی تفسیر اور حدیث اور علم مفید اس سے پڑھے، اس کے سننے میں مشغول رہے اور آفتاب کے زرد پڑ جانے سے غروب تک استغفار اور تسبیح میں مشغول رہے غرضیکہ اول وقت طلوع سے پیشتر کا تو عمل زبانی میں گذرے گا اور دوسرا وقت دوپہر تک دل کے عمل میں بسر ہوگا اور تیسرا وقت عصر تک آنکھ اور ہاتھ کے عمل میں تمام ہوگا کہ آنکھوں سے مطالعہ کرے گا اور ہاتھوں سے لکھے گا اور چوتھا وقت عصر کے بعد کا کان کے عمل میں ختم ہوگا تاکہ آنکھ اور ہاتھ آرام لے لیں اور نیز بعد عصر کے لکھنے اور مطالعہ کرنے سے کبھی آنکھ کو ضرر بھی ہوا کرتا ہے اور پانچواں وقت روزی کے بعد کا، پھر ذکر زبانی میں مصروف ہوگا۔ اس صورت میں کوئی حصہ دن کا اعضاؤں کے اعمال سے خالی بھی نہ رہے گا اور سب میں دل بھی حاضر رہے گا اور رات کی تقسیم عالم کے باب میں وہی بہت ہے جو امام شافعیؒ نے کر رکھی تھی کہ رات کے تین حصے کرتے، ایک تہائی تو مطالعہ اور علم پڑھانے کے لیئے دوسری تہائی درمیان شب کی نماز کے لیے اور پچھلی سونے کے واسطے اور یہ بات تو جاڑوں میں ہو سکتی ہے مگر گرمی کے موسم میں غالباً اس کا تحمل اس کو نہ ہو مگر ایک صورت سے دن کو بہت سا سو لیوے حاصل یہ کہ عالم کے اوقات کی ترتیب ایسی ہونی چاہیئے جیسے مذکور ہوئی۔ سوم طالب علم اس کو طلب علم میں مشغول ہونا ذکر اور نوافل میں لگے رہنے کی بہ نسبت اچھا ہے اسی لیے ترتیب اوقات کے باب میں اس کا اور عالم کا ایک حکم ہے اتنا فرق کہ جس وقت میں عالم افادہ میں مشغول ہو اس وقت طالب علم استفادہ میں مصروف ہو، اور جو وقت عالم کی تصنیف کا ہے

اس وقت یہ حاشیہ چڑھانا اور کتابت کرنی اختیار کرے۔ اوقات اسی طرح ہیں جیسے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور جو کچھ ہم نے باب العلم میں علم کی اور اس کے سیکھنے کی فضیلت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کا سیکھنا ان وظائف سے بہتر ہے بلکہ اگر کوئی شخص مجلسِ علم میں حاضر ہو کر یوں نہ سیکھے کہ لکھتا جاوے اور یاد کرتا جاوے کہ عالم ہو جاوے بلکہ وہ شخص عوام ہی میں سے ہو تب بھی اس کا ذکر اور وعظ اور علم کی مجلسوں میں حاضر ہونا ان وظائف سے کہیں اچھا ہے جو ہم بعد صبح اور طلوع کے پیچھے اور دوسرے تمام اوقات میں لکھ آئے ہیں کیونکہ ابوذرؓ کی حدیثؒ میں آچکا ہے کہ مجلسِ ذکر میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز سے اور ہزار جنازوں کے شریک ہونے سے اور ہزار بیمار پرسی سے اچھا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم جنت کے گلزار دیکھو تو ان میں چرو، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جنت کے گلزار کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ اور کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ اگر علماء کی مجالس کا ثواب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جاوے تو اس پر کٹ مریں، یہانتک کہ ہر ایک امیر اپنی امارت چھوڑ دے اور ہر ایک بازاری اپنے بازار سے دست بردار ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے گھر سے ایسی طرح نکلتا ہے کہ اس پر تہامہ کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہوتے ہیں، مگر جب کسی عالم کا کلام سنتا ہے اور اپنے گناہوں پر افسوس و ندامت کرتا ہے تو اپنے گھر ایسی طرح لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ پس تم علماء کی مجلسوں سے علیحدہ مت رہو کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی جگہ علماء کی مجالس سے بزرگ تر نہیں پیدا کی۔ اور کسی شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا کہ میں آپ سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ مجالسِ ذکر میں بیٹھ کر سختی دل جاتی رہے گی۔ اور عمار زاہد نے مسکینہ طفلویہ کو خواب میں دیکھا جو ہمیشہ ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوتی تھیں اور کہا کہ اے مسکینہ، مرحبا، اس نے کہا کہ اب مسکنت دور ہو گئی اور توانگری آئی۔ عمار نے کہا کہ حال تو کہو، مسکینہ نے کہا کہ اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کے لیے جنت بالکل مباح کر دیئے گئے، عمار نے کہا کہ یہ درجہ کس سبب سے حاصل ہوا، کہا کہ اہل ذکر کے پاس بیٹھنے سے۔ حاصل یہ کہ اگر کسی واعظ خوش کلام پاک سیرت کے کہنے سے دل کے اوپر سے محبت دنیا کی گرہوں میں سے ایک بھی کھل جائے تو یہ اس کی بہ نسبت اشرف اور مفید تر ہے کہ باوجود دل میں دنیا کی محبت ہونے کے بہت سی رکعتیں آدمی پڑھے،

چہارم اہل حرفہ کہ اپنے عیال کے لیے کمائی کا محتاج ہو اس کو جائز نہیں کہ اپنے عیال کو فاقوں مار ڈالے اور سارے اوقات عبادتوں میں مستغرق کر دے بلکہ اس کو یہی چاہیئے کہ کام کے وقت بازار جائے اور اپنے پیشہ میں مشغول ہو، ہاں مناسب یہ ہے کہ اپنے پیشہ میں ذکرِ الٰہی کو نہ بھولے بلکہ تسبیحات اور ذکر اور تلاوت پر مواظبت رکھے کہ یہ باتیں کام کرنے کے ساتھ بھی ادا کر سکتا ہے۔ اور جب مقدارِ کفایت کما چکے تو چاہیئے کہ وہی وظائف معمولی بجا لائے اور جو اوپر مذکور ہوئے، اور اگر دن بھر پیشہ میں لگا رہے اور جو اپنی حاجت سے زائد ہو اس کو دے ڈالے تو یہ ان اوراد سے بہتر ہے جو ہم نے لکھے ہیں کیوں کہ جس عبادت کا فائدہ اور دن کو بھی پہنچے، وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا نفع خاص ایک ہی شخص کو ہو اور صدقہ اور خیرات کی نیت سے کمانا بذاتِ خود ایسی عبادت ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتی ہیں، پھر اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور مسلمانوں کی

ؒ باب العلم میں گذری ہے ۱۲ ؒ باب العلم میں گذری ہے ۱۲

دعا کی برکت حاصل ہوتی ہے اور اس سے ثواب دونا چوگنا ہو جاتا ہے۔ پنجم حاکم جیسے امام اور قاضی اور مسلمان کے امور کے نگرانی کا متولی تو ایسے شخص کے حق میں مسلمانوں کی حاجتوں کا پورا کرنا اور شریعت کے موافق اخلاص کی نیت سے ان کی غرضیں نکالنی اوراد مذکورہ کی بہ نسبت بہتر ہے اس لیے اس کے حق میں یہ مناسب ہے کہ دن کو تو فرض نماز پر اکتفا کر کے لوگوں کے حقوق میں مشغول رہے اور وظائف مذکورہ کو رات میں ادا کرے جیسے حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو نیند سے کیا علاقہ کہ اگر میں دن کو سوؤں تو مسلمانوں کو تلف کرتا ہوں اور رات کو سوتا ہوں تو اپنے نفس کو تباہی میں ڈالتا ہوں، اور بیانِ گذشتہ سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ دو باتیں عبادتِ بدنی پر مقدم ہوتی ہیں۔ اوّل علم دوسری مسلمانوں کے ساتھ نرمی برتنی، اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں بذاتِ خود عمل و عبادت ہیں اور عبادت میں سے انہیں کو فضیلت ہوتی ہے جن کا فائدہ دوسروں کو پہنچے اور نفع پھیلے، چونکہ یہ دونوں باتیں اسی قسم کی ہیں، اس لیے عبادات پر مقدم ٹھہریں، ششم وہ موحد کہ واحد پاک میں مستغرق ہو، اور اس کے سوا اس کو اور کوئی فکر ہی نہ ہو، نہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور سے محبت کرتا ہو اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈرتا ہو، اور نہ کسی دوسرے سے رزق کی توقع رکھتا ہو، اور جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس میں خدا ہی نظر آتا ہے پس جس شخص کا رتبہ اس درجہ پر پہنچ جائے تو اس کو اپنے اوقات کے بانٹنے اور چھانٹنے کی ضرورت نہیں، بلکہ بعد فرائض کے اس کے لیے ایک ہی وظیفہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر حال میں دل کا حاضر رہنا یعنی جو امر اس کے دل میں گذرے اور جو آواز کان میں پڑے اور جو شے آنکھوں کے سامنے ہو، سب میں اس کو عبرت اور فکر مزید حاصل ہو، نہ اس کا کوئی محرک خدا تعالیٰ کے سوا ہو اور نہ کوئی ساکن کرنے والا، ایسے شخص کے جمیع حالات اس بات کے شایاں ہوتے ہیں کہ اس کے زیادتی مراتب کے سبب ہوں، اسی وجہ سے ایسے لوگوں کے نزدیک ایک عبادت اور دوسری میں کچھ فرق نہیں ہوتا ہے یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف گریز کر گئے ہیں اور انہیں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق ہوا ہے[ا] واذا اعتزلتموھم وما یعبدون الا اللہ فاوا الی الکھف ینشر لکم ربکم من رحمتہ اور اس آیت میں بھی انہیں کی طرف اشارہ ہے[۲] انی ذاھب الی ربی سیھدین۔ اور یہ درجہ صدیقوں کے رتبہ کی انتہا ہے، اس درجہ پر آدمی نہیں پہنچتا ہے مگر بعد اس کے کہ ایک مدتِ دراز تک ترتیبِ اوراد اور ان کی مواظبت کرے۔ پس طالب آخرت کو نہ چاہیئے کہ ان باتوں میں سے کچھ منکر براہ مغالطہ اپنے نفس میں ان کا مدعی ہو اور اپنی معمولی عبادتوں میں سستی کرنے لگے، کیونکہ ایسے لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کوئی وسوسہ نہ کھٹکے، نہ گناہ کا خطرہ ہو نہ ہجوم اموال سے اپنی جگہ سے ہلیں نہ بڑے بڑے اشغال ان کے مقصود کے خارج ہوں، پس یہ رتبہ ہر شخص کو کہاں نصیب ہے اس صورت میں تمام لوگوں کے حق میں اوراد کی ترتیب ویسی ہی ہے جیسی ہم نے ذکر کی ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف کے راستے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۳] قل کل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم

[ا] اور جب تم نے کنارہ پکڑا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا اب جا بیٹھو اس کھوہ میں پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی مہر ۱۲ [۲] میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا ۱۲ [۳] تو کہہ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر، سو تیرا رب بہتر جانتا ہے کون خوب سوجھا ہے راہ ۱۲

بمن هو اهدیٰ سبیلا۔ راہ یاب سب ہیں مگر بعض کو بعض کی بہ نسبت زیادہ ہدایت ہے[1] اور ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے تین سو تینتیس[333] طریقے ہیں جو شخص کہ ان میں سے ایک طریق کی شہادت پر بھی مرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایمان موافق شمار رسولوں کے تین سو تیرہ[313] اخلاق ہیں، پس جو ایماندار کہ ان میں سے ایک خلق پر ہے وہ اللہ کی طرف راستے کا سالک ہے، حاصل یہ کہ لوگوں کے طریقے اگرچہ عبادت کے باب میں مختلف ہیں مگر سب راہ پر ہیں[2] اولٰئك الذین یدعون یبتغون الیٰ ربهم الوسیلة ایهم اقرب ان کا مصداق ہے انہیں اگر فرق ہے تو صرف قرب کے درجات میں ہے نہ اصل قرب میں، اور سب سے قریب تر اللہ تعالیٰ کی طرف وہ ہیں جو سب کی بہ نسبت زیادہ عارف ہیں اور سب سے زیادہ عارف ضرور ہے کہ وہی ہوں گے جو اس کی عبادت زیادہ کرتے ہوں۔ چونکہ جو شخص اس کو پہچان لیتا ہے وہ دوسرے کی عبادت نہیں کرتا، اور وظیفوں کے باب میں ہر صنف کے حق میں اصل مداومت ہے کیونکہ غرض وظائف سے صفات باطنی کا بدلنا ہے اور عمل کا ایک دو بار کرنا تاثیر کم کرتا ہے بلکہ اس کا اثر معلوم بھی نہیں ہوتا، اثر تو سب اعمال پر مرتب ہوا کرتا ہے۔ اور جب ایک بار عمل کرنے کا اثر ظاہر میں معلوم نہیں ہوتا اور دوسری بار اور تیسری بار کے کرنے سے اس کی پختگی جلد نہیں کی جاتی تو اول کا اثر بالکل ہی مٹ جاتا ہے اور اس کا حال فقیہ کا سا حال ہو جاتا ہے، جو یہ چاہے کہ میں خوب فقیہ ہو جاؤں کہ وہ بھی بدوں بہت سی دفعہ مسائل کے دہرانے کے فقیہ نہ ہوگا، اگر مثلاً ایک رات بیٹھ کر مسائل کو دو چار بار کہہ لے اور مہینہ بھر یا ہفتہ بھر چھوڑ دے پھر ایک رات میں محنت کرے تو اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ اور اگر اس محنت کو باہم راتوں پر تقسیم کر کے ہر شب تھوڑی تھوڑی محنت کیا کریں تو اس کا اثر اس میں ہوگا، اور اسی بھید کی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احب[5] الاعمال الی اللہ ادومها وان قل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کا حال لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ آپ کا عمل تھا اور جب[6] کوئی عمل آپ کرتے تھے تو اس کو مستحکم کرتے تھے، اور یہ ہی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[3] کہ جس شخص کو خدائے تعالیٰ نے کسی عبادت کا عادی کر دیا اور وہ اس کو اکتا کر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس سے نہایت ناراض ہوتا ہے اور یہی سبب تھا کہ آپ سے جب باہر کے لوگوں کے آنے کی جہت سے دو رکعتیں رہ گئیں تو ان کو عصر کے بعد تدارک مافات کے لیے پڑھ لیا، پھر آئندہ کو وہ دو رکعتیں ہمیشہ عصر کے بعد پڑھتے رہے مگر اپنے مکان پر پڑھیں تاکہ کوئی اس باب میں آپ کی پیروی نہ کرے۔ اس امر کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے[4] اب اگر یہ کہو کہ عصر کے بعد کا وقت تو مکروہ ہے اس میں دوسرے شخص کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء سے یہ رکعتیں جائز ہیں کہ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت میں نماز کا مکروہ ہونا تین وجہوں سے ہم بیان کر چکے ہیں اول آفتاب پرستوں کی مشابہت سے بچنا یا شیطان کے سینگ نکلنے کے وقت سجدہ سے احتراز کرنا یا اکتانے کے خوف سے عبادت میں آرام کامل جانا

---

[1] طبرانی و بیہقی بروایت مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن عتبہ ۱۲ [2] وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے ۱۲

[3] باب اسرار نماز میں گذری ہے ۱۲ [4] بخاری و مسلم بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲

[5] محبوب تر اعمال میں سے خدا کے نزدیک وہ ہیں جو ہمیشگی زیادہ رکھتے ہوں اگرچہ کم ہوں بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ [6] مسلم ۱۲

اور یہ تینوں صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہو نہیں سکتیں، اسی لیے اس باب میں دوسرے کو آپ کے اوپر قیاس نہیں کر سکتے، اور اس کا شاہد یہ ہے کہ آپؐ نے اس فعل کو گھر میں کیا تاکہ آپؐ کی اقتدا نہ کرے۔

دوسری فصل مغرب و عشاء کے درمیان کی عبادت کے فضائل

اور سببوں کے ذکر میں جن سے رات کو جاگنا آسان ہو اور رات کے بانٹنے کی کیفیت اور ان راتوں کے بیان میں جن کا جاگنا اور عبادت کرنا مستحب ہے اور اس فصل میں پانچ بیان ہیں۔

رات جاگنے اور عبادت کرنے کی فضیلت

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۱] کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب نمازوں میں افضل مغرب کی نماز ہے کہ اس کو نہ مسافر سے کم کیا نہ مقیم سے، رات کی نماز کو اس سے شروع کیا اور دن کی نماز کو اسپر تمام کیا، پس جو شخص مغرب کی نماز اور بعد اس کے دو رکعتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو محل جنت میں بنائے۔ راویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ سونے کے فرمائے یا چاندی کے، اور جو شخص اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے بیس برس کے گناہ بخش دے یا چالیس برس کے گناہ عفو فرمائے۔ اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا[۲] کہ جو کوئی مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے تو اس کے لیے یہ رکعتیں ایک برس کامل کی عبادت کے برابر ہوں گی یا یہ فرمایا کہ گویا شبِ قدر کو تمام رات نماز پڑھی، اور سعید بن جبیرؓ حضرت ثوبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ جو شخص مغرب و عشاء کے درمیان مسجد جماعت میں معتکف ہو کر سوائے نماز یا قرآن کے اپنے آپ کوئی کلام نہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر شایاں ہو گا کہ اس کے لیے دو محل جنت میں بناوے کہ ان دونوں میں سے ہر محل کا فاصلہ سو برس کی راہ ہو گا، اور دونوں کے درمیان درخت لگا دے گا کہ ان میں تمام دنیا والے پھریں تو سب کی گنجائش کر جائیں۔ اور ایک حدیث میں فرمایا[۴] جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان میں دس رکعتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک محل جنت میں بنا دے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ تب تو ہمارے محل بہت سے ہو جائیں گے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ بہت بڑا ہے اور بڑے فضل والا یا یہ فرمایا کہ اللہ بہت پاک ہے۔ اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے[۵] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نمازِ مغرب جماعت میں پڑھے، پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے اور اس درمیان میں دنیا کے باب میں کچھ نہ بولے اور پہلی رکعت میں الحمد اور دس آیتیں سورۂ بقر کے شروع کی اور دو آیتیں اس کے درمیان میں کی یعنی والٰھکم الٰہ واحد سے لقوم یعقلون

---

[۱] طبرانی اوسط بسند ضعیف ۱۲ [۲] ترمذی و ابن ماجہ اور ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور یہ جملہ کہ گویا شبِ قدر میں تمام رات نماز پڑھے قول کعب احبار رحمۃ کا ہے بقول ابو سعید صفار ۱۲ [۳] ان الفاظ سے جو احیاء میں ہے اس کی سند مجھ کو نہیں ملی۔ باب اسرار نماز میں بروایت ابن عمرؓ جو اصل تھی وہ گزر چکی ۱۲ [۴] ابن مبارک در زہد بروایت عبد الکریم بن الحارث مرسلاً ۱۲ [۵] ابن حبان در ثواب باندک اختلاف اور یہ حدیث ضعیف ہے ۱۲

تک۔ اور پندرہ بار قل ہو اللہ پڑھے پھر رکوع اور سجدہ کر کے جب دوسری رکعت کو کھڑا ہو تو الحمد اور آیۃ الکرسی اور دو آیتیں اس کے بعد اولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون تک اور تین آیتیں سورۂ بقرہ کے آخر کی للّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض سے آخر سورۃ تک اور قل ھو اللہ احد پندرہ بار پڑھے تو ان کا ثواب حدیث میں ذکر فرمایا کہ خارج از حصر ہے اور کرز بن وبرہ جو ابدال میں سے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھ کو کوئی ایسی چیز بتاؤ کہ میں اس کو شب کیا کروں، انھوں نے فرمایا کہ جب تم مغرب کی نماز پڑھو تو عشاء کے وقت تک نماز ہی میں رہا کرو اور کسی سے کلام مت کرو اور دھیان نماز ہی میں رکھو اور ہر دوگانہ کے بعد سلام پھیرو۔ اور ہر رکعت میں ایک بار الحمد اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھو اور جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو تو اپنے مکان کو چلے آؤ اور کسی سے کلام نہ کرو، اور دو رکعتیں مکان پر پہنچ کر پڑھو، ہر رکعت میں الحمد ایک بار اور قل ہو اللہ سات بار پھر سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرو اور سات بار اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرو اور سات بار پڑھو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر اپنا سر سجدے سے اٹھا کر برابر بیٹھ جاؤ اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھو[ع] یا حی یا قیوم یا ذا الجلال والاکرام یا الہ الاولین والاخرین یا رحمٰن الدنیا والاخرۃ و رحیمھما یا رب یا رب یا رب یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ پھر کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ اٹھا کر یہی دعا مانگو، پھر جہاں چاہو قبلہ رُخ داہنی کروٹ پر لیٹ رہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھو اور درود اتنا پڑھو کہ پڑھتے پڑھتے سو رہو۔ میں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ بتا دیں کہ آپ نے یہ دعا کس سے سُنی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دعا کی وحی ہوئی تھی اور آپ نے ایک شخص کو تعلیم فرمائی تھی میں اس وقت آپ کی خدمت میں گیا تھا اور آپ کے پاس موجود تھا، یہ معاملہ میرے سامنے ہوا پس جس شخص کو آنحضرت صلعم نے سکھائی تھی اس سے میں نے سیکھی[ع] ہے اور کہتے ہیں کہ جو کوئی اس دعا اور اس نماز پر حسنِ یقین اور صدقِ نیت سے مداومت کرے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے نکلنے کے پیشتر خواب میں دیکھے گا، اور بعض لوگوں نے جو اس عمل کو کیا تو خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل کیے گئے اور وہاں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اور اسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوئے، اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور تعلیم فرمایا۔ حاصل یہ کہ اس وقت کی عبادت کی فضیلت میں بہت کچھ وارد ہوا ہے یہاں تک کہ کسی نے عبید[ع] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولیٰ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوائے نماز فرض کے اور کسی نماز کے لیے بھی حکم فرماتے تھے کہ نہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہاں مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز کے لیے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اور ایک حدیث[ع] میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی مغرب اور عشاء کے درمیان میں نماز پڑھے تو یہ نماز اوابین کی ہے۔ اور اسود[رض] کہتے ہیں کہ میں جب کبھی حضرت ابن مسعود[رض] کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا تو ان کو نماز پڑھتے دیکھا، میں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا کہ یہ وقت غفلت کا ہے اس لیے اس میں نماز پڑھتا ہوں۔ اور حضرت انس[رض] اس نماز پر مواظبت

[ع] اس کی کچھ اصل حدیث میں نہیں ہے ۱۲ [ع] احمد اور اس کی اسناد میں ایک راوی کا نام نہیں ہے ۱۲ [ع] باب اسرار نماز میں گذری ۱۲ [ع] اے زندہ اے توانا اے بزرگی بڑائی والے اے اگلوں پچھلوں کے معبود اے دنیا و آخر کے مہربان اور رحمت والے اے پروردگار اے رب اے مالک اے معبود اے اللہ خدا ۱۲

فرماتے اور کہتے یہ ناشئۃ اللیل یعنی رات کی طاعت ہے اور اسی باب میں یہ آیت اتری تتجافی جنوبھم عن المضاجع اور احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان دارانی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ بہتر ہے کہ میں دن کو روزہ رکھوں اور مغرب وعشاء کے درمیان نماز کھانا کھاؤں یا یہ اچھا ہے کہ دن کو افطار کروں اور اس وقت میں نماز پڑھوں، آپ نے فرمایا کہ روزہ بھی رکھو اور نماز بھی پڑھو، میں نے کہا کہ اگر دونوں نہ ہو سکیں، فرمایا کہ دن کو افطار کرو اور اس وقت میں نماز پڑھو۔

رات کے جاگنے اور عبادت کرنے کی فضیلت

آیتیں اس باب میں یہ ہیں[1] ان ربك یعلم انك تقوم ادنی من ثلثی اللیل ونصفه وثلثه الایۃ اور فرمایا[2] ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا اور فرمایا[3] تتجافی جنوبھم عن المضاجع اور فرمایا[4] امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجوا رحمۃ ربه اور فرمایا[5] والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما اور فرمایا[6] استعینوا بالصبر والصلوۃ۔ بعضوں نے اس نماز کو شب کی نماز کہا ہے کہ اس پر صبر کرنے سے مجاہدہ نفس پر استعانت لی جاتی ہے اور احادیث بھی ان کے فضائل میں بہت ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[7] کہ شیطان تم میں سے ایک شخص کی گدی پر جب وہ سوتا ہے تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ پر یہی پھونک دیتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے سو رہ، پس اگر وہ شخص جاگے اور خدائے تعالیٰ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وضو کرے تو دوسری گرہ ڈھیلی ہوتی ہے اور اگر نماز پڑھے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے اور صبح کو سرور کے ساتھ طیب النفس اٹھتا ہے ورنہ نفس کا خبیث اور سست اٹھتا ہے اور ایک حدیث[8] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ تمام رات سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی کہ اس شخص کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[9] کہ شیطان کے پاس ایک سونگھنی اور ایک چٹنی اور ایک انجن ہے۔ جب وہ کسی کو سونگھنی سونگھا دیتا ہے تو اس کی عادت بری ہو جاتی ہے اور جس وقت چٹنی چٹاتا ہے اس کی زبان تیز اور فحش ہو جاتی ہے اور جب انجن لگا دیتا ہے تو رات کو صبح تک سوتا رہتا ہے اور فرمایا کہ دو رکعتیں اگر بندہ پچھلی رات کے درمیان پڑھے تو اس کے لیے دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ اور اگر میں اپنی امت پر ان کو مشکل نہ جانتا تو ان پر ان دونوں رکعتوں کو فرض کر دیتا اور حدیث صحیح میں حضرت جابرؓ سے مروی[10] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان من اللیل ساعۃ لایوافقھا عبد مسلم لایسال اللہ تعالیٰ فیھا خیرا الا اعطاہ ایاہ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں لیسال اللہ خیرا من امر الدنیا والاخرۃ اعطاہ ایاہ وذلك فی کل لیلۃ۔ اور مغیرہ بن شعبہؓ روایت[11] کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اتنا کھڑے ہوئے

---

[1] تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات ۱۲ [2] البتہ اٹھنا رات کا سخت روندتا ہے۔ اور سیدھی نکلتی ہے بات اور اکثر تفاسیر میں یہ معنی لیے ہیں کہ رات میں نماز میں کھڑے ہونے سے خوب دل وزبان سے موافقت ہوتی ہے ۱۲ [3] الگ رہتی ہیں کروٹیں ان کی اپنے سونے کی جگہ سے ۱۲ [4] بھلا ایک کامرین جو لگا ہے گھڑیوں رات کے سجدے کرتا اور کھڑا رہتا خطرہ رکھتا آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی ۱۲ [5] اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے ہو کر ۱۲ [6] اور قوت پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے ۱۲ [7] بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [8] بخاری ومسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [9] طبرانی بروایت انس بزانہ بروایت سمرہ بن جندب اور دونوں کی سند ضعیف ہے ۱۲ [10] محمد بن نصر مروزی بروایت حسان بن علیہ مرسلاً ۱۲ [11] اس حدیث کا ترجمہ اور سند آخر بیان سوم میں ہے ۱۲

کہ آپ کے پاؤں پھٹ گئے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ بخشے گئے، آپ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گذار نہ بنوں۔ اس کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب آپ کا رتبہ کی زیادتی سے کنایہ ہے اس لیے کہ شکر باعث مزید نعمت ہے، چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[تے] لئن شکرتم لازیدنکم اور حضرت ابوہریرہ رض کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اگر یہ چاہتے ہو کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت تم پر زندہ رہنے اور مردہ ہونے اور قبر میں رہنے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے حال میں رہے تو رات سے اُٹھ کر نماز پڑھو اور اس نماز سے اپنے پروردگار کی رضا چاہو، اے ابوہریرہ رض اپنے گھر کے کونوں میں نماز پڑھو، تمہارے گھر کا نور آسمان میں ایسا ہوگا جیسے چھوٹے اور بڑے ستاروں کی روشنی زمین کے باشندوں کے پاس ہے۔ اور فرمایا کہ رات کی عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لو کہ وہ تم سے پیشتر کے نیک بختوں کا طریقہ ہے اور اس میں یہ خوبیاں ہیں، کہ خدائے تعالیٰ کی نزدیکی اور گناہوں کا دور ہونا اور بدن میں سے روگ کا دفع رہنا اور گناہوں سے محترز رہنا اس سے نصیب ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ جس شخص کی عادت رات کو نماز پڑھنے کی ہو اور نیند اس کو غالب ہو جائے اور نہ پڑھ سکے تو اس کے لیے ثواب اس کی نماز کا لکھا جائے گا اور سونا اس کو فائدہ میں رہا۔ اور حضرت ابوذر رض کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سفر کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کے لیے کچھ سامان کرتے ہو، انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، آپ نے فرمایا کہ پھر سفر طریق قیامت بے سامان کیسے ہوگا۔ اے ابوذر رض میں تجھ کو وہ بات بتا دوں جو اس روز تیرے کام آئے، انہوں نے عرض کیا کہ فرمایئے قربان ہوں آپ پر میرے ماں باپ، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کی شدتِ حرارت کے لیے ایک روز روزہ رکھ اور رات کی تاریکی میں قبر کی وحشت کے واسطے دو[ا] رکعتیں ادا کر، اور بڑے بڑے امور کے لیے حج کر، اور کچھ صدقہ کسی مسکین کو دے یا کوئی حق بات ہی کہہ دے یا کسی بُری بات سے سکوت کر۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی شخص تھا کہ جب لوگ پڑ کر سو جاتے تو وہ اُٹھ کر نماز پڑھتا اور قرآن کی تلاوت کرتا اور دعا مانگتا کہ اے دوزخ کے پروردگار مجھ کو اس سے پناہ دے، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں مذکور ہوئی، آپ نے فرمایا[ع] کہ جب وہ ایسا کہے مجھے خبر دینا چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور اپنے آپ اس کی دعا سنی، جب صبح ہوئی تو اس سے فرمایا کہ میاں تو جنت خدائے تعالیٰ سے کیوں نہیں مانگتا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا یہ رتبہ نہیں اور نہ میرے عمل اس قابل ہیں، یہ کہہ کر وہ تھوڑا ہی ٹھہر اتھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ اس شخص سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دوزخ سے پناہ دی اور جنت میں داخل کیا۔ اور مروی ہے[ع] کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ذکر فرمایا کہ عبداللہ بن عمر رض اچھے شخص ہیں اگر رات کو نماز پڑھا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابن عمر رض سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقولہ کہہ دیا انہوں نے آئندہ سے رات کے جاگنے اور نماز کا التزام کر لیا۔ چنانچہ نافع آپ کے غلام کہتے ہیں کہ آپ ایک رات کو نماز پڑھتے

ح اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو ۱۲ ح اس کی کچھ اصل نہیں ۱۲ ح طبرانی و بیہقی بروایت ابوامامہ ۱۲ ح چوتھی فصل میں گذری ۱۲ ح ابن ابی الدنیا اور کتاب تہجد بروایت مصری بن مخلد مرسلاً اور رازی نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے ۱۲ ح مجھ کو اس کا پتہ نہیں ۱۲ ح بخاری و مسلم نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ آپ نے ان کو ایسا ارشاد فرمایا مگر ذکر جبرئیل علیہ السلام کا نہیں کیا ۱۲ ح ابن حبان بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

اور مجھ سے پوچھتے کہ نافع سحر ہوگئی، میں کہتا نہیں ہوئی، پھر آپ نماز پڑھنے لگتے، پھر فرماتے کہ نافع سحر ہوگئی، میں کہتا کہ ہاں، تو آپ بیٹھ کر استغفار پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاتی۔ اور امام زین العابدین رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما نے ایک روز جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی، اس روز جو ورد معمولی پڑھا کرتے تھے اس سے سو گئے، یہانتک کہ صبح ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اے یحییٰ! تم نے کوئی گھر میرے گھر سے اچھا پا لیا، یا کوئی میرے ہمسایہ سے بہتر تم کو مل گیا۔ اے یحییٰ قسم ہے اپنی عزت کی، اگر تو جنت کو ایک مرتبہ جھانک لے تو مارے اشتیاق کے تیری چربی پگھل جائے اور تیری جان نکل جائے اور اگر دوزخ کی طرف ایک مرتبہ جھانکے تو تیری چربی پگھلے اور آنسو کی جگہ پیپ سے رووے اور ٹاٹ کے عوض لوہا پہنے۔ اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو تہجد پڑھتا ہے اور صبح کو اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ رات کو نماز اس کو اس کے عمل سے روک دے گی۔ اور ایک حدیث[1] میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس مرد پر کہ رات سے اُٹھ کر نماز پڑھے پھر اپنی بی بی کو جگا دے اور وہ بھی نماز پڑھے، اور اگر نہ اُٹھے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس عورت پر کہ رات سے اُٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو جگا دے اور وہ بھی نماز پڑھے اور اگر نہ اُٹھے تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا دے۔ اور ایک حدیث[2] میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو جاگے اور اپنی بی بی کو جگا دے اور دونوں دوگانہ نماز ادا کریں تو خدائے تعالیٰ کے زیادہ تر ذاکرین اور ذاکرات میں لکھے جائیں گے اور فرمایا کہ فرض نماز کے بعد سب میں افضل نماز شب ہے۔ اور حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے ورد یا اس میں سے کسی قدر سو جائے پھر فجر اور ظہر کے درمیان اس کو پڑھ لے تو اس کے لیے ایسا ہی لکھا جائے گا کہ گویا رات سے پڑھا ہے اور آثار بھی اس باب میں بہت ہیں۔ حضرت عمر رضؓ اپنے رات کے ورد میں کوئی آیت خوف کے مضمون کی پڑھتے تو گر جاتے یہانتک کہ بہت دنوں آپ کی عیادت کی جاتی جیسے بیماروں کی عیادت ہوتی ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضؓ جب لوگ سو جاتے تو ان کے پڑھنے کی آواز صبح تک مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح سنی جاتی۔ اور کہتے ہیں کہ ایک رات سفیان ثوریؒ نے کھانا پیٹ بھر کر کھایا پھر فرمایا کہ گدھے کو جب گھاس زیادہ دی جاتی ہے تو کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے پس صبح تک عبادت کرتے رہے۔ اور طاؤسؒ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو اس پر ایسے اچٹتے جیسے دانہ بھوننے کے وقت اچٹتا ہے، پھر اچھل کر اس سے علیحدہ ہوتے اور صبح تک نماز پڑھتے پھر فرماتے ع عابد کی نیند یادِ جہنم میں اڑ گئی۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم کوئی کام زیادہ سخت رات کی محنت اور اس مال کے دینے سے نہیں جانتے۔ پھر کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تہجد گذاروں کے چہرے اور لوگوں سے اچھے ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور میں سے کسی قدر پہنا دیتا ہے اور کوئی نیک بخت اپنے کسی سفر سے پھر کر آئے، ان کے لیے بستر بچھایا گیا، اس پر سو رہے یہانتک کہ ان کا وردِ شب کا فوت ہوگیا، انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ کو کبھی بستر پر نہ سوؤں گا، اور عبدالعزیز ابن ابی رواد رات گئے اپنے بستر کے پاس آتے اور اس پر ہاتھ پھیر کر کہتے کہ تو نرم تو ہے مگر بخدا جنت میں تجھ سے بھی نرم تر ہے، پھر ساری رات

---

[1] ابوداؤد وابن حبان بروایت ابوہریرہ رضؓ [2] ابوداؤد ونسائی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

نماز پڑھتے رہتے۔ اور فضیلؒ کا قول ہے کہ جب رات میرے سامنے آتی ہے تو اول اول اس کی درازی سے مجھے خوف لگتا ہے، مگر میں قرآن شروع کر دیتا ہوں تو اپنی حاجت پوری نہیں کرتا کہ صبح ہو جاتی ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے سبب سے رات کے اٹھنے سے محروم رہتا ہے۔ اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جب تم سے رات کا جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا نہ ہو سکے تو جان لو کہ محروم ہو، اور تمہارے گناہ بہت ہو گئے ہیں۔ اور صلۃ بن اشیمؒ تمام رات نماز پڑھتے جب سحر ہوتی تو دعا کرتے کہ الہٰی مجھ جیسا شخص جنت کیسے طلب کرے لیکن اپنی رحمت سے مجھ کو دوزخ سے پناہ دے۔ اور ایک شخص نے کسی حکیم سے کہا کہ مجھ سے شب بیداری نہیں ہو سکتی، اس نے کہا کہ بھائی دن کو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی مت کر، پھر شب بیداری نہ کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اور حسن بن صالح کے پاس ایک لونڈی تھی، انہوں نے ایک قوم کے ہاتھ اس کو بیچ ڈالا، جب آدھی رات ہوئی وہ لونڈی اُٹھی اور کہا کہ اُٹھو گھر والو نماز پڑھو، انہوں نے کہا کہ صبح ہو گئی جو نماز پڑھیں، لونڈی نے پوچھا کہ تم فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں پڑھتے، انہوں نے کہا، نہیں، وہ لونڈی حسن کے پاس آئی اور کہا کہ آقائے مَن تم نے مجھ کو ایسے لوگوں کے ہاتھ دیا جو تہجد نہیں پڑھتے، مجھ کو واپس کر لو، چنانچہ انہوں نے اس کو لوٹا لیا اور دام پھیر دیئے۔ اور ربیع کہتے ہیں، کہ میں امام شافعیؒ کے مکان میں بہت راتوں سویا ہوں، میں نے دیکھا کہ آپ رات کو بہت تھوڑا سوتے تھے۔ اور ابوالجویریہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ چھ مہینے رہا ہوں۔ اس عرصہ میں کوئی شب ایسی نہیں ہوئی کہ آپ نے زمین پر اپنی کروٹ لگائی ہو، اور امام ابوحنیفہؒ کا دستور تھا کہ نصف شب عبادت کیا کرتے لیکن ایک بار کچھ لوگوں کے پاس گزر ہوا تو انہوں نے آپس میں ذکر کیا کہ یہ شخص تمام رات ذکر کرتا ہے، آپ نے اپنے دل میں کہا کہ میری صفت وہ بیان کرتے ہیں جو میں نہیں کرتا، اسی لیے آئندہ کو تمام رات عبادت کرنے لگے۔ اور کہتے ہیں کہ رات کو آپ کے لیے کوئی بستر نہ تھا۔ اور کہتے ہیں کہ مالک بن دینارؒ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ پڑھ کر صبح کر دی[ٖ] ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون۔ اور مغیرہ بن حبیب، کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن دینارؒ کو دیکھا کہ انہوں نے بعد عشاء کے وضو کیا پھر اپنی جانماز پر کھڑے ہو کر اپنی داڑھی پکڑی اور آنسوؤں سے گلا رک گیا، پھر یہ کہنا شروع کیا کہ الہٰی مالک کے بوڑھاپے کو دوزخ پر حرام کر دے۔ الہٰی تجھے معلوم ہے کہ جنت میں کون رہے گا اور دوزخ میں کون رہے گا تو مالک ان دونوں فریقوں میں سے کونسا ہے اور ان دونوں گھروں میں سے مالک کا گھر کونسا ہے۔ اسی طرح صبح صادق ہونے تک کہتے رہے۔ اور مالک بن دینار کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنا ورد بھول گیا اور سو رہا، خواب میں دیکھا کہ ایک عورت نہایت خوبصورت ہاتھ میں رقعہ لیے ہے اور مجھ سے کہتی ہے کہ تم کو اچھی طرح پڑھنا آتا ہے، میں نے کہا ہاں، اس نے وہ رقعہ مجھے دیا، دیکھا تو اس میں مضمون کا ایک قطعہ تھا:۔

قطعہ:۔ تمہیں کیا لہو میں ڈالا لذائذ اور امانی نے — کہ دھویا نقش حور جنتی دل کے سفینے سے

بہار عمر دائم ہے نہیں ہے موت جنت میں — بھری حوروں سے اور ان کو لگاؤ اپنے سینے سے

اُٹھو اب خواب غفلت سے کہ اس سونے سے بہتر ہے — تہجد میں ہو قرآن کی تلاوت گر قرینے سے

[ٖ] کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی میں برائیاں کہ ہم کریں گے ان کو برابر ان کے جو یقین لائے اور کیے بھلے کام ایک سا ان کا جینا اور مرنا برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ مسروقؒ نے حج کیا اور تمام سفر میں رات کو صرف سجدہ ہی کرنے میں بسر کر دی۔ اور ازہر بن مغیث جو بڑے تہجد گزاروں میں ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے مشابہ نہ تھی، میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں حور ہوں، میں نے کہا کہ تو مجھ سے نکاح کرلے، اس نے کہا کہ تو میرے مالک سے منگنی کا پیام کر اور میرے مہر دیدے، میں نے پوچھا کہ تیرا مہر کیا ہے؟ اس نے کہا بہت سا تہجد پڑھنا۔ اور یوسف بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ عرش کے نیچے ایک فرشتہ مرغ کی صورت ہے جس کے پنجے موتی کے اور خار سبز زبرجد کے ہیں، جب اول تہائی رات جاتی ہے تو وہ اپنے بازو پھڑپھڑا کر بانگ دیتا ہے اور کہتا ہے جاگنے والے اٹھیں۔ اور جب آدھی رات گذرتی ہے تو بازو ہلا کر چیختا ہے اور کہتا ہے کہ تہجد پڑھنے والے اُٹھیں، اور جب دو تہائی شب گذرتی ہے تو دونوں بازو بجاکر بولتا ہے کہ نماز پڑھنے والے اُٹھیں، اور جب صبح صادق ہوجاتی ہے تو بازوؤں کو ایک دوسرے پر مار کر آواز کرتا ہے کہ غافل لوگ اپنے اوپر اپنے گناہ لیے اُٹھیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہب بن منبہ یمانی نے تیس برس اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا۔ اور کہا کرتے تھے کہ اگر میں اپنے مکان میں شیطان کو دیکھوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں بستر دیکھوں۔ کیونکہ اس کو دیکھنے سے نیند آتی ہے اور ان کے پاس چمڑے کا ایک تکیہ تھا، جب ان کو نیند کا غلبہ ہوتا تو اپنا سینہ اس پر رکھ کر چند جھونکے لے لیتے پھر نماز میں لگ جاتے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ میں نے پروردگار جل شانہ کو خواب میں دیکھا اور سنا کہ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ قسم ہے اپنی عزت اور جلال کی میں سلیمان تیمی کی خواب گاہ بہت بہتر کروں گا کہ اس نے میرے لیے چالیس برس عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے اور کہتے ہیں کہ سلیمان تیمی کا مذہب یہ تھا کہ جب نیند کا اختلاط دل میں ہو جائے تو وضو جاتا رہتا ہے، اور بعض کتب پیشین میں خدائے تعالیٰ کا ارشاد مذکور ہے کہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جو حقیقت میں میرا بندہ ہے، وہ ہے کہ اپنے اُٹھنے کے لیے مرغ کی آواز کا انتظار نہ کرے

وہ اسباب جن کے ذریعہ رات کا جاگنا سہل ہو جاتا ہے

واضح ہو کہ رات کا اُٹھنا خلق پر مشکل ہے مگر جن لوگوں کو خدائے تعالیٰ توفیق دیتا ہے کہ اس کے سہل ہونے کی ظاہری اور باطنی شرطوں کو بجالاتے ہیں، ان پر کچھ دشوار نہیں۔ اب جاننا چاہیے کہ ظاہر شرطیں اس کے لیے چار ہیں۔ اوّل یہ کہ کھانا بہت نہ کھاوے کیونکہ بہت کھانے سے پانی بہت پیوے گا پھر نیند بہت آئے گی اور اٹھنا بھاری پڑ جائے گا۔ بعض مشائخ ہر شب دستر خوان پر کھڑے ہو کر کہتے کہ اے گروہ مریداں بہت مت کھاؤ، ورنہ پانی بہت پیوگے، اور بہت سا سوؤ گے پھر مرنے کے وقت بہت سا پچھتاؤ گے اور معدہ کا غذا کی ثقالت سے ہلکا رہنا ایک بڑی اصل ہے۔ دوم یہ کہ دن کو اپنے نفس پر ایسی مشقت کے کام میں نہ ڈالے جن سے اعضاء چُور ہو جائیں اور پٹھے سست پڑ جائیں کیونکہ اس وجہ سے بھی نیند آتی ہے۔ سوم یہ کہ دن کو سونا نہ چھوڑے کہ رات کے اُٹھنے کے لیے یہ سونا سنت ہے[2]۔ چہارم یہ کہ دن کو بہت سے گناہ نہ کرے کیونکہ گناہوں کا ارتکاب دل کو سخت کرتا ہے اور بندہ میں اور سامانِ رحمت میں حائل ہوتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ میں آرام سے سوتا رہتا ہوں اور رات کے اُٹھنے کو دوست رکھتا ہوں اور وضو کا پانی تیار رکھتا ہوں

---

[1] ابن ماجہ بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف ۱۲، [2] ابن ماجہ بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف ۱۲

پھر مجھے کیا ہوا ہے کہ جاگتا نہیں. آپ نے فرمایا کہ تیرے گناہوں نے تجھے روک رکھا ہے۔ اور حضرت حسنؒ جب بازار میں جا کر لوگوں کی آواز اور بے کار باتیں سنتے تو فرماتے کہ میرے دانست میں ان لوگوں کی رات بڑی ہے کیونکہ یہ دن کو نہیں سوتے۔ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کے عوض میں پانچ مہینے تک تہجد سے محروم رہا، لوگوں نے پوچھا وہ کون سا گناہ تھا، فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو روتے دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہ ریاکار ہے۔ اور بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں کرز بن وبرہ کے پاس گیا، اس وقت وہ روتے تھے، میں نے پوچھا کہ کہیں سے کوئی خبر مرگ آپ کے کسی قریب کی آئی ہے، فرمایا کہ اس سے بھی سخت بات ہے، میں نے کہا کہ آپ کے کہیں درد ہے جو ایذا دیتا ہے، فرمایا کہ اس سے بھی سخت ہے، میں نے کہا کہ وہ کیا ہے، فرمایا کہ میرا دروازہ بند ہے اور پردہ چھوٹا ہوا ہے اور رات کا ورد میں نے نہیں پڑھا اور اس کی وجہ بجز اس کے نہیں کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے اور یہ اس لیے کہ خیر نیکی کی طرف بلاتی ہے اور بدی شر کی طرف داعی ہے اور اگر یہ دونوں اگر تھوڑے بھی ہوں تو بہت کی طرف کھینچتے ہیں اور اسی وجہ سے ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ کسی شخص سے جماعت کی نماز بدوں کسی گناہ کے فوت نہیں ہوتی، اور فرمایا کرتے تھے کہ رات کو احتلام ہونا ایک سزا ہے اور جنابت کے معنی دوری کے ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اے مسکین جب تو روزہ رکھے تو دیکھ لے کہ کس کے پاس افطار کرتا ہے اور کس چیز پر افطار کرتا ہے، کیونکہ بندہ ایک ایسا لقمہ کھاتا ہے جس سے اس کا دل پہلی حالت سے بدل جاتا ہے اور پھر حالت اصلی پر نہیں لوٹتا، غرض کہ گناہ سب موجب سختی دل ہوتے ہیں اور تہجد سے مانع ہیں خصوصی حرام کی غذا کی تاثیر اس میں بہت ہے اور دل کی صفائی اور اس کو خیرات کی طرف جنبش دینے میں جس قدر حلال کا لقمہ اثر کرتا ہے اس قدر دوسری چیز نہیں کرتی اور اس بات کو جو لوگ دلوں کے نگراں ہیں تجربہ اور شریعت کی شہادت سے جانتے ہیں اور یہیں وجہ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ بہت سے لقمے ایسے ہیں کہ تہجد کے مانع ہوتے ہیں اور اکثر نگاہیں ایسی ہیں کہ سورت کے پڑھنے کے مانع ہیں، اور بندہ ایک غذا کھاتا ہے اور ایک کام کرتا ہے جس سے برس روز کے تہجد سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح کہ نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے اسی طرح فحش اور برائی بھی نماز سے اور تمام خیر کے کاموں سے روکتی ہے۔ اور ایک مجلس کے داروغہ نے ذکر کیا ہے کہ میں دینور کے بندی خانہ کا کچھ اوپر تیس برس داروغہ رہا، جو کوئی رات کو گرفتار ہو کر آتا میں اس کا حال پوچھتا کہ اس نے تمام عشاء باجماعت پڑھی ہے یا نہیں، لوگ یہی کہتے کہ نہیں پڑھی، میں جان لیتا کہ یہی وجہ ان کی گرفتاری کی ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی برکت فحش اور برائی کے ارتکاب کی مانع ہے، اور باطن کے اسباب بھی تہجد کے اٹھنے کے لیے چار ہیں۔ اول دل کا مسلمانوں کے کینے اور بدعتوں اور فضول تردداتِ دنیاوی سے صاف ہونا اس لیے کہ جس شخص کا دل فکر دنیا کی تدبیر میں ڈوبتا رہتا ہے، اس کو رات کو اٹھنا نصیب نہیں ہوتا اور اگر اٹھتا ہے تو نماز میں تامل نہیں کرتا اپنے ترددات ہی میں مبتلا رہتا ہے اور وہی وسوسے اس کے دل کو گھیرے رہتے ہیں جیسے شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے

شعر: شب چو عقد نماز بر بندم ۔۔۔ چہ خورد بامداد فرزندم

دل پر ہر وقت خوف کا غالب رہنا اور جینے کی توقع کم ہونی کیونکہ جب آخرت کی ہواؤں اور دوزخ کے طبقات کو سوچے گا تو اس کی نیند اڑ جائے گی اور خوف بڑھ جائے گا، جیسا طاؤسؒ کا قول ہے۔ مصرع۔ عابد کی نیند یاد جہنم میں اڑ گئی۔

اور جیسے مروی ہے کہ ایک غلام صہیب نام بصرہ میں تھا، تمام رات جاگا کرتا، اس کی مالکہ نے اس سے کہا کہ تیرا رات بھر کا جاگنا دن کے کام کرنے کا حارج ہے، اس نے کہا کہ صہیب کو جب دوزخ کی یاد آتی ہے تو اس کو نیند نہیں آتی، اور ایک دوسرے غلام سے کہ وہ بھی رات بھر نہ سوتا تھا کسی نے کہا رات بھر کیوں جاگتا ہے، اس نے جواب دیا کہ جب میں دوزخ کو یاد کرتا ہوں تو مجھ کو خوف زیادہ لگتا ہے اور جب جنت کو یاد کرتا ہوں تو شوق زیادہ ہوتا ہے اس لیے سو نہیں سکتا، اور ذوالنون مصریؒ نے ایک قطعہ میں فرمایا ہے:- قطعہ

قرآن جو کہ حاوی ہے وعدہ وعید پر — مانع ہے شب میں اہل تلاوت کو خواب سے

سمجھے ہیں وہ کلام شہنشاہ اس لیے — گردن جھکا کے رہتے ہیں اور دل کباب سے

اور یہ بھی قطعہ اسی مضمون کا ہے۔ قطعہ

۱ خواب غفلت میں جو تو سوتا ہے سن اے غافل — ۱ ایک دن خواب کی کثرت سے تجھے ہو حسرت

۲ تجھ کو معلوم نہیں قبر میں مرنے کے بعد — ۲ مدتوں تک تجھے سونے کی ملے گی فرصت

۳ یا گناہوں کا ترے واسطے وطن ہو بستر — ۳ خیر کے کاموں کا یا ہووے گا فرش راحت

۴ کیا تجھے موت کے شبخوں سے ہوا حاصل امن — ۵ پڑتی کثرت سے ہے مامون پہ اس کی آفت

اور حضرت ابن مبارکؒ نے اس مضمون کا قطعہ فرمایا ہے۔ قطعہ:-

شب کی تاریکی کی ہوتی ہے اُٹھانی محنت — صبح تک پھر تو عبادت ہی میں وہ ہوتے ہیں

خوف سے نیند اُڑی اس لیے ہیں شب بیدار — امن دنیا میں ہے جن لوگوں کو وہ سوتے ہیں

سوئم یہ کہ ان آیات و اخبار و آثار سے جو رات کے جاگنے کی فضیلت میں مذکور ہوئے، جاگنے کا ثواب معلوم کرے اور اپنی توقع اور شوق ثواب کو مستحکم کرے تاکہ طلب مزید اور جنت کے درجات کی رغبت اس شوق سے جوش کرے، چنانچہ مروی ہے کہ کوئی نیکبخت جہاد سے لوٹ کر اپنے گھر آئے، ان کی بی بی نے بستر تیار کیا اور ان کی منتظر رہی، وہ بزرگ مسجد میں جاکر صبح تک نماز پڑھتے رہے، انہوں نے کہا کہ جنت کی ایک حور کے سوچ میں تھا۔ رات بھر اس کے اشتیاق میں جاگتا رہا اور گھر اور بی بی کو بھول گیا۔ چہارم جو سب باعثوں میں افضل ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس بات پر اعتقاد قوی ہے کہ عبادت میں جو حرف بولتا ہوں اس سے اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات کرتا ہوں اور وہ میرے حال پر مطلع ہے اور اس کے ساتھ جو کچھ دل میں خطرہ ہو اس کو مشاہدہ کرے اور جانے کہ یہ خطرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے ساتھ خطاب کے ہیں پس جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی تو اس کے ساتھ خلوت کو بھی پسند کرے گا اور اس سے مناجات کرنے سے لذت پائے گا۔ اور یہی لذت حبیب سے مناجات کی کثرت سے جاگنے کا باعث پڑے گی اور اس لذت کو کچھ بعید نہ جاننا چاہیئے کیونکہ عقل اور نقل دونوں اس کے شاہد ہیں، عقلی دلیل تو یہ ہے کہ جو شخص دوسرے پر خوبصورتی کی جہت سے عاشق ہو یا بادشاہ کو اس کے انعام کی جہت سے چاہتا ہو اس کے حال کو تامل کرو کہ خلوت میں اپنے محبوب کے ساتھ رہنے اور اس کی مناجات سے کیسی لذت پاتا ہے کہ نیند تک اس کو رات بھر نہیں آتی۔ اب اگر یہ کہو کہ خوبصورت آدمی کو دیکھنے سے لذت ہوا کرتی ہے

خدائے تعالیٰ تو معلوم نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر محبوب شخص خوبصورت پردہ کی آڑ میں یا اندھیرے مکان میں ہو تب بھی عاشق کو صرف اس کے پاس ہونے سے لذت ہوتی ہے اگرچہ اس کی طرف نہ دیکھے اور نہ اور کسی امر کی طمع ہو۔ اور عاشق کو اسی میں مزہ ہوتا ہے کہ اپنی محبت اس کے سامنے بیان کر دے اور اپنی زبان سے اس کا ذکر ایسی طرح کرے کہ معشوق بھی سُنے کہ یہ میرا ذکر کرتا ہے گو اس کو عاشق کی یہ باتیں معلوم ہوں مگر عاشق کو ان میں مزہ ملتا ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ عاشق اپنے معشوق کے جواب کا منتظر رہتا ہے اور جب اس کا جواب سنتا ہے تو اس سے نوبت پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام تو نہیں سنتا، اس میں لذت کیسے ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عاشق کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معشوق جواب نہیں دیتا اور سُن کر چپ ہو رہتا ہے، تب بھی اس کو اپنے حالات کہہ دینے اور مافی الضمیر کو پیش کر دینے کی لذت ہی ہوتی ہے، چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎

بیت تغافل تو مرا بہ نماید از لطفت کہ ایں بہر کس وآں خاص از برای من است

اور اہل یقین کو جو اثنائے مناجات میں دل پر کیفیتیں وارد ہوتی ہیں وہ ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور ان سے لذت پاتے ہیں جیسے کوئی بادشاہ کے پاس خلوت میں ہو کر رات کے وقت اپنی حاجتیں اس سے کہے اور اس کے انعام کی توقع سے لذت پائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ سے توقع رکھنی زیادہ سچی ہے اور جو چیز اس کے پاس ہے وہ دوسروں کے پاس کی چیز سے زیادہ تر پائیدار اور مفید ہے۔ تو پھر اپنی حاجتوں کو اس پر پیش کرنے سے خلوت میں لذت کیسے نہ ہوگی۔ اور دلیل نقلی اس لذت کی یہ ہے کہ شب بیدار اپنے رات کے جاگنے سے لذت پاتے ہیں، اور اسی وجہ سے رات کو کوتاہ جانتے ہیں جیسے عاشق شب وصل کو کوتاہ جانتے ہیں۔ چنانچہ کسی شب بیدار سے پوچھا کہ رات کو آپ کا کیا حال رہتا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے تو اس بات کا کبھی لحاظ نہیں کیا کیونکہ رات مجھے اپنی صورت دکھاتی ہے اور ڈھل جاتی ہے، میں سوچنے میں بھی نہیں پاتا کہ رات ہے۔ اور دوسرے شب بیدار نے فرمایا ہے کہ میں اور رات گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑے ہیں کہ کبھی صبح تک مجھ سے آگے نکل جاتی ہے اور کبھی مجھ کو فکر سے علیحدہ کر دیتی ہے۔ اور ایک اور شخص سے پوچھا گیا کہ رات تم پر کس کیفیت سے ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک گھنٹہ کی شب ہوتی ہے جس میں میری دو حالتیں ہوتی ہیں کہ جب اندھیرا آتا دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں، ابھی یہ خوشی پوری نہیں ہوتی کہ صبح ہو جانے کا غم کرتا ہوں۔ اور علی بن بکار کہتے ہیں کہ چالیس برس سے مجھے اور کسی چیز کا غم نہیں بجز صبح ہو جانے کے کہ ایک دم کے دم میں صبح ہو جاتی ہے۔ اور فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جب آفتاب ڈوبتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں کہ اپنے پروردگار سے خلوت نصیب ہو گی، اور جب آفتاب نکلتا ہے تو رنج کرتا ہوں کہ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اور ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ شب بیدار دل کو رات میں زیادہ مزہ ہے بہ نسبت اہل لہو کے اپنے لہو میں رہنے کے۔ اور اگر رات نہ ہوتی تو میں ہرگز دنیا میں رہنا پسند نہ کرتا۔ اور یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ شب بیداروں کو ان کے اعمال کے ثواب کے عوض وہ لذت عنایت فرمائے جو ان کو شب بیداری میں ہوا کرتی ہے تو ان کے اعمال کے ثواب سے یہ لذت زیادہ ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا وقت نہیں جو اہل جنت کے مزے کے مشابہ ہو، مگر ہاں جو مناجات کی حلاوت کہ رات کو عاجزی والوں کے دلوں میں ہوتی ہے، وہ البتہ جنت کی نعمتوں کے مشابہ ہے۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ مناجات کی لذت دنیا میں سے نہیں بلکہ وہ جنت کی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے دوستوں کے لیے ظاہر کیا ہے اور ان کے سوا دوسرے کو وہ نصیب نہیں ہوتی۔ اور

ابن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی لذتوں میں سے تین باقی ہیں، اوّل رات کا جاگنا، دوم بھائیوں سے ملنا، سوم جماعت میں نماز پڑھنا۔ اور ایک عارفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سحر کے وقت میں شب بیداروں کے دلوں کی طرف نظر کرتا ہے اور ان کو نور سے بھر دیتا ہے تو فوائد ان کے دلوں میں اتر کر روشن ہوتے ہیں، پھر ان کے دلوں سے نور زائد غافلوں کے دلوں کی طرف پھیلتا ہے۔ اور کسی عالم قدیم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی صدیق کو وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میں ان سے اور وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا اور وہ میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا، اور وہ میری طرف دیکھتے ہیں اور میں ان کی طرف، پس اگر تو ان کے طریقہ کے مطابق عمل کرے گا تو میں تجھ کو دوست رکھوں گا۔ اور اگر تو ان سے منحرف ہوگا تو تجھ پر نہایت درجہ خفا ہوں گا۔ اس صدیق نے عرض کیا کہ الٰہی ان بندوں کی پہچان کیا ہے، فرمایا کہ دن کو تو سایہ کی تاک ایسی رکھتے ہیں جیسے چرواہا بھیڑوں کی تاک رکھتا ہے۔ اور دن ڈوبنے پر ایسے ٹوٹتے ہیں جیسے پرند اپنے گھونسلے پر ٹوٹتا ہے جب ان پر رات آجاتی ہے اور اندھیرا کھل جاتا ہے اور ہر ایک دوست اپنے دوست کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو وہ لوگ اپنے پاؤں میرے لیے کھڑے کرتے ہیں، اور چہروں کو میرے سامنے زمین پر رکھتے ہیں اور میرے کلام سے میرے ساتھ مناجات کرتے ہیں اور میرے انعام کے واسطے میرے سامنے خوشامد کرتے ہیں، اس وقت کوئی چیختا ہے کوئی روتا ہے کوئی آہ کرتا ہے کوئی دم شکایت بھرتا ہے۔ جو کچھ وہ میرے لیے مشقتیں اٹھاتے ہیں وہ میری آنکھوں میں ہے اور کچھ میری محبت میں محنت کے شاکی ہیں وہ میں سب سنتا ہوں، اول عطا ان کو یہ ہے کہ اپنا کچھ نور ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہوں تو وہ میرا حال بتاتے ہیں جیسے میں ان کا حال بتاتا ہوں۔ اور دوسری عطا میری یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ان کے درمیان کی چیزیں ان کے مقابل میں ہوں تو میں ان سب کو ان کے سامنے کم جانوں۔ اور تیسری عطا یہ ہے کہ میں اپنے چہرے سے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تو بتاؤ کہ جس کی طرف میں ایسی طرح متوجہ ہوں، کوئی جان سکتا ہے کہ میں اس کو کیا دیا چاہتا ہوں۔ اور مالکؒ بن دینار فرماتے ہیں کہ جب رات سے اٹھ کر آدمی تہجد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے قریب ہو جاتا ہے اور اکابر سلف جو نرمی اور حلاوت اور انوار اپنے دلوں میں پاتے تھے تو اس کی وجہ یہی جانتے تھے کہ دل کو نزدیکی پروردگار کی ہوتی ہے اور اس امر کا ایک بھید اور تحقیق ہے، باب محبت میں اس کا بیان اشارۃً آئے گا۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے میں تیرے دل کے پاس ہو گیا اور تو نے میرا نور غیب میں دیکھا۔ اور کسی مرید نے اپنے استاد سے شکایت کی کہ میں رات بھر جاگتا ہوں، کوئی تدبیر ایسی فرمائیے کہ نیند آجائے، استاد نے فرمایا کہ بیٹا رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی لپٹیں ہوا کرتی ہیں۔ بیدار دلوں کو لگتی ہیں، سوتے دلوں کو نہیں پہنچتیں، ان لپٹوں کے لگنے کی تدبیر کر، مرید نے کہا، استاد نے خوب تدبیر بتائی کہ نہ دن کو سوؤں نہ رات کو۔ جاننا چاہیئے کہ ان لپٹوں کی توقع رات کو زیادہ ہے اس لیے کہ رات کے جاگنے میں دل کی صفائی اور دوسرے کاموں سے علیحدگی ہوتی ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جو بندہ مسلمان اس کو پاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بہتری طلب کرتا ہے

[1] مسلم ۱۲

اللہ تعالیٰ اس کو عنایت ہی کرتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ بہتری امر دنیا اور دین کا طالب ہو تو اس کو دے دیتا ہے اور یہ بات ہر شب میں ہے اور شب بیداروں کی غرض یہی ساعت ہے اور وہ تمام شب میں معین نہیں کہ کس وقت ہے، جیسے شب قدر رمضان کے مہینہ میں اور جمعہ کے دن کی ساعت معلوم نہیں اور رحمت کی لپٹوں کی ساعت وہی ہے، واللہ اعلم۔

رات کی تقسیم

جاننا چاہیئے کہ رات کا جاگنا مقدار کے اعتبار سے سات طرح پر ہے، اوّل یہ کہ تمام شب جاگے، یہ طور تو ایسے زبردست لوگوں کا ہے جو خاص خدائے تعالیٰ کی عبادت کے ہو رہے ہیں اور اسی کی مناجات سے لذت پاتے ہیں، اور شب بیداری ان کی غذا اور ان کے دلوں کی جان ہو گئی ہے اسی جہت سے وہ کثرتِ بیداری سے نہیں تھکتے اور سونا دن کو مقرر کیا ہے جس وقت لوگ کام کاج میں ہوں۔ پہلے اکابر میں سے کچھ لوگوں کا دستور ایسا ہی تھا، وہ لوگ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ابو طالبؒ مکی نے بیان کیا ہے کہ یہ بات بر سبیل تواتر و اشتہار چالیس تابعیوں سے منقول ہے، اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ چالیس برس تک اس امر پر مداومت کی، مثلاً سعید بن المسیبؒ اور صفوان بن سلیمؒ مدینہ منورہ کے اور فضیل بن عیاضؒ اور وہیبؒ بن الورد مکہ معظمہ کے طاؤسؒ اور وہب بن منبہؒ یمن کے ربیع بن خثیمؒ اور حکم کوفہ کے اور ابو سلیمان دارانی اور علی بن بکار شام کے اور ابو عبداللہ خواص، اور عاصم عباد کے یعنی مختلف قبیلوں کے اور حبیب ابو محمد اور ابو جابر سلمانی فارس کے اور مالک بن دینارؒ اور سلیمان تیمی اور یزید رقاشی اور حبیب بن ابی ثابت اور یحییٰ گیرمہ کنندہ بصرہ کے اور کہمس بن منہال جو ایک مہینہ میں نوّے ختم قرآن مجید کے کرتے۔ اور جو آیت نہ سمجھتے تو رجوع کرتے اور دوبارہ پڑھتے اور مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے ابو حازم اور محمد بن منکدر بھی ایسے ہی تھے اور ان کے سوا اور تھے جن کا شمار بہت ہے۔ دوم یہ کہ نصف شب جاگے، اس قسم کے لوگ سلف میں بے شمار ہیں، جنہوں نے نصف شب کے جاگنے پر مواظبت کی ہے اور اس باب میں عمدہ طریق یہ ہے کہ شب کی اوّل تہائی اور پچھلا چھٹا حصہ سونے میں بسر کرے تاکہ عبادت میں جاگنا سب کے درمیان اور بیچا بیچ میں ہووے کہ یہ صورت افضل ہے۔ سوم یہ کہ تہائی شب جاگے، اس صورت میں نصف شب اوّل اور چھٹا حصہ پچھلی شب میں سووے، حاصل یہ کہ آخر شب میں سونا اچھا ہے اس وجہ سے کہ اس سے صبح کو اونگھ نہیں آتی۔ اکابر سلف صبح میں اونگھنے کو مکروہ جانتے تھے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آخر شب میں سونے سے چہرے پر زردی کم آتی ہے اور انگشت نمائی کم ہوتی ہے، پس اگر اکثر شب جاگے اور سحر کو سو رہے تو زردی چہرہ بھی کم ہو گی اور اونگھ بھی تھوڑی ہو گی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آخر شب میں وتر پڑھ چکتے تو آپؐ کو حاجت اپنی ازواج کی ہوتی، تب تو ان سے قربت فرماتے ورنہ جانماز پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ بلالؓ آپؐ کو نماز کی اطلاع دیتے۔ اور یہ بھی حضرت عائشہؓ سے مروی[2] ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی سحر کے وقت جب دیکھا ہے، سوتے ہی پایا ہے۔ بعض اکابر سلف نے کہ ان میں سے ابو ہریرہؓ بھی ہیں، فرمایا ہے کہ یہ لیٹنا صبح سے کچھ پہلے سنت ہے اور اس وقت کا سونا مکاشفہ اور مشاہدہ کا سبب ہے، جو کہ غیب کے پردوں کے پیچھے سے اہل دل کو ہوا کرتا ہے اور ایک یہ

---

[1] مسلم ۱۲ [2] بخاری و مسلم ۱۲

بھی اس سے فائدہ ہے کہ اتنے آرام ملنے سے دن کے وظائف میں سے اوّل وظیفہ پر مدد ملتی ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام اس طرح رات کو جاگتے کہ پچھلی نصف شب میں سے تہائی جاگتے اور چھٹا حصہ پچھلی شب کا سوتے۔ چہارم یہ کہ رات کا چھٹا حصہ، یا پانچواں حصہ جاگے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ نصف آخر شب میں ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ رات کا پچھلا چھٹا حصہ جاگے پنجم یہ کہ جاگنے کا کچھ اندازہ ہی نہ ہو کیونکہ مقدار شب ٹھیک ٹھیک یا تو نبی کو وحی کی جہت سے معلوم ہو سکتی ہے یا اس شخص کو جو ہیئت جانتا ہو اور چاند کی منزلیں پہچانتا ہو اور ایک آدمی کو اس کے دیکھنے کے لیے مقرر کر دے کہ جب اس مقام پر چاند ہو تو جگا تا تو اس میں بھی یہ وقت ہے کہ ابر کی راتوں میں کھنڈت پڑے گی۔ لہٰذا ایسے جاگنے کے لیے یہ مناسب ہے کہ اوّل شب میں اتنا جاگے کہ اس کو نیند آجائے، پھر جب آنکھ کھلے تب اُٹھ کر عبادت کرے اور جب نیند کا غلبہ ہو تو سو رہے اس صورت میں ایک شب میں دو بار سونا اور دو بار جاگنا ہوگا، اور ایک رات کی محنت اٹھانی اسی کا نام ہے اور سب اعمال سے سخت اور افضل یہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارک بھی یہی تھی[1]۔ اور ابن عمرؓ اور دوسرے اولوالعزم اصحابؓ اور بہت سے تابعینوں کا طریق یہی تھا۔ اور بعض سلف کے اکابر فرمایا کرتے کہ سونا اول ہی بار کا ہے، اگر میں جاگ کر پھر سو رہوں تو خدائے تعالیٰ میری آنکھ کو کبھی نہ سلائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاگنا مقدار کے اعتبار سے ایک نہج پر نہ تھا، کبھی آپؐ نصف شب جاگتے، کبھی تہائی، کبھی دو تہائی، کبھی چھٹا حصہ اور سال کی تمام راتوں میں اسی طرح مختلف طور ہوتا[2]، چنانچہ سورۂ مزمل میں دو جگہ ارشادِ خداوندی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے مثلاً فرمایا[3] ان ربکم یعلم ان تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ۔ دو تہائی سے قریب تر گویا ایک نصف اور ایک بارہواں حصہ پس اگر نصفہ اور ثلثہ کو کسرہ دیا جائے تو نصف اور ثلث دو تہائی کا مراد ہوگا اور تہائی اور چوتھائی سے قریب ہو جائے گا۔ اور اگر نصب دیا جائے تو نصف اللیل اور اس کا سوم حصہ مراد ہوگا۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اٹھا کرتے تھے کہ جب آواز مرغ کی سنتے تھے[4]۔ اس حساب سے چھٹا حصہ شب کا اور اس سے کم ہوتا ہے۔ اور ایک صحابیؓ سے مروی ہے کہ میں نے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ شب کو خوب دیکھا ہے، آپ بعد عشاء کے تھوڑا سا سو رہے، پھر جاگے اور آسمان کے کناروں کو دیکھ کر فرمایا ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً یہاں تک کہ انک لا تخلف المیعاد تک پہنچ گئے، پھر اپنے بستر میں سے ایک مسواک کھینچی، اور مسواک کر کے وضو کیا اور نماز پڑھی، یہاں تک کہ میری دانست میں اس قدر ہو گیا جس قدر کہ آپ سوئے تھے پھر آپ لیٹ رہے حتیٰ کہ میں نے کہا کہ جس قدر آپ نے نماز پڑھی تھی اسی قدر سوئے، پھر آپ جاگے اور جو اوّل بار آیت پڑھی تھی، وہی اس بار پڑھی اور جو کچھ پہلے کیا تھا، وہی اس دفعہ کیا[5]۔ ششم جو اکثر مقدار جاگنے کی ہے یہ ہے کہ بقدر چار رکعتوں یا دو رکعتوں کے جاگے، یا یہ کہ وضو کرنا دشوار ہو تو قبلہ رُخ ایک ساعت ذکر و دعا میں مشغول ہو کر بیٹھے تو یہ شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے تہجد گذاروں کے زمرہ میں لکھا جائے گا۔ اور

---

[1] ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ بروایت ام سلمہؓ ۱۲ [2] بخاری و مسلم بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [3] تیرا رب جانتا ہے کہ تو اُٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات ۱۲ [4] بخاری و مسلم ۱۲ [5] نسائی بروایت حمید بن عبدالرحمٰن ۱۲

ایک اثر میں آیا ہے[1] کہ رات کو نماز پڑھ، اگرچہ مقدار بکری کے دودھ نکالنے کے ہو غرضکہ تقسیم شب کے یہ طریق ہیں طالب آخرت ان میں سے جو اپنے اوپر آسان دیکھے اس کو اختیار کرے۔ ہفتم یہ کہ جس صورت میں رات کے ٹھیک درمیان میں اٹھنا دشوار ہو تو چاہیئے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کے وقت کو اور عشاء کے بعد کے وقت کو عبادت سے خالی نہ چھوڑے پھر صبح صادق سے پیشتر سحر کے وقت اٹھ کھڑا ہو، ایسا نہ ہو کہ صبح صادق سونے کی حالت میں ہو جائے، تو اس صورت میں رات کی دونوں طرفوں میں جاگنا اور عبادت ہو جائے گی، اور چونکہ مقدار شب کی طرف اس بیان میں لحاظ تھا تو ان مراتب کی ترتیب موافق وقت کی زیادتی اور کمی کے ہے لیکن پانچویں اور ساتویں طریق میں مقدار کی طرف لحاظ نہیں کیا گیا اس لیے ان کا حال آگے پیچھے ہو جانے میں ترتیب مذکور سابق کی طرح نہیں کیونکہ ساتواں مثلاً اس وقت سے کم نہیں جو ہم چھٹے طریق میں لکھ آئے ہیں اور نہ پانچواں طریق چوتھے کی نسبت کم ہے۔

سال کے عمدہ دن اور بہترین راتیں

واضح ہو کہ جو راتیں کہ فضیلت ان میں زیادہ ہے اور ان میں جاگنا اور عبادت کرنا تاکید مستحب ہے، وہ برس میں پندرہ[15] راتیں ہیں۔ طالب آخرت کو ان سے غافل نہ ہونا چاہیئے کہ وہ راتیں خیر کی اوقات اور تجارت کی جگہیں ہیں۔ اور جس صورت میں کہ تاجر اپنے موسم سے غافل رہے گا تو اس کو فائدہ نہ ملے گا، اور جب طالب عمدہ اوقات سے بے خبر ہوگا تو فلاح نہ پائے گا ان پندرہ[15] کی تفصیل یہ ہے کہ چھ[6] راتیں ماہِ رمضان المبارک میں ہیں۔ پانچ تو اخیر عشرہ کی طاق راتیں یعنی ۲۱ اور ۲۳ اور ۲۵ اور ۲۷ اور ۲۹ اس وجہ سے کہ ان میں شبِ قدر تلاش کی جاتی ہے، اور ایک سترہویں شبِ رمضان ہے کہ جس کی صبح کو یوم الفرقان اور یوم التقی الجمعان ہوا، اسی روز میں جنگِ بدر ہوئی۔ اور ابن زبیرؓ نے فرمایا ہے کہ یہ رات شبِ قدر ہے۔ اور باقی نو[9] راتیں یہ ہیں۔ اول ماہِ محرم کی پہلی شب، دوم شبِ عاشورہ، سوم اول شب ماہِ رجب، چہارم پندرہویں شب ماہِ مذکور، پنجم ستائیسویں شب ماہِ مسطور جو شبِ معراج ہوا اور اس شب میں ایک نماز حدیث شریف میں وارد ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[2] کہ جو شخص اس رات میں بارہ[12] رکعتیں پڑھے، اور ہر رکعت میں الحمد اور قرآن کی ایک سورت پڑھے اور دو[2] رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتا جاوے اور سلام سب رکعتوں کے بعد پھیرے، پھر سو[100] دفعہ کہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اور سو[100] بار استغفار پڑھے اور سو[100] دفعہ درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑھے، اور اپنے لیے دین و دنیا کے امور میں سے جو چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب دعا قبول فرمائے گا بشرطیکہ دعا گناہ کے باب میں نہ ہو۔ ششم پندرہویں شب ماہِ شعبان کی، اس میں سو[100] رکعتیں ہیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۃ اخلاص دس[10] مرتبہ پڑھے۔ اکابر سلف اس نماز کو ترک نہ کرتے تھے، چنانچہ نفل نماز کے ذکر میں ہم اس کو لکھ آئے ہیں۔ ہفتم شب عرفہ، ہشتم نہم عیدین کی راتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ جو شخص عیدین کی دونوں راتوں میں

---

[1] ابوالولید ابن مغیث بروایت یا حائل بن معاویہ مرسلہ ۱۲ [2] ابو موسیٰ نے ذکر کیا ہے کہ ابو محمد خیازی نے بروایت محمد بن فضیل عن ابان عن انسؓ مرفوعاً کیا ہے اور محمد بن فضیل اور ابان دونوں ضعیف اور حدیث منکر ہے ۱۲ [3] ابن ماجہ بروایت ابو امامہ بسند ضعیف ۱۲

عبادت کرے، اس کا دل نہ مرے گا جس روز کہ دل مریں گے اور برس کے دنوں میں عمدہ دن انیس ہیں جن میں وظائف کا پیاپے پڑھنا مستحب ہے، پہلا عرفہ، دوم عاشورہ، تیسرا ستائیسواں دن رجب کا جو بہت بڑا شرف رکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ستائیسویں تاریخ رجب کو روزہ رکھے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ ساٹھ مہینے کے روزے لکھ دیتا ہے اور یہ وہ روزہ ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسالت لے کر اترے تھے۔ چوتھا سترہواں دن رمضان المبارک کا جو بدر کی لڑائی کا دن ہے، پانچواں پندرہواں روز شعبان کا چھٹا جمعہ کا روز، ساتواں عید کا روز اور دن ذی الحجہ کے جو ایام معلومات کہلاتے ہیں۔ اور چونکہ عرفہ پہلے گذر چکا تو یہ نو روز رہے اور تین دن ایام تشریق یعنی گیارہویں ، بارہویں تیرہویں ذیحجہ کی، جن کو ایام معدودات کہتے ہیں۔ اور حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب جمعہ اچھی طرح گذرتا ہے تو سب دن اچھے گذرتے ہیں۔ اور جب ماہ رمضان سلامت رہتا ہے تو تمام سال سلامت رہتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں پانچ روز اپنی لذتوں میں رہے گا وہ آخرت میں لذت نہ پائے گا۔ اور ان پانچ روزوں سے ان کی مراد، دو روز عید کے اور ایک جمعہ اور ایک عرفہ اور ایک عاشورہ ہے اور ہفتہ کے دنوں میں سے بہتر روز پنجشنبہ اور دوشنبہ ہے جن میں اعمال خداوند تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ اور روزہ رکھنے کے لیے جو مہینے اور دن اچھے ہیں، ان کی فضیلت ہم باب الصلوٰۃ میں لکھ آئے ہیں اب دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

جلد اوّل احیاء العلوم کی خدائے تعالیٰ کی عنایت سے پوری ہوئی ہے اس کے بعد دوسری جلد آتی ہے اور اس کا شروع کھانے کے آداب سے کریں گے بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ والحمد للہ اوّلاً وآخراً وظاہراً وباطناً وصلی اللہ علیٰ کل عبد مصطفے وعلیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ الائمۃ الہدیٰ۔

پاک و ہند میں

مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

۲ جلدیں

مصنف: مولانا مناظر احسن گیلانی

اللہ تعالےٰ کا انسان پر پہلا انعام بصورت علم اضافہ ہوا اور ہمارے نبی امی علیہ السلام علمی دنیا میں بھی بعد از بزرگ کے مصداق ہیں ——— آپ کے سینکڑوں معجزات ہیں سب سے بڑا معجزہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہے تو دوسرے نمبر پر آپ کی امت کے وہ ان گنت افراد ——— جنھوں نے خدمت علم میں اپنی زندگیاں کھپادیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے صدر نشین محفل اور ان گنت کتب کے مصنف و مؤلف مولینا مناظر احسن گیلانی کے قلم کا یہ شاہکار تعلیم و تربیت کے میدان میں مسلمان قوم کی مجتہدانہ اور مجددانہ کاوشوں کا مظہر ہے کتاب کی ایک ایک سطر میں مصنف مرحوم کا سوز و گداز شامل ہے جو ان کی تحریرات کا طرۂ امتیاز ہے۔

مدتوں سے اہل علم اس صحیفۂ نادرہ کی تلاش میں تھے ——— ہم نے بفضل ایزدی اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور کامیابی حاصل کی ——— آج کے لٹریچر میں اس کتاب کے ذریعہ ایک خوبصورت اضافہ پر ہم رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہیں۔

سوانح قاسمی

۲ جلدیں

مصنفہ: مولانا مناظر احسن گیلانی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریز نے اس خطۂ ارض میں اسلام کے نام لیواؤں کو اپنی سوچ کے مطابق بُری طرح کچل ڈالا۔ تو جن شخصیتوں نے اس روندی ہوئی قوم کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی جدوجہد کی۔ ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شخصیت سب سے زیادہ اہم ہے انہوں نے ایک ایسی تحریک کو جنم دیا۔ جس نے نہ صرف مذہبی اعتبار سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا۔ ان تعلیمات سے ہندو معاشرے کی ڈالی ہوئی گرد کو صاف کیا اور انہیں انگریزوں، ہندوؤں اور پارسیوں کی ان مذہبی سازشوں سے محفوظ کیا جو انہیں سراسر اسلام سے دور لے جانے والی تھیں بلکہ سیاسی طور پر ان میں وہ رُوح پھونک دی جس نے اُن کو اپنے وطن کی آزادی کے لئے خون دینے والے مجاہدین بنا دیا۔

معروف سیرت نگار اردو زبان کے منفرد اور نامور مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی کی لکھی ہوئی کتاب اسی ہمہ گیر انقلابی شخصیت کے انقلابی کارناموں پر مشتمل ہے ہمیں یقین ہے کہ اس انقلابی اور ہمہ صفت موصوف انسان کی زندگی میں ہمارے دور کے مسلمانوں کے لئے بہت سے اسباق ہیں اس کتاب کو پہلی دفعہ بہتر انداز میں آپکی خدمت میں پیش کرنے پر ہمارا دل فخر محسوس کر رہا ہے۔

ملنے کا پتہ:- **مکتبہ رحمانیہ** - اردو بازار - لاہور

امام اعظم ابو حنیفہ رح

یہ کتاب امام اعظم رح کی زندگی پر اُردو میں ایک جدید ریسرچ ہے جسے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدنی دارالافتاد بجنور نے پانچ سال کی انتھک محنت سے ترتیب دیا ہے۔ مشاہیر ہندوستان نے اس کتاب کو ہر اعتبار سے سراہا ہے اور اردو زبان میں اس موضوع پر چھپنے والی تمام کتب سے اسے بہتر قرار دیا ہے خود مصنف کا اس کتاب کی تصنیف کے بعد اپنے بارے میں یہ خیال ہے

غم عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
ترے عشق نے بنادی میری زندگی فسانہ

اس کتاب کی معنوی خوبیوں کو مفید عام بنانے کے لئے ہم نے عمدہ طباعت اور خوبصورت جلد کے ذریعے اس کے ظاہری حسن کو بھی دلآویز بنانے کی کوشش کی۔

مشکوٰۃ المصابیح مترجم

۳ جلدیں

حدیث شریف کی گیارہ کتابوں سے ایک جامع انتخاب جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اسلامی زندگی گزارنے کے لئے ہر پہلو سے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اپنی اسی جامعیت کی بنا پر اپنی تدوین کے روز اول سے ہی ہر حلقہ فکر اور معاشرے کے ہر طبقہ میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر ہم نے اس متاع بے بہا کو سلیس اور رواں اُردو میں پیش کیا ہے عمدہ کتابت وطباعت سے مزین تین جلدوں میں محفوظ ہے۔

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق

دو طاقتیں آپس میں ہمیشہ سے برسر پیکار رہی ہیں۔ ایک اچھائی دوسری بُرائی۔ ان دونوں کی باہمی جنگ کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ ہر دور میں دنیا کے کچھ لوگ ایک قوت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور کچھ دوسری قوت کے ساتھ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی یہ کتاب اچھائی کے علمبرداروں کی مددگار رہے اُن کے ہاتھ میں یہ کتاب ایک ایسا ہتھیار ہے جو بُرائی کے خلاف ہر میدان میں اُن کے کام آسکتا ہے ہم نے اس ہتھیار کی سج دھج کو دلآویز بنا دیا ہے۔

حیات شیخ عبد الحق محدّث دہلوی

مصنفہ: خلیق احمد نظامی

اکبری دور کے ملحدانہ نظریات کی رو میں جاہ پرست علماء کے پاؤں ڈگمگا گئے تھے۔ علماؤں کی وجہ سے دین میں رخنے پڑ رہے تھے۔ اور مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کی جارہی تھیں۔ یہ شیخ مرحوم کی ہمت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ حضرت شیخ کی تحریک نے اسوۂ رسول کو عملی پروگرام کی حیثیت سے پیش کیا اور مسلمانان ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درس حدیث کے ذریعے مستحکم کردیا علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر جناب خلیق احمد نظامی کی یہ کتاب ان ہی شیخ عبد الحق کی ملی خدمات کا مرقع ہے۔